

فَقِيهٌ وَأَجْدَأُ شَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ نَفْسِ عَائِدٍ

# فتاویٰ عالمگیری جدید

مترجم

مولانا سید امیر علی رحمانی

تسہیل و عنوانات

مولانا ابو عبد اللہ

مکتبہ رحمانیہ

قراچی - ممبئی - سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ

# فتاویٰ منیہ

المعروف بہ

# فتاویٰ عالمگیرہ

تسہیل و عنوانات

مولانا ابو عبید اللہ

خطیب جامع مسجد قضاة للعلمین  
ڈیفنس روڈ لاہور

مترجم

مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ علیہ

مصنف تفسیر مواہب الرحمن و عین الہدایہ وغیرہ

فقہ حنفی کے احکام و مسائل کا وہ عظیم و مستند ذخیرہ جو ہندوستان کے مشہور مسلمان بادشاہ حضرت عالمگیر نے اپنی نگرانی میں ملک کے مستند علماء کی ایک جماعت کے ذریعہ عربی میں مرتب کرایا تھا اس کا مستند مکمل اردو ترجمہ

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر - غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور



فَقِيهٌ وَوَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ

# فتاوی عالمگیری جدید

جلد اول

تسهیل و عنوانات

مولانا ابو عبید اللہ

خطیب جامع مسجد ترمذیہ للعلمین  
ڈیفنس روڈ لاہور

مترجم

مولانا سید امیر علی رحمہ اللہ

مصنف تفسیر مواہب الرحمن و عین الہدایہ وغیرہ

• کتاب الطہارۃ • کتاب الصلوٰۃ

• کتاب الزکوٰۃ

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر - غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب — فتاویٰ عالمگیری جدید

مترجم — مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل و عنوانات — مولانا ابو عبید اللہ

تصحیح — طارق اسماعیل صاحب ایم اے اسلامیات

مطبع — علی اعجاز پرنٹرز

ناشر — مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر

(ادارہ)

گزار ہوں گے۔

## فہرست

## مقدمہ فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیریہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۳	کتاب العاریۃ	۱۱	دیباچہ
۱۳۶	کتاب الہبۃ والاجارۃ	۱۲	الوصل: علم دین و فضائل علم و علماء
۱۳۸	کتاب المکاتب والولاء والاکراہ	۳۰	الوصل: فقہ کے بیان میں
۱۴۰	کتاب الحجر والماذون		الوصل: در تذکرہ امام ابو حنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> مع علماء و فقہاء
۱۴۲	کتاب الشفۃ	۳۴	حنفیہ خصوصاً جن کا ذکر اس فتاویٰ میں ہے
۱۴۴	کتاب القسمۃ	۸۵	الباب: ذکر طبقات فقہاء و طبقات مسائل و ذکر
۱۴۵	کتاب المزارعة	۸۷	لقب معتبرہ و غیر معتبرہ و غیرہ
۱۴۸	کتاب المعاملۃ	۸۹	الوصل: طبقات مسائل
	کتاب الذبائح		اصطلاحات مسائل
۱۴۹	کتاب الاضحیۃ	۱۰۲	الوصل فی الافشاء
۱۵۰	کتاب الکراہیۃ	۱۲۰	الفصل: اغا طسخ الاصل کے بیان میں
۱۵۱	کتاب الرہن	۱۲۲	کتاب الصلوٰۃ و زکوٰۃ و بیوع و ادب القاضی
۱۵۲	کتاب الجنایات	۱۲۳	کتاب الشہادۃ و کتاب الرجوع عن الشہادۃ
۱۵۵	کتاب الوصایا و الماضر و الشرط و الخیل		کتاب الدعوی
۱۵۶	کتاب الفرائض	۱۲۶	کتاب الاقرار
۱۷۳	باب مشکلات و مشتبهات متعلق ترجمہ	۱۳۰	کتاب اصلاح
۱۸۰	خاتمہ کتاب از مترجم	۱۳۱	کتاب المضاربتہ
۱۸۳	خاتمۃ الطبع	۱۳۲	کتاب الودیعتہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۹	باب : ⑤ موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں فصل اول ☆ ان امور کے بیان میں جو موزوں پر مسح جائز ہونے میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ مسح کی توڑنے والی چیزوں کے بیان میں	۱۸۷	کتاب الطہارۃ باب : ① وضو کے بیان میں فصل اول ☆ فرائض وضو کے بیان میں فصل دوم ☆ وضو کی سنتوں کے بیان میں فصل سوم ☆ مستحبات وضو کے بیان میں فصل چہارم ☆ مکروہات وضو کے بیان میں فصل پنجم ☆ وضو کی توڑنے والی چیزوں کے بیان میں
۲۳۲	باب : ⑥ ان خونوں کے بیان میں جو عورتوں سے مختص ہیں فصل اول ☆ حیض کے بیان میں فصل دوم ☆ نفاس کے بیان میں فصل سوم ☆ استحاضہ کے بیان میں فصل چہارم ☆ حیض و نفاس و استحاضہ کے احکام میں	۱۹۱	باب : ② غسل کے بیان میں فصل اول ☆ غسل کے فرضوں میں فصل دوم ☆ غسل کی سنتوں میں فصل سوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جن سے غسل واجب ہوتا ہے
۲۳۵	باب : ⑦ نجاستوں کے بیان میں فصل اول ☆ نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں فصل دوم ☆ نجس چیزوں کے بیان میں فصل سوم ☆ استنجاء کے بیان میں	۱۹۲	باب : ③ پانیوں کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جن سے غسل واجب ہوتا ہے فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جن سے غسل جائز نہیں
۲۳۶	فصل اول ☆ نجس چیزوں کے بیان میں	۱۹۷	باب : ④ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۳۷	فصل دوم ☆ استنجاء کے بیان میں	۲۰۲	باب : ⑤ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۳۷	کتاب الصلوٰۃ باب : ① نماز کے وقتوں کے بیان میں فصل اول ☆ نماز کے وقتوں کے بیان میں فصل دوم ☆ وقتوں کی فضیلت کے بیان میں فصل سوم ☆ ان وقتوں کے بیان میں جن میں نماز جائز نہیں	۲۰۳	باب : ⑥ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۴۲	باب : ② نجاستوں کے بیان میں فصل اول ☆ نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں فصل دوم ☆ نجس چیزوں کے بیان میں فصل سوم ☆ استنجاء کے بیان میں	۲۰۴	باب : ⑦ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۴۸	فصل اول ☆ نجس چیزوں کے بیان میں	۲۰۷	باب : ⑧ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۵۱	فصل دوم ☆ استنجاء کے بیان میں	۲۱۳	باب : ⑨ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۵۶	کتاب الصلوٰۃ باب : ① نماز کے وقتوں کے بیان میں فصل اول ☆ نماز کے وقتوں کے بیان میں فصل دوم ☆ وقتوں کی فضیلت کے بیان میں فصل سوم ☆ ان وقتوں کے بیان میں جن میں نماز جائز نہیں	۲۲۰	باب : ⑩ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۵۸	نماز جائز نہیں	۲۲۵	باب : ⑪ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں
۲۶۰	باب : ② اذان کے بیان میں	۲۲۶	باب : ⑫ تیمم کے بیان میں فصل اول ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰۷	فصل پنجم ☆ امام اور مقتدی کے مقام کے بیان میں	۲۶۰	فصل اول ☆ اذان کے طریقہ اور مؤذن کے احوال میں
۳۰۹	فصل ششم ☆ ان چیزوں کے بیان میں کہ جن میں امام کی متابعت کرتے ہیں اور جن میں نہیں کرتے	۲۶۳	فصل دوم ☆ اذان اور اقامت کے کلمات اور ان کی کیفیت میں
۳۱۰	فصل ہفتم ☆ مسبوق اور لاحق کے بیان میں	۲۶۵	باب : ③
۳۱۲	باب : ④		نماز کی شرطوں میں
۳۲۱	نماز میں حدث ہو جانے اور حیضہ کرنے کے بیان میں	۲۶۶	فصل اول ☆ طہارت اور ستر عورت کے بیان میں
	باب : ⑤		فصل دوم ☆ ستر ڈھکنے والی چیزوں کی طہارت کے بیان میں
	ان چیزوں کے بیان میں جن سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے	۲۶۸	فصل سوم ☆ قبلہ کی طرف منہ کرنے کے بیان میں
	فصل اول ☆ نماز کی فاسد کرنے والی چیزوں کے بیان میں	۲۷۳	فصل چہارم ☆ نیت کے بیان میں
	باب : ⑥		باب : ④
۳۳۲	فصل دوم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو نماز میں مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں	۲۷۶	فصل اول ☆ نماز کے فرضوں میں
۳۳۹	باب : ⑦	۲۷۹	فصل دوم ☆ نماز کے واجبوں میں
	وتر کی نماز کے بیان میں		فصل سوم ☆ نماز کی سنتوں اور اس کے آداب اور کیفیت کے بیان میں
۳۴۰	باب : ⑧	۲۸۵	فصل چہارم ☆ قراءت کے بیان میں
	نوافل کے بیان میں	۲۹۱	فصل پنجم ☆ قاری کی لغزشوں کے بیان میں
۳۵۰	باب : ⑩	۲۹۳	باب : ⑤
	فرض میں شریک ہونے کے بیان میں	۲۹۸	امامت کے بیان میں
۳۵۳	باب : ⑪		فصل اول ☆ جماعت کے بیان میں
	چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء و مسائل متفرقہ کے بیان میں		فصل دوم ☆ اس شخص کے بیان میں جس کو امامت کا حق زیادہ ہے
۳۵۹	باب : ⑫	۲۹۹	فصل سوم ☆ اس شخص کے بیان میں جو امامت کے لائق ہو
	سجدہ سہو کے بیان میں	۳۰۰	فصل چہارم ☆ ان چیزوں کے بیان میں جو صحت اقتداء سے مانع ہیں اور جو مانع نہیں
۳۶۷	باب : ⑬	۳۰۵	
	سجدہ تلاوت کے بیان میں		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۶	کتاب الزکوٰۃ	۳۷۲	باب : ۱۴
۳۲۳	باب : ①		مریض کی نماز کے بیان میں
	زکوٰۃ کی تفسیر اور اس کے حکم اور شرائط میں	۳۷۵	باب : ۱۵
	باب : ②		مسافر کی نماز کے بیان میں
	چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ میں	۳۸۳	باب : ۱۶
	فصل (زکوٰۃ) ☆ مقدمہ میں		جمعہ کی نماز کے بیان میں
۳۲۵	فصل (زکوٰۃ) ☆ اونٹوں کی زکوٰۃ کے بیان میں	۳۸۹	باب : ۱۷
	فصل (سورج) ☆ گائے و بیل کی زکوٰۃ کے بیان		عیدین کی نماز کے بیان میں
۳۲۶	میں	۳۹۳	باب : ۱۸
	فصل (جہار) ☆ بھیڑ و بکری کی زکوٰۃ کے بیان		سورج گہن کی نماز کے بیان میں
۳۲۷	میں	۳۹۴	باب : ۱۹
	باب : ③		استسقاء کی نماز کے بیان میں
۳۲۸	سونے اور چاندی اور اسباب کی زکوٰۃ میں	۳۹۵	باب : ۲۰
	فصل (زکوٰۃ) ☆ سونے اور چاندی کے زکوٰۃ میں		صلوٰۃ الخوف کے بیان میں
۳۲۹	فصل (زکوٰۃ) ☆ مال تجارت کی زکوٰۃ میں	۳۹۸	باب : ۲۱
۳۳۵	باب : ④		جنازے کے بیان میں
	اُس شخص کے بیان میں جو عاشر پر گزرے		فصل (زکوٰۃ) ☆ جانکنی والے کے بیان میں
۳۳۷	باب : ⑤	۳۹۹	فصل (زکوٰۃ) ☆ غسل میت کے بیان میں
	کانوں اور دہنیوں کی زکوٰۃ کے بیان میں	۴۰۳	فصل (سورج) ☆ کفن دینے کے بیان میں
۳۳۸	باب : ⑥	۴۰۵	فصل (جہار) ☆ جنازہ اٹھانے کے بیان میں
	کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ میں	۴۰۶	فصل (بنجم) ☆ میت پر نماز پڑھنے کے بیان میں
۳۴۱	باب : ⑦		فصل (نغم) ☆ قبر اور دفن اور میت کے ایک مکان
	مصرفوں کے بیان میں	۴۱۰	سے دوسرے مکان میں لے جانے کے بیان میں
	فصل (بیت المال کا مال چار قسم کا ہوتا ہے	۴۱۲	فصل (نغم) ☆ شہید کے بیان میں
۳۴۵	باب : ⑧	۴۱۳	باب : ۲۲
	صدقہ فطر کے بیان میں		سجدوں کے بیان میں

# مقدمہ

## فتاویٰ عالمگیری جدید اردو

مترجم

مولانا سید امیر علی رحمہ اللہ

مصنف تفسیر مواہب الرحمن و عین الہدایہ وغیرہ

تسہیل و عنوانات

مولانا ابو عجبید اللہ

خطیب جامع مسجد رخمہ للعلمین ڈیفنس روڈ لاہور

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر - غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور



# مقدمہ

الحمد لله الذي لا اله الا هو رب العرش رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين مولانا محمد وآله وصحبه و على عباد الله المصطفين الصالحين اجمعين. اما بعد!

مترجم ضعیف کہتا ہے کہ اس زمانہ کے ذی عقل مخلوق پر خالق جل شانہ معبود حق سبحانہ کی نعمت ہائے عظمیٰ سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اپنی توفیق و رحمت سے ان کے ہاتھوں میں ایک ایسی دینی کتاب کا ترجمہ دے دیا جس پر معاملات و عبادات میں اس وقت عموماً مدار ہے یعنی فتاویٰ عالمگیری یہ کہ امام الائمہ بقیۃ السلف جتہ الخلف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات و استنباطات کا تصانیف قدیمہ و جدیدہ سے مجموعہ عزیز ہے اور تالیفات امام ہمام محمد بن الحسن الشیبانی کے مسائل اصول کا اور جو کتابیں پچھلے طبقات کی مانند مؤلفات حاکم شہید و طحاوی وغیرہم کی بمنزلہ اصول کے ہیں ان کی منقشی و مختصرات کا مع فتاویٰ طبقات متاخرین و ان کی شروح و توضیحات کا ذخیرہ نفیس ہے اس پاک معبود عز و جل کا شکر ادا کرنا مترجم ضعیف پر واجب خاص و سب پر بلعموم القیاس ہے۔ لقلولہ: ذلك من فضل الله علينا وعلى الناس اور بحکمہ قولہ لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔ مترجم گنہگار کو ذمہ خیر کی توقع ہے کہ میں نے باوجود تنگی معیشت و افکار زمانہ کے حتیٰ الوسع اس ترجمہ کو متوافق اصل کے بغیر کسی تصرف و تغیر کے بڑی کوشش سے ترجمہ کیا اور سہولت و آسانی کو ملحوظ رکھا اور باوجودیکہ یہ کتاب مسائل کی قیود و اشارات سے مضبوط مملو ہے با محاورہ زبان اردو میں لایا کہ سمجھنے میں دقت نہ ہو پھر اصل کے سہو کا تب و نقصان طبع کو دیکھ کر مکرر اس کو اصل مطبوعہ کلکتہ سے مقابلہ کیا اور اس پر بھی نہایت کثرت سے مطبوعہ کلکتہ میں سہو دیکھ کر خاصہ توفیق الہی سے ان مقامات کی تصحیح کی اور مزید طمانیت کے لئے ان کو مع توجیہ سہو مطبوعہ و صحت ترجمہ کے علیحدہ لکھ کر اس مقدمہ میں شامل کیا پھر بھی کوشش کو اس خیال سے ناقص جانا کہ غرباء مؤمنین جن کے واسطے حدیث صحیح مسلم شریف میں مبارکباد فرمائی ہے کہ باوجود غربت کے دین پر ثابت و قائم ہوں گے ان کو اس کتاب سے فیض یاب ہونا شاید اس وجہ سے مشکل ہو کہ مثلاً جا بجا ایک ہی مسئلہ میں دو حکم مذکور ہیں ایک متقدمین سے دوسرا متاخرین سے تو پہلے جانا چاہئے کہ ان دونوں اماموں میں سے کون متقدم ہے کون متاخر ہے؟ اور ظاہر و مشہور الروایۃ اور روایت نوادر اور فتویٰ اور اس پر آج کل عمل ہے یا یہی اولیٰ ہے وغیر ذلک میں کیا فرق ہے؟ مانند اس کے بہت سی باتیں ایسی تھیں کہ ان کے نہ جاننے سے بڑا خوف تھا کہ ناواقف آدمی دین کے پاکیزہ مسائل میں لغزش کھا کر راہ سے نہ بھٹکے۔ حتیٰ کہ اس کو اپنی نادانی سے خبر نہ ہو اس واسطے میں نے یہ مقدمہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا کہ پہلے اس کو سمجھ کر یاد رکھیں پھر شوق سے بے کھٹکے دینی مسائل کا علم خود حاصل کر لیں اور یہ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کوشش و علم کی مشقت کے ثواب میں کرامت عطا فرمائے اور ان کو عالموں کے زمرے میں اٹھائے آمین۔ اس مقدمہ میں مترجم بجائے باب و فصل کے وصل و فائدہ و تنبیہ و فرغ وغیرہ الفاظ لاتا ہے اب میں پہلے علم دین کے فضائل اور فقہ کی معنی سے شروع کرتا ہوں۔ ومن اللہ تعالیٰ التوفیق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔

## علم دین کے بیان میں

جاننا چاہئے کہ حضرت رب العزۃ ذوالکبریا والعظمت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے جس طرح سب اگلے انبیاء و رسولوں کو ان کی خاص خاص امت کے لئے بھیجا تھا اسی طریقہ سے فقط ہمارے سردار خیر المخلوق حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوقات جن و انس کے لئے عموماً رسول نبی امی مبعوث فرمایا اور کثرت معجزات سے آپ ﷺ کی نبوت کو خصوصیات خاصہ عطا کیں جو پہلے کسی کو نہ ملیں۔ از انجملہ کتاب قرآن مجید ہے کہ اس میں باوجود اختصار کے تمام حکمت و نصیحت و عبرت و حقائق توحید و احکام دین و امور و نواہی و جمہلہ معلوم ماضی و مستقبل مجموعہ فرمائے اس طرح کہ ہر وقت و ہر زمانہ کے لئے ان کا عمل یکساں مفید ہے پھر آپ پر ایمان والے لوگوں کو تمام مخلوق سے بہتر کیا اور باوجودیکہ اکثر ان میں سے غریب بے پڑھے تھے مگر عربی ان کی زبان تھی خوب سمجھتے تھے ان کو علم دین ایسی اچھی طرح تعلیم فرمایا کہ اگلی کسی امت پر یہ کرم نہ تھا چنانچہ قرآن مجید ان پر آہستہ آہستہ اتارا جب وضو و طہارت سیکھے تو کچھ نماز فرض فرمائی پھر پانچ وقت کی نماز فرض کی اور صدق و اخلاص سے ان کے سینہ روشن فرمائے یہاں تک کہ وہ کامل مکمل ہوئے اور جب اپنے رسول صلوة اللہ و سلامہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ وسلم کو اپنی قرب و نعمت میں بلا یا تو ان اصحاب نے جو دوسروں کو مکمل کرنے کے لائق مستقیم ہو چکے تھے تمام کوشش سے اللہ تعالیٰ کے دین کو زوئے زمین پر پھیلا یا اور بعد ان کے تابعین کے اتباع خیر القرون کا خاتمہ آیا ان سے ان اماموں نے خوب حاصل کیا جو ائمہ مجتہدین کہلاتے ہیں پھر انھوں نے دین کے مسائل کتابوں میں جمع کر دیئے کیونکہ پچھلوں کی نسبت حدیث میں بطور معجزہ خبر تھی کہ وہ گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے تب بھلا نور کامل کس طرح رہتا جو معاملہ پیش آتا اس میں تاریک رائے سے عمل کر کے گمراہ ہو جاتے اس واسطے ان کے اجتادات اس امت کے لئے خصوصاً اس زمانہ والوں کے لئے بہت غنیمت ہیں پس علم قرآن و حدیث و فقہ یہی علم دین ہے جب کسی آدمی کو علم دین حاصل ہو گیا تو وہی عالم ہے چاہے لکھنا پڑھنا عربی زبان جانتا ہو یا نہیں۔

## فضائل علم و علماء

اس علم دین کی فضیلت بہت بڑی ہے۔ آیات بہت ہیں جن سے بھرتی و کناہیہ اس کے فضائل دریافت ہوئے از انجملہ قولہ تعالیٰ: **اشهد اللہ انه لا اله الا هو والملئکة واولوا العلم قانما بالقسط۔** ”گو ابھی دی اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے اور ملائکہ اور اولو علم والوں نے درحالیکہ وہ ٹھیک ہے عدل کے ساتھ۔“ دیکھو اپنی وحدانیت پر گواہ اپنی ذات متعالیٰ کے ساتھ ملائکہ کو اور اہل علم کو قرار دیا جو فقیہ ربانی ہوتا ہے یہ شرف نہایت اعلیٰ ہے۔ از انجملہ قولہ تعالیٰ **یرفع اللہ الذین آمنوا والذین اوتوا العلم درجات۔** ”بعضے بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اور عالموں کو بہت درجے۔“ عام مومنوں پر علماء کے بہت سے درجے بلند فرمائے اور یہ معلوم ہوا ہے کہ عام مومن بندہ اپنے مولیٰ عزوجل کو تمام زوئے زمین کے کافروں سے بلکہ اس کا ایک بال سب کافروں سے محبوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت ہے کہ عام ایمان والوں پر علم والوں کو سات سو درجے بلندی ہے کہ ہر دو درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جیسے پانچ سو برس کی راہ۔ اب یہ تو وعدہ فرمایا ہے اس خالق حی القیوم نے جس کی مخلوق بے انتہا کا اندازہ کسی کے وہم میں نہیں آسکتا ہے اور وعدہ سے زیادہ ابھی فضل باقی ہے بحکم قولہ: **یوت کل ذی فضل فضلہ۔** ”یعنی ہر صاحب بزرگی کو اس کی فضیلت عطا کی جائے گی“ اور جس کریم رحیم جل شانہ سے امیدواری ہے وہ ارحم الراحمین ہے تو حاصل ہونا یقینی ہے۔

از انجملہ قولہ تعالیٰ: قل هل يستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ صریح نص ہے کہ علم والے اور بے علم دونوں برابر نہیں ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ جاننے والوں کو جو کچھ معلوم ہے اس کا مرتبہ اس قدر عظیم ہے کہ اس کا بیان نہیں ہو سکتا اور یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ علم سے کشف کی نحوی بلاغت اور تلویح کے مقدمات اربعہ اور ہدایہ کے مسائل مراد ہیں اس لئے کہ علماء ربانی بالاتفاق حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ حالانکہ ان کتابوں کا اس وقت وجود بھی نہ تھا بلکہ ان میں بہتیرے فلسفی پیچیدہ طویل کلام سے واقف نہ تھے پس علم ان کا یہی فرقہ تھا جس کا بیان ہوگا اور اکثر مخلوق اپنے خیالات سے متجاوز ہو کر معرفت صفات الہیہ کی روشنی سے آنکھوں والے ہی نہیں ہوئے ہیں اس واسطے: ماقدروا اللہ حق قدرہ۔ ”یعنی اللہ تعالیٰ کی شان جیسی چاہیے تھی نہ پہچانی۔“ کا مصداق ہیں از انجملہ قولہ تعالیٰ: انما یخشى اللہ من عباده العلماء۔ محبت ملا ہوا عظمت کا ڈرنا تمام بندوں میں سے فقط عالموں ہی کے لئے ثابت فرمایا تو ظاہر ہے کہ ان کو قرب منزلت و معرفت سے حضوری میں ذرا بھی سوء ادب نہیں ہونا چاہئے کہ مبادا دوسروں کی طرح مردود کر دیئے جائیں اور مؤمنین سب ان کے ساتھ ہیں جیسے سردار لشکر کے ساتھ لشکر ہوتا ہے۔ از انجملہ قولہ: وتلك الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون۔ ”یعنی یہ کہاوتیں ہم بیان کرتے ہیں آدمیوں کے واسطے اور اس کو سوائے عالم کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔“ ان امثال کا سمجھنے والا فقط عالموں کو فرمایا اور کسی کو نہیں فرمایا۔ از انجملہ قولہ: قل کفی باللہ شہیدا بینی و بینکم ومن عنده علم الكتاب۔ ”یعنی کہہ دے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جو عالم ہے گواہی کافی ہے۔“ اس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے ساتھ دوسرا گواہ مخلوق میں سے کتاب الہی کا عالم فرمایا اور یہ بڑی فضیلت ہے۔ بیشک جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے عالم کیا وہ رسول علیہ السلام کے صدق کو گواہ کے مانند معائنہ کرتا اور پروانہ کی طرح حضرت سرور عالم رسول مکرم محمد ﷺ پر جان قربان کرتا ہے لہذا قرآن و حدیث و فقہ سے پہلے آنکھیں کھولیں پر اس وقت صدق رسالت پر گواہ ہونگے۔ از انجملہ قولہ تعالیٰ: وقال الذی عنده علم من الكتاب انا آتیک به یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تخت بلقیس لانے والے کا یہ وصف بتلایا کہ اس کے پاس کتاب سے کچھ علم تھا تو ارشاد فرمایا کہ یہ منزلت اس بدولت علم حاصل ہوئی۔ از انجملہ قولہ تعالیٰ: قال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن آمن وعمل صالحا۔ دیکھو قارون کی دولت اہل علم کی نگاہوں میں بلاشبہ ہیچ تھی جب ہی تو ایسے لوگوں کو جو قارون کو بڑا نصیب والا جانتے تھے یوں کہا کہ ارے جہالت کے شامیت مارے لوگو جان رکھو کہ جو ایمان لا کر نیک چال چلن ہوا اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی طرف سے ثواب ملتا ہے وہ قارون کے مال سے بہت بہتر ہے۔ از انجملہ قولہ تعالیٰ: ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلہم الذین یتنبطونہ منہم۔ یعنی معاملہ کو اگر پہنچا دیتے رسول تک اور امتیوں میں سے ایسے لوگوں تک جن کے ارشاد پر برتاؤ کرتے ہیں تو حکم والوں میں سے جن کو سمجھ کی بات نکال لینے کا علم ہے وہ معاملہ کو سمجھ لیتے۔ دیکھو علم والوں کا انبیاء کے درجے سے ایسے معاملہ میں دوسرا مرتبہ کر کے ملا دیا۔ از انجملہ قولہ تعالیٰ: ولقد جنناہم بکتاب فصلناہ علی علم۔ یعنی ہم نے تمام بندوں کو ایسی کتاب پاک پہنچا دی جو علم کے ساتھ صاف ظاہر بیان فرماتی ہے۔ اب جو کوئی کتاب کو جانے وہ ضرور علم کے مرتبہ پر فائز ہے اور ہمارا مقصد علم سے یہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خود محبوب ہے۔ از انجملہ قولہ تعالیٰ: فلنقصن علیہم بعلم وما کنا غائبین۔ یعنی جن لوگوں نے رسول کو نہ مانا اور جہالت پر قدم رکھے گئے تو ایک مقرر وقت پر ہم ان کو جمع کریں گے اور ان کی کرتوت سب ان کو علم سے سنا دیں گے یقین کرو کہ جتنی باتیں تم خیال و گمان و وہم و قیاس و تخمینہ سے اپنے خزانہ میں بھرتے ہو وہ کنکرو روڑے ہیں تم چاہو ان کو موتی سمجھ رکھو اور جو یقینی بات حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یا دیگر انبیاء علیہم السلام نے فرمائی اس میں تردد بیجا ہے دیکھو حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم النبیین ﷺ تک سب نے اسی توحید الہی کی خبر دی۔ تم اس کے موافق نہیں

چلتے اور اپنے خیالات کے وہمی بات پر نازاں ہو اور حدیث صحیح کا معجزہ سچ ہوا کہ قیامت کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ اُس وقت ایسے لوگ ہونگے کہ اپنی عقل پر مغرور ہو کر ہر ایک اپنی رائے پر نازاں ہوگا اور اصلی غرض ان کی فقط دنیا ہوگی اور ہر ایک اپنی خواہش پوری کرنے میں مصروف ہوگا۔ ازاں جملہ قولہ ببل ہو آیات بینات فی صدور الذین اتوا العلم۔ انھیں لوگوں کے سینہ میں علم الہی کو فرمایا جو اہل علم ہیں اور صاف روشن بیان کیا۔ اب چند احادیث سننا چاہئے۔ امام بخاری نے صحیح میں اور امام مسلم بن الحجاج نے اپنی صحیح میں اور اکثر اہل سنن و مسانید مثل امام احمد و ترمذی و طبرانی وغیرہ نے نہایت سچے پرہیزگار ثقہ راویوں سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا اراد اللہ بعبد خیرا یفقهہ فی الدین۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بہتر بات چاہتا ہے تو اس کو دین میں فقیہ کر دیتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اگر وہم ہو کہ علم کی تعریف میں فقہ کی تعریف کرنے لگے تو جواب یہ ہے کہ فقہ اصل میں جامع علوم ہے اور فقیریب انشاء اللہ تعالیٰ اس کے معنی ظاہر ہو جائیں گے اور اگر کسی کجھدار بندے کو بنور ایمانی یہ نظر آئے کہ پچھلے زمانے میں اکثر لوگ فقیہ ہونے کے مدعی ہیں مگر ان میں بھلائی ظاہر نہیں ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ فقہ نہیں مقصود ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کریں۔ فی الحدیث العلماء ورثۃ الانبیاء۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی میراث پانے والے فقط عالم لوگ ہوتے ہیں اور عالم کے لئے آسمان و زمین کی ہر مخلوق اپنے خالق سے مغفرت مانگتی ہے۔ یہ حدیث سنن میں ہے اور کچھ مضمون صحاح میں ثابت ہے اس سے ظاہر ہے کہ جب فرشتے دعا کرتے ہیں تو عالم کا بڑا مرتبہ ہے اور سمجھ رکھو کہ ایمان و یقین کامل و معرفت و عظمت الہی تعالیٰ شانہ سب سے زیادہ عالم کو ہے تو بحکم قولہ: یتستغفرون للذین آمنوا۔ فرشتوں کا استغفار کرنا مخصوص ہے ترمذی نے روایت کیا کہ خصلتان لا یجتمعان فی منافق حسن سمت و فقہ فی الدین۔ یعنی دو صفتیں ایسی ہیں کہ کسی منافق میں جمع نہیں ہوتی ہیں ایک تو اچھا برتاؤ یعنی جو چال چلن کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آتا ہے اور دوم دین کی سمجھ۔ سراج وغیرہ میں بعض سلف سے منافق کی ایک یہ پہچان روایت کی کہ وہ دنیا کے کام کو مقدم رکھتا ہے آخرت کے کام پر۔ تو مؤمن فقیہ کی شناخت یہ ہوتی کہ آخرت کو مقدم رکھے اور جب فقہ پوری ہوتی ہے تو اس کو دنیا کی نمود سے بالکل براءت ہو جاتی ہے پھر بھلا نفاق کا اثر کیسے رہے گا کیونکہ وہ بھی منافق ہے کہ اس کا ظاہر باطن یکساں نہ ہو چنانچہ بعض احادیث میں تصریح موجود ہے۔ بیہقی نے بعض صحابہؓ سے روایت کی کہ ایمان والوں میں سب سے بہتر عالم فقیہ ہے کہ اگر لوگ اپنی ضرورت سے اس کے پاس جائیں تو اس سے نفع اٹھائیں اور اگر بے پروائی کریں تو وہ ان کی کچھ پروا نہیں کرتا ہے۔ طبرانی نے روایت کی کہ: لموت قبیلۃ ایسر من موت عالم۔ ایک عالم کے مرنے سے ایک بڑے قبیلہ کا مرجانا آسان ہے مترجم کہتا ہے کہ زندہ درحقیقت وہی ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی معرفت سے حیات بخشی اور یہ بذریعہ فضل علم کے ظاہر ہے اور مؤمن ہمیشہ زندہ ہے اگرچہ عالم نہ ہو اور عالم پوری زندگی کے ساتھ حیات جاوید پاتا ہے اس واسطے اہل کفر محض مردہ ہیں اور حق تعالیٰ نے احیاء و اموات سے دونوں فریق مؤمنین و کافرین کو تشبیہ دی اور یہ تحقیق ہے۔ و فی قول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔ الناس موتی و اهل العلم احیاء یعنی سب لوگ مردہ ہیں سوائے اہل علم کے کہ وہ البتہ زندہ ہیں اور میں پہلے متنبہ کر چکا ہوں کہ اہل ایمان نے جب اللہ تعالیٰ عزوجل کو پہچانا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آخرت سے عالم ہوئے تو جاہل نہیں رہے اور جب فقہ سے علم کامل حاصل کیا تو حیات کا پورا حصہ پایا واللہ تعالیٰ اعلم۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن وغیرہ میں حدیث ہے کہ۔ الناس معادن کمعادن الذهب و الفضة خیارہم فی الجاہلیہ خیارہم فی الاسلام اذا فقہا۔ یعنی لوگ تو سونے چاندی کی سی کانیں ہیں جو پہلے جوہر اچھے تھے وہ ایمان لانے کے بعد بہترین ہیں جبکہ فقیہ ہو جائیں۔ اس سے فقہ کی شرافت ظاہر ہے پس خوبی واقعی و شرافت ذاتی میں سے یہ ہے کہ ایمان والا فقیہ ہو اور اگر یہ بات اس سے ظاہر نہ ہو تو گویا کان کے اندر یہ کنکر تھا یا زہریلی مٹی تھی۔ اس کو خود کچھ شرافت نہیں ہے اگرچہ وہ سید

زادہ ہو اور بجائے اس کے جو ذلیل فقیر کہ مسلمان فقیہ ہو وہ بزرگوں کے ساتھ بزرگی میں داخل ہوگا جس کا نفع اس کو دنیا و آخرت میں حاصل ہے اور فقیہ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام جاننا کافی ہے خواہ عربی زبان میں جانے یا اردو میں حتیٰ کہ جو عربی دان کہ خالی منطق و فلسفہ جانے وہ عالم نہ ہوگا اور اس کو یہ بزرگی حاصل نہ ہوگی اور جو اردو جاننے والا دین کی سمجھ رکھتا ہو یعنی علم دین سے آگاہ ہو وہ فقیہ شمار ہوگا جبکہ اس کو علم یقینی ہو۔ حدیث مشہور میں ہے: من حفظ علی امتی اربعین حدیثا من السنۃ حتیٰ یودیہا الیہم کنت لو شفیعا و شہیدا یوم القیامت اور ایک روایت میں ہے: من حمل من امتی اربعین حدیثا لقی اللہ عزوجل یوم القیامۃ فقیہا عالم یعنی میری امت میں سے جس نے چالیس احادیث یعنی احکام سنت یاد کر کے لوگوں کو پہنچائے تو اللہ تعالیٰ سے فقیہ عالم ہو کر ملے گا اور قیامت کے روز میں اس کا شفیع و گواہ ہوں گا۔ پس ہر شخص جانتا ہے کہ خالی حدیث کے الفاظ یاد کر لینا جب ثواب ہے کہ ان کو پہنچائے تو اس سے یہ درجہ پائے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں صاف مذکور ہے حالانکہ اس کا فائدہ یہ بھی صحیح مروی ہے کہ دوسرا ان کے مطالب کو اچھی طرح سمجھے گا جہاں تک کہ شاید اس کی سمجھ نہیں پہنچی ہے اور اس سے خود ظاہر ہے کہ عربی زبان ہی میں پہنچانا کچھ ضروری نہیں ہے تو جب ایک شخص خود ان کو سمجھے اور احکام سے واقف ہو خواہ کسی زبان میں مطلب سمجھ لے تو وہ بڑا درجہ پائے گا اور وہیں کا گھر دائمی اور معتبر ہے پس اصل بات فقہت کی سمجھ ہے۔ اس واسطے امام اعظم رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ فارسی زبان میں نماز پڑھنا جائز ہے اور حسامی و سید حموی نے تصریح کر دی کہ خالی فارسی کی کچھ خصوصیت مقصود نہیں ہے اس دیار سے متصل فارسی زبان موجود تھی اس واسطے فارسی کا ذکر فرمایا ہے ورنہ مثل فارسی کے اور زبانوں کا بھی یہی حکم ہے اور مترجم کہتا ہے کہ خواہ نماز جائز ہونے کا فتویٰ ہو یا نہ ہو اس سے تو اتنا صاف ظاہر ہے کہ مطلب کا سمجھ لینا کسی زبان میں ہو اصلی غرض ہے اس واسطے جو لوگ کہ عربی زبان نہیں جانتے ہیں مگر فارسی یا اردو خوب جانتے ہیں اور دنیا کے لئے کچھری درباروں و مدرسوں میں امتحان دیتے اور نوکریاں کرتے ہیں اور دنیا کے مطلب کی باتیں ان زبانوں میں خوب سمجھتے اور ذہن نشین کر لیتے ہیں مگر نماز روزہ کے معنی بلکہ کلمہ تو حید لا الہ الا اللہ کے معنی بھی نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کا قصد کرتے ہیں وہ ایسی نا سمجھی سے اپنے آپ کو خراب کرتے ہیں اور یہ عذر کچھ قبول کے قابل نہیں ہے کہ ہم تو عربی نہیں جانتے۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ تم نے نہیں معلوم کیا بے پروائی کی کہ عربی زبان اتنی بھی نہ سیکھی جو کلمہ تو حید کے معنی تو سمجھ لیتے لیکن اس میں کیا عذر ہے کہ اردو ہی میں اس کے معنی سمجھ لو۔ پس ضروری ہوا کہ آدمی مطلب کو کسی زبان میں جس کو خوب سمجھتا ہو ایمان و السلام و عقائد کا مطلب سمجھ لے اور بتوفیق الہی تعالیٰ اپنے دین کی فقہ حاصل کرے تاکہ عالم ہو کر علماء کے درجہ میں شامل ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ روایت ہے کہ جو شخص دین میں فقہ حاصل کرے اس کو اللہ تعالیٰ رنج سے بچائے گا اور ایسی جگہ سے اس کو رزق عطا فرمادے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔ رواہ الخطیب باسناد فیہ ضعف۔ مترجم کہتا ہے کہ مجملہ معرفت کے یہ ہے کہ عارف کبھی غمگین نہیں ہوتا بحکم شعر۔ ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس میں عوام ناپیدا ہو کر بھٹکتے اور طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے تقدیر کے منکر ہیں اور ثابت وہی ہیں جو ایمان والے ہیں لیکن بعض ایمان والے اس غلطی میں ہیں کہ ہم کو تدبیر کرنا نہ چاہئے اور جو تقدیر میں ہوگا ضروری ہے اور عوام نے فقط تدبیر کا اقرار کیا اور ان کے قول سے یہ ضرر اٹھایا کہ تقدیر سے منکر ہو گئے اور عارف کے نزدیک تقدیر اور تدبیر میں کچھ منافات نہیں ہیں اور اسلام میں بکثرت آیات و احادیث و آثار بلکہ بالکل دین ان دونوں کے ساتھ ہے ارے یہ نہیں دیکھتے کہ جس کے حق میں جنت مقدر ہے وہ جنتی ہوگا پھر روزہ۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ حج۔ صدقہ وغیرہ سب تدابیر جن کا ثواب جنت ہے کیوں ہوتی ہیں جہاد کا کیا فائدہ ہے وعظ و نصیحت سے کیا غرض ہے۔ نہیں نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ بیشک تقدیر حق ہے جو علم الہی سبحانہ تعالیٰ میں ہے وہی



واقع ہوگا اس کو کسی تدبیر سے آدمی مینا نہیں سکتا مگر تم کو کیا معلوم کہ اس کے علم یعنی تقدیر میں کیونکر ہے لہذا تم کو اس سے لپٹنا نہیں چاہئے تم صرف اپنے ہوش گوش سمجھ کے موافق تدبیر سے کام کرتے رہو اور جنہوں نے تقدیر سے انکار کیا وہ محض جاہل ہیں اس لیے کہ خالق عظیم حکیم نے جب خلق کو پیدا کیا تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ جانتا تھا کہ اس سے ایسے ایسے اعمال سرزد ہونگے یا نہیں جانتا تھا تو کوئی نہیں شک کرے گا کہ دوسری شق باطل ہے کیونکہ نہ جانتا جاہلوں کا کام ہے اور بڑا سخت عیب ہے اور خالق تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے تو ضرور وہ جانتا تھا پس دنیا میں اس مخلوق سے وہی انجام ہوگا جس کو خالق عزوجل جانتا تھا اور یہی تقدیر ہے اس واسطے بندہ عارف کو کبھی غم و حزن سے وہم نہیں ہوتا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے جہاں سے گمان نہ ہو تو رزق دینا حضرت رزاق عزوجل سے ہے چونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکام و پیغام پہنچانے میں رات و دن مصروف رہتے تھے تو رزق حاصل کرنے کی تدبیر سے معذور تھے حالانکہ پہلے بعض انبیاء کچھ پیشہ کرتے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام بڑھی کا کام کرتے تھے حالانکہ انہوں نے ہم کو تقدیر کا علم سکھایا اور خود تورات پر عمل کرنے پر مامور تھے اور آنحضرت ﷺ کے لئے افضل پیشہ جہاد تھا اور غرض پیشہ سے حصول رزق حلال ہے اور جہاد کا مال سب حلال ہے کیونکہ حلت و حرمت کا حکم اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ورنہ چور تو چوری کا مال بھی اچھا سمجھتا ہے پس اگر لوگوں کی سمجھ پر موقوف ہو تو ہمارے نہ سمجھنے سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ چور کے سمجھنے پر حلال ہو جائے اور یہ بالکل غلط ہے پس اس شغل تعلیم تو حید میں اللہ تعالیٰ نے رزق دیا اور جن لوگوں سے اس زمانہ میں جہاد کا الزام دین اسلام پر لگایا اور اس کے کچھ معنی غلط اپنے دل سے گڑھ لئے حقیقت میں اگلے انبیاء مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام و داؤد و سلیمان و یوشع وغیرہم علیہم السلام سے منکر ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص انکار کرے کہ ان پیغمبروں نے جہاد نہیں کیا بلکہ بڑے زور و شور سے اس طرح کہ جب فتح پائی تو کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑا کیونکہ اس وقت یہی حکم تھا بھلا اس قدر مشہور متواتر خبروں کو کون جھٹلا سکتا ہے پھر جہاد کا حکم شریعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں منسوخ کیا گیا اور یہیں سے یہ بھی جان رکھو کہ اس زمانے میں منسوخ کے معنی عجیب طرح سے سمجھ کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ خود شریعت تورات میں بالاجماع سب جانتے ہیں کہ جہاد فرض تھا اور شریعت انجیل میں وہ منسوخ ہوا یعنی اب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے موافق اس حکم کی حد بتلا دی اور جاہلوں کا وہم اپنے قانون پر قیاس کر کے پیدا ہوا کہ ایک وقت اپنی ناقص رائے سے ایک قانون جاری کیا جب خرابی دیکھی تو منسوخ کیا اور علم الہی بالکل مطابق ہے وہاں یہ معنی نہیں ہیں بلکہ جیسے باپ یا استاد اپنے لڑکے کو ابتدا میں حکم دیتا ہے کہ سبق کے حجے اور رواں کو آواز سے رٹو اور جانتا ہے کہ یہ اس وقت تک ہے جب فن نحو کی کوئی کتاب شروع کرے جب نحو شروع کی تو پہلا حکم منسوخ کر کے اب حکم دیتا ہے کہ بالکل خاموش غور سے مضمون میں نظر کرو اور منہ سے بولو گے تو ذہن منتشر ہو جائے گا بھلا اس میں باپ و استاد کی کوئی جہالت و نادانی ہے ہرگز نہیں اور قطعاً یہی معنی شریعت میں مراد ہیں۔

مگر جہالت و ہٹ دھرمی سے خدا کی پناہ کہ بات نہیں سمجھتے خوبی سے آنکھ بند کرتے ہیں کوئی عیب نہیں پاتے تو جھوٹا طوفان بہتان باندھتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہاں علم کی فضیلت بیان کرنے میں مترجم نے ایسے مضامین جن کی اس وقت بحث نہیں ہے عمدہ ذکر کیے ہیں کیونکہ یہ کتاب نفیس فتاویٰ فقہ کا ہے تو عوام کی عقل ٹھیک کرنے اور جو فریب دھوکے ان کو دیئے گئے ہیں یاد دہانی کے ان سے بچانے کے لئے بہت باتوں کی ضرورت ہے اور از انجملہ ابن عبدالبر نے معلق روایت ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے ابراہیم میں علم ہوں ہر علم والے کو دوست رکھتا ہوں مترجم کہتا ہے کہ وہ علم مراد ہے جس سے بندہ اپنے خالق کو پہچانے اور دار آخرت جو محمود ہے اس کی راہ پائے اور اگر دنیا کا علم سیکھا تو دنیا خوب پائے گا مگر دنیا ملعون ہے۔ ابن عبدالبر نے

حضرت معاذ سے باسناد و ضعیف روایت کی کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا امانت دار عالم ہے اس کی تصدیق خود قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے بقولہ تعالیٰ: اخذنا میثاق الذین اتوا الكتاب لتبيننه للناس ..... یعنی جن لوگوں کو کتاب آسمانی کا علم دیا یعنی ان کو امانت سپرد کی تو ان سے عہد لیا کہ اس کو لوگوں پر صاف ظاہر کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں پس صحیح ہوا کہ وہ لوگ ایک بڑے عہد کے ساتھ امانت دار ہیں۔ پھر دنیا میں یہ مشکل امتحان پیش آیا ظاہر کرنے میں لوگ دشمن ہوئے جاتے ہیں اور پادری و حبر یہودی حتیٰ کہ عالم اسلام کو عیش و آرام کی چیزیں نہیں ملتی ہیں اور اگر چھپاتے اور لوگوں کی مرضی کے موافق بتلاتے ہیں تو بڑے معتقد ہو کر نذرانہ سے حاضر ہوتے ہیں پس بعض ثابت قدم رہے اور بہتیرے دنیا کی عیش و وسوسہ شیطانی میں پڑے اور خود گمراہ و لوگوں کو گمراہ کیا۔ از انجملہ ابن المبارک نے اوزاعی سے ان کا قول اور ابن عبدالبر و ابو نعیم نے مرفوع روایت کی کہ اس امت میں دو گروہ ایسے ہیں کہ جب بگڑیں تو سب بگڑیں گے اور جب وہ ٹھیک ہوں تو سب ٹھیک ہوں گے ایک گروہ عالموں کا اور دوسرا حاکموں کا مترجم کہتا ہے۔ کہ اس کی تصدیق مشاہدہ کر لو کہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہو جاتے ہیں۔ اوزاعی نے کہا کہ لوگوں کو تین فریق بگاڑتے ہیں عالم درویش اور بادشاہ۔

اس سے اتنا معلوم ہوا کہ عالموں کی باطنی حکومت بادشاہوں سے بڑھ کر ہے اور بھی اوزاعی وغیرہ نے فرمایا کہ اسلام میں جو عالم بگڑے گا اس کی مشابہت یہود کے عالموں کے ساتھ ہوگی یعنی عیش و عشرت دنیا و دولت کا لالچی ہوگا اور دین کا علم لوگوں کی مرضی کے موافق بتلائے گا اور پیغمبر علیہ السلام کی شریعت بگاڑے گا بات چھپائے گا۔ کلام کے معنی بگاڑ کر اپنے مطلب کے موافق بتلا دے گا علیٰ ہذا القیاس جو ذمہ نامم کہ احبار یہود میں تھے ویسے ہی ان بد عالموں میں ہو جاتے ہیں نعوذ باللہ منہ الیہ اور فرمایا کہ جو درویش بگڑے گا اس کی مشابہت نصرانی راہب کے ساتھ ہو جائے گی چنانچہ راہبوں کے حالات خود مشہور ہیں۔ از انجملہ قولہ علیہ السلام: فضل العالم علی العابد کفضل علی ادنی رجل من اصحابی۔ عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسے میری بزرگی میرے اصحاب میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ بڑا مرتبہ علم کا ظاہر ہوا اور عابد جو عبادت کرتا ہے اس کا طریقہ جانتا اور اس کا علم رکھتا ہے باوجود اس کے عالم نہ ہونے سے اس پر عالم کا شرف زیادہ ہے اور عبادت کے فضائل خود معلوم ہیں تو علم کی بزرگی قیاس کر لو۔ والحدیث رواہ الترمذی وصحہ اور ترمذی وابن ماجہ و ابوداؤد نے روایت کی کہ: فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلته البدر علی سائر النواکب۔ عالم کی بزرگی عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی بزرگی باقی ستاروں پر۔ ابن ماجہ نے روایت کی کہ قیامت کے روز تین گروہوں کو شفاعت کرنے کا مرتبہ حاصل ہوگا پہلے انبیاء کو پھر علماء کو پھر شہیدوں کو۔ یہ بڑی بزرگی ہے کیونکہ شہیدوں کے فضائل و بزرگیان نہایت اعلیٰ مرتبہ پر معروف ہیں پھر اس حدیث میں علماء کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے۔ اور طبرانی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی چیز کے ساتھ بہتر ادا نہیں ہوتی جیسی علم فقہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس کے وجہ میں سے یہ ظاہر ہے کہ تعظیم بقدر معرفت و شناخت ہوتی ہے مصرع کہ بے علم تو ان خدا را شناخت تو تعظیم میں انتہاء درجہ عالم کے دل میں ہوگا اور عبادت یہی تعظیم ہے اور جو کوئی کسی چیز کو نہیں پہچانتا کیسی ہی عمدہ ہو اس کی قدر نہیں کرتا ہے لہذا فرمایا: وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اگر کہا جائے کہ علم سے عظمت و کبریا الہی کی شناخت ہو جاتی ہے تو میں کہوں گا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ عالم آنکھوں سے دیکھتا اور اندھا نہیں ہوتا ہے وہ یقین جانتا ہے کہ عظمت و شان الہی تعالیٰ اعظم و اجل ہے کہ وہاں عاجزی کا اقرار کرنا یا یقین ضروری ہے اس واسطے علماء زیادہ ڈرتے ہیں بقولہ تعالیٰ: انما یخشى اللہ من عباده العلماء۔ اگر کہا جائے کہ نصرانیوں میں بڑے بڑے علم والے ہیں اگر علم سے عظمت کی معرفت ہوتی تو یہ لوگ جو رو اور بیٹا نہ کہتے اس لئے کہ اس سے تو عظمت و پاکیزگی میں بڑا نقصان ہوتا ہے اور مخلوق کی سی بات ظاہر ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ عالم سے مراد علم دین کا فقیہ ہے اور ان میں سے

ایک بھی ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا کو دین پر اختیار کر لیا ہے تو پہلی جہالت اس کی یہ ہے کہ فانی کو باقی پر ترجیح دی جب اتنی سمجھ بھی نہ ہوتی تو وہ بھلا فقہ کیا جانے۔ ترمذی نے روایت کیا کہ ایک فقیہ اکیلا ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہوتا ہے اور طبرانی نے روایت کیا کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ تم میں فقیہ بہت ہیں خطیب کم ہیں اور مانگنے والے کم اور دینے والے بہت ہیں اس زمانہ میں عمل بہ نسبت علم سیکھنے کے بہتر ہے اور عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں فقیہ کم ہوں گے خطیب بہت ہوں گے دینے والے تھوڑے اور مانگنے والے بہت ہوں گے اس وقت عمل کرنے سے علم و یقین حاصل کرنا بہتر ہوگا مترجم کہتا ہے کہ اس وقت تو غفلت کے ساتھ گویا موت کا بھی یقین نہیں ہے۔ اصفہانی وغیرہ نے روایت یہ کہ عالم و عابد کی منزلت میں ستر درجہ کا فرق ہے ہر دو درجہ میں اتنا فاصلہ ہے کہ تیز رو گھوڑا ستر برس میں طے کرے۔

مترجم کہتا ہے کہ اس آسمان کے چکر کے بعد کسی مخلوق کو معلوم نہ ہوا کہ کس قدر ملک الہی وسیع ہے یا کیا چیز ہے اور بے انتہا مسافت کہاں تک ہے پس اس حیرت کے ساتھ اس زمانہ میں لوگوں کا دعویٰ حکمت محض جہالت ہے اور حدیث صحیح کا معجزہ صادق آیا کہ قرب قیامت کا نشان یہ ہے کہ گونگے بہرے روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے جو سفیہ و بیوقوف ہیں۔ اگر کہو کہ دانائی ظاہر ہے تو جواب یہ ہے کہ دنیا کے لئے جو ملعونہ ہے تو کمال کیا ہے۔ ابن عبدالبر کی روایت میں صحابہؓ نے اعمال میں سے افضل عمل دریافت کیا اور آپ نے برابر یہ جواب دیا کہ علم افضل ہے آخر فرمایا کہ علم کے ساتھ تھوڑا عمل کارآمد ہوتا ہے اور بے علم کا بہت عمل بھی مفید نہیں ہوتا اور طبرانی کی روایت مرفوع میں ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بندوں کو اٹھائے گا اور آخر عالموں سے فرمائے گا کہ اے گروہ علماء میں نے اپنا علم تم میں جان کر رکھا تھا اور اس لئے نہیں رکھا تھا کہ تم کو عذاب دوں سو جاؤ آج میں نے تمہیں بخش دیا۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ ان عالموں کا حال ہے جن کا علم ان کے قلب میں ہے ان کو معرفت الہی یقین حاصل ہے تو ان کو یہ درجہ مبارک ہو اور اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے طفیل میں بخش دے و ہوا رحم الراحمین اور جان رکھو کہ جن عالموں کی نیت محض دنیا ہو یا ناموری ہو ان کو معرفت الہی سے حصہ نہیں ہے کیونکہ علم کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اس کو یقین ہو کہ آخرت بہ نسبت اس جہاں کے اعلیٰ و اولیٰ ہے اور یہ تو محض چند روزہ ہے۔ اب حضرات صحابہؓ و تابعین و ائمہ مسلمین کے اقوال سننا چاہئے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے کمیل رحمہ اللہ کو فرمایا کہ اے کمیل مال سے علم بہت اچھا ہے علم تیرا نگہبان اور تو مال کا نگہبان ہوتا ہے علم حاکم اور مال محکوم ہے۔ مال خرچ کرنے سے ناقص ہو جائے جاتا رہے اور علم جتنا دو اتنا بڑھے۔ آپ ہی کا قول ہے کہ روزہ دار شب بیدار جہاد کرنے والے سے بھی عالم و افضل ہے جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ ہو جاتا ہے اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا مگر اس شخص سے بند ہوتا ہے جو اس کے بعد علم والا ہو کر اس کی جگہ قائم ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ علم و مال و سلطنت ان میں سے جو چاہو پسند کر لو انھوں نے عرض کیا کہ اب مجھے علم دیدیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم دیدیا اور مال و سلطنت کو اس کے تابع کر کے دیدیا۔ یعنی علم ان سب پر حاکم ہے تو جہاں وہ ہوگا وہاں اس کے محکوم بھی جائیں گے اس واسطے تم دیکھو کہ جن بادشاہوں کو علم نہیں ہوتا وہ حکومت یعنی انصاف نہیں کر سکتے بلکہ یزید کی طرح ظلم و ایداکے مرتکب ہوتے ہیں پس سلطنت و حکومت ان کے حق میں وبال ہے۔ عبد اللہ بن المبارک سے کسی نے پوچھا کہ آدمی درحقیقت کون ہیں؟ فرمایا کہ علماء ہیں۔ پوچھا کہ بادشاہت کس کو ہے؟ فرمایا کہ جو دنیا سے بیزار ہیں پوچھا کہ پھر ادنیٰ درجہ والے کون ہیں؟ فرمایا کہ جو دین بیچ کر دنیا کھاتے ہیں الحاصل آدمی فقط عالم کو قرار دیا۔ کیونکہ آدمی کی پیدائش فقط کمال معرفت خالق عزوجل ہے اور یہ بدون علم کے ممکن نہیں ہے۔ مشکوٰۃ وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رات میں ایک ساعت علم کا درس کرنا تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے اور یہ مضمون حضرت ابو ہریرہؓ و ایک جماعت سلف سے شیخ حافظ ابن کثیرؒ نے تحت تفسیر قولہ یتفکرون فی خلق

السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا نقل کیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ و ابن عمرؓ نے علم حاصل کرنے کی بابت بہت تاکید فرمائی کہ سیکھو اور اللہ تعالیٰ طالب علم کو محبت کی چادر اڑھاتا ہے اور اس سے چھینتا نہیں اگر وہ گناہ کرتا ہے تو اس سے اپنی رضامندی کر لیتا ہے یعنی وہ علم سے خوف کھا کر توبہ کرتا ہے پھر دوبارہ بارہ ایسا ہی ہوتا ہے تاکہ اس سے چادر نہ چھینے اگر چہ گناہوں سے اس کو موت آجائے الحاصل اکابر متقدمین و اولیاء و صالحین سے اس کی فضیلت میں بہت کچھ ثابت ہوا ہے اور میں نے بہت اختصار کیا اور غرض یہ ہے کہ خود دیکھیں کہ کدھر ہر دم و ہر لحظہ جاتے ہیں ساعت بساعت ان کی عمر رواں ہے منزل دُور دراز ہے اور توشہ زاد راہ سے بے فکر ہیں وہاں ہولناک معاملہ سامنے ہے۔ پس آنکھیں کھولو جاگو اور نہ موت تم کو جگا دے گی۔

اس وقت وہ ملک نظر آئے گا اور تمہارا جاگنا بے فائدہ ہوگا اور اب تم کو آنکھیں علم کے سوائے کسی چیز سے نہ ملیں گی پس علم سیکھو اور اس کا سیکھنا جہاد وغیرہ سے سب سے مقدم ہے دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلولاً نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین یعنی سب مسلمان جہاد کو نہ جائیں یوں کیوں نہیں کیا کہ ہر گروہ میں سے ایک ٹکڑا جاتا تاکہ دین سے فقہ حاصل کرتے۔ مترجم کہتا ہے کہ پوری آیت یہ ہے: ما کان المؤمنون لینفروا كافة فلولاً نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون یعنی مؤمنوں کو زیان نہ تھا کہ سب کے سب جہاد کے سفر میں چلے جائیں سو کیوں نہیں گیا ہر فرقہ سے ان کا ایک ٹکڑا تاکہ فقہ حاصل کرتے اور تاکہ عذاب الہی سے ڈرنا تے اپنی قوم کو جب وہ جہاد سے لوٹ کر ان کے پاس آتے اس امید سے کہ سب اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کے عذاب سے پرہیز رکھیں۔ علماء تفسیر کے یہاں دو قول ہیں اور دونوں طرح علم دین حاصل کرنے کی فضیلت ظاہر ہے ایک قول تو یہ ہے کہ آیت سریہ کے حکم میں ہے اور سریہ وہ لشکر کہلاتا تھا جس میں آنحضرت ﷺ خود بذات شریف تشریف نہیں لے جاتے تھے اور دوسرا یہ ہے کہ لشکر کبیر کے حق میں نازل ہوئی یعنی جس میں خود آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے پس دوسرے قول پر یہ معنی بیان ہوئے کہ تمام مؤمنین اگر ساتھ نہیں جاسکتے تھے اس وجہ سے کہ اہل و عیال ضائع نہ ہوں اور گرد و نواح کے صوبوں والے جو ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے میدان خالی پا کر لوٹ مار نہ کریں۔ پس سب کا جانا مصلحت نہ تھا تو اچھا یہ کیوں نہیں کیا گیا کہ ہر قبیلہ و کنبہ کا ایک ٹکڑا سفر میں ساتھ جاتا اس غرض سے کہ سفر میں جو احکام قرآن نازل ہوئے ان کی فقہانہ حاصل کرتے اور خود دین میں فقیہ سمجھدار ہوتے اور اس غرض سے کہ اپنی قوم کو جو وطن میں رہی تھی ڈرنا تے جب سفر سے ان کے واپس آتے اس امید پر کہ قوم والے یا سب کے سب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پرہیز رکھیں یعنی جس چال و چلن و خیالات و برتاؤ سے اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے اس سے بچے رہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر جہاد سے ایک طرح معافی بھی ہے تو دین کی فقہ حاصل کرنے سے معافی نہیں ہے پس وہ موکد ہے اور حدیث میں بھی آیا کہ: طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اس حدیث کی اسناد میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن بقول شیخ زرقانی کے حدیث حسن الاسناد ہو گئی ہے اور یہ بیان آگے آئے گا کہ فرض کس قدر علم ہے اور دوسرا قول کہ آیت سریہ کے حق میں ہے اس کا بیان یہ ہے کہ بعض یہود وغیرہ منافقوں کے بہانہ و حیلہ و جھوٹی قسموں کے عذر کا حال جب عالم الغیب عزوجل نے نازل کر دیا تو سچے مسلمان جن کو حقیقت میں بدنی تکلیف بیماری وغیرہ کا کچھ عذر بھی تھا اپنے اوپر نفاق کا خوف کر کے ڈرے اور سب کے سب آمادہ ہوئے کہ اب جو لشکر جائے گا ہم اس کے ساتھ جائیں گے۔

تو سریہ کے ساتھ جانے میں بھی یہی قصد ہوا حالانکہ یہاں جو احکام آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتے وہ خالص معظم صحابہ جو حاضر ہوتے وہی جانتے اور دور دور والی قوموں کو خبر نہ ہوتی حالانکہ افضل یہ معرفت و علم فقہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا کہ یہ سمجھ ٹھیک

نہیں ہے کہ سب چلے جائیں یوں کیوں نہ ہو کہ ہر فرقہ میں سے تھوڑے جائیں اور تھوڑے یہیں رہیں تاکہ جو احکام نازل ہوں ان کو آنحضرت ﷺ سے یہاں والے حاضرین سمجھ لیں اور قوم والے جو سفر میں گئے ہیں جب وہ واپس آئیں تو ان کو سنا دیں تاکہ سب کے سب ناخوشی الہی سے بچے رہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علم دین و فقہت کو جہاد پر ترجیح ہے اور کیوں نہیں اس لیے کہ جہاد کرنے سے مال مقصود نہیں چنانچہ ہزاروں صحابہ اس مال کی چیزوں کو صدقہ کر دیتے تھے خصوصاً موتی و جواہرات زمرہ۔ یہ اعلیٰ یا قوت اور ریشمی لباس و جزاؤں پٹکے وغیرہ اور یہ بکثرت روایات میں مذکور ہے پھر مال مقصود نہیں تو کافروں کی جان مارنا بھی چھ مقصود نہیں ورنہ پہلے ان کو ہر طرح سے سمجھانا بھجانا راہ بتلانا اور ان کو وعدہ دینا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت مان لو تو ہمارے بھائی ہو ہمارا تمہارا ایک حال ہے اور نہ مانو ل کر ہماری ذمہ داری میں رہو مگر فساد و ظلم نہ کرو تو بھی ہم تمہارے نگہبان ہیں تم اپنے دین پر رہو دیکھو ہم کیسی سچائی و خوش اخلاقی سے اپنے پروردگار کی بندگی کرتے ہیں اور دیکھو کہ ہم دنیا کا بالکل ملعون و ناجیز سمجھتے ہیں اور یہ تمام مال و دولت بے انتہا سب بیچ و پوچ جانتے ہیں یہاں بیش و آرام نہیں چاہتے کیونکہ ہم کو وہ آنکھیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں کہ ہم آخرت کا ملک دیکھتے ہیں اور اس کے لئے یہاں نیک اعمال کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں اس وجہ سے اس زندگی کو نعمت جانتے ہیں ورنہ بحکم قول تعالیٰ: **منہم من قضیٰ نحبه و منہم من ینتظر۔** یعنی ان میں سے وہ ہے جو اپنا عہد پورا کر چکا اور ان میں سے وہ ہے جو اس کا منتظر ہے، ہم کو خوشی خوشی موت کا انتظار ہے تم خود دیکھو گے کہ بیشک ان کو علم پاک دیا گیا ہے اور بیشک نورانی عقل کے موافق اپنے خالق عزوجل کی اچھی طاعت کرتے ہیں پس تم خود جہالت چھوڑ دو گے اور اس طرح تین مرتبہ سمجھاتے تھے پھر اگر نہ مانو تو ہم تلوار نکالتے ہیں کیونکہ خالق عزوجل نے ہم کو حکم دیا ہے کہ تم ایسے ظالموں مفسدوں جاہلوں کو اس حالت پر نہ چھوڑو کیونکہ تمہاری ذات سے کروڑوں مخلوق آدمی و جانوروں و پرند و چرند پر اید او ظلم ہے تو ان کروڑوں کی جانیں ضائع ہونے سے یہ بہتر ہے کہ تم میں سے تھوڑے ضائع ہو کر باقی علم کی راہ پر آجائیں پس مقصود اس کا بالکل علم تھا۔ یہ نہیں دیکھتے کہ جب فتح پاتے تھے تب بھی ان کو ان سے دین پر رہنے دیتے تھے مگر تابع رکھتے تھے اگر قتل کا قصد ہوتا تو اب بالکل مار ڈالتے اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بعد فتح کے یہی حکم تھا اور شاید اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق کو خوب جانتا ہے وہ کفار سیدھے ہونے والے نہ تھے بہر حال جب جہاد سے مقصود یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ تو حید بلند ہو اور سب یہی معرفت پائیں تو علم اصلی مقصود ہوا پس جہاد سے مقدم ہوا۔ آیت کریمہ کی تفسیر مفصل مع توضیح اشارات و حقائق کے مترجم کی تفسیر سے طلب کرو جو شخص عمدہ تفاسیر مثل تفسیر شیخ حافظ امام ابن کثیر و تفسیر ابوالسعود و تفسیر گبیر و بیضاوی و معالم التنزیل و سراج المنیر و افادات تبیان وغیرہا ہے مع زیادت نوافذ حقائق و اشارات از حراکس البیان فی حقائق القرآن تہذیب تالیف حضرت خاتم الاولیاء شہسوار میدان ولایت مولانا رکن الدین روز بھان شیرازی رحمۃ اللہ علیہم ہے۔ الغرض طلب علم سے اس آیت میں بھی حکم ہے کہ: **فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالینات والذبیر۔** یعنی اگر تم بینات و زبر سے آگاہ نہیں ہو تو جاننے والوں سے پوچھو یعنی علم حاصل کرو اور کہا گیا ہے کہ پوچھو تو بینات و زبر دریافت کرو یعنی معلوم کرو کہ آیات الہی میں کیونکر حکم ہے اور حدیث میں اس کا حکم کس طرح آیا ہے یا ان دونوں سے کس طرح یہ حکم نکالا جاتا ہے اور اس سے فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی باتیں مان لینے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول صلوات اللہ علیہ و علی آلہ اجمعین کا حکم مانو کیونکہ یہود اور نصاریٰ جو اپنے عالموں و درویشوں کا کہنا اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے ان کو صریح آیت میں مشرک فرمایا ہے تو مومنوں کو حکم دیا کہ لوگوں کا قول مت پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کا حکم وحی کیونکر ہے لہذا استفناء میں جو لکھا کرتے ہیں کہ علماء دین و مفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس کو یوں لکھنا بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول پاک ﷺ کا حکم اس واقعہ میں کیونکر تم کو معلوم ہے تاکہ علم الہی حاصل

جو جس کے واسطے حکم ہے اور حدیث صحیح مسلم میں ہے کہ: من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا الى الجنة۔ جو کوئی کسی راہ پر اس غرض سے چلے کہ علوم الہی میں سے کوئی علم اس کو ملے گا اس کی جستجو میں چلے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کو جنت کی راہ چلا دے گا۔ یعنی اس کا یہ چلنا جنت کی طرف راہ پر چلنا ہوگا پس اس نے جنت کا راستہ اتنا طے کر لیا۔

امام احمد و حاکم کی روایت میں ہے کہ طالب علم کی رضا کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں۔ واضح ہو کہ مخلوق جس کیفیت سے ہے وہ ازراہ خلقت اسی حال پر ہے پس فرشتہ یہ کام خالص نیت سے اللہ تعالیٰ کے واسطے کرتے ہیں جس طالب علم کو رضوان الہی ملتا ہے اور ملائکہ کو بھی ملتا ہے اور نفس کا دیکھ کر خوش ہو جانا کچھ چیز نہیں اور نہ اس کا کچھ نفع حاصل ہے پس یہ مقام سمجھ لو۔ ابن عبد البر و ابن ماجہ کی روایت سے ثابت ہے کہ سور کعت نفل پڑھنے سے علم کا ایک باب سیکھنا بہتر ہے۔ اور ابن حبان کی روایت سے ثابت ہے کہ دنیا و مافیہا سے اچھا ہے اور پہلے حدیث گذری کہ علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے داری وغیرہ کی روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے کہ جس آدمی کو ایسے حال میں موت آئے کہ وہ اسلام زندہ کرنے کے لئے علم سیکھتا ہو تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے بیچ میں فقط ایک درجے کا فرق ہوگا اس بارہ میں آثار حضرت ابن عباسؓ و ابوالدرداءؓ و حضرت عمرؓ اور ابن ابی ملیکہ و ابن المبارک و شافعی و عطاء و مالک وغیرہم جماعت کثیر سلف سے مروی ہے اور علم تعلیم کرنے کے بارہ میں بھی آیات و احادیث بہت ہیں مانند قولہ تعالیٰ: يعلمہم الکتاب والحکمة ویزکیہم یعنی ایسا رسول بھیجا جو ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور ان کو پاک بناتا ہے اور قولہ: اذا اخذ الله میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ اور قولہ: من احسن قولا ممن دعا الى الله۔ یعنی اس سے اچھی بات کس کی ہے جو راہ الہی کی طرف بلائے یعنی تعلیم فرمائے اور حدیث میں ہے کہ جاہل کو نہیں چاہئے کہ اپنی جہالت پر پرچکا بیٹھا رہے اور عالم کو بھی نہ چاہئے کہ جان بوجھ کر خاموش بیٹھا رہے یعنی وہ سیکھے اور یہ سکھائے۔ سناح کی حدیث میں ثابت ہے کہ بعض صحابہؓ آپس میں تعلیم دیتے تھے اور بعض عبادت کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے دونوں کو دیکھ کر کہا کہ نیک کام میں ہیں لیکن عابد تو مانتے ہیں چاہے دے یا نہ دے اور یہ تعلیم کر کے عام نفع پہنچاتے ہیں اور خود انہیں اہل تعلیم کی مجلس میں بیٹھے اور ایک روایت سے ثابت ہے کہ تعلیم والوں کو خوشخبری دی اور آمادہ کیا اور فرمایا کہ میرا مبعوث کیا جانا فقط اسی تعلیم کے لئے ہے اور اس حدیث سے صریح ثابت ہوا کہ اسلام میں اصلی مقصود بعثت کا تعلیم ہے اور یہی حال جملہ انبیاء مثل موسیٰ و یوشع و داؤد وغیرہم کا ہے اور جہاد اصلی غرض نہیں ہے بلکہ بضرورت ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ اسلام میں قاعدہ ہے کہ بزور شمشیر مسلمان کیا جائے تو یہ شخص محض جاہل ہے اس نے لفظ اسلام کے معنی بھی نہیں سمجھے بھلا یہ بہتان اپنی جہالت سے کیوں باندھا مغرور اسلام تو دل سے توحید کا نام ہے اور صورت کا مسلمان یا زبان کا مسلمان جو دل سے توحید کا معتقد نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے پس بزور شمشیر زبان و صورت کو اسلام لے کر کیا کرے گا دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: من الناس من يقول آمنا بالله و بالیوم الآخر و ما ہم بمؤمنین۔ یعنی بعض لوگ خالی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ و روز قیامت پر ایمان لائے حالانکہ ہرگز کچھ بھی ایمان والے نہیں ہیں۔ دیکھو جو خود کہتے تھے ان کو تو اسلام نکالے دیتا ہے کہ ناپاک جھوٹے ہیں تو بھلا زبردستی کہا کر کیوں داخل کرے گا ہاں بزور شمشیر تو جسم تابع کیا جاتا ہے کہ ظالمانہ قانون و جور و ستم نہ کرنے پائے تاکہ خلق خدا امن و عافیت سے علم سیکھے اور جہاد سے تو تعلیم دینا یا فساد کرنے سے باز رکھنا یہی مقصود ہے اور جب یقین کامل ہے کہ دنیا فانی اور آخرت باقی ہے عیش و آرام بس وہیں ہے تو اس جہاد میں بہت بڑے منافع ظاہر ہیں اب دیکھو کہ طعنہ دینے والے نے کیسی الٹی بات بنائی اور بہتان باندھا۔ و قولہ تعالیٰ: ولکن کو نو اربابین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون۔ یعنی پڑھنے پڑھانے سے اثر ہوگا تو علماء ربانی ہو جاؤ۔ اس آیت سے نکالا کہ پڑھانے والا بھی پڑھانے سے یہ فیض پاتا ہے کہ عالم ربانی ہو جاتا ہے۔ الغرض علم کی نفسیات

اور عالم کی بزرگی و پڑھنے و پڑھانے کے فضائل جن میں سے ادنیٰ فضل تمام دنیا و مافیہا سے افضل ہے۔

حضرت سید المرسلین پیغمبر صادق کی احادیث اور کتاب الہی کے آیات و سلف کے اخبار سے بہت کچھ ثابت ہیں مترجم نے ان میں چند روایات پر اقتصار کیا کہ جن لوگوں کے حق میں سعادت ازلی سابق ہو چکی ہے ان کو تھوڑا بھی بہت کفایت کرتا ہے ورنہ بد بخت کو بہت بھی تھوڑا ہے۔ اب مختصر بیان علم کی تقسیم کا سننا چاہئے۔ واضح ہو کہ علم کا اصلی فائدہ یہ ہے کہ مخلوق ناچیز اپنے خالق عزوجل کو پہچانے اور یہ مراد اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے اس واسطے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا اور اپنی پہچان میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ وہ ایک مخلوق ہے جو اپنی پیدائش میں اپنا اختیار نہ رکھتی تھی اور صحت و تندرستی قائم رکھنے یا بیماری زائل کرنے میں محتاج ہے حتیٰ کہ ہر کام میں اس کو اپنی محتاجی ظاہر ہوگی پھر عمر بڑھنے اور بڑھا پاپ پیدا ہو جائے اور آخر مر جانے میں بالکل مجبور ہے تو یہ افعال کسی فاعل کی شان ہیں اور یہ کام کسی کرنے والے مختار کی قدرت ہیں کوئی مخلوق بڑا کوئی چھوٹا کوئی کالا کوئی گورا کوئی کسی حال میں خوش اور کوئی اس کے برعکس مخلوق کسی خود مختار قدرت والے کی شان کے نمونہ ہیں تو جیسے محسوسات ظاہری اس کے مخلوق ہیں ویسے ہی عقل باطن و حواس باطنی بھی اس کے مخلوق ہیں پس عقل جو چیز اپنے تصور و خیال و قیاس میں بنا دے وہ خالق جل شانہ پر صادق نہ ہوگا۔ وہ تو اس مخلوق عقل کا مخلوق مصور ہے تو خالق عزوجل وہ ہے جو عقل کے تصرف سے اعلیٰ و اجل ہے اب بھلا عقل اس کی تعریف کیا بیان کرے گی کہ وہ کیسا ہے اس واسطے جو لوگ ایسے گزرے کہ ان کو عقل کا دعویٰ تھا انھوں نے اپنی عقل ہی پر بھروسہ کیا کہ خالق عزوجل کی شان کو بھی تصور کر سکتی ہے۔ ان کی حماقت معرفت میں یہیں سے ظاہر ہے اور ہر شخص اقرار کرتا ہے کہ جس چیز کو وہ نہیں پہچانتا اس کی صفیتیں نہیں بیان کر سکتا حالانکہ تمام مخلوقات کسی نہ کسی بات میں باہم شرکت رکھتی ہیں اور نہ سب اتنا تو ہے وہ بھی مخلوق اور یہ بھی مخلوق ہے برخلاف اس کے خالق عزوجل بالکل مخلوق سے جدا و کچھ بھی شرکت نہیں ہے وہ قدیم یہ حادثہ وہ خالق یہ مخلوق وہ بے ابتداء و بغیر انتہا لازوال ہے اور یہ حادثہ فانی عاجز محتاج ہے تو ضرور ہوا کہ وہی اپنے فضل سے مخلوقات کو اپنی صفات سے آگاہ فرمائے اور جس طرح ہم اس کی تعریف کریں ہم کو بتلائے اور جس طرح اس کی تعظیم و عبادت کریں ہم کو سکھلائے اور جہاں تک ہماری سمجھ پہنچے ہم کو ہمارا آغاز و انجام بتلائے چنانچہ اس کریم جو ادغفور رحیم نے اپنے فضل سے ہماری جنس سے اپنا رسول بھیجا اور اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی تو ہم کو معلوم ہوا کہ بحکم قولہ تعالیٰ: ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ہم لوگ اس واسطے پیدا ہوئے ہیں کہ اپنے خالق کو پہچان کر اس کی عبادت کریں اور اس کی خلقت بے انتہا ہے صرف یہی زمین نہیں ہے اگرچہ ہمارے حواس تو آسمان سے آگے متخیر ہیں عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ آخر آگے کہیں حد ہے یا نہیں ہے پھر ہم کو اپنی پاک صفات بتلائے جن کو ہماری عقل نے اپنی آنکھوں میں جگہ دی اگرچہ اس کو خود ادراک کی مجال نہیں اور وہ بیچاری حادثہ ہے اس کو قدیم کے برداشت کرنے کی تاب کہاں ہے اس واسطے اہل الحق نے بغیر چوں و چرا کے اعتقاد پر استقامت اختیار کی۔ پھر اپنی حمد و ثنا اور تعظیم کا طریقہ بتلایا جس پر ہم صدق کے ساتھ عمل کریں اور آخر اپنا فضل عظیم یہ ظاہر فرمایا کہ جو تم کرو اس کا ثواب تمہیں کو ہے اور ادنیٰ ثواب اس کا جنت ہے اور دنیا سے جب بندہ بن کر نکلے اور خواہ مخواہ نکلے گا تب پاؤں گے۔ پھر دنیا میں تمہاری بندگی سے تمہاری عقل و روح خوش ہے اور نفس و شیطان دشمن ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اسباب ہیں کھانے پینے کی خواہش و سردی و گرمی و زینت و آرائش و مزہ و لذت و فخر و تکبر و خوف و دہشت اور سانپ کچھو وغیرہ موزیات کا اندیشہ اور لہو و لعب کے کرشمہ اور طرح طرح کی رنگ برنگ چیزیں جن سے کبھی سیر نہ ہو ہمیشہ نئی نئی خواہشیں و جلسہ و آرائشیں آخر موت آگئی اور آنکھ کھلی تو سب ہیچ تھا اس کا کچھ وجود نہ رہا یہ سب فانی ہیں ان کے لئے بری بڑی کوششیں سب برباد ہو گئیں اس وقت افسوس بے فائدہ ہے اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ہر

طرح علم دے دیا پس اکثر بندے تو شکر کی جگہ کفر کر کے اس دنیا کو چند ہی دن سہی آراستہ کرنے لگے اور ظاہر ہے کہ ہر آرائش کے لئے پہلے اس کا علم سیکھا پھر یہ نتیجہ حاصل ہوا تو یہ علم اور اس کا نتیجہ دونوں خراب ہیں کہ بعد موت کے دونوں میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا اور جس بدن کی آرائش و آسائش کی تھی وہ سڑ گیا پس یہ قسم علم کی علم دنیاوی ہے اور دوسرا بندہ جس نے کتاب الہی و سنت رسول کی تعلیم پائی اور حق تعالیٰ نے اس کو سمجھ عطا فرمائی اس نے روح و عقل کا آراستہ کیا اور معرفت الہی سے مقبول ہو کر ذخیرہ سعادت آخرت جمع کیا اس کی آنکھ کھلی تو حد سے زیادہ مقام کرامت و منزلت دیکھا تو یہ علم و اس کا نتیجہ دونوں نہایت خوب ہیں اور یہ فضل الہی ہے ہزار شکر اس پر نثار۔ وقد قال تعالیٰ: ما كان لنفس ان تو من الا باذن الله ويجعل الرجس على الذين لا يعقلون۔ یعنی کسی نفس کو یہ قدرت نہیں کہ ایمان لائے مگر باذن اللہ اور کرتا ہے پلیدہ ان لوگوں پر جو سمجھتے نہیں۔ کو اسی علم کی اول ہم تعریف لکھ چکے اور اسی علم کے عالم بڑی کرامت والے ہیں۔ یہی اصل حکمت ہے اور فرمایا حق تعالیٰ نے: ومن يوت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا۔ جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو بہت بھلائی کثرت سے دیدی گئی اسی علم کے عالم ہونے کا حکم ہے بقول تعالیٰ: كونوا ربانيين۔ حضرت علیؓ و ابن عباسؓ و حسن بصری نے تفسیر میں کہا کہ علماء فقہاء حکماء ہو جاؤ۔ اسی فقہ کے لئے حکم دیا تھا فی قولہ تعالیٰ: ليتفقہوا فی الدین..... اور اسی علم کی نسبت حکم دیا بقولہ ﷺ: طلب العلم فريضة..... یعنی ہر عورت و مرد مسلمان پر علم سیکھنا فرض ہے اور اسی علم کا نتیجہ معرفت ہے جس کے واسطے ہماری پیدائش ہے بقولہ تعالیٰ: ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون الی لیوحد وتنی او لیغرفوننی۔ یعنی ہم نے جن و انس کو اس واسطے پیدا کیا کہ ہماری توحید پر مستقیم ہوں۔ اب یہاں کچھ اوہام و سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جب ہماری پیدائش فقط اسی لئے ہے کہ ہم توحید و عبادت ہی کرتے رہیں تو سوائے اس کے جتنے کام ہیں حتیٰ کہ کھانا و پینا و سونا و نوکری و تجارت وغیرہ سب ممنوع ہوں گے۔ تو اس سوال کے جواب کو بتوفیق الہی ہم فی الجملہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں جاننا چاہئے کہ یہ وہم خالی عبادت و توحید کے معنی نہ جاننے سے پیدا ہوا ہے کیونکہ وہم یہ ہوا کہ عبادت الہی فقط چند الفاظ مخصوصہ ہیں مانند نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کے حالانکہ عبادت تو یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بندہ کا چال چلن پسند فرمایا ہے اسی کے موافق برتاؤ کرے تو اس نے بندگی کی اور ایمان سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ بندوں کے لئے یہ تمام دنیا مخلوق ہے اور بندے آخرت کے لئے مخلوق ہیں پس دنیا ان کے لئے آخرت کے درجات حاصل کرنے کا کھیت ہے۔ تو دنیا میں تصرف جب تک بنظر آخرت ہو محبوب الہی ہے اور جب اپنے نفس پر کام کیا تو یہی بیماری ہے اور حق تعالیٰ نے نفس کے لئے حظوظ و حقوق مقرر فرمائے ہیں یہ نہیں ہے کہ نفس کی کوئی خواہش اس کو مت دو بلکہ اس کے حدود ہیں جن کو علم والے جانتے ہیں وقد قال تعالیٰ: تلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون۔ یعنی یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمائی ہیں ان لوگوں کے لئے ان کو بیان فرمایا ہے جو علم رکھتے ہیں پس علم یہاں ایمان کا دل میں یقین کامل راسخ ہو کر روشن کرنا کیونکہ اگر ان حدود کو جانتے تو بیان کی حاجت نہ تھی اور حدیث میں ہے کہ اسلام میں نصرانیوں کی طرح راہب ہونا نہیں ہے۔

تو نفس کو بھوک و پیاس سے ضعیف کر دینا و غذا نہ کھانا اور خسی ہو جانا وغیرہ کچھ نہ ہوگا بلکہ فرمایا کہ میری امت کا راہب بننا یہ ہے کہ جہاد کریں پس جہاد کے لئے ایسا مضمحل بننا نہیں بلکہ خوب تندرست و قوی ہونا لازم ہے حتیٰ کہ اس فتاویٰ و دیگر کتب میں منصوص ہے کہ مثلث وغیرہ بغرض جہاد کی قوت کے کھانا و پینا جائز ہے جب تک حرام چیز نہ ہو اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كلوا من الطيبات واعملوا صالحا اور قولہ: احل لكم الطيبات۔ و قولہ: والطيبات من الرزق۔ جملہ لذیذ و پاکیزہ چیزیں کھانے پینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ کام نیک کرو اور خود حدیث میں ہے: ان لنفسك عليك حقل تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہا تھا کہ سونا و کھانا و لذائذ و عورتیں وغیرہ ترک کر دیں تو ان کو بشدت منع فرمایا حتیٰ کہ مروی ہے کہ ان سے کہا کہ تم کو میری



اتباع کرنا ہے کہ نہیں سو میں تو یہ سب باتیں کرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا خوف رکھتا ہوں اور کیوں نہیں کہ آپ ﷺ نے دوزخ و بہشت سب کو ملاحظہ فرمایا تھا۔ عظمت و شان کبریائی میں عارف و ولی و صدیق سے بڑھ کر رسول بلکہ اشرف المرسل بلکہ خیر الخلق تھے صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ و اسحابہ اجمعین۔ تو نفس کو اس طرح ہلاک کرنا خلاف طریقہ رسول ﷺ قرار دیا اور پیشک جس نے اعضاء و حواس کا شکر نہ کیا اس نے جہالت سے کچھ قدر نہیں جانی کیونکہ عجیب حکمت الہیہ اس خلقت میں نمایاں ہے کہ انہیں سے محبت حق سبحانہ و تعالیٰ بواصلہ ادراک لذائد و طیبات مستوجب شکر منعم محسن کے دل میں ساری ہو کر بذر ایوب معرفت عقلی کے تو حیدری ایمان پر ثابت ہوتی ہے کہ بندہ اپنے اعضاء و جوارح کو عبادتوں و مناجات میں بصبر و تحمل لگاتا ہے اور آتہ میں بندہ کے اعضاء خود مطیع و باعث ہوتے ہیں اور یہ مرتبہ صلاح و تقویٰ ہے اور جس نے اس سے پہلے ان کو ضائع کیا وہ جاہل گمراہ ہے آیا نہیں دیکھتے کہ اگر نفس کے تباہ کرنے میں کمال ہے تو بھوکا رہ کر مر جانے والا ولی ہو کر مرنا حالانکہ سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اپنی جان آپ مار ڈالنے والا جہنمی ہے۔ فقہ میں ثابت ہوا کہ زندگی نفس کے لئے فقیر کو کمائی کرنا واجب ہے اگر کر سکتا ہو ورنہ آخر بھیک مانگنا فرض ہے ورنہ مر جائے گا تو جہنمی ہوگا اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو جس مسلمان کو اس کے حال سے اطلاع ہو اس پر خبر گیری اس قدر کہ مرنے جائے فرض ہے چنانچہ یہ سب اس فتاویٰ میں مصرح منقول ہے اور ایسے ہی نماز میں ستر عورت فرض ہے لقولہ تعالیٰ اخذوا زینتکم عند کل مسجد اور شدت حاجت کے وقت نکاح واجب ہے پھر بیوی کا نفقہ اور اولاد کا نان و نفقہ وغیرہ فرض ہے تو اب ظاہر ہوا کہ جو امر فرض کر دیا گیا ہے اگر وہ بغیر دوسری چیز کے ادا نہیں ہو سکتا ہے تو یہ چیز بھی ضمناً فرض کر دی گئی ہے اس واسطے اہل العلم نے کہا کہ مقدمۃ الواجب واجب۔ مثلاً مسجد میں نماز باجماعت واجب ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں جب کبھی اتفاق سے ہم مسجد میں ہوں اس وقت نماز قائم کی جائے تو ہم پر جماعت واجب ہے بلکہ اذن سن کر حاضر ہو کر جماعت میں شامل ہو اور یہ بغیر چلنے کے ممکن نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس لئے چلنا بھی واجب ہے اور تم نہیں دیکھتے کہ حدیث میں مسجد جانے کے ہر قدم کا ثواب جمیل ارشاد فرمایا ہے اس واسطے ڈور گھر سے آنا زیادہ ثواب ہے۔ پس نماز کے لئے نفس کی اتنی غذا کہ (نماز) ادا کر سکے واجب ہے۔

اور یہ چیز کسی کمائی کے حیلہ سے ممکن ہے تو کمائی واجب ہے اور حیلہ جب بغیر تعلیم ممکن نہیں تو یہ علم بھی واجب ہوا جبکہ اس سلسلہ میں ضرورت ہو۔ اب ہر شخص جانتا ہے کہ فرض و واجب و سنت و مستحب یہ نام ان اعمال صالحات کے ہیں جن پر آخرت میں اجر جمیل و ثواب جزیل ہے اور قولہ و اعملوا الصالحات کے تحت میں داخل اور ثواب برضاء الہی ملتا ہے تو اس کی رضا پر یہ برتاؤ ہوا اور اسی کو عبادت کہتے ہیں اور ناراضی جس فعل پر ہو بندگی سے خارج ہے۔ اگر وہ ہم ہو کہ مباح چیز ہو تو کچھ ضروری نہیں کہ واجب ہو اور اللہ تعالیٰ نے منع بھی نہیں فرمایا۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس وجہ سے بعض علماء نے مباح سے براہ تقویٰ پر ہیزار کیا اور حدیث میں آیا کہ آدمی بکا کرتا ہے کہ میرا مال میرا منال اور ہے تیرا مال کیا سو اس کے کھا کر برباد کیا یا پہن کر پھاڑ ڈالا یا صدقہ دے کر آخرت میں جمع کر لیا تو ان بزرگوں نے اس سے سمجھا کہ مراد اس میں مباح کھانا پینا تھا اور جب برباد ہوا تو دنیا کی زندگی جس کا ہر لمحہ و ہر چیز جب نفیست ہے کہ وہ چند روز حیات کے بعد اصلی مقام و وطن میں یہاں کی کھیتی یا تجارت کا نفع نایاب نفاس کا مجموعہ ملے اور جس میں یہ نہیں وہ خواہ نواہ برا ہے خسارہ ہے اسی لئے حدیث سے ثابت ہے کہ صحت و فراغت دو چیزوں کی قدر نہ کر کے اکثر آدمی خسارہ میں پڑے ہیں اور حدیث سے ثابت ہے نیک آدمی کے لئے پاک مال بہت اچھا نتیجہ دیتا ہے۔ تو جب مباح میں مال برباد وقت برباد گیا تو اس سے پرہیز چاہئے اور بعض علماء نے اس کو بھی عبادت میں شامل کیا اور میرے نزدیک بھی یہی اقرب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس لئے کہ مباح ایک حد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی اور ثابت ہو چکا کہ اس حد تک نافرمانی نہیں ہوئی تو بندگی رہی تب تو ضرور ثواب ملے گا اور حدیث میں

صدقات روزانہ شمار فرمائے ہیں مثلاً کسی سے خوش خلقی سے بات کرنا صدقہ ہے حتیٰ کہ راستے سے کانٹا، کنکر ہٹا دینا صدقہ ہے ان سب میں آدمی کا اپنی بی بی سے قریب ہوتا بھی صدقہ شمار ہے تو جس نے اس حکمت کو نہ سمجھا اس نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی آدمی اپنی شہوت پوری کرے تو اس میں بھی اس کو ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ شخص کسی حرام جگہ یہ فعل کرتا تو اس پر عذاب جہنم ہوتا کہ نہ ہوتا؟ عرض کیا گیا کہ ہاں! بیشک عذاب تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر حلال میں ثواب ہے۔ اس میں بہت پاکیزہ اشارہ ظاہر ہے کہ شہوت و خواہش پوری کرنا شرع میں منع نہیں کی گئی ہے بلکہ مقصود شرع کا حد مقرر کر کے فرمانبرداری و نافرمانی کا امتحان ہے پس اگر نافرمانی کی تو حرام کر کے بندگی و اطاعت سے نکل گیا اور حلال کرنے میں فرمانبرداری کی حد کا قصد کیا تو بندگی میں رہا اور جب تک بندگی کی حد میں ہے اس کو ثواب ہے اور حدیث سعد رضی اللہ عنہ میں صریح ارشاد فرمایا ہے کہ: حتی اللقمة تجعل فی فی امراتک۔ یعنی اپنی زوجہ کے منہ میں جو نوالہ پہنچاتا ہے اس میں بھی تجھے ثواب ہے۔ بلکہ ان سب سے قوی استدلال قولہ: کلاوا من الطیبات..... یہ ہے کہ طیبات کھانے کا حکم دیا حالانکہ لذیذ غذا ضروری نہیں ہے کہ بغیر اس کے مر جائے بہت صورتیں مباح ہیں تو مباح موافق حکم ہے جس کے ماننے میں ثواب ہے جیسے مسافر کا نماز میں قصر کرنا اگر چہ فی الاصل رخصت ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ہم پر صدقہ کیا اس کا قبول ہم پر واجب ہے۔ ہاں اتنا ضروری ہے کہ جو ثواب فرض و واجب کا ہے وہ بھلا مباح کا کب ہو سکتا ہے اور جو حدیث کھا کر برباد کرنے و پھین کر پھاڑنے کی بیان کی گئی اس کا بیان اس واسطے نہ تھا کہ مباح کا مال برباد جاتا ہے کچھ ثواب نہیں ملتا ہے بلکہ اس سے مقصود یہ تھا کہ آدمی کا مال اس کے لئے کیا ہے جو وہ کہا کرتا ہے کہ میرا مال میرا مال کیونکہ اس کی زندگی بس یہی چند روزہ ہے تو اس میں جو کھایا پہنا تو وہ اب رہا نہیں اور جو خیرات کر دیا وہ وہاں جمع کر لیا باقی سب اور وں کا حصہ ہے۔ اس کا اس میں سے بس یہی ہے جس کا مفصل حال مذکور ہوا۔ بالجملہ اصل اس میں ایک جامع آیت کریمہ ہے جس کے سمجھنے و اس کی فقہ حاصل کرنے سے آدمی فقیہ ہو سکتا ہے یعنی قولہ تعالیٰ: ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنة..... یعنی حق تعالیٰ نے فرمانبردار بندوں سے ان کا جان و مال خریدا اور عوض اس کا جنت دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و غیرہ اکابر سلف نے فرمایا کہ سبحان اللہ! یہ کمال کرم ہے کہ حقیقت میں اصل و بدل دونوں پھر اسی کو دیدے مع رضوان و فضل عظیم کے کہ یہ اس پر بڑھا دیا پس اتنا تو سمجھ لینا ضروری ہے کہ مؤمن کو اپنی جان و مال میں اپنی رائے کا اختیار کچھ نہیں ہے اس کو چاہئے کہ ان دونوں کو اس طرح رکھے جس طرح مالک نے حکم دیا ہے حتیٰ کہ اعضاء بدن سے نماز و روزہ وغیرہ کا کام لے حتیٰ کہ جب بیماری سے پانی بدن پر ڈالنا مضر ہو تو تیمم کر اڑے اس واسطے اگر زخمی نے مثلاً تیمم نہ کیا اور نہ ہالیا پس مر گیا تو وہ گنہگار مرا کیونکہ اس نے یہ اپنا زعم لگایا کہ تیمم کرنے سے میرا جی صاف نہیں ہوتا ہے ایسے ہے جس کو عذر نہیں ہے اگر تیمم کیا اور ٹھنڈے سرد پانے سے نہانے کو جی نہ چاہا تو گنہگار ہے اس نے نافرمانی کی۔ اللہم اغفر لنا بفضلک۔ مال کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے پھر بھی پوچھا جائے گا کہ کس طرح کمایا پہلے بتاؤ کہ کمائی واجب تھی کیونکہ ہم اوپر بیان کر چکے کہ کمائی ضرورت کے وقت واجب ہے پھر کس حیلہ سے کمایا ہے۔ نوکری تجارت پیشہ نہ تو نوکری ایسی تھی جو ظلم و ناحق سے خالی ہو حتیٰ کہ خلاف شرع مثلاً حکم نہ بگاڑنا پڑے کیونکہ خلاف قانون الہی تعالیٰ جو قانون ہو گا وہ نافرمانی و ظلم ہو گا کیونکہ نافرمانی خود ظلم ہے اور خلاف شرع جو قانون ہے اس کے موافق فیصلہ کرانے کی وکالت و پیروی نہ کرے نوکری کی جو شرطیں ٹھہری ہوں ان کو ادا کرے۔ عذر و خیانت رشوت وغیرہ نہ ہو۔ تجارت میں خرید و فروخت فاسد و حرام طریقہ سے نہ ہو مثلاً کولہ سے ہزار من چاول کی بلیٹی آئی اور ہنوز چاول نہ دیکھے نہ ناپے تو لے بلکہ خالی بلیٹی پر سو روپیہ نفع سے دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالے تو یہ حرام ہے۔

پیشہ کی بھی ایسی ہی حالت ہے۔ پھر اگر اس نے عذر کیا کہ میں نے حرام ہونا نہیں جانا تو عذر قبول نہ ہوگا کیونکہ جب یہ پیشہ اختیار کیا تو اس کا علم جاننا فرض تھا۔ اب ہم دو باتیں یہاں صاف بیان کر دیں اگرچہ سمجھنے والا ہمارے بیان سابق سے بھی سمجھ سکتا ہے۔ ایک یہ کہ علم دین و علم دنیا کی تقسیم کیوں کر ہے اور دوم علم کا طلب کرنا جو فرض ہے وہ کس قدر ہے تب فقہ کے معنی سمجھے جائیں۔ واضح ہو کہ عبادت اصلی تو فقط یاد الہی و اس کی خالصہ طاعات و دعا و عاجزی و تضرع و حضوری وغیرہ ہیں پھر اس میں تندرستی و نفس کی غذا و ٹھکانا بدن کا ڈھانپنا وغیرہ ضروریات ہیں جہاں تک ضرورت ہو اور کبھی عوارض دیگر بھی حقوق کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جیسے اہل و عیال کا نان و نفقہ وغیرہ اور عبادت سے مقدم اس کا طریقہ جاننا۔ پس جو شخص تنہا کسی پہاڑ میں وہاں کے میوہ جات پر بسر کرتا ہے جہاں کوئی نہیں ہے تو اس کو کپڑے کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ جاہل کو وہاں شیطان اپنا بندہ بنا ڈالے گا اور عالم نے کچھ نہ کیا جبکہ علم کا نفع روک دیا ایسی تنہائی بعض اشارات حدیث سے منع نکلتی ہے اور بعض سے جائز بھی الغرض یہ ایک مثال تھی اس کی تحقیق نہیں منظور ہے تم یہیں رہو دیکھو کہ تم عبادت خالصہ کے لئے بیٹھے تو جگہ کی ضرورت ہوئی لہذا مسجد بنانے والوں کے لئے بڑا ثواب ہے کہ حلال زمین پر بیٹھے پھر کھانے کی ضرورت ہوئی اور کپڑے کی یا بیوی بچہ و دیگر اقارب کے نفقہ کی تو سوال حلال نہیں ہے کوئی کمائی اختیار کی پس اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلے تو ثواب وہی ملے گا جو خالص یاد الہی کا تھا اور کمائی میں علم کی ضرورت ہے تو جب تک یہ علم حاصل کرو ثواب ملے گا بشرطیکہ یہی نیت ہو کہ حق نفس و حق زوجہ و حق اولاد اس سے حاصل کر کے پورا کروں اور یہ نیت نہ ہو کہ عیش دنیا آزاؤں کیونکہ یہ گھر تو آخرت کے لئے کھیت و منڈی ہے اگرچہ تم کو کمائی میں اللہ تعالیٰ اس قدر دیدے کہ اپنے فضل سے لذت کے ساتھ رہو اور نیک کام کرو تو یہ علم اگرچہ دنیاوی ہو اس راہ سے ثواب ملے گا مگر ایسی چیزوں کا علم نہ ہو جو شرع میں معصیت ہیں جیسے علم و موسیقی و ستار و سارنگی وغیرہ یا علم مصوری وغیرہ تو یہاں حد مباح کی ہے علیٰ ہذا پیشہ و تجارت میں حرام پیشہ نہ ہو مثل قوالی و بھیک مانگنا وغیرہ اور تجارت حرام نہ ہو جیسے شراب بیچنا وغیرہ پس جس شخص انگریزی پلٹن کے گودام کا ٹھیکہ لے جس میں شرط ہو کہ جہاں اور چیزیں ہیں وہاں یہ بھی شرط ہے کہ شراب اس قدر بمب پہنچاؤ یا گلا گھونٹے جانور کا گوشت دیا کرو تو یہ مال حرام ہو جائے گا۔ پس یہ حد و نوکری و تجارت و پیشہ صنعت میں علم سے معلوم ہوں گے اور جس علم سے معلوم ہوں اس میں اگرچہ ثواب اس نیت پر ہوگا جو بیان ہوئی لیکن یہ علم آخرت و علم معرفت نہیں ہے۔ جو وہاں ساتھ رہے حتیٰ کہ قاضی ہونے کے لئے جو علم ہو وہ بھی دنیاوی جھگڑے بکھیرے فیصل کرنے کے لئے ہے وہ کچھ معرفت نہیں ہے۔ الحاصل علم دنیا ہر وہ علم ہے جس کا باقی ہونا آخرت کے ساتھ نہ ہو اس میں دو قسم ہیں ایک وہ جو بہ نیت صالحہ سیکھا جائے کہ وہ حد مباح میں ہو اور ثواب ملے جیسے فن تعمیر عمارت و فن طبابت وغیرہ اور ایسے ہی قاضی بننے کا علم متعلق بادب القاضی۔ تو یہ بھی ثواب میں داخل ہے اور دوم وہ کہ جو حد مباح میں نہ ہو یا سنت صالح نہ ہو حتیٰ کہ اگر علم قضاء محض اپنے نفس کی عیش کے لئے سیکھا تو کچھ نہیں ہے یا جیسے ستار و گانا علم موسیقی سیکھا تو محض دنیا حرام ہے اور علم دین ہر وہ علم ہے جس کا نتیجہ اصلاغ نفس بغرض آخرت ہو یا نفس علم آخرت و معرفت خالق عز و جل ہو اور اس کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے اور دوسرا بیان یہ رہا کہ علم کا طلب کرنا کس قدر فرض ہے تو جاننا چاہئے کہ جب کبھی ضرورت کسی شخص کو کسب معاش حلال کے لئے داعی ہو کہ وہ علم دنیا میں سے حاصل کرے تو قسم اول میں سے اتنا کہ قدر ضرورت معاش مل جائے ثواب و وجوب میں داخل ہے اور اس سے زائد مباح ہے جبکہ حد مباح میں ہو اور جو چیز کہ محض لایعنی ہو اگر اس کو حاصل کر کے تضرع اوقات کرے تو وہ جواب دے گا مثلاً اس زمانہ میں یونانی فلسفہ کا سیکھنا کہ محض لایعنی اور اسح یہ ہے کہ حرام ہے اور طب وغیرہ مصالح عامہ کبھی بنظر عارض منجملہ واجبات ہو جاتے ہیں اور اسی قسم سے ہے اس زمانہ میں ایسے فنون جن سے بغیر دھوئیں کے بارود اور توپ و ٹریڈو (جس سے جہاز توڑتے ہیں) وغیرہ کی ایجاد وغیرہ پر قدرت حاصل ہو کیونکہ قولہ و وعدوا لہم ما استطعتم

من قوة و من رباط الخبیل۔ "اور سامان کرو کافروں کے لئے جو ممکن ہو سکے طاقت اور گھوڑوں سے" ایسی باتوں کا اشارہ فرماتا ہے بلکہ تنصیص سے اثبات کی امید ہے پس ضروری ہے کہ ایک گروہ علماء کا ایسا ہونا چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم اور ہا علم دین میں سے تو ہر مسلمان مرد و عورت پر اس قدر فرض ہے کہ جب اس سے اعتقاد خالی ہو یا اس میں سے بعض سے خالی ہو تو وہ کافر کہلائے اور جب اس قدر نمل سے یا اس میں سے بعض سے روکا جائے تو اس پر اس ملک سے ہجرت کر جانا واجب ہو اور مترجم کہتا ہے کہ فقیہ عالم کا کام ہے کہ جب وہ جانتا ہے کہ ایمان کے لئے تمام بنی آدم مکلف ہیں تو ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے لحاظ سے اس قدر پراکتفا کرے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبده و رسوله۔ میں گواہی ادا کرتا ہوں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی الہ و معبود نہیں اور گواہی ادا کرتا ہوں کہ بیشک محمد ﷺ اس کا بندہ و رسول ہے پس اگر کسی نے اس قدر اقرار کیا اور بعد اس کے اس وقت مر گیا تو مجال نہیں ہے کہ کوئی اس کو کافر کہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ صحاح کی حدیث اسامہ میں صریح یوں قصہ ثابت ہے کہ اسامہ بن زید سردار فوج کر کے جہاد پر بھیجے گئے وہاں عین لڑائی میں کفار کے لشکر سے جو آدمی اسامہ کا مقابل تھا اس نے تلوار ماری کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا بازو مجروح ہو گیا جب ان کا وار پہنچا تو اس نے پناہ لی اور کہا لا الہ الا اللہ۔ مگر اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس اقرار کو اس کی طرف سے مجبوری پر محمول کر کے نہ مانا اور اس کو قتل کر دیا اس آواز کو بعض اہل لشکر نے سنا تھا انہوں نے کہا کہ اے سردار! تم نے کیوں اس کو مار ڈالا جبکہ وہ تو حید کا اقرار کرتا تھا؟ انہوں نے جو سمجھا تھا بیان کیا تو اہل لشکر نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم اس کو آنحضرت ﷺ سے عرض کریں گے جب مدینہ میں آ کر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا: اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ میرا مجروح بازو ملاحظہ فرمائیں اس نے فقط میری تلوار کے ڈر سے ایسا کہا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہلا شققت قلبہ یعنی تو اس کے دل کا حال کیا جانے تو نے اس کا دل پھاڑ کر کیوں نہ دیکھا یعنی دل کا بھیجید اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلم ہے اور بار بار فرماتے تھے: اقتلت رجلا یقول لا الہ الا اللہ۔ ارے تو نے ایسے آدمی کو مار ڈالا جو کہتا تھا لا الہ الا اللہ۔ یہاں تک کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایسا خوفزدہ ہو گیا کہ کاش میں آج مسلمان ہوا ہوتا۔ الحاصل اسی شہادت و کلمہ تو حید پراکتفا کیا جائے اور اگر کسی نے حضرت سرور عالم و عالمیان سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے رسول و بندے ہونے کا اقرار نہ کیا تو بھی کافر ہے چنانچہ صریح احادیث و محکم آیات ناطق ہیں پھر اس کو اس جامع کلمہ کی تفصیل سے آہستہ آہستہ تعلیم دی جائے کہ جب اللہ کوئی اور نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ وہی خالق رزاق مالک مختار ہے حتیٰ کہ شرک بالکل جڑ سے جاتا رہے اور سب جو کچھ آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمایا کہ میں خلاف نہ رہے اور دنیا کے آگے آخرت پر ایمان لانا ایسا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بقولہ: یومنون باللہ والیوم الآخر۔ یعنی آخرت پر ایمان کو عموماً ہر ایک عرب کے لئے صریح بیان فرمایا اور صحاح میں روایت ایک صحابی کی ہے جنہوں نے اپنی باندی کو مارا اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرے کہ میں نے اس کو مقدر جرم سے زیادہ مارا تو مواخذہ ہو گا پس آنحضرت ﷺ سے اپنا حال ظاہر کر کے عزم کیا کہ یا رسول اللہ! اس کو آزاد کر دوں؟ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ یہاں بلو اور جب وہ آئی تو اس سے اللہ تعالیٰ کا پوچھا اس نے ٹھیک بتایا پھر آپ ﷺ نے اپنا پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہاں اس کو آزاد کر دے یہ تو مؤمنہ ہے۔ اقوال اس میں اشارت ہے کہ جب بندہ اپنے خالق عز و جل کی معرفت میں ایمان رکھتا ہو تو وہ بھائی ہے اور مملوک بنانا اسی کی بھلائی و تعلیم کے لئے ہے غیر ازینکہ ان دونوں آقا و مملوک میں رشتہ اتحاد زیادہ مستحکم ہوتا ہے حتیٰ کہ ولا سے وراثت مثل قرابت کے پہنچتی ہے پس آقا خالص عبادت الہی کے لئے فارغ ہو جاتا ہے اور مملوک اس کے لئے رزق حاصل کر لاتا ہے پس دونوں دنیا سے بڑا ذخیرہ لے جاتے ہیں اور اس واسطے حدیث صحیح میں مؤمن پر یہ حکم لازم کیا یعنی ایمان کے خصائص میں سے قرار دیا کہ اپنے بھائی کو جس کو اللہ تعالیٰ نے

اس کا ماتحت کیا ہے وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے۔

الحاصل اس چھو کرمی سے فقط اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی تصدیق یقینی پر ایمان کا اکتفا کیا کیونکہ بعلم نبوت اس کی سچائی جان کر مؤمنہ فرمایا ہے پس اسی قدر سے مؤمن ہوگا اور علماء جو عوام کی سمجھ سے بڑھ کر ان کو تکلیف دیتے ہیں جاہل ہیں۔ ارے یہ نہیں دیکھتے کہ: اتباع الہو ای اتخاذا لالہ "اپنے نفس کی پیروی کرنا گویا اس کو اپنا معبود بنانا ہے" بقول: افرایت من اتخذا الہہ ہواہ "آیا دیکھا تو نے اس کو کہ جس نے بنا لیا اپنی خواہش کو اپنا معبود" اور جس نے زعم کیا کہ چنے چبانے سے پیٹ میں درد ہو اس نے نظر میں شرک کیا یہ وقائق عالمانہ ہیں اپنے نفس کو آزما میں کہ ایسے خفی شرک ان میں کس حد تک پہنچے ہیں حتیٰ کہ زید و خالد و کل و مرزا و خان و شیخ کے ساتھ عناد اور لڑائی جھگڑے میں کس مرتبہ تک منہمک ہیں اور اسلم ان میں یہ تھا کہ مقام توحید میں قدم استوار کرتے اور وسائل کے ساتھ برتاؤ میں بھی احکام شریعت کا اتباع سمجھ کر مشاجرت کرتے لیکن اللہ تعالیٰ خلاق عظیم ہے۔ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے۔ الغرض اعتقاد میں تو فرضیت اس طرح شروع ہوتی ہے پھر جب اس نے صفائی قلب میں یہ نظر دیکھی کہ پانی نے کھیتی اگائی تو فوراً اس خطرہ کو ابھی باہر رکھا دل میں آنے نہ دیا اور عالم سے پوچھ لیا کہ اس کو دل میں جگہ دوں اس نے بتا دیا کہ نہیں نہیں دیکھو بات اس طرح ہے علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ تمام تفصیل سے مؤمن ہو گیا اور یہیں سے معلوم ہو گیا کہ ایمان و علم کا محل قلب ہے اور صحابہ بلکہ عموماً تابعین اس طرح علماء حکماء امام تھے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ فقہ اکبر و عقائد نسفی و جملہ کتابیں یہ اس وقت کہاں تھیں اور یہیں سے صفائی قلب کا طریقہ بھی اہل ایمان میں معلوم ہوگا بخلاف اس زمانہ کے لوگوں کے دل میں ہزاروں وسوساں و کفر کے اعتقادات و خطرات جمائے ہیں اور ہر وقت ہر بات کو دل میں لاتے جاتے ہیں اور فکر یہ ہے کہ دل میں صفائی حاصل ہو بلکہ دل میں لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کو جگہ دے اور سب خیالات و اوہام کو نکال دے پھر نئے سرے جو وہم آئے اس کو شرع سے پوچھ کر آئے دے اور اگر شرع اس کو وسوساں شیطانی بتلائے تو باہر کر دے۔ اب رہا عمل تو نماز روزہ حج و زکوٰۃ ہے۔ مگر نماز تو ہر مرد و عورت پر فقط پانچ وقت دن رات میں فرض ہے اور روزہ کا علم جب رمضان آئے فرض ہوگا اور حج جب مال اس قدر ہو جتنا چاہئے اور زکوٰۃ جب اس کے لئے مال و موسم آئے اور اگر کوئی فقیر ہو تو اس پر ان دونوں کے مسائل سے اس وقت کچھ بھی نہیں ہے ہاں اتنا جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں ان چیزوں کے فرض ہونے کا اعتقاد ہے اور رہا ان کے ادا کرنے کا طریقہ تو وہ جہی ہوگا جب شرائط و وقت آئے۔ اب ایک تشبیہ باقی رہی کہ نماز میں اس کو معلوم ہو گیا کہ ستر ڈھا کنا و پاک جگہ اور وضو وغیرہ شرائط ہیں اور آدمی کو حرام کھانے و کپڑے میں پرہیز کرنا فرض ہے اور پہلے ہم نے کمائی کے فرض ہونے کو مفصل بیان کر دیا ہے تو جس حیلہ سے کس معیشت چاہتا ہے اس کے افعال بھی عبادت ہیں جیسا کہ اوپر تحقیق ہو چکا تو اس سے احکام الہی حکمت بالغہ متعلق ہیں پس آدمی پر ان کا جاننا بھی فرض ہے اگرچہ یہ فرض نہیں کہ وہ جملہ صنائع و حرفت و تجارت کے احکام سے واقف ہو۔ ہاں عالم البتہ ان سب سے واقف ہوگا جہاں تک علم ہے۔ یہاں سے سے ظاہر ہوا کہ جس نے یہ زعم کیا کہ ضروریات دین فقط روزہ نماز وغیرہ خالص عبادت کے مسائل ہیں اس نے کلام بہت مجمل و مخلوط کر دیا کیونکہ ان مسائل کی تفصیل میں وہی تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی حتیٰ کہ عامی مرد (جو عالم یا مجتہد نہ ہو) پر حیض کے مسائل جاننا ضروری نہیں ہیں اور عورت پر اس زمانہ میں ادائے جموعہ کے مسائل ضروری نہیں اور اس کے علاوہ حرفت و صناعت وغیرہ جو حیلہ کسب معاش کا ہو اس کے مسائل کو ضروریات میں داخل نہ کیا اور بدون اس کے خالی عبادت خالصہ کی خصوصیت سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور حدیث صحیح میں جن لوگوں کی اعانتیں زیادہ قبولیت کی امید کی گئی ان میں مسافر کو شمار فرمایا ہے اور دوسری حدیث صحیح میں یہ مضمون ارشاد ہے کہ اکثر مسافر گروا لود ستر اٹھائے ہوئے پریشان بال ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے اور حالت اس کی یہ ہے کہ جہاں سے کھاتا ہے حرام ہے اور جہاں سے پہنتا ہے حرام

ہے اور حرام کی غذا سے پرورش پائی ہے تو کہاں اس کی دعا قبول ہوگی اور بعض روایات سے جملہ عبادات کی نسبت بھی ایسی کیفیت ثابت ہوتی ہے پس عبادات اگرچہ بذات خود اصل و مقدم ہیں اور یہ چیزیں ان کے لئے شرائط لیکن ادا ہونے کی حیثیت سے تقدیم ان شروط کی حلت ہے اور اختلاف حیثیت و جہت سے ہر ایک کا دوسرے پر مقدم ہونا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا ہے۔

حقیقی فقیہ وہ ہے جس کو دین و ایمان میں سمجھ حاصل ہو ☆

پھر جو کچھ میں نے ذکر کیا یہ سب اس غرض سے کہ اکثر آدمی علم و عبادت فقط نماز و روزہ وغیرہ خالصہ طاعات میں منحصر جانتے ہیں اور دیگر اوقات و افعال کو بلا ثواب و خارج از طاعات سمجھ کر رائیگاں کرتے ہیں یہ قصور سمجھ کا ہے اور فقہ نام سمجھ کا ہے پس فقیہ وہ ہے جس کو دین و ایمان میں سمجھ حاصل ہو لہذا جو فضائل فقہ کے احادیث و آیات سے ثابت ہیں وہ ان بزرگوں کے لئے مسلم ثابت تھے جن کو سلف و صدر اول و صحابہ و خلف و تابعین کہتے ہیں۔ باوجودیکہ یہ کتابیں جو اس وقت موجود ہیں اور جتنے مسائل ان میں مندرج ہیں اس وقت موجود نہیں تھیں اور ایسے ہی یہ بھی سمجھ کا قصور ہے کہ علم دین فقط ان مسائل میں منحصر ہے جو قایہ و ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مدون ہیں حالانکہ ان میں خشوع و خضوع و حضور قلب کا ذکر اتنا ہی ہے علیٰ ہذا تکبر حرام ہے یا شرک خفی ہے اور مانند اس کے بکثرت احکام یہاں مذکور نہیں ہیں پس حاصل الامر یہاں اس طرح جاننا چاہئے کہ بندے جو کام کرتے ہیں ہر کام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حکم متعلق ہے مثلاً یہ جائز ہے وہ حرام ہے حتیٰ کہ جو جائز ہے یا فرضی یا واجب ہے وہ کریں اور جو حرام یا مکروہ ہے اس کو نہ کریں اور تمام کام دو طرح ہوتے ہیں ایک دل سے جن کو افعال قلب کہتے ہیں اور نیت بھی دل ہی سے ہوتی ہے اور دوم اعضائے ظاہری سے جیسے وضو کرنا و نماز کے ارکان ادا کرنا اور کسی پیشہ یا نوکری کا کام کرنا۔ پھر ظاہری افعال میں کوئی ایسا فعل نہیں جس کے ساتھ دل کا فعل نہ لگا ہوا اور کم سے کم نیت ہے حتیٰ کہ اگر صدقہ دیا اور نیت اللہ تعالیٰ کے لئے ثواب کی غرض سے نہیں ہے تو کچھ بھی ثواب نہ ہوا اگرچہ کام نیک ہے شاید دنیا میں اس کا بدلہ لیا جائے اور دل کے افعال بکثرت ایسے ہیں جن کے ساتھ ظاہری اعضا کے کام کو کچھ تعلق نہیں ہے اور یہ خود ظاہر ہے۔ تو فقیہ وہ ہے جو ظاہر و باطن سب افعال و خطرات و وسوسا کے احکام جانتا ہے جہاں تک اس کو ضرورت ہوئی یا انکشاف ہوا ہے اور جہاں سے اس نے جانا وہ اللہ تعالیٰ عز و جل کی کتاب مجید یعنی قرآن کریم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پاکیزہ و اجماع صحابہ خیر الامۃ رضی اللہ عنہم ہے پھر ان تین اصول سے جو طریقہ پہچاننے کا ہے وہی اجتہاد و قیاس ہے اور اجتہاد کے لئے کچھ شرطیں ہیں جو مجمل انشاء اللہ تعالیٰ آتی ہیں۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل تو سمندر کی طرح لبریز بھرے اور پہاڑوں کی طرح استوار محکم جیسے ہوئے تھے اور انہیں کے شاگرد حضرات تابعین ان سے ملتے ہوئے تھے پھر ان کے بعد یہ کیفیت کہاں رہی مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسے علماء پیدا کر دیے جنہوں نے نور یقین و ایمان و ادب و تقویٰ و صدق سے اولین و سابقین و لاحقین کا طریقہ پایا اور پچھلوں کے لئے جن میں موافق حدیث کے جھوٹ پھیلتا گیا اور موٹا ہونا و حظوظ نفس پسند کرتے گئے۔ اس طریقہ کو صاف بیان کر دیا۔ خود یہ حضرات مجتہدین بیشک فقیہ جامع تھے اور مشائخ کبار بھی انہیں کے شاگرد تھے لیکن پچھلوں نے یہ کیا کہ باطنی کا مجموعہ ان کتابوں میں جمع نہیں کیا بلکہ شاذ و نادر کسی مسئلہ کے بالکل ذکر نہیں کیا کیونکہ میدان بہت وسیع ہے اور خالی ظاہری اعمال اس کے احکام سب طرح کے ذکر کر دیے تو فقہ اب انہیں ظاہری افعال کا نام ہو گیا ہے۔ لیکن مرد متقی کو چاہیے کہ ظاہر گناہ و باطن گناہ سب کو ترک کرے باطنی گناہوں کا ترک تو حدیث و تفسیر سے جس میں احادیث کے ساتھ بیان ہو تعلیم حاصل کرے اور ظاہری کو فتاویٰ فقہ سے سیکھے۔ واللہ تعالیٰ ولی التوفیق۔

## فقہ کے بیان میں

### لغوی تشریح ☆

واضح ہو کہ لغت میں فقہ کے معنی سمجھ کے ہیں اور شرع میں فہم خاص جو کتاب اللہ تعالیٰ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے قول میں ہے کہ اس سے زیادہ ایک فہم جو قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عنایت فرمادے والحدیث فی صحیح البخاری۔ پس فقہ کے لئے اصل یہی دونوں یعنی کتاب الہی قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث ہیں اور فقیہ وہ ہے جو جسم ظاہر کے متعلق احکام و امور و نواہی سے اس طرح واقف ہو کہ دونوں اصل میں سے کہاں سے یہ حکم عمل کرنے کا یا نہ کرنے کا کس طرح نکلا ہے تاکہ ظاہر جسم کو ان احکام کے موافق عمل کرنے سے ظاہری گناہوں کی نجاست سے پاک اور پاکیزہ طہارات و طاعات کے نور سے منور کر سکے جیسے طہارت و وضو و غسل و ادائے فرائض و واجبات سے اور قرآن کی قراءت و اس میں نظر کرنے و سننے و مسجد کو جانے وغیرہ خصال محمودہ سے آراستہ کرتا ہے اور نفس گفتگو و بد نظری و فحش باتیں سننے و حرام کھانے پینے اور چوری اور فواحش کی طرف قدم اٹھانے وغیرہ کی نجاست و افعال مذمومہ سے اپنے آپ کو پاک رکھتا ہے اور تاکہ فقیہ مذکور باطن کو سچے اعتقادات و نورانی افعال و حسن صفات سے منور کر سکے اور باطن کو باطل و مذہب خیالات و بہودہ اوہام و بد افعال و مذموم صفات کی تاریکی و نجاست سے پاک کر سکے اور اپنے نفس کے عیوب اور دشمن قطعی شیطان کے مکر و وسوساں پر ان دونوں کی ظاہر و خفیہ راہوں پر مطلع و آگاہ ہو پس جب اس نے اس واقفیت سے بحکم قولہ تعالیٰ: **وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ**۔۔۔ یہ تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے تقویٰ کیا اور توبہ و استغفار و خشوع و خضوع و خوف الہی سے ہر دم اپنے مالک خالق کی طرف متوجہ ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو اور ایک علم عنایت فرماتا ہے جس کا اشارہ حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں بتائید حدیث صحیح گو یا مصرح ہو گیا ہے اور ابتداء اس اصلاح کی سلامت قلب ہے بحکم قولہ: **اِذَا صَلَّحْتَ صَلَّحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ** جب وہ صلاح پر ہو جاتا ہے تو تمام بدن صالح ہو جاتا ہے۔ اور بحکم قولہ: **اَعْدَىٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ** سب سے بڑا تیرا دشمن تیرا خود نفس ہے جو تیرے دونوں پہلو کے بیچ میں ہے اس نفس کے مہلکات کو پہچاننا اور بحکم قولہ تعالیٰ: **اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَةَ بِالسُّوءِ**۔ اس کی بدخواہشوں کو پہچاننا اور وسوساں شیطانی سے بحکم قولہ تعالیٰ: **اِذَا مَسَّ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ**۔ متنبہ ہو کر توفیق الہی جل شانہ فوراً بچ جاتا ہے اور اگر المام ہوا بھی تو بلا اصرار منقطع ہو جاتا ہے پس لوٹ دشمن سے پاک اور آخرت حکمت الہیہ سے سرفراز ہوتا ہے اور مخلوق الہی اس کے فیض حکمت سے اپنے منازل و مقامات بلند حاصل کرتے ہیں پس اس واسطے حدیث صحیح میں ہے کہ: **فَقِيْهِ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلٰى الشَّيْطَانِ مِنَ الْفِ**۔ عابد اکیلا ایک فقیہ ہزار عابدوں سے بڑھ کر شیطان پر بھاری ہوتا ہے اس کی ایک رکعت دوسروں کی ہزار رکعت سے بڑھ کر ہے اور اس کی خاموشی اور ہزاروں کلمہ سے افضل ہے اور پاک ہے اللہ جل جلالہ جس نے اپنے بعض بندوں کو سرفراز کیا اور انہیں کو اس کا نفع عائد کیا اور وہ پاک حق سبحانہ تعالیٰ ہر فقہ و عابد کی عبادت سے مستغنی ہے۔ پھر خوب یاد رکھو کہ صدق یقین و خلوص عبادت و طاعت کے اصلی فیض سے یعنی دیدار حضرت سید المرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک منزلت اعلیٰ خاص تھی جس میں کوئی انکا مشارک نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی ان کے شاگرد یعنی طبقہ تابعین کی منزلت میں کوئی ان کا مشارک نہیں ہے۔

پھر ائمہ مجتہدین نے توفیق حق سبحانہ و تعالیٰ پچھلوں کے لئے فہم قرآن و حدیث کا طریقہ بتا دیا کیونکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ

آدمی بکثرت تلاوت قرآن و تعلم تفسیر میں عمر صرف کرتا اور احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کرتا ہے مگر طریقہ و ہدایت سے موفق نہیں ہوتا، بخلاف فقیہ کے اس واسطے بعض روایات میں ہے کہ اذا اراد اللہ بعبد خیرا یفقه فی الدین ویلہمہ رشدہ الہام رشدتہ۔ فقاہت ہے اور کبھی آدمی کو تھوڑی احادیث سے فقہ النفس کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ و ذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ یہ فقہ جس کا حاصل بیان ہو اور حقیقت فقہ ظاہر و باطن دونوں کی پاکیزگی و تقویٰ سے آگاہ ہو اور خطرات نفس و وسواس شیطان سے ہوشیار ہو۔ لیکن ائمہ مجتہدین کے پیچھے لوگوں نے تقویٰ ظاہر کو بنا م فقہ اور تقویٰ باطن کو بنا م تصوف موسوم کر لیا اور کتاب تو صحیح و غیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں دونوں کا مجموعہ فقہ تھا اور بیشک یہی ہونا ضروری ہے کیونکہ جس کے باطن میں تکبر و غرور و بخل و دنیا کی جاہ و منزلت مومنوں کی طرف سے بغض و عداوت و حقد و حسد و ظلم و کینہ و غیرہ مذموم و بد سیرتین بھری ہوئی ہوں اس کے وضو و غسل کی نماز کی صورت ادا کرنے میں کیا امید ہے: اللہم غفرانک پھر واضح ہو کہ متعارف فقہ کے لئے سوائے کتاب و سنت کے جو اجماع و قیاس کو بھی اصل قرار دیا ہے حالانکہ مترجم نے فقط اول دونوں کو بیان کیا تو اس میں کچھ مخالفت نہیں ہے کہ اجماع کسی حدیث پر ہوتا ہے اور بسبب اجماع کے اس حدیث کی دلالت قطعی ہو جاتی ہے یعنی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بیشک جس طرح راویوں نے نقل کیا اس میں کچھ وہم و نا فہمی وغیرہ نہیں ہوئی ہے باوجودیکہ روایت ہے کہ لانجمع امتی علی الضلالۃ۔ میری امت کا اتفاق کسی گمراہی پر نہ ہوگا اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ ایک حکم عام تھا جس میں یہ بھی شامل تھا جو قیاس سے نکالا گیا پس قیاس سے وہ ظاہر ہو گیا اور یہ مطلب نہیں ہے کہ مجتہد کا قیاس خود ثابت کر سکتا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ اس نے ظاہر کر دیا۔ پھر فقیہ کی لیاقت یہ ہوتی ہے کہ اجتہاد کرے اور اجتہاد نام ہی خوب کوشش کرنے کا تا کہ آیت یا حدیث کے معنی معلوم ہو جائیں چنانچہ مثال آئے گی۔

### مشہور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم چار ہیں ☆

واضح ہو کہ مشہور مجتہدین جن کے اجتہادات جمع ہو کر مشہور ہو گئے چار ہیں: امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور بعض متاخرین نے ان کے اجماع کو بھی حجت قرار دیا بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و انکے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اتفاق کو حجت قرار دیا ہے۔ لیکن یہ اتفاق چند اماموں کا ہے اور امت کا اتفاق اس کو نہیں کہہ سکتے ہیں اور بعضوں نے اس کا استثناء حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کیا ہے جس میں ہے کہ: فمآراء المؤمنون حسنا فهو عند اللہ حسن۔ یعنی مومنین جس بات کو بہتر جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہے اور شاید وجہ استدلال یوں ہو کہ مومنوں صیغہ جمع کم سے کم تین پر صادق ہے تو مومنین کا اتفاق ہو گیا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تو چار امام رہے اور المؤمنون الف لام سے استغراق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت استدلال کیا جاتا ہے اس وقت یہ حالت ہے کہ تمام روئے زمین کے مسلمان مسلک حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی پر ہیں پس جس امر پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ظاہر ہوا اور یہی مقصود تھا یہ انتہاء کی توجیہ ہے جو مترجم اس مقام پر بفضل استدلال ظاہر کرتا ہے اور ہمارے زمانہ میں کچھ سفیہ مدعیان فقہ ایسے ہیں کہ وہ اس رسم و راہ کو اختیار کرتے ہیں اس پر بہت سے لوگوں کا اتفاق حجت قرار دیتے ہیں مثلاً اس فتاویٰ میں مذکور ہے کہ قبروں پر چراغ چڑھانا مکروہ بدعت ہے چنانچہ کتاب الکراہت وغیرہ میں یہ مسئلہ ملاحظہ کرو مگر ہمارے زمانہ میں ایسے گمراہ کرنے والے مفتی ہیں کہ ان کا یہ استدلال ہے کہ مسلمانوں کی پسند سے برابر چلا آتا ہے تو بدعت حسنہ ہوا۔ حالانکہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا اس پر اجماع صریح ممنوع و غیر معلوم ہے علاوہ اس کے وہ کون اصل ہے۔ جس پر اجماع قائم ہوا ہے اور واضح ہو کہ مترجم عقائد اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہاں ایک سخت اشکال وارد ہے اور وہ یہ ہے کہ



ایمان جس کی صفت سے بندہ مؤمن کہلاتا ہے خالی زبانی دعویٰ و صورت بنانے و گوشت کھانے سے متحقق نہیں ہوتا اور اہل العلم جانتے ہیں کہ آدمی اکثر اوقات اپنے آپ کو مؤمن سمجھتا ہے مگر درحقیقت اس کے دل میں ایمان نہیں ہوتا کہ۔ یا نہیں دیکھتے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: قالت الاعراب آمنا۔ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ یہ کلمہ انھوں نے منافقوں کی طرح جھوٹ موٹھ نہیں کہا تھا بلکہ ان کا زعم یہی تھا کہ ہم ایسے ہیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کا اصلی حال ان پر ظاہر کر دیا۔ بقولہ۔ قل لم تو منوا۔ کہہ دے کہ تم ابھی مؤمن نہیں ہوے۔ لیکن تو لو اسلمنا۔ لیکن یوں کہا کرو کہ ہم اسلام لائے یعنی ہم نے ایمان کے لئے گردن جھکائی اور اس کی طرف مائل ہوے اور مطیع ہوے ہیں۔ ولما یدخل الایمان فی قلوبکم۔ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے دلوں میں ایمان آ گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اصلی حالت قلب کی علم الہی میں ہے۔

اور آنحضرت ﷺ دعا فرماتے کہ: اللہم ثبت قلبی علی دینک اے رب میرے میرا دل اپنے دین پر ثابت رکھو اور یہ مت سمجھو کہ اعراب نا سمجھ لوگ تھے دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال کہ طبرانی وغیرہ کی حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی: فمن شرع اللہ صدرہ الاسلام فهو علیٰ نو رمن رید اور فرمایا کہ جب ایمان دل میں آتا ہے تو اس کے لئے سینہ کھل جاتا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اس کی کوئی پہچان ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لتجافی عن دار لغرور۔ فریب گاہ دنیا سے اپنا پہلو ہٹانا۔ والانا بته الی دار الخلود اور ملک دائمی باقی کی طرف ملک کے ساتھ جھک جانا۔ واستعداد الموت قبل نزولہ موت آنے سے پہلے اس کے لئے سامان سفر مہیا کرنا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظاہر حال پر اعتماد نہیں کیا بلکہ نشانی دریافت کی کہ آیا ہم میں یہ نشان ہے یا نہیں ہے پس کوئی غرہ نہیں ہو سکتا کہ ہم جیسے مصمم عزم کئے ہوئے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں حتیٰ کہ انشاء اللہ تعالیٰ بھی بطور شک نہیں کہتے ہیں ویسے ہی درحقیقت ہیں بانفس کے دھوکے میں ہے بمانند یہود کے لقولہ تعالیٰ: وان باتوک عرض مثله یاخذوہ اور کہتے: سیغفر لفل پس ایمان ان میں درحقیقت نہ تھا بلکہ جہل مرکب تھا نعوذ باللہ منہ اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ نفاق ایسی چیز ہے کہ اس سے وہی خوفناک رہتا ہے جو درحقیقت مؤمن ہو اور اس سے وہی نڈر رہتا ہے جو حقیقت میں منافق ہو اور حسن نے کہا کہ میں نے ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا کہ اپنے قلب پر نفاق کا خوف رکھتے تھے دیکھو یہ جلالت قدر اور یہ خوف: اللہم انی اعوذ بک من النفاق وفتنة یارب باعدینی و بین النفاق وانت علی کل شیء قدير۔ اور حضرت حسن کا قول اخیر صحیح البخاری میں معلق مذکور ہے اور ایک صحابی نے ایک شخص کی نسبت کہا تھا کہ: انی اراه مؤمنًا میں اس کو مؤمن خیال کرتا ہوں۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: او مسلم۔ یعنی کہو کہ مؤمن یا مسلم۔ پس جب یہ حال ہے کہ حقیقت ایمان قلبی سے آگاہی فقط اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جس کسی بات کی نسبت بدعت حسنہ ہونے کا اعتقاد کیا گیا اس کی دلیل یہ ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: فمراہ المؤمنون حسنا فهو عند اللہ حسن۔ اور ما موصولہ کو عام بقوت کلیہ لیا۔ اور کہا کہ اس بات کو بھی مؤمنوں نے حسن جانا تو یہ بھی حسن ہوئی۔ پس اس کے یقینی ہونے میں تامل کے وجوہ مشہورہ مانند استغراق نہ پایا جانا وغیرہ کے علاوہ دقیق اشکال جو مترجم کو ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ مؤمنوں کا اجماع کیونکر یقین کیا گیا اور یہ کیونکر ظاہر ہوا کہ یہ لوگ جنھوں نے اس نئی بات کو اچھا سمجھا ہے سب کے سب واقعی مؤمن ہیں اور کسی یقینی شہادت سے ان کا مؤمن ہونا ثابت ہوا ہے اور کہاں سے معلوم ہوا کہ مثل اعراب کے ان کو زعم نہیں ہے اور کس نے ان کو خفیہ نفاق سے مطمئن و بے خوف کر دیا حتیٰ کہ انھوں نے اپنے اوپر تحقیقی مؤمن ہونے کا حکم لگا کر یہ مسئلہ بدعت حسنہ قرار دیا اور کس طرح انھوں نے جانا تھا کہ ان سب میں سے ہر ایک کا خاتمہ کمال ایمان پر ہے کیوں خوف نہ کیا حالانکہ مؤمن کی شان ہے کہ نفاق سے خوفناک رہتا ہے پس جب ہنوز ان کی نسبت مؤمنین

ہونے کا یقین نہیں ہے تو مؤمنین کا اجماع کیونکر متیقن ہوگا۔

اگر کہا جائے کہ پھر اجماع کی تو کوئی صورت نہیں ہو سکتی ہے حالانکہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم بلا اتفاق حجت قطعی ہے جس کا منکر مردود ہے تو جواب یہ ہے کہ اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ اجماع ہے کیونکہ ان کے مؤمنین ہونے کا یقین ہم کو شہادت الہی عزوجل سے معلوم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی شہادت سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوگی۔ فقد قال تعالیٰ رضی اللہ عنہم و رضوا عندہ۔ وقال تعالیٰ: اولئك هم الصادقون وقال تعالیٰ: اولئك هم المؤمنون حقا۔ پس ان کا اجماع بیشک مؤمنون کا اجماع ہے اور دوسروں کو اپنی ہستی سے باہر قدم نہ رکھنا چاہیے بھلا روا ہے کہ کوئی فرد بشر اپنے زعم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی برابری کا دعویٰ کرے پس مصداق المؤمنون کی استدلال یقینی کے لئے فقط صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں چنانچہ خود دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مؤمنوں کی تفسیر صحابہ سے بیان فرمائی ہے پس نا سمجھی یہاں تک پہنچی کہ اگر فقہ القلوب نہیں تو صریح تفسیر سے بھی انکار ہوا اور ہر مسلمان بالیقین جانتا ہے کہ ہمارا یقین تو کسی ولی اللہ کے یقین کے برابر نہیں ہے اور تمام اولیاء اللہ بعد صحابہ کے کسی ادنیٰ صحابی کی منزلت کو نہیں پہنچتے۔ چنانچہ ائمہ مشائخ نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ اس واسطے اولیاء اللہ میں سے بعض اکابر نے صریح ہر ایسے قول و فعل و طریقہ سے انکار کیا جو عہد اول میں نہ تھا حالانکہ ہم عوام سے اولیاء اللہ کا ایمان جیسے سورج و ذرہ سو وہ بھی جبکہ بفضل و کرم الہی تعالیٰ ہم کو ذرہ برابر ایمان ہو اور امید اپنے خالق مالک سے یہی ہے کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے بطفیل سیدنا محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علیٰ واصحابہ وسلم علیہم اجمعین پھر اگر کوئی شخص نا سمجھی سے جدال کرے کہ کیا تجھ کو شک ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان کے معروف متقی اصحاب و امام مالک و دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو میں کہوں گا کہ نعوذ باللہ من ذلک جب ہر مؤمن کے ساتھ حسن الظن واجب ہے تو ان اماموں کی نسبت مجھے کیونکر یہ گمان ہوگا بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ مجھے علم غیب یا علم الہی نہیں ہو سکتا: اللھم غفرانک اور جس جماعت کثیرہ کے اتفاق سے عام لوگ اجماع مؤمنین کا دعویٰ کرتے ہیں جب ایمان پر ان کا خاتمہ ہوا اگرچہ یہ امر تم کو قطعی معلوم نہیں ہو سکتا ہے تو پھر احتمال ہے بعد موت کے ظہور حقائق سے شاید وہ متفق نہ ہوں اور اگر ہوں بھی تو اجماع سے لاعلمی ہے اور مقام کو میں نے قولہ تعالیٰ و کونوا مع الصادقین کی تفسیر میں مفصل ذکر دیا ہے اور خبر درار رہنا چاہئے کہ میرے اس بیان میں علم غیب مخصوص بستان حضرت ذوالجلال کا اعتقاد ہے اور تنبیہ ہے کہ جو بات علم الہی میں ہے وہ بغیر بتلائے ہم کو نہ معلوم ہوگی اور بدون اس کے جو دعویٰ کرے گا مردود ہو جائے گا۔ اور اس کو اماموں و اولیاء کی علوم منزلت و بزرگی سے تعلق نہیں ہے بلکہ مسلمان پر واجب ہے کہ اگلے بزرگوں کے ساتھ ان کی بزرگی کا نیک اعتقاد رکھے پھر اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ آیت یا حدیث کی فقہ سے بکمال کوشش احکام کو مستنبط کرے اور یہ کچھ قیاس نہیں ہے مثال اس کی جیسی امام نماز کے پیچھے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے یا نہیں چاہئے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا بدلیل قولہ تعالیٰ: اذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور بحدیث قولہ: وانما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرا فانصتوا وبقولہ تعالیٰ: ادعوا ربکم تضرعاً وخفیہ کیونکہ سورہ الحمد دعا ہے بقول جابر رضی اللہ عنہ: الا ان یکون وراء الامام اور مانند اس کے دیگر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور امام شافعی نے مطلقاً واجب کیا بدلیل حدیث عبادہ بن الصامت در صلوة الفجر۔ وبقول ابو ہریرہ کہ: اقراء فی انفسک اور بحدیث: لا صلوة من لم یقرا بفاتحہ الكتاب وغیر ذلک اور امام مالک نے صلوة جہرہ میں منع کیا اور سریہ میں ردار کھا پس تو خود دیکھتا ہے کہ آیات و احادیث کو جمع کرنا یا ناسخ و منسوخ پہچاننا یا تخصیص وغیرہ کرنا یا آیت قطعی کی تخصیص روایت ظنی سے نہ کرنا یہ سب شان مجتہد باجتہاد ہے اور اس میں کچھ بھی قیاسات نہیں ہیں۔ اس طویل بیان سے تجھے ظاہر ہوا کہ فقہ اصلی اور ہے اور فقہ متعارف مخصوص بافعال جواریع ہے اور مجتہد خود فقیہ بقہ اصلی ہوتا ہے اور مجتہد کے استنباط کئے ہوئے

مسائل جاننے میں جہاں تک جس کو ضرورت ہے کوئی معذور نہ ہوگا۔

بحکم قولہ تعالیٰ: فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینات والذبر۔ پھر جملہ مسائل کا جاننے والا کبھی عامی ہوتا ہے جبکہ اجتہاد کے لائق نہ ہو۔ فاضل لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن حجر مکی کے رسالہ سنن الغارہ سے نقل کیا کہ امام نووی شافعی نے شرع مہذب میں لکھا کہ مجتہد یا مستقل ہے یا منتسب۔ پس مستقل کی شرطیں بہت ہیں مثلاً فقہ النفس و سلامتہ الذہن و ریاضۃ الفکر و صحیحہ تصرف و استنباط بیداری اور ادلہ شرعیہ کا جاننا اور جو چیزیں اصول ادلہ کے عالم ہونے کے لئے ضروری ہیں مثلاً زبان عربی و اصول تفسیر و اصول حدیث وغیرہ اور ان اصول سے اقتباس کرنا بدرایہ اور ان کے استعمال میں مشاق مرتاض ہونا اور فقہ کے ساتھ اور امہات المسائل سے واقف ہونا۔ قال المترجم اور شیخ محدث دہلوی نے عقد الجید وغیرہ میں اقصیہ رسول ﷺ و صحابہ خلفاء سے وقوف وغیرہ کو بھی مفصل لکھا ہے۔ پھر نووی نے کہا کہ ایسا مجتہد تو زمانہ دراز سے مفقود ہے اور رہا مجتہد منتسب تو اس کے چار درجے ہیں اول وہ کہ بسبب استقلال کے اپنے امام کا مقلد نہ مذہب میں ہے نہ دلیل میں ہے ہاں اس کی جانب فقط اس وجہ سے منسوب ہوتا ہے کہ اجتہاد میں اسی کے طریقہ پر چلتا ہے یعنی اس کا اعتقاد بھی اسی طریقہ پر واقع ہوا مثلاً لفظ عین سے ایک ہی اطلاق سے معنی حقیقی و مجازی مراد لینا وہ بھی جائز سمجھتا ہے۔ جیسے اس کا امام۔ دوم وہ کہ مجتہد ہو مگر مقید بمذہب کہ مستقل بتقریر اصول امام خود بدلیل ہے لیکن امام کے ادلہ اصول و قواعد سے تجاوز نہیں کرتا اس کی شروط میں سے ہے کہ عالم فقیہ و اصول و ادلہ احکام تفصیلاً ہو اور مسالک اقصیہ و معانی کا بصیر ہو اور ترجیح و استنباط بقیاس اور غیر منصوص میں پورا مرتاض ہو پھر بھی بسبب حدیث و نحو سے کامل وقوف نہ ہونے کے وہ اپنے امام کی تقلید سے خارج نہ ہوگا اور ہمارے ائمہ اصحاب الوجوہ اسی صفت کے ہیں۔ سوم یہ کہ رتبہ اصحاب الوجوہ کونہ پہنچے لیکن فقیہ امام کے مذہب کا حافظ ہو اس کو تقریر و تحریر دلائل و تصویر و تمہید سے بیان کر سکتا اور تزییف و ترجیح دے سکتا ہو اور یہ صفت اکثر اصحاب الترجیح آخر صدی چہارم والوں کی ہے جنہوں نے مذہب کی ترتیب و تحریر کی ہے اور چہارم اہل تقلید محض ہیں کہ تقریر و دلیل و تحریر اقصیہ میں ضعیف لیکن حفظ مذہب روایات و فہم مشکل میں قوی ہیں ایسے لوگ مذہب کی کتابوں سے جو فتوے نقل کریں وہ معتبر ہوگا۔ مترجم کہتا ہے کہ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ طبقات ائمہ حنفیہ و طبقات مسائل جو میں نے آگے نقل کئے ہیں وہ ضروری حفظ کے قابل ہیں تاکہ اس فتاویٰ میں استفادہ میں عوام کو لغزش نہ ہو اور مجتہد و غیر مجتہد کے اقوال میں امتیاز رکھیں اور مجتہدوں میں بھی مستقل و مجتہد فی المذہب اور فی المسئلہ۔ و اصحاب وجوہ و اصحاب ترجیح میں امتیاز رکھیں لہذا ضروری ہوا کہ جن اماموں و فقہاء و علماء کے اقوال اس کتاب میں مذکور ہیں۔ مختصر ان کا حال اور زمانہ و ان کی تالیفات سے آگاہ کر دوں۔ التوفیق من اللہ عزوجل۔

الواصل

در تذکرہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

فقہاء و علماء حنفیہ خصوص جن کا ذکر اس فتاویٰ میں آیا ہے

اس فتاویٰ میں اکثر فقہاء علماء کا صریح نام اور کتاب کا حوالہ عام ہے اور ان کتابوں میں سے بعضے متاخرین کے تالیف ہیں جن میں متقدمین اہل اجتہاد میں سے کسی کی تصحیح پر اعتماد کیا گیا اگرچہ مؤلف خود مجتہد نے المذہب یا فی المسئلہ یا اصحاب ترجیح سے نہ ہو مثلاً شرع نقایہ۔ برجنندی۔ یا ابوالکارم وغیرہ اگرچہ غالب ان کتابوں سے بطور تائید نقل کیا گیا اور اصل کسی معتمد سے مذکور ہے اور بعضی کتابیں تالیف اصحاب ترجیح و ترجیح و بعضے از مجتہد نے المذہب ہیں اور اصول کتب میں سے تصنیفات امام محمد بن الحسن ہیں جیسے

زیادات و مبسوط وغیرہ اور عنقریب خاتمہ میں انشاء اللہ تعالیٰ متفرق ضروریات و فوائد اصطلاحات سے آگاہی ہوگی اور وہیں بیان ہوگا کہ مبسوط امام محمد رحمہ اللہ مبسوط شیخ سرحی وغیرہ کیوں کہتے ہیں چنانچہ اس فتاویٰ میں بکثرت اسی لفظ سے حوالہ مذکور ہے پس اس تذکرہ سے دو فائدے منجملہ فوائد کے نہایت اہم و ضروری ہیں۔ اول یہ علماء کے تذکرہ میں ان کی تصانیف سے خصوصاً ایسی تصنیف کی تصریح کر دی جائے گی جس سے اس فتاویٰ میں حوالہ ہے تاکہ اس کتاب کا مرتبہ معلوم رہے اور جب دو کتابوں سے مختلف حوالہ یا ایک ہی میں کوئی مسئلہ مخالف مذہب مذکور ہو تو مستفید اس کو پرکھ لے اور ایسا نہ کرے کہ نادانی سے ضعیف کو قوی اور اس کا النائل میں لائے اور خاتمہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کتابوں کی بھی تصریح کر دی جائے گی جن کو محققین علمائے حنفیہ نے کسی خاص علت سے جو وہاں مذکور ہوگی لائق اعتماد نہیں تصور فرمایا ہے۔ دوم یہ کہ علماء و فقہاء میں سے مجتہد و مقلد وغیرہ اور مقدم و موخر کو پہچاننے تاکہ موخر کو مقدم یا برعکس نہ کرے اور یہ امر اہل تقلید کو موخر کرنے میں ظاہر مفید ہے اگرچہ اہل اجتہاد میں بعضے کھپقن کی رائے پر اشکال ہوگا جو کہتے ہیں کہ مرتبہ اجتہاد فی الجملہ یا مطلقاً ختم نہیں ہوا کیونکہ اس صورت میں تقدیم چنداں مفید نہیں ہے ولیکن ابن الصلاح و نووی نے کہا کہ مجتہد مستقل بعد ائمہ۔ اور بعد تمہم اللہ تعالیٰ کے مفقود ہو گیا اور درالختار میں کہا کہ قد ذکرنا ان المجتہد المعصوق قد فقد۔ یعنی علماء نے ذکر کیا ہے کہ مستقل مجتہد تو مفقود ہو گیا اور میزان شعرانی میں سیوطی سے نقل ہے کہ بعد ائمہ اربعہ کے صرف شیخ ابن حریر نے یہ دعویٰ کیا مگر مسلم نہیں رکھا گیا مترجم کہتا ہے کہ ان لوگوں نے قول پر قولہ تعالیٰ: فلولنا نفر من کل فرقة منهم طائفة..... میں مجتہد ہونے کا حکم فرض کفایہ ہے کمافی العالم وغیرہ وہ اب منقطع ہوگا اور شعرانی نے کہا کہ ہاں اب بھی مستقل مجتہد ہو سکتا ہے اور نہیں کوئی دلیل نہیں ہے خصوصاً جبکہ قدرت البیہ عظیم اور عجائب قرآن غیر متماہی ہیں۔ مولانا باجر العلوم نے شرح مسلم و شرح تحریر میں میں کہا کہ ادنیٰ قسم اجتہاد بھی ان لوگوں نے بلا دلیل علامہ نسفی پر ختم کر دی اور اسی سبب سے چاروں ائمہ کی تقلید واجب کی مگر یہ سب ان لوگوں کی ہوسات بلا دلیل شرعی بلکہ علم غیب کے دعوے نہایت مذموم ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ اسلام میں ایسے ادعا سے لوگ محض جہال رہ جائیں گے اور بعض آیات الہی عزوجل منقطع ہوں گی اور بڑا سخت فساد برپا ہوگا بلکہ صواب وہی ہے جو امام شعرانی وغیرہ نے کہا کہ علم غیب مخصوص بجناب باری تعالیٰ ہے اور اجتہاد لمبیع اقسام ختم ہونے پر کوئی دلیل نہیں و اختتام دیگر اقسام بھی محل تامل ہے اور ہر مقدم کو متاخر پر راہ صواب ہر مسئلہ میں حاصل ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ صواب کا علم از جانب حق جل و علا ہوتا ہے و یدل علیہ قولہ تعالیٰ: ففہمناھا سلیمان..... چنانچہ ان کے باپ حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام کو تفسیم نہ ہوئی اور بیٹے سلیمان علیہ السلام کو علم و حکمت اور اس مسئلہ میں صواب کی تفسیم عطا ہوئی فذلک من فضل اللہ تعالیٰ۔ پھر جن اقوال پر فتویٰ دیا گیا اگرچہ ان کو ترجیح ہے لیکن یہ حکم کلیہ نہیں کیونکہ عموم بلوی او تغیر اوضاع و احوال وغیرہ کو بھی دخل ہوتا ہے حتیٰ کہ مرجوح ان اسباب کے ساتھ کبھی راجح ہو کر فتویٰ کے لئے متعین ہو جاتا ہے اور یہ صرف ایسے راجح و مرجوح احکام میں ہے جن میں دونوں طرف دلائل موجود ہیں حتیٰ کہ اسی جہت سے راجح و مرجوح ہوئے اور عوام کی طرح یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ زمانہ کو دیکھ کر ممنوع احکام کبھی جائز ہو جاتے ہیں جیسے بعض ملاحدہ کا شیوہ ہے جن کا یہ گمان ہے کہ احکام شرعی یا جمہوری مصلحت و رائے پر بدون پابندی از جانب الہی عزوجل بنائے گئے ہیں اور باب الفتویٰ میں انشاء اللہ تعالیٰ توضیح آئے گی اور فتاویٰ اہل سمرقند یا فتاویٰ آہو وغیرہ سے جو کچھ مذکور ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اس زمانہ کے مشائخ نے جو فتویٰ دیئے سب یکجا کئے گئے پس فتاویٰ کے احکام پر دلیل معلوم کر کے اعتماد ہوتا ہے یا جو اس کے مانند ہو جیسے کسی معتمد کتاب میں اس سے بغیر تضعیف نقل کیا جائے اور اس کتاب میں یہی ہے کہ ذخیرہ وغیرہ کے اعتماد پر نقل کیا گیا لہذا مشقت بعید کی ضرورت نہ رہی کہ اس فتوے کا حال دریافت ہو۔ واضح ہو کہ ان کتابوں کی فہرست علیحدہ لکھنا اور علماء کا تذکرہ زمانہ مقدم و موخر معلوم ہونے کے لئے جدا لکھنا بیکار تطویل ترک کر کے مترجم

نے یہی مختصر اختیار کیا کہ کتابوں کا حال خود ان کے مصنفوں کے ذیل میں آجائے لہذا علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دونوں فائدہ سے حاصل ہیں اور تیسرا فضلی فائدہ یہ کہ صالحین کے تذکرہ سے رحمت الہی عزوجل نازل ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ اجتہاد جس کے موصوف کو مجتہد کہتے ہیں اس سے استنباط و حقیقت حکم الہی عزوجل حاصل کرنا اس طرح کہ جو احکام الہی منصوص و ظاہر ہیں انھیں سے مخفی حکم معلوم کر لینا تاکہ افعال ہمیشہ عبودیت کے پابند رہیں اور ایسی راہ پر ہوں جو کج راہ شیطانی سے جدا اور مستقیم ہے اور اس کی مختصر توضیح یہ ہے کہ ملک آخرت یہاں بالکل اس نگاہ سے جو سر کی آنکھوں میں ہے پوشیدہ ہے اور وہ ایسا ملک ہے کہ جس کی کیفیت ان حواسوں میں نہیں آتی اگرچہ بعض عقول خوب جانتے ہیں اور ان کو کچھ بھی مشکل نہیں مثلاً یہ امر دشوار ہو گیا کہ کوئی آدمی کسی وقت ایسے حال میں ہو کہ اس کا دماغ حرکت نہ کرے حالانکہ اس زمانہ کے ایسے لوگ جو ہر محسوس فن میں پیشل گئے جاتے ہیں اس کو محال جانتے ہیں پھر بھی عوام لوگ باوجود محسوس ہونے کے اس سے متعجب ہیں اور ملک آخرت میں حرکت فکری نہیں ہے پھر کس دماغ سے دریافت کر سکتے ہیں اور ربانور عقل وہ بغیر فضل الہی عزوجل کے حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا اس سے محروم ہو کر حواس کو عقل سمجھتے ہیں پھر حواس سے دنیاوی چیزیں جب نہیں جانتے تو آخرت سے کیونکر آگاہ ہوں چنانچہ عصائے موسیٰ میں جو امر ذاتی تھا جس کا ظہور معجزہ ہوتا کہ وہ اثر دہا بن جاتا اس کو ہرگز نہیں ادراک کر سکتے تھے اس طرح ہر چیز محسوس میں حکمت بالغہ موجود ہے اور غیر محسوس کا ذکر جدا رہا پس جب آدم علیہ السلام اس دنیا میں آئے اور یہاں کی چیزوں سے انتفاع کی ضروری اجازت ہوئی اور آدمیوں میں خواہش نفس ہر طرح کے انتفاع کی طرف راعب کرنے والی موجود ہے حالانکہ ہر چیز کے عجائب آثار سے ایسے اثر کو تمیز کرنا مشکل ہوا جو راہ آخرت و مرضی الہی سے برگشتہ و خلاف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک راہ مقرر فرمائی جس پر مستقیم ہو کر مضرت سے امان ہے اور میری مراد مضرت سے یہ ہے کہ دنیاوی حیات و حاجات کے باوجود راہ آخرت سے موڑ کر غضب الہی میں لائے ورنہ بہت چیزیں ایسی طرح اپنا اثر دکھاتی ہیں کہ ظاہر میں آدمی ان کو اپنی خواہش میں بہت پسند کرتا ہے لیکن ملک آخرت سے ناوان ہو کر تمیز نہیں کر سکتا حالانکہ اس کی پسند نادانی ہی جو اس کو سخت مضرت ہے پس اس راہ کو اپنے انبیاء و رسل صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی وساطت سے خلق کو تعلیم فرمایا اور اس خاص طریقہ میں نہایت بلیغ حکمت ہے جس کا بیان یہاں گنجائش نہیں رکھتا چنانچہ آخر عہد میں خاتم المرسلین سیدنا و مولانا محمد صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین کی بعثت عامہ سے جو آپ ﷺ کا خاصہ سے تمام سب مخلوق پر متعین کر دیا جس کا اصلی نتیجہ یہ ہے کہ اس فنا گاہ سے نکل کر اصلی قرار گاہ آخرت میں ایسی نعمتوں و اوصاف کے ساتھ متمکن ہوں جو ان کے خیالات و اوہام سے باہر ہیں اور علم اس کا علم قلبی ہے اور اس واسطے اس امت کے فقہاء علماء جو ریاضی فلسفہ وغیرہ میں کامل ماہر تھے قطعاً متفق ہیں آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی فرد افضل نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ سب رضی اللہ عنہم ان فنون رکھی سے ماہر نہ تھے بلکہ علم الآخرۃ میں البتہ کامل و مکمل تھے اور یہ علم اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ ظاہری شریعت پر عامل رہے یعنی دنیاوی زندگی میں افعال و اعمال کو اسی طریقہ پر رکھے جو وحی رسالت سے تعلیم ہوا اور ایسے آثار کی طرف قدم نہ بڑھائے جو اس کو مضرت ہیں اور ان کے علاوہ جو خاصہ بندگی و اطاعت ہے اس میں قائم رہے پس اہل ایمان نے اس طریقہ کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطے سے حاصل کیا اور وہی طبقہ تابعین کا ہے اور انہیں دو طبقہ کی نسبت آنحضرت ﷺ نے بہتر ہونے کی خبر فرمائی ہے پھر ان کے بعد جو طبقہ آیا اس میں اختلاط نیک و بد شروع ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ نفس کی خواہش طرح طرح کی اور افعال کے طریقے عجیب عجیب پیدا ہوتے ہیں تو ضرور ہوا کہ حکمت بالغہ الہیہ میں جب حکم قولہ: **اليوم اکملت لکم دینکم**..... تمام دین پورا ہو چکا ہے ضرور قرآن پاک و حدیث شریف میں سب موجود ہو اور بیشک ہے لیکن ظہور اس کا بنور عقل ممکن ہے حالانکہ نور عقل پر خواہش نفس کا غبار چھایا جیسا کہ حدیث صحیح میں

متاخر زمانے کے لئے آیا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ بندے ایسے کر دیے جو ہر زمانہ میں ہر طرح کے افعال کو نور عقل سے صراط المستقیم کے احاطہ سے باہر نہ ہونے دینے کے لئے مقید کرتے بلکہ اس کے لئے پابندان حواس کو قاعدہ بتلا دیا کہ جس سے مدد پائیں کیونکہ قاعدہ کو حواس سے مناسبت ہے اور اگلی امتوں میں بعض عہد میں کثرت سے انبیاء ہوتے چنانچہ ہر فرقہ شہر میں و ہر قوم میں ایک نبی جدا گانہ ہوتا جو حنفی وحی سے ان کو ان کے فعل جدید کا حکم بتلاتا اور اس امت میں یہ مقصود اسی امت کے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا اور اس میں دو فائدے ظاہر ہیں اول یہ کہ حکم وحی مختلف نہیں ہو سکتا تو ضروری ہوا کہ پابندی میں سختی تھی اور اس امت پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی کہ ہر مجتہد کو مصیب قرار دیا پس پابندی فعل سے ثواب و ایسا ہی حاصل ہوا اور متعین قید کی سختی جاتی رہی۔

دوم آنکہ مجتہد امتی کو اس درجہ سے ثواب عظیم ملا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی بزرگی ظاہر ہوئی اور نہیں اس روایت کے معنی سمجھو کہ علماء امتی کا نبیاء نبی اسرائیل۔ یعنی میری امت کے عالم لوگ جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء اور اس مقام پر بہت سے علوم ہیں جن کو بضرورت اختصار کیا جاتا ہے پس اجتہاد یہی رہا کہ آیات و احادیث کو دیکھ اس سے حکم دریافت کر لینا ضروری ہوا کہ مجتہد وہ شخص ہو جو اللہ تعالیٰ کا مطیع و رحمت کیا ہوا بندہ و عقل نورانی والا نیکو کار ہو جو ضرور آخرت ہی کی طرف مائل ہوگا اور یہی سب مجتہدوں کا اجمالی حال ہے اور بعد حضرات تابعین کے بھی بہت مجتہد بندے ہوئے ہیں۔ اور حضرات سلف رضی اللہ عنہم اگرچہ سب سے کامل و اعلیٰ رتبہ اجتہاد والے تھے لیکن انہوں نے قواعد و اصول نہیں بنائے بلکہ احادیث کو محفوظ رکھا اور نہیں لکھا اسی لئے پچھلے مجتہدوں کی طرف زیادہ اجتماع ہوا اور انہیں کی نسبت سے لوگ حنفی و شافعی مشہور ہو گئے اور ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ ہم کو خاصہ انہیں سے غرض ہے بلکہ اتنی بات ہے کہ ضرور ہمارے افعال کو مکلف کیا گیا ہے اور وہ ان نورانی عقول کے قواعد منضبط سے باسانی و بالاعتماد معلوم ہو جاتے ہیں ورنہ تمایز خیر از شر مشکل ہوگا اور علم آخرت سے اس طرف مشغول ہو کر تخصصہ میں پڑنا مشقت لاطائل ہے اور چونکہ مقصود تعبد و ثواب ہے وہ اجتہاد مجتہد قبول ہونے سے حاصل ہے لہذا علم الآخرة کے لئے فارغ ہونے کی غرض سے اپنے افعال کے پابند کرنے کو یہ آسان قبولیت ہے اور اصل مقصود علم الآخرة ہے پس غیر مقلد ہونا نورانی عقل والے یعنی مجتہد سے بلا خلاف مسلم ہے فلینا مل فیہ۔ پھر شرائط اجتہاد وغیرہ اپنے باب میں مذکور ہو چکے یہاں انہیں مجتہدوں کا تذکرہ مقصود ہے اور چونکہ یہ کتاب فقط اجتہاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق ہے لہذا جملہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے فقط امام وان کے اتباع رحمہم اللہ تعالیٰ کا تذکرہ مخصوص ہوا اور چونکہ ولادت با سعادت امام رحمہ اللہ کی ۸۰ ہجری کی پہلی صدی میں ہوئی لہذا اسی صدی سے شروع کیا جاتا ہے۔ اور واضح ہو کہ دیگر تذکرات و تراجم سے مترجم انہیں اوصاف علماء کو اختیار کرے گا جو واقعی فضائل ہیں اور مانند جدل وغیرہ کے جو حقیقت میں فضل نہیں ہے ترک کرے گا اور اس طرح جو بطریق مبالغہ یا تعصب یا رجم بالغیب کوئی مدد ہوگی بخوف الہی عزوجل اس کو بھی ترک کرے گا اور جو فضیلت اس کے نزدیک ثابت ہوگی وہ لکھنا عین عدل سے: **و من اللہ تعالیٰ عزوجل التوفیق والعصمة ولا حول الا باللہ العزیز الحیکم الماتہ الاولی۔** اس صدی میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی دنیا میں موجود تھے لیکن تذکرہ میں فقط ائمہ حنفیہ کا بالخصوص بیان منظور ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا لہذا سلف کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل مثل اسد الغابتہ وغیرہ سے استفادہ کرنا چاہئے اس مختصر میں ائمہ حنفیہ کا حال سنو۔

الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ﷺ آپ کے حق میں ایک جماعت نے غلو کیا تو یہاں تک کہا کہ انہیں کے اجتہاد پر حضرت امام مہدی علیہ السلام آخر زمانہ میں جب پیدا ہو کر امام ہو گئے عمل کریں گے حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی جب بھی نازل ہوں گے لیکن اس کو بعض محشین ردالمختار نے رد کیا ہے اور بیشک ایسا غلو معصیت ہے کیونکہ غیب کی جبر بدون وحی کے کیونکر مقطوع ہوگی اور علم غیب کا

مدعی ہونا بری معصیت ہے اور بعض نے آپ کی شان میں الفاظ حقارت استعمال کئے اور یہ بھی بہ نیت تفتیص معصیت ہے۔

لہذا مترجم ایسے افراط و تفریط سے نظر بفضل الہی تعالیٰ گریز کر کے جو اس کے نزدیک آپ کے حالات و اوصاف سے صحیح و باب فضائل میں درست ثابت ہوتے ہیں لکھتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس اجتہادی طریقہ کے جو حنفیہ کہلاتا ہے امام ہیں اور یہ ان کی کنیت ہے اور نام آپ کا نعمان بن ثابت ہے اور اس سے اوپر نسبت میں اختلافی و قول ہیں۔ اول نعمان بن ثابت ابن مرزیاں بن ثابت بن قیس بن یزید گرد بن شہر یار بن نو شیروان کسری یعنی بادشاہ فارس ہذا ہوالذی ارتضاه القاری رحمہ اللہ فی رسالۃ فی رد القفال اور خیرات الحسان ابن حجر المکی میں ہے کہ اکثر علماء اسی پر ہیں کہ امام کا داد اہل فارس سے تھا۔ قول دوم ثابت بن زوطی بن ماہ۔ ۱۵۱ طرف صاحب تہذیب و صاحب تقریب کا میلان ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زوطی مولیٰ نبی تیم اللہ بن ثعلبہ تھا بعض نے قول اول کی ترجیح میں کہا کہ خطیب بغدادی نے اپنی اسناد کے ساتھ اسماعیل بن حماد الامام سے موکد کھلف روایت کی کہ ہم اہل فارس سے آزاد ہیں ہم پر کبھی رقیق نہیں طاری ہوئی اور اسی روایت میں ہے کہ ثابت رحمہ اللہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے حضور میں لائے گئے جن کے لیے آپ نے مع اولاد برکت کی دعا فرمائی۔ وقد نقش فیہ من حیث الاسناد قال اللہ اعلم اور بعض نے ہر دو قول میں توفیق دینے کی کوشش کی اس طرح کہ قول اول بہ نسبت آبا و اجداد صحیح ہے اور سب احرار فارس سے ہیں اور قول دوم بہ نسبت جد فاسد یعنی نانا کے ہے اور کہا کہ کسی عورت میں رقیق ہونا کچھ عیب نہیں ہے ورنہ جو عیب کا قائل ہوگا اس نے گویا ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں عیب لگایا تو مردور ہوگا اور گویا حضرت اسماعیل بن ہاجر علیہ السلام میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر اور نبی صدیق ہیں عیب لگایا تو کافر ہوگا مترجم کہتا ہے کہ دونوں میں کوئی قول ہو عیب ہر طرح ممنوع ہے بلکہ بری معصیت اعازنا اللہ تعالیٰ منہ۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ بقول راجح ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور اس وقت سے پچھپے تک کوفہ و بصرہ وغیرہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت زندہ موجود تھی۔ صغریٰ میں امام کے والد نے انتقال فرمایا اور اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سے نکاح ثانی کیا چنانچہ اس در یتیم نے حضرت امام کی گود میں پرورش پانے کا فضل حاصل کیا اور بچپن ہی میں ذکی ہونہار بیدار تھے کہتے ہیں کہ امام شعبی تابعی رحمہ اللہ کی رہبری سے آبائی پیشہ تجارت سے چندے منہ موڑ کر علم میں مشغول ہوئے اور چار ہزار مشائخ تابعین و کبار اتباع سے تفقہ کر کے فقیہ کامل ہوئے حتیٰ کہ بعضے اساتذہ و مشائخ نے آخر میں ان کے اجتہاد پر مثل کیا جیسے وکیع بن الجراح و عاصم بن ابی الجود و واحد القراء المعروفین۔ امام میانہ قدمائل بدرازی گندم گوں خوش تقریر شیریں بیان معین اہل ایمان کریم الخلق خوبصورت نیک سیرت تھے۔ قال المترجم وقد قالوا انہ تابعی امام مجتہد حافظ ثقہ ورع زاہد تقی کثیر الخشوع والتضرع دائم الصمت۔ علاوہ علماء حنفیہ کے شافعیہ میں سے خاتم الحفاظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی و عادل الدین السیوطی و ابن حجر الملکی وغیرہم نے امام کے فضائل میں منفرد رسالے لکھے و قبل لیس للعسقلانی فی تالیف منفرد اللہ اعلم۔ واضح ہو کہ امام کے تابعی ہونے میں اختلاف ہے بعض نے نفی کی اور بعض نے اثبات کیا اور یہی راجح ہے وقد قبل و ہوا صواب۔ نفی کرنے والے بعضے کہتے ہیں کہ کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں ہوتی ہے اور بعضے بر تقدیر تسلیم کہتے ہیں کہ تابعی ہونے کے لئے صحابی سے روایت و سماع بھی شرط ہے اور یہ پایا نہیں گیا۔ اور اہل اثبات اپنے ثبوت میں مجملہ دلائل کے ذکر کرتے ہیں کہ حافظ دارقطنی نے فرمایا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ملاقات نہیں پائی۔ سائے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیکن ان کو فقط آنکھ سے دیکھا اور ان سے کچھ نہیں سنا۔ کمانی خاتمہ مجمع البحار للفتنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور تاریخ ابن خلکان میں بھی تاریخ خطیب بغدادی سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھنا مذکور ہے۔ کما ذکر ذلک فی مرآة الجنان لایقنی و رجال القراء للجزدی و غیرہما و یقال نص علیہ ابن الجوزی، الذہبی، الولی العرانی، و ابن حجر العسقلانی و السیوطی کما نص علیہ

الحافظ الخطیب والد ارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ قلت وکفاک بہم قدوة فاستقم۔ ابن جریر نے کہا کہ ذہبی کا یہ قول کہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے صغریٰ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا یہی صحیح و تحقیق ہے کما فی الثامی عن الخیرات اور قسطلانی نے شرح الصحیح کے باب من لم یر الوضوء کے تحت میں لکھا کہ ابن ابی ادنی کا نام عبد اللہ ہے جو کوفہ کے صحابہ میں سے سب سے پیچھے ۸۷ ہجری میں فوت ہوئے اور ان کے تابینا ہو جانے کے بعد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا۔

ابن جریر نے لکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار کو ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور بعض نے کم و بعض نے زیادہ کہا اور چار صحابہ حضرت انس بن مالک و عبد اللہ بن ابی اوفی و سہل بن سعد و ابوالطفیل رضی اللہ عنہم ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ کسی صحابی کو نہیں دیکھا مگر زمانہ پایا ہے لیکن صحیح وہی قول اول ہے۔ اقول حضرت انس کے دیکھنے پر ائمہ علماء مذکورین متفق ہیں پس ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے تابعی ہونے کے لئے اس قدر کافی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جملہ اقوال اجتہادی نصوص قطعیه ہو جائیں جیسا کہ بعض نادانوں نے زعم کیا اور کیونکر ہوگا کہ جن اکابر کے تابعی صاحب روایت و سماعت و کثرت ملازمت پر اتفاق ہے ان پر یہ اجماع نہیں ہے بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایسا اجماع نہیں ہے اور یہ امر واضح ہے اس سے منکر نہ ہوگا مگر مجادل تابع ہوا و ہوس جو جناب الہی میں خلوص نیت و طلب آخرت نہیں رکھتا اور اپنی رائے ناقص سے دین الہی عزوجل میں فتنہ و رخنہ پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ جو کہا گیا کہ تابعی ہونے کے لئے روایت یا سماعت شرط ہے تو یہ قول مرجوح و غیر مختار ہے۔ قال الشیخ ان حجر فی نخبة الفکر و هو التابعی من لقی الصحابی۔ تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات پائی ہو قال ہذا ہو المختار۔ یعنی یہی مختار ہے اور قاری نے شرح الشرح میں کہا کہ عراقی نے فرمایا کہ اسی پر اکثر علماء کا عمل ہے اور بیان کیا کہ یہی ظاہر حدیث یعنی قولہ: طوبی لمن رانی و لمن رانی و لمن رانی من رانی۔ ”خوشخبری ہوا ایسے شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور خوشخبری ہوا ایسے شخص کو جس نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا۔“ اس سے متوافق ہے کیونکہ حدیث میں سوائے دیکھنے کے سماعت و روایت کچھ بھی شرط نہیں ہے قلت اصطلاح مذکور اگر غیر مرجوح بلکہ مختار تسلیم کی جائے تو اصطلاح حادث ہے اس سے عموم کی تفصیح مسلم نہیں ہے خصوص جبکہ دیدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل الحق کے نزدیک خاصہ نعمت و کفار کے دیکھنے اور فضیلت سے محروم ہونے کا خلجان نہ کرنا چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی کی نفی فرمائی بقولہ تعالیٰ: ترنہم ینظرون الیک وہم لا یرکون۔ اس واسطے امت قاطبہ متفق ہے کہ ادنی صحابی کے مرتبے کو کبھی اعلیٰ درجہ کا ولی نہیں پہنچ سکتا بلکہ حدیث صحیح کے مضمون سے مقائنہ کرو کہ زمین و آسمان بھر سونا خیرات کرنے کو کسی صحابی کے آدھے مد جو کے برابر نہیں فرمایا پس کسی قسم کی مساوات محال ہے فاستقم اور اگر کہا جائے کہ اصطلاح مذکور بنظر مقصود فن روایت ہے پس جس نے صحابی سے نہیں سنا وہ روایت نہیں کر سکتا تو راء الدین میں شمار نہ ہوگا تو اس کو تسلیم کرنے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عموم حدیث سے جو فضیلت ثابت ہوئی وہ بھی منتهی ہو غایت آنکھ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حدیث سے جو معنی ثابت ہوئے ان کے موافق تابعی ہیں اور لوگوں کے اصطلاحی معنی پر تابعی نہیں ہیں۔ اور یہ کچھ مضمر نہیں ہے کیونکہ اصلی مقصود: اتا ہے کہ حدیث کے جو فضل تابعی ہے وہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اور یعنی رحمہ اللہ نے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے روایات بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے ذکر فرمائیں اور علی القاری رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے مسند الامام کی شرح میں اس کو ثابت کر دیا اور شاید یہ معنی بریں قول کہ بلوغ از شرط روایت نہیں ہے علی ذکر فی الاصول و لیکن مرجع اس کا اسناد صحیح کی طرف ثبوت کے لئے تمام شرائط مقبرہ ضرور ہوگا۔ وما قیل ان الحدیث لعلہ ثبت عند الی علی باسناد صحیحہ بدلیل انہ استدلل بہ علی حکم و الضعف عند الاسفل — باسنادہ برا و نازل فلیس بشی لانہ لا یفید القطع و مجرد الاحتمال لایکفی وقد استدلل محمد رحمہ اللہ فی میوطاہ بأثار نی اسانیدھا من ہو مجرد و متکلم فیہ علی اتہ



للمبتاع ان يقول قد ثبت عند شيخى ما ثبت هذا الا اعتقاد ولولاه لما قال بزلک و بالجملته فهذا يفضى اى كثير الفساد فى الدين فليتامل فيه وقد ذكرلى ان شيخنا المقوق البارء الهمام الزاهد الورع الصدوق الامين السيد الدهلوى سلمه الله تعالى نيقى تابعيته الامام ولكنى لم اسمع منه شيئاً فى ذلك ولا عثرت على كلامه لا عرفانى عن مجادلات اصحاب الزمان لما رأيت طباعهم تميل الى ماتهوى انفسهم و تعرض عن الآخرة فرايت الخمول اولى من الشمول فلو كان كما ذكرلى لم يدخل على من ذلك شئ فان الرضا بنفاق احد ليس من شان المؤمن فكيف بالشيخ الصالح البارء اذا المجزوم عندى هو الثبوت فالقول بخلافه من جملة النفاق واما وجه الكلام ههنا فغير مصروف اليه رضى الله تعالى عنه۔

پھر بعض نے امام کے حافظ فقہ ہونے میں بھی وہم کیا اور منشاء وہم ظاہر ان کا یہ زعم ہے کہ امام رحمہ اللہ حدیث میں قلیل البصاعہ تھے بنا برآئکہ تاریخ ابن خلدون میں مذکور ہے کہ امام کو فقط سترہ حدیثیں پہنچیں اور یہ زعم کہ ان سے روایت حدیث جاری نہیں ہوئی اور یہ کہ بعض اہل حدیث نے ان پر طعن کیا۔ فمنہم من زعم انه كان سنى الحفظ و منهم من زعم انه كان يسوع الرواية بالمعنى و تقوه بان بصاعه فى العربيته كانت مزجاة و غير ذلك من الترهات لیکن ان میں سے کوئی صحیح و تحقیق نہیں ہے چنانچہ ابن خلدون نے خود قلیل الحدیث کا قول متعصبین مغربین کے نام سے منسوب کر کے لکھا اور رد کر دیا بقولہ: ولا سبیل اى هذا المتعقد فى كبار الائمة لان الشریعته انما توخذ من الكتاب والسنة۔ یعنی بزرگ اماموں کے حق میں ایسے اعتقاد کی کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ شریعت تو کتاب الہی سبحانہ و سنت رسول ﷺ ہی سے لی جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ کوئی قرآن و حدیث سے خوب آگاہ نہ ہو جیسے اجتہاد میں شرط ہے وہ مجتہد کیونکر ہوگا حالانکہ امام رحمہ اللہ مجتہد مقدم و مسلم ہیں پھر یہ قول محض واہی ہے: قال ویدل علی انه كبار المجتہدین فى علم الحدیث اعتماد مذهبہ بینہم و التعویل علیہ و اعتبارہ فیما بینہم یعنی امام رحمہ اللہ کے بزرگ مجتہدین حدیث میں سے ہونے پر یہ دلیل ہے کہ ان لوگوں نے امام کے اجتہاد پر اعتماد کیا اور ان کے درمیان معتبر رہا خواہ بطریق رد یا قبول۔ مترجم کہتا ہے کہ امام کے فقیہ ہونے کا انکار باوجودیکہ ان کے ہمعصر اہل اجتہاد کے شہادات مثبت موجود ہیں محض جدال و مکابرہ ہے اور حق سے چشم پوشی نہیں بلکہ روگردانی ہے اور بعد تسلیم کے حافظ الحدیث و آثار ہونے سے انکار گمراہی ہے یا جہالت و نادانی حالانکہ حافظ الطحاوی رحمہ اللہ کا اقرار ہے اور دیکھتے جاتے ہیں کہ حافظ ذہبی و ابن حجر وغیرہما امام رحمہ اللہ کی چار ہزار مشائخ کی شہادت دیتے ہیں و حافظ مزنی و ذہبی و ابن حجر وغیرہم نے امام کو طبقہ حفاظ محدثین میں شمار کیا ہے اور شافعی نے ہر فقیہ کو عمال ابی حنیفہ رحمہ اللہ میں داخل کیا۔ فكان الجهل عن معنى الفقه اعمه الطاعن او النصب اعماه اور ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے وکیع بن الجراح و یزید بن ہارون و سعد بن اصلت و ابو عاصم و عبدالرزاق و عبید اللہ بن موسیٰ و بشر بن کثیر رحمہم اللہ نے روایت کی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ اکابر اعلیٰ درجہ کے ثقات ہیں جن سے صحیحین وغیرہ میں باصل اعتماد روایات ہیں و قال الذہبی اور ابن معین نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حق میں فرمایا کہ لا باس بہ ولم مکین متہما۔ بعض الافاضل رحمہم اللہ نے لکھا کہ ابن حجر وغیرہ نے تصریح کر دی کہ ابن معین رحمہ اللہ کا یہ قول بمنزلہ لفظ توثیق ہے۔ علی بن المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ثقہ لا باس بہ تھے قال وکان شعبۃ حسن الرائے فیہ۔ یعنی شعبہ رحمہ اللہ امیر المؤمنین فی الحدیث علی مانی جامع الترمذی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حق میں اچھا اعتقاد رکھتے تھے و قال ایضاً ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے سفیان ثوری و ابن المبارک و حماد بن زید و ہشام و وکیع و عباد بن العوام و جعفر بن عون نے روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب بھی اکابر ثقات و ائمہ حدیث سے ہیں اور بعضے مقبول مجتہد و ذکر فی المغنی بعض ہولاء رحمہم اللہ تعالیٰ وقد ذکر غیر واحد ان امام الجرح والتعدیل لیشیحی بن معین رحمہ اللہ قد وثقہ غیر مرۃ اور مکئی نے ابن عبدالبر مالکی سے نقل کیا کہ جن

لوگوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی اور ان کی توثیق کی وہ ایسے آدمیوں سے بہت زائد ہیں جنہوں نے ان پر طعن کیا۔ و یقال ان لخطیب ضعفه وهذا ليس بشئ وقد ذكرت ذلك للشيخ البارء الهام الزاهد الورع الصدوق الامين السيد الدهلوی فغضب وقال ما للخطیب و تضعیف الامام هو اذا حق بتضعیف نفسه۔ و تلك لطيفة حفظتها منه رضی اللہ عنہ ثم رایت البدد یعنی رحمہ اللہ قد سبقہ الیہا رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اور جب تجھے معلوم ہو چکا کہ ائمہ حفاظ معتقین مذکورین رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت و توثیق کی تو کیا اب بھی حق پسند متدین متقی کے کان یہ سنیں گے کہ امام سنی الحفظ تھے یا مجتہد مسلم مگر قلیل العربیت تھے و العجب کہ اصول و فروع میں تبحر و وقت نظر و وسعت فکر و بدایع اسلوب و لطائف معانی جو دوسروں کو ان کے طفیل میں حاصل ہوتا ہے کیونکر آنکھیں بند کر کے با دلیل بلکہ مناقض صریح کسی زبان مدعی کا دعویٰ تسلیم کر لیں گے۔ ہاں شاید یقین کریں کہ مدعی خوف الہی سے عاری و نفس کا تابع کامل ہے اگر چہ اپنے کو علماء میں شمار کرے۔ و لکن لم ينتفع بعلمه وليس هذا من علم الآخرة في شئ لا قليلا ولا كثيرا۔ رہا قلت روایت کا وہم تو یہ اس قدر سے دور ہو سکتا تھا کہ باوجود تقدم و فضل حضرات یحییٰ بن ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے روایات حدیث ان سے بہت کم ہیں اور عجب کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بدگمانی کرنے کا ثمرہ ملا اور یہ نہیں کہ فضیلت و قبول الہی عز و جل جو عین مقصود ہے کثرت روایت وغیرہ کا نتیجہ نہیں ہوتا ورنہ خلفاء راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم و عن الصحابہ کلہم اجمعین کو تقدم نہ ہوتا و قد اشار الیہ الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان ليس العلم بكثرة الرواية ولكنه نور يضعه الله تعالى في القلب۔ بھلا کوئی عالم بلکہ مؤمن گمان کرے گا کہ ادنیٰ صحابی جو روایات مجموعہ میں سے شاید بہت کم جانتے تھے۔ اس زمانہ کے متکلم و محدث مفسر فقیہ اصولی جدلی وغیرہ طومار سے کم تھے ہرگز نہیں کیونکہ مؤمن سقیہ نہیں ہوتا یہاں مجھے ایک مسئلہ یاد آیا کہ کسی نے اپنی بیوی کی طلاق پر قسم کھائی اگر فلاں مؤمن مرد سفیہ ہو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ مؤمن سفیہ نہیں ہوتا مترجم کہتا ہے کہ یہ عمدہ استنباط ہے از قولہ تعالیٰ: ومن يرغب عن ملة ابراهيم الامن سفه نفسه..... فان المعنى لا احد يرغب عنها الا السفیه فمن لم يرغب عنها وهو المؤمن ليس بسفیه فلا يقع الطلاق۔ اور واضح ہو کہ فلاں مؤمن کو بھفت موصوف بیان کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ مؤمن ہونا نفس مسئلہ میں مقبول ہے ورنہ کسی مسلمان کا نام لینا اگر چہ ظاہر شرع میں مضر نہ ہو لیکن فی الواقع مخارج ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی اپنے حق میں ایمان کا جزم کرتا ہے لیکن کثرت غلبہ نفس و ہوا سے اس کو نفاق کی تمیز نہیں ہوتی۔ و لا تری كثيرا من المبتدعة کیف تیقوہ بانہ مؤمن و ليس مع من الايمان الا الاسم۔ بلکہ مؤمن ہی نفاق سے خائف ہوتا ہے اور مطمئن منافق ہے کما روی عن الحسن البصری رحمہ اللہ باسناد صحیح اور بخاری نے ایک جماعت سلف سے یہ خوف بروایت حسن تعلیقا ذکر کیا اور باوجود اس فضل و کمال کے حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین بتلائے تھے تو قسم لی کہ میں ان میں سے نہیں ہوں حتیٰ کہ انہوں نے تسکین کر دی۔ فلم يعرف المؤمن من المنافق الا من عرفه الله تعالى وهم الصحابة رضی اللہ عنہم بخو قولہ تعالیٰ اولئك هم المؤمنون حقا و قوله اولئك هم الصادقون و قوله و اولئك هم المفلحون و قوله لقد تاب الله على النبي و المهاجرين و الا انصار قوله ان بهم رؤف رحيم۔ اس واسطے قولہ: فما رآه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن الحديث میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے مؤمنوں کی حبابہ رضی اللہ عنہم سے تفسیر فرمائی ہے اس واسطے کہ وہی بالقطع مؤمنین ہیں تو ان کے اجماع پر مؤمنین کا اجماع ہونا صادق ہے یہیں سے ظاہر ہوا کہ بعضے ندان جو اکثر اختراعات پر دس بیس ہزار یا کم و بیش مسلمانوں کا اتفاق کرنا مؤمنوں کا اجماع حجت قرار دے کر بہتر تصور کرتے ہیں خطا بلکہ خطا در خطا ہے کیونکہ ان لوگوں میں سے کسی

کے حق میں قطعی حکم مؤمن ہونے کا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایمان پر اس کا خاتمہ نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا اور ہو بھی تو پھر اجتماع متصور نہیں ہے۔ و هذا السانح لعله لا تجد من غيرنا والله تعالى اعلم و علمه اتم۔ اس مقام کو اللہ تعالیٰ پر تقویٰ و دیانت کے ساتھ غور کر کے استقامت کے طریقہ سے محفوظ کر لینا چاہیے و ایات و الجدل فانہ دار عضال فاستغفر الله تعالى لي ولك انه هو الغفور الرحيم۔ مسئلہ اجتہاد یہ امام مذکورہ بالا سے ظاہر ہوا کہ قرآن مجید میں سے فقط آیات احکام جانتا جو مجتہد کے لئے مشروط ہے مترجم کے نزدیک ناقص شرط ہے و کذا فی جانب الحدیث ایضا اگرچہ مخالف اکثر علماء ہو بلکہ میرے نزدیک بخیر و تحفظ معانی تمام کلام الہی سبحانہ تعالیٰ کا حتماً اور اکثر از جانب سنن مع امثال وغیرہ بسبب تعدد جمع کے ضرور ہے یا یہ مراد ہو کہ معانی آیات احکام و احادیث بالحق معانی متصوہ و از قس و امثال وغیرہ ہو مثلاً۔

قوله تعالى: اِذَا قُمْتُمْ الصَّلَاةَ فَغَسِّلُوا... يعلم بان المعنى اذا اردتم القيام حين كنتم غير معذورين عن استعمال الماء ولا فا قدین القددة عليه ولا طاهرين عن هذا الحدث فيتحقق بذلك من العذر ما ذكر في التيمم مما اذا اوجد الغضب والماء المشكوك على اجتهاد وماء لو توضع به عطش و مما ذكر في حديث عمر رضي الله عنه عند مسلم من جمعه صلى الله عليه وسلم الصلوات من غير تجديد الوضوء لكل واحد و من مسح الخف مقام الغسل و مما اذا كان جنباً و الماء يكفي الا حد هما و مما اذا انسى المارفي رحله و مما اذا اخذ الاب ماره و غير ذلك مما فيه تطويل ههنا بلا طائل لكونه استطر اذا فليتامل۔ اور یہ جو کہا گیا کہ امام رحمہ اللہ روایت بالمعنی کو حدیث کہتے تھے گویا اعتراض مع اعتراف ہے یعنی قلت روایت کا یہ سبب ہوا کہ امام حدیث کو بالمعنی روایت کرنا جائز جانتے تھے۔ فان قلت هذا لا يخض بابي حنيفة فان عامة الروايات انما هي بالمعنى كما في علة الترمذي من قولهم انما هو المعنى اريد به انه لم يتيسر لنا حفظ الفاظ الحديث كما هي من لفظ و تركيب بل ربما وقع فيها تفسير يسيرا و كثير ولذلك يقال للرواية المتحدثة من الاخرى نحوه او بمعناه والحافظ المتقن اعتماده على احدهما زيد من الاخرى لكون اتقان رولتها اتقن من الاخرى و ذلك الامر تجده في الصحاح اطهر منه افى روايات البخارى حيث اور الرواية الواحدة بالفاظ ربما يختلف بها الاحكام او يستنبط من احدتها مالا يستنبط من الاخرى فحيعل كانهما روايتين والذي طن بابي حنيفة من تجويزه الرواية بالمعنى انما اريد بها الحكم المستفاد منها بضرب من الاجتهاد فلو صح ذلك عنه لاشك في عدم القبول لانه مع قطع النظر من الاختلاط يتعين معنى الحديث فيما اوى اليه اجتهاد ذلك المجتهد مع كونه محتملا للخطاء ازلا خلاف في ان لا يقطع باصابتة المجتهد بالكلية وفيه من المفاسد مالا يخفى على الفطن المتامل فان قيل قد ثبت عن السلف بنحو قولهم ان من السنة كذا وهذا نوع من الرواية بالمعنى على المعنى الذي جعل منكر يقال بل اخبار بفعل شوهد من النبي صلى الله عليه وسلم من غير مد كل الا جهتا وفيه۔ لیکن یہ ادعا بھی باطل ہے کیونکہ ایک فقیہ مجتہد کی طرف ایسے نادان قول سے بدگمانی کی جائے گی جس کے مفاسد کسی ادنیٰ پر محقق نہ ہوں اور کیسے ایسے تغیر کو آنحضرت ﷺ کا فرمودہ کہنے سے آپ ﷺ کی طرف غیر فرمودہ کا نسبت کرنے والا نہ ہوگا جس کے بارہ میں وعید شدید ہے اور خبر متواتر ہے پھر کیونکر ثقات ائمہ متفق علیہم ایسے شخص کو اپنا مستند سمجھ کر اس سے روایت کریں گے پس قائل نے فقہا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں بلکہ ان سے روایت کنندہ ثقات علماء پر بھی عیب لگایا بلکہ اقرب وہ قول ہے جو ابن خلدون وغیرہ نے لکھا یعنی امام رحمہ اللہ روایت میں اور آنحضرت ﷺ کی طرف کلام کی نسبت کرنے میں کمال احتیاط و ادب مرعی رکھتے اور غالباً یہ روایتیں رکھتے تھے کہ معنی روایت کو آپ کی طرف منسوب کیا جائے بلکہ وہی کلام بالفاظ محفوظ ہونا چاہئے اور مانند اس کے شروط میں پوری

رعایت کرتے لہذا میں بعد جب ائمہ رواۃ نے آسانی کر دی تو ان کی روایات میں تکثیر ہو گئی۔

فان قلت ما بلکہ يقول في القضاء بالبينة كالثابت عياناً وههنا لا يقول به يقال في القضاء جراً حكم كما امر به الشرع ولا تعارض له بالقطع وعدمه للعلم بالواقع حتى انه ليس للمقاضي ان يعتقده بانہ في نفس الامر على ما شهد وابه الاتري بطلان حكم القضاء بدليل ما في الحديث ان يكون بعضكم الحن ججمعى كما في الصلح و اما هينا فالمقصود القطع بما في نفس الامر و ذلك بالتواتر او الشهرة و لذلك قيل خير الواحد ليس في القطعية كالاية و حاشاهم ان يريدوا بذلك ان ليس الحديث بما هو في حق اللزوم و 'تتبع كالاية حتى لو قطع بانہ حديث كان كالاية في ذلك بل انما معنى هذا لقول عدم القطع به كما لقطع بمعنى يتعلق بالاسناد فان قيل فيما يقول بوجود قراءة الفاتحة بتما مها اذلا دليل عليه الا ماجاء من الحديث وهو على غير شروطه يقال ان المحي على غير شروطه لا يستلزم عدم القبول مطلقاً بل انما يستلزم ضرباً من ثبوت هو دون ثبوت المتواتر فلذلك او جب العمل فيما يوجب ذلك فرق بين الغرض والواجب و هذا مما استحسنته بعض شراح المنهاج۔ علاوه اس کے قلت روایت کو فضل و کمال ذاتی سے تعلق نہیں کیونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم سے مروعات بہت قلیل ہیں یہ نسبت دوسروں کے رضی اللہ عنہم اجمعین باوجودیکہ ان کے تقدم و فضل پر اجماع ہے۔ و هذا جلی لمن له خلوص نظر الى المقصود و من حصول رضوان اللہ تعالیٰ فی جملة الاعمال والافعال وان كان للجدال فيه كثير مجال وان خفي لمن تجير يتسويات النفس في تيه الضلال اعاذنا اللہ تعالیٰ مع المؤمنین من الخسران فی الحال والمآل۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقد الجید میں لکھا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم تھے حتیٰ کہ شافعی نے فرمایا کہ فقہ میں سب لوگ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عیال ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ فقہ مسائل عملی یعنی اجتہاد احکام جن کا برتاؤ و جوارح و مشاعر ظاہرہ سے متعلق ہے شعبہ فقہ القلب ہے پس جس قدر اصل حکم ہو اس قدر فرع اتم ہی اور اصل عین تقوی القلب کا اتم ہے پس یہ لفظ و جیز امام شافعی کی طرف سے شہادت قوی و کامل ہے اور سمجھدار اس کی بہت کچھ قدر جانے گا و من اللہ تعالیٰ عزوجل التوفیق اور امام کے فقیہ و عالم علوم الاخرۃ و طہارۃ و تقویٰ و خصائل حمیدہ و اخلاق پسندیدہ اور اعراض از دنیا درجوع باخرت و غیرہ فضائل کی طرف خطیب و غیرہم نے باسناد اور پچھلوں نے اعتماد پر تعلقاً بہت سے اکابر و علماء سے نقل فرمائیں انہیں میں ہیں شداد بن حکیم و مکی بن ابراہیم یعنی ثلاثیات بخاری کے ایک راوی ثقہ حیث قال البخاری حدیثا لکئی بن ابراہیم حدیثا یزید بن ابی عبید عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ۔ اور ابن جریج و عبد اللہ بن المبارک و سنیان الثوری و عبد اللہ بن داؤد احمد بن حنبل و خلف بن ایوب و ابراہیم بن عکرمہ مخزومی و شقیق بلخی و ابوبکر بن عیاش و ابوداؤد صاحب السنن و امام شافعی و وکیع بن الجراح و معمر بن راشد احد اصحاب الزہری و یحییٰ بن معین و الذہبی فی کتابہ فی مناقب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و خطیب عن یحییٰ بن معین عن یحییٰ بن سعید القطان و یزید بن ہارون و امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ اور خطیب نے روایت کی کہ ابن عیینہ نے کہا کہ میری آنکھوں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مثل نہیں دیکھا اور عبد اللہ بن المبارک نے کہا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم و خیر کے کوہ تھے اور وکیع نے کہا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے امین اور رضائے الہی کو سب پر مقدم رکھنے والے اور راہ خدا میں ہر سختی کے متحمل اگر چہ ان پر تلواریں پڑیں۔

مکی بن ابراہیم نے روایت کی کہ میں نے علماء کوفہ میں سے کسی کو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا۔ شعرائی نے میزان کبریٰ میں لکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لثرت علم و درع و وقت مدارک و اسنباط پر اکلوں و پچھلوں نے اجماع لیا ہے اور ابراہیم بن عکرمہ نے کہا کہ میں نے اپنی عمر میں امام ابو حنیفہ سے بڑھا ہوا کوئی علم و زہد و عبادت و تقویٰ میں نہیں دیکھا۔ مترجم کہتا ہے:

کہ روایات میں اس قدر کثرت ہے کہ لوگوں نے منفرد رسائل لکھے ہیں اور بعضے مانند مؤلف ذہبی و سیوطی کے زیادہ مبسوط و معتبر ہیں۔ اور امام سیوطی و ایک جماعت نے زعم کیا کہ حدیث صحیح مسلم لو كان الدين عند الثريا لناله رجال من هولا اوفى رواية من ابنا فارس و في رواية رجل مكان رجال۔ اس میں بروایت رجل بصیغہ واحد امام ابوحنیفہ اور بروایت رجال مع اصحاب کے محمل صحیح ہیں اور بعضوں نے مع ائمہ حدیث محمل رکھا و ہوا الا قرب۔ اور جنہوں نے امام ابوحنیفہ و ان کے اصحاب کو خارج کر کے دیگر ائمہ کو محمل ٹھہرایا ان کا قول تعصب سے بھرا ہوا قابل التفات نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ امام ابوحنیفہ کے فضائل میں زیادہ کلام کی ضرورت نہیں جبکہ بقول شعرانی اگلے پچھلے متفق ہیں لیکن افسوس ایسے لوگوں پر ہے جو اپنے آپ کو امام کا مقلد خیال کرتے ہیں حالانکہ سوائے زبانی گفتگو کے اپنے مقدم و امام کی کسی صفت و خصلت کا متنبج نہیں رکھتے۔ پس اصلی مقدم و قطعی پیشوا آنحضرت ﷺ کی سنن ضائع کرنے میں زیادہ گم ہوں گے اگر چہ اپنے آپ کو عالم سمجھیں۔ کیونکہ تقویٰ و علم کا محل قلب ہے نہ زبان ہاں زبانی علم اسی دنیا میں کارآمد ہے۔ و نعوذ باللہ من علم لا ینفع و بقول امام غزالی کے علم الآخرة ان بیوع و اجارات و سلم و حیض و نفاس پر نہیں ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر رجوع کرنے سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے و الحمد للہ سید الصلال۔ ہاں! طہارت ظاہرہ کے لئے و حرام و شہبات سے تحفظ و حدود الہی پر قائم رہنے کے لئے ان علوم کا جاننا ضروری ہے اور اصل اقتدار و تقلید جس سے رضائے الہی عز و جل حاصل ہو وہی جس طرح مقتدی و امام نے اس میں سرگرمی ظاہر کی اور اگر نعوذ باللہ تعالیٰ رضائے الہی عز و جل نہ ہو بلکہ اس کا خشم ہو تو ابوحنیفہ کیونکر راضی ہو سکتے ہیں اور کیا فائدہ: اللہم وفقنا یانا و جمیع المسلمین للایمان و لما ترضی بہ عنا ربنا و یكون لنا نجاتہ بالآخرة و انت مولانا ارحم الراحمین آمین۔ پھر جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے حق میں کلام کیا وہ سب غیر مقبول و ہی اقوال ہیں اور بہترے قول تو بد ہی البطلان ہیں جیسے مرجیہ ہونا و غیر ذلک اور بہت پسندیدہ قول تاج اسکی رحمہ اللہ کہ اگلے اماموں کے ساتھ ادب کا طریقہ مرعی رکھنا چاہئے اور ان میں باہم ایک نے دوسرے کو جو کچھ کہا کہ اگرچہ بظاہر طعن معلوم ہو جیسے معاملہ ابوحنیفہ و سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ و مالک و ابن ابی ذئب یا نسائی و احمد بن صالح یا امام احمد و حارث محاسبی و غیر ہم تازمانہ عزالدین بن عبدالسلام و تقی الدین بن الصلاح تو تجھ کو ان معاملات پر غور نہیں چاہئے مگر جبکہ دلیل واضح سے تنبیہ کی جائے اور ان اقوال سے قطعی پرہیز چاہئے کیونکہ بیشتر فہم سے باہر ہیں جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملہ میں سکوت کے سوائے چارہ نہیں دیکھتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ عالم الغیب عز و جل نے بقولہ: اولئک ہم الصادقون اور قولہ رضی اللہ عنہم و مانند اس کے آیات بینات سے ان کی تحسین فرمائی ہے مترجم کہتا ہے کہ ابن حجر نے ابن عبدالبر سے بھی نقل کیا کہ بعض اصحاب حدیث کے حق میں معیوب رکھا کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ پر مذمت کا افراط کیا فقط اس بات سے کہ قیاس کو حدیث پر مقدم کیا ہے حالانکہ ابوحنیفہ نے سوائے تاویل کے بعض اخبار احاد میں کسی حدیث کو رد نہیں کیا اور ایسا فعل ابراہیم خنمی و اصحاب ابن مسعود و غیر ہم سے ثابت ہے۔ پھر لکھا کہ علمائے امت میں کوئی نہیں جو حدیث رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کر کے رد کر دے کیونکہ اس سے فاسق غیر عادل ہونا اس پر لازم ہو جائے گا کہاں یہ کہ امام بنایا جائے اور قیاس پر تو فقہائے امصار کا عمل چلا آتا ہے۔

مسند خواری سے یعنی وغیرہ میں یہ قطعہ حضرت عبداللہ بن المبارک کی طرف سے نسبت کر کے لکھا ہے۔ حسدوا الفتی اذ لم ینالوا سعیہ۔ فالقوم اعداء له و خصوم۔ کضرایر الحسناء قلن لوجهہم حسدا و بغضا اذ لذمیم۔ و فی الکلام اشارات تطمن النفوس بها عن برودة جهدها فیما لیس لها بلاغ الیہ الا بتوفیق من اللہ عز و جل و لكل مقام فی الوصول الی حضرت الرضوان یحسدہ من دوانہ فی درجۃ اخری من الصفات و هذا لیس بحسد یعاب علیہ کیف و قد علمت جوازہ فی

العلم من قوله عليه السلام لاحسد الا في اثنين و ليس العلم الا سبيل الحصول وهذا غاية المقصود منه فليتكفر و اياك وان تظن بهم سونل محض النصح في الوصول الى مقامه حيث لا يشاركه فيه غيره كما لتشخص في المحسوسات مع اتحاد النوع بل الصنف وقد ذكر ابن كثير رحمه الله في التفسير رواية عن عبدالله بن المبارك قطعة املاها في من يبلغها الى فضيل بن عياض مخرجه الى الجهاد في الطوس اولهـ يا عابد الحرمين لو ابصر تنل لعلمت انك في العبادة مغيبـ مع ان الناس اطالوا الكلام في مدح فضيل فليتاملـ اور مسند خوارزمي میں اتباع قیاس کے طعن کو اچھی تفصیل سے دفع کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وان کے اصحاب پر اصحاب الرائے کا التزام باطل ہے بلکہ برعکس ہے کیونکہ غایت اتباع حدیث سے ضعیف الاسناد و حدیث تک قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔ اقول شارح مشہاج البیضاوی نے بھی اس طرح ذکر کیا ہے ثم قال الخوارزمي اور ہمارے بیان کی تصدیق ان وجوہ سے ظاہر ہے۔ اول یہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ احادیث مرسلہ کو حجت رکھتے ہیں۔ قلت وافقه رحمه الله في ذلك الامام احمد و مالك رحمهما الله تعالى والمشهور عن الامام الشافعي عدم قبول المراسيل اما مطلقاً او الامر اسيل ابى العاليه و مالك اولاً ما اجتمع عليه على اختلاف بين الشافعية والله اعلم۔ ولذلك قال تقيض الوضو بالقهقهته على خلاف القياس لحدیث الاعمی مع انه مرسل و مضت الشافعية في المسئلة على القياس ولم لحيثجوا بالمرسل مع انه من جیاد المرسل عند ابی داؤد رحمه الله تعالى۔

ثم قال : اور وجہ دوم یہ کہ قیاس چار قسم ہے ایک موثر جو اصل و فرع میں با شتراک معنی موثر ہو مثلاً حرمت لواطت ہر قیاس و طی فی الخیض بعلت اذی اگرچہ حرمت لواطت خود منصوص ہی اور جیسی حرمت بعض مسکرات غیر منصوصہ بر خمر بعلت موثرہ سکر وغیر ذلک من الجلی و الخفی اور قسم دوم قیاس مناسب با شتراک معنی مناسب در میان اصل و فرع اور سوم قیاس شبہ با شتراک مشابہت احکام ظاہرہ در میان اصل و فرع اور چہارم قیاس مطرد با طراد معنی میان اصل و فرع پس امام شافعی کے نزدیک جملہ اقسام مذکورہ قیاس مع اصحاب وغیرہ حجت ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک قیاس موثر تو بالاتفاق حجت ہے اور قیاس طرد میں اصحاب حنیفہ مختلف ہیں اور باقی اقسام قیاس بالاتفاق باطل ہیں پھر کیونکر کہا جاتا ہے کہ احادیث کے سوائے رائے پر عامل ہیں گویا کہنے والے کو معنی اجہتا اور قیاس سے غفلت ہے اور خالی احادیث سرسری روایت کرنا اور سمجھ لینا معلوم ہے اور وجہ سوم یہ کہ باوجود حجت قیاس کے جب حدیث ضعیف سے معارض ہو تو حدیث ہی کو لے کر قیاس ترک کرتے ہیں چنانچہ حدیث ابن مسعود در بارہ وضو از نبیذ تمر کو باوجود ضعف کے لے لیا اور اسی مورد پر مخصوص رکھا اور دیگر اثر بہ میں قیاس پر عمل کیا حالانکہ اشتراک موثر موجود ہے چنانچہ دیگر ائمہ نے قیاس پر عمل کیا ہے۔ میزان شعرانی میں ہے کہ جس نے یہ طعن کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قیاس کو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم کرتے ہیں یہ ایسے شخص سے صادر ہوا جو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تعصب کرتا اور دلیری سے بغیر پرہیزگاری کے ان کی طرف باتیں لگاتا ہے اور اس سے غافل ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: ان السمع و البصر و الفواد..... اور فرمایا: ما یلفظ من قول اللدیہ رقیب عتید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وهل کمیب الناس فی النار علی وجوہہم الا حصائد السنتہم اور ابو جعفر شیرامازی نے بسند متصل روایت کیا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واللہ! اس شخص نے ہم پر جھوٹ باندھا جس نے کہا کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں حالانکہ بعد نص کے قیاس بے فائدہ ہے۔

اور روایت ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ہم کو پہنچ جائے وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں اور ہم کو اس سے مخالفت کی مجال نہیں ہے اور جو صحابہ سے آئے ہمارے سر آنکھوں پر اور جو تابعین

سے پہنچے اس میں ہم غور کریں گے اور ایک روایت میں ہے کہ ہم پہلے قرآن مجید پر عمل کرتے ہیں یعنی احادیث رسول اللہ ﷺ سے اس کے معنی خوب سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں پھر جب کتاب مجید میں نہیں پاتے تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ڈھونڈتے ہیں پھر جب نہ پائیں تو حضرات خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے قضایا پر پھر بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قضایا پر الی آخر ما قال رحمہ اللہ تعالیٰ قال المترجم یہی علم ماخوذ ہے حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے جو معروف ہے اور سیوطی و ایک جماعت علماء نے تنصیص کی ہے کہ امام کا ایسا ہی قول جیسا مذکور ہوا صحیح ثابت ہوا ہے اور بے شک بحث اجتهاد و ادراک معانی ایک فہم ایمانی ہے جو محض فضل الہی عزوجل ہے اور: قد صح فی حدیث علی رضی اللہ عنہ قوله فہم یعطی لہ فی القرآن اور علماء جانتے ہیں کہ احادیث رسول اللہ ﷺ یا مظہر معانی قرآن پاک ہیں ان میں مغایرت اتنی ہی خیال کرو جتنی اجمال و تفصیل میں سمجھتے ہو پس بسا اوقات معنی ظاہر میں کچھ سمجھتا ہے اور آیات و اخبار کے فیض و علم اور حکم اشارات کے نور سے معنی حق حاصل کر لیتا ہے۔ اور فتوحات مکیہ میں ابن العربیؒ نے بسند متصل امام سے روایت کیا کہ فرماتے تھے کہ لوگو تم دین الہی عزوجل میں اپنی رائے کی بات سے پرہیز کرو اور ہمیشہ ایسی بات کو لازم کئے رہو جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے تابع ہے اور جو اس سے باہر ہو وہ گمراہ ہے اور کہتے تھے کہ جو کوئی میری دلیل کو نہ پہچانے اس کو میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے اور فرماتے تھے کہ اپنے اوپر سلف رحمہم اللہ تعالیٰ کے آثار لازم کر لو اور لوگوں کی رائے سے بچو اگرچہ اپنی رائے کو کیسے ہی آراستہ کریں کیونکہ حق بات طلب پر ظاہر ہو جاتی ہے اور تم تو صراط المستقیم پر ہو فرماتے تھے کہ تم بدعت اور تکلف نئی بات نکالنے سے بچو اور وہی رستی مضبوط پکڑے رہو جو سلف رضی اللہ عنہم میں تھی اور ایک مرتبہ علم کلام کے سوال میں فرمایا کہ بدعت ہے تم آثار سلف و ان کے طریقہ کو اپنے اوپر لازم رکھو اور ایک مرتبہ سماع حدیث میں فرمایا کہ اس کا سننا بھی عبادت ہے اور فرمایا کہ لوگ ہمیشہ بہتری میں رہیں گے جب تک انہیں ان میں کوئی حدیث طلب کرنے والا رہے گا اور جب وہ علم کو بغیر حدیث کے طلب کریں گے تو تباہ ہوں گے۔ عقود الجواہر المدیفہ میں ہے کہ امام نے فرمایا کہ لوگوں کی رائے سے مجھے ضعیف الاسناد حدیث زیادہ محبوب ہے واضح ہو کہ ان روایات و اقوال سے مع امام کے معروف مذہب کے طریقہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ بعض لوگوں کے مطاعن ان کے حق میں صحیح نہیں ہیں اور آنکھ بند کر کے بغلبہ نفس و تعصب یہاں جدال کرنا یعنی بلکہ معصیت ہے اور زیادہ موہم اور منشاء جدال چند اقوال ہیں اول وہ جو خطیب نے ذکر کیے ہیں اور درحقیقت ان کے ثبوت ہی میں کلام ہے تو ان سے ایک بزرگ عالم مجتہد صاحب فضائل کے حق میں ان کو مستند ایک منکر فعل یعنی طعن کا جو افعال نفاق و شیوہ منافقین سے ہے قرار دینا محل تعجب ہے حالانکہ بر تقدیر ثبوت کے وہی تاویلات جو دیگر ائمہ و ثقافت کی طرف سے دفع مطاعن میں معروف ہیں بلکہ عامہ ثقافت رواۃ سے دور کرنے میں مشہور ہیں یہاں بھی ضروری تھیں علاوہ بریں خطیب کی طرف سے ان کو طعن سمجھنا بھی غیر ضروری ہے چنانچہ ابن حجر نے کہا کہ خطیب کی غرض ان اقوال کے جمع کرنے میں فقط یہی ظاہر ہے کہ ایک مرد کے حق میں کہنے والوں کی جو کچھ باتیں روایت کی جاتی ہیں ان کو بمقابلہ ان اقوال کے جو اس کے حق میں ذکر کئے گئے ہیں جمع کر دے اور طریقہ مستمرہ اصحاب سنن کے موافق ان اقوال کے اسناد سے کلام نہیں کیا اور اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی منزلت گھٹائے اور یہ بات اس کے تصنیع سے ظاہر ہے کہ اس نے فضائل بدلائل نقل کئے اور پھر قاصدین کے اقوال باسناد ضعیف و مجہولہ روایت کر دیئے اور ظاہر ہے کہ مجروح و مجہول سنن کی اسناد سے جو روایت ہے وہ کسی عام مسلمان کے حق میں روا نہیں رکھا سکتا۔

امام ابوحنیفہؒ کے حق میں کیونکر مسلم ہوگی اور اگر ارادہ قدح ہی مسلم کر لیا جائے تو یعنی دفتح القدر کا جواب کافی ہے جبکہ نظر تقویٰ سے غافل نہ رہے اور اگر کہا جائے کہ خطیب ہی پر اعتماد نہیں بلکہ نسائی صاحب سنن نے لکھا کہ ابوحنیفہؒ حدیث میں قوی نہیں ہیں

تو ایسی جرح مبہم کہ جس کا کچھ پتہ نہیں لگتا ہے کیونکہ خلاف ظاہر و باہر مسلم ہوگی بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کے یہ معنی لگائے جائیں کہ قول لیس بالقوے یعنی باتوں میں زیادہ قوی نہ تھے کہ بہت باتیں کرتے ہوں۔ کیونکہ تحدیث بعضی مصطلح میں کوئی وجہ جرح کی بیان نہیں ہوئی۔ پھر اگر کہا جائے کہ کیوں نہیں چنانچہ امام بخاریؒ نے ضعفاء میں لکھا کہ نعمان بن ثابت کوئی مرجیہ تھے لوگ ان کی حدیث و رائے سے سکت ہوئے۔ تو جواب یہ ہے کہ کما غلغلہ اپنے معنی کے خلاف اس وقت کے کانوں میں بھرا گیا جس سے یہ شور ہوا حالانکہ بالاتفاق قیاس اصل معمولی و معمولیہ ہے تو ظاہر ہے کہ مدار اس کا محض اختلاف لفظی پر ہے لہذا بدون ظہور کسی جرح کے جو حدیث کے اصول میں مبین ہے جب یہاں خالی رائے سے طعنہ ہے تو وہ بعد ظہور حال کے رفع ہوئی اور یہی گویا وجہ سکوت از حدیث تھی کما یدل علیہ تقدیم الرائی فی قولہ سکتوا عن رائیہ و حدیثہ اس وجہ سے جن بزرگوں پر حقیقت حال کا انکشاف ہو گیا انہوں نے اہل طعن کی زبان رد کی اور خود شفاء و صفت بیان کی اور ان سے حدیث روایت کی چنانچہ خود امام بخاریؒ نے چند ثقات مقنین کا ان سے روایت کرنا بیان کیا اور کہا کہ: روى عنه عباد بن العوام وابن المبارک والہیثم و وکیع و مسلم بن خالد و ابو معاویہ آخرہ اور یہ لوگ خود حدیث میں امام ہیں پھر ان کی روایت کے بعد کیونکر انکار کا محل صحیح رہے گا اور اگر یہ وہم ہو کہ ان کی واسطے سے کس نے روایت کیا ہے تو لا محالہ قولہ سکتوا عن حدیثہ مستمر رہا تو جواب یہ ہے کہ جن لوگوں پر حال مشتبه رہا اور قیاس کو رائے وغیرہ منکرات میں داخل سمجھتے رہے انہوں نے باسناد وغیرہ اس کو قبول کیا لہذا اہل القیاس کا اجتناب کچھ امام کو مضرت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ نے کسی پر ان سے روایت و قبول کو فرض نہیں فرمایا اس وجہ سے روایت نہ کرنے والے بھی گناہ گار نہیں ہیں جبکہ ان کی موافق شیوۃ ایمان کے نیک گمان ہے اور مجتہد نے اگر دوسرے مجتہد سے خلاف میں انکار کیا تو عوام کی یہ حالت مساوی نہیں آیا نہیں دیکھتے کہ احکام مختلف ہیں چنانچہ مجتہد کو ایک دوسرے کی تقلید روا نہیں ہے حتیٰ کہ اہل نظر تک اتفاقی روا نہیں رکھا گیا تو ضروری ہے کہ مجتہد کی رائے اجتہادی جس طرف مودی ہو اس کے نزدیک دوسرے مجتہد کی رائے خلاف صواب ہے ورنہ کیا یہ جائز جانتے ہو کہ مجتہد دوسرے کی رائے صواب سے جان بوجھ کر مخالفت کرتا ہے اور ایسی حالت میں اس کی رائے اجتہادی سے دوسرے کی خطا پر ہم یقین نہیں کر سکتے کیونکہ عوام کی راہ تقلید ہے لیکن تقلید اس کو مستلزم نہیں کہ عمل کرنے و ثواب لینے کے لئے ایک حکم شرع الہی اپنے طریقہ سے حاصل کرے تو ضرور دوسرے متقی فقیہ کو خاطر بھی کہے کما زعمہ شرذمت من المتاخرین بلکہ مجتہد کو بھی ضروری نہیں کہ دوسرے مجتہد کو خطا پر یقین کرے کیونکہ اپنے آپ کو صواب پر غالب گمان کرتا ہے نہ یقین پھر غیر کو خطا پر یقین کیونکر کرے گا۔ اس واسطے حضرات سحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ تابعین میں باوجود اختلاف طریقہ عمل کے باہم اتحاد و خلوص میں کسی طرح کا اختلاف نہ تھا اور یہی ائمہ مجتہدین و صلحاء امت کا طریقہ چلا آیا ہے ہاں بغیر اسباب بزرگی کے اعجاب المرء براء ہمیشہ منکر ہے جیسے کوئی لایعنی دعویٰ اجتہاد میں سرگرم ہو یا تقلید شخص کو کل حال و مسئلہ میں اپنے اوپر فرض کر لے بلکہ اس زمانہ میں تو ہر شخص دوسرے سے ادنیٰ خلاف میں بغض کرتا ہے اور سر اسراپنا مقلد بنانا چاہتا ہے اور اس کا نام بغض لہ رکھا ہے حالانکہ شیوہ سلف سے خود منحرف ہے اور عوام کو ایسے امور کی تکلیف دیتا ہے کہ جو ان کی سمجھ سے باہر اور ان کے حق میں باعث ضلالت ہے اور وہ خود بھی اس معصیت میں ہر ایک کا مساہم بنتا ہے۔

نعوذ باللہ تعالیٰ من الضلال اور علامہ محدث شیخ محمد طاہر فتنی نے مغنی و خاتمہ مجمع البحار میں لکھا کہ ابو حنیفہؒ عالم مابدورع تقی امام علوم شرع تھے اور بعض باتیں جیسے قرآن کو مخلوق کہنا اور معتزلہ کی طرح بندوں کو قادر کہنا یا مرجیہ وغیرہ ہونا ایسی باتیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں بیشک امام ان باتوں سے پاک ہیں اور یہ بالکل صریح ظاہر ہے اور اس طرح ابن الاثیر نے جامع الاصول میں اور صاحب مشکوٰۃ نے اسماء الرجال میں اس کو صریح لکھا ہے۔ یہاں تک اہل علم کے رسائل وغیرہ سے استنباط کر کے جو کچھ مختصر لکھا



کیا اور حقیقت وانی ثبوت اس امر کا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بیشک یہی کہنا چاہیے کہ جو محققین علماء نے مجتمع یا متفرق بیان کیا کہ تابعی مجتہد امام زاہد عابد متورع و متقی صاحب فضائل جلیلہ تھے اور چونکہ نفوس اس وقت اعتدال سے خارج ہیں لہذا ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین واجلہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کم رتبہ ہیں جیسے معاصرین و متاخرین سے پڑھے ہوئے ہوں واللہ تعالیٰ اعلم المائتہ الثانیۃ دوسری صدی کے فقہاء حنفیہ ابراہیم الصانع بن میمون المرزوی۔ فقیہ محدث صدوق تھے روی عن ابی حنیفہ و عطاء و عنہ حسان بن ابراہیم وغیرہ و اخرج عنہ البخاری تعلیقاً و ابو داؤد و النسائی مسنداً۔ زرگری و ڈھالنے کا پیشہ اختیار کیا تھا اور صاحب افضل الجہاد تھے کہ ابو مسلم خراسانی کو مکررہ کرر منکرات شرعیہ سے سختی منع فرمایا آخر اس نے ۱۳۱ ہجری میں شہر مرو میں آپ کو شہید کیا مروزی منسوب بمرو بخلاف قیاس ہے اسرائیل بن یونس بن ابی اسحق کوفی فقیہ محدث ثقہ ہیں مولد ۱۰۰ ہجری شہر کوفہ ہے اور امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف سے فقہ و حدیث حاصل کی اور آپ سے وکیع و ابن مہدی نے روایت کی اور یہی کافی ہے کہ شیخین امام بخاری و مسلم نے آپ سے تخریج کی آپ ۱۶۰ میں فوت ہوئے اسد بن عمرو بن عامر بجلی از اولاد جریر بن عبد اللہ الجلیلی صحابی رضی اللہ عنہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے متقدمین اصحاب عشرہ میں سے طویل الصحبہ فقیہ محدث ثقہ ہیں بعد ابو یوسف کے خلیفہ رشید کے داماد اور قاضی واسط و بغداد ہوئے امام احمد و یحییٰ بن معین نے توثیق کی اور امام احمد و محمد بن بکار و احمد بن منیع نے آپ سے حدیث روایت کی اور وفات ۱۸۸ ہ یا ۱۸۹ ہ میں ہوئی۔ حمزہ بن حبیب زیات کوفی۔ ابو عمارہ یکے از قراء سبعہ مشہور ہیں ۸۰ ہ میں پیدا ہوئے۔ محدث صدوق زاہد پرہیزگار تھے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بہت سی روایتیں رکھتے تھے۔ امام مسلم رضی اللہ عنہ نے آپ سے تخریج کی اور ۱۵۸ ہ یا کم میں وفات پائی۔ حماد بن ابی حنیفہ زاہد عابد پرہیزگار محدث فقیہ تھے۔ ابن عدی نے کہا کہ حافظہ اچھا نہ تھا۔ بعد قاسم بن معن کے کوفہ کے قاضی ہوئے اور ۱۷۶ ہ میں انتقال فرمایا۔ حفص بن غیاث بن طلق انخی ابو عمر الکوفی۔ فقیہ محدث ثقہ زاہد متقی منجملہ ان اصحاب امام کے جن کے حق میں فرمایا کہ انتم مسارقلسی و جلاء حزنی۔ اخذ الحدیث من الثوری و ہشام بن عروہ و عاصم و غیرہ واحد و روی عنہ احمد و یحییٰ بن معین و القطان و غیرہ واحد و اخرج عنہ اصحاب الصحاح و تغیر نے آخر عمرہ اور ۱۹۳ میں وفات پائی۔ حکم بن عبد اللہ بن سلمۃ انخی ابو مطیع۔ علامہ کبیر ہیں فقہ اکبر امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہتے تھے کہ میرے نزدیک رکوع و سجدہ میں تین بار تسبیح کہنا فرض ہے اور عبد اللہ بن مبارک آپ کے علم و دیانت کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے۔ وکان محدثا روی من الامام و ابن عون و مالک و غیرہم و روی عنہ احمد بن منیع و خلا بن اسلم و جلوہ فی الحدیث لیند ۱۹۹ ہ میں وفات پائی۔ حکایت ہے کہ خلیفہ نے والی بلخ کے نام جو خط بھیجا اس میں اپنے ولی عہد کی نسبت لکھا کہ آیتاہ الحکم صبا۔ جب آپ نے سنا تو امیر بلخ کے پاس جا کر کئی بار فرمایا کہ تم لوگ دنیاوی رغبت میں کفر تک پہنچ گئے امیر بلخ نے آبدیدہ ہو کر سب پوچھا تو آپ نے منبر پر چڑھ کر مجمع میں اپنی داڑھی پکڑ کر رو کر فرمایا کہ یہ خطاب الہی عزوجل بحق یحییٰ ینبیر علیہ السلام ہے جو کوئی کسی اور کو یہ کلمہ کہے وہ کافر ہے تمام لوگ رونے لگے اور جو آدمی یہ خط لائے تھے بھاگ گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ حفص بن عبد الرحمن انخی معروف نیشاپوری۔ محدث فقیہ ثقہ تھے نسائی نے آپ سے روایت کی ہے پہلے بغداد کے قاضی ہوئے پھر چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہوئے اور ۱۹۹ ہ میں وفات پائی کہتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن المبارک نیشاپور میں تشریف لاتے تو ضرور آپ سے ملاقات کرتے تھے۔

حماد بن دلیل قاضی مدائن۔ یہ ان اصحاب امام میں سے تھے جن کے حق میں فرمایا کہ یہ لوگ قضاء کی صلاحیت رکھتے ہیں گنیت ابو زید ہے شروطی کے لفظ سے اور معروف ہیں جب کوئی شیخ فضیل سے مسئلہ پوچھتا تو کہتے کہ ابو زید سے پوچھ لو۔ ابو داؤد نے سخن میں آپ سے تخریج کی ہے۔ خالد بن سلیمان امام اہل بلخ از اصحاب فتویٰ ۱۹۹ ہ میں چوراسی برس کے ہو کر وفات پائی۔ داؤد بن

نصیر الطائی ابو سلیمان محدث ثقہ فقیہ زاہد معروف نہایت پرہیزگار تھے بیس برس امام ابو حنیفہ کی صحبت میں رہے وثقہ ابن معین وغیرہ وروی عنہ ابن عیینہ و اخرج عنہ النسائی۔ آپ کے حکایات معروف ہیں ۱۶۰ھ یا ۱۶۵ھ میں وفات پائی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے باپ سے کچھ دینار میراث پائے ان کو کسب حلال جان کر ایک ایک دانگ روز خرچ کرتے اور گوشہ اختیار کیا تھا اور دعا کی کہ ان کے ختم پر میری وفات ہو چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا اور امام ابو یوسف کو بسبب اختیار عہدہ قضاء کے محبوب نہ رکھتے اور امام محمد کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور صاحبین کو جب کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا تو دونوں صاحب انہیں کے پاس جاتے تھے۔ آپ اولیاء کے زمرہ میں معدود ہیں فر بن ہذیل بن قیس العزلی۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصحاب میں آپ کی تکریم کرتے تھے اور آپ کے خطبہ نکاح میں امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہذا زفر امام من ائمتہ المسلمین الخ۔ زفر اور داؤد طائی میں برادرانہ اتحاد تھا پس داؤد نے عبادت مخلوق اختیار کر لی اور زفر نے خلوت و جلوت دونوں کو جمع کیا۔ شداد نے اسد بن عمرو سے پوچھا کہ ابو یوسف اور زفر میں کون افقہ ہے؟ فرمایا کہ زفر اور ع ہیں شداد نے کہا کہ میں فقہ میں پوچھتا ہوں فرمایا کہ پوری فقہ یہی تقویٰ ہے جس سے بڑی بزرگی ہوتی ہے روایت ہے کہ عہدہ قضاء سے انکار کرنے میں دو مرتبہ ان کا مکان ڈھایا گیا مگر قبول نہ کیا۔ زفر فقیہ محدث ہیں۔ ابو نعیم نے کہا کہ ثقہ مامون ہیں ۱۵۸ھ میں بصرے میں وفات پائی۔ زہیر بن معاویہ بن خدیج کوفی ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اصحاب امام میں محدث ثقہ فقیہ تھے وثقہ یحییٰ بن معین وغیرہ۔ سمع عن الامش ومن فی طبقہ وروی عنہ یحییٰ بن القطان و اخرج عنہ اصحاب الصحاح۔ ۱۷۳ھ یا ایک سال زائد میں وفات پائی۔ سفیان بن عیینہ۔ محدث ثقہ حافظ فقیہ امام حجت ہیں ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے کہتے تھے کہ مجھے پہلے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے محدث بنایا ہے۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے بکثرت تخریج کی ہے امام شافعی نے فرمایا کہ اگر امام مالک و سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم جاتا رہتا کیم رجب ۱۹۸ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی اور حجون کے پاس مدفون ہوئے۔ شریک بن عبد اللہ کوفی اصحاب امام میں داخل میں امام آپ کو کثیر العقل کہتے تھے۔ تقریب میں ہے کہ پہلے شہر واسط کے قاضی تھے پھر کوفہ کے مقرر ہوئے۔ عالم زاہد عابد عادل صدوق اور اہل ہوا و بدعت پر سخت گیری کرنے والے تھے آخر عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا ۱۷۸ھ میں وفات پائی امام مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی ہے۔ شقیق بن ابراہیم بلخی ابو حنیفہ و عباد بن کثیر و اسرائیل سے روایت کی اور ابو یوسف سے کتاب الصلوٰۃ پڑھی اور مدت تک ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہے فقیہ زاہد عابد معروف و مشہور ہیں ان کا قول ہے کہ رضائے الہی چار چیزیں ہیں روزی میں امن و کام میں اخلاص اور شیطانی رسوم سے عداوت اور موت سے موافقت۔ ۱۹۲ھ میں شہید ہوئے متوکل کامل تھے اور زمرہ اولیاء اللہ تعالیٰ میں ان کی کرامات و فعال و ارشادات معروف ہیں۔ شعیب بن اسحاق بن عبد الرحمن القرشی الدمشقی۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے محدث ثقہ فقیہ جید تھے ان کو مرجیہ کی تہمت دی گئی ہے امام بخاری و مسلم و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی اور دوسری صدی کے ۸۹ھ یا ۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

عمرو بن میمون بن بحر بن سعد بن رمان بلخی۔ محدث ثقہ فقیہ صاحب علم و فہم و صلاح تھے بغداد میں آکر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں داخل ہو کر فقہ حاصل کی مدت تک نیکی کے ساتھ قاضی رہے آخر عمر میں نابینا ہو کر ۱۷۱ھ میں وفات پائی۔ امام ترمذی نے آپ سے تخریج کی ہے۔ عافیت بن یزید بن قیس الازدی۔ اصحاب ابو حنیفہ میں با اکرام فقیہ محدث ثقہ تھے۔ امش و ہشام بن عروہ سے حدیث بھی سنی اور نسائی نے آپ سے تخریج کی ہے ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ عبد الکریم بن محمد جرجانی۔ فقیہ محدث مقبول تھے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے راوی ہیں اور ترمذی نے آپ سے تخریج کی ہے اور حدود ۱۸۰ھ میں وفات پائی عبد اللہ بن المبارک بن الواضح النظلی الروزی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے ابتدا میں لہو و لعب میں مصروف تھے ایک روز باغ میں بڑا شراب کا جلسہ جمع کیا صبح ہوتے اپنے سر ہانے

درخت کے ایک پرند سے خواب میں سنا کہ یہ آیت پڑھتا ہے: **الم یان الذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذكر اللہ وما نزل من الحق۔** اس وقت سے تائب ہو کر عابد ہو گئے اور سفر کر کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آئے اور دیگر ائمہ کبار و اعلام اخیار سے بھی حدیث وغیرہ کی سماعت کی اور بستان الحدیث میں تفصیل احوال مرقوم ہے اور اول حدیث از کتاب نقل فرمائی بقولہ: **حدثنا یونس عن الزہری عن السائب بن یزید ان شریکنا الحضرمی ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذلک رجل لا یتوسد بالقرآن۔** امام نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں آپ کا ترجمہ ذکر کیا اور فقہ و علم و زہد جہاد وغیرہ فضائل نقل کر کے لکھا کہ اجتمعت قیہ خصال الخیر کلہا یعنی عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ میں خیر کے جملہ فضائل جمع کر دئے گئے تھے اور نقل کیا کہ ائمہ اعلام میں سے جتنے فضائل ان کے بیان ہوئے ہیں اور کسی کے مذکور نہیں ہیں اور روایت ہے کہ امام مالک ابن المبارک کے اور کسی کے واسطے جگہ نہیں چھوڑتے تھے اور یہ امر گویا مجمع علیہ ہے کہ جامع فضائل و فوائد تھے اور جہاد سے واپس ہوتے وقت موضع ہیبت میں ماہ رمضان ۱۸۱ھ میں مسکینوں کی طرح وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں کہ وفات کے وقت اس حالت سے بستر خاک پر جان دیتے ہوئے دیکھ کر آپ کا غلام نصر نام جو معتبرین رواۃ حدیث سے ہے رونے لگا آپ نے پوچھا تو کہا کہ مجھے ایسی تکلیف کی حالت اس وقت رلاتی ہے آپ نے کہا کہ مت رو کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ پروردگار تو نگروں کی طرح زندہ رہوں اور مسکینوں کی ساتھ میری وفات ہو سو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ادا کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا۔ مروزی نسبت بمر و بعض نے کہا کہ خلاف قیاس ہے اور بعض نے اس کی توجیہ خلاف میں کہا کہ مروی کپڑا معروف منسوب بجانب مروگاؤں ہو واقع عراق قریب بکوفہ ہے اور یہ مرد واقع خراسان ہے فاحفظ مترجم کہتا ہے کہ اس تذکرہ سے استفادہ بطریق اعتبار اس اصل کی تصدیق کرتا ہے جو حدیث صحیح معروف فی باب القدر سے صریح مستفاد ہے کہ قبولیت ازلی کو کوئی فعل منافی مضرب نہیں کیونکہ آخر وہی لطف ازلی دستگیر ہو کر منزلت عالیہ میں لے جاتا ہے اور طرد ازلی کو کوئی طاعت و عبادت موافق مفید نہیں کہ آخر انجام خراب ہو جاتا ہے جیسے قصہ بلعم باعوراء معروف ہے۔ **اللہم انی اعوذ بک من الطرد و سو الخاتمة۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔** عیسیٰ بن یونس کوئی محدث ثقہ فقیہ جید تھے حدیث کو اعمش و مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا اور فقہ کو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب سے حاصل کیا۔ خلیفہ مامون نے آپ کو بتکریم حدیث کے دس ہزار دینار بطور ہدیہ بھیجے آپ نے واپس کر دیے اس نے گمان کیا کہ کم بھجھ کر پھیرے تو دو چند کر دیے۔ الغرض آپ نے پھیرا اور فرمایا کہ یہ خاک بمقابلہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق قبول نہیں ہے۔ پینتالیس جہاد و پینتالیس حج ادا کئے۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے آپ سے تخریج کی ہے اور سال وفات ۱۸۷ھ ہے رحمہ اللہ تعالیٰ۔ علی بن مسہر القرشی الکوفی۔ از اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جامع فقہ و حدیث تھے ثقہ صاحب روایت و روایت ہیں اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی کہتے ہیں کہ امام سفیان الثوری نے انھیں کے واسطے سے فقہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اخذ کیا ہے۔ عبد اللہ بن ادریس بن یزید بن عبد الرحمن الکوفی۔ فقیہ عابد محدث ثقہ جید تھے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہر چیز میں روایت کی و اعمش و ابن سیدہ وغیرہم سے بھی راوی ہیں اور آپ سے امام مالک و ابن المبارک وغیرہم نے روایت کی اور اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے اور ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔

علی بن طعبیان الکوفی۔ قاضی القضاة فقیہ محدث عارف باورع تھے حسن خلق سے ہمیشہ بورے پر اجلاس کرتے۔ ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی وفات ۱۹۲ھ میں ہوئی۔ عمرو بن الدار۔ امام ناصح فقیہ جید محدث مقبول تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ حاصل کی اور امام نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہے۔ فضیل بن عیاض بن مسعود النخعی۔ عالم ربانی یزدانی زاہد عابد ثقہ محدث فقیہ صاحب کرامات تھے ابتدا میں رہنری کرتے تھے ایک روز متاثر ہو کر توبہ کی اور کوفہ میں آ کر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے فقہ و حدیث

کولیا اور متعدد ائمہ سے سماعت کی امام شافعی و ابن مہدی وغیرہم نے آپ سے روایت کی اور الصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے اور اولیاء کے تذکرہ میں آپ کے حالات و کرامات مبسوط لکھے ہیں اور ابن کثیر نے ابن عساکر کی تخریج سے ذکر کیا کہ عبد اللہ بن المبارک نے طوس میں جہاد کو جاتے ہوئے ایک شخص کو جو حرم محترم جاتا تھا چند اشعار لکھوائے کہ فضیل کو یہ خط دے دینا اس نے مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کو دیا اولہ یا عابد الحرمین لو ابصرتنا۔ لعلت انک فی العبادۃ عطن فیضیل دیکھ کر روئے اور کہا کہ میرے بھائی نے مجھے نصیحت فرمائی ہے پھر اس شخص کو ایک حدیث املاء فرمائی اپنی اسناد سے ابو ہریرہؓ سے مرفوع کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے ایسی عبادت پوچھی جو جہاد کی برابری کرے آپ نے پوچھا کہ تو ہمیشہ رات دن بلا درنگ نماز میں قیام کر سکتا ہے اور ہمیشہ روزہ رکھ سکتا ہے اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ تو مجھ سے نہ ہو سکے گا فرمایا کہ قسم ہے کہ اگر تو اس کو بھی کرتا تب بھی جہاد کے یک روزہ ثواب کو نہ پہنچتا وقد اوردت الحدیث نے التفسیر مترجمًا۔ بالجملہ غایت شہرت سے آپ کے ذکر فضائل کی حاجت نہیں ہے رجم اللہ تعالیٰ۔ قاسم بن معن بن عبد الرحمن بن عبد اللہ مسعود صحابی رضی اللہ عنہ۔ ابو حنیفہؒ کے ان اصحاب میں سے تھے جن کو فرماتے کہ اتم مسار قلبی و جلاء حزنی۔ فقیہ محدث بلغ العربیۃ زاہد خنی بامروت تھے ابو حاتم نے کہا کہ ثقہ صدوق مکثر الروایۃ ہیں۔ فی الصحاح عنہ کثیر شے ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ لیث بن سعد بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ میں نے بعض مجامع میں لکھا دیکھا کہ حنفی المذہب تھے۔ ۹۲ھ میں پیدا ہوئے فقیہ محدث ثقہ صدوق جید صاحب ثروت و مقدرت تھے سال میں پانچ ہزار دینار کی آمدنی تھی مگر کثرت ایثار و سخاوت سے کبھی زکوٰۃ واجب نہ ہوتی تھی۔ صحاح میں آپ سے روایات موجود ہیں اور ائمہ اخبار نے آپ سے روایت کی و کرامات کا تذکرہ طول ہے ۷۷ھ میں وفات پائی۔ مسعر بن کدام کوئی طبقہ کبار اتباع میں سے ہیں۔ نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا کہ آپ سفیان بن عیینہ و سفیان الثوری کے استاد ہیں آپ کی جلالت قدر و حفظ و اتقان متفق علیہ ہے اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے آپ نے امام ابو حنیفہؒ و عطاء و قتادہ سے روایت کی۔ ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔ مندل بن علی کوئی اصحاب امام ابو حنیفہؒ میں فقیہ محدث صدوق تھے۔ ابو داؤد و ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی ہے ۱۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ محمد بن الحسن بن الفرقد الشیبانی امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں آپ فقہ و حدیث و لغت میں امام ہیں حدیث کو ابو حنیفہ و ابو یوسف و مسعر و ثوری و مالک اور ابن دینار و زاعی وغیرہم سے سنا اور آپ سے امام شافعی و ابو عبید القاسم بن سلام اور ابو حفص کبیر احمد بن حفص و معلی بن منصور و ابو سلیمان جوزجانی و موسیٰ بن نصیر رازی و اسمعیل و علی بن مسلم و محمد بن ساعد و ابراہیم بن رستم و ہشام بن عبید اللہ و عیسیٰ بن ابان و محمد بن مقاتل و شداد بن حکیم وغیرہم نے سنا ابو عبید نے کہا کہ میں نے آپ سے زیادہ ماہر قرآن الہی نہیں دیکھا اور عربیت و نحو و حساب میں ماہر تھے مترجم کہتا ہے کہ فتاویٰ کتاب الشروط میں امام محمد کا قول لغت میں حجت قرار دیا ہے۔ شامی نے کہا کہ مثل ابو عبید و اصمعی و خلیل و کسائی کے امام ہیں لغت میں آپ کی تقلید واجب ہے۔ چنانچہ ابو عبید نے باوجود جلالت قدر کے آپ کے قول سے حجت پکڑی جیسے ابو عباس نے اور تغلب نے سیبویہ کے ہمسر قرار دیا اور ان کا قول حجت مانا۔ امام محمدؒ کے فضائل جامع علوم اور کثیر التصانیف و ذکی و بیدار ہونا وغیرہ عموماً مشہور و معروف ہیں اور امام شافعیؒ و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان کی تصانیف سے استفادہ کا اقرار کیا اور اہل تذکرہ نے ان کے فضائل میں تطویل کی ہے اور وہ جو بعض تاریخوں سے دیکھ کر بعض فضلاء نے ان کا اور امام ابو یوسفؒ کا معاملتی قصہ نقل کیا محض لغو و مہمل ہے جیسے عموماً مورخین کے رطب و یابس جمع کرنے کا دستور ہوتا ہے لیکن عجب اس سے نقل کر دینا ان بعض کا بطریق اثبات ہے غفر اللہ تعالیٰ لنا ولہ و هو الغفور الرحیم۔ امام محمدؒ نے ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ علاوہ نوادر معلیٰ و ابن ساعد و ہشام وغیرہ کے آپ کی خاص مشہور تصانیف میں سے۔ مبسوط زیادات جامع صغیر صغیر کبیر صغیر کبیر نوادر نوازل رقیات

ہارونیاں کیسانیاں جرجانیاں کتاب الآثار موطا ہیں۔

سرخسی نے لکھا کہ سیر کبیر آخر تصنیفات سے ہے اور مبسوط سب سے اول اس واسطے اس کو اصل کہتے ہیں اور اصول ان کے جملہ کتب ہیں۔ معروف کرخی ائمہ اولیاء الہی تعالیٰ میں سے معروف ہیں قطب الوقت مستجاب الدعوات تھے باپ آپ کا فیروز نامی نصرانی تھا اس کی کوشش سے راہب نصرانی و قسبیس نے ہر چند شرک تثلیث میں کوشش کی آپ جواب میں توحید ہی کہتے رہے آخر اسی حال میں بھاگ کر حضرت امام السید المعروف علی بن موسیٰ رضا علیہ وعلیٰ آباء الصلوٰت والسلام کے پاس آ کر مسلمان ہو گئے چند روز بعد جب آپ واپس ہوئے تو والدین نے پوچھا کہ آخر تو نے کس دین کو اختیار کرنا چاہا فرمایا کہ میں نے دین حق پایا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حاصل کیا والدین بھی یہ سن کر مسلمان ہو گئے پھر آپ داؤد طائی شاگرد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں علوم ظاہر و باطن سے کامل ہوئے۔ شامی میں ہے کہ آپ سے سری سقطی نے علوم ظاہری سے مرتبہ احسان و قبول تک حاصل کیا اور ۲۰۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ نوح بن ابی مریم ابو عصمہ مروزی۔ فقہ کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و ابن ابی لیلیٰ سے حاصل کیا اور حدیث کو حجاج بن ارطاة و زہری وغیرہ سے اور تفسیر کو کلبی سے اور مغازی کو ابن اسحاق سے حاصل کیا اسی لیے جامع مشہور ہوئے۔ شیخ ابو حاتم نے کہا کہ سوائے صدق کے سب میں جامع ہیں۔ اہل حدیث و نقاد الرجال کے نزدیک آپ غیر مقبول بلکہ وضاع میں سے ہیں اور ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ نوح بن دراج کوفی۔ فقہ میں شاگرد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور نیز زفر و ابن شیرمہ و ابن ابی لیلیٰ سے بھی حاصل کی اور حدیث کو زفر و اشمس و سعید بن منصور سے روایت کرتے ہیں لیکن ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے کذاب لکھا ہے باسنمہ ابن ماجہ نے آپ سے اور نوح بن ابی مریم سے تفسیر میں تخریج کی ہے ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ وکیع بن الجراح بن یلیح بن عدی کوفی۔ فقہ و حدیث کے امام حافظ ثقہ زاہد عابد اکابر تبع تابعین میں سے شیخ شافعی و احمد وغیرہم ہیں۔ اصحاب حنفیہ کی کتابوں میں آپ کا فقہ حاصل کرنا امام ابو حنیفہ سے مذکور ہے ظاہر اس سے کم نہیں کہ آپ نے فی الجملہ ضرور امام سے فقہت کا طریقہ حاصل کیا واللہ اعلم اور حدیث بھی امام سے روایت کی اور ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں نے وکیع سے کوئی افضل نہیں دیکھا۔ اصحاب صحاح ستہ نے بواسطہ ابن المبارک و ایک جماعت ائمہ ثقات نے آپ سے تخریج کی ہے وقد اطلوا فی فضائلہ تو فی ۱۹۷ھ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خمیس بن سعد بن عتبہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کنیت ابو یوسف تھی ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ پہلے ابن ابی لیلیٰ سے پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور اصحاب امام میں مقدم ہوئے اور قاضی القضاة و افتاء العلماء وغیرہ خطاب سے ملقب ہوئے حدیث کو امام اور ایک جماعت ائمہ ثقات مثل سلیمان تمیمی و ہشام بن عروہ وغیرہم سے سنا اور مشہور ہے کہ آپ سے امام محمد و امام احمد و بشر بن الولید و یحییٰ بن معین و احمد بن مہدی وغیرہم نے روایت کیا اور احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین و علی بن المدینی نے روایت حدیث میں آپ کے بارہ میں اختلاف نہیں کیا اور کتاب العشر و الخراج تصنیف مشہور ہے اور امالی و نوادر وغیرہ معروف ہیں علماء نے ان کے بارہ میں بہت تطویل کی۔ اور بعضوں نے سخت ست لکھا واللہ اعلم عند اللہ عزوجل ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔

یحییٰ بن سعید القطان امام حدیث ثقہ متفقن باہبت بالاتفاق ائمہ میں سے ممتاز ہیں ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں وفات پائی اور مروی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ یوسف بن یعقوب یعنی امام ابو یوسف کے فرزند فقیہ محدث قاضی جہت غربی بغداد تھے ۱۹۲ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ یوسف بن خالد السمتی۔ مولیٰ نبی لیث جو بسبب نیک چال چلن کے سمتی یعنی حسن السمیت مشہور ہوئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے فقیہ محدث صاحب بصیرت تھے ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی

لیکن تقریب میں متروک لکھا ہے اور طحاوی نے مزنی سے روایت کی کہ یوسف بن خالد اہل الخیار میں سے ہیں۔ قلت لعلہ هذا كقول ابی حاتم فی بعضہم كان من خيار عباد اللہ ولكنه كان يكذب یعنی ربما لا تبين مالقی الیہ فیصیر متكلما بالكذب فافهم۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کو فی ابوسعید کنیت تھی۔ چالیس اصحاب ابوحنیفہ جنہوں نے کتب میں تدوین کی ان سے آپ عشرہ مقدمہ میں سے تھے۔ جامع فقہ و حدیث ہیں اور حدیث میں حافظ ثقہ متقن متورع ہیں۔ ابن حجر نے مقدر فتح الباری میں لکھا کہ علی بن المدینی نے کہا کہ کوفہ میں بعد امام ثوری کے آپ سے زیادہ کوئی اثبت نہ تھا اور نسائی نے آپ کو ثقہ حجت لکھا ہے ولہ فضل جمت فی تاریخ الخطیب وغیرہ مات ۱۸۴ھ اور صحاح میں آپ سے تخریج موجود ہے رحمہ اللہ تعالیٰ الماتۃ الثالثۃ حسن بن زیاد کوئی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں بیدار مغز نشند فقیہ تھے۔ سنت نبوی کے بڑے محب و متبع تھے چنانچہ بحکم حدیث: البسوہم مما تلبسون۔ اپنے ممالیک کو اپنے مثل کپڑا پہناتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کثیر الروایت ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو فتویٰ دیا پھر جانا کہ مجھ سے خطا ہوئی تو منادی کرائی کہ میں نے فلاں روز فلاں مسئلہ کے جواب میں خطا کی ہے جس نے پوچھا تھا وہ آکر صحیح کر لے۔ باوجود فضائل جمعہ کے محدثین کے نزدیک ضعیف و متروک الحدیث ہیں اور ظاہر السبب نقصان حافظ کے ہوگا کیونکہ جب قاضی مقرر ہوئے تو اجلاس پر اپنا علم سب بھول جاتے یہاں تک کہ اپنے اصحاب سے پوچھ کر حکم کرتے پھر دوسرے وقت سب علم میں حافظ ہوتے لہذا قضاء سے استعفا دیا کما ذکرہ السمعاوی اخذ عنہ محمد سماء و محمد بن شجاع و علی الرازی و عمرو بن مہیر و الدخفاف۔ وفات آپ کی ۲۰۴ھ میں ہوئی من تو ایفہ الجرج و الامالی۔ حسن بن ابی مالک فقیہ ثقہ تھے امام ابو یوسف سے فقہ لی اور ان سے محمد بن شجاع نے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی موسیٰ بن سلیمان جوزجانی۔ ابو سلیمان کنیت ہے فقیہ متبحر المذہب محدث حافظ اور معلیٰ بن منصور کے مشارک ہیں اور امام محمد سے فقہ پائی اور امالی کو لکھا اور حدیث کو امام ابو یوسف و ابن المبارک سے بھی سنا اور کتب اصول امام محمد کو لکھا و ان کی سیر صغیر و نوادر معروف ہیں ۲۰۱ھ میں وفات پائی۔ جہاں فتاویٰ میں نسخہ ابی سلیمان مذکور ہے انہیں سے مراد ہے یعنی اصول کتب میں آپ کے لکھے ہوئے میں یہ لفظ ہے۔ زہد و عبادت کی وجہ سے عہدہ قضاء سے انکار کیا تھا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ زید بن ہارون الوسطی ابو خالد امام فقیہ محدث ثقہ سمع عن الائمہ کابی حنیفہ و الثوری و روی عنہ ابن معین و ابن المدینی ۲۰۵ھ میں وفات پائی عصام بن یوسف بلخی ابو عصمہ برادر ابراہیم بن یوسف فقیہ محدث ہیں ابو حاتم نے ثقات میں لکھا اور روایت میں چوک جاتے تھے امام ابو یوسف سے فقہ حاصل کی لیکن نماز میں رفع الدین کیا کرتے تھے ۲۰۱ھ میں وفات پائی۔ حسین بن حفص فقیہ جید و محدثین کے طبقہ کبار عشرہ میں سے صدوق تھے مسلم و ابن ماجہ نے آپ سے روایت کی۔ فقہ ابو یوسف سے حاصل کی اور اصفہان کے قاضی رہے اسی لئے فقہ حنفی وہاں جاری ہوئی تھی زاہد تھے ۲۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔ ابراہیم بن رستم مروزی فقیہ محدث ثقہ تھے سمع الحدیث عن اسد بن عمرو الجبلی و مالک و الثوری و سعید و حماد بن سلمہ و حدیث عن احمد بن حنبل و زہیر بن حرب اور فقہ کو امام محمد سے حاصل کیا اور جم غفیر نے ان سے حاصل کیا اور قضاء کے قبول سے انکار کیا حج سے واپسی میں نیشاپور میں ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔ معلیٰ بن منصور الرازی۔ فقیہ از ثقات حدیث حافظ حدیث ہیں فقہ میں امام ابو یوسف و امام محمد کے اصحاب کے کبار میں سے ہیں اور حدیث کو مالک و لیث و حماد اور ابن عیینہ سے سماعت کیا اور ان سے ابن المدینی و ابن ابی شیبہ نے و امام بخاری نے غیر جامع میں ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔ صاحب تقویٰ و تدین اور متبع سنت تھے ۲۱۱ھ میں انتقال فرمایا۔ امام ثانی و ربانی کے کتب و امالی و نوادر آپ سے مروی ہیں ضحاک بن مخلد بن مسلم البصری امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے محدث ثقہ فقیہ معتمد تھے ابو عاصم کنیت و منبل سے معروف تھے اصحاب صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی ۲۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ ثلاثیات بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔

اسلمعیل بن حماد بن ابی حنیفہ الامام فقیہ عابد و زاہد صالح متدین امام وقت تھے ابو سعید بروعی نے ان سے فقہ پڑھی اور انھوں نے اپنے والد حماد و حسن بن زیاد سے پڑھی اور حدیث عمرو بن ذر اور مالک بن مغول و ابن ابی ذئب و قاسم بن معن و غیر ہم سے سنی اور ان سے سہل بن عثمان و عبد المؤمن بن علی نے سماعت کی اور ۲۱۲ھ میں انتقال کیا جامع فقہ و رد قدریہ و مرجیہ میں تو ایف ہیں۔ بشر بن ابی ازہر نیشاپوری کوفہ کے مشہور فقہا میں سے ثقہ محدث ہیں فقہ امام ابو یوسف سے اور حدیث ابن المبارک و ابن عمیرہ و شریک سے سنی و ان سے علی بن المدینی و محمد بن یحییٰ ذہلی نے روایت کی ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے۔ امام ابو یوسف سے فقہ کی روایات ان سے مروی ہیں۔ خلف بن ایوب بلخی۔ امام محمد و زفر کے اصحاب میں سے فقیہ محدث عابد زاہد صالح تھے فقہ امام ابو یوسف سے اور حدیث اسرائیل و اسد بن عمرو اور معمر سے سنی اور ان سے امام احمد و ابو کریم و غیر ہم نے روایت کی و فی جامع الترمذی عنہ مخلصتان لاتجمعان فی متناق حسن سمت و فقہ فی الدین۔ مدت تک ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہے اور طریق زہد حاصل کیا ان کے مسائل میں سے ہے کہ میں ایسے شخص کی گواہی قبول نہ کروں گا جو مسجد میں فقیر کو سوال پر خیرات دے۔ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے تو اصحاب سے کہتے کہ مجھ کو نماز کے لئے کھڑا کرو اور تکبیر کے وقت تک مدد پھر چھوڑ دینا پس باقی نماز تندرستوں کی طرح ادا کر لیتے جب سلام پھیرتے تو شدت ضعف سے گر پڑتے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ مرض فرمان الہی کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور ایسے ہی حکایات بہت لطیف بکثرت مروی ہیں عارف باللہ تعالیٰ صالح تھے جن کے طفیل میں دوسروں کی نجات ظاہری ہوتی ہے ۲۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ میں آپ سے اپنے استاد اسد سے مسائل مروی ہیں۔ محمد بن عبداللہ بن اُمثلی بن عبداللہ بن انس بن مالک الانصاری صحابی رضی اللہ عنہ و اکثر کہا جاتا ہے محمد بن اُمثلی جیسے احمد بن محمد بن حنبل کو احمد بن حنبل کہتے ہیں۔ امام زفر کے اصحاب میں سے محدث ثقہ و فقہ جید تھے ائمہ صحاح ستہ نے آپ سے بکثرت روایت کی و امام احمد و ابن المدینی نے بھی۔ عسکر بغداد و بصرے کے قاضی رہ کر ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ ابراہیم بن الجراح الکوفی فقہ محدث تھے فقہ و حدیث سے فقیہ و حدیث کو امام ابو یوسف سے اخذ کیا اور امالی کو لکھا اور ۲۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔ علی بن معبد بن شداد الرقی امام احمد کے طبقہ میں سے فقیہ محدث ثقہ مستقیم الحدیث حنفی المدہب تھے امام محمد سے جامع سے جامع صغیر و کبیر روایت کی اور حدیث کو امام محمد و امام شافعی و ابن المبارک و مالک و غیر ہم ائمہ سے سنا اور ان سے اسحاق بن منصور و یحییٰ بن معین و یونس بن عبدالاعلیٰ و محمد بن اسحاق و غیر ہم ثقات کثیر نے روایت کیا و اخرج عنہ الترمذی و النسائی اور ۲۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔ احمد بن حفص المعروف بابی حفص الکبیر البخاری۔ فقہ و حدیث میں تلمیذ امام محمد اور صالح زاہد معروف فقیہ ہیں۔ تذکرات میں لکھا ہے کہ آپ کے زمانہ میں امام بخاری صاحب صحیح آئے اور فتویٰ دینے لگے آپ نے ان کو منع کیا کہ تم لائق فتویٰ نہیں ہو مگر انھوں نے نہ مانا ایک روز لوگوں نے دریافت کیا کہ دولڑکوں نے ایک گائے کا دودھ پیا تو کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے جواب دیا کہ ان میں حرمت رضاعت متحقق ہوگئی۔ فقہاء نے یہ حال دیکھ کر ہجوم کر کے ان کو بخارا سے نکال دیا فاضل لکھنوی مرحوم (یعنی مولوی عبدالحی) نے اپنے رسالہ تراجم میں یہ قصہ لکھ کر کہا کہ ہمارے اصحاب کی کتابوں میں یونہی مذکور ہے لیکن امام بخاری کی وقت نظر و متانت استنباط و جودت فکر سے مجھے یہ قصہ بعید معلوم ہوتا ہے مترجم کہتا ہے کہ بے شبہ یہ قصہ جعلی کس نے الحاق کیا ہے ورنہ بخاری ہی اللہ بہت رقیق الاستنباط ہیں کہاں ان کے صریح و قاطق و واضح اجتہادات اور کہاں یہ بالکل جہالت کا قصہ جو سخت تعجب کا باعث ہے اور ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے امام بخاری کی وسعت نظر و فکر کمال اشتہار سے مستغنی از بیان ہے اگر کوئی مستور الحال آدمی ہوتا تو شاید اشتباہ ہو جاتا مگر واضح نے فضیحت ہونے کو یہاں سے تعصب سے کور ہو کر یہ قصہ وضع کیا۔ ہکذا ینبغی الاعتقاد بشأن الائمة واللہ تعالیٰ اعلم الحقیقۃ

شہاد بن حکیم بلخی۔ امام زفر کے اصحاب میں سے فقیہ محدث و احمد بن ابی عمران شیخ الطحاوی کے استاد تھے۔ ابو عاصم سناک بن مخلد نے بعد وفات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان کی صحبت اختیار کی پہلے آپ نے قضائے بلخ سے انکار کیا پھر ایک مدت بعد خود چاہی تو لوگوں نے ملامت کی فرمایا کہ پہلے میرے سوائے اور لوگ صالح تھے اب خوفناک ہوں کہ شاید مجھ سے مواخذہ کیا جائے۔ خلف بن ایوب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی جو رو نے باندی کے ہاتھ آپ کے پاس طعام سحری بھیجا اس کو وہاں دیر ہوئی تو جو رو نے باندی کو متہم کیا آپ نے فرمایا کہ جانے دو مگر اس نے ہٹ کی آپ نے اثنائے گفتگو میں کہا کہ کیا تو علم غیب جانتی ہے کیونکہ تہمت بری ہے اس نے کہا کہ ہاں جانتی ہوں آپ نے امام محمد کو صورت حال سے آگاہ کر کے حکم مانگا امام نے لکھا کہ نکاح کی تجدید کر لو اور وجہ یہ تھی کہ عورت مرتدہ کے حکم میں ہوگئی لہذا بعد توبہ کے اس سے دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوئی ۲۲۰ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ عیسیٰ بن ابان بن صدق قاضی ابو موسیٰ حافظ الحدیث فقیہ جید تھے فقہ امام محمد سے اور حدیث اسمعیل بن جعفر و ہاشم بن بشیر و یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ و امام محمد وغیرہم سے حاصل کی اور مکمل الحدیث تھے۔ ابن سماعہ کی روایت میں ہے کہ ابتداء میں امام محمد کی مجلس سے نفرت کرتے اور کہتے کہ ہم حافظ الاحادیث ہو کر ایسی مجلس میں نہیں جاتے جہاں حدیث سے مخالفت ہو ایک روز باصرار ہم نے لے جا کر بٹھایا امام محمد نے فرمایا کہ بھتیجے تم نے کس بات میں ہماری مخالفت دیکھی عیسیٰ نے پچیس مقامات میں حدیث سے اعتراض کیا۔ امام محمد بیٹھ گئے اور ہر ایک کا جواب بدلائل شرعیہ و اصول حدیث کے مع شواہد وغیرہ اچھی شرح و بسط سے دیا کہ ان کو پوری تسکین ہوگئی تو پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت ضروری سمجھ کر چھ مہینے تک ان سے فقہ کو اخذ کیا۔ اور تو اور کو روایت کرتے ہیں ۲۲۱ھ میں انتقال فرمایا۔ کتاب الحج آپ کی تصنیف سے ہے۔ نعیم بن حماد بن معاویہ مروزی محدث صدوق فقیہ عارف فرائض ہیں۔ حدیث میں اکثر چوک جاتے ہیں۔ ابن عدی نے ان احادیث کو جمع کر کے کہا کہ ان کے سوائے باقی احادیث آپ کی روایت مستقیم ہیں۔ ابن معین و بخاری کے شیخ ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے وتر فرض ہونے کو انھیں نے روایت کیا۔ مصر میں تھے جب قرآن مخلوق ہونے کا قول وہاں بدعت نکالا اور آپ نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا تو وہاں سے نکالے گئے اور آخر قید میں ۲۲۹ھ میں وفات پائی۔ فرخ مولیٰ امام ابو یوسف۔ فقیہ جید و محدث ثقہ ہیں جماعت ائمہ حدیث مثل شیخین و امام احمد کے آپ کی توثیق کی اور حدیث لی ہے۔ طحاوی نے بواسطہ شیخ احمد بن ابی عمران کے ان سے روایت کی کہ امام ابو یوسف جب کسی کی ملاقات سے کراہت کرتے تو تکیہ پر سر رکھ کر کہتے کہ کہہ دو ابھی تکیہ پر سر رکھا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ ابھی سوئے ہیں لہذا واپس جاتا فقہ امام ابو یوسف سے حاصل کی ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ اسماعیل بن ابی سعید البحر جانی امام محمد کے اصحاب میں فقیہ محدث ہیں۔ حدیث کو یحییٰ القطان و ابن عیوبہ سے بھی سنا۔ ومن عجائب توالیفہ فی الفقہ البیان اور دیقہ اجویتہ مسائل عن محمد ثم اعترض علیہ وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی۔ علی بن الجعد بن عبید الجواہری البغدادی۔ امام ابو یوسف کے اصحاب میں حافظ الحدیث ثقہ متقن تھے حدیث کو طبقہ جریر بن عثمان و شیبہ و مالک وغیرہم سے سنا۔ آپ سے بخاری ابو داؤد ابن معین وغیرہم نے روایت کیا۔ اور حدیث کو کمال حفظ سے ایک ہی لفظ پر ہمیشہ روایت کرتے۔ ابو حاتم نے کہا کہ میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا محاملی نے کہا کہ وہ جہمیہ سے متہم ہیں عبدوس نے کہا کہ یہ غلط مشہور ہو گیا بلکہ آپ کا بیٹا قاضی بغداد البتہ قول جہم بن صفوان کا قائل تھا۔ ۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے ۲۳۲ھ میں انتقال کیا۔ نصر بن زیاد نیشاپوری فقیہ محدث امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ثابت قدم تھے فقہ امام محمد سے اور حدیث ابن المبارک سے لی اور ۲۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد بن سماعہ بن عبد اللہ کوفی۔ فقیہ محدث حافظ صدوق تھے فقہ صاحبین سے اور حدیث بھی اور لیث بن سعد سے بھی حاصل کی۔ اخذ عنہ احمد بن ابی عمران ابو علی الرازی و عبد اللہ بن جعفر وغیرہم ۲۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ نوادر ابن اسماعہ از صاحبین و ادب



القاضی و محاضر و سجلات معروف ہیں۔ حاتم بن اسمعیل الاصم بلخ اولیاء کبار میں معدود اور صاحب مقامات ہیں فقہ و طریقت کو شقیق بلخی سے لیا۔ آپ کا قول ہے کہ بغیر فقہ کے عبادت کرنے والا جیسے چکی چلانے کا گدھا۔ امام احمد نے ان سے پوچھا کہ آدمیوں سے کیونکر خلاصی ہو فرمایا کہ یا تو ان کو کچھ قرض دیکر پھر نہ مانگے یا ان کے حقوق ادا کر کے اپنے حقوق نہ چاہے یا ان کے مکروہات کو فقہ نفس سے اٹھائے اور خود رنج نہ پہنچائے اور صحیح یہ ہے کہ حاتم اصم مشہور ہو گئے درحقیقت بہرے نہ تھے ۲۳۷ھ میں وفات پائی۔ بشیر بن الولید بن خالد کنڈی۔ امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے فقیہ محدث ثقہ متدین صالح عابد تھے امام ابو یوسف سے امالی کو روایت کیا۔ اور حدیث کو دیگر ائمہ سے بھی مانند مالک و حماد بن زید رحمہم اللہ کے سنا اور آپ سے ابو داؤد و ابو یعلیٰ و ابو نعیم و غیر ہم نے روایت کی وقال الدارقطنی ہو ثقہ بعد کبرسی کے ۲۳۸ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ داؤد بن رشید خوارزمی۔ امام محمد و حفص بن غیاث کے اصحاب میں سے فقیہ محدث ثقہ تھے یحییٰ بن معین نے توثیق کی اور امام مسلم و ابو داؤد ابن ماجہ و نسائی نے آپ سے روایت کی اور امام بخاری نے بھی ۲۳۹ھ میں وفات پائی۔ نوادر میں آپ کی کتاب بنام نوادر داؤد بن رشید مشہور ہے اور فتویٰ میں اسی سے حوالہ ہے۔ ابراہیم بن یوسف بن میمون بن قدامہ بلخی اپنے وقت کے شیخ اکمل محدث ثقہ فقیہ تھے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں آپ کو بہت توقیر حاصل تھی مدت تک امام ابو یوسف کی صحبت میں رہے۔ حدیث کو سفیان بن عیینہ و کعب و اسماعیل بن علیہ و حماد بن زید سے سنا ہے اور امام مالک سے صرف یہ حدیث مالک عن نافع عن ابن عمر: کل مسکر خمر و کل مسکر حرام۔ سبب یہ ہوا کہ مجلس میں قتیبہ بن سعید موجود تھے جنہوں نے امام مالک سے کہا کہ یہ شخص ار جاء ظاہر کرتا ہے یعنی مرجیہ ہے امام مالک نے مجلس سے اٹھا دیا جس سے یہی ایک حدیث سماعت کرنے پائے۔ حدیث کو فقہ کے بعد حاصل کیا اور امام ابو یوسف سے روایت کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کو ہمارے قول پر فتویٰ دینا نہیں جائز ہے جب تک یہ نہ جانے کہ ہم نے کہاں سے لیا ہے یعنی دلیل از شرع نہ جانے۔ روایت ہے کہ ہر روز بعد نماز فجر سے بلخ کے گرد پھرتے جو قبر شکستہ دیکھتے اس کو ہاتھ سے درست کر دیتے اور راستوں کو صاف کرتے اور ظہر کو ویرانہ میں مسجد تھی وہاں جا کر اذان دیتے اور فقہاء و زیاد و عباد جمع ہو کر آپ کے پچھے نماز پڑھتے۔ ایک دفعہ امیر بلخ نے فقہاء سے کہا کہ میں آپ کے شیخ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں مگر میرے پاس نہیں آتے۔ انہوں نے کہا کہ کسی کے پاس نہیں جاتے۔ کہا کہ میں جاؤں کہنے لگے کہ مگر وہ بات نہ کریں گے ہاں و ہرانہ والی مسجد میں بعد نماز کے تو کہنا کہ رحمک اللہ تو شاید تیری طرف متوجہ ہوں گے اس نے یہی کیا پھر جوابات حاصل کرنے کے بعد کہا کہ میں بلخ کا حاکم ہوں اگر کوئی خدمت ضروری ہو تو بجالاؤں آپ باتا مل فرمائیں۔ آپ یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا کہ میرا خون پانی ہو گیا کہ میں نے تیرے ایک سپاہی کو دیکھا جس نے کبوتر پر اپنا باز چھوڑا جس کے صدمہ چنگل سے وہ کبوتر زمین پر لوٹا تھا مگر وہ سپاہی کچھ رحم نہیں کرتا تھا۔ امیر نے تمام قلمرو میں حکم جاری کیا کہ ہرگز کوئی شخص شکاری جانور نہ پالے۔ امام نسائی نے آپ کی توثیق ظاہر کی اور آپ سے روایت کی ہے وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی یحییٰ بن اسلم مروزی۔ فقیہ محدث صدوق تھے آخر فرائض میں آپ سے حکایت لطیف اس فتاویٰ میں مذکور ہے حدیث امام محمد و ابن المبارک و سفیان و غیر ہم سے سنی اور آپ سے ترمذی نے اور غیر جامع میں بخاری نے روایت کی۔ خطیب نے کہا کہ بدعت سے سلیم و سنت پر مستقیم تھے ۲۴۳ھ میں انتقال فرمایا۔

ہلال بن یحییٰ بن مسلم۔ فقیہ محدث تھے امام ابو یوسف و زفر سے فقہ اور ابو عوانہ و غیرہ سے حدیث سنی اور آپ سے شیخ بکار بن قتیبہ نے روایت کی ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ ایک کتاب شروط میں اور دوسری احکام میں آپ سے معروف ہیں۔ خالد بن یوسف بن خالد کسبی۔ فقیہ محدث ہیں۔ ابو حاتم نے کہا کہ جو احادیث اپنے والد کے سوائے اوروں سے روایت کیں معتبر ہیں ۲۴۹ھ یوب بن

حسن نیشاپوری فقیہ مستجاب الدعوات شاگرد امام محمد ہیں ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ اسحاق بن بہلول۔ فقیہ حافظ محدث شاگرد حسن بن زیاد وغیرہ فقہ میں و شاگرد اپنے باپ کے و ابن عیینہ و وکیع وغیرہم کی حدیث میں ہیں ۲۵۲ھ میں فوت ہوئے متضاد فقہ میں تالیف ہے۔ احمد بن عمر بن مہیر خشاف کتبت ابو بکر ہے فقیہ اجل محدث زاہد ورع تھے۔ فقہ اپنے باپ و حسن بن زیاد سے پڑھی اور حدیث اپنے باپ و عاصم ابو داؤد طیالسی و مسدد بن مسرید بن مسریل و ابن المدینی و فضل بن وکین وغیرہم سے سنی۔ نعلین و موزہ دوزی کی کمائی سے بسر کرتے تھے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ تصنیفات میں سے کتاب الخراج و کتاب الخلیل و کتاب الوصایا و کتاب الشروط و کبیر اور کتاب المناسک و کتاب الرضاع و کتاب المحاضر و السجلات کتاب ادب القاضی کتاب النفقات احکام العصیر و ورع الکعبیہ کتاب الوقف و کتاب اقرار الورثہ کتاب الفقر و کتاب المسجد و بقرہ ہیں اس فتاویٰ میں کثرت سے آپ کی تصانیف سے حوالہ ہے۔ ابراہیم بن ادہم انجلی۔ فقیہ محدث صدوق زاہد معروف از اولیاء الہی عزوجل صاحب کرامات مشہورہ میں بادشاہی ترک کر کے زاہد ہوئے مدت تک ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا پھر فضیل بن عیاض سے خرقة اور ارادت پہنا اور تقریب میں ہے کہ ثقہ صدوق زاہد معروف اور ۲۶۲ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن احمد بن حفص معروف بہ ابو حفص صغیر فقہ میں اپنے والد ابو حفص کبیر کے شاگرد اور طلب حدیث میں امام بخاری کے رفیق تھے ۲۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن شجاع انجلی بالشاء المثلثہ و الجیم لان بیع الج فیل لان من اولاد ج بن عمر بن مالک۔ فقہ میں شاگرد حسن بن مالک و حسن بن زیاد ہیں اور حدیث میں یحییٰ بن آدم و ابو اسامہ و وکیع وغیرہم ائمہ کے ہیں علم کے دریا تھے اہل حدیث نے مشبہہ کی تہمت کے سبب ترک کیا اور کہا گیا کہ مشبہہ کی تائید میں احادیث وضع کرتے تھے اور جواب دیا گیا کہ انہوں نے مشبہہ کے رد میں کتاب لکھی پھر کیونکر یہ تہمت درست ہو سکتی ہے۔ ۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ تصانیف میں سے کتاب تصحیح الآثار۔ نوادر کتاب المضارینہ۔ المناسک الکبیر۔ الرد علی المشتبہہ ہیں۔ اس فتاویٰ میں بعض مشائخ بلخ سے ہے کہ اس کے اساتذہ بڑے بڑے ہیں وہ کوئی بات بے اصل معتمد نہیں کہتا ہے واللہ اعلم۔ نصیر بن یحییٰ بلخی۔ تلمیذ ابو سلیمان الجوز جانی ۲۶۷ھ میں فوت ہوئے و فتاویٰ میں حوالہ ہے۔ محمد بن الیمان سمرقندی۔ از طبقہ ابی منصور ماتریدی متوفی ۲۶۸ھ ولہ معالم الدین وغیرہ بکار بن قتیبہ قاضی مصری۔ فقہ از یحییٰ بن ہلال و امام زفر۔ حدیث از ابو داؤد الطیالسی و اقرانہ دروی عنہ ابو عوانہ ابن خزیمہ فی صحیحہما و الطہاوی المتوفی ۲۷۰ھ از تصانیف کتاب الشروط و کتاب المحاضر و السجلات اور کتاب الوثائق و العہود۔ محمد بن سلمہ بلخی۔ فقیہ کامل ہیں شداد بن حکیم و جوز جانی سے اور بغداد میں محمد شجاع بلخی سے فقہ پڑھی اور ان سے ابو بکر اسکاف نے حاصل کیا اور ۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ حکایت ہے کہ ابو نصیر محمد بن سلام کو قبل وفات کے وصیت کی اپنی زبان اہل القبۃ کے حق میں روکو۔ بادشاہوں و امیروں کے دروازہ پر مت جاؤ۔ دنیا مت چاہو۔ ورنہ اپنے خالق عزوجل و آخرت کونہ پاؤ گے اور اگر آخرت چاہو تو اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور دنیا بھی مل جائے گی۔ آپ کے استنباطات سے فتاویٰ میں حوالہ ہے۔ محمد بن ازہر خراسانی۔ مرجع فتاویٰ و نوازل تھے ۲۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ سلیمان بن شعیب از اصحاب امام محمد فقیہ ہیں نوادر کو لکھا اور ان سے طحاوی نے روایت کی ۲۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن ابی عمران شیخ الطحاوی فقیہ محدث ہیں فقہ از ابن سماعہ و بشر بن الولید اور حدیث از علی بن عاصم و سعید بن سلیمان و علی بن الجعد و محمد بن اکتشی۔ ابن یونس نے تاریخ میں توثیق کی ۲۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمد یسعی برقی۔ فقہ محدث ہیں فقہ از ابو سلیمان و یحییٰ بن اکثم اور حدیث عن جمع من الائمہ۔ خطیب نے کہا کہ ثقہ حجت تھے۔ ۲۸۰ھ میں فوت ہوئے محمد بن احمد بن موسیٰ فقیہ محدث مرضی ہیں ۲۸۹ھ میں فوت ہوئے عبد العزیز بن عبد العزیز قاضی القضاۃ بغدادی فقیہ ثقہ متقی ہیں فقہ از یسعی بن ابان وغیرہم سے پڑھی اور آپ سے طحاوی و ابو الطاہر و باس وغیرہ نے لیا۔ ۲۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ ومن توالیفہ المحاضر و السجلات و ادب القاضی فی الفرائض محمد بن مقاتل رازی۔ اصحاب امام محمد

میں سے فقیہ محدث تھے حدیث طبقہ و کعب سے سنی و قبل ضعیف فی الحدیث۔ موسیٰ بن نصر رازی از اصحاب محمدؐ کنیت ابو اہل تھی آپ سے ابو سعید بروعی و ابو علی و قاق نے فقہ حاصل کی۔

ہشام بن عبد اللہ رازی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہ میں اور امام مالک کے حدیث میں شاگرد ہیں ابن احسان نے کہا کہ ثقہ میں ابو حاتم نے کہا کہ صدوق میں ولہ کتاب النوادر وغیرہ۔ علی الرازی عالم عارف زاہد ورع ہیں شاگرد حسن بن زیاد ہیں کتاب الصلوٰۃ مشہور تصنیف ہے۔ ہدایہ میں ان کو قلدین میں گنا حالانکہ بعض متاخرین کو اصحاب ترجیح میں شمار کیا گیا ہے فاضل لکھنوی مرحوم نے لکھا کہ لوگوں کی فضیلت زمانہ پر موقوف نہیں بلکہ بحسب قوت و اصابت ہے اس واسطے شمس الدین احمد بن کمال پاشا اور ابو السعد و عمادی باوجود کثرت تاخر کے اصحاب ترجیح سے ہیں۔ قلت قد اشرت الی ماہو الحق عندی فی بحث الاجتہاد فتدبر فیہ۔ ابو علی الدقاق۔ فقیہ زاہد معروف ہیں تفقہ علی موسیٰ بن نصر الرازی و اخذ عنہ ابو سعید البروعی ولہ کتاب احیض۔ احمد بن اسحاق جوزجانی ابو بکر تلمیذ ابوسلیمان الجوزجانی فقیہ معتبر ہیں کتاب الفرق و التمزیز و کتاب التوبہ تالیف کی ہیں۔ المائتہ الرابعہ۔ صدی چہارم۔ محمد بن سلام بلخی ابو نصر۔ فقیہ معاصر ابو حفص کبیر ہیں ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے۔ اس فتاویٰ میں آپ کا ذکر جا بجا آیا ہے۔ محمد بن خزیمہ۔ از مشائخ بلخ صاحب اختیارات فی المذہب ہیں ۳۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن الحسین بروعی۔ فقیہ معروف ہیں تفقہ علی اسماعیل بن حماد و ابی علی الدقاق و اخذ عنہ ابوالحسن الکرخی والد باس و البطری ۳۱۸ھ میں شہید ہوئے۔ مکحول نسفی تلمیذ ابی سلیمان متوفی ۳۱۸ھ ان کی کتاب لولویات و کتاب الشعاع ہے اس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت درج ہے کہ جس نے نماز میں رفع الیدین کیا اس کی نماز فاسد ہے۔ فاضل لکھنوی مرحوم نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ کیونکر ایسے فعل سے نماز فاسد ہوگی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور زعم کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں کچھ ثابت نہیں ہوتا غیر ازینکہ ان کا مذہب عدم الرفع ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے متعصب مجتہد اس دلیل سے کہتے ہیں کہ یہ عمل کثیر ہے اور بحکم اسکنوا فی الصلوٰۃ نماز میں سکون کا حکم ہے اور مجھے خوف ہے کہ شاید کسی رکن و رکوع وغیرہ کو کثیر نہ جلائیں۔ ولہذا یقول الفاضل لکھنوی ای اللہ المشتکی من صنیع ہولاء اور مترجم کہتا ہے:

اللہم اہدہم و وفقہم العمل الآخرة واجعل ہم الدنیا ہونا علیہم ولا تجعلنا من قلت فہیم و یجعل الرجس علی الذین لا یعقلون و یا اہل الاسلام اتقوا اللہ عزوجل و کونوا عباد اللہ اخواناً احمد بن محمد بن علامہ الطحاوی۔ فقیہ معتمد محدث ثقہ جید ہیں اور کثرت اشہار سے حاجت تطویل نہیں ہیں صحیح الحدیث عن والد محمد بن سلامہ و یونس بن عبد الاعلی و ضر بن نصر وغیرہم وردی عنہ الطبرانی و ابو بکر المقری وغیرہم اور آپ سے ابو بکر محمد بن منصور دامعانی نے فقہ حاصل کی۔ وفات آپ کی ۳۲۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی تصانیف کثیرہ مفیدہ معروفہ ہیں جیسے معانی الآثار۔ مشکل الآثار۔ احکام القرآن۔ مختصر الطحاوی۔ شروع جامع کبیر و صغیر۔ کتاب الشروط۔ کتاب السبلات و الوصایا و الفرائض۔ تاریخ کبیر۔ مناقب ابی حنیفہ۔ نوادر و اختلاف الروایات وغیرہا۔ اسحاق بن ابراہیم شاشی۔ شیخ عالم ثقہ ہیں جامع کبیر امام محمد کوزید بن اسامہ عن ابی سلیمان روایت کیا ۳۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن عبد الرحمن سرخستانی کنیت ابو حامد تھی محمد بن زید سے کتب حفص بن عبد الرحمن کو روایت کیا اور ۳۲۶ھ میں فوت ہوئے محمد بن احمد ابو بکر الازہری کاف بلخی فقیہ جلیل ہیں محمد بن سلمہ سے پڑھا اور ان سے فقیہ ابو جعفر نے پڑھا ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے تیس سال سے وفات تک دائم الصوم تھے فتاویٰ میں اکثر حوالہ ہے۔ احمد بن عباس ابو نصر سمرقندی فقیہ جید ہیں ابو بکر احمد بن اسحاق تلمیذ ابوسلیمان سے فقہ پڑھی اور ان سے جماعت کثیرہ نے استفادہ کیا آخر کفار حرب کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ محمد بن محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی۔ مشائخ معروف میں سے معتمد صاحب زہد و کرامات ہیں صحیح عقائد و دلائل الاہوا و الیدعہ میں تصانیف معروف ہیں و فقہ میں بھی ماخذ الشرائع ہے ۳۳۳ھ میں با وضو فوت ہوئے۔

محمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ المعروف بحاکم الشہید فقیہ متبحر حافظ الحدیث ہیں اور ابو عبد اللہ حاکم صاحب مستدرک آپ سے مستفید ہیں کتاب منتهی و کافی و مختصر حاکم آپ سے معروف ہیں کافی میں اصول کتب امام محمد سے چن لیا اور مکررات کو حذف کر دیا اور یہ درحقیقت بہت مشکل کام ہے اور شاید مجموع معانی آگے ہوں واللہ اعلم ۳۳۲ھ میں بر طبق آپ کی دعا کے اہل بغاوت نے آپ کو شہید کر دیا۔ احمد بن عصمہ صفار کئی ابوالقاسم شاگرد نصیر بن یحییٰ تلمیذ ابن سمانہ و استاد ابو حامد احمد بن حسین مروزی ۳۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن سہل ابو حامد السمرقندی متوفی ۳۴۰ھ شاگرد محمد بن الفضل السمرقندی۔

عبد اللہ بن الحسین بن دلال ابوالحسن الکرخی۔ فقیہ امام ثقہ عابد زاہد متورع کثیر الصوم والصلوۃ المتولد ۲۶۰ھ شاگرد ابوسعید بردعی استاد ابوبکر الصائس و ابوعلی الشاشی و ابوالقاسم التنونی و ابو عبد اللہ الدامغانی و ابوالحسن القدوری وغیر ہم ہیں حدیث میں شاگرد اسماعیل بن اسحاق و محمد بن عبد اللہ الحضرمی و استاد ابن شاہین وغیرہ ہیں ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ مختصر کرخی و شرح جامع صغیر و کبیر وغیرہ معروف ہیں۔ عبد اللہ بن محمد بن یعقوب سند موثقی معروف باسناد فقیہ کثیر الحدیث ہیں فقہ کو ابو حفص صغیر اور حدیث کو موسیٰ بن ہارون و مشائخ بلخ سے سنا اور آپ سے ابن مندہ نے بکثرت روایت کی و قبل ضعیف نے الحدیث اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ احمد بن محمد بن عبد الرحمن ابو عمرو الطبری۔ شاگرد ابوسعید البروعی ہیں ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ قاری نے کہا کہ طبقہ ملحاوی میں شمار ہیں شروع جامع صغیر و کبیر آپ سے تالیف ہیں اسحاق بن محمد ابن اسماعیل الحکیم السمرقندی صاحب علم و حکمت الہیہ ہیں سمعانی نے کہا کہ بڑے نیکوکار مشہور تھے فقہ و کلام میں شاگرد ابو منصور ماتریدی اور تصوف میں مرید ابوبکر الوراق ہیں ۳۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ علی بن محمد بن داؤد تنوخی اصحاب کرخی ہیں عارف فنون عدیدہ تھے ۳۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمد بن حامد وطواوکیسی۔ فقیہ زاہد ثقہ عابد پرہیزگار کنیت ابوبکر تھی۔ شاگرد محمد بن نصر مروزی و محمد بن الفضل بلخی ہیں ۳۴۴ھ میں فوت ہوئے۔ فتاویٰ میں حوالہ ہے۔ احمد بن محمد ابوعلی الشاشی یعنی تاشقندی۔ شاگرد ابوالحسن الکرخی ہیں ابو جعفر ہندوانی کے معاصرین خدمت تدریس کو شیخ سے قبول کیا جیسے ابوبکر الدامغانی فتویٰ پر مامور ہوئے ۳۴۴ھ میں فوت ہوئے ابراہیم بن الحسین ابوالحسن العزرمی۔ فقہ محدث ثقہ ہیں ابوسعید عبد الرحمن بن الحسن وغیرہ محدثین سے سماعت کی اور حاکم نے مستدرک میں ان سے روایت کی۔ ۳۴۷ھ میں انتقال فرمایا۔ علی بن الطحاوی باپ کے نظیر فقیہ محدث ہیں۔ ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب الدیالی صاحب سنن وغیرہ سے حدیث کی سماعت و روایت کی ہے ۳۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمد نیشاپوری معروف بقاضی الحرمین فقیہ کامل تھے ۳۵۱ھ میں فوت ہوئے شاگرد ابوالطاہر الدباس و کرخی ہیں مدت تک حریمین کے قاضی رہے محمد بن الحسن المعروف بن الفقیہ شاگرد شیخ کرخی وغیرہ ہیں دین و علم و عمل و اجتهاد و ورع و عبادت میں معروف ہیں ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ حسن بن علی و الطحاوی عالم فقیہ تھے ۳۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن سہل ابو عبد اللہ التاجر۔ امام کبیر ہیں شاگرد ابو العباس احمد بن ہارون متوفی ۳۶۰ھ ہیں۔ محمد بن جعفر بن طرخان اسرآبادی مثل اپنے والد کے فقیہ محدث ثقہ ہیں متوفی ۳۶۰ھ۔ محمد بن احمد بن عباس عیاضی فقیہ سمرقندی تلمیذ ابوسلمہ وغیرہ متوفی ۳۶۱ھ۔ محمد بن ابراہیم النصر پرالمیدانی عارف مذہب ہمعصر شیخ عیاضی ہیں ۳۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن عبد اللہ انخی ابو جعفر ہندوانی۔ شیخ جلیل القدر فقیہ معروف ہیں۔ شاگرد ابوبکر الاعمش تلمیذ ابوبکر الاسکافی وغیرہ و استاد فقیہ ابواللیث وغیرہ ۳۶۲ھ میں فوت ہوئے فتاویٰ میں آپ پر بہت حوالہ ہے۔ حسن السیر فی النحوی۔ علاوہ نحو کے صاحب فنون متعددہ و صاحب فضائل زہد و تقویٰ و خشوع و عفت و حسن خلق وغیرہ ہیں۔ افتیٰ خمیسین ستہ علی مذہب ابی حنیفہ و تولی فضاء بغداد نحو امن اربعین اور اپنے ہاتھ کی مزدوری یعنی کتابت سے کھاتے تھے اور قرآن و تذکرہ زہد و ذکر آخرت پر بے اختیار رو دیتے تھے اور دیر تک غمگین رہتے تھے احادیث کثرت سے روایت کیں آخر ۳۶۸ھ میں وفات پائی۔ احمد بن علی بن الحسین ابوبکر

ابن ابي اسحاق الرازی۔ امام عصر فقیہ محدث زاہد عقیف تھے۔ فقہ ابوہل الزجاج شاگرد کرنی سے اور حدیث ابو حاتم رازی و عثمان داری و ابن اقیل و غیر ہم سے حاصل کی۔ اور ان سے محمد بن یحییٰ جرجانی و محمد بن احمد زعفرانی و ابن سلمہ و محمد بن احمد نسفی و غیرہ فقہائے بغداد نے فقہ اور ابوعلی و حاکم نے حدیث روایت کی۔ من توالیفہ شرح مختصر الکرنی و الطحاوی و الجامع و کتاب احکام القرآن و ادب الفہاء و اصول الفقہ و غیر ہا قبل ہو من اصحاب التخریج و الصواب انہ من المجتہدین فی المسائل۔ ۳۷۰ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن الفضل بن جعفر ابو بکر البخاری۔ امام کبیر معتمد فی الروایۃ کثیر الفتاویٰ۔ اس فتاویٰ میں بہت حوالہ ہے۔ تلمیذ استاد سبذ مونی و استاذ قاضی ابوعلی النسفی و اسماعیل الزاہد و غیر ہم و فی فضلہ حکایات۔ ۳۷۱ھ یا ۳۸۱ھ میں فوت ہوئے۔

نصر بن محمد بن احمد ابو اللیث السمرقندی فقیہ محدث زاہد متورع تھے کتب امام محمد و غیرہ حفظ تھیں۔ شاگرد فقیہ ابو جعفر ہندوانی ہیں۔ من توالیفہ تفسیر ضخیم و نوادر الفقہ و النوازل و خزائن الفقہ و تنبیہ الغافلین احمد بن حسن بن علی ابو حامد المعروف بابن الطبری حافظ الحدیث عالم مفسر زاہد متورع شاگرد ابوالحسن الکرنی ابو القاسم الصفار ہیں اور حدیث میں تلمیذ احمد بن حصیر المرزوی و احمد بن عبد الرحمن المرغری ہیں خطیب نے کہا کہ مجتہدین علماء میں سے آپ کے مثل حافظ متقن حاوی ماثورات نہیں دیکھا گیا۔ ماہ صفر ۳۷۶ھ میں فوت ہوئے تاریخ بدیع تالیف معروف ہے۔ احمد بن کنول النسفی۔ فقیہ محدث عارف مذہب معروف ہیں فقہ اپنے باپ سے اور حدیث ابوہل ہارون بن احمد اسفرائینی اور احمد بن خنلان المقری سے حاصل کی مولد ۳۳۱ھ اور سال وفات ۳۷۹ھ ہے۔ محمد بن محمد بن ہل ابراہیم بن سہل نیشاپوری ابو نصر فقیہ معروف ہیں امام الحرمین نے ان کے لئے مجلس تدریس مقرر کر دی تھی اور ۳۸۹ھ میں فوت ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ عبد الکریم بن محمد بن موسیٰ بخاری شاگرد استاد سبذ مونی افتاء میں سے ہیں اسی پر مدت العمر قائم رہے ۳۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن عمرو بن موسیٰ بخاری معروف بکلیت ابو نصر العراقی۔ فقیہ محدث ہیں حدیث کو ابو نعیم عبد الملک بن محمد بن عدی سے سنا و روایت کیا اور ۳۹۰ھ میں بخارا میں فوت ہوئے۔ عبد الکریم بن موسیٰ بن عیسیٰ بزودی۔ فخر الاسلام علی بزودی کے دادا ہیں شاگرد و امام ابو منصور ماتریدی اور ۳۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن احمد بن محمد المعروف بزعفرانی۔ فقیہ ثقہ تھے شاگرد شیخ ابو بکر الرازی ہیں اس فتاویٰ میں زعفرانی کے نام سے حوالہ ہے اور ہدایہ میں بھی آپ کا ذکر ہے بعض نے کہا کہ زعفران واقع بغداد کی طرف اور بعض نے کہا کہ زعفران فروشی کی طرف نسبت ہے ۳۹۳ھ میں فوت ہوئے۔ حسن بن داؤد سمرقندی۔ ابوعلی شاگرد ابوہل الزجاج تلمیذ کرنی ہیں ۳۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی۔ فقیہ معتمد ہیں ہدایہ میں آپ کو اصحاب التخریج میں شمار کیا۔ کنیت ابو عبد اللہ ہی شاگرد ابو بکر الرازی۔ و استاد ابوالحسن القدوری و احمد بن ناطقی ہیں۔ ۳۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ یوسف بن محمد جرجانی۔ فقیہ جلیل مفتی و قانع نوازل ہیں شاگرد ابوالحسن الکرنی اس فتاویٰ میں آپ کی معروف تالیف بنام خزائن الاکمل سے حوالہ ہے اور یہ کتاب چھ مجلد میں جامع اصول و فتاویٰ ہے اور اسی میں لکھا ہے کہ میری یہ کتاب خزائن الاکمل اصحاب حنیفہ کی بڑی کتابوں کو مانند کافی مؤلف حاکم و ہر دو جامع امام ربانی و زیادات و مجرد و منقحی و مختصر کرنی و شرح طحاوی و عیون المسائل و غیرہ کو حاوی ہے ۳۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ حسین بن علی بصری۔ ابو عبد اللہ فقہاء متکلمین میں سے بحث و مناظرہ کے وسواس میں مبتلا ہو کر آخر معتزلی کے داغ سے موسوم ہوئے اور ۳۹۹ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن محمد بن سفیان الدباس ابو الطاہر۔ شیرہ انگور فروخت کرتے تھے لہذا بس کہلاتے تھے اور دباس دو شاب انگور کو کہتے ہیں شاگرد ابو حازم القاضی تلمیذ عیسیٰ بن ابان ہیں اپنے زمانہ کے فقیہ حنفی صحیح الاعتقاد عارف روایات مذہب اور اہلسنت سے ہیں امام محمد کے جامع صغیر کو مرتب کیا۔ اس فتاویٰ میں ابو طاہر دباس کے نام سے جہاں حوالہ ہے آپ ہی مراد ہیں۔ وقد ذکر عنہ صاحب الشاہ عن القواعد فی ضبط الفروع۔ سعید بن محمد بروعی ابو سعید۔ از اصحاب امام طحاوی محدث فقیہ تھے مسائل میں آپ سے حوالہ مذکور

ہے۔ نصر بن احمد عیاضی مرجع علماء و فضلاء و مفتی و قانع و ازل ہیں شاگرد اپنے باپ کے جو تلمیذ ابو بکر جوز جانی ہیں و استاد ایک جم غفیر کے ہیں۔ علی بن سعید رستغفنی سمرقندی۔ شاگرد امام ماتریدی ہیں کہتے تھے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور آپ کے استاد کہتے کہ مجتہد کو جب حکم صواب حاصل نہ ہو تو وہ اجتہاد میں خطا کر گیا۔ اقوال دونوں استاد و شاگرد ہیں ظاہر لفظی اختلاف ہے کیونکہ دو مجتہدوں میں جب ایک کا اجتہاد دوسرے کے متضاد واقع ہو تو درحقیقت ایک ہی صحیح ہوگا اور ضرور دوسرا خطا ہوا اور اس سے شیخ رستغفنی منکر نہ ہوں گے اور جب مجتہد نے موافق حکم شرع کے اپنی کوشش کو پورا صرف کیا تو جو کچھ اس پر واجب تھا اس نے ادا کیا پس اس کا طریقہ صواب ہے جس پر اللہ تعالیٰ عز و جل نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے پس اس معنی میں مجتہد اگر حکم میں چوک گیا تب بھی راہ صواب سے نہیں چوکا یعنی ثواب کا مستحق ہوا اور اس سے امام ماتریدی بھی منکر نہ ہوں گے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکم تو ایک ہی ہے لیکن مجتہد ہر ایک مصیب ہے اگرچہ اس نے حکم حق کو نہ پایا ہو پس وہ طلب کرنے میں صواب پر ہے۔ اقوال حاکم شرع کے حق میں حدیث میں صواب میں بھی تفاوت آیا ہے۔ چنانچہ اگر حکم میں صواب کو پائے تو دو قیراط اور اگر چوک جائے تو ایک قیراط ہے اور ظاہر اجتہاد کے حق میں بھی ایسا ہی حکم ہوگا فاللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ مرجع الكل۔

احمد بن محمد بن منصور دامغانی۔ فقیہ محدث معروف زاہد ہیں شاگرد امام طحاوی و کرخی و ابو سعید بروعی ہیں۔ کتاب میں جہاں دامغانی مذکور ہے آپ ہی مراد ہیں۔ ابوہل الزجاجی فقیہ جید شاگرد کرخی و مؤلف کتاب ریاض ہیں شیشہ گری کا پیشہ کرتے تھے۔ عتبہ بن خثیمہ بن محمد نیشاپوری۔ قاضی ابوالہثیم بہ ہائے ہوز و یائے تحتیہ و ثائے مثلثہ بروزن و یلم فقیہ مفتی ہیں شاگرد قاضی الحرمین احمد بن محمد نیشاپوری۔ تلمیذ قاضی ابوالطاہر دباس شاگرد و قاضی ابو عازم عبدالحمید رحمہم اللہ تعالیٰ۔ جہاں کتاب میں اس طرح آیا ہے کہ قاضی ابوالہثیم نے تینوں قاضیوں یا قضاة مثلثہ سے ذکر کیا جیسا کہ کتاب القضا میں آیا ہے تو مراد ان کے اساتذہ موصوفین ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالرحمن بن محمد الکاتب شاگرد ابوبکر محمد بن الفضل تلمیذ استاز سید مونی ہیں۔ حافظ اصول مذہب ماہر و قانع و نواز مفتی فقیہ ہیں اور کثرت تبحر سے حکم کا لقب ہے اور اکثر معتبرات میں نام عبدالرحمن مذکور ہے اور بعض کتابوں میں ابو عبدالرحمن کنیت اور محمد نام مذکور ہے چنانچہ اس فتاویٰ میں بھی حاکم ابو عبدالرحمن آیا ہے اور بعض نسخ میں عبدالرحمن کنیت اور محمد نام مذکور ہے چنانچہ اس فتاویٰ میں بھی حاکم ابو عبدالرحمن آیا ہے اور بعض نسخ میں عبدالرحمن ہے واللہ اعلم۔ ابو حفص سفکوری۔ فقیہ معروف ہیں علامہ زندویسی نے آپ سے فقہ حاصل کی عبداللہ بن الفضل فیراخیزی۔ فقہ معروف شاگرد ابوبکر محمد بن الفضل ہیں اور بعض نے نام عبدالرحمن بن الفضل ذکر کیا لیکن سمعانی و سغانی و قاری نے عبداللہ پر اعتماد کیا۔ ابو جعفر بن عبداللہ استروشنی قصبہ استروشنہ نواح سمرقند کے ہیں استروشنہ میں اول بسین مہملہ و دوم منقوط ہے شاگرد ابوبکر محمد بن الفضل و ابوبکر الجصاص ہیں۔ فصول استروشنیہ آپ کی تالیف سے کتاب میں بہت حوالہ ہے اور آپ سے قاضی عبید اللہ ابو زید و بوسی بدال مہملہ و بائے موحده و سین مہملہ صاحب الاسرار نے تفقہ کیا۔ یحییٰ بن علی بن عبداللہ بخاری زندویسی فقہ زاہد متورع ہیں شاگرد ابو حفص سفکوری و محمد بن ابراہیم میدانی و عبداللہ بن الفضل خیزاخیزی ہیں۔ اس کتاب میں زندویسی کے لفظ سے اکثر حوالہ ہے زندویسی کی نسبت سے معروف ہے اور لفظ بزاء منقوط و نون و دال مہملہ دو او و یائے تحتیہ و سین مہملہ ہے اور نظم زندویسی سے مراد آپ کی یہی معروف تالیف ہے اور منجملہ مشہور تالیف کے کتاب روضۃ العلماء ہے۔ محمد بن اسحاق بخاری کلابادی۔ شاگرد شیخ محمد بن الفضل ہیں۔ فقیہ معروف مؤلف کتاب تعرف۔ حسن بن احمد بن مالک زعفرانی۔ فقہ معروف ثقہ کنیت ابو عبداللہ ہے آپ نے جامع صغیر کو مبوب و مرتب کیا اور زیادات کو بھی اور احکام قربانی میں ایک کتاب تالیف کی اور اضاحی زعفرانی سے اس فتاویٰ میں یہی مراد ہے۔ اسماعیل بن حسن بن علی ابو محمد فقیہ زاہد معروف شاگرد محمد بن الفضل التونی رحمۃ اللہ علیہ۔ محمد بن

موسیٰ خوارزمی ابو بکر جامع مسند الامام فقیہ محدث ہیں قاری نے ابن الاثیر کی مختصر غریب الحدیث سے نقل کیا کہ پانچویں صدی کے اوّل میں جو لوگ مجددین امت میں شمار ہیں ان میں سے آپ بھی ہیں کسی کی طرف سے صلہ قبول نہ کرتے تھے اور خطیب نے کہا کہ ہم سے ابو بکر بزقانی نے آپ سے حدیث روایت کی اور اکثر آپ کو نیکی سے یاد کیا کرتے تھے اور کہتے کہ آپ نے اکثر فرمایا ہے کہ ہمارا دین بوڑھی عورتوں کا دین ہے اور اس میں ہم سے کلام کرنا روا نہیں ہے اقول یعنی توحید الہی عزوجل معرفت حق سبحانہ تعالیٰ ہے اور یہ فعل بھی مخلوق الہی ہے تو کسی شخص کو معرفت پیدا کرنے کی قدرت نہیں لہذا ابواسطہ نبوت و رسالت جو ہدایت ہوئی وہ یقین صواب ہے محمد بن عبد الجبار بن احمد سمعانی تسمی مروزی صاحب انساب سمعانی فاضل متورع محدث ثقہ ہیں اور آپ حنفی المذہب تھے پھر آپ کے بیٹے نے شافعی مذہب اختیار کیا اس لئے اولاد شافعی المذہب ہوئی۔ اقول یعنی اولاد میں جو درجہ تمیز نہیں رکھتے تھے وہ سہ الحصول طریق والد پر رہے اور داد کا طریقہ بعید و اس کی تعلیم دشوار سمجھے اور یہ غرض نہیں ہے کہ باپ کا طریقہ لے لینا کوئی اچھی رسم ہے اور جو درجہ تمیز پر تھے ان کو اسی جانب ترجیح نظر آئی جیسے اور علماء شافعیہ گذرے ہیں کیونکہ ان اجتہادی اعمال سے حصول مقصود ثواب ہے تو جب تک بنظر اتباع سنت ہو ہر مجتہد کے اجتہاد میں حق تعالیٰ ثواب عطا فرماتا ہے جیسا کہ اس امت کے فضائل میں معروف ہے۔ پھر یہاں ایک مسئلہ انتقال مذہب کا پیش آئے گا جس کے جواب میں علمائے وقت نے عجیب تعصبات سے عام مشکل عوام پر ڈال دی خواہ اس وجہ سے کہ عوام کی سمجھ سے بڑھ کر معاملہ کیا یا اس وجہ سے کہ اوخوشتن گم سرت کرار ہبری کند اور ابن الہمام نے اس کو رد کر دیا بدلیل ان احادیث کے جن میں اختیاری چند احکام میں سے آسان ڈھونڈھنا آیا ہے۔

پھر واضح ہو کہ فتاویٰ کے باب التعزیر میں نقل کیا کہ اگر کوئی حنفی منتقل ہو کر شافعی ہو جائے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے برخلاف اس کے اگر شافعی حنفی ہو جائے اور یہ تعصب سے خالی نہیں ہے۔ محمد بن احمد بن محمود نسفی۔ فقیہ عارف زاہد و رعیف قانع ہیں شاگرد ابو بکر الرازی ہیں۔ احمد بن محمد بن عمر۔ معروف بابن سلمہ فقیہ معتمد مرجع اہل علم و فضل ہیں۔ فقہ کو ابو بکر الحصاص سے اور حدیث کو اپنے باپ سے سنا۔ دن میں روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کرتے اور ۴۱۵ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ محمد بن احمد کماری۔ فقیہ عارف محدث عدل ہیں شاگرد ابو بکر الرازی ہیں اور حدیث میں تلمیذ بکر بن احمد اور آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل قاضی واسط نے اخذ کیا اور ۴۱۶ھ میں فوت ہوئے۔ ابراہیم بن اسلم شکابی۔ فقیہ محدث ہیں فقہ میں شاگرد شیخ محمد الفضل اور حدیث میں ابو محمد بن عبد اللہ المزنی ہیں۔ حکایت کرتے ہیں کہ جب ہم فارغ التحصیل ہوئے تو اندون فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ بلخ سے آئے تھے ہم کو امام محمد بن الفضل نے ان کے پاس بھیجا اور سمجھا دیا کہ تم ان سے مشکل مسائل کا تذکرہ کرنا تا کہ تم سے مانوس ہوں اور وحدت اختیار کرنے سے جو وحشت ان کو ہے وہ رفع ہو جائے ۴۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ قال المترجم انسان کی کمال فقہ پہلے اپنے نفس کی تہذیب و مجاہدہ و ریاضت اور خلوت و تنہائی سے تکمیل ہے اور بعد ترقی کے پھر عالم کثرت میں فضیلت و ثواب ہے اور علمائے آخرت کا یہی داب بیان کیا گیا ہے اور یہ حکایت اس کے واسطے لطیف اشارت ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ مسعود بن محمد موسیٰ سے خوارزمی ابو القاسم رحمہ اللہ فقیہ معتمد ہیں والد ماجد ان کے شاگرد شیخ حصاص ہیں ان سے فقہ پڑھی اور ۴۲۳ھ ہجری میں فوت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسین بن خضر بن محمد بن یوسف نسفی۔ کنیت ابو علی ہے۔ اور جہاں اس فتاویٰ میں ابو علی نسفی آیا ہے یہی مراد ہیں۔ فقہ محدث ثقہ ہیں بخارا میں ابو بکر محمد بن الفضل اور ابو عمر و محمد بن محمد صابر اور ابو سعید بن خلیل بن احمد سنجری سے اور بغداد میں عبد اللہ بن عبد الرحمن الزہری و علی بن ہمر بن محمد سے اور کوفہ میں محمد بن عبد اللہ بن الحسین البروی سے اور مکہ معظمہ میں احمد بن ابراہیم سے ہمدان میں احمد بن علی بن دلال سے اور میں جعفر بن عبد اللہ بن یعقوب رازی سے اور مروین محمد بن عمرو مروزی سے اور ایسے طبقہ کے فقہاء و محدثین سے علم حاصل کیا اور

آپ سے ایک جم غفیر نے فقہ و حدیث کو حاصل کیا ۳۲۳ھ میں فوت ہوئے احمد بن محمد بن احمد بن جعفر القدوری ابوالحسن کنیت تھی ۳۲۲ھ میں پیدا ہوئے چوتھے طبقہ کے فقہاء میں سے معروف و مستند ہیں سمعانی نے کہا کہ فقہ محدث صدوق ہیں۔ عراق میں ریاست مذہب حنفیہ آپ پر منتہی ہوئی۔ حدیث و فقہ آپ نے ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ جرجانی شاگرد امام دصاص سے پڑھی اور آپ سے خطیب بغدادی اور قاضی القضاة دامغانی نے روایت کی۔ تالیف و تصانیف بہت ہیں از انجملہ قدوری متن معروف ہے۔ شروع مختصر کرنی تجرید و تقریب وغیرہ ہیں ۳۲۸ھ میں فوت ہوئے۔ قال المترجم اسی سال میں رئیس الفلاسفہ ابوعلی بن سینا یعنی حسن بن عبد اللہ بن سینا مصنف شفا و اشارات وغیرہ جو شاگرد احمد بن عبد اللہ زاہد اور اسماعیل زاہد وغیرہ ہے انتقال کیا اس وجہ سے بعض نے اس فلسفی فاضل کو حنفیہ میں سے معدود کیا مگر درحقیقت اکثر اولیاء کو اس شخص کے دین میں کلام ہے واللہ اعلم بالصواب۔ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن جعفر بن محمد المتونی ۳۲۹ھ فقیہ محدث صدوق ہیں۔ خطیب نے لکھا کہ میں نے کچھ علم آپ سے لکھا ہے آپ کے والد بھی جو ۳۱۰ھ میں فوت ہوئے فقیہ محدث صدوق ہیں لیکن فقہ میں محمد بن جریر الطبری کے مذہب پر تھے۔ عبد اللہ بن عمر بن عیسیٰ۔ قاضی ابو زید الدبوسی۔ المتونی ۳۳۰ھ فقیہ معروف ہیں تالیفات میں سے کتاب الاسرار۔ تقویم الادلہ۔ امد الاقصیٰ وغیرہ معروف ہیں۔ اس فتاویٰ میں حوالہ آیا ہے معتمد بن محمد بن مکحول نسفی المتونی ۳۳۰ھ۔ فقیہ محدث ہیں راوی از جد خود و ہارون بن احمد استرآبادی ولد من الغرائب ما ذکر فی بعض المواضع من الغایۃ۔ بشیم بن ابی الہثم القاضی۔ فقیہ محدث شاگرد اپنے باپ کے المتونی ۳۳۱ھ ہیں۔

جعفر بن محمد نسفی شہر نسف یعنی نیشابور میں پیدا ہوئے فقیہ محدث صدوق ہیں۔ شاگرد ابوعلی نسفی وزاہد بن احمد سرخسی و ہارون بن احمد استرآبادی و ابو محمد رازی و محمد بن احمد غنجاوی و ابو الہثم محمد وغیرہم ہیں۔ بیشتر تالیف حدیث میں ہے۔ صاعد بن محمد انیشاپوری۔ فقیہ محدث صدوق ہیں صاعد انیشاپوری سے آپ ہی مراد ہیں شاگرد قاضی ابو الہثم و جماعہ محدثین المتونی ۳۳۲ھ ہجری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ محمد بن منصور بن مخلص نو قدی شاگرد فقیہ ابو جعفر ہندوانی و محدث محمد بن الحسین یزدی ہیں مدت تک سمرقند کے مفتی رہے ۳۳۴ھ میں وہیں فوت ہوئے۔ حسین بن علی بن محمد بن جعفر ضمیری۔۔۔ فقیہ محدث صدوق شاگرد فقیہ ابو نصر محمد بن سہل بن ابراہیم و ابو بکر محمد خورازی و محدث ابوالحسن دارقطنی و محمد بن احمد جرجانی ہیں وقد روی عنہ الخطیب رحمہ اللہ۔ محمد بن احمد بن محمود بن محمد مایرغی نسفی فقیہ محدث ہیں حدیث کو جہاز میں سنا اور مقری محمد بن منصور امام مدینہ سے روایت کی اور آپ سے نجم الدین عمر بن محمد نسفی نے روایت کی جن کا نام نجم الدین نسفی اس فتاویٰ میں بہت آیا ہے۔ محمد بن احمد بن سمائی۔ شیخ فقیہ محدث صدوق ہیں حنفی المذہب و اشعری الاعتقاد ہیں حدیث کو نصر بن احمد بن خلیل و ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی و عبد اللہ بن محمد رازی وغیرہم سے سنا اور آپ سے خطیب بغدادی نے سنا لکھا ہے ۳۳۴ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمد بن عمرو ناطفی۔ عراق کے فقہائے کبار میں سے صاحب فتاویٰ فقیہ محدث ہیں اور اس فتاویٰ میں جہاں ناطفی کے اجناس کا حوالہ ہے آپ کے تالیفات اجناس و فروق و واقعات وغیرہ سے اجناس مراد ہے اور ناطف حلومعروف ہے چونکہ اس کو بنا کر فروخت کرتے اس لئے ناطفی مشہور ہیں فقہ میں عبد اللہ جرجانی کے وحدیث میں ابو حفص بن شاہین وغیرہ محدثین کے شاگرد ہیں۔ عبد اللہ بن حسین ناطفی فقیہ ثقہ جید ہیں شاگرد قاضی ابو الہثم وغیرہ اور خود بعد سلطان محمود سبکتگین قاضی بخارا رہے اور ۳۳۴ھ میں فوت ہوئے۔ محمد اسماعیل محدث لاہوری بخارا کے سادات عظام میں سے امام علوم دین تھے سلطان مسعود غزنوی کے وقت میں لاہور میں آکر ساکن ہوئے سب سے پہلے آپ ہی نے علماء میں سے لاہور کو اپنے قدم سے مشرف کیا اور آپ سے ہزاروں اہل کفر نے شرف اسلام پایا۔ ۳۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔ عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری شمس الائمہ حلوانی۔ بعض نے کہا کہ منسوب بخلواہ ہیں اور بعض نے کہا منسوب بہ قصبہ حلوان۔ فقیہ معتمد محدث ثقہ جید معروف و مشہور ہیں۔ حدیث شریف کی بہت تعظیم



کرتے تھے۔ فقہ میں شاگرد شیخ ابوعلی نسفی۔ اور حدیث میں تلمیذ شیخ ابو شعیب صالح بن محمد بن صالح اور ابوہل احمد بن محمد انماطی و ابو اسحاق رازی وغیرہم جماعت محدثین ہیں اور شرح معانی الآثار طحاوی کو محمد بن عمر بن حمران سے روایت کیا اور آپ ہی سے شمس الائمہ بکر زانجری وان کے والد شمس الائمہ سرحسی و محمد بن الحسین وان کے دو فرزند شیخ الاسلام علی بزودی و صدر الاسلام ابو الیسر محمد بن محمد اور قاضی جمال الدین احمد بن عبد الرحمن ابو النصر وغیرہم نے تفقہ کیا اور حافظ الحدیث عبدالعزیز بن محمد بخشی نے اپنے معجم میں آپ کو اپنے شیوخ میں شمار کیا اور لکھا کہ میں نے آپ سے امالی کو سنا۔ مترجم کہتا ہے کہ اس فتاویٰ میں آپ سے اور آپ کے معروفین شاگردوں سے بہت کچھ مذکور ہے اور مترجم کے نزدیک اصوب یہ ہے کہ آپ بارہا فقہاء تلامذہ کو حلو ا کھلاتے اور ان سے درخواست کرتے کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے فرزند صالح سعید عطا فرمائے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا پس آپ حلوائی معروف ہو گئے۔ آپ کی تالیفات میں سے مبسوط و نواد وغیرہ معروف ہیں۔ ۴۴۸ھ میں قصبہ کش واقع بخارا میں فوت اور محلہ کلاباد بخارا میں مدفون ہوئے۔ عبدالواحد بن علی بن برہان الدین عکبری۔ فقیہ نحوی متکلم لغوی مورخ ادیب تھے ابو القاسم کنیت تھی حنبلی سے حنفی ہو گئے۔ قدوری کے شاگرد ہیں اور حدیث ابن بطہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سے سماعت کی۔ عادت کریمہ یہ تھی کہ کمر بند کی ازار نہیں پہنتے تھے اور سر کو چادر سے نہ ڈھکتے۔ ۴۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔ منسوب بجناب عکبر جو دجلہ پر بغداد سے دس فرسخ مشرق ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ اسی قصبہ سے ابو القاسم عبد اللہ بن حسین عکبری محدث نحوی ادیب حنبلی مولف اعراب القرآن ہیں جو قریب ۴۱۶ھ میں فوت ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ عبدالعزیز بن محمد نسفی حافظ حدیث ثقہ فقیہ جلیل ہیں۔ سلقی نے کہا کہ میں نے مونس ساجی سے آپ کا مرتبہ پوچھا فرمایا کہ مثل ابو بکر الخطیب و محمد بن علی الصوری کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ابن مندہ نے کہا کہ حفظ و اتقان میں یگانہ تھے اور میں نے ایسا دقیق الخط سریع الکتاب و القراۃ نہیں دیکھا۔ مدت تک حافظ جعفر المستغفری سے علم حاصل کیا اور بغداد میں محمد بن محمد بن علان سے بھی استفادہ پایا اور ۴۵۶ھ میں سف میں انتقال فرمایا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اسماعیل بن احمد بن اسحاق بن شیبہ رحمہم اللہ تعالیٰ ابو القاسم الصفار چنانچہ اسی کنیت سے کتاب میں بہت حوالہ ہے۔ فقیہ محدث معروف ہیں زاہد ورع متقی صادق تھے امر حق میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرتے۔ بارہا خاقان کو ملامت فرمائی۔ آخر اس نے آپ کو ۴۱۱ھ میں شہید کر دیا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ مترجم کہتا ہے کہ صحیح حدیث پاک میں ہے کہ جہاں میں افضل جہاد وہ کلمہ حق ہے جو سلطان جائز کو کہا جائے مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابو القاسم الصفار رحمہم اللہ کو یہ افضل جہاد حاصل ہوا انشاء اللہ تعالیٰ پس عمدہ شہید ہوئے۔ علی بن حسین السغدی۔ رکن الاسلام چنانچہ اسی لقب و نام سے کتاب میں بہت حوالہ ہے فقہ میں شاگرد شمس الائمہ سرحسی ہیں اور شرح سیر الکبیر سرحسی کو ان سے روایت کیا۔ حدیث میں ایک جماعت محدثین سے پرہمی وقائع و نوائل میں مفتی جید ہیں۔ شرح جامع کبیر وغیرہ آپ سے یادگار ہیں۔ ایام تحصیل میں بہت تنگی سے بسر کرتے تھے اور دولت علم کو دولت فانیہ دنیاویہ پر مقدم کرتے چنانچہ آپ کا قصہ زہد عبرت کا مطولات میں اس امر کا نمونہ ہے کہ علماء آرت ایسے ہی مردان حق عزوجل ہوتے ہیں علی مخدوم جلابی غزنوی از سادات حسنی اولیا میں معروف ہیں جامع علم ظاہر و باطن عابد زاہد متقی صاحب کرامات ہیں اصحاب ابو القاسم گورگانی و ابو سعید ابو الخیر و ابو القاسم فشری محدث وغیرہم ہیں لاہور میں آکر رہے سفیدت الاولیا وغیرہ کتابوں میں آپ کے مبسوط حالات مندرج ہیں اور آپ کی تالیفات میں سے کشف المحجوب بہت متداول ہے اسی کتاب میں آپ نے لکھا کہ ایک دفعہ ملک شام میں آنحضرت ﷺ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے سرہانے سوتا تھا خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں موجود ہوں ناگاہ حضرت سید عالم سید المرسلین ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے تو میں دیکھتا ہوں کہ آپ ایک پیر مرد کو بچوں کی طرح گود میں لئے ہوئے ہیں میں نے ادب سے سلام کیا اور آپ کے مبارک قدموں کو چوم لیا اور دل میں

خیال کرتا ہوں کہ یہ پیر مرد کون ایسا خوش قسمت ہے کہ جس پر آپ ایسے لطف کو مبذول فرما رہے ہیں آپ نے فوراً مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ یہ ابو حنیفہ مؤمنین اہل سنت کا امام ہے انتہی کلامہ مترجم ۱۵۶۱ھ میں انتقال فرمایا اور لاہور میں اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ جلاب محلہ غزنی کا نام ہے۔ احمد بن محمد سمنانی۔ مثل باپ کے اشعری الاعتقاد اور حنفی المذہب تھے فقہ وہ حدیث میں اپنے والد ماجد کے شاگرد ہیں فقیہ محدث معتمد ہیں خطیب بغدادی نے آپ سے بھی حدیث کو لکھا ہے۔ قاضی ابو عبد اللہ دامغانی کے داماد ہیں ۱۶۶۱ھ میں انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ عقیدہ اشعریہ میں بہت غلو فرماتے تھے اقوال میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ شیخ موصوف کو آیات جینات و احادیث کریمہ میں عقلی اوہام دوڑانا بہت گران تھا اور تاویلات سے روکتے اور جو مسائل متعلق بصفات مقدسہ کو اسباب سے منوط تصور کرنے سے روکتے تھے لہذا ارباب زمانہ نے ان کے احوال کو ایسی عبارت سے تعبیر کیا اور یہ حقیقت عدم توجہ و توفیق بہ مقصود شیخ ہے وقد کان الشیخ فقیہاً محدثاً ثقة صدوقاً حسن الاخلاق رحمہ اللہ تعالیٰ واللہ اعلم بالصواب علی بن عبد اللہ خطیبی۔ فقیہ زاہد عابد قائم اللیل رقیق القلب موقن و کامل تھے اور جحفہ قریب مدینہ منورہ میں ۱۶۷۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کے واسطے قصص فضائل مطولات میں مذکور ہیں اسماعیل بن محمد کماری قاضی ابو علی الواسطی۔ فقیہ محدث المتونی ۱۶۸۱ھ ہے۔ اسعد بن محمد کراچی نیشاپوری جمال الاسلام ابو المظفر۔ فقیہ ادیب عالم فروع و اصول ہیں ۱۶۷۰ھ میں فوت ہوئے۔ شاگرد علاؤ الدین تلمیذ سید الاشراف رحمہ اللہ ہیں فروق کراچی آپ کی تالیف معروف سے اس فتاویٰ میں حوالہ ہے۔ احمد بن محمد ابو نصر الفقیہ معروف باقطع فقیہ محاسب شاگرد ابو الحسن القدوری ہیں تاتاریوں سے جہاد میں آپ کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ اس سے قطع کہلائے ۱۶۷۴ھ میں فوت ہوئے آپ کی شرح قدوری کا بنام شرح القدوری الاقطع اس کتاب میں حوالہ ہے۔

عبد العزیز بن عبدالرزاق مرغینانی المتونی ۱۶۷۱ھ جامع فروع و اصول ہیں اور آپ کے چھ بیٹے سب مفتی تھے چنانچہ ایک گھر سے سات مفتی نکلتے تھے مگر منجملہ فرزند ان موصوفین کے شیخ ابو الحسن علی بن عبدالعزیز مرغینانی اور شمس الاممہ محمود بن عبدالعزیز اوزجندی معروف ہیں۔ محمد بن علی بن محمد بن حسین قاضی القضاة۔ ابو عبد اللہ دامغانی۔ فقیہ معتمد محدث جید ہیں۔ فقہ حسن بن علی صمیری سے اور حدیث اپنے استاد صمیری و محمد بن علی صوری وغیرہ سے پڑھی اور آپ سے سمعانی کے مشائخ عبدالوہاب بن مبارک انماطی و حسین بن حسن مقدس وغیرہم نے روایت کی۔ عقیلی نے کہا کہ مشائخ میں آپ مانند پہاڑ کے مستحکم و بلند تھے۔ تدریس میں مثل شیخ ابواسحاق شیرازی کے لطائف و ظرائف وارد ہوتے کہ نزہت خاطر اہل مجلس ہوتی اور حشمت و مہابت و حسن و تعلیٰ میں امام ابو یوسف سے مشابہت دی جاتی تھی ۱۶۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ اسماعیل بن محمد حاجی فقیہ ثقة حسن الطریقہ تھے ۱۶۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن منصور ابو النصر اسبجانی۔ المتونی ۱۶۸۰ھ آپ کی شرح مختصر الطحاوی سے اس فتاویٰ میں بہت حوالہ ہے بعد وفات سید ابوشجاع کے آپ ہی مرجع انام ہوئے۔ فقہ اپنے ملک کے علمائے اسبجانی واقع سرحد تاتار سے حاصل کی پھر وہاں سے سمرقند میں آ کر بحسن اخلاق و مفتی و مرجع رہے۔ محمد بن اسحاق بن ابراہیم ابو الحسن الباقری از خاندان قضاء و فقہ و حدیث ہیں علم حدیث کو ابو الحسن احمد بن محمد واعظ و ابو علی حسن بن احمد بن شاذان وغیرہم سے حاصل کیا اور ۱۶۸۱ھ میں فوت ہوئے اور آپ کے والد ماجد اسحاق بن ابراہیم المتونی ۱۶۲۹ھ فقیہ فاضل محدث صدوق میں جن سے خطیب نے احادیث لکھی ہیں عبدالکریم بن ابی حنیفہ الذقی فقیہ زاہد متورع محدث ہیں فقہ کو ابو محمد بن احمد حلوانی و ابو الطاہر وغیرہ سے پڑھا اور حدیث بھی انہیں سے پڑھی اور آپ سے عثمان بن علی البیکندی نے روایت کی ہے ۱۶۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ علی بن محمد بن حسین فخر الاسلام البرزدوی ۱۶۰۰ھ میں پیدا ہوئے فقیہ ماہر اصول و فروع مرجع انام مفتی حنفیہ تھے حفظ مذہب میں جزب المثل ہیں۔ تصانیف مفیدہ بہت بارگاہ ہیں جیسے اصول میں متن معتمد مصروف باصول فخر الاسلام بزدوی۔ و

شرح مبسوط گیارہ مجلدات میں وشرح جامعین صغیر وکبیر و تفسیر قرآن وغناء الفقہاء و امالی وغیرہ تالیفات اصول وفروع و تفسیر و حدیث میں ہیں۔ حکایت ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک عالم شافعی المذہب ہر ایک سے مناظرہ کرتا اور اور غالب آتا حتیٰ کہ علماء و فضلاء نے جمع ہو کر آپ سے کہا کہ آپ اس عالم سے مناظرہ فرمائیں ورنہ ہم سب شافعی ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں مرد گوشہ نشین ہوں مجھے مناظرہ سے کچھ کام نہیں۔ ہے آخر ان کے اصرار سے اس عالم کے پاس گئے۔ اس نے مناقب شافعی رحمہ اللہ کو بیان کرنا شروع کیا اور زیادہ زور دیا کہ ہمارے امام نے تین مہینے میں کلام شریف حفظ کر لیا تھا۔ آپ نے ایسی باتوں سے معلوم کیا کہ مرد مجادل ہے اور حقائق فضائل سے خود واقف نہیں ہے فرمایا کہ قرآن مجید تو دین و ایمان ہے اور خود اس کو ایک امیر کے یہاں کا دو سالہ دفتر حساب و کتاب ایک بار سن کر حفظ سنا دیا جس سے وہ سخت شرمندہ ہوا آپ ۴۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ اقول ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ اس حکایت میں اہل الفکر کے لئے علماء آخرت اور علمائے دنیا کے افتراق کے واسطے تمبیہ لطیف ہے، فلیتفکر۔ احمد بن محمد بن صاعد بن محمد استوائی شیخ الاسلام ابو منصور قاضی القضاة فقیہ محدث شاگرد صاعد بن محمد یعنی جد خود و محدث ابو سعید صیرنی وغیرہم اور آپ سے شیخ زاہر و بیہ و عبد الخالق وغیرہم نے روایت کی۔ ۴۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن الحسین بن محمد الحسن البخاری المعروف بنو اہر زادہ شیخ الاسلام ابو بکر فقیہ فاضل تبحر ہیں اس فتاویٰ میں آپ سے بہت کچھ منقول ہے اور اکثر مقام میں امام خواہر زادہ پر اکتفا کیا گیا جس سے آپ ہی مراد ہیں اگرچہ دیگر علماء بھی اس لقب سے معروف ہیں۔ فارسی میں اس کے معنی بہن کا بیٹا۔ چونکہ آپ قاضی ابو ثابت محمد بن احمد بخاری کی ہمشیرہ کے فرزند ہیں اس وقت میں آپ کو تکریم یا الفت سے بایں لقب امتیاز دیا گیا جو مشہور ہو گیا۔ حدیث آپ نے شیخ ابونصر احمد بن علی حازمی اور حاکم ابو عمر محمد بن عبدالعزیز قنطری و ابوسعید بن احمد اصفہانی و ابوالفضل منصور بن عبدالرحیم وغیرہم سے سماعت کی اور بخارا میں متعدد مجالس میں حدیث کو املاء کیا اور آپ سے عثمان بن علی بیکندی و عمر بن محمد نسفی نے روایت کی۔ محدث سمعانی شافعی نے کہا کہ آپ سے ہم کو فقط شیخ عثمان بن علی بیکندی کے واسطے سے حدیث پہنچی ہے۔ تصانیف آپ کی معروف ہیں از انجملہ مختصر و تجنیس و مبسوط خواہر زادہ سے کتاب میں بہت حوالہ ہے ۴۸۳ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن عبداللہ ناسخی نیشاپوری قاضی القضاة ابوالحسن فقیہ محدث ادیب عارف المذہب تھے شاگرد پدر خور و عبداللہ ناسخی تلمیذ قاضی ابوالہشیم عن قاضی الحرمین عن القاضی ابی الطاہر الدباس عن القاضی ابی حازم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور حدیث کو شیخ ابوسعید صیرنی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ ائمہ حدیث سے سنا اور بغداد و خراسان وغیرہ میں اس کو روایت کیا چنانچہ محمد بن عبدالواحد و قاق و عبدالوہاب وغیرہم نے آپ سے روایت کی اور عہد سلطان الپ ارسلان میں نیشاپور کے قاضی رہے۔ اکثر شیخ ابوالعالی بن ابو محمد جوینی شافعی سے مسائل میں کلام کرتے اور شیخ موصوف نے جو دت طبع کی تعریف فرمائی ہے ۴۸۴ھ میں معاودت حج سے خراسان میں انتقال فرمایا۔ علی بن الحسین بن علی نیشاپوری ابوالحسن مؤلف تفسیر نیشاپوری۔ فقیہ مفسر ہیں لباس میں سنت طریقہ بہت ملحوظ تھا۔ علم کو حسین بن علی صمیری سے حاصل کیا۔ نیشاپور میں پہنچ کر زاہد ہو کر سلاطین سے ملاقات ترک کر دی۔ ایک روز ملک شاہ سلجوقی نے کہا کہ آپ نے ہمارے پاس آنا کیوں ترک فرمایا تو کہا کہ اس لئے کہ تو عالموں کی زیارت سے بہتر بادشاہ ہو اور میں بادشاہوں کی زیارت سے بدتر عالم نہ ہوں۔ ۴۸۴ھ میں انتقال فرمایا۔ محمد بن عبد الحمید سمرقندی علاؤ الدین ابو حامد رحمہ اللہ تعالیٰ شاگرد شیخ اشرف علوی ہیں ابتدا میں مناظرات کیا کرتے تھے آخر میں ترک کر کے زاہد عابد ہو گئے آپ سے اصول فقہ میں بذل النظر و اعتقاد میں ہدایہ وغیرہ معروف ہیں۔ مولف فروق کراہیسی شیخ ابوالمنظف جمال الاسلام سعد کراہیسی و شیخ الاسلام نظام الدین عمر بن صاحب الہدایہ آپ کے شاگرد ہیں ۴۸۸ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن احمد بن ابی ہبل السرخسی شمس الائمہ ابو بکر امام علامہ فقیہ محقق معروف ہیں اس فتاویٰ میں آپ سے بہت کچھ منقول

ہے۔ ابن کمال پاشاہ رومی نے آپ کو طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ابتداء میں اپنے والد کے ساتھ بغداد میں بقصد تجارت وارد ہوئے وہاں شیخ شمس الائمہ حلوائی سے یہاں تک علوم حاصل کئے کہ برہان الائمہ عبد العزیز بن عمر بن مازہ شمس الائمہ محمود بن عبد العزیز اوز جندی اور رکن الدین مسعود اور عثمان بن علی بیکندی آپ کے شاگرد ہیں۔ فضل و کمال میں اوصاف سے مستغنی ہیں اور عالم آخرت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بادشاہ کو کلمہ حق کہا جس سے وہ رعوت میں بھرانا خوش ہوا اور آپ کو ایک کنوئیں میں قید کیا چنانچہ اس کنوئیں کے منہ پر شاگرد آپ سے استفادہ حاصل کرتے اور اسی حال میں آپ نے تلامذہ کو مبسوط اپنی زبانی مشروح لکھوائی اقول ظاہر ایہ حاکم کی کافی شرح ہے اور اسی حال میں شرح کتاب العبادات و شرح کتاب الاقرار اپنے نورانی علم سے لکھوائی ہے چنانچہ اس کے آخر میں لکھا ہے کہ ہذا آخر شرح کتاب العبادات باوضح المعانی و اوجز العبادات املاء الحجوس فی مجس الاشرار اور ایک کتاب اصول فقہ و شرح سیر الکبیر املاء فرمائی اور جب کتاب الشروط تک پہنچے تو آپ کو قید سے رہائی ہوئی اور آپ فرغانہ کی طرف چلے گئے وہاں امیر حسن نے بتکریم آپ کو اپنے مکان میں اتارا اور شاگرد بھی وہاں پہنچے تو آپ نے شرح مذکور کو کامل کر دیا۔ علاوہ ان کے مختصر الطحاوی و کتب امام محمد کی بھی شرح لکھیں۔ آپ نے ۵۰۰ھ ہجری کے دسویں عشرہ میں انتقال فرمایا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ و اسعۃ۔ روایت ہے کہ جب ظالم نے آپ کو قید کر کے اوز جند کی طرف روانہ کیا تو جہاں راستہ میں نماز کا وقت آتا تھا خود بخود آپ کے بند کھل جاتے اور آپ تیم یا وضو سے اذان کہی کر تکبیر کے ساتھ نماز پڑھتے اور سپاہی دیکھتے کہ ایک جماعت سبز پوش آپ کے پیچھے مقتدی ہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو سپاہوں سے فرماتے کہ آؤ میرے ہاتھ باندھو۔ سپاہی متحیر ہو کر عرض کرتے کہ اے خواجہ! ہم حضور سے ایسی گستاخی اب کیونکر کر سکتے ہیں فرماتے کہ میں حکم الہی عزوجل کا مامور بندہ ہوں جہاں تک ممکن ہے اس کا حکم بجالایا کہ قیامت کو جتلا نہ ہوں اور تم لوگ اس ظالم کے تابعدار رہو جہاں تک کر سکو کرو تا کہ اس کے ظلم سے بچو۔ نقل ہے کہ جب اوز جند میں پہنچے تو ایک مسجد میں اذان سن کر داخل ہوئے۔ امام نے اقامت کے بعد آستین میں ہاتھ اندر کئے ہوئے تکبیر کہی آپ نے انکار کیا تو اس نے کہا کہ تکبیر میں کچھ خلل ہے فرمایا کہ اندر ہاتھ رکھ کر تکبیر کہنا عورتوں کی سنت ہے پس مردوں کی طرح سنت کا اقتداء چاہتا ہوں کہ آستین سے ہاتھ نکال کر تکبیر کہتے ہیں لوگوں نے پہچان لیا کہ امام سرخسی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ و اسعۃ تامتہ کاملتہ بفضلہ سبحانہ تعالیٰ۔

احمد بن عبد الرحمن قاضی جمال الدین ابوالنصر ریغدمونی شاگرد والد خود و قاضی ابوزید و بوسنی و احمد بن عبد اللہ خیز انیزی ہیں و اخذ عنہ ابنہ محمد بن احمد و حفدہ حامد بن محمد و توفی ۴۹۴ھ۔ محمد بن محمد بن الحسین بزدوی۔ صدر الاسلام ابوالیسر جامع اصول و فروع صاحب تالیفات ہیں شاگرد اسماعیل بن عبد الصادق عن عبد الکریم عن ابی منصور الماتریدی عن الجوز جانی و استاد نجم الدین نسفی و علاؤ الدین محمد بن احمد سمرقندی مؤلف تحفۃ الفقہا ۴۹۳ھ میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ محمد بن عبد الحمید بن عبد الرحیم معروف بہ خواہر زاد و فقیہ محدث ہیں مروی اس وقت حنفیہ میں آپ سے زیادہ کوئی حدیث و اس کی کتابت میں متون غل نہ تھا۔ ۴۹۴ھ میں فوت ہوئے۔ یحییٰ بن عبد اللہ ناصحی۔ قاضی القضاة ابو صالح فقیہ متبحر عارف مذہب شاگرد پدر خود المتونی ۴۹۵ھ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ علی بن محمد سمنانی۔ فقیہ ابو القاسم تلمیذ قاضی القضاة محمد بن اداغانی کبیر و اصول و کلام میں شاگرد محمد بن احمد بن الولید رحمہم اللہ تعالیٰ المتونی ۴۹۹ھ یا ۹۳ یا ۷۸ ہیں۔ ولہ رضیہ القضاء فی ادب القضاء و فی الفقہ و التاریخ۔ احمد بن علی ترمذی شیخ ابوبکر الوراق۔ فقیہ صاحب بصیرت و ماہر علوم صفات قلب ہیں چنانچہ حج کی منزل سے یہ کہہ کر واپس ہوئے کہ ایک منزل میں مجھ سے سو سات گناہ کبیرہ سرزد ہوئے آپ کی تالیف شرح مختصر الطحاوی معروف ہے اور کتاب میں ذکر ہوا ہے۔ وراق وہ شخص جو قرآن مجید و احادیث وغیرہ کی کتابت بہت کرتا ہوا ظاہر کتابوں کے لکھنے میں مشہور ہوں۔ محمد بن جعفر بن محمد بن معمر بن محمد بن مستنصر نسفی فقیہ محدث ہیں۔ عبد العزیز بن محمد نخشی یعنی نسفی نے معجم

شیوخ میں آپ کا ذکر کیا اور لکھا کہ آپ نے شیخ یعقوب بن اسحاق اسلامی و عبد الملک بن مروان بن ابراہیم وغیرہ سے حدیث حاصل کی۔ محمد بن احمد بن حمزہ سمرقندی از سادات حسنی معروف بسید ابوشجاع فقیہ معتمد ہیں رکن الاسلام علی السعدی و حسن ماتریدی کے ہم عصر ہیں جس فتویٰ پر اس زمانہ میں ان تینوں کے دستخط ہوتے وہ بہت معتمد ہوتا تھا۔ اس فتاویٰ میں آپ سے صریح اقوال بنام معروف منقول ہیں۔ ہبۃ اللہ بن احمد بن یحییٰ بعلبکی فقیہ عالم شاگرد قاضی ابو جعفر محمد بن احمد عراقی۔ ولہ کتاب فی اختلافات الامام و صاحبہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ میمون بن محمد بن مکحولی نسفی۔ ابوالمعتز فقیہ معروف ہیں جن سے علاء الدین ابو بکر محمد سمرقندی مؤلف تحفۃ الفقہاء نے فقہ حاصل کی آپ کی تالیفات میں سے تبصرہ و تمہید قواعد التوحید و مناقب و شرح جامع کبیر وغیرہ ہیں۔ علی بن بنداء یزوی قاضی القضاۃ شاگرد قاضی ابو جعفر تلمیذ حصاص رازی ہیں جامع صغیر کی شرح لکھی جس سے تہذیب شرح جامع صغیر والے نے بہت کچھ نقل کیا۔ اور وہ آپ کا پوتا ہے۔ علی بن محمد واسطی فقیہ معروف تلمیذ ابو عبد اللہ بصری شاگرد کرخی ہیں و استاد حسین بن علی صمیری رحمہ اللہ۔ اسحاق بن شیبث امام صفار اسی لقب سے کتاب میں جا بجا حوالہ ہے فقیہ ثقہ ہیں برتنوں کی تجارت سے سفار کہلاتے تھے حدیث کو نصر بن احمد بن اسماعیل کیسانی سے سماعت و روایت کیا۔ اسماعیل بن عبد الصادق فقیہ معتمد ہیں شاگرد عبد الکریم بن موسیٰ سے بزوی جد فخر الاسلام استاد ابو الیسر صدر الاسلام جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔ احمد بن اسحاق الصفار و شیخ ابونصر جہان ابونصر الصفار مذکور ہے آپ ہی مراد ہیں بخارا سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں رہے اور وہاں آپ سے علم شائع ہوا۔ حافظ حدیث و فقہ ہیں۔ حاکم سے تاریخ نیشاپور میں لکھا۔ کہ آپ حج کے ارادے سے ہماری طرف آئے اور حدیث کو ہر علم میں سے تلاش کیا اور مکہ معظمہ میں ساکن رہے۔ اور طائف میں فوت ہوئے۔

محمد بن علی بن الفضل زرنجری۔ شاگرد شیخ شمس الائمہ حلوانی ہیں جن کے حق میں استاد نے بسبب خدمت والدہ کے استاد کی زیارت نہ کرنے کے بددعا فرمائی کہ درس میں رونق نہ ہو چنانچہ سوائے آپ کے بیٹے بکر زرنجری کے کسی نے آپ سے علم نہیں پایا۔ زرنجری زریگر قصبہ بخارا ہے۔ محمد بن محمد بن احمد بن یوسف شرف الروساء خوارزمی۔ امام ثقہ و حدیث و ادب ہیں استاد برہان کبیر عبد العزیز بن عمر بن مادہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ شیخ عطاء بن حمزہ۔ سفدی شمس الاسلام یا شمس الائمہ امام فروع و اصول عارف مذہب ہیں کتاب میں حوالہ آیا ہے مفتی معروف استاد شیخ نجم الدین نسفی ہیں چھٹی صدی کے فقہاء و علماء۔ ابراہیم بن محمد بن اسحاق دہستانی۔ مضافات ماژندران کے رہنے والے تھے۔ شاگرد صدیقی تلمیذ صمیری سے فقہ حاصل کی اور آپ سے عبد الملک بن ابراہیم ہمدانی مؤلف طبقات حنفیہ و شافعیہ نے پڑھا۔ ۵۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ علی بن عبد العزیز بن عبد الرزاق۔ امام ظہیر الدین مرغینانی ساکن مرغینان ہیں۔ بعض نے لکھا کہ صاحب خلاصہ کے نانا ہیں اور بعض نے کہا کہ ماموں ہیں۔ شاگرد والد خود عبد العزیز و برہان کبیر عبد العزیز و سید ابوشجاع وغیرہم۔ آپ سے آپ کے بیٹے حسن بن علی و احمد بن عبد الرشید والد صاحب خلاصہ وغیرہ نے فقہ حاصل کی اور ۵۰۶ھ میں فوت ہوئے۔ کتاب میں آپ سے حوالہ آیا ہے اور بعض مورخین نے لکھا کہ فتاویٰ ظہیریہ آپ ہی کی تصنیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ فتاویٰ ظہیری کی مؤلف شیخ ظہیر الدین محمد بن احمد بن عمر بخاری ہیں۔ محمد بن محمد بن ابوب قطنانی مضافات سمرقند کے ہیں۔ شیخ جلیل واعظ مفسر ہیں ۵۰۶ھ میں نماز جمعہ سے واپسی پر گھوڑے سے گر کر فوت ہوئے۔ عثمان فضلی بن ابراہیم بن محمد از اولاد ابو بکر محمد بن الفضل ہیں عالم صالح فقیہ محدث ہیں حدیث میں اکتار کیا ۵۰۸ھ میں فوت ہوئے۔ فتاویٰ فضلی سے آپ ہی کا اشارہ ہے اور بعض نے زعم کیا کہ امام ابو بکر الفضل کے فتاویٰ ہیں۔ والا صوب ہوا اول۔ محمد بن الحسین ارسابندی فخر الدین ابو بکر ملقب بفتح القضاۃ فقیہ محدث حسن الاخلاق متواضع تھے۔ فقہ و حدیث میں شاگرد علاء الدین مروزی ہیں۔ سمعانی نے کہا کہ شہر مرو میں عبد الرحمن بن محمد کرمانی نیا آپ سے حدیث کی روایت فرمائی ہے کیونکہ میری صغریٰ میں آپ نے ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی تالیف میں تقویم الاولیٰ مختصر

لطیف ہے۔ بکر محمد بن بن محمد بن علی زرنجری شاگرد شمس الائمہ حلوانی در فقہ و حدیث اور نیز حدیث کو ابو اہل احمد بن علی ابیوروی و حافظ ابو حفص عمر بن منصور و یوسف بن منصور و ابراہیم بن علی طبری و حافظ احمد بن محمد بجلی و میمون بن علی و محمد بن عبدالعزیز قنطری وغیرہم محدثین سے روایت کی۔ بالجملہ فقہ و حدیث میں حافظ متقن ضرب المثل لقب بہ شمس الائمہ و ابو حنیفہ الاصفہانی ہوئے۔ وقائع و نوازل میں معتمد مفتی تھے علم حساب و تواریخ سے بھی ماہر تھے بلخ میں ابو جعفر احمد بن محمد بن احمد نے اور سرخس میں محمد بن یعقوب کاشانی اور سمرقند میں محمد بن علی اور بخارا میں عبدالکلیم بن محمد نے آپ سے روایت حدیث کی۔ ۵۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن طاہر بن عبدالرحمن سفدی سمرقندی۔ فقیہ۔ جید شاگرد صدر الاسلام ابوالیسر ہیں۔ المتوفی ۵۱۵ھ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ خلف بن احمد ابوالقاسم شاگرد عبدالعزیز بلخی فقہائے عراق میں سے ہیں ۵۱۵ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمد بن الفضل خیزاخیزی۔ فقیہ ابوالنصر امام جامع بخارا شاگرد والد خود شیخ محمد بن الفضل تلمیذ سہد مونی کذا قبل و روی عنہ محمد بن ابوالنصر و توفی ۵۱۸ھ۔ محمد بن احمد بن عبدالرحمن ریغد مونی۔ المتوفی ۵۱۸ھ فقیہ محدث متدین متودع صاحب سکون و وقار ہیں فقہ و حدیث میں اپنے والد و جد امجد و سلمان بن ابراہیم بن احمد سرخسی کے شاگرد ہیں۔ محمد بن عبداللہ بن فاعل مجد الائمہ سرخسی۔ مرجع علماء حاجت طریقہ حسنہ تھے شاگرد علماء سمرقند و بخارا اور حدیث میں تلمیذ ابوالمولی محمد بن محمد بن زید ہیں اور آپ سے ایک جماعت کثیر نے روایت کی اور ضیاء الدین محمود بندنجی نے فقہ پڑھی۔ ۵۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ مسعود بن حسین بن حسن بن محمد بن ابراہیم کاشانی۔ ابوالمعالی رکن الدین فقیہ محدث بے نظیر ہیں فقہ میں شاگرد شمس الائمہ سرخسی اور حدیث میں شاگرد ابوالقاسم عبید اللہ بن عمر خطیب کاشانی و ابوالنصر محمد بن الحسین کاشانی ہیں۔ آپ سے امام صدر شہید حسام الدین نے روایت کی۔ ۵۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ مختصر مسعودی آپ کی تالیف معروف ہے۔

عبدالملک بن ابراہیم فقیہ شاگرد ابراہیم بن محمد ہستانی۔ متوفی ۵۲۱ھ۔ حسین بن محمد بن خسرو بلخی۔ حافظ حدیث جامع علوم شرعیہ مولف مستدابی حنیفہ مع تخریج متوفی ۵۲۳ھ۔ عبدالعزیز بن عثمان از اولاد محمد بن الفضل معروف بہ فضلی فقیہ جید عارف مذہب قاضی بخارا جن کی حسن سیرت معاملہ قضاء میں معروف ہے متوفی ۵۳۳ھ۔ عبدالعزیز بن عثمان نسفی فقیہ محدث شاگرد برہان الدین کبیر ہیں صاحب تالیفات حسنہ متوفی ۵۳۳ھ۔ محمد بن ہدیت اللہ جلی قاضی حلب فقیہ زاہد متوفی ۵۳۴ھ۔ ابراہیم بن احمد بن اسحاق بن شیبث المعروف بزہد صفار۔ رکن الاسلام ابواسحاق فقیہ متورع زاہد ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد و فاضل علماء حنفیہ میں سے گذرے ہیں۔ آپ امام وقت عالم عامل ہیں راہ حق میں کسی کی ملامت سے خوف نہ کرتے تھے۔ آپ کو سلطان سنجرین ملک شاہ سلجوقی نے لا کر شہر مرو میں بسایا۔ آپ نے فقہ اپنے والد ماجد سے پڑھی اور آثار الطحاوی کو سنا اور سیر کبیر کو ابو حفص سے سنا اور حدیث اپنے والد ماجد اور عمر بن منصور اور عبدالملک بن عبدالرحمن وغیرہم سے سنی اور صفر یعنی کانہ کے برتن بیچنے سے صفار کہلاتے تھے۔ کتاب تخلص الزہد و کتاب السنہ و الجماعت وغیرہ تصنیف فرمائی۔ حسن بن منصور قاضی خان وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ ۵۳۴ھ میں بخارا میں فوت ہوئے۔ اور حماد بن ابراہیم الصفار آپ کے بیٹے عالم محدث جید ہیں باپ کے علاوہ اسماعیل بن احمد بن الحسین البہیقی وغیرہم سے حدیث پڑھی اور سمعانی رحمہ اللہ نے لکھا کہ میری بخارا میں آپ سے ملاقات ہوئی مگر کچھ سماعت نہیں کی ہے۔ علی بن محمد بن اسماعیل بن علی بن احمد سمرقندی اسپجانی۔ ۴۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اس فتاویٰ میں آپ سے بہت حوالہ ہے۔ فقیہ عالم معرفت و حفظ مذہب میں امام وقت تھے۔ علی بن ابی بکر صاحب ہدایہ وغیرہ نے آپ سے فقہ پڑھی۔ مختصر طحاوی و مبسوط وغیرہ کے شروح آپ سے معروف ہیں ۵۳۵ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن محمد بن الحسین۔ منہاج شریعہ امام وقت ہیں صاحب ہدایہ نے کہا کہ میں نے کثرت علم و فضل و برکت میں آپ کا مثل نہیں دیکھا۔ ۵۳۵ھ میں فوت ہوئے۔ عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ۔ ابو محمد حسام الدین صدر الشہید فتاویٰ میں صدر

الشہید وحسام الدین والصدر الحسام وغیرہ سے آپ کا ذکر خیر ہے۔ فقیہ محدث امام معتمد ہیں شاگرد برہان کبیر عبدالعزیز یعنی والد خود اور باہیت و تمکین تھے صاحب محیط و صاحب ہدایہ وغیرہ نے آپ سے علم پڑھا۔ تالیفات کثیرہ رکھتے ہیں از انجملہ فتاویٰ کبرے و صغریٰ و شرح ادب القاضی للخصاف شرح جامع صغیر۔ واقعات و شرح منقحی وغیرہ ۵۳۶ھ میں ایک کافر کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ عبدالجید قیسی ہروی۔ شاگرد فخر الاسلام بزدوی وغیرہ وقاضی بادروم التونسی ۵۳۷ھ۔ عبدالغافر فقیہ محدث جید مولف کتاب مجمع الغرائب فی غریب الحدیث التونسی ۵۳۷ھ۔ عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل نسفی معروف بمفتی الثقلین۔ یعنی مشہور ہے کہ آپ سے جن و انس دونوں فتویٰ لیتے تھے۔ ابو حفص کنیت و نجم الدین لقب تھا۔ اس فتاویٰ میں بہت حوالہ ہے۔ فقیہ محدث جید۔ نحوی ادیب لغوی حافظ ہیں شاگرد صدر الاسلام ابوالیسر وغیرہ و ایک جماعت کثیر جن کو خود ایک جلد میں جمع کیا ہے اور آپ سے آپ کے بیٹے مجد نسفی ابواللیث احمد بن عمر نے پڑھا اور صاحب ہدایہ و ابوبکر احمد بلخی معروف بہ ظہیر نے آپ سے بعض آپ کی تصانیف کو پڑھا اور عمر بن محمد عقیلی نے آپ سے روایت کی۔ تصانیف کثیرہ رکھتے ہیں از انجملہ التیسر۔ النجیح فی شرح الصحاح شرح بخاری شریف جس کے خطبہ میں اپنی اسناد کو مصنف تک پیچاس طرق سے بیان کیا ہے۔ منظومۃ الفقہ۔ المواقیہ طلبۃ الطلب شرح الفاظ کتب حنفیہ۔ نظم جامع صغیر وغیرہ ۵۳۷ھ میں فوت ہوئے اور متن معروف کنز الدقائق آپ کی تصنیف نہیں بلکہ حافظ الدین نسفی رحمہ اللہ کی ہے۔ واضح ہو کہ اہل عرب جب کسی سے ملاقات کرنا نہیں چاہتے تھے تو کہہ دیتے ہیں انصرف یعنی پھر جا اور واپس جا اور اصطلاح نحو میں منصرف وہ لفظ جس پر کسرہ و تنوین ثبقل اعرابی منع نہ ہو اور غیر منصرف وہ کہ جس پر کسرہ و تنوین نہ آئے لیکن جب وہ نکرہ کر دیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے اور اس کو منکر کہتے ہیں اور محاورہ میں جس شخص کی شناخت و معرفت سے انکار کیا جائے وہ منکر ہے۔ اب ایک لطیفہ سنئے کہ ہمارے شیخ نجم الدین رحمہ اللہ جب مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں علامہ ازختری مجاور گوشہ نشین تھے ان سے ملاقات کو گئے اور دروازہ بجایا انھوں نے پوچھا کون ہے؟ کہا کہ عمر۔ جواب دیا کہ انصرف یعنی میں نہیں ملوں گا تم لوٹ جاؤ۔ شیخ نے اس کو نحوی لطیفہ میں ملایا کہ عمر منجملہ الفاظ کے ہے کہ جو غیر منصرف ہوتے ہیں اور ازختری کے جواب میں کہا کہ یا شیخ عمر منصرف نہیں ہوتا ہے علامہ نے فوراً جواب دیا کہ اذا نکر صرف جب منکر کیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے یعنی جب اس کی شناخت سے مالک مکان انکار کرے تو واپس ہو جائے اور لطیفہ یہ کہ لفظ عمر جب تک معرفہ ہو غیر منصرف ہے اور اگر کسی نکرہ چیز کا نام رکھا جائے تو منصرف ہو جائے گا۔

فافہم محمود بن عمر زختری ابوالقاسم ملقب فخر خوارزم اور بسبب جاورت مکہ کے ملقب بجاہار اللہ۔ مرد معتزلی لغوی ادیب نحوی بلوغ ہیں تفسیر کشاف دقاق و اساس و ربیع و مفصل و مقامات وغیرہ تصانیف کثیرہ رکھتے ہیں اعتقاد میں معتزلی اور فروع میں حنفی تھے۔ تفسیر میں نحو و بلاغت و بیان کے سوائے علم تفسیر سے غافل ہیں اس سبب سے کہ کلام الہی سبحانہ کے معانی بزبان پاک حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ و تابعین حاصل ہوئے اور علامہ کو بسبب بیماری اعتزال کے حدیث میں غفلت ہے اکثر موضوع احادیث سے استدلال کیا اور سور تعبیر و طعن باکا بر سے کام لیا اسی لئے بعض ائمہ علماء نے اس کتاب پر نظر کرنا حرام لکھا۔ مترجم کہتا ہے کہ بیشک بعض مقامات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی طعن نکلتا ہے اگرچہ مولف کا مقصود نہ ہو لیکن مرویات تابعین و صحابہ میں سے بہت کچھ لکھتا ہے اگرچہ ان کی تحقیق نہیں جانتا اور صحیح و ضعیف و موضوع میں فرق نہیں کر سکتا اس واسطے بہت خوفناک چیز ہو گئی اور میرے نزدیک جن لوگوں نے اس کو مرویات سے غافل کہا تو شاید یہی غفلت مراد ہوگی ورنہ کثرت سے اقوال کو معلق لایا ہے اور ایسی غفلت بغیر معرفت علم حدیث و آثار کے اور بغیر طریقہ سنت کے ممکن الزوال نہیں ہے چنانچہ بیضاوی رحمہ اللہ نے بھی جا بجا اسی کی تبعیت میں غلطی اٹھائی ہے چنانچہ مرد متدین عارف بصیر غیر متعصب کو دونوں تفاسیر اور تفسیر محدث محقق حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ دیکھنے

سے صاف معلوم ہو جاتا ہے اور صاحب سراج المیر نے جا بجا نقل موضوعات پر طعن کیا ہے علی بن عراق بن محمد خوارزمی ابوالحسن فقیہ معروف مؤلف تفسیر خوارزمی متوفی ۵۳۵ھ۔ عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق والواجی۔ ابوالفتح ۲۶ھ شہر ولوانج واقع بدخشاں میں پیدا ہوئے اور شیخ ابوبکر القزازی علی بن حسن برہان بلخی سے فقہ پڑھی اور ۵۴۰ھ میں فوت ہوئے فقیہ محقق معتمد مولف فتاویٰ ولوالجیہ ہیں۔ کتاب میں اس فتاویٰ سے بہت کچھ منقول ہے۔ محمد بن یوسف بن احمد قسطنطینی نیشاپوری۔ شاگرد ابوالفضل کرمانی فقیہ المتوفی ۵۴۰ھ۔ احمد بن صدر الاسلام بزودی ابوالمعالی صدر الائمہ فقیہ مفتی المتوفی ۵۴۲ھ۔ بزودہ قلندر ہے۔ طاہر بن احمد بن عبدالرشید بن الحسن بن بخاری۔ فقیہ مجتہد نے المسائل بقول ابن کمال پاشاہ علامہ فرید شاگرد اپنے والد اپنے ماموں ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی وحماد بن صفار وقاضی خان کے ہیں۔ ۵۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ خلاصۃ الفتاویٰ وخرائتہ الواو افعات و انصاب معروف و مشہور ہیں۔ اس فتاویٰ میں آپ کی تصانیف سے بہت حوالہ ہے مطلق واقعات سے یہی کتاب مراد ہے بخلاف واقعات ناطقی وواقعات حسامیہ کے۔ حسن بن علی بن عبدالعزیز مرغینانی۔ ظہر الدین کبیر فرغانہ کے قصبہ مرغینان کے رہنے والے تھے۔ فقیہ محدث معروف و مشہور ہیں شاگرد برہان الدین کبیر وشمس الائمہ ازوجندی وزکی الدین خطیب مسعود بن حسن کاشانی تلمیذ سرحسی۔ و استاد ظاہر صاحب خلاصہ و ظہر الدین محمد بن احمد صاحب فتاویٰ ظہیریہ وقاضی خان اوزجندی وغیرہم المتوفی ۵۴۲ھ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ آپ کے اقوال حنفیہ کا بہت حوالہ مذکور ہے۔ عبدالرحمن بن محمد کرمانی۔ ابوالفضل رکن الدین و رکن الاسلام شاگرد فخر القضاة محمد بن حسین ارسابندی و استاد عبدالغفور بن لقمان کروری و محمد بن یوسف سمرقندی و عمر بن عبدالکریم بخاری وغیرہم۔ مؤلف تجرید مع شرح مسے بايضاح و شرح جامع کبیر و فتاویٰ و اشارات وغیرہ۔ المتوفی ۵۴۳ھ۔ شیخ عبدالغفور بن لقمان نے اسناد کے تجرید کی شرح بسیط مسمی بالمفید والمزید لکھی ہے جس سے حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔ محمد بن محمد بن محمد شیخ رضی الدین سرحسی معروف بہ امام سرحسی تلمیذ صدر الشہید رحمہ اللہ مؤلف محیط دس مجلد و محیط چار مجلد و محیط دو مجلد اور ہر سہ کا مجموعہ محیط رضوی و محیط سرحسی کہلاتا ہے جس سے اس فتاویٰ میں بہت حوالہ ہے المتوفی ۵۴۴ھ ہجری۔ محمد بن عبدالرحمن بخاری علاؤ الدین زاہد استاد صاحب ہدایہ و عمر بن محمد عقیلی و شاگرد احمد بن عبدالرحمن ریغد مونی المتوفی ۵۴۶ھ۔ علی بن حسن بن محمد بلخی ابوالحسن برہان بلخی شاگرد برہان الدین کبیر عبدالعزیز و استاد عبدالرشید ولوالجی و محمد بن یوسف عقیلی و بدر ایض وغیرہم المتوفی ۵۴۸ھ۔

احمد بن عمر بن احمد نسفی ابواللیث مجد النسفی شاگرد والد خود محدث جید و آپ سے سمعانی نے صرف ملاقات پائی۔ ۵۵۱ھ میں مکرر حج کے راستہ میں قطاع الطریق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ عثمان بن علی بن محمد بیکندی بخاری۔ ابو عمر و فقیہ محدث متورع عابد زاہد شاگرد امام ابوبکر محمد بن ابی سہل سرحسی و استاد صاحب ہدایہ وغیرہم ۵۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ بیکند قریب بخارا کے ایسا شہر تھا جس میں تین ہزار مکان فقط فقرا کے تھے سمعانی نے کہا کہ میں نے ان کے آثار خود دیکھے ہیں یعنی بعد ویران ہو جانے کے یہ نشان ظاہر تھے۔ محمد بن مسعود بن الحسن کاشانی۔ شیخ ابوالفتح فقیہ متجرب ہیں شاگرد اپنے والد مسعود مؤلف مختصر مسعودی و ابوالقاسم علی بن کلابادی وغیرہ۔ عہدہ قضاء پر جید نہیں تھے ۵۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ صاعد بن محمد بن عبدالرحمن بخاری اصفہانی ابوالعلاء ابن الراسندی فقیہ محدث شاگرد علی بن عبداللہ خطیبی المتوفی ۵۵۲ھ۔ احمد بن علی بن عبدالعزیز بلخی۔ ابوبکر ظہیر بلخی۔ شاگرد نجم الدین نسفی و مرغینانی و اسبجانی وغیرہم مؤلف شرح جامع صغیر المتوفی ۵۵۳ھ۔ عبدالرحمن بن محمد بن عبداللہ نیشاپوری خرتی شاگرد و جمال الدین ابوالنصر ریغد مونی المتوفی ۵۵۳ھ۔ بدت اللہ بن محمد بن بدت اللہ عقیلی فقیہ فاضل اور مؤلف تاریخ طب کمال الدین عمر بن احمد کے دادا ہیں المتوفی ۵۵۴ھ۔ محمد بن ابی بکر صایونی بزودی۔ ابوالظاہر شاگرد ابراہیم الصفار و احمد بن عبدالرحمن و ابوالیسر بزودی اور بخارا میں آپ سے سمعانی شافعی نے



حدیث لکھی المتونی ۵۵۵ھ۔ محمد بن نصر بن منصور مدنی شاگرد صدر الاسلام بزوی و فخر الاسلام بزوی اور سمعانی نے کہا کہ میں نے آپ سے ابو العباس مستغفری کے دلائل البدوہ کو سنا ہے۔ المتونی ۵۵۵ھ۔ محمد بن یوسف حسینی ابوالقاسم ناصر الدین سمرقندی امام جلیل القدر مفسر محدث فقیہ و اعظم مجتہد تھے مؤلف کتاب نافع۔ فتاویٰ ملقط و خلاصۃ المفتی وغیرہ جن سے اس فتاویٰ میں حوالہ بھی ہے المتونی نے ۵۵۲ھ۔ حسن بن فخر الاسلام بزوی۔ شاگرد علم خود شیخ صدر الاسلام بزوی المتونی ۵۵۷ھ۔ علی بن مودود بن الحسین کشانی۔ فقہ اپنے چچا مسعود بن الحسین مولف مختصر مسعودی و برہان الائمہ کبیر و محمد بن الحسین ارسابندی سے حاصل کی الواعظ الحقانی و قد سمع منہ السمعانی المتونی ۵۵۷ھ۔ عبدالغفور بن لقمان کردری۔ ابوالمفاخر شرف القضاة تاج الدین شمس الائمہ منسوب بشہر کرد و واقع خوارزم عابد زاہد شاگرد ابوالفضل عبدالرحمن بن محمد کرمانی و مولف مفید و مزید و متن اصول الفقہ و شرح جامع صغیر و کبیر شرح زیادات از اسناد خود کتاب حیرة الفقہا و کتاب کلمات کفریہ۔ المتونی ۵۶۲ھ۔ اس فتاویٰ میں بعض تصانیف سے قلیل حوالہ ہے محمد بن صدر الشہید حسام الدین۔ شاگرد فقہ و حدیث میں اپنے والد کے ہیں بغداد میں اپنے والد سے حدیث روایت بھی فرمائی اور ۵۶۶ھ میں فوت ہوئے۔ جعفر بن عبداللہ بن ابی جعفر قاضی القضاة ابو عبداللہ دامغانی۔ دامغان واقع خراسان کے فقیہ محدث مشہور ہیں فتاویٰ میں آپ سے نقل ہے ۵۶۸ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن محمود فخر الدین بختانی۔ فقیہ جید المتونی نے ۵۷۰ھ رحمہ اللہ تعالیٰ محمد بن ابی بکر المعروف بہ امام زاہد چونٹی۔ واعظ صوفی مفتی بخارا۔ شاگرد مجد الائمہ سرخاتی و شمس الائمہ بکر زرنجری و رضی الدین نیشاپوری وغیرہم و تصوف میں مرید خواجہ یوسف ہمدانی۔ آپ سے برہان الاسلام زانوجی و عبید اللہ بن ابراہیم محبوبی و شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری نے فقہ پڑھی۔ سمعانی نے بخارا میں آپ سے روایت لکھی مؤلف شریعت الاسلام فقہ میں و آداب الصوفیہ تصوف میں معروف ہیں۔ مصنف جواہر مضیہ نے لکھا کہ میں نے شریعت الاسلام کو دیکھا نہایت مفید کتاب ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی پائی جاتی ہے اگر وہی ہو لیکن شک نہیں کہ موجودہ نسخہ میں بہت سی احادیث موضوعہ و ایہ منکرہ داخل ہیں لہذا سمعانی کی شاگردی سے گمان وقوی ہے کہ یہ وہ شریعت نہیں ہے یا اس میں تحریف و تغیر کی گئی ہے واللہ اعلم۔ محمد بن ابی القاسم خوارزمی ابن المشائخ بقالی رحمہ اللہ فقیہ محدث حسن الاعتقاد کریم النفس ہیں مورخ نے لکھا کہ شاگرد علامہ جار اللہ زخسری ہیں انہیں سے علوم پڑھے اور حدیث بھی ان سے سنی اور دیگر محدثین سے حاصل کی ۵۷۶ھ میں فوت ہوئے۔ مورخ نے علوم کثیرہ کا عالم ہونا بیان کیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ حدیث میں استاد زخسری خود محض بے اعتبار ہیں تو شاگردی بھی حرف گیری سے خالی نہیں بلکہ مورخین کی توسیع تحریر مبالغہ پر محمول ہو کر ساقط ہو جاتی ہے حالانکہ اسلام کے علوم نہایت تاکید سے ہدایت کرتے ہیں کہ یقینی سچ کہو اور وہ بھی تھوڑا اور نہ دراز تقریر کو قطعاً نہ کرو۔

بالجملہ زبان عربی و نحو وغیرہ سے ماہر تھے اور علوم فقہ میں بھی تالیفات رکھتے ہیں اور منجملہ تالیفات کے ایک فتاویٰ جمع التفاریق۔ اذکار الصلوٰۃ تنبیہ علی اعجاز القرآن وغیرہ معروف ہیں۔ اس فتاویٰ میں بقالی سے حوالہ منقول ہے اور مورخ نے کہا آنا دال وغیرہ بیچنے سے بقال کہلائے۔ مترجم کہتا ہے کہ مجھے یہ تحریر مورخ کی رائے معلوم ہوتی ہے جس میں سہو ہوا کیونکہ ایسے شخص کو فامی بولتے تھے البتہ ہندوستان میں یہ رواج ہے اور وہاں اس میں تامل ہے ہاں ترکاری فروشی سے نسبت ہو سکتی ہے واللہ اعلم۔ عالی بن ابراہیم ناصر الدین ابوعلی غزنوی اصولی و فقیہ مفسر مؤلف مشارع مع شرح منابع و رفقہ وغیرہ المتونی ۵۸۶ھ۔ احمد بن محمد بن عمر ابوالنصر زاہد الدین عتابی ساکن عتاب مملہ بخارا عالم زاہد متبحر معروف۔ مؤلف بسیط شرح زیادات عتابی و فتاویٰ عتابیہ جن سے اس فتاویٰ میں بہت حوالہ ہے و شروع جامع صغیر و کبیر وغیرہ المتونی ۵۸۲ھ ہجری۔ عماد الدین بن شمس الائمہ بکر زرنجری۔ شاگرد والد خود و استاد جمال الدین عبید اللہ بن ابراہیم محبوبی و شمس الائمہ بکر بن عبدالستار کردری وغیرہ المتونی نے ۵۸۴ھ۔ ابو بکر بن مسعود بن احمد کاشانی۔ ملک

العلماء علماء الدین شاگرد علماء الدین محمد سمرقندی مؤلف تحفۃ الفقہاء و میمون مکھولی و مجدد الائمہ سرخاکی و استاد پسر خود محمود بن ابی بکر و احمد بن محمود مؤلف مقدمہ غزنویہ ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے بدائع شرح تحفۃ الفقہاء و سلطان امین فی اصول الدین بہت عمدہ ہیں ۵۸۷ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمود بن ابوبکر صابونی فقیہ فاضل ہیں صابون بناتے تھے آپ نے اصول میں ہدایہ و کفایہ اور کلام میں بھی ہدایہ و مختصر ہدایہ تالیف کیں۔ شمس الائمہ کردری آپ کے شاگرد ہیں ۵۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ عبدالکریم بن یوسف بن محمد ساکن دینار واقع استرآباد ابوالنصر علماء الدین دنیاری حاوی فروع و اصول مؤلف فتاویٰ دنیاری۔ المتونی ۵۹۰ھ۔ ابن النجار نے کہا کہ میں نے آپ کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہیں پائی۔ مطہر بن الحسین بن سعد قاضی القضاة جمال الدین یزوی خاندان علماء و فضلاء میں سے جلیل قدر ہیں جامع صغیر زعفرانی کی شرح تہذیب نام لکھی اور مشکل الآثار طحاوی اور نوادرا ابواللیث کو محض و مختصر کیا۔ ایک فتاویٰ اور شرح مختصر القدوری لکھی۔ رکن الدین محمد بن عبدالرشید کرمانی مؤلف جواہر الفتاویٰ آپ کے شاگرد ہیں سوطی نے حسن الماثرہ میں لکھا کہ آپ کے ماتحت بارہ مدارس تھے جس میں بارہ سوطلبا پڑھتے تھے ۵۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ حسن بن منصور بن محمود اوزجندی فخر الدین قاضی خان۔ امام مشہور معروف مجتہد فی المسائل شاگرد محمود بن عبدالعزیز اپنے دادا اور ظہیر الدین مرغینانی و ابوالحق بن ابراہیم صفاری ہیں و استاد جمال الدین محمود حصیری و شمس الائمہ کردری و نجم الائمہ وغیرہ ہیں تالیفات میں سے فتاویٰ قاضی خان و شرح زیادات و جامع صغیر و ادب القضاة وغیرہ معروف ہیں۔ قاسم بن قطلوبغا نے کہا کہ قاضی خان نے جس مسئلہ کی تصحیح کی وہ اوروں پر مقدم ہوگی کہ وہ فقیہ النفس ہیں ۵۹۲ھ میں فوت ہوئے۔

یوسف بن حسین بن عبداللہ بدرابض شاگرد برہان بلخی ۵۹۲ھ میں دمشق میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمد بن محمود غزنوی شاگرد محمد بن علی علوی حسنی و صاحب بدائع تلمیذ صاحب تحفۃ الفقہاء وغیرہ مؤلف روضہ و مقدمہ غزنویہ وغیرہ المتونی ۵۹۳ھ۔ علی بن ابی بکر مرغینانی برہان الدین ابوالحسن صدیقی المتونی ۵۹۳ھ۔ فقیہ فاضل جید زاہد عابد پرہیزگار ہیں آپ کے فضل کا قاضی خان وغیرہ نے اقرار کیا۔ شاگرد مفتی الثقلین نجم الدین نسفی و صدر شہید حسام الدین و صدر شہید تاج الدین و ضیاء الدین بندنجی و عثمان و اقوام الدین احمد بن عبدالرشید و الد صاحب خلاصۃ الفتاویٰ و بہاء الدین علی اسپجانی وغیرہم۔ مؤلف کتاب معرفت متداول ہدایہ و کفایہ و منقحی و تجنیس و مزید و مختارات النوازل وغیرہ جس میں سے ہدایہ بہت معروف و متداول ہے آپ کے شاگرد جم غفیر مثل آپ کی اولاد شیخ الاسلام جلال الدین محمد و نظام الدین عمر اور پوتے شیخ الاسلام عماد الدین بن ابی بکر اور مثل شمس الائمہ کردری و جلال الدین محمود استریشتی و برہان الاسلام زرنوجی وغیرہم۔ آپ کے نصاب میں سے یہ مضمون محفوظ ہے کہ فرمایا کہ جو شخص عالم ہو کر شرع الہی میں ہتک کرے وہ بڑا فتنہ ہے اور جو شخص جاہل ہو کر عالم عابد بنے وہ اس سے بڑھ کر فتنہ ہے پس مؤمن دیندار کے لئے دنیا میں یہ دو بڑے فتنے ہیں قال المترجم تجاوز اللہ عن سياتہ و غفر لہ والدیہ و اولادہ ہر عالم کو اپنی ذات پر خوف ہے کہ شاید ان دونوں میں سے ایک کا مصداق نہ ہو اللہذا مترجم بھی اہل الحق سے مستدعی ہے کہ اس کے لیے خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ دعا فرمائیں کہ اس کا خاتمہ بخیر ہو آمین یا ارحم الراحمین۔ شیخ موصوف یعنی صاحب ہدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ سبق کو چہار شنبہ کے روز شروع کرانے کا انتظار کرتے اور یہ حدیث روایت کرتے کہ ما من شیء بدایوم الاربعاء الا تم یعنی جو چیز روز چہار شنبہ کو شروع کی جائے وہ پوری ہی ہو جاتی ہے مترجم کہتا ہے کہ فاضل لکھنوی مرحوم مغفور نے کتب حدیث میں سے بھی اس کا نشان پایا ہے چنانچہ فاضل مرحوم کے نوآئد یہ میں دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے اور شیخ موصوف فرماتے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہی کیا کرتے تھے۔ قال المترجم بعض روایات میں روز چہار شنبہ کی نسبت خمس مستمر مروی ہوا ہے اور دیگر روایات سے اس کی تفسیر ظاہر ہوئی کہ کافروں و منافقوں و مشرکوں کے حق میں ہمیشہ کے لئے بعد ہلاک قوم ہود کے یہ

استمرار ہوا لہذا جو شخص مؤمن ہو ضرور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے حق میں یہ روز مبارک ہوگا اس واسطے اقوام ہندوستان بسبب عدم ایمان کے اس روز مبارک کے اپنے اوپر منحوس ہونے کے معتقد ہیں فلیتنبہ والہذا علم۔ عمر بن عبدالکریم بخاری بدرالدین فقیہ شاگرد ابو الفضل کرمانی و استاد شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری المتوفی ۵۹۳ھ۔ عمر بن محمد عمر شرف الدین ابو حفص عقیلی از اولاد عقیل بن ابی طالب بفتح العین شاگرد صدر شہید جمال الدین ریعد موتی و استاد شمس الائمہ کردری وغیرہ المتوفی ۵۹۶ھ۔ محمد بن عمر بن عبداللہ نیشاپوری شیخ ابو بکر رشید الدین امام فقیہ معتد و کلف فتاویٰ رشید الدین جس سے اس کتاب میں بہت حوالہ ہے اور شرح تکملہ وغیرہ معروف و مشہور ہیں ۵۹۷ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن محمد خطیب خوارزم موفق الدین شاگرد نجم الدین نسفی و چار اللہ زنجیری و استاد ناصر الدین مؤلف لغت مغرب و قد ذکرہ السیوطی فی البغیہ و توفی ۵۹۸ھ۔ حسن بن ظہیر ابو علی نعمان فقیہ محدث مفسر وغیرہ کہتے تھے کہ میں نے مذہب امام ابو حنیفہ کو نقل کیا اور اپنے اجتہاد کے موافق اس کی تائید و تشہید کی ہے حمیدی کی جمع بین ایشین کی شرح حجہ نام لکھی اور ایک کتاب اختلاف صحابہ و تابعین و فقہاء میں تصنیف فرمائی ۵۹۸ھ میں وفات پائی۔ علی بن احمد بن مکی حسام الدین رازی۔ مفتی بمذہب حنفیہ مؤلف شرح قدوری بنام خلاصۃ الدلائل و شرح المسائل۔ اسی کو صاحب جواہر مضیہ نے حفظ کیا اور اس کی احادیث کی بسیط تخریج لکھی ۵۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ مسعود بن شجاع بن محمد شیخ برہان الدین فقہ شاگرد برہان الدین بلخی۔ و استاد محمد بن یوسف ابیض و داؤد بن ارسلان وغیرہ المتوفی ۵۹۹ھ۔ محمد بن یوسف بن علی غزنوی بغدادی۔ محدث جلیل مستند شاگرد فقہ میں عبدالغفور بن لقمان کردری کے اور حدیث میں ابو الفضل بن ناصر وغیرہ کے و استاد رشید عطار و شیخ منذری با جازت المتوفی ۵۹۹ھ۔ محمد بن عراق قرظی معروف بہ طاؤسی شاگرد رضی الدین نیشاپوری و استاد جمر غیر المتوفی ۶۰۰ھ۔

احمد بن محمد بن نوح غزنوی جمال الدین فقیہ فاضل استاد حسن بن علی نحوی و مؤلف فتاویٰ حاوی قدسی اور چونکہ شہر قدس میں اس کو جمع کیا اس لئے حاوی قدسی نام رکھا المتوفی ۶۰۰ھ۔ حسین بن علی عماد الدین ابو القاسم لامشی محدث فقیہ ثقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کسی کی ملامت سے خوف نہ کرتے شاگرد شمس الائمہ حلوانی اور حدیث میں ابو بکر محمد بن الحسن بن منصور نسفی مؤلف واقعات و فتاویٰ احمد بن موسیٰ سے کشتی شاگرد نجم الدین نسفی و مؤلف مجموع النوازل یعنی شیخ ابواللیث سمرقندی و ابو بکر محمد بن الفضل اور ابو حفص کبیر وغیرہم کے فتاویٰ جمع کر دیے۔ زیاد بن الیاس فرغانی استاد صاحب ہدایہ وغیرہ حسن بن نصر بن ابراہیم الحاکم الکاشی۔ شاگرد مسعود بن الحسین صاحب مختصر مسعودی اور خود مرتبہ حاکم تک پہنچے۔ احمد بن عبدالرشید بخاری۔ فقیہ متبحر معروف مؤلف شرح جامع صغیر۔ استاد صاحب ہدایہ و پسر خود مؤلف خلاصہ۔ رضی الدین نیشاپوری مؤلف طریقۃ الرضویہ و استاد رکن الدین امام زادہ محمد بن ابو بکر و فضل رکن الطاؤسی وغیرہم۔ حماد بن ابراہیم الصفاری قوام الدین بخاری عالم ثقہ خاندانی و استاد برہان الاسلام زرنوجی و افتخار الدین صاحب خلاصہ وغیرہ۔ محمود بن عبدالعزیز اور جندی شمس الائمہ شاگرد امام سرخسی۔ محمد بن ابی بکر معروف نکمیر الوبری خوارزمی اس فتاویٰ میں آپ کے معروف نام سے حوالہ آیا ہے۔ شاگرد ابو بکر محمد بن علی زرنجری و مؤلف کتاب الاضاحی وغیرہ۔ چونکہ بر یعنی اونٹ کے بالوں کا کام کرتے لہذا وبری کہلاتے تھے۔ عبدالکریم بن محمد مدینی رکن الائمہ صباغی اور کبھی اس فتاویٰ میں فقط رکن صباغی پر اقتصار ہوا ہے شاگرد صدر الاسلام ابوالیسر بزودی و استاد نجم الدین مختار زہدی مؤلف فقیہ وغیرہ اور مؤلف شرح قدروی وغیرہ۔ عمر بن محمد بن عبداللہ بسطامی۔ شیخ ابو شجاع بلخی فقیہ حافظ محدث جید مفسر جامع استاد صاحب ہدایہ اور خود بڑے مشائخ سے اجازت حاصل رکھتے تھے اس واسطے فتاویٰ میں بعض مقام پر آپ کی نسبت بعضے مشائخ معروفین نے کہا کہ وہ بڑا شخص ہے اور اس کے مشائخ بڑے بڑے عالی ہیں سمعانی شافعی نے آپ سے مرد اور بلخ و ہرات و بخارا و سمرقند میں حدیث سنی کما ذکرہ بنفسہ فی کتاب الانساب۔ اشرف بن ابوالوضاح

محمد بن السید ابوشجاع بغدادی استاد عبدالمجید بن اسماعیل قاضی بلاد روم و علاؤ الدین محمد سمرقندی وغیرہم۔ عبد العزیز بن عمر بن مازہ ابو محمد برہان الدین کبیر و برہان الائمہ و الصدر الماضی و الصدر الکبیر ان القاب سے ظاہر ہے کہ بڑے فقیہ جید امام تھے شاگرد امام سرخسی تلمیذ حلوانی و استاد صدر سعید تاج الدین و صدر شہید حسام الدین یعنی دونوں فرزند رشید آپ کے اور استاد ظہر الیوم کبیر شیخ علی بن عبد العزیز مرغینانی۔ برہان الاسلام زرنوجی نے اپنے شیخ صاحب ہدایہ سے نقل کیا۔ کہ شیخ عبد العزیز نے اس خیال سے کہ اکثر طالب علم دور سے سبق کو میرے پاس آتے ہیں ان کو تمام وقت سبق پڑھاتے اور اپنے دونوں صاحبزادوں صدر سعید و صدر شہید کو سب سے پیچھے دو پہر کو پڑھاتے جس برکت سے دونوں اپنے وقت میں اکثر فقہاء پر فوقیت لے گے۔ نجم الائمہ بخاری۔ مفتی بخارا و خوارزم بلانہ تھے بمعصر برہان کبیر و علاء جمالی و بدر ظاہر اور استاد فخر الدین بدیع وغیرہ۔ محمد بن احمد سمرقندی علاء الدین ابو بکر شاگرد میمون مکھولی و ابو العیسر بزدوی و استاد ابو بکر بن مسعود صاحب بدائع و ضیاء الدین محمود بن الحسین استاد صاحب ہدایہ کے ہیں مؤلف کتاب تحفۃ الفقہاء جس پر صاحب بدائع کی شرح ہے۔ محمد بن الحسین بن ناصر بندنجی ضیاء الدین شاگرد علاء الدین ابی بکر سمرقندی۔ ومع صحیح مسلم من محمد بن الفضل انیشاپوری مع من عبد الغافر الفارسی عن الجلودی عن الامام مسلم کذا ذکرہ صاحب التذکرہ واللہ اعلم آپ سے صاحب ہدایہ نے فقہ پڑھی اور تمام مسوعات کی اجازت حاصل کی۔ وکان ذلک ۵۴۵ھ۔ حامد بن محمد ریغدمونی جلال الدین ابو النصر مؤلف محاضر و شروط شاگرد اپنے باپ و دادا کے ہیں۔ محمد بن الحسن بن محمد کاشانی ابو عبد اللہ برہان الدین حافظ الحدیث شاگرد و نجم الدین نسفی و استاد اشرف بن نجیب ابو الفضل کاشانی و شمس الائمہ محمد بن عبد الکریم ترکستانی معروف بہ برہان الائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ محمد بن صدر سعید بن صدر کبیر برہان الائمہ۔ مجتہد فی المسئلہ تھے شاگرد والد خود تاج الدین صدر سعید زعم خود صدر شہید و استاد فرزند خود طاہر بن محمود ہیں۔

مؤلف محیط برہانی و ذخیرہ و تجرید و شرح جامع صفیر و شرح ادب القاضی للخصاف و واقعات وغیرہ ازیں جملہ اس فتاویٰ میں محیط و ذخیرہ و تجرید سے بہت حوالہ ہے۔ علی بن عبد اللہ بن عمران فخر المشائخ عمرانی شاگرد علامہ زختری ہیں۔ محمد بن عبد اللہ صافعی معروف بقاضی سدید شاگرد فخر الدین ابی بکر ارسابندی اور سید ابوشجاع علوی سمرقندی وغیرہ ہیں اور انہیں سے حدیث روایت کی چنانچہ سمعانی نے آپ سے روایت کی ہے دکان حسن الاخلاق کثیر العبادۃ محدثا جیداً فقہاً۔ محمد بن احمد بن ابی سعد مؤلف فتاویٰ ملخص المتونی نے ۶۰۴ھ۔ محمود بن عبد اللہ بزدوی۔ شیخ الاسلام علاء الدین شاگرد عبد العزیز بن عثمان فضلی شاگرد برہان کبیر وغیرہ مؤلف کتاب عون متونی ۶۰۶ھ۔ محمود بن احمد ابو الحامد عماد الدین استاد شمس الائمہ کردری مؤلف کتاب خلاصۃ الحقائق جس کی نسبت قاسم بن قطلوبغانے کہا کہ زمانہ نے اس کتاب کی مثل نہیں دیکھی۔ عبد الرحمن بن شجاع بغدادی۔ شاگرد والد خود شیخ شجاع ہیں المتونی ۶۰۹ھ۔ ناصر بن عبد السید ابو الکارم عراقی خوارزمی۔ معتزلی حنفی خلیفہ زختری مؤلف مغرب وغیرہ۔ عبد المطلب بن الفضل افتخار الدین حدیث کی روایت عمر بسطامی دمشقی اور سعد سمعانی وغیرہ سے رکھتے ہیں رکیس حنفیہ تھے ۶۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن یوسف بن الحسین معروف بایں الابیض شاگرد والد خود یوسف بدر ابیض شاگرد علاء سمرقندی۔ فقیہ معروف قاضی عسکر ہیں من اشعارہ۔

الاکل من لا یقتدی بانمۃ فقسمة ضنیری عن الحق خارجه

فخذہم عبید اللہ عروۃ قاسم سید ابوبکر سلیمان خارجه

ان اشعار میں فقہاء سبعہ مدینہ کو جوتا بعین تھے جمع کر دیا ہے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود اور عروہ یعنی ابن الزبیر

اور قاسم بن محمد بن الصدیق و سعید بن المسیب و ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام و سلیمان بن یسار اور خارجه بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔ محمد بن محمد بن محمد عمیدی سمرقندی۔ رکن الاسلام ابو حامد شاگرد رضی الدین انیشاپوری در علم خلاف۔ ابن خلکان نے

کہا کہ رضی الدین سے علم خلاف کو چار رکن نے حاصل کیا ایک رکن حمیدی دوم رکن الدین طاؤسی سوم رکن الدین امام زادہ اور چہارم کا نام یا نہیں ہے عمیدی سے مستفیدین بہت ہیں جن میں سے ایک نظام الدین احمد بن جمال الدین ابوالحاج محمد بن احمد بن عبد السید بخاری منفی معروف تحصیری ہیں اور واضح ہو کہ ابن خلکان کو عمیدی کی نسبت معلوم نہ ہوئی اور شیخ معانی نے بھی نہیں ذکر کیا اور ظاہر استاد عمید علامہ معانی و بیان کی طرف ہوا واللہ اعلم۔ سعید بن سلیمان کندی مؤلف ازجوزۃ الحدیث مستعمی شمس العارف و انس المعارف جس کو قاہرہ میں روایت کیا المتوفی ۶۱۶ھ۔

قاسم بن الحسین صدر الافاضل خوارزمی۔ ابو محمد مجد الدین فصیح بلغ شاگرد برہان الدین ناصر مولف مغرب۔ ومن تا لیفات التجر شرح التفصیل والتوضیح شرح المقامات و شرح المحصل فی البیان وغیرہا۔ عمر بن زید بن بدر موصلی زین الدین فقیہ محدث مولف کتاب مغنی در حدیث و قد شاع فی حیاتہ و قری علیہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ محمد بن احمد بن عمر بخاری ظہر الدین شاگرد شیخ حسن بن علی ظہیر الدین مرغینانی وغیرہم۔ اس فتویٰ میں استاد کو بنام ظہیر الدین مرغینانی یا حسن بن علی مرغینانی بیان کیا گیا ہے اور شاگرد کی کتاب فتویٰ ظہیر یہ یا فوائد ظہیر یہ سے حوالہ ہے المتوفی ۶۱۹ھ۔ بدیع بن منصور قرینی۔ فخر الدین مفسر فقیہ شاگرد نجم الائمہ بخاری و مولف مدیۃ الفقہاء و استاد مختار بن محمود زاہدی صاحب قدیہ وغیرہ۔ امام سیوطی رحمہ اللہ کے شاگرد شمس الدین محمد بن علی مالکی نے آپ کو مفسرین میں بیان کیا اور کہا کہ ۶۲۰ھ میں سیواس میں مقیم تھے وہیں فوت ہوئے۔ عیسیٰ بن ملک عادل سیف الدین ابوبکر علامہ فتون فقہ و حدیث و بلاغت وغیرہ جو آٹھ برس مصر میں بادشاہ رہے شاگرد جمال الدین محمود حصیری و قد سمع مسند احمد دروی عنہ۔ اپنے وقت میں علماء کی بڑی قدر کرتے اس لئے بڑا مجمع ہو گیا اور مانند سلطان عالمگیر اور نگ زیب کے آپ کے وقت میں بھی بہت کتابیں کسب ترتیب جمع ہوئیں جیسے لغت جامع کبیر مجموعہ صحاح و جمہرہ ابن و رید وغیرہ ترتیب مسند احمد بابوا بفقہ و السہم المصیب نے الرد علی الخطیب وغیر ذلک اور خود جامع کبیر امام محمد کی شرح ضخیم لکھی علاوہ کتب عروض وغیرہ کے المتوفی ۶۶۳ھ۔ یوسف بن محمد خوارزمی ابویعقوب سراج الدین سکاکی۔ ماہر بلاغت و جامع فتون عجیبہ و طلسمات وغیرہ معروف فاضل ہے۔

محمد بن عثمان بن محمد علیا بادی سمرقندی۔ حسام الدین عالم فاضل شاگرد محمد بن محمود استروشنی ہیں و استاد شیخ عبدالرحیم بن عماد الدین صاحب فصول عمادیہ ہیں آپ نے فتویٰ کامل اور تفسیر مطلع المعانی وغیرہ تصنیف کیں۔ عبید اللہ بن ابراہیم جمال محبوبی شاگرد امام زادہ محمد بن ابی بکر و شمس الائمہ عمر بن بکر زرنجری و قاضی خان اوزجندی وغیرہ و استاد پسر خود احمد یعنی والد تاج الشریعہ مولف و وقایہ و حافظ الدین کبیر بخاری و حمید الدین ضریر و بہاء الدین اسحاقی و ابوبکر احمد بن علی ظہیر بلخی وغیرہم المتوفی ۶۳۰ھ۔ محمد بن محمود بن الحسین استروشنی۔ مجد الدین صاحب فصول استروشنیہ وغیرہ شاگرد صاحب ہدایہ و سید ناصر الدین شہید سمرقندی و ظہیر الدین بخاری صاحب فتویٰ و ظہیر یہ وغیرہ المتوفی ۶۳۲ ہجری۔ خولجہ معین الدین چشتی قطب وقت عارف معروف ہیں خلیفہ و مرید شیخ عثمان ہارونی ہیں و معاصر شیخ نجم الدین کبرے و شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اسرارہم و شیخ حضرت قطب بختیار کاکی اوسی و شیخ فرید شکر گنج و نظام اولیاء خواجہ نصیر چراغ دہلی و مولانا فخر الدین رحمہم اللہ تعالیٰ المتوفی ۶۳۳ھ۔ یوسف بن احمد نجم الدین خاصی۔ شاگرد صدر شہید و مولف فتویٰ وغیرہ۔ محمود بن احمد حصیری جمال الدین منسوب بحصیر مملہ شاگرد امام قاضی خان و رفقہ و مؤید طوسی وغیرہ و حدیث المتوفی ۶۳۶ھ درویش۔ محمد بن عبدالستار شمس الائمہ کردری شاگرد امام زادہ مولف شرعۃ الاسلام و عمر زرنجری و قوام الدین صفار۔ بدر الدین درسکی و شرف الدین عقیلی و نور الدین صابونی ہیں اور آپ کے اجل اساتذہ میں سے امام قاضی خان و صاحب ہدایہ ہیں آپ سے آپ کے خواہر زادہ محمد بن محمود بن عبدالکریم و حمید الدین ضریر و حافظ الدین کبیر بخاری وغیرہم نے پڑھا۔ آپ نے امام غزالی کی کتاب مخول کی رو میں

رسالہ لکھا وجیز کروری آپ ہی کی تالیف ہے۔ حسام الدین محمد انشیکتی مولف مختصر حسامی جس کی امیر کاتب اتقانی و عبدالعزیز بخاری وغیرہ نے شروع لکھیں۔ آپ سے محمد بن محمد بخاری وغیرہ نے فقہ پڑھی۔ محمد بن محمود ترجمانی خوارزمی فقیہ مرجع الانام علماء الدین المتوفی ۶۳۵ھ۔ حسن بن محمد صنعانی۔ یعنی چغانی جو لاہور میں پیدا ہوئے اور غزنین میں پرورش پائی اور بغداد میں رہے محدث فقیہ لغوی صدوق امام ہیں۔ و سیاطی نے کہا کہ شیخ صالح صدوق اور فقہ و حدیث میں امام ہیں بالجملہ عنایت شہرت سے محتاج تطویل نہیں اور مشارق الانوار جو ہندوستان میں بہت معروف ہے آپ ہی کی تالیفات میں سے ہے۔ محمد بن احمد بن عباد بن ملک داؤد خلاطی۔ امام فقیہ محدث جید ہیں۔ شاگرد جمال الدین حصری وغیرہ مولف تلخیص جامع کبیر و تعلق صحیح مسلم وغیرہ اور آپ سے قاضی القضاة احمد سروجی نے فقہ پڑھی۔ بکیر ترکی ناصری نجم الدین فقیہ عارف بصیر شاگرد عبدالرحمن بن شجاع و مولف حاوی در فقہ وغیر ذلک۔ المتوفی ۶۵۲ھ۔ محمد بن محمود خوارزمی خطیب شاگرد نجم الدین طاہر بن محمد وغیرہم۔ محمد بن احمد سراج الدین فقیہ امام حافظ شاگرد شمس الائمہ کروری و استاد مختار زاہدی صاحب فقیہ وغیرہ۔ احمد بن محمد شرف الدین عقیلی شاگرد جد خود شرف الدین عمرو مولف شرح جامع صغیر وغیرہ۔ مختار بن محمود زاہدی ابو الرجاہ نجم الدین معتزلی حنفی۔ مولف مجتبیٰ شرح قدوری قنتیہ المدیہ یعنی بدیع قرینی کے مدیہ پر زیادات کر کے قدیہ نام رکھا حاوی زاہدی وغیرہ۔ چونکہ بلا تحقیق روایات لکھنے سے ان کتابوں کا اعتبار ساقط ہو چکا لہذا علماء نے تصریح کر دی کہ جب تک تائید حاصل نہ ہو زاہدی کی روایات معتبر نہیں ہیں وقد فصلناہ فی موضعه۔ علی بن سخر بغدادی ابن السیاک شاگرد ظہیر الدین محمد بن عمر بخاری و استاد مظفر الدین احمد صاحب مجمع البحرین وغیرہ۔ مولف شرح جامع کبیر وغیرہ۔ علی بن محمد نجم العلماء حمید الدین الضریر۔ فقیہ معروف مستند شاگرد شمس الائمہ کروری و استاد حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی صاحب کنز الدقائق وغیرہ مولف شرح جامع کبیر و نافع وغیرہ۔ محمد بن سلیمان بن الحسن لقسی معروف بابن النقیب۔ فقیہ زاہد عالم مفسر جامع فنون مختلفہ و مولف تفسیر ضخیم جس سے بڑی تفسیر امام سفرانی نے نہیں دیکھی جس میں پچاس تفاسیر کو جمع کیا اور حقائق و معارف و اعراب لغت وغیرہ کو بھی شامل کیا اور اس کا نام تحریر و تخریر بہ اقوال ائمتہ التفسیر رکھا۔

محمود بن محمد لولوی بخاری فقیہ محدث مفسر شاگرد برہان الاسلام زرنوجی وغیرہم مولف حقائق المنظومہ وغیرہ شہید ۶۷۱ھ۔ پتہ اللہ بن احمد طرازی شاگرد جلال الدین عمر جنازی و مولف شرح جامع کبیر و شرح عقیدہ طحاوی وغیرہا۔ عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی ابو الفضل مجد الدین شاگرد شیخ جمال الدین حصری حافظ فتویٰ و واقعات مفتی ماہر اصول و فروع و مولف مختار و شرح آن اختیار جس سے اس کتاب میں بہت حوالہ ہے اور وہ فقہاء میں بہت مستند و معتمد حتیٰ کہ متون میں شامل کی گئی ہے المتوفی ۶۸۳ھ ہجری۔ محمد بن محمد ابو الفضل برہان نسفی فقیہ مفسر محدث مولف عقائد نسفی جس کی شرح تفتازانی وغیرہ کے معروف ہیں المتوفی ۶۸۶ھ۔ برہان الدین محمود بن ابی الخیر فقیہ عالم محدث ہیں۔ مشارق الانوار کو مصنف سے سنا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے وقت میں ہندوستان کے علماء میں مقدم تھے۔ نقل کرتے ہیں کہ چھ سات برس کی عمر میں ایک مرتبہ راہ میں مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کی سواری آئی اور ہجوم میں اپنے باپ سے جدا ہو گیا جب قریب پہنچا تو میں نے مولانا کو سلام کیا۔ مولانا نے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے الہام فرماتا ہے کہ یہ لڑکا ایسا عالم ہوگا کہ اپنے زمانہ میں فرد ہوگا پھر روانہ ہو کر تامل سے فرمایا کہ الہام الہی تعالیٰ مجھ سے کہلاتا ہے کہ ایسا عالم ہوگا کہ بادشاہ جس کے دروازے آئے۔ آپ کا قول ہے مجھ سے ایک گناہ کبیرہ یعنی چنگ سننے کا مواخذہ ہوگا۔ ۶۸۷ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ احمد بن علی بن ثعلب بعلبکی مظفر الدین امام زاہد حافظ فروع و اصول و ثقہ تھے۔ شاگرد تاج الدین علی بن سخر تلمیذ صاحب فتویٰ ظہیریہ وغیرہ ہیں اور مولف کتاب مجمع البحرین جو متون کے مرتبہ میں ہے آپ سے رکن الدین سمرقندی و ناصر الدین نے مجمع پڑھی ہے

محمد بن عبدالرشید بن نصر بن محمد کرمانی ابوبکر کن الدین امام جلیل فقیہ محدث ہیں۔ مؤلف جواہر الفتاویٰ ذخیرہ الفقہاء وغیرہ جس سے اس کتاب میں حوالہ ہے اور ابوالفضل کرہانی کے فتویٰ کو غرر المعانی میں جمع کیا۔ محمد بن عبدالکریم ترکستانی خوارزمی۔ شمس الدین برہان الائمہ امام فقیہ تبحر ہیں آپ سے مختار زاہدی مؤلف قدیہ نے پڑھا۔ اشرف بن نجیب اشرف الدین شاگرد شمس الائمہ کردری وغیرہ۔ محمد بن محمد مایمرغنی فخر الدین شاگرد شمس الائمہ و استاد شیخ عبدالعزیز بخاری وغیرہ۔ محمد جلال الدین ابوالفتح ابن صاحب ہدایہ رئیس مہذب حنفیہ اپنے وقت میں تھے۔ عمر نظام الدین شیخ الاسلام ابن صاحب ہدایہ مثل اپنے بھائی کے ہیں مؤلف جواہر الفقہ و فوائد وغیرہ محمد بن عبدالعزیز بن محمد بن صدر الشہید معروف بصدر جہان بخاری۔ لوگوں میں معظم و مکرم تھے۔ محمود ترجمانی کمی۔ شرف الائمہ کمی برہان الدین امام وقت اور ہم عصر احمد بن اسماعیل تمر تاشی و محمود تاجری ہیں۔ عماد الدین بن صاحب ہدایہ مانند اپنے دونوں بھائیوں کے ہیں مؤلف ادب القاضی اور آپ کے بیٹے ابوالفتح عبدالرحیم نے فصول عمادیہ آپ کے نام پر ہی لکھی ہے۔ احمد بن عبید اللہ محبوبی ملقب بصدر الشریعہ اکبر اور شمس الدین مصروف امام مؤلف تنقیح العقول نے الفروق۔ نظام الدین شاشی فقیہ شاشی معروف ہیں ابوالقاسم تنوخی امام فقیہ محدث شاگرد حمید الدین ضریر و استاد وجیہ الدین دہلوی و سراج الدین دہلوی و شمس الدین خطیب وغیرہ ہیں۔ میمون بن محمد ابوالمعین مکی۔ استاد علماء الدین ابوبکر سمرقندی صاحب تحفہ الفقہاء و مؤلف مناجح و قواعد التوحید و شرح جامع کبیر وغیرہ۔ عبدالرحیم بن عماد الدین بن صاحب ہدایہ ابوالفتح زین الدین مؤلف فصول عمادیہ جس سے اس کتاب میں بہت حوالہ ہے اور علماء نے اس کتاب کو مقبول رکھا ہے۔ ابوالعباس قونوی احمد بن مسعود۔ فقیہ معروف مؤلف شرح عقیدہ ملحاوی و تقریر شرح جامع کبیر وغیرہ۔ ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی۔ امام فقیہ مفسر شاگرد شمس الائمہ کردری وغیرہ ہیں۔ اور زیادات کو شیخ احمد بن محمد عتابی سے پڑھا اور آپ کی تالیفات متداولہ میں سے کنز الدقائق اور وانی مع شرع کافی اور منار مع شرح کشف الاسرار اور مصنفی شرح منظومہ نسفی اور متصلی شرح النافع۔ مدارک التزیل تفسیر۔ وغیرہ لک اور حکایت ہے کہ تاج الشریعہ نے جب سنا کہ آپ شرح ہدایہ لکھنا چاہتے ہیں تو منع فرمایا یعنی حقیر کام ہے چنانچہ آپ نے وانی وغیرہ کو مستقل تصنیف کیا اور بعض اہل علم نے زعم کیا کہ تاج الشریعہ کے منع کرنے کے یہ معنی تھے کہ اس کتاب کی شرح آپ کی لیاقت نہیں ہے لیکن یہ زعم محض ناقص ہے اور مترجم کے نزدیک باطل و ہم ہے ورنہ کتب متداولہ مع تفسیر کے اجازت دینا اور شرح ہدایہ سے ممانعت بے معنی ہوگا فافہم واللہ اعلم۔

قاضی القضاة ابوالعباس احمد بن ابراہیم سروجی۔ شارح ہدایہ تا کتاب الایمان و مناسک وغیرہ۔ حسن بن علی بن حجاج سغنانی حسام الدین شاگرد حافظ الدین کبیر وغیرہ ہیں۔ مؤلف نہایہ شرح جس سے فتویٰ میں حوالہ ہے۔ آپ سے قوام الدین محمد بن محمد کاکی مؤلف معراج الدراییہ نے پڑھا اور سید جلال الدین کرانی مؤلف کفایہ نے پڑھا۔ اسماعیل بن عثمان قرشی دمشقی رسید الدین ابن المعلم امام وقت فقیہ مفسر محدث و جامع فنون نہایت متقی زاہد ہیں شاگرد و جمال حصیری و شیخ محدث سخاوی اور شیخ ابن زبیدی محدث۔ و استاد ابن حبیب وغیرہ اور آپ کی وفات سے ایک مہینہ بعد آپ کے بیٹے یوسف بن اسماعیل فقیہ محدث نے انتقال فرمایا۔ داؤد بن مرعان ملطی۔ نجم الدین فقیہ اصولی و استاد جم غفیر المتونی کما ہے۔ سراج الدین عمر بن محمود معروف بابن السراج شاگرد والد خود وغیرہ۔ علماء الدین عبدالعزیز بن احمد بخاری شاگرد و حافظ الدین کبیر بخاری۔ وغیرہ و اسناد قوام الدین کاکی وغیرہ مؤلف کشف الاسرار شرح اصول بزدوی و تحقیق شرح حسامی وغیرہ جو متداول ہیں۔ یوسف بن عمر بن یوسف صوفی شیخ کبیر عالم تحریر ہیں۔ آپ سے فضل اللہ صاحب فتویٰ صوفیہ نے علم حاصل کیا۔ آپ کی تالیفات میں سے جامع المضممرات شرح قدوری معروف و مشہور ہے۔ عثمان بن علی بن مجن زیلیعی۔ ابوجمہ فخر الدین فقیہ نحوی فرضی قاہرہ میں امام استاد محقق تھے تالیفات میں سے شرح جامع کبیر وغیرہ سب سے زیادہ تمیز

الحقائق شرح کنز الدقائق متداول معتبر معروف ہے اقوال اس فتویٰ میں تبین سے بہت حوالہ ہے۔ عبید اللہ صدر الشریعہ اصغر بن مسعود بن تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ اکبر محبوبی۔ علامہ اصولی فقہی معروف ہیں وقایہ کی شرح آپ سے متداول داخل درس ہے و تفتیح و توضیح بھی اور مختصر الوقایہ و مقدمات اربعہ و کتاب الشروط و کتاب المحاضر وغیرہ متعدد مقبول تالیفات ہیں۔ شمس الدین یحییٰ اودی یعنی فیض آباد کے قریب اودھ کے رہنے والے محدث فاضل مشہور تھے اور شیخ نصیر چراغ دہلوی نے آپ کی مدح میں یہ شعر کہا۔

سالت العلم من احيائك حقا ☆ فقال العلم شمس الدين يحيى

احیا بمعنی زندہ کرنا یعنی میں نے علم سے پوچھا کہ تجھے کس نے جیسا چاہئے احیا کیا ہے تو علم نے فرمایا کہ میرے بچے یحییٰ شیخ شمس الدین یحییٰ ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے مرید ہیں اور زمانہ سلطان غیاث الدین تغلق کا تھا۔ شاگرد مولانا ظہیر الدین بھکری وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ نقل ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے ایام طالب علمی میں آپ سے چند سوالات پوچھے جس کے جواب میں عرض کیا کہ میں ابھی اسی مقام تک پہنچا ہوں اور یہ مشکلات مجھ پر بھی رہی ہیں حل نہیں ہوئیں تو شیخ نظام نے آپ کو بٹھا کر سب مشکلات مشرع حل کر دیئے جس سے آپ کو شیخ رحمہ اللہ کی طرف سے بہت اعتقاد راسخ ہو گیا قال المترم جم بقول حضرت سعدی علیہ الرحمہ کے کہ بے علم نتوان خدا را شناخت۔ تمام اولیاء سابقین عالم علامہ گزرے ہیں اور اسی رتبہ سے بفضل الہی بہت عروج بلند پایا وقد قال اللہ تعالیٰ: انما يخشى الله من عباده العلماء ..... بالیقین بغیر علم کے جاہل ولی نہیں ہوتا اور عوام نے جو دھوکا اٹھایا کہ جاہل صوفیہ کو علم باطن حاصل ہے محض گمراہی ہے ان لوگوں نے اپنی سمجھ پر اعتماد کیا اور بزرگوں کی راہ چھوڑ ورنہ ایسا نہ کہتے اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے فضل سے ہم جاہلوں کو ہدایت فرمائے آمین جلال الدین عبد اللہ بن فخر الدین احمد معروف بایں الفصحیح عراقی کوئی جامع علوم اور حدیث کے نہایت طالب صادق تھے۔ حافظ ذہبی و جزری سے حدیث سنی اور کامل فائق ہوئے۔ قوام الدین محمد بن محمد کاکی شاگرد علماء الدین عبدالعزیز بخاری و حسام الدین سغنائی وغیرہ ہم ہیں۔ معراج الدرایہ شرح ہدایہ و عیون المذہب جامع اقوال ائمہ اربعہ تالیفات معروف ہیں۔ ابراہیم بن علی طرسوسی نجم الدین قاضی القضاة فقیہ اصولی مؤلف فتویٰ طرسوسیہ و نفع الوسائل وغیرہ۔ امیر کاتب العمید بن امیر عمر و اتقانی قوام الدین لطف اللہ۔ شاگرد احمد بن اسعد خرفنی تلمیذ حمید الدین ضریر وغیرہ متعصب حنفی تھے شرح ہدایہ مسمی بہ غایۃ البیان تصنیف کی نقل ہے کہ دمشق میں امیر نائب السلطنت حنفی کو رفع الدین کرتے دیکھ کر فتویٰ دیا کہ نماز باطل ہو گئی بر مذہب امام ابو حنیفہ قاضی تقی الدین سبکی شافعی نے سن کر اس قول کی تردید کی پس امیر کاتب نے رفع الدین کے ابطال میں رسالہ تصنیف کیا اور مدار اس کا مکحول نسفی کی روایت پر ہوا۔

فاضل لکھنوی رحمہ اللہ مؤلف التزاجم نے بعد اس نقل کے قول بطلان پر تشنیع کی اور جزم کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس میں کوئی روایت نہیں ہے اور لکھا کہ بطلان کا قول کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جس مسئلہ میں کہ روایات صحیحہ بکثرت موجود ہیں اقوال لقد صدق فیہم قال و سبقہ بہ الشیخ محمود بن قونوی جمال الدین الفقیہ قاضی دمشق المتوفی ۷۷۷ھ۔ واللہ عالم بحقیقۃ الحال۔ علماء الدین مغلطائی بن سنج ترکی۔ امام علم حدیث وقفہ و کثیر الحفظ ہیں منجملہ تالیفات کثیرہ کے تلویح شرح اصحیح یعنی صحیح بخاری کی شرح اور شرح ابن ماجہ معروف ہیں۔ عمر بن اسحاق بن احمد ہندی غزنوی ابو حفص سراج الدین امام وقت فقیہ علامہ محقق شاگرد امام زاہد شیخ و جیہ الدین دہلوی و شیخ شمس الدین خلیب دہلوی و ملک العلماء سراج الدین نقوی دہلوی و شیخ رکن الدین بدایونی جو اعز تلامذہ ابو القاسم تنوخی شاگرد حمید الدین ضریر ہیں۔ پھر مصر میں جا کر قاضی ہوئے تو شیخ شرح ہدایہ نا تمام۔ شرع زیادات و شرح جامعین صغیر و کبیر۔ شرح المختار کتاب التصوف۔ شرح جمع الجوامع وغیرہ معروف ہیں وفات بقول کنوی ۷۶۳ھ میں اور بقول علامہ سیوطی و صاحب کشف الظنون ۷۶۳ھ



میں ہوئی۔ شیخ حمید الدین دہلوی جن کی مدح ابن کمال پاشا نے لکھی ہے۔ شارح ہدایہ الشرح نفیس۔ احمد بن ابراہیم مرغینانی ابوالعباس شہاب الدین مؤلف منبع شرح مجمع البحرین در فقہ و شرح معنی در اصل فقہ۔ عبداللہ بن محمد قرشی محی الدین جامع علوم تھے۔ فیقہ محدث ہیں تخریج احادیث ہدایہ وغیرہ معروف ہیں محمد بن محمد بن محمود بابر ترقی امام علامہ فقیہ محدث جامع فنون ہیں فقہ میں شاگرد قوام الدین کاکی وغیرہ اور استاد سید محقق شریف علی جرجانی وغیرہ منجملہ تالیفات کثیرہ کے عنایہ شرح ہدایہ سے اس فتویٰ میں بہت حوالہ ہے۔ محمد بن یوسف بن الیاس قونوی شمس الدین محدث فقیہ جامع۔ ابن حبیب نے کہا کہ اپنے وقت کے امام علم و عمل و زہد و تقویٰ و علامہ قدوة تھے۔ شرح مجمع البحرین اور در الجار وغیرہ معروف تالیفات ہیں۔ علاء الدین علی سیرامی استاد سراج الدین قاری ہدایہ جو استاد ابن الہام ہیں۔ سید یوسف شاگرد مولانا جلال الدین رومی اور مؤلف یوسفی شرح لب الالباب بیضاوی وغیرہ مدفون دہلی۔ قاضی عبدالمتقدر استاد قاضی شہاب دولت آبادی مدفون دہلی حوض شمی پر کا شعر ہے

خوض در یک مسئلہ دین اے فتنے بہتر است از الف رکعت پاریا

مسعود بن عمر علامہ تفتازانی علامہ معروف و مشہور ہیں اور تلویح آپ ہی کی تصنیف ہے۔ ابوبکر بن علی بن محمد حدادی مصری۔ عالم عامل محدث مفسر فقہ زاہد صاحب کرامات تھے ہر روز چندہ سبق پڑھاتے۔ صاحب تالیفات کثیرہ ہیں ازاں جملہ کشف التزیل تفسیر میں ہے اور جوہرۃ النیرہ شرح قدوری چار مجلد اور سراج الوہاج شرح قدوری آٹھ مجلد فقہ میں ان سے اس فتویٰ میں حوالہ مذکورہ ہے اور بحث افتاء میں کچھ ذکر موجود ہے۔ علاء الدین الاسود مشہور بخواجه قرہ مؤلف عنایہ شرح وقاۃ المتوفی ۸۰۰ھ۔ سید جلال الدین کرلانی خوارزمی مرجع خاص و عام شاگرد حسام سغنانی مؤلف نہایہ و عبدالعزیز بخاری مؤلف کشف بزدوی اور استاد ناصر الدین والد حافظ الدین بزازی مؤلف فتویٰ بزازیہ و سعد غزبوس مؤلف جواہر الفقہ وغیرہم۔ تالیفات میں سے کفایہ شرح ہدایہ متداول معروف ہے ناصر الدین محمد بن شہاب شاگرد سید جلال کرلانی مؤلف کفایہ و استاد پسر خود حافظ الدین المتوفی ۸۲۷ھ۔ صاحب فتویٰ بزازیہ وغیرہ۔ فضل اللہ بن محمد بن ایوب ماجو۔ فقہ اصولی صاحب طریقت و حقیقت شاگرد یوسف بن عمر صوفی مؤلف جامع المضمرات شرح قدوری۔ و مرید خاص شیخ فیض اللہ بن صدر الدین بن بہاء الدین زکریا ملتانی۔ و مؤلف فتاویٰ صوفیہ۔ ابن کمال نے کہا کہ یہ فتویٰ کتب غیر معتبرہ میں سے ہے اگر اصول سے مطابقت معلوم نہ ہو تو خالی اس کی روایت پر اعتماد نہیں ہو سکتا ہے۔ محمود بن احمد بن عبید اللہ تاج الشریعہ امام معروف مؤلف وقلیۃ الروایہ جس کو اپنے پونے صدر الشریعہ اصغر کے حفظ کے لئے ہدایہ سے منتخب کیا اور فتویٰ و واقعات و شرح ہدایہ وغیرہ تالیف کیں۔ طاہر بن اسلام خوارزمی سعد غزبوش۔ شاگرد جلال کرلانی وغیرہ مؤلف کتاب لطیف جواہر الفقہ وغیرہ۔

محمد بن محمد بن شہاب بزازی۔ فقیہ اصولی امام وقت جامع علوم مختلفہ ہیں مؤلف فتویٰ بزازیہ وغیرہ۔ المتوفی ۸۲۷ھ۔ عمرو بن علی قاری الہدایہ سراج الدین۔ ہدایہ پڑھانے میں معروف و قاری ہوئے تھے۔ استاد شیخ ابن الہام وغیرہ مؤلف فتاویٰ قاری ہدایہ و فیہاشے۔ محمود بن احمد بن موسیٰ قاضی القضاۃ یعنی۔ منسوب بجانب عینتاب فقیہ محدث جامع فنون ذکی الطبع قوی الحفظ سریع الکتابت ہیں شاگرد فقہ میں جمال یوسف علطی و علاء سرامی اور حدیث میں زین عراقی و شیخ تقی الدین وغیرہم۔ منجملہ تالیفات کے بناء پر معروف یعنی شرح ہدایہ و مرمرز الحقائق فی شرح کنز الدقائق معروف بہ یعنی شرح الکنز وغیرہ سے اس فتاویٰ میں زیادہ حوالہ ہے و منہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری و شرح معانی الآثار و شرح الجمع وغیرہا۔ المتوفی ۸۵۵ھ۔ محمد بن عبدالواحد شیخ کمال الدین بن الہام فقیہ محقق معروف امام وقت محدث اصولی شاگرد قاری الہدایہ وغیرہ فقہ و اصول میں اور تلمیذ ابوزرعہ عراقی و جمال حنبلی و شمس شامی وغیرہ حدیث

میں ہیں۔ فتح القدیر شرح ہدایہ آپ کی تالیفات میں سے متداول ہے جس سے اس فتاویٰ میں حوالہ ہے کہتے ہیں کہ رتبہ ترجیح تک ظاہر میں اور ابدال وقت تک باطن میں تھے لیکن مترجم کے نزدیک یہ کلام کسی قدر سہولت ہے اور یوں کہنا چاہے کہ علامہ عارف عامل منجملہ اہل اللہ تعالیٰ تھے واللہ اعلم بالصواب۔ محمد بن فرامر ز مشہور ہمو لے خسرو۔ عالم علوم وفلاسفہ شاگرد برہان الدین ہروی شاگرد تفتازانی قاضی قسطنطنیہ معروف ہیں مؤلف غرر الاحکام مع شرح دار الاحکام جو بنام غرر فی الدور معروف ہے اور حاشیہ تلوح وغیرہ۔ المتونی ۸۸۵ھ۔ عبداللطیف بن عبدالعزیز معروف باین الملک چونکہ آپ کے اجداد میں سے کسی کا نام فرشتہ تھا اس لئے ابن الملک کے نام سے مشہور ہوئے۔ فقہ مشہور اور حافظ متون حدیث بکثرت اور ماہر اکثر علوم تھے۔ تالیفات اکثر مفید و متداول ہیں جیسے حدیث میں مشارق الازہار شرح المشارق و اصول میں شرح المنار اور فقہ میں مجمع البحرین کی شرح جس سے اس فتاویٰ میں بہت نقل ہے اور شرح وقایہ اور رسالہ علم تصوف وغیرہ۔ فخر الدین عجم شاگرد سید شریف جرجانی مؤلف مشتمل الاحکام صاحب کشف الظنون نے مولیٰ برکلی کا قول نقل کیا کہ یہ کتاب منجملہ کتب و اہیہ غیر معتبرہ کے متداول ہو رہی ہے۔ الیاس بن ابراہیم ماہر علوم و فنون تیز طبع سربیع الکتابتہ رقیق القلب تھے فقہ اکبر کی شرح معروف سے سلطان مراد خان کے عہد میں بردسا کے مدرس رہے اور وہیں فوت ہوئے۔ ابراہیم بن محمد حلبی۔ امام محدث فقہ مدقق ہیں۔ مؤلف ملثقی الابحار وغنیۃ المستملی یعنی کبیری و مختصر معروف بصغیری وغیرہ معروف ہیں۔ محمد بن محمد عرب زادہ رومی۔ فنون علماء میں سے محقق و مدقق مدرس قسطنطنیہ مؤلف شرح وقایہ و عنایہ شرح ہدایہ وغیرہ ہیں۔ محمد بن محمد بن مصطفیٰ عمادی معروف بہ ابوالسعود مفسر ماہر بلاغت و فنون ادبیہ و محقق علوم نقلیہ عقلیہ فقیہ محدث مفسر ہیں شاگرد مویذ زادہ تلمیذ جلال دوانی ہیں تفسیر ارشاد العقل السلیم معروف بہ تفسیر ابوالسعود آپ کی مشہور تالیف ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا کہ بعد بیضاوی کے یہی تفسیر حسن اعتبار و اعتماد ہے بیضاوی سے بڑھ کر رتبہ اشتہار کو پہنچے اور خطیب المفسرین کا خطاب دیا گیا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ عبدالعلی بن محمد بن حسین برجنندی جامع اصناف علوم فقیہ محدث زاہد شاگرد ملا اصفہانی و ملا منصور و معین الدین کاشی و اکمال الدین شیخ حسین و کمال الدین مسعود شروانی و سیف الدین احمد تفتازانی وغیرہم۔ مؤلف شرح مختصر الوقایہ معروف بہ برجنندی اور اس شرح برجنندی سے بھی اس فتاویٰ میں بعض مواضع میں حوالہ مذکور ہے اور غالباً وہ تائیدی قول یا ظاہر شق ہے اور یہ تخریج یا ترجیح نہیں بلکہ نقل پر اعتماد ہے اور میرے نزدیک اس کے منقولات اصولی طور پر با اعتماد حدیث با اثر ہیں اگرچہ اکثر متاخرین ماوراء النہر کے مختارات سے خلاف ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اساتذہ ماوراء النہر کی توجہ احادیث کی جانب کمتر رہ گئی تھی بوجہ ایک اصل کلی پر اعتماد کر لینے کے کہ جملہ مسائل ہمارے مذہب کے مستخرج از اصول کتاب و سنت ہیں لہذا ہم کو مکرر نظر کی حاجت نہیں اور اس وجہ سے ایک خلل عظیم یوں واقع ہوا کہ جزئیات منصوصہ مخالف قیاس جس کے دیگر وجوہ برواق قیاس رکھے گئے ہیں جیسے نقض الوضو قبہقہ اور ایسے مسئلہ میں بعض روایت متوافق قیاس بھی اصحاب میں سے کسی امام سے مروی ہوئے تو ان مشائخ نے اسی روایت کو ترجیح دے کر اصل مذہب قرار دیا حالانکہ عند تحقیق اصل مذہب وہی قول ہے۔ جو خلاف قیاس بوجہ ورود نص ہے لہذا ایسے تحقیقن متاخرین مثل شیخ ابن الہمام و ابن کمال یا شاہ قاسم بن قطلو بغا وغیرہم اور ان کے تبعین مانند برجنندی وغیرہ کے اقوال و تحقیقات قابل نظر و اعتبار ہیں اور ان کی مخالفت میرے نزدیک ان سے کچھ متقدم مشائخ بخارا و بلخ وغیرہ مرجع ہے

اگرچہ بالکل یہ نہ ہو کیونکہ علامہ قاری شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم نے افادہ فرمایا ہے کہ ان اساتذہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا توخل بن حدیث میں کمتر ظاہر ہوتا ہے اور ہم لوگ اگرچہ مقلدین ہیں لیکن یہ قول و لواہجی و ابن قطلو بعنا وغیرہم کے جس کو نظر کی اہلیت ہو اور اس نے اپنے آپ کو بندہ ہوا و ہوس بنا کر صرف اس قدر لا ابا لی طریقہ پر اکتفا کیا کہ اقوال متخالفہ مروی میں سے کسی قول پر عمل

کرے تو اس نے اجماع مؤمنین و مسلمین سلف و خلف سے مخالفت کی ہے کیونکہ جس مقلد کو اہلیت نظر بھی نہیں ہے اس پر تو یہ لازم ہے کہ کسی اہل نظر سے پوچھے جو کچھ وہ بتلائے اسی پر خواتمواہ عمل کرنا پڑیگا۔ اور جب یہ بات معلوم ہوئی تو میں کہتا ہوں کہ شرح برجنیدی کو بھی ایسی کتابوں میں داخل کیا گیا ہے جن پر کچھ اعتبار بدون موافقت اصول و کتاب معتمد کے نہیں ہو سکتا ہے لیکن مترجم کے نزدیک یہ حد سے تجاوز ہے ظاہر اقل نے اس کتاب کو اچھی نظر سے مطالعہ نہیں کیا ہے یا اس کو کتاب و سنت سے حظ وافی نہ تھا ورنہ وہ کبھی اس کو مثل جامع الرموز وغیرہ کے قرار نہ دیتا اور میرے نزدیک یہ شرح محققانہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ محمد بن عبد اللہ بن احمد خطیب ترمذی۔ امام بینظیر فقیہ قوی الحافظ کثیر الاطلاع و حید فرید تھے شاگرد شمس الدین محمد شافعی غزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اور جب ۹۹۸ھ میں قاہرہ گئے تو وہاں مؤلف بحر الرائق شرح کنز الدقائق شیخ زین بن نجیم مصری اور امین الدین بن عبد العال و علی بن حنائی وغیرہ سے فقہ حاصل کی اور امام مفتی معروف ہوئے شمس الدین لقب تھا تالیفات نہایت لطیف و مستند ہیں جیسے تنویر الابصار فقہ میں بسبب مدقیق کے بہت معروف ہے و معین المفتی و مواہب الرحمن و فتاویٰ ترمذی و شرح زاد الفقہ و رسالہ حرمت قراءۃ خلف الامام و رسالہ تصوف مع الشرح وغیرہ ہیں۔ تنویر الابصار متن لطیف کی شرح خود فرمائی اس کا منہج الغفار اور اس پر شیخ الاسلام خیر الدین رملی کا حاشیہ ہے اور بہت مشہور شرح علامہ علامہ حاکمی کی در المختار نام ہے۔ واضح ہو کہ تنویر یا اس کی شرح سے فتاویٰ دینا نہیں چاہئے جیسا کہ باب افتاء میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ کتاب غیر معتمد ہے بلکہ اس وجہ سے کہ نہایت تنگی عبارت و لحاظ قیود صریح و ضمنی وغیرہ سے مفتی سے اکثر غلطی واقع ہونے کا احتمال قوی ہے کیونکہ فقہ مسائل میں قیود سب معتبر ہوتے ہیں جیسا کہ مذہب تحقیق ہے اور بحث افتاء میں فی الجملہ ذکر ہوا ہے لہذا افتاء کے لئے واضح سلیس فتاویٰ مثل اس فتاویٰ عالمگیری کے ہونا چاہئے چنانچہ جو شخص دونوں فتاویٰ پر غور نظر سے مطالعہ رکھے اس کو خود ظاہر ہو جائے گا کہ تنگی عبارت در المختار سے سمجھنے میں بیشتر غلط واقع ہوتا ہے اور یہی حال اشاہ و النظائر وغیرہ کا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب شیخ عمر بن ابراہیم بن محمد معروف بہ ابن نجیم مصری سراج الدین فقیہ محقق کامل الاطلاع شاگرد اپنے برادر معظم شیخ زین بن ابراہیم مصری مؤلف بحر الرائق ہیں لیکن تحقیق حق کے طور پر اپنے استاد کی شرح بحر الرائق پر جا بجا اپنی شرح نہر الفائق میں تخطیہ کیا ہے۔ اس فتاویٰ میں بحر الرائق و نہر الفائق دونوں سے بہت حوالہ مذکور ہے۔ شیخ زین العابدین بن ابراہیم مصری۔ استاد شیخ عمر موصوف و برادر معظم۔ علامہ محقق مدقق شاگرد شیخ شرف الدین بلیقنی و شہاب الدین و امین الدین بن عبد العال و ابو فیض سلمی وغیرہم و استاد شیخ ترمذی مؤلف تنویر الابصار و برادر خود شیخ عمر بن نجیم مؤلف نہر الفائق وغیرہم۔ تالیفات میں سے بحر الرائق و اشاہ و نظائر وغیرہ معروف ہیں لیکن فتاویٰ ابن نجیم معتبرات میں سے نہیں ہے کما ذکر فی الافتاء۔

خیر الدین بن احمد رملی فاروقی مفسر محدث فقیہ صوفی شیخ الحنفیہ ہیں شاگرد سراج الدین صاحب فتاویٰ سراجیہ وغیرہ۔ مؤلف فتاویٰ سائرہ و فتاویٰ خیر یہ وغیرہ علامہ محقق معروف ہیں ایک جماعت نے آپ سے استفادہ کیا اور مدح میں طول دیا ہے محمد بن علی بن محمد حاکمی منسوب بحصین کیفا فقیہ نحوی معروف مؤلف در المختار شرح تنویر الابصار و شرح ملتقی الابحار وغیرہ التوفی ۱۰۵۸ھ۔ ابراہیم بن حسین معروف بہ بیری زادہ مفتی مکہ معظمہ شیخ حنفیہ فاضل محقق شارح الشباہ و النظائر وغیرہ۔ عنایت اللہ محمد لاہوری ابو المعارف عالم عارف محقق ہیں تالیفات میں سے ملقط الحقائق شرح کنز الدقائق معروف ہے۔ شیخ نظام رئیس علماء جنہوں نے فتاویٰ عالمگیری کو جمع کیا ہے خاتمہ واضح ہو کہ اس فتاویٰ کو عموماً کتابوں میں اکثر نام مطلقاً بدون کسی قید تعریفی کے ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ اس نام میں کجی اوضاع متعدد یا بحسب نوعی یا جنسی اشتراک ہوتا ہے لہذا تنبیہ کی جاتی ہے۔

## ذکر اسماء و القاب اکابر

اس کتاب میں شامل کچھ ”مخففات“ کے بارے میں ضروری وضاحت ☆

سب سے پہلے تبرک کے لئے رسول ﷺ سے شروع کرتا ہوں کہ جہاں کتابوں میں یہ پاک لقب مذکور ہے مراد اس سے اللہ تعالیٰ کے پاس رسولوں میں سے خالص حضرت سیدنا مولانا سید الاولین والآخرین خیر الخلائق کلہم اجمعین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ بن عبد اللہ رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ و اسحابہ و علی جمیع الانبیاء والمرسلین اجمعین۔ صحابہ وہ پاک مؤمنین جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ پر واقعی ایمان لائے اور وہ سب افضل الامتہ ہیں ان میں سے خلفاء راشدین جہاں فقہ میں مذکور ہے حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم میں عشرہ مبشرہ ان چاروں خلفاء راشدین کے ساتھ سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و عبد الرحمن بن عوف و زبیر بن العوام و طلحہ بن عبد اللہ و ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔ ابن عباس سے حضرت عباس کی اولاد میں سے فقط عبد اللہ بن عباس مقصود ہوتے ہیں۔ فضل بن عباس وغیرہ کوئی مراد نہیں جیسے ابن مسعود سے فقط عبد اللہ بن مسعود اور ابن عمر سے عبد اللہ بن عمر و ابن زبیر سے عبد اللہ بن الزبیر مقصود ہیں۔ فقہاء انہیں کو عبادلہ کہتے ہیں اور محدثین بجائے ابن الزبیر کے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو لیتے ہیں۔ تابعین وہ مؤمنین جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کم سے کم ایک کو دیکھا ہو اور خاص کر اسی کو ذکر کرتے ہیں جن سے کچھ دینی بات روایت کی ہو۔ سلف صالحین خصوصاً صحابہ رضی اللہ عنہم اور عموماً صحابہ و تابعین و خلف فقط تابعین رضی اللہ عنہم۔ بعض نے کہا کہ تیسری صدی شروع تک والے سلف ہیں والاول اصوب واللہ اعلم تابعین کے دیکھنے والے تبع تابعین ہیں جیسے اکثر ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان علماء میں متقدمین و متاخرین کہنا اصل ہے اور بعضے مجازاً سلف و خلف یہاں بھی بولتے ہیں جیسے درحقیقت سلف صحابہ ہیں اور خلف تابعین ہیں مگر کبھی سلف سب کو کہتے ہیں اور شن الغارہ ابن حجر المکی میں ہے کہ صدر اول کا لفظ فقط سلف صالحین ہی پر بولا جاتا ہے اور تینوں قرن والے بزرگ ہیں۔ فقہا حنفیہ میں امام سے مراد ابو حنیفہ اور کبھی امام عظیم وغیرہ بولتے ہیں۔ محمد و امام محمد یعنی محمد بن الحسن الشیبانی شاگرد ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ حسن یعنی حسن بن زیاد اور حدیث میں حسن البصری جیسے ابن ابی لیلیٰ فقہ میں محمد بن عبدالرحمن بن سیار الکونی اور حدیث میں ان کے باپ مراد ہیں۔ صاحب المذہب یعنی ابو حنیفہ۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔ باوجودیکہ امام کے شاگرد بہت ہیں اس وجہ سے کہ امام ابو یوسف نے اول فقہ امام کو تالیف سے اور خصوصاً قاضی القضاة ہونے سے پھیلا یا اور امام محمد کی تصانیف نہایت کثرت سے ہوئیں پس گویا یہی صاحبین ہوئے کیونکہ فقہاء کو انہیں سے روایات مذہب بہت ملیں تو لفظ صاحبین پر اقتصار ہو اور کس قدر فروحسں سے بھی لہذا ان کا ہر جگہ نام لکھ دینا آسان ہوا۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مع صاحبین اور مترجم نے کہیں ائمہ ثلاثہ لکھا اور کہیں کہا کہ ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اور زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اگرچہ اعتبار سے ذکر کرتے ہیں مگر اس طرح کہ ائمہ ثلاثہ و زفر کے نزدیک اور ان کو ملا کر ائمہ اربعہ نہیں کہتے بلکہ ائمہ اربعہ جہاں آئے۔ وہاں امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد رحمہم اللہ مراد ہوں گے۔

تینوں فقہاء حنفیہ میں ابو حنیفہ و ابو یوسف ہیں اور حدیث میں امام بخاری و مسلم ہیں اور صحابہ میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ طرفین ان میں ابو حنیفہ و محمد ہیں۔ قولہم عندہم جمیعاً یعنی بالاجماع ان سب کے نزدیک مراد اس سے ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے۔ امام ثانی و امام قاضی یعنی ابو یوسف اور امام ربانی محمد ہیں۔ خصاف و بصاص قدوری و ماتریدی وغیرہ مترجم میں مذکور ہوئے اور ان میں التباس بہت کم ہے ہاں کرنی سے ابو الحسن مراد ہیں اور حضرت معروف کرنی جو ان سے مقدم ہیں مراد نہیں ہوتے اور واضح ہو کہ فقہاء عراق کے نام کے ساتھ وصفی طولانی لقب نہیں ہوتے ہیں بلکہ پیشہ وغیرہ جو رواج میں ادنیٰ ہیں ان سے معرفت ہے بخلاف علماء ماوراء النہر وغیرہ

کے یہاں لوگوں نے ان کے القاب لکھے ہیں جیسے شمس الائمہ اور یہ چند فقہاء کا لقب ہے مثل شمس الائمہ حلوانی و شمس الائمہ زرنجری و شمس الائمہ کردری و شمس الائمہ اوزجندی لیکن جہاں خالی شمس الائمہ مذکور ہے وہاں مراد شمس الائمہ سرخسی ہیں و باقیوں کے ساتھ حلوانی وغیرہ کی طرف نسبت بھی مذکور ہوتی ہے اور شیخ الاسلام اکثر مراد خواہر زادہ ہیں اور فضلی جہاں مطلق مذکور ہے مراد شیخ امام جلیل ابو بکر محمد بن الفضل الکماری البخاری ہیں۔ ذکر کتب جہاں اصل مذکور ہے یعنی جیسے کسی حکم کی نسبت آیا کہ ایسا ہی اصل میں مذکور ہے تو اس سے امام محمد کی مبسوط مراد ہے کیونکہ اس کو سب سے مقدم تصنیف فرمایا تھا پھر جامع صغیر کو پھر جامع کبیر پھر زیادات پھر سیر صغیر پھر سیر کبیر کذا فی غایۃ البیان وغیرہ اس مبسوط کو ایک جماعت متاخرین نے شرح کیا از انجملہ شیخ الاسلام معروف بہ خواہر زادہ ہیں ان کی شرح کو مبسوط کبیر کہتے ہیں و شرح شمس الائمہ حلوانی وغیرہ اور یہ شروع اگرچہ درحقیقت شروع ہیں لیکن شارح نے اپنے کلام کو امام محمد رحمہ اللہ کے کلام سے مختلط ذکر کیا لہذا کبھی مبسوط شمس الائمہ حلوانی یا مبسوط شیخ الاسلام خواہر زادہ بولا جاتا ہے بلکہ اس فتاویٰ میں اکثر اسی کے مانند الفاظ سے حوالہ مذکور ہے لہذا اس امر کو یاد رکھنا چاہیے تاکہ تشویش نہ ہو اور یہی حال شروع جامع صغیر میں ہے کہ کتاب دراصل محمد کی تصنیف اور شارحین نے شرح میں اپنا کلام غیر متتمیز غلط کیا لہذا جامع صغیر قاضی خان یا جامع صغیر فخر الاسلام بزودی کہتے ہیں حالانکہ مراد یہی ہے کہ شرح جامع صغیر قاضی خان وغیرہ اور اس فتاویٰ میں مترجم نے کہیں شرح کا لفظ بڑھا دیا اور کہیں اسی طور سے چھوڑ دیا ہے لیکن واضح رہے کہ مبسوط شمس الائمہ سرخسی سے اطلاق کے وقت شرح مبسوط نہیں مراد ہے بلکہ حاکم شہید المتوفی ۳۳۴ھ کی تالیف کافی کی شرح مراد ہے یعنی کافی مؤلفہ حاکم کی شرح سرخسی کو مبسوط سرخسی بولتے ہیں اور فتاویٰ میں اس سے حوالہ جا بجا مذکور ہے یہ تو مبسوط کا مذکور ہوا جس کو اصل بولتے ہیں اور جہاں روایت اصول بلفظ جمع مذکور ہے اس سے امام محمد کی چھ کتابیں سب مراد ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا کذا فی ردالمحتار اور تعالیق الانوار میں ہے کہ بعض نے سیر صغیر کو ان میں نہیں لیا ہے اور ملحوظی نے کہا کہ بعض نے سیر کبیر کو بھی نہیں لیا۔ عنایہ میں ہے کہ اصول صرف چار ہر دو جامع و زیادات و مبسوط ہیں اور یہی نتائج الافکار میں بھی مذکور ہے بالجملہ جس حکم کی نسبت لکھا گیا کہ اصول کی روایت ہے یا اصول میں یوں ہی آیا ہے اس سے مراد بظاہر قول و محتا ہر شش کتب ہیں اور بقول عنایہ و نتائج الافکار صرف چار ہیں پس بقول اول جو حکم سیر میں ہو وہ بھی ظاہر الروایۃ و ظاہر المذہب ہے اور بقول دوم نہیں ہے بلکہ وہ غیر ظاہر الروایۃ ہے جیسا کہ نتائج الافکار میں تصریح کر دی ہے اور خاتم علماء فرنگی محل رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفتاح السعادت سے نقل کیا کہ انہم یعبرون عن المبسوط والزیادات والجامعین بروایۃ الاصول دون المبسوط والجامع الصغیر والسیر الکبیر بظاہر الروایۃ ومشہور الروایۃ اتنی شاید کاتب کا سہو ہے کیونکہ سیر صغیر اس میں سے بالکل ساقط ہے اور مبسوط و جامع صغیر کو مکرر لایا ہے اور شک نہیں کہ مبسوط اصل اتفاقی ہے پھر اگر یہ مراد ہو کہ اس کی روایت کو ظاہر الروایۃ و روایۃ اصلی دونوں کہتے ہیں تو اقوال سے ضعیف کی طرف ترقی ایسے مقاصد میں مہمل ہے پھر سیر کبیر سے صغیر مقدم و مشہور تر ہے اور مبسوط سب سے زائد باوجودیکہ اس کو غیر مشہور الروایۃ میں لیا ہے فلینا مل فیہ اور شاید توفیق اس طرح معقول ہے کہ روایۃ الاصول و ظاہر الروایۃ و ظاہر المذہب اس مجموعہ کے نشان کے واسطے چھ کتابیں سب ہیں غیر ازینکہ روایۃ الاصول ان میں سے فقط چار سے مخصوص ہے اور مشہور الروایۃ باقیوں سے جیسا کہ قول دوم ہے لیکن ظاہر الروایۃ مثل روایۃ الاصول ہونا لائق ہے اگرچہ لفظ اصطلاحی قرار دے کر کسی معنی میں مضائقہ نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور عنقریب اس میں کلام آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ محیط جس سے اس فتاویٰ میں بہت حوالہ ہے کہیں مطلق مذکور ہے اور کہیں محیط السرخسی مذکور ہے پس محیط سے جہاں مطلق مذکور ہے محیط بر بانی مؤلفہ امام برہان الدین مراد ہے اور ذخیرہ بھی انہیں کی تالیف سے ہے اور محیط السرخسی سے امام رضی الدین سرخسی کی محیط مراد ہے۔ اور تراجم میں طبقات اور علیہ سے چند محیط کا حال ذکر کیا مگر ان نشان بظاہر نہیں ہوتا ہے۔ ان محیطات میں سے

عمدہ ترتیب محیط سرخسی کی ہے کہ ہر اصل فقہی اول پھر روایات اصول پھر نوادر پھر فتاویٰ کو ذکر کیا ہے۔

تمتہ

### صدر الشہید صدر الشریعہ تاج الشریعہ ابوالکارم ☆

حاکم شہید محمد بن محمد المتوفی ۳۳۴ھ ہیں اور حاکم فقہ میں وہ ہے کہ جملہ فرعیات بہ اصول فقہی محفوظ رکھتا ہو اور اصول الفقہ سے ماہر ہو اور بعض نے اس کی مقدار بیان کی ہے اور حدیث کی اصطلاح میں بھی حاکم کی تعریف میں اختلاف اس طرح مذکور ہے کہ کمانی تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی لشیخ السیوطی لیکن مترجم کے نزدیک فقہ میں جملہ فروع کے حفظ سے مقید کرنا اس جہت سے مشکل ہے کہ نوازل و وقائع تاقیامت باقی ہیں۔ اللہم الا ان یراد بہ ما یروی فیہ حکم من المجتہد۔ بخلاف حدیث کے کہ وہاں انضباط ظاہر ہے اور اسی اصطلاح پر صاحب متدرک کو حاکم کہتے ہیں۔ الصدر الشہد یعنی حسام الدین و مترجم نے اسی اعتماد پر کہیں کہیں نام چھوڑ دیا ہے صرف اسی لقب پر اقتصار کیا ہے۔ صدر الشریعہ اکبر احمد بن جمال الدین المجدبی۔ صدر الشریعہ اصغر عبداللہ بن مسعود صاحب نقایہ و شرح وقایہ۔ تاج الشریعہ محمود بن احمد صدر الشریعہ اکبر مؤلف وقایہ۔ ابوالکارم شارح وقایہ۔ ابن عابدین نے کہا کہ مرد جمہول ہے یعنی اس کے حال و علم و کمال سے تاریخی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔

### الباب ☆

## ذکر طبقات فقہاء و طبقات مسائل و ذکر کتب معتبرہ و غیر معتبرہ و غیرہ فقہاء کا

ان کا ذکر اس باب سے مقدم کرنا طریقہ تفہیم کے مناسب نظر آیا کیونکہ عوام کو جب ان کے مختصر حالات و زمانہ سے وان کے رتبہ و تصنیفات سے آگاہی حاصل ہے تو ان کی تقسیم طبقات کی راہ سے اور ان کے اجتہادی مسائل کی تقسیم زیادہ سمجھ سے قریب ہوگی اور پوری بحث دیکھنے پر یہ امر زیادہ واضح ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب اس دار فانی میں نازل فرمایا تو اولاد آدم کے واسطے احکام عبودیت ظاہری و باطنی فرض کئے اور باطنی سے میری مراد وہ احکام ہیں جو قلب سے متعلق ہیں جیسے تصدیق آخرت و حشر و غیرہ و خلوص نیت و حسن طوہت و غیر ذلک اور چونکہ یہ عقل جو شہوات و غیرہ سے گوندھی ہے اس راہ میں مستقل نہیں لہذا حق سبحانہ تعالیٰ نے برفیق رحمت کاملہ اپنے بندوں کو عدم مغرقت میں معذور فرمایا۔ اس حد تک کہ اپنا خاص بندہ مقبول رسول مبعوث فرمائے چنانچہ اس کے واسطے سے جو احکام و اخبار نازل فرمائے وہ امور واقعہ کی سچی خبریں ہیں اور ان میں بدگمانی کرنا سوائے کج فہمی صریح کے جو کسی خواہش پسند آدمی کو کسی خواہش نفسانی کی وجہ سے عارض ہو کچھ اختلاف متصور نہیں بخلاف ایسے لوگوں کے جو امور الہیہ و موجودات میں عقل کو مستقل سمجھ کر گفتگو کرتے ہیں کہ خود بدیہی ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے مخالف رائے ظاہر کرتا ہے تو لامحالہ ایک کا جھوٹا ہونا ضرور تسلیم کرنا چاہئے مثلاً حکمت فلسفہ کو یقینی کہتے ہیں حالانکہ افلاطون کے نزدیک جسم ہیولی و صورت سے مرکب نہیں بلکہ بسیط ہے اور ارسطو کے نزدیک ہیولی جو ہر جزوے تو لامحالہ ایک کا قول غلط ہے حالانکہ پہلے اس کو عقلمند مان لیا گیا تھا پس صریح ظاہر ہے کہ عقل یہاں کسی یقین کو مفید نہیں خصوص جبکہ خود عقلمند ایک وقت کچھ رائے مضبوط سمجھتا ہے اور دوسرے وقت اس کے خلاف پر جزم کرتا ہے اور اس میں کسی منصف کو شک نہ ہوگا پھر ان عقلمندوں کے ماننے والے زیادہ احمق ہیں اس لئے کہ یہ خود مقرر ہیں کہ ہمارے نزدیک فلاں شخص سب سے زیادہ عقل ہے یعنی خود ہم میں ایسی عقل نہیں جو اس کی برابری کریں تو پھر ان بیوقوفوں کے اس کو عقل جاننے و نہ جاننے کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے

بخلاف اخبار و احکام رسالت کے جس قدر انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ تعالیٰ عز و جل نے مبعوث فرمائے سب ایک ہی کلمہ پر متفق ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور تمہارے لئے آخرت برحق ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے دس پشت تک برابر یہی تو حید پٹی آئی جہاں تک حضرت خالق عز و جل نے مقدر فرمایا پھر تو حید میں شرک پھیلنا شروع ہوا اور برابر اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اہل عقل و امانت والوں کو راہ الہی سبحانہ تعالیٰ بتلائی جس سے وہ مقصود کو پہنچے یہاں تک کہ خاتمہ و قرب قیامت پر اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل و اکرم حضرت مولانا و نبینا رسول اللہ عز و جل محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و علی جمیع الانبیاء و المرسلین اجمعین کو مبعوث فرمایا اور بندوں کو اپنا دین حق تعلیم فرمایا اور آپ کی وزارت و صحابت کے لئے بحکم: کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر ..... نہایت عمدہ بندے منتخب و مقدر فرمائے چنانچہ جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا اور ظاہر و باطن خالص تو حید پر گناہ سے ایک روز بچا ہوا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات سے واقف ہو وہ صاف بلند آواز سے ان کے افضل الامتہ ہونے کا اقرار دل سے کرے گا اور درحقیقت افضل الرسول کے اصحاب کا بھی افضل ہونا لازم ہے جنہوں نے ایسی تعلیم حاصل کی کہ مصداق رضی اللہ عنہم رضوا عنہ ہوئے اور راہ الہی میں کوشش و اجتہاد کا حق ادا کیا کہ ان سے پیچھے ان کے اصحاب یعنی تابعین مصداق قولہ: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ہوئے اور قولہ: لمن رای من رانی الحدیث سے بشارت عظیم پائی۔ پس صدق ایمان و امانت و صلاح ظاہر و باطن ان میں محبوب تھی ان کے بعد جو زمانہ آیا اس میں تصدیق و اخلاص کو تنزل ہونا شروع ہوا الاصل مانی صحیح من قولہ: الامانة تنزلت فی جذر قلوب الرجال ..... لیکن بعضے اسی طریقہ سلف صالحین و صدر اول پر قائم رہے اور لوگوں کی ہدایت کی اور غایت شفقت سے ان کو عذاب الہی کی طرف جانے سے روکا اور کمال کوشش ان کی صلاح قلب پر تھی اور چونکہ صلاح باطن کے ساتھ صلاح ظاہر منوط ہے لہذا حرام و شبہات و معاصی جو ارج و غیرہ سے بچنے کے لئے افعال محمود و مشروع کی تلقین فرمائی اور ممنوع سے منع فرمایا پس انہوں نے بھی صدق ایمان کی علامت خوب ظاہر کی اور چونکہ یہ امر منصوص ظاہر ہے کہ ہر زمانہ متاخرین نور ایمان کی قلت اور فساد کی کثرت ہوگی۔ لہذا فی الصحیح من قول انس رضی اللہ عنہ الذی سمعہ من نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اور ظاہر نصوص سے ہر زمانہ کے وقائع جو ایک طرز پر نہیں ہوتے پچھلوں سے نہیں نکل سکتے لہذا ان کے لئے ایک قاعدہ بنایا جس سے نور ایمان کی کمی کا جبر نقصان فی الجملہ ہو جائے اور اپنے اعمال ظاہری و قلبی کے واسطے حکم الہی سبحانہ تعالیٰ معلوم کر سکیں اور جہاں تک ممکن ہو خود نظائر و احکام و وقائع کو استخراج کر دیا اور ان کے بعد ان کے اصحاب نے بھی اتباع کیا لیکن افضل اول کو ہے ولہذا قال الشافعی رحمہ اللہ من اراد التجبر فی الفقہ فهو عیال لابی حنفیة رحمہ اللہ۔ پھر چونکہ فروع اعمال بغرض حصول ثواب و نفس کو پابند شرع رکھنے کے ہیں حالانکہ ایمان قطعی منصوص ہے تو فروع میں رحمت الہیہ و سعت تامہ کو مقتضی ہوتی اور ہر مجتہد کی رائے اجتہادی پر اعطاء ثواب کا وعدہ فرمایا بدین معنی ہر مجتہد ٹھیک راہ پر ہے اگرچہ متناقض حالت میں در باطن ایک ہی مصیب ہوگا لیکن اصلی غرض سے ثواب ہے اس راہ سے ہر ایک مصیب ہے اس واسطے اختلاف امت عین رحمت ہو لہذا طرق اجتہاد کی راہ سے ان میں تمايز ہوا اور سب کے سب اس راہ سے حق پر ہیں کہ ہر ایک کو ان اعمالوں پر ثواب ہے اور معلوم ہو چکا کہ ان اعمال سے یہی غرض ہے کہ ثواب و صفائی قلب سے عین یقین و قرب رب العالمین کی بزرگی حاصل کی جائے اور یہ نگیا کیونکہ اجتہاد میں قصور نہیں ہوا اس واسطے جو کوئی اجتہاد کے بھی لائق نہ ہو اس کا فعل ہوا و ہوس پر مبنی ہو جائے گا اور وہ گمراہ ہوگا لہذا انعام کو حکم ہے کہ اہل تقویٰ و اجتہاد سے راہ پوچھیں پس جب فقیہ بزرگ متقی پسندیدہ امام مجتہد ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مثلاً پوچھا گیا تو وہ ایک سے دوسرے کو ملتا پلا آیا اور اہل لیاقت و صلاحیت نے ان سے طریقہ اجتہاد بھی سیکھا کہ جو بات اس وقت نہیں واقع ہوئی اس کا حکم خود اسی طریقہ سے نکال سکیں پھر

جہاں تک یہ صلاحیت بہ مشیت الہی تعالیٰ قائم رہی کہ اس طریقہ میں جدوجہد کر لیں تب تک انہوں نے ایسا کیا آخر یہ بھی لیاقت و امانت مرتفع ہوئی اور شذوذ پر مرجع ہوا تو ان لوگوں نے اپنی کوتاہی پر یقین کیا کیونکہ آدمی اپنے نفس کو خود خوب جانتا ہے لہذا اسی طریقہ کو لازم پکڑا اسی جہت سے بوجہ پابندی طریقہ اجتہاد کے حنیفہ و شافعیہ وغیرہ فرق ہو گئے اور درحقیقت یہ سب ایک اصل توحید پر قائم ہیں خواہ افعال جوارح میں کسی طرز پر ثواب کا ذخیرہ جمع کریں کیونکہ ہر ایک دوسرے کو نظر محبت سے سامان آخرت جمع کرتا دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ اللہ عزوجل اپنے فضل سے اس طریقہ سے بھی ثواب و رضامندی عطا فرماتا ہے۔

مثلاً منفعت حاصل کرنے کے ہر طریقہ سے تجارت کرنے پر متولی و سرپرست ہر ایک سے خوش ہے اسی واجتہادی راہ سے ان میں طبقات ہیں۔ اول مجتہدین طبقہ عالیہ جنہوں نے قرآن مجید و سنت و اجماع سے قواعد اصولی بنائے جن سے طریق قیاس مسائل کا استنباط بغالب امید ثواب ممکن ہوا اور یہ اس وقت کے مصالح و متاخرین کی قوت ایمان کے موافق تھا اور یہ ایک رحمت الہی اس امت مرحومہ کے واسطے مخصوص ہوئی اور یہ طبقہ مستقل مجتہد تھے جن کو اصول یا فروع میں اپنی مانند کسی مجتہد کی تقلید روا نہیں تھی لیکن کتاب و سنت جس کی اتباع مقروض و متعین ہے اگر اس میں کسی مسئلہ کا حکم نہیں ملا اور نہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے قطعی ثابت ہوا بلکہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو لیتے تھے اور اپنے قیاس کو ترک کرتے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خیر الامۃ ہیں ان سے نور و قوت ایمان میں مساوات نہیں ہو سکتی ہے۔ پھر ان ائمہ مجتہدین میں باعتبار تفاوت مشارب کے تمایز ہے اور ان کی اجتہادات کا اشتہار بھی متفاوت ہے اور منجملہ ان کے جن کا مذہب شائع ہوا امام ابوحنیفہ و مالک بن انس و ثوری و شافعی و ابن ابی لیلیٰ و اوزاعی و احمد بن حنبل و داؤد اصفہانی ہیں لیکن ان میں سے بھی امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مشرب زیادہ مشہور ہو گیا اور ان میں سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب زیادہ شائع ہوا اور محدث دہلوی کے انصاف میں ہے کہ اقوے اسباب اشتہار میں سے یہ ہے کہ مشیت الہی عزوجل سے امام ابو یوسف قاضی دار الخلافہ ہوئے جس سے تمام سلطنت میں فقہ حنفی پر مدار ہوا اور بعد ان کے بھی اسی فقہ کے ماہر اکثر قضاة ہوتے چلے آئے اور امام محمد رحمہ اللہ کی کثرت تصانیف سے تمام شیوع و اشتہار ہو گیا حتیٰ کہ بعض ائمہ مشہورین نے بھی ان کتابوں کو بامعان نظر دیکھا اور امام فقیہ ربانی شافعی رحمہ اللہ نے لوگوں کو فقہ میں عیال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قرار دیا۔ اور کفوی وغیرہ کے بیان سے یہ بھی وجہ نکلتی ہے کہ امام رحمہ اللہ کے شاگردوں میں اہل اجتہاد علماء بہت کثرت سے تھے جن کی اتباع لوگوں میں خود مرغوب تھی لہذا کثرت ہو گئی۔ اور کفوی کے طبقات میں ہے کہ اصحاب حنیفہ میں سے بہت لوگ ملکوں و شہروں میں متفرق ہوئے چنانچہ مشائخ عراق سے بغداد وغیرہ میں اور مشائخ بلخ و بخارا و خراسان و سمرقند و شیراز و طوس و آذربائیجان و ہمدان و فرغان و دامغان و ماژنداران و خوارزم و غزنین وغیرہ سے ان ملکوں و شہروں میں شہرت ہو گئی اور چونکہ یہ لوگ خود علماء جید فقہا متدین تھے ان کے تصانیف و تذکیر سے زیادہ شیوع ہوا اور امالی و تالیف و فتاویٰ کی بہت کثرت ہو گئی۔ پس ان فقہاء میں چھ طبقے ہیں اور مع مقلدین سات ہیں۔

اول طبقہ مجتہدین مستقل جن کا انتساب ابھی کسی طرف نہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و شافعی وغیرہ ہم دوم طبقہ مجتہد مستقل جو کسی طرف منتسب ہے جیسے امام محمد و ابو یوسف و زفر کہ باوجود استقلال کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منتسب ہیں اور جیسے مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ شافعی کی طرف منسوب ہیں۔ سوم اکابر متاخرین کہ جن کو قواعد مقررہ اصول و قیاسات فروع سے استنباط و قانع و نوازل کی قدرت نامہ ہے جیسے خصاف و طحاوی و کرنی و حلوانی و سرخسی و بھاص و غیرہم اور بعض نے بزدوی و قدوری و قاضی خان و صاحب ہدایہ و برہان الدین صاحب ذخیرہ و محیط اور طاہرین احمد صاحب نصاب و خلاصہ ان کے امثال کو انہیں میں داخل کیا ہے اور ظاہر یہ کہ



تتبع نظر سے یوں مقرر کیا گیا ہے اور میرے نزدیک اس میں تامل ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ چہارم اصحاب تخریج کہ جن کو اجتہاد کی قدرت فی الجملہ ہے کیونکہ اصول و فروع کے احاطہ سے قول محمل و مبہم کی تفصیل کر سکتے ہیں اور بعض نے ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ کو اسی طبقہ میں داخل کیا لیکن عجب ہے جیسا کہ فاضل لکھنوی مرحوم نے کہا باوجودیکہ قاضی خان وغیرہ کو سوم میں شامل کیا اور میرے نزدیک اس میں ظاہری تتبع کافی نہیں ہے اور قوت ایمانی کی ترقی پر اس کا مدار اولیٰ ہے اگرچہ نفس تصدیق قابل کمی و زیادتی نہیں سہی۔ پھر مترجم کو اس میں بھی تامل ہے کہ ان لوگوں کو جن کا نام اس میں شمار کیا گیا یا اور جو علماء اس قرن میں موجود تھے کیا درحقیقت ایسے تھے کہ ان کو اتوے نوع اجتہاد کی قدرت نہ تھی۔ پنجم طبقہ اصحاب تخریج ہیں جیسے امام قدوری و صاحب ہدایہ وغیرہما تو ان کی شان فقط یہ ہے کہ بعض روایات کو بعض پر ترجیح دے سکتے ہیں بایں قول کہ یہ اصح ہے یا اولیٰ ہے یا اوفیٰ بالقیاس یا لوگوں کے حق میں زیادہ آسان ہے یا اوجہ ہے وغیرہ ذلک اور صاحب البحر الرائق نے شیخ ابن الہمام کو بھی اسی طریقہ میں شمار کیا اور کفوی نے ابن کمال پاشا اور مفسر ابو اسود کو داخل کیا اور بعض نے ابن الہمام کو رتبہ اجتہاد تک کامل کہا ہے: و انت لو تاملت فی الامر لظہر لك ان المنزلین للناس منازلہم انما موقع نظرہم کثیرۃ القیل و القال و حفظ الاقوال حتی عدوا الجدل من علم الدین و انما الاعلم عندہم من طال اذیال لسانہ فی اقامۃ مجہد الجدل العاریۃ عن الالہتداء بتوفیق اللہ تعالیٰ عز و جل فلا عبرۃ فی کثیر مما حکموا فیما لاعلم بذلك لاحد الا للہ عز و جل و هو اعلم بالمہتدین۔ ششم طبقہ جن کو فقط اتنی قدرت ہے کہ اتوے و قوے و اصح و صحیح و ضعیف مظاہر الروایۃ و ظاہر المذہب و نوادر میں تمیز کر سکیں جیسے شمس الائمہ کردری و حصیری و نسفی وغیرہم اور انہیں میں سے وہ علماء بھی ہیں جنہوں نے متون تالیف کئے جیسے صاحب مختار و وقایہ و کنز وغیرہ ان کی شان یہ ہے کہ اپنی کتابوں میں اقوال ضعیفہ مردودہ کو نقل نہیں کرتے ہیں۔ طبقہ ہفتم وہ اہل علم طبقہ جو طبقہ ششم سے بھی ادنیٰ ہیں تو محض مقلد ہیں ان پر لازم ہے کہ کسی فقیہ کی تقلید کریں اور طبقہ ششم تک کسی نوع کا اجتہاد نہیں کر سکتے اور ابن کمال پاشا رحمہ اللہ نے کہا کہ ان لوگوں کو تمیز نہیں بلکہ جو روایت پاتے ہیں کیسی ہی ہو اس کو یاد کر لیتے ہیں پس قرابی ان کی اور ان سے زیادہ اس کی جو ان کی تقلید کرے کذا نقلہ الفاضل لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام نووی رحمہ اللہ کی شرح المذہب سے مکی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ متجدد یا تو مستقل ہے اور اس کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ فقیہ النفس و سلیم الدین ہو اور فکر میں مرتاض اور صحیح التصرف والا تسنباط ہو اور رہبر و دلائل شرعیہ سے عارف وان کی شرط کا جامع باوجود روایت کے ان کے استعمال میں مرتاض اور امہات مسائل فقہ سے ہوشیار اور ان کا حافظ ہو اور یہ تو زمانہ دراز سے معدوم ہو گیا اور یا مجتہد منتسب ہوگا اور اس کی چار قسمیں ہیں اول وہ یہ کہ امام کی تقلید کسی اصول و فروع میں نہ کرے کیونکہ خود اجتہاد میں مستقل ہے اور امام کی طرف نسبت بوجہ سلوک طریقہ اجتہاد ہے۔ دوم مقید بہ مذہب کہ اولہ امام و قواعد سے تجاوز نہیں کر سکتا اور یہاں صاحب الوجوہ ہیں۔ سوم رتبہ وجوہ سے کم لیکن وہ مذہب امام کی تقریر و تخریر و ترجیح و تصنیف کر سکتا ہے اور یہی اصحاب تخریج آخر چوتھی صدی تک تھے چہارم مذہب کی حفظ و نقل میں قائم و مشکل کا عارف ہے لیکن تخریر و قیاسات و تقریر دلائل میں کمزور ہے تو اس کا فتویٰ جو کتب مذہب سے نقل کرے معتبر ہوگا۔ مترجم کہتا ہے کہ اس عبارت سے یہ فائدہ حاصل ہوا ہے کہ زمانہ میں فتاویٰ اسی شخص عالم کا معتبر ہے جو حفظ مذہب نقل و فہم مشکل عین مستقیم اور فی الجملہ نظر کی اہلیت رکھتا ہو اگرچہ تخریر دلائل میں پورا نہ ہو اور قیاسات کی تقریر میں جن سے معافی کی توضیح ہوتی ہے کال نہ ہو پس مسائل کو مذہب سے آگاہ کرے جس میں ہو او ہوس یا خالی رطب یا بس روایات میں سے کسی روایت پر مدار نہ ہو کیونکہ اہلیت نظر سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہے اور اگر کسی شخص نے تعبیر ایسی لیاقت کی دلیری کی تو وہ جہنم کا پل ہے کہ خود عذاب میں رہا اور دوسرے اس پر سے پار ہو گے اور عنقریب بحث افتاء میں ذکر آتا ہے واللہ تعالیٰ ہو الہاوی اے سبیل الرشاد۔

## طبقات مسائل

مسائل کے تین طبقات ہیں:

اول مسائل اصول اور وہ امام محمدؒ کی چار یا چھ کتابوں کے مسائل ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور انہیں کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں ان اصول میں سے مبسوط اول واصل ہے اور امام محمد رحمہ اللہ سے اس کو اکثروں نے روایت کیا از انجملہ اشہر روایت ابو سلیمان جو زجائی ہے اور اسی کے قریب روایت ابو حفص رحمہ اللہ ہے پھر اس کے نسخہ متعدد ہیں ایک نسخہ شیخ الاسلام ابو بکر معروف بہ خواہر زادہ اور یہ درحقیقت شرح ہے اور ایسے ہی مبسوط السرخسی و الحلوئی رحمہم اللہ تعالیٰ اور پہلے مذکور ہوا کہ مبسوط سرخسی سے علی الاطلاق شرح کافی مراد ہے اور کفوی نے کہا کہ ظاہر الروایۃ کے مسائل میں سے حاکم شہید کے منقحی کے مسائل ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے بعد یہ کتاب مذہب کے لئے اصل ہے مگر ان ملکوں میں اب مفقود ہے اور حاکم کی کتاب کافی بھی اصول مذہب میں سے ہے اور اس کی بھی جماعت مشائخ نے شرح کی ہے از انجملہ شرح شمس الائمہ سرخسی و شرح قاضی اسبجانی معروف ہیں۔ اقول منقحی اگرچہ اب مفقود ہے لیکن ذخیرہ وغیرہ میں اس سے بہت کچھ نقل موجود ہے اور اس فتاویٰ میں انہیں کتابوں سے بہت کچھ حوالہ ہے اس واسطے یہ فتاویٰ اصول مذہب و دریافت کرنے کے لئے بہت معتمد ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایک نسخہ کتاب الاصل کالائے تو اس پر اعتماد اس وجہ سے نہ ہوگا کہ کتاب الاصل عموماً متداول نہیں رہی جس پر وثوق ہو بخلاف نقل کے جو اس فتاویٰ میں متواتر متواتر موجود ہے۔ طبقہ دوم مسائل مذہب میں سے غیر ظاہر الروایۃ کے مسائل ہیں اور مراد ان سے وہ مسائل ہیں جن کو ائمہ سے سوائے ان کتب مذکورہ کے اور کتابوں میں روایت کیا گیا خواہ امام محمد رحمہ اللہ کی دوسری کتابوں میں جیسے کیساحیات و جرجانیات و رقیات و ہارونیات وغیرہ اور غیر ظاہر الروایۃ اس لیے کہتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ سے یہ کتابیں اس طرح ظاہر مشہر مروی نہیں ہوئیں جیسے پہلی کتابیں ہیں اور خواہ سوائے امام محمد رحمہ اللہ کے اوروں کی کتابوں میں جیسے حسن بن زیاد کی مجرد جس میں امام ابو حنیفہؒ سے اصلاً اور صاحبین وغیرہ سے تبعاً مرویات ہیں اور اسی قسم میں کتب امالی ہیں اور امالی جمع املاء ہے اور املاء یہ کہ فقیہ کے گرد اس کے تلامذہ دوات و قلم کے ساتھ بیٹھے اور جو کچھ اجتہادات وہ بولتا گیا یہ لوگ اس کو لکھتے گئے اس طرح متعدد مجالس میں مجموعہ ایک کتاب ہوگئی اور حدیث میں بھی ایسا طریقہ موجود تھا اور ظاہر اسی موافقت سے فقہیات میں بھی متقدمین فقہا میں جاری تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اذہان سیال مخلوق فرمائے تھے اور اسی قسم سے ہیں متفرق روایات متفرق تلامذہ کے پاس جن کو نو اور کہتے ہیں جیسے نوادر ابن اسماعیل و ابن رستم یعنی ابراہیم و نو اور ہشام وغیرہ از امام محمد رحمہ اللہ و نو اور بشر عن ابی یوسف وغیرہ پس ان کو نو اور یا تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ متفرق روایات ہیں یا اس وجہ سے کہ بظاہر مخالف اصول ہیں پس مشائخ نے ان کی صحیح محمل یعنی تاویل بیان کی اور بسا اوقات اصول میں جزئیہ مذکور نہیں مگر نو اور میں سے اور کبھی نو اور اگرچہ منفرد ہے لیکن تخریج مسائل سے مخالفت پیدا ہوتی ہے کیونکہ اکثر اصول میں مسائل فقہیہ کے انواع و اصناف کے قلیل مسائل مذکور ہوئے تاکہ انہیں کے مقائسہ پر تفریعات کر لی جائیں اور دقیق النظر آدمی کو مختصر کتب متون میں سے ہر بات میں یہ طریقہ ظاہر ہو سکتا ہے کیونکہ ہر صنف کے مسائل و اس کے تفریعات کو ایک اصل مقید شامل ہے اس واسطے جامع صغیر کو جامع کہتے ہیں باوجودیکہ بہت صغیر ہے کیونکہ قیود مسائل خود احکام متعددہ ہیں لیکن سوائے صاحب بصیرت کے کسی کو استخراج پر اعتماد نہیں روا ہے اور شروع جامع صغیر مثل شرح قاضی خان وغیرہ البتہ جید معتمد میں اور فتاویٰ میں اس سے پیشتر حوالہ ہے طبقہ سوم مسائل فتاویٰ ہیں اور

انہیں کو واقعات و نوازل کہتے ہیں اور یہ مسائل وہ ہیں جن کو مشائخ متاخرین نے بہ قوت اجتہاد ایسے وقائع میں استخراج کیا جن میں ائمہ متقدمین میں کوئی روایت نہیں ہے اور ایسی کتابوں میں سے اول کتاب شیخ ابواللیث فقیہ نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی رحمہ اللہ نے جمع فرمائی اور نوازل اس کا نام رکھا اس میں اپنے شیوخ و مشائخ متاخرین محمد بن مقاتل رازی و محمد بن سلمہ و نصیر بن یحییٰ و غیرہم کے فتاویٰ جمع کئے اور جا بجا اپنے آپ کو جو کچھ اختیار کیا وہ بھی لکھ دیا یعنی مثلاً کوئی حکم کسی مسئلہ میں شیخ سے نقل کیا اور اس پر خود راضی نہیں ہوئے تو لکھا کہ میرے نزدیک یوں مختار ہے لہذا اس فتاویٰ میں جہاں اس طرح آیا ہے کہ اس کو فقیہ ابواللیث نے اختیار کیا اس کے یہی معنی ہیں کہ یا تو مشائخ سے اس مسئلہ میں مختلف دو حکم مذکور ہیں ان میں سے خود ایک کو قوی سمجھ کر لکھ دیا کہ میرے نزدیک یہ مختار یعنی اقویٰ ہے یا اپنے نزدیک اس حکم کے علاوہ دوسرا حکم اجتہادی جدید مختار ہے پھر یہ کتاب ان واقعات میں اصل ہے اور اس کے بعد دوسروں نے اس طرح جمع کر دیں جیسے مجموع النوازل والواقعات از ناظمی رحمہ اللہ و واقعات صدر شہید حسام الدین رحمہ اللہ اس میں بھی اختیارات صدر شہید اکثر مذکور ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ میں جا بجا آیا کہ اسی کو صدر شہید نے اپنے واقعات میں اختیار فرمایا ہے پھر ان کے بعد مشائخ نے اصول روایات کے ساتھ غیر ظاہر الروایۃ و امالی و نوادر و واقعات کو مختلط جمع کر دیا جیسے جامع فتاویٰ قاضی خان و خلاصہ وغیرہ اور بعض نے ایک نوع تماز کے ساتھ جمع کیا جیسے محیط شمس الائمہ سرخسی چنانچہ انہوں نے پہلے مسائل اصول کو لکھا پھر غیر ظاہر الروایۃ یا مشہور الروایۃ کو پھر امالی و نوادر کو پھر فتاویٰ کو اور یہ عمدہ ترتیب ہے۔ خصوص اس زمانہ کے لحاظ سے بہت نافع ہے کیونکہ اب اس قدر تماز بھی معدوم ہو گیا۔ خواہ قلت ادراک و علم سے اور خواہ اصول وغیرہ مفقود ہونے سے اور بے شبہ یہ سستی بہت مضر ہوئی کہ کتب اصول امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ گم کر دی گئیں اور اب چند کتابیں متاخرین کی تصانیف سے شائع و معتمد ہیں ان میں سے بعض متون ہیں اور بعض انہیں کی شروح ہیں اور بعض بنام فتاویٰ معروف ہیں واضح ہو کہ اہل علم میں یہ قول مشہور ہے کہ متون میں جو حکم مسئلہ لکھا گیا ہے وہ حکم شروع سے مقدم ہے اور جو شروع میں ہے وہ فتاویٰ سے مقدم ہے پس اگر شروع میں ایسی بات پائی جائے جو متون سے مخالف ہے تو متون کا حکم لیا جائے گا اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ متون اس واسطے ہیں کہ ظاہر مذاہب کو نقل کریں مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ قاعدہ شروع مبسوط وغیرہ اس طبقہ کے واسطے متوافق تھا کیونکہ متون سے مراد اصول ہے جن کو اب متون کہتے ہیں اور فتاویٰ سے مراد خالی متاخرین کے استخراجی مسائل ہیں جن واقعات کہتے ہیں پس مراد یہ تھی کہ جب کتب اصول میں کوئی حکم ملا اور شیخ شارح نے اس کے خلاف لکھا ہے تو شرح کا حکم ترک کیا جائے اور اصل کا لیا جائے کیونکہ وہی اصل مذہب ہے اور جو شروع میں ہے وہ فتاویٰ پر مقدم اس جہت سے شرح فوائد قیود مسئلہ ہیں تو گویا یہ مسائل خود اصل ہیں مذکور ہیں بخلاف واقعات کے کہ ان میں مفروض ہے کہ صریح یا ضمنی روایت امام سے نہیں ہے بلکہ بقاعدہ اجتہادی متاخرین نے استخراج کیا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ کہیں اشارہ اس کی طرف اصل میں ہو اس واسطے بعض مسائل استخراجی میں لکھا کہ اس مسئلہ کی کوئی روایت کسی کتاب میں امام محمد سے نہیں ہے لیکن فلاں شخص نے یوں کہا اور فلاں نے اس طرح پر لکھا کہ یہی صحیح ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے پس بطریق اشارہ مذکور ہونا داخل مذکور نہیں ہے۔ بخلاف شروع کے کہ فائدہ قید یعنی مفہوم روایت ایک حجت معتبرہ ہے تو وہ ضمنی مذکور ہے پس اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ اس قاعدہ کے معنی کہ متون شروع پر اور شروع فتاویٰ پر مقدم ہیں یہ ہیں اور اس وقت میں جو متون و شروع و فتاویٰ موجود ہیں ان کے حق میں یہ قاعدہ ٹھیک نہیں ہوتا اس لئے کہ شروع اس وقت ہر طرح کے نوادر و امالی وغیرہ سے مملو ہیں اور اگر بوجہ شہرت کتاب و تواتر کے تقدم ہو تو قطع نظر اس کے کہ دلیل مذکور یعنی قولہ کیونکہ متون نقل مذہب کے لئے ہیں ارجح جاری نہیں رہتے یہ بھی ظاہر ہے کہ جملہ شروع متواتر درجہ تک

نہیں ہیں حالانکہ کتابوں کی تواتر و عدم تواتر کی بحث جداگانہ ہے علاوہ اس کے جن کو اس وقت فتاویٰ کہتے ہیں وہ خالی نوازل و واقعات کا مجموعہ نہیں ہیں بلکہ ہر طرح کے روایات اصول مع نوادرو غیرہ اس میں موجود ہیں خصوصاً اس فتاویٰ عظیم کو دیکھو کہ غالباً جملہ روایات ہدایہ و وقایہ وغیرہ خواہ انہیں کے حوالہ سے یا مبسوط وغیرہ اصول کے حوالہ سے اس میں موجود ملیں گے اور زائد اس سے بہت سے روایات اصول کا نشان مل جائے گا پھر کیونکر شرح نقایہ قہستانی و شرح ابوالکارم کا اعتبار ہوگا اور اس فتاویٰ کا اس سے کم اور حق تو یہ ہے کہ اکثر متون متداولہ اس لائق ہیں کہ اصول کی روایات اس فتاویٰ سے لے کر ان کی شرح لکھی جائے کیونکہ ایک جم غفیر علماء نے اصول سے ان روایات حاصل ہونے کی تصدیق کی اور کسی نے انکار نہیں کیا تو اخبار بحد تو اتر پہنچ گیا خصوصاً جبکہ متدین بادشاہ عالمگیر اتار اللہ تعالیٰ برہانہ کی سعی موفور پر اعتماد قوی ہے کہ اصول جن سے حوالہ ہے اس نے بالاعتماد بہم پہنچائی تھیں پس یہ کتاب جس فتاویٰ کہا جاتا ہے ان شروح متداولہ سے زیادہ مستند ہے۔

بالجملہ مجموعی حالت اس فتاویٰ بینظیر کی یہ نہیں ہے کہ اس پر وہ معنی صادق آئیں جو قاعدہ مذکورہ میں لفظ فتاویٰ سے مراد ہیں اور جس نے یہ وہم کیا کہ اس وقت کے اطلاق کے موافق الفاظ قاعدہ کا انطباق ہے اس نے خطا کی بلکہ مراد قاعدہ سے وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی ہے اب اس قاعدہ اور اس فتاویٰ میں جو نسبت ہے وہ یہ ہے کہ فتاویٰ مذکور مجمع ہے روایات اصول و کافی و منتهی و امالی و نوادرو فتاویٰ کا اور ان احکام کے طبقات اوپر بیان ہو چکے ہیں اور حالت یہ ہے کہ جس قسم کا مسئلہ پیش آیا اور اس کا حکم اس کتاب سے چاہا گیا تو دیکھا جائے کہ اصول و کافی و منتهی میں کہیں مذکور ہے خواہ ذخیرہ و محیط و مبسوط و وجیز وغیرہ کسی کے حوالہ سے ہو پس وہ حکم ظاہر الروایہ ہے اور وہی ظاہر المذہب ہے اور اسی پر عمل ہے کہ اس سے کچھ مخالفت نہیں ہے اور اگر ظاہر الروایہ میں بھی ملا اور شروح میں اس کا حکم برخلاف ظاہر الروایہ ملا تو ظاہر الروایہ پر اعتماد ہے اور شرح کرتے کیا جائے گا مگر در صورت واحدہ اور اگر ظاہر الروایہ میں نہیں ملا بلکہ فقط شرح میں ہے تو بلا مخالف اس کو لینا چاہیے اور اگر شرح کے حکم سے فتاویٰ شیخ میں بھی مخالف ملا تو شرح مقدم ہے اور اگر خالی کسی فتویٰ میں ہے تو اسی پر اعتماد کرنا متیقن ہے ہوا پس قاعدہ مذکور کے معنی اس کتاب پر اس طرح منطبق ہیں مگر واضح ہو کہ اس تقدیم میں اہل علم نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ حکم تقدیم کا اس وقت ہے کہ نیچے کے طبقہ میں مصرح کسی حکم کی نسبت صحیح ہونا مذکور نہ ہو چنانچہ مسئلہ فرائض میں کہ ایک شخص نے چچا کی دختر اور ماموں کا پسر چھوڑا تو خیر الدین رملی نے فتاویٰ دیا کہ کل تر کہ چچا کی دختر کا ہے اور اس فتاویٰ کے یہ معنی ہیں کہ خیر الدین رحمہ اللہ نے ظاہر الروایہ کا حکم مسائل کو نقل کر دیا اور یہ معنی نہیں ہیں کہ مسئلہ میں اجتہاد کر کے جواب دیا کیونکہ یہ حکم ظاہر الروایہ میں خود مذکور ہے چنانچہ اس فتاویٰ کے فرائض کو دیکھو اور اسی مسئلہ میں دوسرا حکم ظاہر الروایہ کا یہ بھی مذکور ہے کہ کل تر کہ ماموں زاد بھائی کا ہے شامی نے ردالمحتار میں کہا ہے کہ اس مسئلہ تصریح موجود ہے کہ دونوں حکم ظاہر الروایہ کے ہیں اور کہا کہ خیر الرملی رحمہ اللہ نے جو فتاویٰ میں نقل کیا اس کی نسبت جامع المصنوعات میں تصریح کر دی گئی کہ وہ صحیح ہے اور کہا کہ جہاں کہیں ایسا واقع ہو تو ہم پر اسی حکم کی ابتداء لازم ہوگی جس کے صحیح ہونے پر کر دی جائے۔ اس بیان سے یہ بات بھی نکل آئی کہ کبھی اصول سے خود مختلف دو روایتیں ملتی ہیں تو ان میں تصحیح پر مرجع ہے اور اگر نہ ہو یا ظاہر الروایہ مطلق اور حکم شرح مصحح ہو تو ان کا حکم بحث الافقاء سے تلاش کرنا چاہئے۔ پھر واضح ہو کہ یہاں ایک قول معروف ہے کہ متون کا حکم مقدم ہے شروح پر اور شروح کا فتاویٰ پر اور متون سے مراد وہ مخصوص کتابیں ہیں جو نقل مذہب کے لئے ملتزم ہیں اور اصل اس کی وہی قاعدہ ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اصول کا حکم مقدم ہے اور چونکہ کتب اصول اس وقت مفقود کی گئی ہیں تو بجائے ان کے متون داخل کئے گئے۔ اور یہ مشکل ہے اس واسطے کہ متون متداولہ میں اکثر ایسے مسئلہ بھی ہیں جن کا اصل مذہب میں وجود نہیں ہے جیسے باب طہارت میں مسئلہ وہ دروہ کہ اصل مذہب میں نہیں ہے اور اکثر

مسائل مشائخ کے متخارج ہوتے ہیں چنانچہ ہدایہ دیکھو ہاں شاید مختصر کرنی و مختصر الطحاوی وغیرہ میں ایسا ہو لیکن اب تو وہ بھی مفقود ہیں اور کمال اعتبار اس وقت وقایہ و کنز و قدوری پر ہے بلکہ انہیں پر انحصار ہو گیا اور بعض مختار مولفہ عبد اللہ بن محمود موصلی متوفی ۶۸۳ھ۔

وہ مجمع البحرین مولفہ احمد بن علی بغدادی المتوفی ۶۹۴ھ متون میں داخل کرتے ہیں اور ظاہر الحق یہ ہے کہ ان ائمہ نے جس علم کو مذہب سمجھا ہے اور اس کو قوت و صحت میں مثل ظاہر الروایۃ جانا اس کو مخلط کر دیا حتیٰ کہ سب مذہب قرار دیا گیا لہذا اس قول پر اکثر متفق ہیں کہ جو کچھ متون میں ہے اس کے صحیح ہونے کا التزام کیا گیا ہے پس جو مسائل ان کتابوں کے حوالہ سے ملیں ان کی نسبت یہ سمجھنا چاہیے کہ گویا یہ مولف تصحیح کرتا ہے لیکن ایسی صورت میں اگر ظاہر الروایۃ صریح اس کے خلاف ملے تو آیا ظاہر الروایۃ پر اعتماد ہوگا یا انکی التزامی تصحیح پر۔ یہاں اصلی مرجع اس طرف ہوگا کہ گویا ایک کتاب میں روایت آئی کہ یہ حکم ظاہر الروایۃ ہے اور اس متن میں روایت آئی کہ نہیں بلکہ یہ ظاہر الروایۃ ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ حکم متن کا تخریج نہیں ہے اور یہ دراصل کتاب کے متواتر و مشہور ہونے پر راجع ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ بعض کتابیں اس وجہ سے معتبر نہیں ہیں کہ متواتر ہم کو پہنچنا ثابت نہیں ہے اور یہ بحث بھی انشاء اللہ تعالیٰ آتی ہے بالجملہ اگر متون کو مقدم کیا جائے تو قول مذکور کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جو وقایہ میں مذکور ہے وہ شرح وقایہ سے مقدم ہے وانک اذا

تاملت القاعدة وجدتها مجمة لایول الی مدجة وملت الی ان الاصل ما ذکر من القاعدة افلا وهدہ تصحیۃ مشہا فتامل۔ پس صواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے قاعدہ اصول میں جو کچھ ہو وہ شروع پر مقدم اور شروع کا فتاویٰ پر تقدم ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور یہاں یہ بھی مذکور ہے کہ متون اس واسطے مخصوص ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ذکر کریں لیکن یہ بھی مخدوش ہے کیونکہ کثرت سے صاحبین کے اقوال بلا ذکر خلاف لئے گئے جس پر فتویٰ ہے۔ پھر اگر قاعدہ و تقدیم متون مان کر اس فتاویٰ سے انطباق کیا جائے تو اس کا یہ اثر یاد رکھنا چاہیے کہ جو مسئلہ اصول سے اس کے مانند منقحی و کافی میں سے منقول نہ ہو بلکہ ان متون سے منقول ہو تو یہ بھی اصول میں داخل کیا جائے پس شروع یا فتاویٰ پر اس کو تقدیم ہوگی اور ادنیٰ یہ ہے کہ متون کا حکم اہل مذہب کے نزدیک مذہب قرار دیا جائے گا اور جب متون کو ناقل مذہب امام مخصوص مان لیا جائے تو فتاویٰ کے وقت اس کے قواعد کے موافق یہ امام کا مذہب قرار دینا چاہئے اور ابھی معلوم ہو چکا کہ متون سے کون کون سی کتابیں مراد ہیں از انجملہ مختصر الطحاوی وغیرہ بھی ہیں لیکن اس زمانہ میں مختصر الطحاوی عموماً متداول و متواتر نہیں رہی اگرچہ تھوڑا زمانہ ہوا کہ لوگوں میں متواتر پہنچی تھی لہذا اس زمانہ میں اگر برسمیل شد و ذود چار کے پاس ہو تو اس پر یہ حکم نہ ہوگا جو کنز و قدوری وغیرہ پر ہے کیونکہ اس میں خوف الحاق و تحویف وغیرہ پیدا ہو گیا ہے اب ہم چند اصطلاحات مسائل نقل کر کے انشاء اللہ تعالیٰ لکھیں گے کہ افتاء کیا ہے اور کس شخص سے صحیح ہے اور کس کتاب سے چاہئے اور کن کتابوں سے فتویٰ دینا نہیں روا ہے واللہ تعالیٰ ہو الموفق والمعین۔ اصطلاحات مسائل بعض الفاظ نفس احکام سے متعلق ہیں جیسے واجب و جائز وغیرہ اور بعض اس سے نوع تعلق رکھتے ہیں، مثلاً حکم اجمالی یا اتفاقی یا اختلافی وغیرہ اور مترجم کو یہاں جس قدر مناسب نظر آئیں گے مخلط بیان کرے گا۔ واضح ہو کہ فرض وہ ہے کہ جو قطعی دلیل سے بلا معارض ثابت ہو اور یہ اوامر انوائی دونوں کو شامل ہے اور اکثر اس کا اطلاق انہیں افعال میں ہے جن کا کرنا مقصود ہے لہذا فرض وہ فعل ہو جس کے بجالانے کا حکم اس طرح ثابت ہو کہ قطعی بلا معارض ہے اور واجب وہ کہ قطعی بنوع معارض ہے پس فرق دونوں میں فقط اعتقاد کی راہ سے ہے اور اس پر بعض احکام مبنی ہیں مثلاً منکر فرضیت کا فرض ہوگا ورنہ عمل کرنے میں جیسا وہ ضروری ہے ویسا ہی یہ ضروری ہے اس واسطے بقدر آسان قراءت قرآن نماز میں فرض ہے اور پوری سورہ فاتحہ واجب ہے مگر پورے فاتحہ ترک کرنے سے نماز کا اعادہ واجب ہے اور یہ جو لکھا گیا کہ نقصان کے ساتھ ادا ہوگئی یا اسی کے معنی میں فرائض ادا ہو جانے پر اور الفاظ لکھتے ہیں اس سے نفس فرائض کا پورا ادا جائز ہونا وغیرہ مراد ہے ورنہ نماز ادا نہ ہوگی کیونکہ اعادہ واجب ہے اور واجب ترک

کرنے سے بالاجماع مستحق عذاب جہنم ہوتا ہے حالانکہ لوگوں نے ظاہری الفاظ دیکھ کر واجبات میں لاپرواہی و سستی اختیار کر لی ہے مثلاً رکوع و سجدہ میں ترک طمانیت بقدر تین تسبیح کے جبکہ اس قدر اسح قول پر واجب ہے اگرچہ ادنی مقدار جس پر رکوع کا اطلاق ہو فرض ہے تو عوام اہل علم جواز بتلا دیتے ہیں حالانکہ فقہاء کی مراد جواز سے ادائے قدر مفروض ہے نہ جواز نماز اور یہ یاد رکھنا چاہئے پس نماز واجب الادا ہے۔

اور جن افعال میں ترک مقصود ہے یعنی شرع میں ممنوع و منہی عنہ ہیں ان میں فرض کی نظیر حرام ہے اور جس کی حرمت ثابت ہوئی اس کی حرمت سے انکار کفر ہے اور واجب کی نظیر مکروہ تحریمی ہے اور اس تقریر میں زیادہ توضیح کی ضرورت ہے اس وجہ سے نہیں ہے کہ عموماً اہل ایمان و اسلام فرض و واجب اور حرام و مکروہ جانتے یا سمجھتے ہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہئے جو شرح المہدیہ و رد المحتار و غیرہ میں ہے کہ اکثر اوقات فقہاء اپنی کتاب میں واجب ایسے مقام پر بولتے ہیں جو فرض ہے جیسے نماز جمعہ یا اعم از فرض و واجب مراد لیتے ہیں اسی سے بعض شارحین نے کہا کہ اس کی فرضیت کا اعتقاد واجب و عمل واجب ہے اور اسی قبیل سے ہدایہ وغیرہ میں اقوال امام محمد رحمہ اللہ کہ ایک دن اگر دو عیدیں جمع ہوں ایک واجب و دوسری سنت الی آخرہ یعنی جمعہ و نماز عید الفطر یاضحیٰ اور اس سے یہ فائدہ نکل آیا کہ سنت کا اطلاق کبھی واجب پر ہوتا ہے کیونکہ نماز عید ہمارے نزدیک واجب ہے اور کبھی فرض ایسی چیز پر بولتے ہیں کہ بدون اس کے فعل صحیح نہ ہو اگرچہ وہ رکن نہ ہو جیسے کہا کہ نماز کے فرائض میں سے تحریمہ ہے باوجودیکہ نماز میں اس سے دخول حاصل ہوتا ہے اور کبھی فرض ایسی چیز پر بھی بولتے ہیں جو نہ فرض ہے اور نہ شرط ہے۔ کراہت جہاں مطلق ہے تو مراد کراہت تحریمی ہے ورنہ تنزیہی پر متغیص ہوگی اور کبھی قرینہ کی دلالت پر تنزیہی مراد لیتے ہیں ذکرہ النفسی فی المستصفیٰ و صاحب البحر و غیرہما اور اس فتاویٰ کی کتاب الکراہتہ میں بھی فی الجملہ مذکور ہے اور بعض نے عبادات و معاملات کی راہ سے تفریق کی ہے و الکلام فیہ طویل۔ سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کا فعل و قول ہے اور جو کوئی فعل آپ نے کسی دوسرے کو کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا یا اس کو برقرار رکھا وہ بھی سنت ہے اور جہاں مطلق سنت کسی امر کی نسبت لکھا گیا اس سے سنت الرسول صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحابہ وسلم مراد ہے اور سنت کا اطلاق سنت خلفاء و صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی آتا ہے و فی الحدیث علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدين اور پہلے معلوم ہو چکا کہ خلفاء راشدین سے چاروں خلفاء صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہوتے ہیں اور اسی سے کہا گیا کہ تراویح کا باجماعت ادا کرنا سنت حضرت مزین المنبر و المحراب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہے حالانکہ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو جماعت سے پڑھانے کا حکم کیا تھا اور کبھی سنت ایسے فعل پر بولتے ہیں جو بدلیل سنت کے واجب ثابت ہوا ہے جیسے نماز عید چنانچہ اوپر گذرا اور جیسے جماعت سے نماز ادا کرنا جن کے نزدیک جماعت واجب ہے و فی البحر الرائق وغیرہ کبھی سنت سے مستحب مراد لیتے ہیں اور برعکس بھی اور یہ قرآن سے عالم کو معلوم ہو جاتا ہے۔ تمتہ۔ جہاں اس فتاویٰ میں یوں مذکور ہے کہ مثلاً مدعا علیہ کا قول قبول ہوگا اور مدعی پر گواہ لانے واجب ہیں یہاں واجب سے شرعی معنی نہیں مراد ہیں یعنی اس پر شرع نے یہ امر واجب نہیں کر دیا کہ خواہ مخواہ گواہ لائے بلکہ یہ غرض ہے کہ اگر اس کو اپنا حق ثابت کرانا منظور ہے تو اس کو گواہ لانے کی ضرورت ہے یا یوں کہا جائے کہ اگر یہ حق لینا چاہے تو ظاہر شرع واجب کرتی ہے کہ گواہ لائے اور ظاہر شرع کی قید اس واسطے ہے کہ اگر وہ شخص جھوٹے گواہ لایا اور فریب سے حکم حاصل کر لیا تو قاضی کا حکم بطور شرع ہو جائے گا جب تک گواہوں کا عیب دروغ ظاہر نہ ہو مگر شرع نے اس کو حلال نہیں کیا بلکہ اسی زندگی تک یہ حکم رہا اور عاقبت میں وہ ماخوذ ہوگا۔ جواز حد منع سے باہر کو کہتے ہیں یعنی جو شرعاً منع نہیں ہے اور یہ مباح و مندوب و مکروہ تحریمی و واجب سب کو شامل ہے کمافی حلیۃ المصلیٰ وغیرہا اور شرح المہذب امام نووی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ بجوز کبھی بمعنی یصح اور کبھی بمعنی تکلیف آتا ہے یعنی کبھی جب بولتے ہیں

کہ یہ جائز ہے تو مراد یہ ہے کہ صحیح ہے اور کبھی جائز یعنی حلال ہے اور عقد الفریڈ شریالی میں ہے کہ کوئی عقد نافذ ہونے سے اس کا حلال ہونا لازم نہیں ہے چنانچہ غائب پر حکم قضاء شمس الائتمہ وغیرہ کے نزدیک نافذ ہے اگرچہ مذہب میں حلال نہ ہو اور فاسق کی گواہی پر حکم صحیح ہے اگرچہ خلاف مذہب ہے مترجم کہتا ہے کہ اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں اور مثلاً بیوع فاسد میں قبضہ سے ملک صحیح ہونے کا حکم ہے باوجودیکہ علت لازم نہیں اور غاصب نے منسوب چیز کا اجارہ دیا تو صحیح ہونے کا حکم ہوگا۔

اگرچہ حلال نہیں ہے اور ہبہ سے رجوع صحیح ہے اگرچہ حلال نہیں ہے پس صحت کو علت لازمی نہیں ہے اور یہ مقام نہایت حفاظت سے یاد رکھنا چاہئے اور فتاویٰ کے باب اجارات اور استیجار عبادات وغیرہ میں بہت سمجھ کر استفادہ لینا چاہئے و علیٰ ہذا مقابر میں قراءۃ القرآن موافق بعض روایات کے ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اجارات میں عقد اجارہ کو جائز کہا تو اس سے اول روایت کی تضعیف جیسا کہ بعض نے زعم کیا ہے وہم ہے اور بعضوں نے فقہ نہ جاننے کے سبب اس کو مخالف حدیث و آثار گمان کر کے طعن کیا اور یہ بھی بیوقوفی ہے کیونکہ احکام کی جہات مختلف ہوتی ہیں آیا نہیں دیکھتے کہ قاضی کو مدعی کے گواہوں پر بعد عدالت دریافت کر لینے کے حکم دیدینا جائز ہے اگرچہ در واقع گواہ دروغ ہوں اور علیٰ ہذا جو رو پر مرد کا کھانا پکانا یہ حکم قضاء واجب نہیں اگرچہ براہ دیانت اس پر واجب ہے اور نظائر اس کے فروع میں بکثرت بہت واضح موجود ہیں جن کے نسبت اشلہ مذکورہ میں بہت خفاء ہے اور باب عبادات میں بھی ایسا اطلاق آیا ہے چنانچہ جس نماز میں کوئی فساد ہے کبھی اس کو کہہ دیتے ہیں کہ جائز ہے اس واسطے شارع لکھتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ مع الکرہتہ جائز ہے یا کہتے ہیں کہ صحیح ہے یعنی باطل نہیں ہے اور اباحت و کراہت سے خالی ہونے کا لحاظ نہیں کرتے ہیں پس جہاں کسی حکم کی نسبت جائز ہے یا صحیح ہے استعمال ہوا اور دوسرے مقام پر اس کی نسبت مکروہ ہونے کا حکم ہے تو دونوں میں مخالفت تصور نہ کرنا چاہئے بلکہ تنبیغ وغور سے دیکھنا چاہئے اور بیوع میں لکھا کہ شیرہ انگور ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جائز ہے جو اس سے شراب بنائے گا۔ اور کتاب الکرہتہ وغیرہ میں نظیر اس کی مکروہ ہے اور بعض شروح نقایہ میں اسی مقام پر تصریح کر دی کہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بکراہت جائز ہے قال المترجم ہندوستان میں ہندوؤں کا مردہ جلانے کو جلانے والے کے ہاتھ لکڑیاں وغیرہ بیچنا اسی معنی میں جائز ہونا چاہئے و فی الکرہتہ مسئلہ فی الاکفان فلیراہعہا اللہ اعتبار۔ اور نیز بیوع میں لکھا کہ اس طرح بیع جائز ہے کہ کون ٹمن بڑھاتا ہے اور یہ بیع فقراء ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اس سے اس زمانہ میں نیلام کی بیع جائز ہے جبکہ دیگر شرائط موجود ہوں لیکن معروف یہ شرط ہے کہ مشتری کو خیاریع یا خیاریت نہ ہوگا پس اگر بیع کی طرف اشارہ ہے یعنی سامنے مشارالہ ہے تو خیاریع خود ساقط یا بشرط ساقط ہو سکتا ہے اور خیاریت کا سقوط خلاف مقتضائے عقد ہے اس طرح دیگر امور کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے اور مسلمان پر واجب ہے کہ ان امور کا معاملات میں برتاؤ نہ رکھے جو حرام کی طرف مودی ہوں اور بہتر ہوگا کہ پہلے بیع کو دیکھ بھال رکھے اور یہ جو عوام میں چٹھی ڈالنے کی بیع ہوتی ہے کہ مثلاً بیس روپیہ کی گھڑی پر بیس آدمیوں نے ایک ایک روپیہ کی چٹھی اپنا نام کاغذ پر لکھ کر گولی بنا کر دیا اور مجموعہ سے ایک بچے نے ایک پرچہ یا گولی اٹھالی جس کا نام ہوا اس نے ایک روپیہ میں وہ گھڑی پائی اور باقی محروم رہے اور مالک مال کو بیس روپیہ ملے تو بیع قطعاً حرام اور قمار یعنی جو ہے اور مالک کو باقیوں کے روپیہ حرام اور پانے والے کے روپیہ میں بھی بسبب فساد بیع کے تصرف حرام ہے اور قمار کا گناہ اس پر باقیوں و پانے والے سب پر ہوگا اور حق عزوجل اس طرح ناحق مفت حرام خوری جائز نہیں فرماتا ہے۔

اجزاء۔ ادائے کافی کو کہتے ہیں قالہ البیضاوی فی المنہاج و ہذا کقولہم اجزاء الصوم عن الکفارة۔ یعنی مثلاً قسم میں کوئی حائث ہوا اور ننگدست ہو گیا تو فرمایا کہ روزے سے کفارہ اس کو اجزاء ہے اور مترجم ایسے مقامات میں لکھتا ہے کہ اس کو روزے سے کفارہ ادا کرنا کافی ہے اور یہاں ایک لفظ اجازت ہے مثلاً زید نے عمرو سے ایک کتاب اس شرط سے خریدی کہ مجھے خیاریع ہے یعنی زیادہ سے زیادہ

تین روز کی جا کڑ خریدی پھر نہیں تین دن میں اجازت دی تو بیع جائز ہے یعنی خیار ساقط کر دیا اور یہ حقیقت میں اپنے قبول کو تمام ہونے سے روکا تھا اور جیسے مریض نے تہائی سے زائد مال کی وصیت کی پھر مر گیا پس اگر وارثوں نے اجازت دیدی تو جائز ہے یعنی مریض کا فعل جو زائد میں ان کے حق میں تصرف تھا جائز رکھا واضح ہو کہ فرض سب سے اول ہے پھر واجب پھر سنت مؤکدہ پھر سنت اور کبھی مستحب بولتے ہیں پھر مستحب اور کبھی مندوب بولتے ہیں کبھی نفل اور کبھی تطوع کہتے ہیں اور کبھی عربی لفظ منہفی اور فارسی سزاوار اور اردو چاہنے سے کہتے ہیں پھر لا باس بہ یا اردو میں مضائقہ نہیں ہے۔ فتح القدر ادب القاضی میں ہے کہ لا باس بہ کا استعمال مباح میں اور جس کا ترک کرنا اولیٰ سے ہے بہت آیا ہے اور ردالمحتار میں بحر الرائق کے جہاد و جناز سے نقل کیا کہ لا باس بہ کا استعمال اگرچہ اکثر ایسے امور میں ہے جن کا ترک اولیٰ ہے لیکر کبھی مندوب میں بولتے ہیں اور لفظ منہفی کو لکھا کہ متاخرین نے اس کو اکثر مندوبات ہی میں استعمال کیا لیکن متقدمین کی عبارات کی بول چال میں اس کو واجب تک میں استعمال کیا گیا ہے قال المترجم اس کتاب میں جہاں متقدمین کی عبارات میں آیا ہے وہاں اس کو متاخرین کی اصطلاح پر محمول کرنے میں تامل چاہیے ہے۔ واضح ہو کہ کلمہ لا باس بہ کا ترجمہ کبھی یوں آیا کہ کچھ ڈر نہیں ہے کیونکہ باس زبان عربی میں جنگ و خوف و تنگی و تکلیف و بیچینی و مرض وغیرہ میں مستعمل ہوا ہے اور چونکہ شرع آدمی کی نفسانی شہوات میں تعبدی احکام سے دراز رہی کو تنگ کرتی ہے اور اس کو جہنم میں جانے سے روکتی ہے تو جن افعال میں یہ تنگی نہیں ہے ان کے مناسب لا باس کا ترجمہ مضائقہ نہیں ہے مناسب معلوم ہوا واللہ تعالیٰ اعلم۔ قالوا صیغہ جمع ان لوگوں نے کہا اور ترجمہ میں بہ نظر مقام کبھی کہا کہ مشائخ نے فرمایا اور کبھی اماموں نے فرمایا پس متقدمین ائمہ کے اس فرمانے پر اکثر کا اتفاق جانا چاہئے اور یہ درحقیقت قوت قول کی دلیل ہے اور جہاں مشائخ میں مستعمل ہے تو یہ قول نہایت و عنایت و بنایہ کے ایسے مقام پر استعمال ہوتا ہے جہاں کسی نے خلاف بھی کیا ہو اور فتح القدر میں لکھا کہ صاحب ہدایہ کی عادت لفظ قالوا میں یہ ہے کہ اختلاف اور ضعف کی طرف اشارہ نکلتا کر لے اور تفتازانی کے حاشیہ کشاف سے بھی فاضل لکھنوی نے ایسا ہی عموماً نقل کیا لیکن فتح القدر سے ایک اشارہ نکلتا ہے کہ عموماً اس پر دلالت نہیں ہو سکتی بلکہ جس کی عادت ہو اس کے کلام میں اختلاف و ضعف پر محمول ہو سکتا ہے مترجم کہتا ہے کہ تتبع سے بھی اقوے و اظہر ہے واللہ اعلم اور میرے نزدیک یہ بات ایسے مقام پر ہے جہاں ظاہر مذہب سے کسی قدر خلاف قول مشائخ بمقابلہ بیان ہو اور نیز میرے نزدیک دلالت ضعف پر بوجہ عدم ظہور دلائل ہے اور علیٰ ہذا معنی ضعف کے فقط عدم قطع بہ قوت ہیں یعنی جس طریقہ پر مسائل فرعیہ کی صحت پر قطع ہوتا ہے اس سے آگاہی نہ ہوئی بوجہ اس کے کہ تمام دلیل یا تمتہ پر وثوق علمی نہ ہو اور نہ اگر کسی دلیل کا موجب ضعف ہو علم ہو تو وہ ضعیف صریح ہے خصوصاً جبکہ بمقابلہ قول صحیح ہو۔ پس اس فتاویٰ میں ہر جگہ اس کے ضعیف ہونے پر قطع کرنا نہ چاہئے جب تک کہ پوری درایت و فہم و روایت سے کام نہ لیا جائے۔ قیل اردو میں کہا گیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ جو حکم بہ لفظ قیل بیان کیا جائے یا ترجمہ میں کہا گیا سے مصدر ہو تو وہ ضعف سے اشارہ ہے اور ایک گونہ دلالت اس طرح پر بھی سمجھی جاتی ہے کہ قالوا میں جب فاعل ظاہر معروف ہے یعنی مشائخ نے کہا تب ضعف کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو قیل میں اس سے زیادہ ضعف سمجھا گیا کہ فاعل بھی مجہول کر دیا گیا لیکن تتبع سے حق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا لازمی نہیں ہے اور مترجم نے اکثر قیل کا ترجمہ یوں کیا کہ بعض نے کہا یا بعض کا قول ہے۔ لفظ قضاء جہاں مستعمل ہے راد اس سے قاضی کا وہ حکم ہے جو مجلس فیصلہ حکومت میں بطریق شرعی اس طرح صادر ہو کہ لازم و مبرم ہو چونکہ اکثر موقع پر اس طرح لکھنا کہ (قاضی نے قضاء کی یا حکم قضاء دیا۔ یا قضاء فرمائی) اردو عبارت میں عوام کے لئے بہت مشتبہ مستکرہ نظر آیا لہذا خالی حکم پر اکتفا کیا گیا ہے مگر مخصوص ایسے مقامات پر جہاں گواہی و دعوے وغیرہ کے مانند دلالت اس امر کی موجود ہے کہ مراد حکم قضاء ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ قاضی کا ہر ایک حکم ایسا نہیں ہوتا ہے کہ وہ حکم قضاء و حکم مبرم کہا جائے مثلاً ایک



شخص نے آکر کہا کہ یہ چوپایہ میرے پاس فلاں شخص کا کرایہ پر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور نہ اس کا وکیل ہے تو کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں اس کو دانہ چارہ دوں۔ یعنی اس سے غرض سے یہ حکم حاصل کیا کہ مالک سے یہ خرچہ واپس لے ورنہ بدون حکم قاضی ایسا کرنے میں وہ محسن شمار ہوگا کہ محکمہ قضاء سے ناش کر کے کچھ واپس نہیں لے سکتا ہے تو یہاں قاضی کو روا ہے کہ بدون گواہوں کے التفات نہ کرے اور چاہے گواہوں پر بھی کچھ حکم نہ دے اور چاہے کرایہ سے نفقہ دلوائے اور چاہے مستاجر سے دلوائے لیکن قاضی کا یہ حکم بمنزلہ قضا کے مبرم نہ ہوگا اور اس طرح کثرت سے اس کے نظائر موجود ہیں کیونکہ قاضی تمام امور صلاح و اصطلاح کا ناظر ہے اور جملہ امور میں حکم دیتا ہے کچھ خصومت و ناش ہی پر منحصر نہیں ہے اور کہیں یہ مناسب نظر آیا کہ اس کی جگہ جو اس زمانہ میں اردو بول چال میں عموماً معروف ہے یعنی ڈگری اس کو لکھ دی کیونکہ اس سے زیادہ مختصر و واضح لفظ مجھے اور نہیں نظر آیا اور مقصود پر بھی خوب منطبق ہے اور عوام کو اس لفظ میں التباس بھی نہیں ہے چنانچہ اگر مثلاً کمشنر نے جو حاکم عدالت اس وقت ہے حکم دیا تو وہ خواہ مخواہ ڈگری نہیں سمجھا جائے گا اور اگر ڈگری دی تو اس سے فیصلہ کا حکم قطعی مبرم واجب سمجھا جاتا ہے

اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قاضی کا حکم قضاء بمنزلہ اس وقت کے اہل تسلط کے ہو بلکہ وہ بطریق شرع ہے اور یہ بطریق عقلی قانون اور یہ کچھ لفظ سے متعلق نہیں چنانچہ جو مقدمہ اس وقت بہ قانون اسلام فیصلہ ہوا وہ حق فیصلہ ہے اور جو حکم اس پر ہے وہ ڈگری ہے اور اگر کوئی وہم و تعصب کرے کہ یہ لفظ قضاء عربی ہے اس کو انگریزی لفظ میں ترجمہ کیا گیا تو یہ خلاف قاعدہ وہم و بیجا تعصب ہے کیا یہ معلوم نہیں کہ عموماً فقہی کتابوں حتیٰ کہ متون میں بھی اور اصول الفقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فارسی میں نماز تجویز فرمائی تھی اور یہ بات فارسی میں ترجمہ کرنے سے کہیں زائد ہے اور حسامی وغیرہ میں تصریح کر دی کہ فارسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر زبان عجم میں جائز ہے اور اس وجہ سے دیکھو آیات و احادیث کا ترجمہ اردو وغیرہ میں موجود ہے اور عموماً اسی اصل پر تراجم کا رواج ہے اگرچہ نماز کسی ترجمہ سے روا نہیں جیسا کہ صحیح قول امام اعظم رحمہ اللہ سے اتفاقاً کہا گیا ہے پس اردو زبان مجموعہ لغات سنسکرت و بھاشا و عربی و فارسی و ترکی وغیرہ ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ بھاشا سے کچھ انکار نہ ہو اور دیگر زبان منکر ہو جائے اور یہ فقط رسم کی پابندی و عادت کی بنیاد پر ہے ہاں اگر کسی دین باطل کے ملتے الفاظ میں سے جو منکرات میں سے ہوں کوئی لفظ اپنے یہاں شائع کیا جائے تو وہ البتہ بوجہ شرعی منکر ہونے کے جائز نہیں ہے یا کسی باطل دین کے احکام حق ہونا یا عدل ہونا ظاہر کیے جائیں تو منکر ہے ورنہ شرعاً بدلائل فروع و اصول و قول امام مہتوع رحمہ اللہ تعالیٰ کوئی وجہ انکار نہیں ہے اور فی الجملہ اطباء یہاں میں نے اس وجہ سے کیا کہ شاید بعض لوگ خلاف تقویٰ و دیانت کے بہ طریق جدال اس پر اعتراض کرتے ہیں: فاتقوا اللہ تعالیٰ یا اولی الابواب فان خیارکم احسنکم اخلاقاً کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانخلق الحسن ما وافق دین اللہ تعالیٰ باتباع ماجاء بہ النبی ﷺ حیث آمن بہ وقد قال صلعم لا یومن احدکم حتیٰ یکون ہواہ تبعاً لما جنت بہ وقال اللہ تعالیٰ اعد لوا هو اقرب للتقویٰ اور تعصب و اتباع عادت ایک سخت بیماری ہے کہ نفس کے مالوف پر کبھی منکر نہیں ہوتا اور غیر مالوف و خلاف عادت پر متعجب و اس سے متنفر ہونے لگتا ہے اسی واسطے بہ کثرت عیوب نفس و نفاق و ہواہ ہوس کا مجمع بلا استنکار بن جاتا ہے۔ عندہ۔ یعنی مثلاً امام رحمہ اللہ کے نزدیک۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے۔ عنہ مثلاً محمد سے روایت ہے اس سے انکار مذہب ہونا ضروری نہیں ہے اور بعضے مشائخ سے بھی اس طرح لایا کہ عن الفقہ ابی بکر رحمہ اللہ یعنی مثلاً کہا کہ فقہ ابو بکر انجی رحمہ اللہ سے مروی ہے تو یہاں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ انہوں نے حکم روایت کیا اور یہ احتمال غیر مجتہد مشائخ میں جن کو اجتہاد فی المسائل کا درجہ نہیں ہے اظہر ہے اور مجتہد فی المسائل میں ضعیف ہے اس لئے کہ غالباً وہ مسئلہ اصول و نوا و وغیرہ میں بھی ہوتا ورنہ کہا جائے گا کہ اصحاب رواۃ میں سے یہ منفر دروای

ہیں تو مثل حدیث کے روایت غریب ہے یا دو صورت مخالف روایت موجود ہونے کے غریب منکر ہے بلکہ قوی احتمال یہ ہے کہ خود کہاوا اجتہاد کیا یا اپنے مثل کا قول نقل کیا ہے۔ اوجہ صیغہ اسم تفصیل ہے اور جہاں کسی مسئلہ کے آخر میں اصحاب ترجیح میں سے کسی کا قول اس طرح آیا کہ اور یہی اوجہ ہے تو مراد یہ ہے کہ ازراہ دلائل و نظائر و بظاہر و طرق قیاسات اس کو زیادہ قوت ہے۔

اوفق یعنی اصل فقہ سے یہ حکم زیادہ موافق پڑتا ہے اور لفظ اشبہ یا اشبہ بالفقہ یا ہمارے اصحاب کے قول سے زیادہ مشابہ ہے یہ تخریجات مشائخ کے ساتھ بولتے ہیں یعنی اصحاب تخریج میں سے دو فقیہ کا قول ایک ہی مسئلہ میں باہم مغایر یا بہ تفصیل و اجمال ذکر کیا اور ان میں سے ایک قول کو صاحب تخریح نے کہا کہ اشبہ وغیرہ ہے تو مراد یہ ہے کہ ہمارے ائمہ کا جو طریقہ فقہ ہے اس سے یہ زیادہ مشابہ ہے یا ان کا قول جو اس کے نظائر میں ہے اس سے زیادہ مشابہ ہے یا صواب سے مشابہ مراد ہو یا جملہ میہ الفاظ تخریح میں سے ہیں اور بزاز یہ میں ہے کہ اشبہ سے یہ مراد ہے کہ نصوص میں نص سے زیادہ مشابہ براہ درایت ہے اور روایات میں براہ روایت راجح ہے پس اسی پر فتاویٰ ہونا چاہیے۔ ایتق زیادہ لائق یعنی صلاح کاری و پرہیزگاری یا اس چال سے چلنے میں زیادہ لائق ہے جیسا محل ہو اور بعض الفاظ بحث افتاء میں آتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ ظاہر الروایۃ و مشہور الروایۃ و نوادر وغیرہ مصطلحات او پر مذکور ہو چکے ہیں۔ عامہ مشائخ اس سے مراد اکثر مشائخ ہوتے ہیں یعنی جہاں گیا کہ عامہ مشائخ کا یہی مذہب ہے تو مراد یہ ہے کہ مشائخ میں سے اکثر اسی طریقہ پر گئے ہیں۔ تطوع و اسی سے ماخوذ لفظ متطوع عبادات میں نفل و اس کا ادا کرنے والا اور معاملات میں نیکی و احسان کرنے والا اور اکثر ترجمہ میں کہا گیا کہ وہ متطوع شمار ہوگا یا قرار دیا جائے گا اس لئے کہ دراصل ثواب تطوع کا بہ نیت ہے اور جب اس نے نالاش کر کے معاوضہ چاہا تو ظاہر یہ تھا کہ اس نے مفت احسان کا قصد نہیں کیا حالانکہ کتاب میں اس کو متطوع کہا تو اشارہ ہے کہ حکم میں وہ مضمون وغیرہ نہیں ٹھہرایا جائے گا بلکہ متطوع ٹھہرایا جائے گا جو عوض کا مستحق نہیں ہو سکتا اور رہا ثواب کا مستحق تو وہ حکم سے متعلق نہیں ہے حتیٰ کہ جس نے نماز ادا کی اس کے نمازی ہونے کا حکم دیا جائے گا اور ثواب کا عالم الغیب اللہ تعالیٰ عزوجل ہے جیسی اس کی نیت ہوگی ویسا پائے گا مگر یہاں نمازی ٹھہرایا جائے گا نہ منافق و مرانی وغیرہ المشائخ وقف نہر الفائق میں ہے کہ مشائخ سے وہ فقہاء مراد ہیں کہ جنہوں نے امام رحمہ اللہ کو نہیں پایا۔ المتقدمین اس لفظ سے وہ فقہاء مراد ہیں جنہوں نے امام یا صاحبین میں سے کسی کو پایا ہو۔ متاخرین جنہوں نے ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کو نہیں پایا۔ بعض لوگوں میں اس طرح تقسیم مشہور ہے کہ سلف تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے لے کر امام محمد رحمہ اللہ تک ہیں اور خلف متقدمین امام محمد رحمہ اللہ سے شمس الاممہ حلوانی تک ہیں اور متاخرین حلوانی سے لے کر حافظ الدین بخاری تک ہیں اور یہ سرسری تقسیم ہے چنانچہ اس فتاویٰ جلد اول میں بعض متاخرین وہ شمار کئے جو حلوانی سے پہلے ہیں اور یہ جو ذہبی نے لکھا کہ دوسری صدی ختم تک متقدمین ہیں اور تیسری صدی شروع سے متاخرین ہیں تو یہ اصطلاح اصول حدیث و اسماء الرجال سے اوفق ہیں اور قرون ثلاثہ بھی اسی پر ہیں اور پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ سلف کا اصلی اطلاق صحابہ رضی اللہ عنہم پر اور خلف کا تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ پر ہے اور کبھی صحابہ و تابعین سب کو سلف صالحین بولتے ہیں اور یہاں فقہاء میں سلف و خلف بطریق تشبیہ مجاز ہے یعنی وضع اصطلاحی سے مجاز ہے یا یہ جدید اصطلاح ہے واللہ اعلم۔

الاصح جن دو حکموں میں سے ایک کو اصح کہا تو مراد یہ ہے کہ دوسرا بھی صحیح ہے یعنی اجتہادی سعی میں یا بسبب نوع عمل کے مثلاً وضو میں دو دو مرتبہ اعضا کا دھونا اور تین تین مرتبہ لیکن ایسی صورت میں دونوں صحیح اور دوم احسن وغیرہ کہلاتا ہے تمتہ اصول میں ایسے الفاظ سے اس طرح استدلال متعین نہیں ہے چنانچہ کتاب مجید میں یہاں کافروں سے مؤمنوں کو اہدے یعنی بڑھ کر راہ راست پر فرمایا وہاں یہ معنی مراد نہیں کہ کافر بھی ہدایت پر ہیں مگر مؤمن ان سے بڑھے ہوئے ہیں کیونکہ کافروں کو صریح گمراہ اور اضل وغیرہ فرمایا ہے

اور یہ بحث مفصل تفسیر ترجمہ مترجم میں مذکور ہے بالجملہ ہمارے نزدیک اصول میں مفہوم سے استدلال متعین نہیں مگر بدلائل دیگر پناہ فقہ کی اصولی کتابوں میں مذکور ہے اور اشباہ والنظائر کتاب القضاء میں ہے کہ اولہ کتاب وسنت واجماع کی طرح کلام الناس کے مفہوم سے بھی ظاہر مذہب میں حجت لینا جائز نہیں ہے اور سیر کبیر میں جو امام رحمہ اللہ نے اس سے حجت لینا جائز کہا ہے وہ خلاف ظاہر المذہب ہے کما فی دعوے الظہیر یہ اور رہا مفہوم الروایۃ تو وہ حجت ہے جیسا کہ غایۃ البیان کتاب الحج میں ہے قال المترجم مثلاً قولہم جاز عندہما خلافاً لحدیثی اللہ یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بخلاف امام محمد رحمہ اللہ کے جائز ہے مگر مترجم جلد اول نے یوں لکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک نہیں جائز ہے اور باب صفہ الصلوٰۃ کافی میں ہے کہ: التخصیص فی الروایات یدل علی نفی ماعداہ یعنی روایات میں تخصیص اس کے ماسوائے کی نفی پر دلیل ہے مترجم کہتا ہے کہ کافی کی یہ مراد ہے کہ وضع مسئلہ میں جب کوئی تخصیص کی گئی تو حکم اس قید کی طرف راجع ہوگا اور دلیل ہوگا کہ ماسوائے میں یہی حکم بعینہ نہیں ہے مثلاً اگر کہا گیا کہ اگر ایک شخص نے شیرہ انگور خریدا اور قبل قبضہ کے متغیر ہوا تو یہ حکم ہے اس میں قبل قبضہ کے متغیر ہونا قید ملحوظ ہے حتیٰ کہ اگر قبل قبضہ کے اور بعد قبضہ کے دونوں حال میں متغیر ہونے کا حکم ایک ہوتا تو یہ قید بے فائدہ تھی کیونکہ کلام اصحاب فقہ میں مفہوم مقصود ہوتا ہے بخلاف نصوص کے وہاں یہ مقصود نہیں رکھا گیا اور یہی دونوں جگہ فرق ہے کما صرح بہ المحموی فی حاشیۃ الاشباہ لیکن ایسی صورت میں چاہئے کہ ایک شخص کا لفظ بھی ملحوظ ہو یعنی شخص مرد و عورت دونوں کو شامل ہے حتیٰ کہ خریدار مرد ہو یا عورت ہو حکم یکساں ہے مگر مترجم کے نزدیک اس میں اشکال ہے اس واسطے کہ کثرت سے مسائل ایسے نظر آئیں گے کہ ان میں مثلاً کہا واذ اشتری الرجل متاعاً الی آخرہ حالانکہ مرد کی کوئی خصوصیت نہیں۔ عورت خریدے تو بھی وہی حکم ہے الا آنکہ یوں کہا جائے کہ ایسی روایات علوم میں ابتدائی ضروری ہیں کہ اگر اتنی بھی سمجھ نہ ہو تو اس کو نظر کرنا ممنوع ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ بسا اوقات مفہوم دوسرے مقام کی تصریح سے صاف ظاہر ہوا کہ اس مقام میں مقصود نہ تھا اور ایسے ہی قولہم جاز عندہما خلافاً لحدیثی اللہ مثلاً اکثر ایسا ظاہر ہوا کہ خلاف امام محمد رحمہ اللہ کا مطلقاً جواز نہ ہونے میں نہیں بلکہ ان کے نزدیک تفصیل ہے پس معنی یہ ہیں کہ شیخین رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح علی الاطلاق جیسا مذکور ہوا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ خلاف کرتے ہیں یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اطلاقاً جائز نہیں بلکہ یہ تخصیص جائز ہے اور دوسری قسم میں جائز نہیں ہے اور قہستانی نے جامع الرموز شرح نقایہ کتاب الطہارۃ میں لکھا کہ روایت میں مفہوم المخالفۃ مثل مفہوم الموافقہ کے بلاخاف معتبر ہے جیسا کہ مصنف نے اپنی شرح و قایہ کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے لیکن زاہدی کے اجارات میں ہے کہ معتبر نہیں ہے اور حق بات یہ ہے کہ روایت میں مفہوم المخالفۃ معتبر ہے لیکن یہ اکثری ہے کلی نہیں ہے جیسا کہ نہایت کی کتاب الحدود میں ذکر فرمایا ہے مترجم کہتا ہے کہ وسیع النظر اگر تدریق سے کلام فقہاء کو مطالعہ کرے تو بیشک اس کو ظاہر ہو جائے گا کہ جو نہایت میں مذکور ہے وہی صحیح ہے اور حق یہ ہے کہ قیود جن سے تخصیص حکم مقصود ہے اور نفی از مخالف اتان سے اطلاع بھی بغیر ایک نظر احاطہ کے اور بغیر فی الجملہ بظواہر اصول الفقہ کے ممکن نہیں ہے کیونکہ جہاں حکم اجماعی ہے وہاں کسی دفعہ کی ضرورت نہیں تو اہتمام ایسے قیود کا بھی ملحوظ نہیں جبکہ فی الاصل تخصیصی قید نہیں ہاں نفس مسئلہ میں حکم فرعی کے قیود ضروری ہیں اور یہیں سے ادراک کرنا چاہیے کہ جامع صغیر نہایت کبیر ہے اس معما کے یہی معنی ہیں کہ ہر قید مسئلہ ہے۔ قال المترجم جم یہ بحث مشکل ہے اور وضاحت کے لئے تمہید و توسیع چاہتی ہے اور یہ مختصر مقدمہ اس کو متحمل نہیں اور عوام کو اس سے زیادہ غرض متعلق نہیں ہے البتہ یہ تنبیہ مقصود ہے کہ مترجم جلد اول نے ہر جگہ خلاف کے ترجمہ میں حکم مذکورہ کے برعکس آگے تصریح کر دی ہے اور میں نے ہر جگہ ایسا نہیں کیا بلکہ جہاں دوسرے مقام سے خلاف کے یہی معنی معلوم ہوئے وہاں تصریح کر دی ورنہ مانند مذکورہ سابقہ کے کہ بخلاف قول امام محمد رحمہ اللہ کے شیخین کے

نزدیک جائز ہے وغیر ذلک عبارات سے احتیاط کر دی ہے چنانچہ اگر وہاں خلاف معتبر ہے تو حکم ظاہر ہو گیا ورنہ مذکورہ سے خلاف ظاہر ہوا اور اس قدر فقہ معتبر سے ہم کو پہنچا ہے فافہم۔ حکم اجماعی اس سے مطلقاً یہ مراد ہے کہ ائمہ حنیفہ نے اس حکم پر اجماع کیا ہے اور یہ بمعنی اتفاق ہے اور یہ مقصود نہیں کہ اجماع دلیل شرعی جو قطعی ہے یہاں موجود ہے اور جہاں اجماع اہل ایمان یا اہل السنۃ کا مراد ہے وہاں صریح مذکور ہے اور ایسے ہی جہاں چاروں ائمہ کا اجماع مقصود ہے وہاں بھی تصریح کر دی ہے اور اکثر مقامات میں ائمہ کا اجماع یا ان کا اجماع ہے۔

یاسب کا اتفاق ہے اس سے تینوں اماموں کا اجماع و اتفاق مراد ہے اگرچہ دیگر اصحاب حنیفہ مثل امام زفر وغیرہ کے متفق نہ ہوں عند ہم جمیعاً ان کے سب کے نزدیک اور کبھی ترجمہ کیا کہ سب ائمہ کے نزدیک یعنی تینوں اماموں کے نزدیک۔ عندنا ہمارے نزدیک۔ ہمارے اصحاب نے نزدیک۔ ہمارا مذہب ہے ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔ یہ سب الفاظ متقارب ہیں اور مراد اس سے ائمہ حنیفہ و مشرب حنیفہ کا متفق ہونا اور اشارہ دیگر ائمہ مثل مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا مخالف ہونا۔ مثلاً کہا کہ محدود القذف کی گواہی مطلقاً ہمارے نزدیک مردود ہے یعنی مذہب حنیفہ میں یا ائمہ حنیفہ کے نزدیک کیونکہ بسا اوقات ائمہ حنیفہ میں سے بعض اصحاب بھی مخالف ہوتے ہیں مگر مذہب جو قرار پایا ان کے خلافی اثر سے خالی ہے تو مراد مذہب ہی ہے ورنہ سب کا اتفاق مراد ہے اور خصوصاً اشارہ اس سے دیگر ائمہ اہل مذہب کے خلاف پر ہے اگرچہ اصحاب حنیفہ میں سے بھی کوئی مخالف ہو لاریو لایہ لہذہ فی کتاب۔ اس مسئلہ کی کوئی روایت کسی کتاب میں نہیں ہے مراد اس سے یہ ہے کہ اس مسئلہ کے لئے کوئی حکم صریح امام محمد رحمہ اللہ و امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی معروف و متداولہ کتابوں میں سے کسی کتاب میں نہیں ہے اور نیز یہ مسئلہ جو بیوع میں مثلاً لایا تو مراد یہ کہ کتاب البیوع و کتاب الاجارہ و کتاب الہبہ و الشفعہ وغیرہ ہا میں کہیں نہیں ہے پس جہاں جہاں بیع کے معنی بعض اوضاع پر متحقق ہو جاتے ہیں جیسے بیع بعوض آخر میں بیع ہے یا قسمت یا شفعہ وغیرہ کے مسائل ہیں تو ان مفصل کتب میں بھی نہیں ہے اور اس سے نوادر کی نفی مقصود نہیں ہوتی چنانچہ خود ہی جا بجا بعد اس قول کے نوادر سے ذکر کیا ہاں اگر نوادر میں بھی نہ ہو اور لکھا کہ لیکن مشائخ نے ترجیح کی اور باہم اختلاف کیا تو یہ دلالت ہے کہ نوادر میں بھی نہیں ہے اور کبھی کسی ترجیح میں کہا کہ اطلاق امام محمد رحمہ اللہ اسی پر دلالت کرتا ہے یا امام رحمہ اللہ نے بھی صغیر میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور یہ صریح ہے کہ یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہ ہونا بدین معنی ہے کہ صریح مذکور نہیں ہے اگرچہ اشارہ موجود ہے قولہم لقائل ان یقول کذا و لقائل ان یقول کذا۔ یعنی حکم مسئلہ صریح مذکور نہیں اور ترجیح میں دو طرف تردد اس وجہ سے ہے کہ دونوں طرف قیاسی دلائل و مقییس علیہا نظائر متقارب ملتے ہیں تو فروع منظونہ میں کسی طرف انقطاع نہیں ہو سکتا بلکہ یوں بھی کہہ سکتا ہے اور دوسرا یہی خود اس طرح بھی ظن کر سکتا ہے قال المترجم ایسی صورت میں اقرب یہ ہے کہ مفتی مقلد مختار ہوگا کہ چاہیے جس قول پر فتویٰ دے اور ایسا مفتی اپنی ذات کے لئے موذی و محل خطر ہے اور اگر اس کو نظر اہلیت ہے اور اس نے صاحب ترجیح کے دلائل معلوم کر کے مساوی الطرفین ہونے سے خارج پایا بوجہ اس کے کہ احادیث یا آثار منقولہ سے موافقت یا ترجیح ملی تو وہ ترجیح دے اور یہ ترجیح وہ نہیں ہے جس کے ختم ہونے کا حافظ الدین بخاری رحمہ اللہ پر جزم کیا گیا ہے کیونکہ وہ ترجیح روایات مجتہد واحد میں یا دو مجتہد میں جبکہ متخالف ہوں تحقیقی واقع ہوتی ہے اور یہ ترجیح افتاء بقواعد مقررہ اصحاب ترجیح وغیرہ میں ہے اور شاید کہ یہی فرق ہو جو اقرار انسداد باب ترجیح و ایصاء بہ طریق ترجیح ہے چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آتا ہے اور بعض فضلاء نے دوسرے طور پر توفیق دی ہے۔

تنبیہ (۱) واضح ہو کہ فقہ میں اکثر خلاف و مخالفت وغیرہ الفاظ کا استعمال ہوا ہے اور اردو زبان و محارہ میں ان الفاظ سے ایک طرح کی خصوصیت کی بو آتی ہے کیونکہ عموماً اسی معنی میں کان عادی ہو گئے ہیں لیکن ائمہ علماء فقہاء میں جو اہل تقویٰ و دیانت تھے جنہوں نے ہمہ تن

اپنے آپ کو اپنے حقیقی مالک خالق جل سلطانہ و تعالیٰ شانہ کے بندے کامل بننے کی کوشش میں صرف کیا تھا کبھی یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ ان میں کسی طرح کی خصومت تھی کیونکہ ایمان کا نور متحد ہے اور مؤمن کا ایک بال تمام دنیا و مافیہا سے کہیں افضل و محبوب ہے پس جس قدر ایمان کامل اس قدر اتحاد و اصل و محبت تام ہوگی اور اسی سبب سے کہ ایمان کامل تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں الفت بحد کمال تھی اور ان سب کی محبت آنحضرت اکرم الخلق صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ واصحابہ اجمعین سے بحد کمال تھی اس طرح اوروں کو قیاس کرو بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک کے نزدیک دلائل شرع سے دوسرے کے اجتہاد سے مغائر حکم صحیح ثابت ہو اور مجتہد اپنے اجتہاد کا پابند کیا گیا ہے تو ضرور اس پر اسی حکم کی پابندی از جانب حق تعالیٰ لازم آئی جو اسی نے اجتہاد سے ظاہر کرنے کی توفیق پائی تھی اور اس میں ایک خاصہ رحمت الہی تھی جو عوام کو بھی پہنچی اور اس طرح یہ سلسلہ رحمت برقرار رہا اور اس رحمت الہیہ کو تنگ و محدود نہ کرنا چاہئے ورنہ اپنے اوپر سختی کرنا لازم ہوگا اور حدیث صحیح میں ہے کہ جس نے دین کو اپنے ساتھ سخت کرنا چاہا اس پر دین غالب ہو جاتا ہے یعنی وہ مغلوب ہو کر آخر امور دین سے پہلو تہی کرتا ہے تو فاسق ہو جاتا ہے کمافی البخاری وغیرہ۔ بالجملہ مخالفت کا کسی امام کی طرف نسبت دینا حقیقت میں مجازی معنی ہیں کیونکہ ایک نے دوسرے کے خلاف اجتہاد کرنے کا قصد نہیں کیا تو حقیقت میں وہ خلاف کرنے کا فاعل نہیں ہے بلکہ اجتہاد سے جب حکم ایسا نکلا کہ وہ دوسرے کے حکم اجتہادی سے مغائر ہے تو دونوں اجتہادوں کے حکم اور نتیجہ میں مغائرت ہوئی اس کو مخالفت کہا یعنی دونوں حکم باہم مخالف ہیں بالکل یکساں نہیں ہیں پھر دونوں کے مجتہدوں کی طرف تخالف کی نسبت مجازاً بیان کی اور اس سے غرض یہ اظہار ہے کہ دونوں کے اجتہاد سے حکم متغائر نکلا ہے۔ اور یہ جو لوگوں نے علم جدل وغیرہ فقہ میں داخل کیا ہے اور جس سے بادشاہوں و وزیروں کے دربار میں مباحثہ و مناظرہ وغیرہ جلسہ کرنے لگے یہ ہرگز علم دین نہیں ہے اور نہایت مذموم ہے واللہ تعالیٰ اعلم پس اسی جدل کے آثار سے ہے کہ آپس میں ایک نے دوسرے کے امام کو خصم وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اگرچہ ظاہری تاویل سے اس لفظ کو صلاحیت پر بھی محمول کر سکتے ہیں اگرچہ اشکراہ اس سے ظاہر ہے اور بقول امام غزالی علیہ الرحمۃ کے جو بات سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ماثور نہ ہو ایسی نئی بات پر ایک زمانہ کا اتفاق ہوتا بھی تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے اور تو اسی طریقہ سلف پر مضبوطی اختیار کر۔ واللہ تعالیٰ ہو الموفق الخمر۔ الفاظ قرآنیہ میں سے ہے اور مشہور یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ نے اس کو اولیٰ دلالت میں شراب انگوری واس کے مثل پر منطبق کیا اور دیگر اثر بہ محرّمہ کو اس کے حکم میں شامل قرار دیا بدلیل آنکہ ہر مسکر حرام ہے اور متاخرین کے پاس اس میں طویل بحث ہے اور مفہوم اس کا مترجم کی تقریر سے کس قدر خلاف ہے اور اہل مشرب کے نزدیک گو وہی تقریر زیادہ مستند ہو مگر مترجم نے اپنی فہم کے موافق کلام کیا یعنی امام رحمہ اللہ کی مراد یہی ہوگی کہ اولیٰ مراد اس لفظ خمر سے اس حیثیت سے کہ نص میں ممانعت کے وقت نازل ہوا تھا وہی خمور ہیں جو اس وقت خمر معروف تھیں اور جو پھر ایجاد ہوئیں ان کو بصفیٰ سکر شامل ہے اور اکثر ایسا ہے کہ نزول کے وقت بدالالت خاصہ لفظ کی ایک معنی اولیٰ لئے گئے اور دیگر شمولی افراد قرار دیے گئے چنانچہ تفسیر کی مہارت سے اس کے نظائر بہت ظاہر ہیں اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ اولیٰ مراد تو قطعی ہوگا بدین معنی کہ حرمت قطعی ہے و دیگر سے احتراز واجب ہے اگرچہ بنظر فرق فرض و واجب کے دوسرے افراد سے تکلیف متعلق نہ ہو پس جو امام بخاری رحمہ اللہ نے تعریض کی اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول الخمر ما خامر العقل ..... پیش کیا وہ امام رحمہ اللہ پر وارد نہیں کیونکہ وہ بھی ما خامر العقل کو حرام بمعنی ثانی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسائل مذہب اس بات پر دال ہیں کہ مسکر حرام ہے لیکن فرق منصوص و مشمول کا ہے جس سے چند احکام متفرع ہیں مانند تکلیف مکر حرمت و یکساں حرمت قلیل و کثیر فرد منصوص و اس کی نجاست زائد از قدر درہم علی ما ہونذہب الجمهور وان خالفت فی النجاسة شردمہ ممن لم یصل الی درجۃ فہم الاسرار فاللہ اعلم اور افراد غیر منصوصہ میں یہ بات نہیں ہے پس امام نے جو روایت ہے کہ خمر مخصوص بشراب انگوری

ہے بر تقدیر صحت اس کے معنی موافق اصول تفسیری کے یہی ہیں کہ نزول کا فرد اولیٰ یہی ہے اور یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی فرد دیگر غیر موجود وقت نزول کو شامل نہیں ہے چنانچہ منافقین کے افراد اولیہ وہی ہیں جو نزول کے وقت تھے اور بالا جماع مابعد زمانہ کے اہل نفاق کو تا قیامت شامل ہے آیا نہیں دیکھتے کہ خطاب یا ایہا الدین امنوا کا تا قیامت سب کو ہے اگرچہ بقاعدہ نحونداء مخاطبین حاضرین سے مخصوص ہوتا ہے وقد حقق ہذا فی موضع من الاصول لہذا مترجم کے نزدیک جو معنی ظاہر ہوئے اور بلا تکلف ہیں ان پر محمول کیا اور تقریر ہدایہ سے اگر یہ مراد ہے تو فہما ورنہ معلوم نہیں کہ کسی بزرگ سے تائید ملتی ہے اور اگر نہ ملے تو بھی امر حق میں احتیاج نہیں ہے۔ پھر مترجم کہتا ہے کہ جب خمر کے لفظ میں یہ کلام ہے تو کتاب الاثر بہ میں مترجم نے خمر کو اسی لفظ سے تعبیر کیا اور باقی کتاب میں لفظ شراب سے ترجمہ کیا الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

الثوب اصل زبان میں پہننے کا کپڑا مگر فقہاء نے کہا کہ ادنی مقدار اس کی اس قدر ہے کہ اس سے نماز جائز ہو جائے: کما فی الایمان وغیرہا و انما قلنا كذلك لما زعمنا واضح العرب لم يحضر له فيه منية ادنى ما يجوز به الصلوة عند الوضع لما لم يعرفوا الصلوة قبل ظهور الاسلام۔ پس جہاں کپڑا ترجمہ کیا گیا وہ اسی ثوب کا ترجمہ ہے و علی ہذا یہ ٹوپی وغیرہ کو شامل نہ ہوگا اور ایسے ہی بچھونا وغیرہ چنانچہ کتاب الایمان میں خود مصرح ہے صرف مترجم کو یہ تشبیہ مقصود ہے کہ اس نے ثوب کا ترجمہ کپڑا لکھا ہے اور ایسے ہی بہت الفاظ اور ہیں جن میں عموم و خصوص وغیرہ کے فرق سے احکام بدل جاتے ہیں مثلاً دار منزل و بیت وغیرہ چنانچہ فارسی میں بھی ان کا مطابقی ترجمہ مفروض لفظ سے نہیں ہو سکتا علی ما صرح بہ فی الکتاب کیونکہ ان کے نزدیک خانہ بولتے ہیں اور ہمارے یہاں گھر کا لفظ یا مکان کوئی بھی کافی نہیں ہے اور ایسے جملہ الفاظ باب متشاکلات متشابہات اور فرہنگ میں مع لغات مبسوط ہیں۔ الجمع و مانی معنہ۔ واضح ہو کہ عربی زبان میں کمتر جمع تین ہے اور زائد کی طرف بعض صیغوں میں نو تک انتہا ہے اور ان کو جمع قلت کے اوزان کہتے ہیں اور باقیوں میں کوئی حد نہیں ہے اور وہاں ایک یہ بھی قاعدہ ہے کہ الف لام داخل ہو کر معنی استغراق لیتے ہیں اور ادنی مقدار کی طرف معنی جمعیت کا لحاظ نہیں رہتا ہے یا رہتا ہے علی ما فصل فی الاصول۔ اب میں کہتا ہوں کہ جن مترجمین نے جمع کے صیغے اپنی زبان میں ترجمہ کر دیئے اور حکم مسئلہ کا مدار معنی جمعیت پر ہے تو انہوں نے سخت غلطی اٹھائی اور بڑی خطا کی اس واسطے کہ ہماری زبان میں یا فارسی میں کمتر جمع دو ہے اور جہاں مدار حکم کا الف استغراقی پر ہے وہاں ترجمہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہماری زبان میں ایسا الف لام ہی موجود نہیں اور نہ کوئی حرف دیگر اس کا قائم مقام ہے اور اگر عمداً کوئی لفظ مانند کل یا سب وغیرہ کے قائم کیا گیا تو بیان مسئلہ محض بیکار ہوگا کیونکہ اب تو صریح لفظ آگیا اور ترجمہ سے مقصود عربی زبان سمجھنا نہیں ہوتا بلکہ یہ جاننا کہ ہماری زبان میں ایسی بول چال میں کیا حکم ہے پس جس نے ایسا فقرہ ترجمہ کیا اس نے غلطی کی بیان اس کا اس طرح ہے کہ مثلاً مسئلہ اقرار یا نکاح میں ایک مرد نے کہا کہ اس کے مجھ پر درہم ہیں یا جو میری مٹھی میں درہموں سے ہیں وہ اس کے ہیں تو عربی زبان میں جب کہا کہ علی لہ درہم تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے کیونکہ یہ ادنی مقدار جمع کی یقینی ہے اس لئے کہ اس سے کم نہیں ہو سکتے اور اس سے زائد لازمی نہیں جب تک کہ مقرر کسی عدد کا اقرار نہ کرے اور اردو زبان میں اگر اقرار کرے کہ مجھ پر زید کے روپے ہیں تو وہ لازم ہوں گے پس ایسے مقامات میں مترجم نے عربی فقرہ مع ترجمہ و حکم لکھ کر اپنی زبان کی تصریح کر دی ہے اور دوسری مثال از مسائل نذر مثلاً کہا کہ اللہ تعالیٰ علی صوم جمعہ۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر ایک جمعہ کا روزہ ہے یا جمعہ کا روزہ ہے تو ایک جمعہ کا روزہ موافق نذر کے جب چاہے ادا کر دے اور اگر اسی مہینہ یا اسی سال میں سے کہا ہو تو اس طرح ہوگا۔ اور اگر کہا کہ اللہ تعالیٰ صوم جمع تو بجائے جمعہ مفرد کے صیغہ جمع لایا اور یہ جمع قلت ہے پس یقیناً نذر ادا ہونے کے لئے زیادہ سے زیادہ دس جمعہ روزہ رکھے اگرچہ ادنی مقدار تین ہی ہیں حکم یقینی طور سے ادا ہو

جانے کا مذکور ہو اور اس صورت میں اگر اردو ترجمہ کر کے بدون اصل عبارت عربی کے یہ حکم لکھا تو صریح غلطی ہے کیونکہ اردو میں یہ ترجمہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر جمعوں کے روزے ہیں اور ہمارے یہاں جمع قلت و کثرت کی کوئی تفصیل نہیں ہے تاکہ انتہائی مقدار قلت معلوم ہو اور اگر کہا کہ اللہ علیٰ صوم الجمع یعنی صیغہ جمع کو الف لام سے مٹائی لایا تو امام رحمہ اللہ کے نزدیک وہی دس جمعہ کا اور صاحبین رحمہ اللہ کے نزدیک تمام عمر کے جمعہ کے روزے اس پر واجب ہیں اور یہ ایسی صورت ہے کہ اس کا ترجمہ ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر الجمع کا ترجمہ جمعوں کہا جائے تو باوجودیکہ امام رحمہ اللہ کے مذہب پر بھی مترجم نے جو حکم دس جمعہ واجب ہونے کا ترجمہ کیا خطا ہے لیکن اس قدر جیسی صورت و رسم میں سب کے قول پر بھی صاحبین کے موافق عمر بھر کے جمعہ کا حکم اس کے ترجمہ پر لگانا محض غلط ہے اس لئے الجمع عربی میں الف لام سے مستغرق ہو سکتا ہے اور ترجمہ اردو میں تو کوئی حرف استغراق کا نہیں آیا اور اگر الجمع کا ترجمہ کل جمعوں یا سب جمعوں کے ساتھ مفید استغراق ناقص لایا جائے تو خیر صاحبین کا قول درست ہو سکتا ہے لیکن امام صاحب کے موافق فقط دس جمعہ کا حکم غلط ہو جائے گا کیونکہ الف لام تو استغراق کے معنی میں ہونا ضروری نہیں ہوتا اسی لئے امام رحمہ اللہ نے دیکھو نہیں لیا بخلاف صریح لفظ کل کے کہ اس میں اس احتمال کو گنجائش نہیں ہے لہذا ضرور ہوا کہ ایسے مقامات میں فقرہ بعینہ نقل کر کے اس ترجمہ مناسب حکم کے لکھ کر توضیح کر دی جائے اور مترجم نے جہاں تک اس کو توفیق عطا ہوئی ہے ایسا ہی کیا ہے اور اس طرح تقدیم شرط و تاخیر جزاء و بالعکس اور دیگر مختلف مواضع اصول کی رعایت میں علی قدر التوفیق اہتمام کیا ہے اور بعض کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ بحث جمع ادنیٰ مناسبت سے یہاں بغرض خاص ایراد کی گئی۔

## الوصل فی الافتاء

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرقان مجید قرآن عظیم جامع صحف و کتب سابقہ مع عظیم برکات خاصہ عطا فرمایا اور اس کے ساتھ آنحضرت اکرم الاذنین والآخرین سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بحکم حدیث صحیح اتیت جوامع الکلم۔ احادیث حکمت جامع عطا فرمائیں پس کتاب و سنت میں سب کچھ موجود ہے اور جو شخص تفاسیر کی مہارت رکھتا ہو تقویٰ و دیانت سے مرتاض ہو اس کو وقتاً فوقتاً موافق توفیق الہی سبحانہ عزوجل کے ایسے ایسے علوم اس میں سے حاصل ہوتے ہیں کہ وہ خود متحیر ہو کر تسبیح الہی عزوجل میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ علوم تو اعلیٰ رحمت الہی عزوجل ہے بلکہ ارتیاض و حسن عبودیت و خلوص عبادت سے لطائف اسرار مرغوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ تفکر ساعتہ من اللیل خیر من احیانہا علی ذکر فی تفسیر الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بخود او معناه امانی المشکوۃ قبلفظ تدارس العلم ساعة لی آخرہ یعنی رات میں ایک ساعت علم میں بنور ایمانی فکر کرنا تمام رات عملی عبادت سے بہتر ہے۔ پس ایسے شخص کو تحقیق ہو جاتا ہے اور مضائقہ نہیں کہ ادنیٰ لطیفہ فکر جس پر عموماً اس زمانہ میں اہل علم بے فکری سے راغب ہیں لکھا جائے اور وہ مال و جاہ و ہوا ہوئیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم ..... اور امر مقدر ہے کہ اضطراب و ہوس قلب مفید زیادت نہیں اور اسباب کو عمل میں نہ لانا اجماع انبیاء و صلحاء امت کے خلاف ہے اور تعلق بہ مشیت ایک معصیت یعنی اللہ تعالیٰ دانا تر ہے۔ کہ رزق کیونکر مقدر فرمایا ہاں ضرور مقدر فرمایا ہے پس ہم کو مشیت سے بحث کرنا کہ ہم اسباب ظاہرہ کام میں نہ لائیں گے مشیت کو پکڑیں گے یہ معصیت ہے جیسے یہ کہنا کہ ہم تو تقدیر پر بیٹھے رہیں گے حالانکہ ضرور برحق ہے اور اس کا منکر بیوقوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق عزوجل نے جس وقت ہم کو پیدا کیا ہمارے ہر فعل و ہر حال کو جو موت تک ہوں گے سب جانتا تھا اور اس کا علم ہرگز خلاف نہیں ورنہ اس کے عالم الغیب ہونے کے اعتقاد سے جو ہم پر فرض عین ہے انکار لازم آئے گا اور یہ کفر ہے کیونکہ نعوز باللہ تعالیٰ ہم کبھی اس کو جاہل نہیں سمجھ سکتے ہیں اور جو کوئی یہ عیب لگائے کہ وہ

نہیں جانتا تھا تو وہ جاہل کافر ہے رہا یہ وسوسہ کہ پھر وہ کیوں عذاب کرے گا یہ اس کی حکمت سے بحث ہے جو کبھی کسی آدمی کو نہیں معلوم ہو سکتی وہ کہاں سے اتنا علم لائے گا پس اس سے بحث بیوقوفی ہے علاوہ اس کے وہ جو چاہے کرے اور جو کرے گا وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق پر کرے گا پھر اس کے اختیارات تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ سب طرح مختار ہے جو چاہے کرے اب ہم اس سے کیونکر بحث کر سکتے ہیں کہ ہمارے حق میں کیا مقدر فرمایا ہے اور کیوں ایسا مقدر فرمایا ہے تو یہ کہنا کہ ہم بیٹھے رہیں گے تقدیر سے لپٹنا ہوا جو مصیبت ہے بلکہ یوں کہو کہ ہم تقدیر پر یقین کئے ہوئے ہیں اور متوکل ہیں: وقد قال تعالیٰ قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا..... اور سب کام کئے جاؤ جو تم کو نیک بتائے گئے ہیں۔

دیکھو حضرت پیغمبر ﷺ جن پر یہ آیت نازل ہوئی اور جن کے طفیل میں ہم نے ہدایت پائی ہے وہ متوکلین کے سردار ہو کر سب نیکیاں کرتے تھے تمہاری نظر کس طرف ہے ذرا ہوش سے غور کرو۔ بالجملة تقدیر حق اور اس کا منکر سخت جاہل ہے اور توکل و تقدیر کے یہ معنی سمجھنا کہ جاہل بنے بیٹھے رہو محض جہالت ہے بلکہ نفس کو نیک کام میں لگاؤ جو حکم ہے کیونکہ اول آیت کے حکم سے تم اس کو اپنے خالق کے ہاتھ فروخت کر چکے اب خالق نے جو اس کو حکم دیا اس میں لگاؤ اور جو کچھ کماد اس کو نفس کے کھلانے پلانے وغیرہ میں موافق حکم کے صرف کرو اور جس قدر نفس کو سونے و آرام کرنے کا حکم ہے وہ بھی کرو اور جو کچھ مال تجارت وغیرہ سے نفس کمائے وہ بھی تمہارا نہیں ہے بلکہ بیچی ہوئی چیز نے کمایا اور اس طرح کمایا جس طرح تجارت وغیرہ حلال ہے جب تم نے عہد پورا کیا اور خیانت نہ کی تو تم کو جنت ملی جس کے آگے ادنیٰ مثال یہ ہے کہ یہ تخت و تاج تمام روئے زمین سب گھورے سے بھی کمتر ہے او بیشک تمہارے حواس وہاں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں پس رسول اللہ ﷺ کو سچ مانو اور یقین کرو نہیں تو یہی چند روز بعد موت کے وقت جانو گے اور اس وقت محض بے فائدہ ہے پھر تو یہاں سے بھی بدتر ٹھکانا جہنم ہے اب دیکھو کہ کوئی فعل آدمی کا خواہ کھانا پینا ہو سونا ہو یا کوئی ہو جبکہ بحکم الہی ہو کوئی برباد نہیں بلکہ عبادت ہے اس لئے کہ عبادت تا بعد اری حکم کی ہے اور سمجھو معنی قولہ تعالیٰ: وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون اور دیکھو حدیث: ان لنفسك عليك حقا اور قولہ: حتی اللقمة تجعل فی فی امراتک اور اس سے ظاہر ہے کہ خود انسان فقیر ہے اگر چہ مال کثیر رکھتا ہو جبکہ ایسا مؤمن ہے اور کافر حقیر ہے اگر چہ مال اپنا سمجھے و قولہ تعالیٰ: ومن اراد الآخرة وسعی لها سعيها..... اور فرمایا کہ کلا نعد هولاء وهو لا من عطاء ربك..... پس جس نے آخرت چاہی اس کے لئے دنیا تو بواسطہ بیچے ہوئے نفس کے جمع ہے اور آخرت اصلاً ہے اور جس نے دنیا چاہی اس کو یہی ملی اور وہاں کچھ نہیں ہے اور نصوص سے صحیح ہوا کہ جو کافر نیکی کے کام کریں وہ برباد اس معنی میں نہ ہوں گے کہ جو چیز اس نے اختیار کی یعنی دنیا وہ عوض دی جائے گی و قولہ علیہ السلام: الا ان الدنيا ملعونة تو جس نے دنیا کے لئے اہل کفر سے نزاع کیا وہ درحقیقت ایمان نہیں لایا اس واسطے یہود کا دعویٰ جھوٹ بتایا لفظہ: قل ان كانت لكم الدار الآخرة عند الله..... اور موت کی تمنا اس کا نشان بتلایا پس صادق الایمان کو زندگی فقط اس لئے عزیز ہے کہ خوبیاں زیادہ جمع کرے اور پھر موت عزیز ہے اس واسطے صحابہ رضی اللہ عنہم صادق الایمان تھے تو فرمایا: ومنهم من قضی نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا اور کوئی ان میں سے حسنات کا معاوضہ دنیاوی نہیں چاہتا تھا چنانچہ صحاح میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات ہیں کہ اکثر ان میں سے قولہ تعالیٰ: اذ هبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا..... سے اپنی جانوں پر خوف کرتے اور آنحضرت ﷺ اس دنیا سے پاک ہونے میں سر تاج تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے صحابی تھے اور اگلی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی بشارت میں ہے کہ فقیر ہوں گے اور آپ کے اصحاب فقراء ہوں گے اس کے یہی معنی ہیں۔ پس عثمان رضی اللہ عنہ اس اصل سے فقیر تھے اور ترمذی میں بعض صحابہ کو جس نے محبت کا دعویٰ کیا تھا فرمایا کہ جس کو مجھ سے محبت ہو جلد اس کی طرف فقر دوڑتا ہے دیکھ تو کیا کہتا ہے انہوں نے یہی مصمم کیا باجوہ دیکھ



صحابہ رضی اللہ عنہم سب جان آپ پر قربان کرتے تھے پھر ان میں مال کی راہ سے تو نگر بھی تھے لیکن حدیث ص المرء مع من احب۔ فقیر جامع ذخائر سعادات تھے اور وہ بحديث نعم المال الصالح للرجال الصالح کبھی بواصل مال اور کبھی بواصل افعال وغیرہ ان کو حاصل ہوتے تھے۔

پس سوائے کافر منکر کے جس کو سمجھ نہیں ہوتی ہے ایسے مسلسل صحیح معتمد لطائف سے کون منکر ہو سکتا ہے اور کیونکر اس پر حق پوشیدہ رہے گا اور کیونکر اپنے نفس کو آراستہ نہیں کرے گا۔ اب جاننا چاہئے کہ اصلی مقصود آرائش اپنے نفس کی ہے اور وہی اس کے لیے ان آیات الہی میں تفکر کا عمدہ نتیجہ ہے پس افتاء در حقیقت سب سے پہلے اپنے نفس کو ہے اور پھر دوسروں کو جو بیچارے قرآن و حدیث سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں ان کی اصطلاح حال کے مطابق ہے ان کو فتاویٰ لینے اور عالم کو فتاویٰ دینے کا حکم ہے الافتاء بحث اجتہاد سے معلوم ہو چکا کہ فقہ ابتدائی کمال انسانی ہے اور تکمیل اعمال موافق اس علم کے ہونے والی ہے اور اعمال سے ترقی بجانب کمال و مرتبہ احسان ہے جو بحصول رضوان حق عزوجل ہے اور در حقیقت کمال یہی ہے پس مجتہد کو بوجہ خود بینائی حاصل ہونے کے ہر حال میں مکائد نفس و شیطان سے احتراز بہ توفیق الہی تعالیٰ ممکن ہے پس اس کی ترقی بجانب اعلیٰ جس کے مراتب بے انتہا ہیں بہت فائق ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ ذاتی تزئین و تخیل اخلاق و تحصیل مرضیات الہی سبحانہ و احتراز کمروہات غیر مرضیہ بوجہ اتم و اکمل اس کو حاصل اور دوم یہ کہ دوسرے اہل ایمان کو بمرتبہ اجتہاد نہیں ہیں اپنی بینائی سے آنکھوں والا کر کے عملی اسفار آخرت میں راہ جہنم سے پھیر کر شاہراہ جنت کی طرف لئے جاتا ہے اور ہر شخص کو موافق اس کے تعلقات دنیاوی کے مخلص بتلاتا ہے مثلاً ایک بندہ مؤمن تجارت کرتا ہے اور دوسرا مزدوری کرتا ہے تو عملی کام دونوں کے یکساں نہیں چنانچہ تاجر کو جن مکائد نفس و شیطان کا منحصر ہے وہ مزدور کے دام فریب سے مغائرت رکھتا ہے اگرچہ باطنی وساوس میں دونوں یکساں بھی ہوں پس اصل میں فقیہ بندہ عارف ہے جس سے باطنی امراض و ظاہری خدشات سب سے نجات کی راہ حاصل کر کے خالص مرضیات تک وصول ممکن ہو اور ہر وقت میں ایسے لوگ موجود ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مؤمنین پر اور حجت کافرین پر ہے اور البتہ فیوض الہی سبحانہ تعالیٰ ہر زمانہ میں ہر شان میں ایک خاص طریقہ پر فائز ہیں بندہ مؤمن نیک نیت خالص موحد کو چاہئے کہ توحید میں اس کا قدم استوار ہو پس جو طریقہ سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھا اس سے تجاوز نہ کرے اعتقاد میں اور نہ اعمال میں ہاں ویسے اعمال بیشک دشوار ہیں تو فرائض و واجبات ہی سہی یعنی مع سنت موکدہ اور ہر ایک کے ساتھ قلبی افعال بھی ہیں مثلاً تکبر حرام ہے اور خشوع واجب ہے و نیت خالص فرض ہے اور یہ افعال قلب پر آدمی کے اختلاف باطن سے مختلف ہیں مثلاً بعض شخص اپنی حیات میں مغرور نہیں مگر نامرد اور بددل ہے تو اس کو دلیری کی تعلیم واجب ہے چنانچہ یہ بھی ایک باعث ہے کہ اس زمانہ میں جس کو فقہ کہتے ہیں وہ افعال باطنہ کی بحث سے بالکل خالی ہے الا قدر قلیل بلکہ اس میں فقط افعال جوارج سے بحث ہے لیکن عالم فقیہ سے دونوں قسم اعمال دریافت کر کے اپنے زاد راہ و توشہ آخرت کو درست کرنا لازم ہے اور یہی دریافت کرنا استفاء ہے اور اس کا جواب افتاء ہے اور ایسے ہی عالم مفتی کے حق میں صادق ہے قولہ علیہ السلام: فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ..... اور متاخرین نے کہا کہ فقیہ مجتہد علی الاطلاق تو مدت سے نہیں رہا لیکن اس میں شک نہ کرنا چاہئے کہ زمانہ میں بہ فضل الہی تعالیٰ ایسے لوگ ضرور موجود رہتے ہیں جو اہل ایمان و طالبان آخرت کے لئے ہر طرح کے اقوال ضعیفہ و باطلہ جن کا مبنی راہ مستقیم سے کچی کی طرف ہے تمیز کر لیں اور شاہراہ رضا و ہدایت پر جماعت مخلصین کے ساتھ روانہ ہوں ولقد قال: والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازوجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجلعلنا للمتقین اماما ..... پس اہل تقویٰ ہر کس تا کس کے اقوال پر اعتماد نہ کریں کیونکہ جو شخص خالی رطب و یابس روایتوں کو جمع کرتا ہے اور ان کے اصول و دلائل وغیرہ سے آگاہ نہیں اور نہ اس کو ان میں تمیز ہے تو بقول علامہ قاسم

بن قطلوبغا رحمہ اللہ کے ان کے لئے عاقبت کی خرابی اور جوان کی تقلید کرے اس کی بربادی و ہلاکی ہے اور یہ دام فریب کہ تمیز روایات و فہم دلائل بھی اس زمانہ میں کسی کو حاصل نہیں ہے و سوسہ شیطانی ہے جن لوگوں نے جہال کو اپنا مفتی عالم بنایا وہ عالم حق نہیں جانتا تو نائب شیطان سے کم نہیں اور جنہوں نے اس کو پیشوا کیا ان پر ہزار افسوس اور وہ کس قدر و سوسہ شیطان کو قبول کرتے ہیں اور اہل الحق ہمیشہ قلیل ہیں اور راہ حق کا ہادی ہمیشہ عوام میں مبغوض ہے جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے حضرت سفیان الثوری رحمہ اللہ کا قول صریح ذکر فرمایا پس اے لوگو دیکھو کہ کس سے تم اپنے لئے عاقبت و جنت کا سامان جو جو اہر سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہیں لیتے ہو پس اہل صدق و صفاء حاشیہ بوسان بساط مصطفیٰ ﷺ سے مانگو اور یہ جو کتابیں ہیں جن میں مخصوص اعمال جو راجح مذکور ہیں ان میں بھی ہر طرح کے اقوال کا مجموعہ ہے تو ان کے لئے جو قواعد چاہیں وہ میں بعض رسائل سے ملحق کر کے لکھے دیتا ہوں تاکہ اسی سے فتاویٰ حاصل کرنا ان اعمال میں آسان ہو باللہ تعالیٰ التوفیق۔

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کتاب القضاء فتح القدر میں فرمایا کہ اصولین کی رائے اس امر پر مستقر ہے کہ مجتہد ہی مفتی ہوتا ہے یعنی فتویٰ دینا حقیقت میں فقط مجتہد کا کام ہے اور جو مجتہد نہیں بلکہ مجتہدوں کے اقوال اس کو یاد ہیں تو وہ حقیقی مفتی نہیں ہے اس سے جب سوال و دریافت کیا جائے اور استفتاء لیا جائے تو اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مانند کسی مجتہد کا قول بطور نقل و حکایت کے بیان کر دے یعنی جواب میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول اس مسئلہ میں فلاں کتاب میں مذکور ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے زمانہ میں جن موجودہ لوگوں کا فتویٰ ہوتا ہے وہ درحقیقت فتویٰ نہیں ہے بلکہ کسی مفتی کا کلام نقل کر دیا جاتا ہے کہ اس کو مستفتی اختیار کرے۔ اب ایسے مجتہد سے نقل لانا بھی دو ہی طرح ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اس ناقل مفتی سے مجتہد تک کوئی مسلسل سند ہو یعنی ناقل کہے کہ مجھ سے میرے استاد رحمہ اللہ فلاں بن فلاں نے بیان فرمایا جنہوں نے اپنے استاد رحمہ اللہ فلاں بن فلاں سے سنا تھا الیٰ آخرہ اور دوسرے یہ کہ کسی کتاب معروف و مشہور سے نقل کرے جو مجتہد سے اس وقت تک ہاتھوں ہاتھ معروف چلی آئی ہے یعنی ایسی کتاب نہ ہو کہ کسی وقت میں نایاب یا کمیاب ہوگئی یا ابتداء ہی میں معروف نہیں ہوئی تھی علیٰ ہذا اگر ہمارے زمانہ میں نوادر کے بعض نسخے پائے گئے تو جو احکام مسائل اس میں مذکور ہوں ان کو امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرنا حلال نہ ہوگا کیونکہ وہ ہمارے زمانہ میں ہمارے دیار میں مشہور نہ ہوئی اور دست بدست نہیں پہنچی یعنی وہ ابتداء ہی میں معروف نہ تھی اور اس پر بھی ہمارے یہاں مشہور نہ ہوئی۔ ہاں اگر نوادر سے کوئی نقل مشہور متداول کتاب مثل ہدایہ و مبسوط وغیرہ میں پائی جائے تو اس کا اعتماد البتہ فقط اس وجہ سے ہوگا کہ یہ کتاب جس میں نقل ہے معروف و متداول ہے قال المترجم مبسوط سے مراد امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف نہیں بلکہ شروع یا سرخسی رحمہ اللہ کی شرح کافی مراد ہے۔ پھر لکھا کہ اگر ناقل مفتی کو مجتہدوں کے مختلف اقوال یاد ہیں اور اس کو دلائل کی شناخت نہیں اور نہ اس کو اجتہاد کی قدرت ہے یعنی فی الجملہ اجتہاد بطریق ترجیح بھی نہیں کر سکتا تو کسی مفتی کے قول پر قطع نہ کرے کہ اسی کو فتاویٰ کے لئے متعین کر دے بلکہ جملہ اقوال کو مستفتی کے لئے نقل کر دے وہ ان میں سے جس قول کو اصوب جانے اختیار کر لے ایسا ہی بعض جوامع میں مذکور ہے۔

اور میرے نزدیک اس پر سب کا نقل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ کوئی قول نقل کر دے کیونکہ مقلد کو اختیار ہے کہ جس کی چاہے تقلید کرے کذا فی فتح القدر۔ مترجم کہتا ہے کہ بعض اخبار میں آیا کہ: استتقت قلبک وان افتوک ..... اور روایت قابل حجت ہے واللہ اعلم پس بمقتضائے قولہ وان افتوک یہ خطاب عامی کو ہے مفتی کو نہیں اور باوجود اس کے استفتاء قلبی کا حکم ہے تو اس کی صورت یہی ہے جو بعض جوامع سے ظاہر ہے اور معنی یہ ہیں کہ مفتی کبھی حالت باطنی سے آگاہ نہیں ہوتا کیونکہ مستفتی نے ظاہر نہیں کیا اور بحکم قولہ

الائمہ صاحبہ صدق مستفتی کا دل فتاویٰ پر جتنا نہیں تو وہ دیگر اقوال کو جو حال کے موافق ہوگا اور اصواب و اوفق جانے اختیار کرے گا پس میرے نزدیک مفتی کے لئے بھی احوط اور مستفتی کے لئے بھی اصوب وہی ہے جو بعض جوامع میں مذکور ہے فائدہ تعالیٰ اعلم۔ اس بیان میں تین باتیں لائق اہتمام ہیں اول کسی مجتہد کا قول نقل کرے یعنی جس قول پر فتاویٰ دیتا ہے اور عنقریب آتا ہے کہ علمائے حنفیہ نے مطلقاً یا خاص خاص قسم کے مسائل میں ائمہ حنفیہ میں سے کسی کو مخصوص کیا ہے۔ دوم جیسی کتاب سے فتویٰ جائز ہے مثلاً مشہور متداول ہو اور دیگر شروط آتی ہیں سوم اقوال نقل کر دے یا کسی قول کو متعین کر دے اور مترجم کے نزدیک اقوال کا حکایت کرنا اصوب ہے اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ کسی شخص کو فتاویٰ دینا روا نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ علماء کے اقوال چانتا ہو اور یہ پہچانتا ہو کہ انہوں نے کہاں سے یہ قول کہا ہے اور آدمیوں کے معاملات سے واقف ہو پھر اگر وہ شخص علماء کے اقوال کو یاد رکھتا ہو مگر یہ نہیں جانتا کہ کہاں سے کہا ہے تو اس لئے جب کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جانتا ہے کہ جن علماء کا مذہب اس نے اختیار کیا ہے وہ سب اس مسئلہ میں اس قول پر متفق ہیں یعنی جواز یا عدم جواز پر مثلاً تو مضائقہ نہیں کہ یوں کہہ دے کہ یہ جائز ہے یا نہیں جائز ہے اور یہ قول اس کا بطریق حکایت ہوگا اور اگر ایسا مسئلہ ہو کہ جس میں انہوں نے اختلاف کیا تو مضائقہ نہیں کہ کہے یہ فلاں کے قول میں جائز ہے اور فلاں کے قول میں نہیں جائز ہے اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ چھانٹ کر بعض کے قول پر فتاویٰ دے جب تک ان کی حجت کو نہ پہچانے مترجم کہتا ہے کہ یہ صریح اس امر کا مؤید ہے جو میں نے زعم کیا ہے اور اس سے ایک امر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر اصحاب کے اقوال کی حجیت دریافت کر لے تو اس کو روا ہے کہ بقوت حجت کسی کے قول کو فتویٰ کے لئے مختار کرے اور اسی معنی میں مترجم نے فتاویٰ میں تحت ترجمہ بعض اقوال کی ترجیح کر دی ہے اور مترجم کو اصحاب ترجیح اصطلاحی ہونے کا دعویٰ ہرگز نہیں ہے ہاں میرے نزدیک یہ بڑا مفسدہ اور سخت دھوکا شیطان کا ہے کہ جس قدر مؤمنین موجود ہیں بحال ظاہر سب مثل بہائم کے ہیں کہ ان کو اقوال مذکورہ کتب میں سے ضرور کسی قول پر جس پر چاہیں عمل کرنا چاہئے اور خود اپنے دین کے واسطے احتیاط اور اپنے نفس کے مغرورات میں صواب اختیار کرنے کی راہ نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ جن کو اس زمانہ میں علماء کہتے ہیں انہیں کی ذات سے رد و قدح و جدال و ناموری وغیرہ مفسدہ کے آثار نہایت قوی پیدا ہوتے ہیں پس اصوب و احوط یہ ہے کہ جو شخص اپنے فعل خالص لوجہ اللہ تعالیٰ عزوجل کر لے اور عاجزی کے ساتھ توفیق کا خواستگار و خوفناک رہے اس کو اسی پر فتاویٰ دینا واجب ہے اور اہل جدال و مرء و ہوا پرست لوگوں کے افعال سے خوف و کچھ پروانہ کرے پس اگر انہوں نے حق کو رد کر کے دنیا میں ناموری حاصل کی تو ان کا یہی نتیجہ ہے ان کو اور ان کے نتیجہ کو چھوڑ دے اور کہہ دے و اتقوا نہ یا اہل الکلام والسلام اور فاضل لکھنوی نے نقل کیا کہ فتاویٰ قاسم بن قطلوبغا میں فتاویٰ و لواجیہ سے نقل ہے کہ جو شخص اسی بات پر اکتفا کرے کہ مسئلہ کے اقوال دو وجوہ میں سے اس کا فتاویٰ و عمل کسی قول یا کسی وجہ کے موافق ہو جائے اور چاہے جس قول و جس وجہ پر عمل یا فتویٰ ہو اور کچھ بھی غور و نظر اس میں نہ کرے کہ ان افعال میں سے باوجود اختلاف کس کو ترجیح ہے تو وہ جاہل ہے اس نے مؤمنین متقدمین کے اجماع کو توڑ دیا اور اسی فتاویٰ میں دوسرے مقام پر ہے کہ آدمی اس وقت دو قسم کے موجود ہیں ایک وہ جو شخص مقلد ہے یعنی جس کو نظر و غور کی لیاقت بالکل نہیں ہے اور دوسرے وہ کہ جس کو نظر کی لیاقت ہے پس قسم اول پر تو اسی کا اتباع واجب ہے جس کو مشائخ نے صحیح کہا ہے اور دوسرے فریق پر واجب ہے کہ جو اس کے نزدیک مرجح ہو اس پر عمل کرے مگر فتاویٰ اسی پر دے جس کو مشائخ نے صحیح کہا کیونکہ فتاویٰ لینے والا اس سے وہی پوچھتا ہے جو اہل مذہب کے نزدیک مذہب ٹھہرا ہے

قال المترجم: عوام کیلئے حقیقت میں اجتہادی مذاہب میں سے کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ اصل وہ مؤمن باللہ عزوجل و بما جا بہ النبی ﷺ ہے جیسے غیر عوام بھی پھر بہ حکم الہی تعالیٰ وہ کسی عالم سے واقعہ نازلہ میں حکم حاصل کر لیتا ہے اور وہی اس کے لئے مذہب ہے

حتیٰ کہ اگر ایک نے اس کو فتویٰ دیا اور اس نے عمل کیا پھر دوسرے نے برخلاف فتویٰ دیا تو اگر اس نے دوسرے کو زیادہ پرہیزگار جانا تو آئندہ اس کے فتاویٰ پر عمل کرے اور پہلا عمل صحیح رہا حتیٰ کہ اگر محکمہ قضا میں پیش ہوگا تو قاضی اس پر عمل کی نسبت مواخذہ نہیں کر سکتا چنانچہ اس فتاویٰ کی کتاب القضاء میں معتبرات سے یہ بحث اچھی طرح منقول ہے پھر تصحیح مشائخ پر سائل کو فتاویٰ دینا فقط اتنے خیال سے واجب کیا کہ مشائخ ترجیح منقرض ہو گئے ہیں اور شاید یہ خوف کیا کہ اہل جہالت بدون علم کے فتاویٰ دیں اور گمراہ کریں جیسے خود گمراہ ہیں تو واقعی یہ احتیاط بتوفیق ہے اور اہل تقویٰ بہت کم ہیں لیکن عوام کو یہ نہیں پہنچتا کہ اپنے سے خلاف وضع پر عمل کرنے والے پر انکار وجدال و تکفیر کریں جیسے اس زمانہ میں مشاہدہ ہے بلکہ سیرت سلف صالحین پر قائم رہیں اور آپس میں متفق ہو کر کوشش کریں کہ ہم سب اس زمانہ میں لامحالہ منقرض ہو کر آخرت میں مغفور و مسرور ہوں کیونکہ جن افعال کا شریعت و سنت میں ہونا معلوم ہے وہ راہ کفر کے افعال ہرگز نہیں ہیں پھر کیونکر تکفیر کرنی جائز ہے اللہ اللہ خوف کرو کہ تم کسی کو کافر بنا کر خارج کرو اور وہ مؤمن ہے۔ اگر تم سے ایک آدمی ایمان پاتا ہے تو موافق حدیث صحیح کے نایاب و عزیز الوجود چیز سے بہتر ہے حالانکہ اس کے برعکس تم خارج کرتے ہو اور جانتے ہو کہ رسول ﷺ نے منافقین کو خارج نہیں فرمایا جن کو قطعاً جانتے تھے اور بعض کو حق تعالیٰ نے نہیں بتلایا اور یہی کہا: مردو علی النفاق لا تعلمہم اللہ یعلمہم ..... پس دیکھو کہ کتاب بڑا فرق بلکہ برعکس معاملہ تم نے اختیار کیا۔ ہاں حدیث میں بقولہ الا ان تروا کفرا بواحا عندکم اجازت بقید وضوح فرمائی ہے۔ جیسے اس زمانہ میں کوئی رسالت انبیاء مرسلین و وجود ملائکہ و شیاطین و وحی و معجزات کا انکار کرے اور وحی الہی کو خیالات آدمی بتلائے اور شریعت کو قانونی مصلحت کہے اور مانند اس کے تو یہ کھلا کافر ہے اس کو جو شخص مسلمان و مؤمن کہے وہ خود کافر ہے اور اس کا فتنہ اہل اسلام پر شیطان سے زیادہ مضر ہے خصوصاً جبکہ نظر کو دنیا کی آرائش و زینت پر کمال رغبت ہے اور جس نے عموماً آنکھیں آخرت سے بند کر کے اسی طرف متوجہ کر دی ہیں اس لیے کہ ان میں غلبہ حواس بہمیہ کی قوت ہر روز قوی ہے بالجملہ کسی مسلم کی تکفیر پر فتاویٰ دینا نہیں چاہئے مگر جبکہ کھلا ہوا کفر دیکھا جائے اور معلوم کیا جائے ورنہ کسی کے دل کے بھید پر مدار کر کے تکفیر نہیں جائز ہے اور یہ کلام درمیان میں آگیا تھا اب میں پھر رجوع کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ اقوال جس پر فتاویٰ دینا چاہے کس ترتیب و تخصیص سے قرار دے گئے ہیں اور یہ اقوال اس وقت کن کتابوں سے لینے چاہیے اور کن کتابوں سے لینا نہیں جائز ہے ایک دراز بحث ہے مگر مختصر طور پر فوائد بعض الافاضل سے انتخاب کرتا ہوں۔ اقوال پر فتاویٰ دینے کا کلیہ قاعدہ فتاویٰ سراجیہ میں اس طرح مذکور ہے کہ جب کسی قول پر ائمہ حنفیہ متفق ہوں یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و صاحبین بالقصد و باقی بالتبع متفق ہوں تو مفتی اسی پر فتاویٰ دے اور اگر مختلف ہوں تو فتاویٰ میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ علی الاطلاق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتاویٰ ہے یعنی چاہے عبادات کے مسائل ہوں یا اور کسی قسم کے ہوں سب میں علی الاطلاق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے اگر ان کا قول موجود ہو پھر امام ابو یوسف کے قول پر پھر امام محمد کے قول پر پھر ان کے بقول زفر رحمہ اللہ و حسن بن زیاد ہے اور بعض نے کہا کہ اگر امام ابو حنیفہ ایک طرف ہوں اور صاحبین ایک طرف ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ چاہے جس قول پر فتویٰ دے مگر قول اول اصح ہے یعنی مطلقاً امام کے قول پر فتاویٰ دے اور صورتیکہ مفتی خود مجتہد نہ ہو یعنی صاحب اجتہاد فی المذہب یا صاحب ترجیح نہ ہو فہذا محصل کلامہ اور حاوی قدسی میں ایسی صورت میں قوت دلیل کا اعتبار کیا ہے یعنی جس کی دلیل قوی ہو اسی پر مفتی فتویٰ دے قال بعض الافاضل "دونوں قول میں اختلاف نہیں ہے اس طرح کہ حاوی کا قول ایسے شخص کے حق میں ہے جس کو ترجیح کی قدرت ہو اور سراجیہ میں مراد وہ مفتی ہے جو صاحب ترجیح نہ ہو اقول یہ توفیق ظاہر ہے لیکن ممکن ہے کہ حاوی نے فقط صاحب تمیز پر اکتفا کیا ہو جس کا مرتبہ صاحب ترجیح سے کم ہے اور اس کا وجود ہر زمانہ میں ہوتا ہے وہ منقطع نہیں ہے کما قال ابن قطلوبغا و سیانی۔ اور غنیۃ المستملی شرح مدیۃ المصلیٰ میں ہے کہ علماء نے

عبادات میں امام اعظم کے قول پر فتاویٰ قرار دیا ہے اور استقراء سے بھی ایسا ہی وقوع ثابت ہوا جب تک کہ امام سے کوئی روایت موافق قول مخالف کے نہیں پائی گئی جیسے مستعمل پانی کی طہارت وغیرہ میں ہے۔ اور قضاء الاشباہ والنظائر میں ہے کہ باب القضاء کے متعلق مسائل میں فتاویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے کما فی القیئہ والہز از یہ۔ اقول اس فتاویٰ کی کتاب القضاء میں بھی ایسا ہی منصوص ہے اور بیری زادہ کی شرح الاشباہ میں ہے کہ شہادات میں بھی امام ابو یوسف کے قول پر فتاویٰ ہے مگر سترہ مسائل میں امام زفر کے قول پر فتاویٰ ہیں جن کو میں نے علیحدہ رسالہ میں تحریر کیا ہے اور فتاویٰ الخیر یہ کتاب الشہادات میں ہے کہ ہمارے نزدیک یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ فتاویٰ و عمل فقہ امام اعظم ہی کے قول پر ہوگا کہ اس سے امام ابو یوسف و امام محمد دونوں یا ایک کے قول کی طرف تجاوز نہ ہوگا مگر بضرورت اتنی اقول شاید علامہ خیر الدین نے کتاب القضاء والشہادات کے مسائل میں امام ابو یوسف کے قول کو لینا بضرورت قرار دیا لیکن اس فتاویٰ میں معتبرات سے منقول ہے کہ جب امام ابو یوسف قاضی ہوئے اور لوگوں کے اختلاف اور وقائع و معاملات کے برتاؤ کو معائنہ کیا جس سے ان کو زیادہ علم حاصل ہوا تو انہوں نے خلاف کیا اور جو قول اجتہادی دوسرا ہو اسی پر فتاویٰ ہے۔

پس اس تو جیہ سے ضرورت ظاہر نہیں ہوتی ہے اور شاید لفظ ضرورت سے ایک عام معنی مجازی مراد لے ہوں جو ایسے وجوہ کو بھی ضرورت میں رکھے و ہذا تکلیف بعید فافہم۔ یہاں تک تو ان اقوال کا بیان ہوا جو ان ائمہ حنفیہ سے مروی ہیں اب رہے ایسے مسائل جن میں ان اصحاب سے کوئی قول صحیح نہیں ہے تو حاوی قدسی میں ہے کہ جب کسی واقعہ میں ان ائمہ سے کوئی قول ظاہر پایا نہ جائے اور مشائخ متاخرین نے اس کا حکم نکالا اور سب ایک قول پر متفق ہیں تو وہی لیا جائے اور اگر ان میں اختلاف ہو تو اکثر مشائخ کا جو قول ہے وہ لیا جائے بشرطیکہ ایسے ہوں جن پر مانند طحاوی و ابو حفص و ابو جعفر و ابواللیث وغیرہ کے اعتماد کیا جاتا ہے اور اگر ان سے بھی کوئی جواب ظاہر نہیں ملا تو مفتی کو چاہئے کہ اس میں تامل و غور و کوشش سے نظر کرے تاکہ ایسا حکم نکل آئے کہ عہدہ افتاء کا ذمہ پورا ہو یا اس سے عہدہ برآئی کے قریب پہنچے اور یہ نہ چاہئے کہ لا ابالی اس میں کوہ حکم لکھ دے۔ اقول ظاہر متاخرین مشائخ سے اہل ترجیح تک شامل مراد ہیں۔ جن کو کسی رتبہ کے اجتہاد کا منصب ہے پھر مفتی کو غور و نظر و اجتہاد کا حکم بمعنی کوشش بلوغ ہے یا مخصوص باصحاب ترجیح ہو واللہ اعلم اور ولوالجیہ سے اوپر مذکور ہوا کہ بلا ترجیح کے مختلف اقوال میں سے جس قول پر چاہے عمل کر لینا جہالت و خلاف اجماع ہے اور درالمختار میں قاسم ابن قطلوبغا کی تصحیح القدوری سے لایا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ کبھی چند اقوال کو بلا ترجیح کے نقل کر دیتے ہیں اور کبھی ترجیحی تصحیح کرتے ہیں لیکن تصحیح میں اختلاف کرتے ہیں یعنی بعض نے ایک قول کو اور بعض نے دوسرے قول کو صحیح کہا تو ایسی صورت میں مرجع و تصحیح کیونکر معلوم و متعین ہو اور کیسے عمل کیا جائے تو جواب یہ ہے کہ جیسے طور پر انہوں نے عمل کیا اسی پر عمل کریں باعتبار رواج متغیر ہونے اور لوگوں کے حالات بدلنے وغیرہ کے اور جو لوگوں پر آسان و نرم ہو اور جس پر در آمد ظاہر چلا آتا ہو اور جس کی دلیل قوی ہو یعنی ان امور کے اعتبار سے مشائخ کے عمل کے موافق ہم بھی ان اقوال میں سے ایک قول اختیار کریں گے اور جو شخص ان امور کی راہ سے قول کو ممیز کر لے ایسا شخص ہر زمانہ میں ضرور ہوتا ہے پس وہ بطریق تحقیق اس کا ممیز معلوم ہوتا ہے گمان ہی گمان نہیں ہوتا ہے ہاں جو اس وقت ایسا ہو کہ ان وجوہ سے تمیز نہ کر سکے اس کو چاہئے کہ خود بری الذمہ ہونے کے لئے ایسے شخص سے رجوع کرے جو تمیز کر سکتا ہے ہذا تحصیل کلامہ اقول اس کلام سے کئی باتیں تحقیقی ظاہر ہیں اول یہ کہ مشائخ اصحاب ترجیح کبھی تصحیح میں اختلاف کرتے ہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ دونوں قول اپنے اپنے محل پر صحیح ہوتے ہیں اور درحقیقت یہ تصحیح میں اختلاف نہیں ہے اور نظیر اس کی یہ ہے کہ مثلاً کپڑے غصب کئے ہوئے پر سیاہ رنگ سے قیمت میں زیادتی نہیں بلکہ نقصان ہونا امام اعظم رحمہ اللہ کا قول ہے جو ان کے زمانہ کے لحاظ سے صحیح تھا کیونکہ بنو امیہ کے عہد سلطنت میں سیاہ رنگ عیب تھا اور صاحبین کے زمانہ میں عہد سلطنت عباسیہ میں یہ رنگ مرغوب ہوا تو اس سے

قیمت کی زیادتی کا قول جو صاحبین سے مروی ہے صحیح ہے حتیٰ کہ اگر کسی عہد یا ملک میں سیاہ رنگ عیب شمار ہونے لگے تو فتاویٰ کے لئے وہی امام کا قول صحیح ہوگا پس یہ حکم باعتبار تغیر احوال ہے اور دونوں صحیح ہیں ایسے ہی ہر زمانہ میں صاحب ترجیح ان اسباب مذکورہ کی جہت سے تصحیح کرتے ہیں ہاں موافق بحث اجتہاد کے کبھی بقوت دلیل بھی مختلف تصحیح واقع ہوتی ہے بائیں طور کہ ایک کو قوت ایک قول کی اور دوسرے کو دوسرے قول کی ظاہر ہوئی جیسے ائمہ اربعہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں ارکان اجتہاد سے ایسا اختلاف واقع ہوا اور سب بد معنی راہ حق پر ہیں کہ اتباع حکم الہی و سنت رسالت پناہی سنۃ فیہم میں ہر ایک نے کوشش کی اور ہوا و ہوس سے نفس کو روکا اور یہ ایک ہی طریق سے آسان ہے جو منصب صاحب ترجیح کے لائق ہے پس رنگ کی مثال جو مترجم نے اوپر ذکر کی تغیر العرف سے متعلق تھی اور دوم یعنی ارفق میں کلام بعض موافق فتح القدیر میں مبسوط ہے اور اصل میں قولہ علیہ السلام: لن یشاو والدین احد الاغلبہ ..... ہے اور مؤید اس کا قولہ فی قصتہ البقرۃ النی امر بذبحہا بنو اسرائیل ولكن شدو افشدو اللہ تعالیٰ علیہم ..... ہے یعنی جب دو قول بدلیل اجتہادی ظاہر ہوئے اور رجحان دونوں طرف برابر ہے اور ایک ان میں سے ارفق و آسان ہے تو عوام کو فتاویٰ دینے میں مفتی اس طرف میل کرے اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔

اور اسی قسم سے ہے اس زمانہ کا عام واقعہ تمباکو پینے کا چنانچہ بعض نے سخت تشدد کو راہ دیکر اس کو حرام نکالا حالانکہ یہ استخراج نہیں بلکہ ہوس ہے کیونکہ حرمت کی دلیل کوئی نہیں پائی جاتی اس لئے کہ حرام تو منصوص قطعی ہے اور یہاں ظنی نص بھی موجود نہیں اور اگر مکروہ تحریمی مراد ہے تو بھی ظاہر نہیں الا بدلیل صیغف الاسناد وضعیف الدلالۃ ہاں کراہت تنزیہی وغیرہ تنزیہی اباحت میں تردد بدلائل ہے اور وجہ دوم کے لئے عموم بلوے مؤید پس لائق فتاویٰ قول دوم ہے کیونکہ وہ مفتی فقیہ نہیں کہ عوام کو حرام میں مبتلا کرے فلینما فیہ۔ وظہور تعامل کے یہ معنی ہیں کہ صالحین سے اس کا عمل درآمد چلا آتا ہو جو دلیل شرعی پر مبنی ہونے کی دلیل ہے اور بعض متاخرین کے کلام سے اس امر کے شاہد ہیں کہ لوگوں میں ایسا معاملہ جاری ہو لیکن مترجم کہتا ہے کہ یہ سہو ہے اور ائمہ میں سے جس نے ایسا کہا وہ اشارہ ہے کہ سلف صالحین سے پیچھے اس کا حادث ہونا ظاہر نہیں ہوا بسبب طرب زمانہ کے اور ہمارے وقت میں یہ بات نہیں اور دیار ہندوستان میں تو بالکل اس کا اعتبار نہیں ہے اس واسطے کہ کثرت سے خلاف شرع امور بلا انکار ظاہر شائع ہیں اور امر تحقیق اس میں تفصیل ہے یعنی جو معاملہ ایسا ہے کہ رکن شرعی میں سے کوئی امر فوت نہیں لیکن وہی چیز جس کی شرط بہ تعامل ہے یعنی بلا نزاع رضامندی تو اس میں اعتبار ہے مثلاً استحصان علی خلاف القیاس بسبب تعامل الناس جائز ہے حالانکہ بالاتفاق ابتدائی بیع نہیں ہے تو انتہا میں جب بنانے والے نے چیز بنائی اور بنوانے والے نے پسند کر کے لی یا نہیں تو رد کردی اور باہم کچھ نزاع نہ ہو تو معلوم ہوا کہ تعامل بمعنی باہمی رضامندی ہے جو شرط بیع یا تمم رکن قبول و ایجاب ہے علی ما حققتہ بالتقریر المعقول علی انعقاد و البیع بالایجاب والقبول۔ پس واضح ہو گیا کہ مفتی کسی حال میں راہ شرع سے جس کی پابندی نفس ہوا پرست پر فرض ہے بلا دلیل شرعی تجاوز نہیں کر سکتا اور یہ جو اس زمانہ میں بعض جہال ملحدین برادران دجال نے اپنے متبعین کو سکھلایا کہ شرع ایک جمہوری مصلحت ہے اور اوقات و اوضاع کے تغیر سے اس میں تغیر لازمی ہے محض شیطانی راہ ہے اور اس کا معتقد کافر ہے اس لئے کہ راہ آخرت مستقیم ایک ہے جس کے سلوک کے لئے نفس کو جو شیطانی ہو سات کا باطبع مطیع ہے ایک مسلک مستقیم سے تجاوز نہ کرنے پر پابند کیا گیا ہے پس جب آخرت کا اعتقاد بنور ایمان حاصل ہے جس میں تبدیلی نہیں تو شاہراہ واضح میں تبدیلی محال ہے وقد قال تعالیٰ: ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا ولن تجد لسنة اللہ تحویلا پھر جس اوضاع و اطوار کی طرف زمانہ میں تبدیلی ہوئی اگر لوگوں نے ان اطوار کو خلاف عدل و خلاف صواب اختیار کیا تو خود انہیں اطراف کی طرف میل کرنا صریح ظلم قبیح ہے اور اگر عدل کے ساتھ ہے تبدیلی کیونکر ہوئی اس لئے کہ راہ اول محض عین عدل تھی تو لا محالہ تبدیلی

بجانب ظلم ہوئی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ تحقیق آخرت اور ایمان توفیق میں ایسے ہوئے جنہوں سے فتاویٰ دنیا کو پہنچانے میں مشاہدہ کیا اس لئے قصہ معاشرت کوتاہ کر کے خلوت اختیار کی اور یہ عمدہ نہیں بلکہ احوال و اصوب یہ ہے کہ تمدنی طرز کے ساتھ عام بمساعت کو دروازہ آخرت تک یہ تمام عدل آراستہ لے جائے اور یہ پسندیدہ شیوہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھا پس اشاعت علم الہی وہ حسن اخلاق و تعلیم عدل و تہذیب نفس میں کامل فرد تھے اور جن ملکوں کو تابع کرتے ان کے حق میں نہایت خوبی و بالکل بھلائی چاہتے اور یہی اسلام کا حکم عام ہے۔ بالجملہ مفتی و عالم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ خود کوئی حکم دے ہاں شرع کی نیابت میں کہہ سکتا ہے کہ شرع سے یہ حکم جائز ظاہر ہو اور جب کسی حکم پر موافق کتاب و سنت کے یقین کرے تو کہہ سکتا ہے کہ حرام و عدل واجب و تکلیف حرام ہے اور یہ اس کا حکم نہیں ہے بلکہ شرع کی طرف سے نقل ہے اور کلمات کفریہ میں ہے کہ جو مجتہد کی طرف سے حکم اختیاری خیال کرے یعنی جو کچھ چاہے حکم دے سکتا ہے وہ کافر ہے۔

پس مفتی درحقیقت اس مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے فضل سے عنایت کیا ہے اس کام کے لئے محکوم ہے کہ مسائل کے احکام عوام کو باجہاد و استخراج بتلا دے اور تمام کوشش صرف کرے لہذا حاوی میں کہا کہ عہدہ اجتہاد کو کوشش سے حتی الوسع پورا کرے اور لا ابالی بات نہ کہے اور صاحب تصحیح القدوری نے مقلد غیر متمیز کے حق میں کہا کہ وہ متمیز کی طرف رجوع کرے تاکہ خود بری الذمہ ہو جائے پھر اگر کوئی کہے کہ یہ کلام تو صاحب ترجیح کے لئے ہے کیونکہ اسی کو ایسی تمیز حاصل ہوتی ہے اور وہ بقول عامہ مقلدین ختم ہوا اور بعد صاحب السنن کے کوئی نہیں ہو تو جواب یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم اس دعوے کے صاحب تصحیح القدوری کے کلام سے یہ مراد ہونا مسلم نہیں ہے اس دلیل سے کہ اس نے فرمایا کہ: ولا یخلو الوجود عن من تميز هذا حقيقة لا ظنا۔ یعنی ایسا متمیز ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے جو محض گمان و خیال پر نہیں بلکہ حقیقت میں ایسے اقوال کو متمیز کر سکتا ہے و فی البحر جب ایک کو صحیح کہا گیا اور فتاویٰ دوسرے پر ہے تو موافق متون پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ قال المترجم متون جامع روایات اصول ہیں و فیہ ما فیہ واللہ اعلم ایضاً فی البحر فی مصرف الزکوٰۃ جب صحیح مختلف ہو تو واجب ہے کہ ظاہر الروایۃ کی تلاش بلیغ کریں اور اسی کو مرجع قرار دیں و فیہ فی کتاب الرضاع جب فتاویٰ مختلف ہو یعنی ایک قول کی نسبت لکھا گیا کہ اس پر فتاویٰ ہے اور دوسرے قول پر بھی یہی لکھا گیا تو جو قول ان میں سے ظاہر الروایۃ ہو اسی کو ترجیح ہے قال المترجم ان عبارات میں غور سے اس امر کی تائید ملتی ہے جو مترجم نے اوپر ذکر کیا ہے اور یہ بحث فقط روایات کی جہت سے ہے بنا بریں کہ خالی مقلدین کو دلائل سے بحث کی اجازت نہیں ہے لیکن غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلیٰ میں بحث تعدیل الارکان میں لکھا کہ تجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ قومہ و جلسہ میں سے ہر ایک میں طمانیت بمقتضائے دلیل واجب ثابت ہوتی ہے یعنی جیسا کہ امام ابو یوسف وغیرہ سے مروی بھی ہے دلیل سے بھی وہی ثابت ہوتا ہے پھر لکھا کہ شیخ ابن الہمام نے فرمایا کہ روایت سے حدول نہیں چاہئے جبکہ کوئی روایت اس کے ساتھ موافق ہو قال المترجم یعنی جب مذہب میں اقوال مروی ہوں اور ایک قول ان میں سے اصول شرع سے متوافق ہو تو اس قول سے مخالفت نہیں کرنی چاہئے گویا اس قدر علم کو منظونات میں واجب العمل ہونے کے لئے مسلم رکھا ہے اور ظاہر اشارح نے جو لکھا کہ یہ بات تجھے معلوم ہوگئی اس میں علم سے یہی معنی مراد لیے ورنہ فرعیات کا منظونہ ہونا اتفاقی ہے اس وجہ سے کہ حق عمل میں یہ ظن بمنزلہ علم و یقین ہے فافہم و سیاتی المزید فیہ۔ و فی وقف البحر جب مسئلہ میں دو قول ایسے ملیں کہ ہر ایک کو صحیح کہا گیا ہے تو ایک قول پر فتاویٰ دینا اس کے موافق حکم قضاء جاری کرنا جائز ہے و فی قضاء الفوائت منہ جب ظاہر الروایۃ میں کوئی مسئلہ نہ ہو اور غیر ظاہر الروایۃ میں پایا جائے تو اسی کو لینا متعین ہو جاتا ہے قال المترجم جم یہ بحث بھی روایت پر مقصود ہے اور دونوں قول مصحح میں سے کسی کی ترجیح کا حکم نہیں دیا اور یہ حکم بظاہر تصحیح القدوری کے قول سے مخالف ہے کیونکہ اس میں تمیز کرنے کا حکم مذکور ہے اور پوشیدہ نہیں کہ حکم

قضاء ایسی صورت میں مختلف ہو سکتا ہے اور مفتی بھی مستثنیٰ کے موافق مدعا قول پر فتاویٰ دے سکتا ہے اور زیادہ اشکال اس وقت ہے کہ مدعی و مدعا علیہ میں ایک کے موافق ایک قول اور دوسرے کے موافق دوسرا قول ہو مگر یہی کہا جاسکتا ہے کہ حکم قاضی ملزم واقع ہو اور تجھے معلوم ہے کہ حکم قضاء فی نفسہ ملزم نہیں ہوتا مگر جبکہ شرع کی اجازت سے بدلیل الزامی واقع ہو اور یہاں حق دلیل میں دونوں مساوی ہیں پس اگر قاضی دوسرا قول اختیار کرتا تو رواہ تھا اور اگر اس کا ایک قول بجواز اختیار کرنا ملزم ہو تو مدعی اپنے حق میں یقین پر کیونکر ہوگا مگر یہی کہا جاسکتا ہے کہ حکم قضاء ظاہر و باطن نافذ ہوتا ہے اور اس میں مشائخ و متاخرین علماء ترجیح کے اقوال کیسے مضطرب ہیں کما اتضح علی من مارس ہذا الفن۔ علاوہ ازیں عدم نفاذ و قضاء ظاہر و باطن کی بھی روایت موجود ہے اور خود امام سے بہتری صورتوں میں بطلان حکم قضاء کا حکم روایت کیا گیا ہے مثلاً جبکہ گواہوں کا کاذب ہونا یا غلام ہونا یا محدود القدر ہونا ظاہر ہو جائے پس معنی یہ کہ حجت شرعیہ کا پورا نہ ہونا ظاہر ہو تو حکم ملزم نہ ہوگا لہذا حکم ملزم کامل الحجت ہو اور قولہ علیہ السلام: بعضکم الھن لھجبة..... سے متوافق عدم نفاذ قضاء ہے اور بقول ابن الہمام درایت سے جو روایت متوافق ہو اس سے عدول روا نہیں ہے پس ظاہر اصح راجح وہی قول ہے جو صحیح القدوری میں مذکور ہے۔

وفی شرح الاشباہ لبیری زادہ نقل عن شرح الہدایۃ لابن الشیخہ جب کوئی حدیث صحیح ہو جائے اور مذہب کے خلاف ہو تو اس حدیث پر عمل کیا جائے گا اور یہی مذہب قرار دیا جائے گا اور اس پر عمل کرنے سے حنفی مذہب ہونے سے مقلد مذکور باہر نہیں ہو جائے گا کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ سے صحیح روایت آئی ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے قال المترجم ایسا ہی بعض ائمہ شافعیہ نے کہا کہ صلوٰۃ الوسطی بقول شافعی نماز فجر ہے اور حدیث مسلم میں نماز عصر ثابت ہوئی تو لکھا کہ شافعی کا قول یہی مذہب ہو اور غالباً اہل دیانت بلا تعصب کے اپنے اپنے اماموں سے ایسا ہی روایت کرتے ہیں کہ یہ چاروں مذاہب تو درحقیقت ایک ہی ہیں کیونکہ سب ہی سنت و حدیث کی طرف مستند ہیں اور جن لوگوں نے باہم جدائی و تفریق کر کے تعصب کو راہ دی اور اتفاق باہمی جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھا جس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب رسول سرور عالم ﷺ کا احسان رکھا تھا اس کو برباد کیا تو میں نہیں جانتا سوائے اس کے کہ وہ سخت گناہ گار ہیں جنہوں نے اہل السنۃ والجماعت میں تفرقہ ڈالا اور ایسی باتیں پیدا کیں جس سے آنحضرت ﷺ کی ناراضی ظاہر ہے اور کثرت سے احادیث دلالت کرتی ہے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق ضروری ہے اور عمل کی صورت میں اختلاف ہونا کچھ بھی مضرت نہ تھا۔

دیکھو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہم اعمال کو بصورتہائے مختلفہ بہ نیت خالصہ ثواب الہی ادا کرتے اور کسی کو دوسرے کی طرف خیال بھی نہ ہوتا پھر ملال کا کیا ذکر ہے پھر مترجم کہتا ہے کہ اسی مقام پر ایک بات ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ بعض مسائل ایسے ہیں جن میں احادیث صحیحہ کئی وارد ہیں اور بغیر علم والے آدمی کو یہ نظر آتا ہے کہ ان سے مختلف احکام نکلتے ہیں حالانکہ جب علم والا ان میں فکر صحیح کو دخل دے کر اجتہاد و کوشش کرتا ہے تو سب میں اختلاف نہیں رہتا۔ ایک حکم نکلتا ہے لیکن دوسرا علم والا اس میں دوسرے طریقہ سے فکر کرتا ہے تو سب میں اتفاق ہو کر دوسرا حکم نکلتا ہے مگر دونوں طریقے فکر کے علیحدہ علیحدہ ہیں اس بناء پر کہ مثلاً آیت جو قطعی ہوتی ہے اس کو حدیث احاد سے تخصیص کر سکتے ہیں یا نہیں پس ایک مجتہد کے نزدیک کر سکتے ہیں اور دوسرے کے نزدیک نہیں اور دونوں کے دلائل اپنے اپنے مقام پر مذکور ہیں ایسی صورت میں توفیق احادیث کے راہ میں تفاوت ہوگا اور ایسے ہی عمل کی صورت میں تفاوت نکلے گا مگر جب معنی کو دیکھو کہ حق تعالیٰ عزوجل نے ہر مجتہد کے فعل پر اپنے فضل سے ثواب عطا فرمایا ہے تو دونوں ایک ہیں ہاں یہ اعمال جو ہر طرح خلوص نیت سے ثمرہ ثواب دیتے ہیں جب ہی مستقیم ہیں کہ ایمانی نیت صحیح ہو اور وہ جب ہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کی



ہدایت کے موافق حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے متوافق ہو اور یہی لوگ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔  
 فافہم واستقم اور فاضل لکھنوی نے تزئین العبارہ ملا علی قاری سے نقل کیا کہ قاری نے لکھا کہ کیدانی نے اپنے رسالہ خلاصہ  
 میں عجیب بات لکھی کہ نماز کے اندر جو افعال حرام ہیں ان میں سے دسواں فعل التحیات کے آخر میں انگشت سے اشارہ کرنا جیسے اہل  
 حدیث کا عمل ہے یعنی ان لوگوں کا جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم میں اور یہ قول کیدانی کا خطا عظیم و جرم جہیم ہے اور  
 اس کا سبب یہ واقع ہوا کہ یہ شخص قواعد اصول سے جاہل اور روایات فروع کے مراتب سے نادان ہے اور اگر ہم کو اس کی طرف نیک  
 گمان کرنا نہ ہوتا جس سے ہم اس کے قول کی تاویل کرتے ہیں تو ضرور اس کا کفر صریح اور اردو صحیح ہوتا یعنی ہم اس کو مؤمن گمان  
 کر کے یہ تاویل کئے دیتے ہیں کہ اس کی مراد یہ ہے کہ اس واضح سے اشارہ نہ کرے جیسے اہل حدیث مشہی بند کر کے یا حلقہ کر کے اشارہ  
 کرتے ہیں اور یہ مراد نہیں کہ حدیث میں جس طرح آیا ہے وہ حرام ہے اور نہ بھلا کسی مؤمن کو حلال ہو سکتا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 فعل شریف سے اس طرح ثابت ہوا کہ متواتر کے قریب پہنچ گیا ہے اس کو حرام بتلا دے اور جس پر صحابہ سے لے کر آخر تک علماء متفق  
 ہیں اس کے جواز سے انکار کرے اور حال یہ ہے کہ ہمارے امام اعظم نے فرمایا کہ کسی کو یہ حلال نہیں کہ ہمارا قول اختیار کرے جب  
 تک اس کا ماخذ کتاب مجید یا سنت شریف یا اجماع امت یا قیاس جلی سے معلوم نہ کر لے اور شافعی نے فرمایا کہ جب حدیث صحیح ہو  
 جائے جس سے میرا قول خلاف پڑے تو میرے قول کو دیوار سے مار دو اور حدیث ضابطہ پر عمل کرو۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی تو ہم  
 کہتے ہیں کہ اگر امام رحمہ اللہ سے کوئی صریح روایت اس مسئلہ میں نہ ہوتی تو ان کے قبعین پر لازم تھا کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت  
 ہوا اس پر عمل کریں اور یہ علماء کرام قبعین پر لازم ہے عوام کس شمار میں ہیں اور ایسے ہی اگر امام سے ثابت یہ ہوتا کہ انہوں نے اشارہ  
 کرنے کو منع کیا اور خیر الانام علیہ السلام سے اس کا اثبات ہوا تو کوئی شک نہ تھا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا وہی لازم ہے پھر  
 بھلا یہاں تو اس مسئلہ میں امام سے جو روایت ہے وہ سند صحیح سے مطابق و موافق ہے پس جو عدل پر قائم اور ظلم سے باز رہا وہ ضرور جانے  
 گا کہ سلف و خلف کے اہل تقویٰ کی یہی راہ ہے اور جو اس سے پھر اوہ جہنمی گمراہ ہے اگرچہ لوگوں میں بڑا بزرگ مشہور ہوا اتنی کلامہ  
 مترجم اور دوسرا رسالہ مسے بتدہیں التزمین میں لکھا کہ جو شخص اس امر کا قائل ہو کہ فتوے اسی قول پر ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے تو وہ شخص  
 اس امر کا مدعی ہوا کہ میں مجتہد فی المسئلہ ہوں اور یہ ایسے مسئلہ میں ہو سکتا ہے جس میں امام سے دو روایتیں یا امام سے ایک اور  
 صاحبین سے دوسری روایت ہو پھر بھی باوجود اس کے یہاں دلیل ترجیح کی ضرورت ہوگی کیونکہ بلا مرجع کے ترجیح مقبول نہیں ہے پس  
 اگر امام سے دو روایتیں پائی جائیں تو وہی روایت راجح ہوگی جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو اور جمہور علماء امت کے موافق  
 پڑے اور یہاں تو عدم اشارہ پر فتویٰ صریح مخالف ہے دیگر مشائخ معتبرین کے قول سے جنہوں نے فرمایا کہ فتویٰ اسی قول پر ہے کہ  
 اشارہ عمل میں لایا جائے اور وہ بلا خلاف سنت ہے اتنی کلامہ مترجم۔ مترجم کہتا ہے کہ ایسا ہی فاضل لکھنوی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور  
 اس میں شک نہیں کہ احادیث اگرچہ صریح موجود ہوں ان میں بحث اجتہادی ضروری ہے اور عموماً مدعیان علم کو درجہ اجتہاد حاصل  
 نہیں ہے۔

لیکن مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ اجتہاد ترجیح بھی ختم ہو کر لوگ عوام کا لانعام رہیں گے جن کو دلائل مفصلہ مدونہ ائمہ علماء میں نظر  
 کرنے اور سمجھنے اور احادیث و آیات کے ظاہر معانی سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہے اور یہ کیونکر الٹی بات بلکہ مہمل و متناقض کلام کہا جاتا ہے  
 جبکہ خود مسائل مدلل و عبارات فقیہہ و تفاسیر و احادیث بلکہ لغویات منطق و فلسفہ کا عالم جانتے ہیں اور علامہ و مدقق وغیرہ القاب سے  
 سرفراز سمجھے جاتے ہیں گویا ایسے الفاظ عمداً کذب و افتراء لمباس لا باس مزین کر لئے گئے ہیں نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

اور حق ظاہر یہی ہے جو عبارات علامہ قاسم صاحب تصحیح القدوری و شیخ محقق ابن الہمام و علامہ قاری سے واضح ہوا۔ پھر اگر کہا جائے کہ صاحب ترجیح یا کم از کم صاحب تمیز ہونے سے وہ مرتبہ مقلد سے خارج نہ ہو اور اس کو روا ہے کہ اہل اجتہاد میں سے کسی کے قول پر عمل کرے تو روایات فقہیہ اس کو کافی ہیں اور جب مجتہد نہیں تو اس کو تفسیر و حدیث میں بحث سے فائدہ نہیں بلکہ تضحیح اوقات ہے تو میں کہوں گا کہ استغفر اللہ تعالیٰ ہرگز یہ بات صحیح نہیں ہے چنانچہ اوپر ولو انھیہ سے منقول ہوا کہ فتویٰ یا عمل کسی وجہ مسئلہ سے بغیر نظر کئے ہوئے کافی سمجھنا جہالت و فرق اجماع ہے اور لا ابالی ایسی حرکت سے بری الذمہ نہ ہوگا علاوہ اس کے جو مفاسد عظیمہ اس میں موجود ہیں وہ تعجب ہے کہ ایسے لوگوں پر کیونکر مخفی رہے جن کو عالم و علامہ و محقق و مدقق و غیرہ طولانی القاب سے یاد کیا جاتا ہے ظاہر ان کو سوائے الفاظ میں وطل کلام کے اصلی نتیجہ علم پر نظر کی توفیق نہ ہوئی و اعوذ باللہ من علم لا ینفع دیکھو اصلی نفع علم کا مثل اخلاق و اصلاح نفس و انسداد مکائد شیطان ہے حتیٰ کہ قوت ایمان سے لائق قبولیت بارگاہ کبریائی عز شانہ و جل سلطانہ ہو جائے اور کتب فقیہ میں اس سے بہت ہی کم بحث ہے اور وہ بھی بالتبع چنانچہ اس طرف اشارہ ہے و تصریح مکرر گذر چکی اور یہاں برعکس اس کے علم سے حضرت عالم علامہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ علم حدیث و تفسیر پر نظر نہ چاہے حالانکہ احادیث شریفہ و آیات مدنیہ و قصص عبرت و اشارات لطیفہ نہایت پاکیزہ الطاف الہیہ اس کو درجہ قبول تک رسائی کے لئے متکفل ہیں اور جب اس نے ان سے منہ موڑا تو نشانہ شیاطین بنا اور انجام ہلاکت ہے اور فقہیہ کتب میں خالی چند اعمال جو ارجح سے بحث ظاہری ہوتی ہے اس واسطے علمائے قلوب یعنی اکابر اولیاء اللہ تعالیٰ جن کو ظاہرے صورتہائے افعال کے علاوہ اصلی معانی و ثواب سے بالقصد بحث رہتی ہے اور حقیقت میں وہی فقیہ ہیں ان علماء کو علمائے ظواہر کہتے ہیں۔ بالجملہ راہ حق عز و جل تمام جدال و شیطانی خیال سے پاک محض منور و مستقیم راہ ہے جو چاہے بقول مولوی روم علیہ الرحمہ علم دین فقہ است تفسیر و حدیث ان علوم سے حاصل کرے اور ابتداء اختیار کرے واللہ تعالیٰ ہو الہادی و نعوذ باللہ من الضلال۔ واضح ہو کہ جب کوئی مسئلہ ظاہر الروایۃ میں نہیں ملا اور نوادرو غیرہ غیر ظاہر الروایۃ میں ملا تو اسی کو لینا مقلد کو لازم ہے کما مر من البحر اور معنی یہ ہیں کہ نوادرو غیرہ سے اس کو کسی معتمد کتاب متداول میں نقل کیا گیا ہو فافہم۔ جامع المضممرات میں ہے کہ مفتی کو حلال نہیں ہے کہ کسی متروک و مہجور قول پر بغرض کسی نفع کے فتویٰ دے و کتاب القضاء من الاشباہ میں ہے کہ بزازیہ کے باب المہز سے واضح ہے کہ مفتی ایسے قول پر فتویٰ دے گا جو اس کے نزدیک اصلاح کے لئے لازمی معلوم ہو اور خموی نے حواشی میں کہا کہ شاید اس قول میں مفتی سے مراد وہ ہے جو اہل اجتہاد سے ہو ورنہ جو مفتی مقلد ہو وہ تو اسی قول پر فتوے دے گا جو صحیح ہو خواہ اس میں مستفتی کے لئے مصلحت ہو یا نہ ہو اور شاید مراد مقلد ہو مگر ایسے مسئلہ میں جس میں وہ قول ایسے ہیں کہ ہر ایک صحیح کہا گیا ہے تو اس کو روا ہے کہ دونوں میں سے وہ قول اختیار کرے جس میں مستفتی کے حق میں اصلاح ہو۔ قال المترجم قول دوم اشبہ ہے کیونکہ اصلاح کرنا عموماً ہر اس کے لائق آدمی پر فرض ہے جیسے افساد عموماً حرام ہے اور اسی قول پر دلالت کرتا ہے وہ قول جو اشباہ میں شرح مجمع و حاوی قدسی سے لایا کہ وقت کے مسائل میں اسی قول پر فتوے لازم ہے جو وقف کے واسطے زیادہ نافع ہو قال المترجم وجہ دلالت یہ ہے کہ یہاں بطور قاعدہ کلیہ کی ہر مفتی پر خواہ مجتہد ہو یا مقلد ہو ایسا کرنا لازم ہے فافہم واللہ اعلم۔ اس تمام بیان سے واضح ہوا کہ ہر شخص افتاء کی لیاقت نہیں رکھتا ہے اور جو لیاقت رکھتا ہو اس پر احتیاط واجب ضرور ہے ہاں و عوام مقلدین کو اپنے حق میں عمل کرنے کے لئے جبکہ وہ کسی قول کو ظاہر الروایۃ یا کتاب اصولی یا مانند اصول میں پائیں عمل کریں مگر فتویٰ نہ دیں اور جہاں مختلف اقوال پائیں تو تصحیح پر عمل کریں اور مساوی تصحیح میں ایک ہی واقعہ میں دونوں پر عمل نہیں کر سکتے اور اختیار ان پر لازم ہوگا جیسے راجح لازم ہوتا ہے اور کتاب القضاء میں بھی اس کی بحث مذکور ہے وہاں بھی رجوع کرنا چاہئے و بالجملہ تدین کے لئے ان پر لازم ہے کہ اقوی و اثبت پر عمل اور اشکال ہو تو حل کر لیں اور یہ روا نہیں ہے کہ مختلف متضاد اقوال پر جس طرح جب چاہیں

عمل کرنے لگیں کیونکہ اس طرح شرع سے لعب و لہو حرام ہے یعنی مثلاً ایک مسئلہ میں آیا کہ بعض کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے تو مقلد کو یہ روا نہیں ہے کہ جس قول پر جب چاہے عمل کرے بلکہ یہ استفتاء قلبی اس پر ایک کا اختیار لازم ہے مگر آنکہ دوسرا راجح ظاہر ہو جائے پس وہی لازم ہوگا اور پہلا عمل باطل نہ ہوگا اور آئندہ اسی اختیار پر عامل رہے اگرچہ اس پر کوئی امر لازم آیا جاتا ہو مثلاً ناجائز اختیار کرنے سے کبھی اس کو جائز کی ضرورت پڑے تو اس پر ناجائز لازم رہے گا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ الفائدہ جن مسائل پر فتویٰ ہے یا جو مرجح ہیں ان کے الفاظ و علامات ہماری کتابوں میں بہت ہیں اور بعضے بہ نسبت دوسرے کے زیادہ موکد ہیں چنانچہ صحیح کے بہ نسبت فتوے زیادہ قوی ہے یعنی یہ صحیح ہے اس سے بڑھ کر اسی پر فتویٰ ہے فی الفتاویٰ الخیر یہ صحیح و اشبہ جو علامات ترجیح ہیں ان سے فتویٰ زیادہ موکد ہے اور اس سے بڑھ کر یہ یفتی یعنی اسی پر فتویٰ دیا جائے اور صحیح سے بڑھ کر اصح ہے اور احتیاط سے بڑھ کر احوط ہے۔

فی البرازیہ

اشبہ کے معنی اشبہ مبصوص یعنی حکم منصوص سے زیادہ مشابہ ہے براہ درایت و راجح براہ روایت تو اسی پر فتویٰ ہوگا۔ فی خزانة الروایات نقلات من جامع المصنوع شرح القدوری افتاء کے علامات یہ ہیں۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جائے اسی پر اعتماد کیا جائے۔ اسی کو ہم لیتے ہیں۔ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اسی پر آج کے روز عمل ہے۔ اسی زمانہ میں اسی پر عمل ہوتا ہے۔ یہی صحیح ہے۔ یہی واضح ہے۔ یہی ظاہر ہے یہی اظہر ہے۔ یہی مختار ہے۔ اسی پر ہمارے مشائخ نے فتویٰ دیا ہے۔ ہمارے مشائخ کا اسی پر فتویٰ ہے یہی اشبہ ہے یہی اوجہ ہے اور اسی کے مانند دیگر علامات ہیں فی حواشی الطحاوی اور اسی پر عرف جاری ہے اور اسی کو ہمارے علماء نے لیا ہے اور یہی متعارف ہے فی القدیہ جب و امام معتبر میں باہم تعارض ہو ایک نے کہا کہ یہ صحیح ہے اور دوسرے نے اپنے حکم کو اصح کہا تو اس نے صحیح سے اتفاق کیا لہذا صحیح کا لینا اولیٰ ہوگا فی الدر المختار اگر کسی روایت کی نسبت کتاب معتمد میں لکھا تو کہ اصح یا اولیٰ یا اوفق ہے یا مانند اس کے لکھا مفتی کو اس پر فتویٰ دینے کا اختیار ہے اور اس کے مخالف پر جس کی نسبت کر کے اصح لکھا ہے اس پر بھی فتویٰ دے سکتا ہے یعنی دونوں میں سے جس پر چاہے فتویٰ دے اور جہاں صحیح یا ماخوذ یا مفتی بہ یا یہ یفتی لکھا ہو اس کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا ہے لیکن اگر مثلاً ہدایہ میں لکھا ہو کہ یہی صحیح ہے اور کافی میں لکھا کہ وہی صحیح ہے تو یہ اور وہ دونوں میں سے جو اقویٰ و الیق و اصح ہو اس کو اختیار کرے فی رد المختار اصح مقابل صحیح ہے اور صحیح مقابل ضعیف حواشی اشباہ بیری زاوہ ایسا اکثری ہے ورنہ شرح الجمع میں مقابل شاذ بھی آیا ہے۔ بیان ان کتابوں کا جن سے فتویٰ دینا جائز اور جن سے نہیں جائز ہے جن کتابوں سے فتوے دینا جائز ہے وہی کتابیں ہیں جن پر ہر طرح اعتماد ہو اور ان کا ذکر طبقات مسائل کے ذکر میں اجمالاً آ گیا ہے اور ان کی تفصیل میں خارج از وسعت تطویل ہے اور اختصار اس طرح لائق ہے کہ جن کتابوں سے فتوے نہیں جائز ہے ان کو یہاں بیان کر دیا جائے تو ایسی صفت و حالت کے علاوہ جن کتابوں کا حوالہ اس فتاویٰ میں مذکور ہے ان پر اعتماد روا ہے۔ واضح ہو کہ کلیہ قاعدہ افتاء میں قضاء فتح القدیر شیخ ابن الہمام کا قول مذکور ہو چکا ہے کہ اگر نوادر کتابوں میں سے کوئی اس وقت دستیاب ہو تو اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ امام محمد کے زمانہ میں مشہور نہ تھیں تو اس زمانہ میں کیا اعتبار ہوگا۔ ہاں نوادر سے اگر کسی معتمد کتاب مثل ہدایہ و مبسوط وغیرہ میں منقول ہو تو اس کتاب معتمد سے اس پر اعتماد ہوگا علی عام مفصلاً رد المختار میں شیخ بہتہ اللہ بعلبکی کی شرح اشباہ سے نقل ہے کہ ہمارے شیخ صالح نے کہا کہ ایسی کتابوں سے فتویٰ دینا روا نہیں ہے جو مختصر ہیں جیسے نہر الفائق اور یعنی کی شرح کنز الدقائق اور رد المختار و تنویر الابصار وغیرہ اقوال یعنی ایسی کتابوں میں تنگی عبارات اختصار اس قدر ہے کہ کمتر مطالب کا وضوع ہوتا ہے پس ان سے افتاء روا نہیں ہے پھر کہا کہ اور ایسی کتابوں سے بھی فتویٰ جائز نہیں ہے جن کے مصنفون کا حال نہیں کھلا کہ وہ لوگ کس درجہ کے تھے کون تھے جیسے ملا مسکین کی شرح

کنز الدقائق اور جیسے جامع الرموز قہستانی شرح نقایہ اور ایسی کتابوں سے بھی افتاء جائز نہیں ہے جن میں اقوال ضعیفہ نقل کیے گئے ہیں جیسے زاہدی کی تصنیف سے قدیہ ہے پس ایسی کتابوں سے افتاء نہیں روا ہے مگر جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کہاں سے نقل کرتا ہے اور اس سے نقل صحیح ہے۔

اقول فتاویٰ میں قدیہ سے اکثر مسائل لایا ہے اور بیشتر ان میں سے تحقیق ہیں مگر بعض میں تامل ہے اور بعض کے لئے معتبرات سے تائید موجود ہے اور واضح ہو کہ جامعین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مسئلہ میں جس کے چند وجوہ ہیں اکثر ایسا التزام کیا ہے کہ ہر وجہ کو علیحدہ کتاب کے حوالہ سے نقل کیا اگرچہ جملہ وجوہ ایک ہی کتاب میں موجود ہوں اور اس سے اشارت ہے کہ اصل مسئلہ ان سب کتابوں میں موجود ہے لیکن مترجم کو تمنا رہی کہ کاش جملہ وجوہ ایک معتبر اصول سے نقل کر کے بالمعنی دوسروں میں موجود ہونے کا حوالہ دیا جاتا لیکن جہاں بعض دوسری کتابوں میں نہیں ہیں صرف اسی میں ہیں جس سے نقل کیا گیا تو ایسی صورت میں سوائے اس طریقہ کے جو اس کتاب میں ہے کوئی چارہ نہیں ہے پھر واضح ہو کہ مسئلہ میں جو وجوہ کہ معتبرات سے منقول ہیں ان پر اعتماد کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے ہاں جو وجہ کہ مثلاً قدیہ یا اس کے مانند کتاب سے نقل ہے اس میں بغیر تامل کے فتویٰ میں اشکال ہے اور درالمختار وغیرہ سے اس فتاویٰ میں نقل ہی نہیں ہے اور یعنی شرح الکنز جس کو درالمختار کے مانند قرار دیا گیا اگرچہ اس سے نقل ہے لیکن ان کا غیر معتبر ہونا بسبب مختصر ہونے کے ہے اور جب مطول و واضح و معتبر روایت اصل موجود ہے تو درحقیقت اعتماد اسی پر رہا اور درالمختار و نہرو شرح الکنز یعنی گویا مؤیدات ہیں پھر شیخ موصوف نے فرمایا کہ کتاب اشباہ والنظائر کو بھی ایسی ہی مختصر کتابوں میں لاحق کرنا چاہئے جن سے فتویٰ دیا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی ایسی مختصر عبارت سے مضمون ادا کیا گیا کہ اس کے معنی یوں سمجھ میں نہیں آتے جب تک کہ اصل کی طرف جہاں سے حکم لیا گیا ہے رجوع نہ کیا جائے بلکہ بعض مواضع میں ایسا اختصار ہے جس سے ادائے معنی میں خلل واقع ہو گیا ہے چنانچہ جس نے حواشی سے ملا کر اس کو خوب ملاحظہ کیا اس پر یہ بات روشن ہو جاتی ہے اور جب یہ حال ہے تو مفتی کو ضرور یہ خوف رکھنا چاہئے کہ اگر کسی کتاب پر اختصار کرے تو غلطی میں نہ پڑ جائے لہذا ضرور ہو کہ اس کتاب کے حواشی یا اصل ماخذ کی طرف رجوع کر کے تب جواب لکھے پس معلوم ہوا کہ درالمختار کی طرح یہ کتاب بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے فتویٰ دیا جائے قال المترجم یہاں سے معلوم ہوا کہ افتاء کے لئے عدم اعتبار جو مذکور ہوا تو ان سب کتب مذکورہ میں یکساں وجہ سے نہیں ہے بلکہ قدیہ میں بوجہ نقل روایات ضعیفہ و اعتراف مصنف ہے اور باقی کتب میں بوجہ ایجاز و اختصار یا عدم اشتہار کے ہے اگرچہ اس امر میں کہ ان میں سے کسی سے فتوے دینا جائز نہیں ہے یکساں نہیں یا پھر کبھی عدم جواز اس وجہ سے ہوتا ہے کہ کتاب مذکور متداول و مشہور نہیں جیسے نوادر وغیرہ کہ خود نوادر نسخہ سے اگر دستیاب ہو جائے تو فتوے دینا روانہ ہوگا اور نہ اس پر اعتماد ہوگا یا کسی معتبر و مشہور میں اگر اس سے نقل ہو تو وہ اس مشہور پر اعتماد ہے چنانچہ فتح القدر کتاب القضاء سے مذکور ہو چکا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے تذکرۃ الموضوعات میں لکھا کہ کلیہ قواعد میں سے یہ بات قرار پائی ہے کہ قرآن مجید کی تفاسیر کو یا آنحضرت ﷺ کی احادیث کو یا مسائل فقہیہ کو نقل کرنا ہر کتاب سے روا نہیں ہے بلکہ فقط انھیں کتابوں سے جائز ہے۔ جو ہاتھوں ہاتھ متداول مشہور چلی آتی ہیں کیونکہ جو کتابیں مشہور نہ ہوئیں یا وہ متداول نہیں رہیں تو ان پر اعتماد نہیں رہا اس لئے کہ یہ احتمال و خوف پیدا ہوگا کہ ان میں زندیق و ملحد لوگوں نے جا بجا اپنی طرف سے لاحق نہ کر دیا ہو اور ظاہر ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر لوگوں نے جھوٹی احادیث بنا کیں باوجودیکہ پرکھنے والے موجود تھے جنہوں نے آخر پرکھ لیا تو بھلا ان کتابوں پر کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے جو کسی کو زبانی یاد بھی نہیں ہیں بخلاف ان کتابوں کے جو ہاتھوں ہاتھ متداول مشہور چلی آتی ہیں ان میں یہ احتمال نہیں ہے کیونکہ ان کے صحیح نسخے موجود ہیں انتہی کلامہ مترجم اوقال المترجم یہ اصل نہایت نفیس و

بہت عمدہ ہے اور یہاں سے تنبیہ حاصل کرنا اور یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگوں نے جو تفسیریں لکھنا شروع کیں اور ان میں ہر طرح کے رطب و یابس و شاذ و غیر مشہور روایتیں بھرنے لگے ایسی تفسیر بالکل بے اعتبار ہیں بلکہ عوام کے لئے نہایت مضر ہیں کیونکہ وہ کیونکر قوی و ضعیف کو جدا کر سکتے ہیں اور اسی قبیل سے وہ روایات ہیں جو شیخ سیوطی نے ابو عبید کے فضائل القرآن سے اتقان میں نقل کر دیں اگرچہ ان کی اسانید کے نسبت صحیح و حسن لکھ دیا لیکن جب وہ ایک غیر مشہور و غیر متداول تالیف سے ہیں تو محض غیر معتبر ہیں بھلا ان کی تصحیح و تحسین پر کیا اعتبار ہے حالانکہ اس سے عوام میں عجیب غلطی پیدا ہو گیا لہذا ہوشیار رہنا چاہئے کہ ایسے روایات و اقوال کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مصنف مجید جو متواتر و مشہور چلا آتا ہے وہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے با شاعت حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ متداول ہے اس واسطے مترجم نے اردو تفسیر میں بتوفیق الہی سبحانہ تعالیٰ ایسی روایات کو نہیں لیا بلکہ صحاح مشہور و معتمد روایات کو ائمہ ثقہ و ثقات مشہور ہیں مثل حافظ عماد الاسلام و المسلمین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم سے نقل کیا ہے واللہ ولی الاتمام والحمد للہ رب العالمین اور اس سے نقل احادیث میں غیر مشہور و متداول کی مثال بھی ظاہر ہے۔

اور اس کا ضرر بھی واضح ہے اور اگر سیوطی رحمہ اللہ نے غیر مشہور و متداول سے نقل کیا تو اس پر اعتماد نہیں ہو جائے گا کیونکہ جس کا غیر متداول ہونا مسلم ہے وہ کیونکر متداول ہوگی اور اس میں اجتہاد و استنباط کو دخل نہیں ہے کیونکہ مطلوب نفس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ایسے دیگر اخبار و آثار جن میں اجتہاد کو گنجائش نہیں بخلاف مسائل نوادر کے فقہیات میں سے ہیں کہ ان میں قیاس و استنباط کو گنجائش ہے اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ نوادر سے جو حکم معتبرات میں منقول ہو اس کے متعبر ہو جانے کا حکم جو فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں تک مشہور و متداول تھے یا نقل سے متداول ہوں گے کیونکہ نوادر کے غیر مشہور ہونے کو پہلے ہی مان لیا گیا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جس معتبر کتاب میں نقل ہے اس کا مؤلف خود صاحب اجتہاد تھا تو اس نے حکم مذکورہ نوادر کو صحیح پایا اور نقل کیا تو درحقیقت اعتماد اس شخص ناقل کے اجتہاد پر ہے ہاں اختصار البسر بڑھ گیا اور ظاہر الروایت میں جب حکم مذکورہ نہ ہو اور غیر میں ہو تو اسی کو لینا متعین ہے جیسا کہ بحر الرائق میں لکھا تو یہ اسی اجتہاد کی وجہ سے ہے ورنہ فتاویٰ و اس کا حکم یکساں ہے لہذا اگر نوادر کا حکم ہضمیہ مذکور ہو تو ترک کیا جائے گا اور متاخرین کا فتوے مختار ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم اور نوادر اگرچہ امام محمد کے استنباط ہوں اور امالی اگرچہ امام ابو یوسف کے مرویات و مجتہد ہوں مگر غیر مشہور و غیر متداول ہونے کی قطعاً ان کی طرف نسبت نہیں کر سکتے اور اسی سے ظاہر ہے کہ مؤلف اگرچہ عالم کبیر ہو جب تک اس کی تصنیف محقق اور مشہور و متداول نہ ہو غیر معتبر ہے و فی

مقدمتہ العمدة بعض الافاضل نقلًا عن بعض رسائل ابن تجمیم رحمہ اللہ فی بعض صورًا لوقف ردا علی بعض معاصریہ نقلہ عن المحیط البرہانی کذب الی آخرہ یعنی شیخ ابن کجیم کے ہمعصر فاضل نے محیط برہانی کا حوالہ دیا تو ابن کجیم نے جواب میں لکھا کہ محیط برہانی کے حوالہ سے نقل کرنا جھوٹ ہے کیونکہ محیط برہانی تو مفقود ہو گئی ہے جیسا کہ شرح مدیہ المصلیٰ میں شیخ ابن امیر الحاج نے تصریح کر دی ہے اور اگر میں یہ بھی فرض کر لوں کہ اس زمانہ والوں میں سے کسی کو نہیں ملی مگر ہمارے ہمعصر کو ہاتھ لگ گئی تو بھی اس سے فتوے دینا اور نقل کرنا روا نہیں ہے جیسا کہ کتاب القضاء فتح القدیر میں مصرح مذکور ہے انتہی مترجم اور نیز ابن کجیم کے فوائد زیدیہ سے سید حموی شارح اشباہ نے نقل کیا کہ قواعد و ضوابط سے فتویٰ دینا حلال نہیں ہے بلکہ مفتی پر واجب ہے کہ صریح نقل سے جواب دے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے انتہی مترجم۔ اقوال اس کے معنی یہ ہیں کہ بنا بر اصولی قواعد کے مسئلہ واقع کا حکم بطریق بیخبرہ نہیں نکالے گا اور نہ ضوابط فقہیہ سے جواب دے مثلاً لکھے کہ اصل ضابطہ اس جنس کے مسائل میں یہ ہے لہذا اس جزئیہ کا جو اسی جنس سے ہے یہی حکم ہو بلکہ مفتی پر یہی واجب ہے کہ خاص اس صورت کو بطور جزئیہ مخصوصہ کے کسی بسیط و معتمد فتاویٰ سے نقل کر دے پھر

واضح ہو کہ یہ حکم اس زمانہ کے مفتیوں کے واسطے ہے جبکہ کوئی مجتہد نہیں ہے ورنہ جو شخص بدرجہ اجتہاد فائز ہو خواہ کسی مرتبہ کا اجتہاد رکھتا ہو وہ ضروری اجتہادی طریقہ سے جواب دے جبکہ اس پر تقلید ممنوع ہے یا وہ ترجیح دے اگر اس قدر قدرت ہے فاقہم اور اگر کہا جائے کہ کبھی قواعد و اصول میں صریح جزئیہ بطریق استنباط مذکور ہوتا ہے تو کلیہ مذکورہ سے اس کو مستثنیٰ کرنا چاہئے تو جواب یہ ہے کہ نہیں بلکہ علی الاطلاق نہ ضوابط و اصول سے استنباط کر کے اور نہ اس کے جزئیہ مستخرجہ مذکورہ سے دونوں طرح افتاء جائز نہیں ہے کیونکہ اصول سے مقصود طریقہ استخراج ہے نہ بیان مستنبطات پس اکثر ہوتا ہے کہ سہیل فہم کے لئے کوئی حکم بطور مثال مستنبط کیا گیا حالانکہ فی نفسہ وہ مہذب یا مستقیم نہیں ہے اور نظیر اس کی منطق میں انواع نازلہ و اجناس صاعده و غیرہ اور فلاسفہ میں قدم العقل و غیرہ ہیں پس یقین نہیں کہ فی نفس الامر یوں ہی ہے بخلاف فروع کے چنانچہ شیخ موصوف نے حواشی اشباہ میں لکھا کہ جو حکم فرعی کہ کتب فرعیہ سے مخالف کسی کتاب اصولی میں مذکور ہو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے اتنی مترجم۔

بالجملہ اس زمانہ میں مفتی کو چاہئے کہ قواعد و ضوابط مانند اشباہ و نظائر یا اصول سے استنباط کر کے فتوے نہ دے بلکہ صریح نقل کرے اور یہ نقل بھی کتاب اصولی و ضوابط سے نہ ہو اور کتاب مفقود و غیر متواتر مانند محیط برہانی و نوادر و غیرہ کے نہ ہو اور مختصرات مانند درالمختار و نہر الفائق و کنز و غیرہ کے نہ ہو جس سے سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے مفتی اس کے قیود سے غافل ہو کر واقعہ فتویٰ کے موافق خیال کر لیتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور ایسی کتاب سے نقل نہ ہو جس پر بوجہ عدم تحقیق و تنقید کے اعتبار نہیں ہے نوازل فقہ ابواللیث میں ہے کہ شیخ ابونصر سے پوچھا گیا کہ ہمارے پاس چار کتابیں ہیں نوادر بن رستم یعنی ابراہیم او ادب القاضی للخصاف اور مجرد حسن و نوادر ہشام تو بھلا یہ کتابیں جو ہمارے ہاتھ لگی ہیں ہم کو ان میں سے فتویٰ دینا جائز ہے فرمایا ہے جو علم ہمارے اصحاب حنفیہ سے بطور صحیح پہنچا وہ محبوب و مرضی ہے و لکن فتوے دینا ایسا امر ہے کہ میں کسی شخص کے لئے روا نہیں دیکھتا کہ ایسے قول پر فتویٰ دے جس کو وہ نہیں سمجھا یعنی اس کو معلوم نہ ہو کہ اس کا استخراج و استنباط کس طریقہ دلیل سے ہوا ہے جو صحیح و مستقیم ہے اور وہ اپنے اوپر لوگوں کا بوجھ نہ اٹھا دے ہاں اگر ایسے مسائل ہوں کہ ہمارے اصحاب سے مشہور ظاہر ہیں تو مجھے امید ہے کہ شاید ان پر اعتماد کرنے کی گنجائش ہو کہذانی العمدہ مترجماً موضعی اور مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابونصر کے قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مفتی جب تک اس حکم کا ماخذ نہ جانے تب تک اس کو فتویٰ دینا جائز نہیں ہے اور یہی امام اعظم سے بھی مشہور و صحیح ہوا ہے کہ کسی کو ہمارے قول پر فتویٰ دینا روا نہیں ہے جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے یہ قول کہا ہے لیکن مقلدین علماء نے کہا کہ یہ اہل الاجتہاد فی الجملہ کے حق میں ہے اور میرے نزدیک اس سے اہل تمیز تحقیقی کا لابی بن جانا جائز نہیں نکلتا ہے اور شیخ ابونصر کے قول سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر ایسا شخص ہو جو درجہ اجتہاد تک نہیں پہنچا ہے تو اس کو امام وان کے اصحاب کے قول پر بطریق حسن الظن کے اعتماد کر لینے میں گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ضرور ثابت ہو جائے کہ یہ قول بیشک اصحاب کا قول ہے اور اس کے واسطے درجہ شہرت کافی ہے و علیٰ ہذا کتب معتبرہ متداولہ پر اعتماد جائز ہے پس جو کتابیں غیر معتبر ہیں وہ خارج ہوں گی اور جو معتبر ہیں مگر متواتر و متداول نہیں ہیں وہ بھی خارج ہوں گی جیسے محیط برہانی و غیرہ فی العمدۃ للفاضل المرجم اور مجملہ غیر معتبر کتابوں کے نقایہ کی شرح جامع الرموز منسوب بہ شمس الدین محمد قہستانی مفتی بخارا ہے چنانچہ ابن عابدین نے فتح الفتاویٰ الحامدہ میں لکھا کہ قہستانی تو ایک ایسا شخص ہے جیسا رات کو لکڑیاں جمع کرنے والا کہ محض بے تمیزی سے تر و خشک جو ہاتھ آیا اٹھایا اور اس کی یہ حالت اسی بات سے ظاہر ہے کہ زاہدی معتزلی کی کتابوں سے استناد کرتا ہے اور علامہ علی القاری نے رسالہ شمس القوارض فی ذم الروافض میں ایک جگہ لکھا کہ مولانا عصام الدین نے قہستانی کے حق میں سچ فرمایا کہ شیخ الاسلام ہروی کے شاگردوں میں سے یہ قہستانی نہیں ہے نہ بڑوں میں اور نہ چھوٹوں میں بلکہ ان کے زمانہ میں کتب فروش بلکہ کتاب فروشی کا دلال تھا اور

اپنے وقت کے لوگوں میں تو کوئی اس کو فقہ دانی کسی علم کا عالم نہیں جانتا تھا قاری نے کہا کہ اس قول کی تصدیق میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ اس شرح جامع الرموز میں وہ ہر طرح کے قوی و ضعیف و صحیح و سقیم اقوال کو بغیر تحقیق و تدقیق کے جمع کرتا چلا جاتا ہے جیسے رات کا لکڑیاں جمع کرنے والا ہوتا ہے۔

منجملہ غیر معتبرات کے مختصر الوقایہ کی شرح ابولکارم ہے چنانچہ ابن عابدین نے شرح الفتاویٰ الحامدہ میں کہا کہ مقلد پر تو یہ واجب ہوتا ہے کہ اپنے امام کے مذہب کا اتباع کرے اور سرخ لباس پہننے میں ظاہر امام کا مذہب وہی ہے جو مذکورہ بالا علماء معتمدین نے نقل کیا یعنی مکروہ ہے اور وہ مذہب نہیں ہے جو ابولکارم نے نقل کیا کیونکہ ابولکارم ایک مرد مجہول ہے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کون شخص اور کس وقت میں اور کہاں تھا اور اس کی اس کتاب کی بھی یہی کیفیت ہے اقول یعنی قابل اعتماد اس وجہ سے نہیں ہے کہ ناقابل کا جب تک حال معلوم نہ ہو تب تک اس کے نقل کو ثقہ معتمد نہیں کر سکتے ہیں لہذا کتاب بھی غیر معتمد رہی اور اگر کسی نے ان اقوال منقولہ کو جانچ لیا تو اعتبار اس کے جانچ لینے کا ہوا تب اس کی ضرورت نہیں رہی فافہم۔ منجملہ کتب غیر معتبرہ کے فتاویٰ ابراہیم شاہی ہے اور شیخ عبدالقادر بدایونی نے اپنے استاد علامہ شیخ حاتم سنبھلی سے نقل کیا یہ فتاویٰ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا جمع کیا ہوا مشہور مگر قابل اعتبار نہیں ہے اور شیخ حاتم زمانہ بادشاہ جلال الدین اکبر میں بڑے عالم علامہ تھے اور انہیں غیر معتبرات میں سے جملہ تالیفات نجم الدین مختار بن محمود بن محمد زاہدی معتزلی ہیں۔ یہ شخص اعمقادی میں معتزلی تھا اور فروع میں حنفی تھا جس نے ۶۵۶ھ میں انتقال کیا پس اس کی تالیفات میں سے قدیہ و حاوی زاہدی و مجتبیٰ شرح قدوری زادالائمہ وغیرہ ہیں اور یہ سب غیر معتبرات ہیں چنانچہ ابن عابدین نے شرح الفتاویٰ الحامدہ میں کہا کہ مذہب حنفیہ میں معتبر کتابوں میں جو منقول ہے اس کے خلاف زاہدی کی نقل و معارض نہیں ہو سکتی ہے چنانچہ ابن دہبان نے فرمایا کہ قدیہ کا مؤلف جو کچھ نقل کرتا ہے اگر وہ فقہاء حنفیہ کی نقل سے مخالف ہو تو قدیہ کی نقل پر التفات نہ کیا جائے گا جب تک کہ اس کی موافقت میں کسی کتاب معتمد سے نقل موجود نہ ہو۔ اور ایسا ہی نہر الفائق میں بھی مذکور ہے اور دوسرے مقام پر لکھا کہ زاہدی کی تالیف حاوی تو ضعیف روایتوں کے نقل کرنے میں مشہور ہے۔ اقول زاہدی کے ان تالیفات میں جزئیات مسائل بہت کثرت سے مذکور ہیں اور اس میں شک نہیں کہ روایات ضعیفہ و اکثر واہیہ اور بلا ثبوت بھی ہیں اور بعضے صریح مخالف منقول صحیح اور بعضے مخالف منصوص قطعی ہیں لیکن فقہاء متاخرین نے ان کو پہچان کر جدا کر لیا اور اسی وجہ سے تنبیہ فرمائی مگر اس زمانہ میں جب ایسی قوت حاصل نہیں ہے تو کمال وقت و پریشانی واقع ہوئی اور افسوس کہ اگر بزرگوں نے اس کو مستح و ممیز کر دیا ہوتا تو ایسی دقت نہ ہوتی پھر اس فتاویٰ میں قدیہ وغیرہ سے جا بجا حوالہ مذکور ہے اور گمان یہ کیا جاتا ہے کہ علماء جامعین نے تنقید کے بعد نقل کیا ہوگا مگر میرے نزدیک آدمی پر اس کی تدین کی راہ سے واجب ہے کہ ایسی روایات پر اعتماد نہ کرے مگر جبکہ اس کی تائید کسی معتبر کتاب سے منقول مل جائے کیونکہ اس فتاویٰ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ اصل کسی معتمد سے نقل کر کے قدیہ وغیرہ سے اس کی تائید ذکر کی گئی ہے پس سوائے تائیدی نقول کے باقیوں میں احتیاط لازم ہے اور واضح ہو کہ حاوی دو ہیں ایک حاوی زاہدی جو غیر معتبر ہیں اور اس کی نسبت ابن دہبان نے فرمایا کہ روایات ضعیفہ نقل کرنے میں مشہور ہے یعنی مجموعہ روایات ضعیفہ ہے اس واسطے اس فتاویٰ میں حاوی زاہدی سے کوئی نقل مجھے یاد نہیں ہے اور دوسری حاوی قدسی اور یہ حاوی منجملہ معتبرات کے ہیں اور اس فتاویٰ میں ایسی حاوی سے حوالہ مذکور ہے اس واسطے جہاں حاوی لایا وہاں حاوی قدسی سے تصریح کر دی ہے اور واضح ہو کہ ترجمہ میں جا بجا فقط حاوی پر اکتفا کیا گیا ہے تو یہاں تنبیہ کی جاتی ہے کہ جہاں حاوی ہے اس سے حاوی قدسی مراد ہے از انجملہ سراج الوہاب شرح مختصر القدوری مولفہ ابو بکر بن علی الحدادی ہے چنانچہ کشف الظنون میں مولانا برکلی سے نقل لایا کہ یہ شرح بھی منجملہ غیر معتبرات کے ہے اور مترجم کہتا ہے کہ غالباً کثرت اشتغال تدریس

سے مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس کی تحقیق و تنقید کی طرف توجہ کا وقت نہیں ملا ورنہ مؤلف عالم علامہ ہیں اور یہ بات اکثر واقع ہوئی کہ مصنف نے نفسہ علامہ منجر ہیں مگر تصنیف کسی علت خاصہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں از انجملہ مشتمل الاحکام فخر الدین رومی چنانچہ ترجمہ و شیخ مذکور میں کشف الظنون نے مولانا برکلی سے اس کتاب کا غیر معتبر ہوان بھی نقل فرمایا ہے از انجملہ فتاویٰ صوفیہ شیخ فضل اللہ صوفی شاگرد جامع المصنوعات چنانچہ کشف الظنون میں مولانا برکلی سے نقل کیا کہ یہ کتاب بھی معتبرات میں سے نہیں ہے تو اس کی روایت پر عمل جائز نہیں ہے جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ یہ اصول کے موافق ہے اقول اس زمانہ میں اکثروں کی رائے پر یہ موافقت ظاہر نہیں ہو سکتی بسبب فقدان درجہ اجتهاد کے اور اگر کسی معتمد اصل مذہب سے موافقت معلوم ہوئی تو اس کتاب سے استغنا ہوا اور بحمد اللہ تعالیٰ کہ اس فتاویٰ میں اس کتاب سے کچھ نقل نہیں ہے از انجملہ فتاویٰ فہم بن نجیم ہے اور از انجملہ فتاویٰ طوری ہے چنانچہ ملا مسکین کے شرح الکنز پر ابوالسعود ازہری کے حاشیہ سے رد المختار میں منقول ہے کہ یہ دونوں فتاویٰ غیر معتبرہ ہیں اقول ان دونوں سے بھی اس کتاب میں کچھ منقول نہیں ہے اور شرح الکنز ملا مسکین خود غیر معتبر و اہی ہے۔

از انجملہ خلاصہ کیدانی ہے۔ یہ کتاب بھی محض و اہی غیر معتبرہ کتابوں میں سے ہے اگرچہ دیار ماوراء النہر میں بہت کثرت سے شائع ہے اور لوگ اس کو حفظ کرتے ہیں اور ان شہروں میں اس کا اس طرح مقبول ہونا عجیب بات ہے اس لئے کہ اس خلاصہ میں علاوہ مخالفت منصوص کے اصول الفقہ سے بھی مخالفت موجود ہے پھر بھی وہاں کے اہل علم غافل رہے جس سے یہ افسوس ہوتا ہے کہ اصول کتاب و سنت اور علم حدیث و سیرت سے وہ ملک خالی ہو گیا اور یہ مقام عبرت ہے کہ علم حدیث سے بے اعتنائی کا نتیجہ ایسا ہوتا ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے سچ فرمایا کہ لوگ جب تک حدیث حاصل کرنے پر جھکے رہیں گے تب تک اچھے رہیں گے اور جب اس کو ترک کریں گے تو برباد ہوں گے اس رسالہ میں بہت سی باتیں مخالف معتبرات بلکہ غلط ہیں چنانچہ لفظ تکبیر پر وقت تحریمہ کے واجب لکھتا ہے حالانکہ معتبرات میں تصریح ہے کہ وہ سنت ہے اور محرمات میں لکھتا ہے کہ آواز سے بسم اللہ پڑھنا اور کچھ چہرہ کا دائیں یا بائیں موڑ کر التفات کرنا اور بغیر عذر کے ستون یا ہاتھ وغیرہ پر تکیہ دینا اور غیر مشروع موقع پر ہاتھ اٹھانا الی آخر ہا۔ فاضل مرحوم نے لکھا کہ یہ سب مخالف اکثر معتبرات ہیں چنانچہ علماء کے نزدیک انہیں سے بعض تو مکروہ بھی نہیں ہیں ہاں بعض کو انہوں نے مکروہ کہا ہے۔ قال المترجم ظاہر مؤلف رسالہ نے مکروہ کو باب عبادات میں بمعنی مکروہ تحریمی قرار دیا چنانچہ اصطلاحات کے ذکر میں فی الجملہ بیان ہو چکا ہے پھر جب یہ چیزیں مکروہ تحریمی ہوئیں تو مؤلف کے نزدیک حرام ہوئیں کیونکہ حق عمل میں دونوں برابر ہیں مترجم کے نزدیک بھی جو کتاب عوام کے واسطے بنائی جائے جس سے عمل مقصود ہو تو چاہئے کہ اس میں حکم عملی ہی مقدم رکھا جائے مثلاً اس زمانہ میں لوگ رکوع و سجدہ میں تین تسبیح پوری نہیں کرتے حالانکہ بحسب الدلیل اصح یہ ہے کہ یہ مقدار واجب ہے جس سے نماز کا اعادہ واجب ہے تو اکثر نیم ملا جن کو خطرہ ایمان کہا جاتا ہے ظاہری عبارات علماء پر نظر کر کے جواز نماز کا حکم دیدتے ہیں حالانکہ جواز سے علماء کی مراد ادائے قدر مفروض ہے نہ ادائے صلوة پس عذاب جہنم مستوجب رہا اس سے فائدہ مترتب نہیں ہوا کیونکہ اصلی مقصود رضائے حق تعالیٰ اور حصول جنت و نعیم آخرت ہے پس لازم ہے کہ یوں حکم دیا جائے کہ نماز ادا نہیں ہوئی جبکہ اس نے تین تسبیح اس کم طمانینت کی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے والے کو فرمایا تھا کہ (صل فانک لم تصل) یعنی پھر نماز پڑھ کہ تو نے ہنوز نہیں پڑھی ہے اور اس سے ظاہر ہوا کہ خلاصہ کیدانی میں مکروہ کو حرام لکھنا دو باتوں پر مبنی ہے ایک یہ کہ باب عبادات میں اس نے مکروہ سے تحریمی سمجھایا علی الاطلاق مکروہ سے تحریمی مراد لیا ہے اور دوم یہ کہ حق عمل میں دونوں برابر ہیں پس ابتدائی رسالہ میں اگرچہ حرام کے ساتھ قید لگائی کہ منصوص قطعی ہو مگر براہ اعتقاد ورنہ حق عمل میں مکروہ تحریمی و حرام کو یکساں لکھا ہے اور یہاں محرمات علمی کا شمار بیان کیا ہے پس اس میں



مکروہ بھی حرام ہے ہاں جن باتوں میں اس نے افراط کیا ہوا اور وہ مکروہ بھی نہیں ہیں جیسے اشارہ بہ سبابہ جو شرح ہدایہ و شرح وقایہ وغیرہ سے مخالف ہے۔ پھر واضح ہو کہ جن کتابوں کی نسبت معلوم ہوا کہ غیر معتبرہ ہیں خواہ اس وجہ سے غیر معتبر ہوں کہ ان کے مصنفین کے حال سے اطلاع نہیں ہے یا اس وجہ سے کہ ان کے مصنفوں کا غیر معتبر ہونا معلوم ہو گیا یا اس وجہ سے کہ باوجود مصنف کے معتبر ہونے کے اس کی کتاب سے ہر طرح کے رطب و باس جمع ہیں یا اس وجہ سے کہ مصنف و کتاب بھی بشہادت سابقین معتبر تھی لیکن درمیان میں بدرجہ تو اتر نہیں رہی بلکہ عموماً مفقود ہو گئی جیسے فقہ میں محیط برہانی و حدیث میں مسند امام احمد و فضائل القرآن ابو عبیدہ وغیرہ یا اور کسی وجہ سے تو ان کتابوں کا حکم یہ ہے کہ جو ان میں سے صافی ہے لیا جائے اور جو مکدر ہے وہ چھوڑا جائے پھر جالیایا گیا وہ بھی غور و تامل کے بعد دیکھ کر کہ معتبرات و اصول سے مخالف نہ ہو وہ لیا جائے گا۔

اور مسند امام احمد بدعات خود بہت مستند ہے لیکن عموماً بدرجہ انقطاع پہنچ گیا تو اب اس سے مامون نہیں ہو سکتی کہ اس میں اہل الحاد و مبتدعین مثل روافض و خوارج کے کچھ گھٹائیں بڑھائیں اس وجہ سے جو روایات اس میں مقرر ہوں ان پر باصول مذکورہ بالا اعتماد کیا جائے گا اور جب کوئی مؤمن خالص جس کے دل میں نفاق و ضعف نہ ہو اپنے آغاز و انجام پر نظر کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ میرے لئے قرآن مجید متواتر و احادیث میں کتب متواترہ و فقہ میں کتب متواترہ نہایت کافی ہیں جیسے اعمال روزہ و نماز و تسبیح و اذکار میں سے جو اعمال باجماع امت ثواب بہتر و اعلیٰ ذخیرہ آخرت ہیں وہ اس کے لیے کافی دوائی ہیں جبکہ وہ دارالآخرت و قیامت پر یقین رکھتا ہے اس زمانہ میں مترجم کے نزدیک تمام اہل ایمان کے لیے یہی راہ صواب ہے جس سے وہ دنیا میں باہم متفق و برادر نہ محبت سے بسر کر کے آخرت میں مغفور و مرحوم ہو جائیں پھر واضح ہو کہ جس قدر احادیث ایسی کتابوں میں وارد ہیں جن کا فقہ وغیرہ میں اعتبار ہے تو درحقیقت کتاب موصوف کو اسی فن فقہ میں معتبر رکھنا چاہیے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی احادیث بھی سب صحیح ہوں اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ان بزرگوں کا اعتبار فن فقہ میں بھی ساقط ہو چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہدایہ کی نسبت اول شرح سفر السعادت میں لکھا کہ غالب اشتغال آن استاد و حدیث کمتر بودہ یعنی شیخ مصنف ہدایہ کا مشغل حدیث میں بہت کم رہا ہوگا اور ایسے ہی ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ موضوعات میں تحت روایت لکھا کہ یہ حدیث نہیں بلکہ اس کی اصل بھی حدیث میں نہیں ہے اور لکھا کہ اگر صاحب النہایہ اور دوسرے شرح ہدایہ نے اس کو اپنی شروح میں وارد کیا ہے تو ان کی نقل کرنے کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ کچھ محدثین نہیں تھے اور انہوں نے یہ نقل کیا کہ محدثین میں سے کس نے اس کو اخراج کیا ہے اقول واضح ہو کہ خشک فقیہ جس کو روایات فقہیہ پر بہت عبور ہو اور حدیث سے وقوف نہ ہو کمتر درجہ کا فقیہ ہو جاتا ہے اور ہر عالم ذی بصیرت جانتا ہے کہ فقہ جس کے فضائل بہت مروی ہیں وہ عیوب نفس و شیطانیان سب سے واقف ہونے کا نام ہے اور خالی صوم و صلوة و بیع و وکالت وغیرہ کے مسائل پر اختصار نہیں ہے بلکہ یہ تو حفظ چند روایات کا ہے لہذا حدیث سے علم نہایت ضروری ہے جس سے عالم ربانی و مصداق آیات قرآنی ہو جاتا ہے واللہ تعالیٰ ہوا الہادی الی سبیل الرشاد بہ العصمتہ والسداد۔

(الوصول☆)

فی الترجمة واضح ہو کہ خطبہ کتاب میں مترجم نے اشارہ کیا کہ خاصہ رحمت الہیہ عز شانہ وجل سلطانہ بعثت محبوب محمود احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نزول قرآن پاک ہادی لولا کہ کما حقہ العارف نے العوارف اور حظ کامل اس کا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملا اور لاحقین تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں اور آخر کم ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ اس زمانہ میں بسبب جہالت ہوا و ہوس کے ایمان ہی میں بڑا فتور ہوا تو اعمال کا کیا ذکر ہے اور جب عربی زبان سمجھ میں نہ آئے تو عام آدمی کیونکر علم سے حصہ پائے گا اور بحکم قولہ انما بعثت معلما سے علم دین

مؤمن کے لئے فرض ضروری ہے اور وہ فقط فقہ میں نفس و سمجھ ہے نہ خاص عربی زبان لہذا علماء ربانی نے اس کو ہماری مادری زبان میں ترجمہ کر دیا جس سے اس قدر علم حاصل کر لینا کہ تقویٰ ممکن ہو آسان ہو اور یہی تقویٰ سبب کرامت ہے لقولہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم..... اب یہاں دو مقام ہیں اول آنکہ ترجمہ شرعاً جائز ہے دوم ترجمہ کے معنی و آداب عموماً اور اس ترجمہ فتاویٰ کے التزامات خصوصاً واضح ہو کہ جواز ترجمہ کے لئے اصل تو قصص قرآن ہیں کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ انبیاء عجم علیہم السلام کی گفتگو عربی نہ تھی اور حدیث میں ایک صحابی کو یہودی زبان سیکھنے کا حکم کیا گیا اور امام ابوحنیفہ نے فارسی میں نماز کا جواز سمجھا اور شرح حسامی میں تشریح کر دی کہ فارسی کی تخصیص مقصود نہیں بلکہ سوائے عربی کے سب زبانیں یکساں ہیں پھر فتویٰ عدم جواز نماز پر بوجہ خصوصیت لظہم قرآنی ہے اور ترجمہ میں کچھ شبہ نہیں ہے یہ مختصر بیان مقام اول تھا۔ اب بیان مقام دوم یہ ہے کہ ترجمہ کے معنی از قسم تعریف لفظی سب لوگ جانتے و سمجھتے ہیں فہی اداء ما دل علیہ لسان بلسان آخر من حیث ما دل اصل اللسان۔ اس میں قید حیثیت سے میرے غرض یہ ہے کہ مطابقت معنی و التزام عبارت و اشارت وغیرہ کا لحاظ مثل اصل کے واجب ہے اور محصل مراد کا ادا کرنا معتبر نہیں ہے۔

وہ عنقریب متشاکلات و متشابہات کی فصل میں کچھ بیان آئے گا اور یہاں ایک مثال لکھتا ہوں کہ مثلاً قولہ: یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا — میں یوں نہ کہنا چاہئے کہ اے ایمان والو جب تم نماز کا ارادہ کرو اور تم کو وضو نہ ہو تو تم الی آخرہ یا یوں مت کہو کہ دھو ڈالو یا تھو کو کہنیوں سمیت بلکہ کہو کہ کہنیوں تک کیونکہ سمیت کہنے سے امام زفر کا مذہب ساقط ہو جائے گا حالانکہ اسی فتاویٰ عالمگیری کا میں نے ترجمہ قلمی جو بعض نوابی ریاستوں میں ہوا ہے ایسا ہی ترجمہ اپنی مراد کے موافق دیکھا۔ پھر اگر وہم ہوا کہ ایراد البصیر علی الماء اور قلنسوة علی الراس میں عرب کا مجاز برعکس ہے تو جواب یہ کہ معنی یہی ہیں جو ہم بولتے ہیں اور ایسے ہی تو لیم ترک الی کذا میں ہے کما میاتی حتی کہ اگر محاورہ کا لحاظ نہ ہو تو کبھی ترجمہ غلط ہوگا اور کبھی مستکرہ جیسے ضرب فی الارض کا ترجمہ رختین درز میں ایک کراہت کے ساتھ ہے اور سیر بروے زمین عمدہ ہے اور یہ باب ترجمہ اپنے آداب کے ساتھ دراز تفصیل چاہتا ہے اس میں سے یہاں صرف اس قدر کہتا ہوں کہ اعلیٰ ترجمہ وہ ہے جس سے مطابقتی دلالت کا مفہوم اصل ترجمہ سے بعینہ ظاہر ہونے کے علاوہ جو بات باشارہ و کنایہ ظاہر ہوئی تھی وہ بھی باقی رہے اور مترجم ضعیف عفا اللہ عنہ نے اس ترجمہ میں جہاں تک توفیق دی گئی ایسے مقامات کو نہایت اہتمام سے ملحوظ رکھا ہے باوجود یہ ضیق فرصت اس قدر تھی کہ بارہ جزو ماہواری اصل کتاب کے مجھے ترجمہ کرنا پڑتے تھے اور اس پر بھی معیشت میں بہت تنگی تھی بحمد اللہ تعالیٰ کہ یہ ترجمہ پورا ہوا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس ترجمہ کو اپنے کرم سے ہر دلعزیز و نافع فرمادے اور اپنے فضل سے اپنے بندہ ضعیف گنہگار کو بخش دے و ہو الوالی رحم الرحیم و نعم الوالی و نعم البجیب۔ الفضل اغلاط نسخ الاصل کے بیان میں۔ اس فتاویٰ کا کوئی قلمی نسخہ جس پر اعتماد ہو مترجم کو دستیاب نہیں ہوا ہاں مطبوعہ نسخے جو مختلف مطابع میں چھپے ہیں نظر سے گزرے غالباً مطبوعہ کلکتہ جو عموماً علماء زمانہ میں بہت مستند سمجھا گیا ہے وہی باقیوں کا منقول عنہ ہے اور اس کے بعض حواشی سے یہ بات البتہ ظاہر ہے کہ اس کی طبع و صحت کے وقت متعدد نسخے قلمی بکمال اہتمام مع کتب لغات موجود تھے اور شاید اسی اہتمام پر نظر سرسری اس امر کا باعث ہوئی کہ اس کی صحت پر تمام وثوق مشتہر ہو رہا ہے چونکہ ترجمہ کے شرائط سے ہے کہ مترجم کو اصل کی ادراک سے بہرہ وانی ہو جائے تب اس کو دوسری زبان میں لاسکتا ہے لہذا توفیق اللہ عزوجل اس میں تا مقدور کوشش کی نظر رہی جس کے عمدہ نتائج سے ایک یہ ہے کہ اس معتمد اصل یعنی مطبوعہ کلکتہ میں بھی بکثرت اغلاط ظاہر ہوئے از انجملہ بعضے ایسے بھی ہیں کہ ذمہ دار صحت نے منقول عنہ سے اس باعث سے مخالفت کی کہ اس کے زعم میں منقول شدہ کا یہ مقام سہو یا غلط تھا حالانکہ اس نے اپنی اصطلاح میں خود غلطی اٹھائی لیکن اصل عبارت حاشیہ پر لکھدی جس سے صحت مقام دستیاب ہو جانے پر اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہئے اور دیگر مقامات میں ظاہر

نہیں ہوتا کہ منقول عنہ اس طرح سہو کے ساتھ اس کو حاصل ہوئی یا طبع کی بے اعتدالی ہے اور چونکہ علاوہ ایک عظیم فائدہ کے بنظر ترجمہ بھی مزید احتیاط اسی میں ہے کہ ان مقامات میں چند سے خفیف و چند قابل اہتمام نظر مواضع کو مقدمہ میں لکھ دوں جو مطبوعہ کلکتہ سے بعد طبع ترجمہ مقابلہ کرنے کی توفیق حاصل ہونے میں نظر آئی اگرچہ جس اصل سے ترجمہ کیا گیا تھا بوقت ترجمہ اسی اصل کی فرو گذاشت کا زعم تھا۔ و ہا نا شرع فی المقصود متوکلا علی اللہ تعالیٰ

### کتاب (الصلوٰۃ باب چہارم)

مسئلہ الخلاصۃ۔ لفظ عزال فقط بزاء معجمہ مسطور ہے اور ظاہر صحیح عزال ہے اول زار معجمہ پھر مہملہ ہے۔ باب ہفتم مسئلہ کافی میں لایلتقی بصیغہ نفی مسطور ہے اور صواب میرے نزدیک بصیغہ اثبات ہے۔

### کتاب (الزکوٰۃ باب اول)

مسئلہ مبسوط سرخسی میں لکھا وادی الزکوٰۃ من السائمتہ۔ اور صواب من الدراہم ہے واللہ اعلم۔ اس قدر نمونہ لکھا گیا واضح ہو کہ پہلے مترجم کو اس طرح انتخاب اغلاط کا خیال نہ تھا اور مطبوعہ کلکتہ کی مجلد اول و مجلد دوم ناخاتمہ کتاب السیر مالک عاریت کو واپس کر چکا تھا کہ یہ عزم ہوا لہذا کتاب النکاح اے اسیر کی قابل غور اغلاط سے حاشیہ ترجمہ پر تنبیہ کر دی گئی ہے وہی نمونہ خیال فرمایا جائے۔ اور جاننا چاہئے کہ کتاب البیوع سے آخر تک اغلاط زائد و فاحش ہیں نمونہ لکھا جاتا ہے۔

### کتاب (البیوع باب پنجم فصل دوم)

مسئلہ سراج الوہاج میں لکھا فلہ حصتہ من الثمن اور صواب من الثمن ہے باب ہشتم فصل سوم مسئلہ محیط قولہ فہذا مقطوعاً و الصواب متطوعاً ایسے اغلاط بہت ہیں۔ فصل ہفتم مسئلہ محیط دلوان رجلا اشتری عبدا الی قولہ ولم یقل البائع۔ یہ خطا ہے اور صواب وان لم یقبل البائع۔ اور اسی فصل میں کافی من اشتری عبدا ثم باعہ من آخر الی قولہ فان کان الرد بقضاء یمنیہ۔ سہو ہے اور صواب یہ کہ بقضاء عینقہ کہا جائے باب قولہ البدن اشتری عبد ابقرۃ الی قولہ ان یسترد الفقتمہ صواب یہ کہ ان یرد الفضلہ کیونکہ ثمن کو بائع مسترد نہ کرے گا۔ باب پانزدہم الحادی باء الرجل المتاع برجعہ یا زدہ الی قولہ ثم باعہما۔ و الصواب باعہما اور آخر فصل پنجم میں قولہ عشر الحنطہ و نصف عشر الشعیر یہ کاتب کا سہو فاحش ہے اور صواب نصف عشر الحنطہ و عشر الشعیر ہے واللہ اعلم و انما جعلتہ من سہو کاتب لان ذلک ادنی ان لا ترتاب نے شان الاکابر و الائمتہ بسوء الظن فافہم۔ باب ۲۸ فصل احتکار الفتاویٰ الکبریٰ اکتب مالاً من حرام الی قولہ وقع غیر ہاد و اشتری۔ صحیح او اشتری۔ ظاہر ہے کہ واو سے معنی فاسد ہوتے ہی۔ اسی مسئلہ میں قولہ وهو قول الکرخی۔ ظاہر التحیف کاتب ہے۔ فافہم

### کتاب (الرب الفاضل باب ۲۵)

التا تاریخانیہ لو ان رجلاً قدم رجلاً الی قولہ و بہ اخذ بعض المشائخ علی انہ..... ظاہر ایہاں عبارت ساقط ہے اور صواب و بعضہم علی انہ یا مانند اس کے ہو۔

### کتاب (النہا ورن باب ۴ فصل ۳)

لولم یذکر بصیغہ واحد کی جگہ تشبہ چاہئے۔ باب ۵۔ مسئلہ ظہیر یہ کے بعد و ذکر الفقہ ابو الیث..... میں حدود۔ بدال کی

جگہ پر براء مہلمہ چاہئے۔ باب ۷ فصل ۲۔ قولہ و ذکر فی المنتقی اذا شهد واعلی داراجل الی قولہ فلیس له ذلك۔ صواب لیس ذلك..... ہے کمالاً تخیلی۔

### کتاب الرجوع عن النہاۃ باب ۶

الحادی قولہ نحوہما۔ غلط ہے صواب نجومہا الی نجوم الامتہ المکاتبہ

### کتاب الوکالۃ باب اول

الحادی وکیلان..... صواب بالنصب ہے و باب سوم الہدایہ و قالایجوز۔ یہ غلط ہے و الصواب لایجوز کما فی نسخ الہدایہ علی اصل معروف۔ باب ۷۔ مسئلہ قاضی خان قولہ ذالا یقل لك بامرہ الخ۔ غلط الکاتب و الصواب لایقل ذلک۔ اور اسی باب کے فصل الوکیل لقبض العین مسئلہ مبسوط میں قولہ وجہ الاستحسان..... ٹھیک نہیں ہے ظاہر ایہاں عبارت ساقط ہے مثلاً یوں کہا جائے و فی الاستحسان لایکون متطوعاً وجہ الاستحسان..... لان الاستحسان لم بذكر راسحی یتعلق بہ التوجہ فافہم۔ باب دہم قولہ و استاجرلی بعیر ابدہم و نصف

..... مترجم کہتا ہے کہ یہ خطا فاحش ہے اور صحیح و صواب اس طرح ہے کہ استاد جرلی بعیر ابدہم فاستاجرلہ بعیرا بدرہم و نصف..... یعنی ان الما مور زاد علی الاجر الذی سماہ له الموکل حتی صار مخالفاً و اما بدون ذلك فلیس یظہر للحکم المذکور وجہ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

### کتاب الرجوع عن النہاۃ

اس کتاب میں سے بھی بطور نمونہ چند اغلاط سیرہ و اغلاط فاحشہ جو اس فتاویٰ کے نسخ میں سے اعلیٰ اعتمادی مطبوعہ کلکتہ میں مترجم کے نزدیک ظاہر ہوئی ہیں لکھتا ہے کیونکہ جب اس مطبوعہ سے بہتر کوئی نسخہ قلمی یا مطبوعہ مترجم کو نہیں ملا اور اس کی نظر میں یہ مقامات خطا سے خالی نہیں تو یہی طریقہ احوط و انفع ہے کہ ان مقامات کو لکھ دیا جائے تاکہ مترجم کو خود سہو کی صورت میں معذور رکھا جائے۔ یا صواب رائے کی حالت میں دعائے مغفرت و ثواب سے اہل الحق محروم نہ فرمائیں اور آئندہ اس فتاویٰ کی تصحیح جو مدار افتاء سمجھنے کے قابل ہے ممکن ہو فاقول و باللہ تعالیٰ توفیق الصواب باب دوم فصل دوم کذانی الخلاصۃ و ان ادعی بینا خ۔ عین بیاء تحستیہ لکھا اور صواب میرے نزدیک عنب بمعنی انگور بنوں و باء موحده ہے اسی باب و فصل قریب آخر میں قولہ کذانی الفصول العماویہ لو ادعی علی آخرانہ قبض منہ کذا قفیر غنطتہ امانتہ فواجب علیہ روہا ان کانت قیمتها الخ۔ اقول صواب یہ کہ لفظ قیمتها ساقط کیا جائے اور کہا جائے کہ فواجب علیہ ردہا ان کانت قائمۃ کیونکہ رد العین میں قیام قیمت کی شرط لگانا خلاف امانت بلکہ بے معنی ہے کیونکہ عین کے قائم ہونے کی صورت میں قیام قیمت کے کچھ معنی نہیں ہیں اور اگر قیام قیمت سے یہ مراد لی جائے کہ وہ شے مال مستقوم باقی ہو تو بھی خلاف امانت ہے علاوہ ازیں جب فرض مسئلہ گیہوں میں ہے جو مثلی ہوتا ہے نہ قیمتی تو قیام قیمت کی کوئی وجہ نہیں ہے اس واسطے آگے فرمایا و ان کانت ہالکتہ او مستہلکہ فرد مثلبا۔ ہاں یہ دعوے خطا ہے اس لئے کہ امانت دار در صورت ہلاک و دیعت کے مطلعاً ضامن نہیں ہوتا اس واسطے تقریر دعوے کے ہر سہ وجوہ خطا سے خود تصحیح فرمائی کہ بعد انکار امانت کے مثل غاصب کے ضامن ہو گیا ہوتا ہے اس پر ادائے مثل واجب ہے و ہذا امر آخر فافہم باب دوم فصل سوم کذانی الخیط و فی دعوی غصب نصف الدار شائعاً لہ قولہ لان غصب نصف الدار شائعاً لایکون کل الدار فی یدہ۔ اقول الصواب ان یقال لان غصب نصف الدار شائعاً لایتصور الابان

یکون کل الدار فی یدہ کیونکہ نسخہ موجودہ کے موافق تقریب تمام نہیں بلکہ دلیل مناقض دعویٰ ہے یا محض مہمل ہے اور یہ مقام خطا فاحش ہے اور مترجم کے نزدیک جو عبارت صحیح ہے اس کی صحت پر بعض مقام پر شروط وغیرہ میں دلالت موجود ہے فلیراجع۔ باب سوم فضل دوم کذافی المحيط دان ادعی علیہ دینا بسبب القرض قوله لان المدعی لو کان استهلك الوديعتہ..... اقول بجائے مدعی کے مدعا علیہ صحیح ہے وبعید ہذا قولہ کذافی الکافی و عن ابی یوسف و محمد ان المدعی قوله فقال ما استقر صنت منه شیاء ولا غصبت منه شیئا ولا یحلف علی السبب۔ اقول یہ بھی خطائے فاحش ہے کہ واو حرف عطف مع لا حرف نفی دونوں غلط ہیں جس سے حکم میں اثبات کی جگہ نفی ہو گئی اور صواب یہ ہے کہ ولا غصبت منه شیئا یحلف علی السبب..... اور توجیہ اس کی اہل العلم پر ظاہر ہو سکتی ہے تطویل کی گنجائش نہ ہوگی۔ اسی باب کی فصل سوم صفحہ اتالیس کے آخر میں قولہ فالصواب انه لا یحفکھ اقول الصواب لا یخلفہ اور بعد اس کے صفحہ چالیس میں بنظر قولہ فالمسئلۃ علی ثلاثہ اوجہ تیسری وجہ پر تنصیص نہیں ہے فلینظر فیہ۔ باب پنجم کذافی الذخیرۃ رجل فی یدیہ دار و هو مقر الی قوله الی ان یحضر ولم اترکہ..... یوں ہی ان یحضر بصیغہ واحد مسطور ہے اور صواب بصیغہ جمع ہے اور لم اترکہ جرابدون حرف عطف کما لا یخفہ اور اسی کے تھوڑی دور بعد دوسرے صفحہ میں قولہ کذافی الذخیرۃ لوباع النصف الی قوله واودعه اخر المفق صحیح النصف ہے اور اسی سے کچھ بعد قولہ ان الذین دفع الیہ المال عند ہذا الرجل..... یوں ہی موہم کتابت عند بلقظ ظرف لکھا اور صحیح عبد بمعنی غلام ہے۔ پھر اس کے دور کے بعد صفحہ ۵۹ میں قولہ کذافی خزائنہ المفتین۔ وان قال الموئل اودعی ہذا الجاریۃ عبد فلاں..... اقول یہ بھی فاحش اغلاط میں سے ہے یعنی عبد فلاں یا ضافت کیونکہ حکم مذکور اس وجہ سے منطبق نہیں ہوتا اگرچہ منجملہ وجوہ مسئلہ کے فلاں کے غلام کا وودیعہ رکھنا بھی ہے۔

لیکن حکم میں مغایرت تخریج ہے پس صواب یہ ہے کہ کہا جائے اودعی ہذا الجاریۃ عبدی فلاں یعنی میرے غلام نے جس کا فلاں نام ہے بدلیل قوله دان قال المولیٰ قد علمت انک و ہبتہا للذی اودعی الا انه لیص بعبد لی..... و کذاب دلیل قوله اقرار المولیٰ ان فلانا عبدہ فلینال۔ باب ششم صفحہ ۷۳۔ کذافی الفصول العمدیۃ والمحیط والذخیرۃ و علی ہذا اذا ادعی رجل انه کان لابی علی بن ابی القاسم بن محمد علیک کذا..... زلتہ قلم النسخ والصواب علی بن القاسم۔ ایک ورق بعد قولہ اما لو ادعی الکفیل ان لا یصل ادعی ہذا المال او ابر المدعی صحیح کذافی الخلاصۃ اول الصواب ان الاصل ادی ہذا المال یعنی ان الکفیل ادعی اداء الاصل فافہم ایضا باب ششم صفحہ ۸۲ قوله کذافی فتاویٰ قاضی خان والا ستشراء من غیر المدعی علیہ فی کونہ اقرار بانہ لاملک للمدعی نظیر الاستشراء من المدعی حتی..... اقول الصواب نظیر الاستشراء من المدعی عیلہ حتی۔ یعنی ان المدعی لو طلب شراء المدعی بہ من غیر المدعی علیہ فهو نظیر ما لو طلب شراء من المدعی علیہ فی کون ہذا الفعل اقرار امن المدعی بانہ لاملک فی ذلک الشئ۔ یعنی اگر مدعی نے وہ چیز جس پر اپنے ملک کا دعویٰ کرتا ہے سوائے مدعا علیہ کے کسی دوسرے سے خریدنی چاہئے یعنی اس سے درخواست کی کہ اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دے تو مدعی کی طرف سے غیر سے یہ درخواست کرنا مدعا علیہ سے ایسی درخواست کرنے کی نظیر اس بارہ میں ہے کہ اس چیز میں میری ملک نہیں ہے اقول اس وجہ سے کہ خرید سے مقصود حصول ملک ہے کیونکہ انشاء ہے پس اقرار ٹھہرایا جائیگا کہ ملک حاصل نہ تھی ورنہ تحصیل الحاصل مہمل ہوگی فان قبل لواء قام علی غیرہ النبیۃ انه تصدق علی المدعی بہذا العین فاقام المدعی علیہ النبیۃ انه اشتتری منه ہذا العین فوفق المدعی بانہ کان تصدق علیہ فلما حججنی اشتیریۃ منه قبلت یقال بل فی البیتین والا فالدفع صحیح و تمام الکام فی مسائل المقام فتأمل۔ اسی سے تھوڑی دور بعد قولہ کذافی المحيط استعار من آخر وابتہ و ہلکت الدابة الی قوله و قال انها تقضت فتثبت

بینتہ ..... اقول الصواب انها نفقت تقبل منیة ..... یعنی ان العاریة هلکت تحت المستعیر لامن فعله فح ثبت ان الصلح وقع عن غیر مضمون فبطل فتامل۔ وابتداء صفحہ ۸۴ میں قولہ قوله فان قضاء القاضی لحن اور صحیح وان بحرف واو چاہئے باب ہشتم صفحہ ۹۴۔ فتاویٰ قاضی خان فی نوادہ ہشام قال سالت محمد عن تزوج المرأة ثم ادعی انه اشتراها من لا یملکها ..... مترجم کہتا ہے کہ یوں ہی لفظ المرأة۔ اور لفظ لا یملکها۔ بصیغہ نفی مذکور ہے اور ایسی حالت میں مسئلہ غیر محصلہ ہے اور صحیح میرے نزدیک فعل مضارع مثبت اور بجائے مراة کے امتہ یعنی یوں ہے کہ عن تزوج امۃ ثم ادعی انه اشتراها من یملکها۔ یعنی ایک مرد نے ایک باندی سے نکاح کیا پھر یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اس باندی کو ایسے شخص سے خریدا ہے جو اس باندی کا وقت بیع کے مالک تھا یعنی سپرد کرنے کے وقت تک جو تمہارے بیع ہے اور مراد بطلان نکاح مع حقوق وعدم رقیۃ اولاد وغیرہ ہے تو اس پر گواہ قبول نہ ہونے کا امام محمد نے حکم دیا اور کہا کہا اس وقت قبول ہونگے جب یہ گواہی دیں کہ بعد تزوج کے اس نے ایسے شخص سے اس کو خریدا جو مالک تھا کیونکہ محتمل ہے کہ قبل نکاح کے مدعی نے خریدا کراسی مولیٰ کے ہاتھ بیچ ڈالی ہو جس نے اب اس کے ساتھ نکاح کر دیا ہے۔ پس اگر صحیح ہے جو مترجم نے لکھا تو ترجمہ میں یہ مقام یوں ہی صحیح کرنا چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب باب نہم مسائل متفرقة صفحہ ۱۲۱۔ وفی المنتقی رجل شہد علی رجل انه اعتق ..... اس مسئلہ میں بہری براء مجتہد سب جگہ مسطور ہے اور صواب بندی بذال منقوط از ہدیان ہے فافہم۔ باب نہم فصل چہارم کذا فی الخلاصتہ والمجتع فی الطاحونتہ من وقاق الطحن الی قوله و مثله لحيكى عن الامام الثانی فی المنشور فی الولائم اذا صب فی حجره فاخذہ احدان کان هیاً زبلہ و حجره لذلك ..... اقول اس عبارت میں زبلہ ہر جگہ بزراء منقوط و باء موحده مسطور ہے اور مترجم کے نزدیک وفاق بلقظ ذیل بذال منقوط دیا تحتیہ ہے اور اسی عبارت میں مسطور ہے کہ۔ الا اذا سبق احرازہ تناول الاخذ بان جمیع المبسوط فی زبلہ بعد وقوع المنشور فیہ علی قصد الاحراز۔ اقول ہکذا وقع لفظ جمیع علی فعیل بصلتہ فی زبلہ۔ والصواب عندی علی صیغتہ الماضی بصلتہ من بان یقال الا اذا سبق احرازہ تناول الاخذ بان جمع المبسوط من زبلہ ..... یعنی احراز حاصل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ کشادہ کیا ہو ادا من لثانی چیز اس میں کرنے کے بعد اس کو اپنی حرز میں کر لینے کے قصد سے سمیٹ لے وقال المترجم اس فتاویٰ کے بعض مواضع دیگر میں کتاب دیگر میں یہ مسئلہ بروجہ صواب بھی مذکور ہے فلیتجدد المراجعة۔ باب دہم آخر ۱۳۵۔

قولہ الصغریٰ فی کتاب الحیطان جدار بین اثین وہی الی قوله ارفعه فی وقت کذا او شہد ..... الصواب بالواو لا بحرف التردد ایضاً صفحہ ۱۳۷۔ فتاویٰ قاضی خان۔ اصح فتاویٰ قاضی خان العاشر ۱۴۰۔ کذا فی الحیط فی کتاب الحیطان علو لرجل وسفل لاخرالی قوله و قالایضہ فیہ اقول یضع من الوضع موضوع سفل و ویصنع من الفتح علو فافہم الثانی عشر ۴۷ الوجیز ملکروری لو ان رجلاً توفی فجاء قوم القاضی لفظہ و قدر ترک امالہ۔ اقول اموالہ۔ الی قوله فان قالوا لنا شہود حضور نقیمانی حاضر المجلس۔ اقول الا صوب فی هذا المجلس۔ الہ قوله او اشهران فلانا مات اقول کذا یوجد اشہر علی افعل و الصواب اشہر من الاشتهار الی استفاض۔ اس سے ایک سحہ بعد قولہ کذا فی القنقیہ رجل مات فی بلدہ ومالہ و ترکۃ فی ید اجنبی حیث توفی الی قوله منقطعاً عن هذه البلدة التي جعل القاضی۔ اقول الصواب ان بقال عن هذا البلدة التي توفی فیہا جعل القاضی۔ باب یزدہم سے کچھ پہلے قولہ و صدقہ الذی فی یدیہ المال بذلک وما یہ لایعلم ایلت و ترک وارثا صغیرا او ترک وارثا غائباً اقول ہکذا وجدو ترک وارثا مع حرف العطف والظاهر عندی ترک الواو او هناك سقوط واللہ اعلم۔ باب چہارم دہم فصل اول شروع و عن ابی یوسف و محمد انہما قدر المدة الصواب قدر اعلى التثنیة۔ فصل دوم

محیط السرخسی فان كان باع الجارية مع احد الولدين الى قوله ولو ان البائع صدقه ولده فيمل ادعى - اقول كذا في النسخته ولد بمعنى فرزند و الصواب والا بمعنى پدر۔ اس سے کچھ بعد قولہ ولو جنی علی احدہما اخذ المشتري۔ اس سے اخذ المشتري پھر اس سے دو سطر پیچھے قولہ واخذ المشتري وية وارثه بالولاء۔ الصواب عندی دية وارثه۔ یعنی اس کی دیت کو اور اس کی میراث کو فصل سوم شروع قولہ او ولد مكاتبه الذي ولدته في الكتابة۔ اس سے ولد مكاتبه بالتانیث فصل چہارم شروع۔ واوعية و قبل ان تلدمني۔ اس سے واوعية قبل ..... یعنی حرف عطف غلط ہے فصل ہشتم۔ العاوی دان ادعى الرجل النكاح قوله وان ملكه امه صارت۔ اتصال ضمیر بلفظتہ ملکہ۔ سو خطا ہے اور صحیح بدون ضمیر یعنی ملک امہ الی آخرہ فصل نہم ۱۷۶۔

شروع قولہ ولم يعتق من الاولاد اختلفوا فيه صحیح و هل يعتق ..... بطریق استفہام۔ فصل یازدہم محیط السرخسی ہذا اذا كان الابوان مسلمين فيالاصل الى قوله لكن لا يضيئ الصبيح يقتل من القتل۔ یعنی صغیر جس کے اسلام کا حکم بالتبعیہ دیا گیا ہے اگر بعد بلوغ کے اسلام سے منکر بالغ ہو تو مرتد میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ برخلاف مرتد کے اگر یہ منکر ہو تو قتل نہ کیا جائے گا ہاں اگر اقرار کے بعد پھر منکر ہو اور یہ دونوں باتیں بعد بلوغ کے پائی جائیں تو مثل مرتد کے ہے فصل چہارم دہم سے کچھ پہلے قولہ لمولى الام كذا في المبسوط الظاهر لمواله الام فصل چہارم دہم صفحہ ۱۸۷۔ قولہ كذا في محیط السرخسی وان ادعى ولد امته مكاتبية لاتصح دعوتہ .....۔ اقول یہ بھی ایک فاش غلطی ہے کیونکہ امہ مكاتبية یعنی اپنی مكاتبہ باندی کے بچہ کے نسب کا دعوے یہ حکم نہیں رکھتا ہے اور صواب یہ ہے کہ مكاتبہ بضمیر ہے اور یہ امہ کا مضاف الیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اپنی مكاتبہ باندی کے مملوکہ باندی کے بچہ کا دعویٰ نسب کیا مثلاً اس کی باندی مكاتبہ نے خود مختاری تجارت میں کوئی باندی خریدی جس کے بچہ ہو اور اس کی مالکہ یعنی مكاتبہ مذکورہ کے مالک نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا فافہم۔ فصل پانزدہم قولہ كذا في محیط رجل مات و ترك ابنا فجارا امرأة الى قوله فصدقه الغلام و اقامت البيئته اقول لفظ صدقہ میں ضمیر کا مرجع اگر عورت ہے تو فصدقہا چاہئے مگر آنکہ مرجع قول یا دعویٰ مذکور قرار دے کر تکلف کیا جائے فافہم اگر کہا جائے کہ پھر قولہ و اقامت البيئته بھی بحرف واو سہو ہوگا کیونکہ لڑکے سے تصدیق پائی گئی پس حرف تردید ظاہر ہے تو جواب یہ کہ نہیں بلکہ طفل نے اپنے حق میں تصدیق کی جو باپ پر موثر نہیں لہذا عورت نے اس کو بگواہی ثابت کر دیا فلیجد بر۔ باب پانزدہم صفحہ ۱۹۵۔ واقر المشتري بذلك و نكل لا يرجع المشتري اقول الظاهر اونكل بحرف الترديد صفحہ ۱۹۷۔ كذا في الخلافة المشتري جارية فولدت او شجرة الى قوله وان قتل اخذ منه عشرة الاف اقول الصواب وان قتل و اخذ منه ..... اور اسی صفحہ کے آخر سطر میں قولہ ولا يرجع على ابائع بقيمته الشجر و يجبر المشتري۔ صواب میرے نزدیک بقیمۃ الثمر۔ یعنی بجائے شجر کے ثمر چاہئے۔ باب شانزدہم سے کچھ پہلے قولہ كذا في محیط من ضمن الثمن للمشتري عند الشراء الى قوله بعد وجوب الثمن على البائع اقول الصواب بعد وجوب اداء الثمن اویا ول الكلام هذا المعنى اور اس سے ایک صفحہ بعد باب شانزدہم میں قولہ ولا يعبصل حرم من جهته المستحق الصحيح لا يجعل حرا با نصب۔ باب ہفتم صفحہ ۲۱۱ قولہ بقرله بهتہ او قبض او ما اشبه ذلك كذا في محیط۔ اقول الصواب بهتہ و قبض الى بقر بالهتہ مع القبض۔

کتاب الاقرار باب دوم سے کچھ پہلے قولہ لان الفسخ بججودهما في كل موضع بطل الاقرار ..... قول یہ مقام بھی مترجم کے فہم پر مہملات عبارت میں ہے و الصواب عنده ان يقال لان الفسخ ثبت لججودهما في كل موضع الى آخرہ اور آئندہ صفحہ ۲۱۵ کی اول سطر میں موہم و مغالط رسم الخط میں سے کتابت بلفظ کلما یکال ویوزن یعنی کل ما یکال الى كل شئ دخل تحت الکیل او الوزن باب دوم صفحہ ۲۱۹۔ قولہ كذا في الظهيرية ولو قال لفلان على الف دراهم فيما اعلم ادعى علمي

اوفیما علمت قال ابو یوسف ..... اقول الصواب قال ابو حنفیہ واللہ اعلم بالصواب۔ اور صفحہ مابعد میں قولہ کذا فی خزانتہ المغتین ولو قال له علی الف درہم قے قضاء فلاں قولہ اوفی فقیہہ ..... الصواب اوفی فقیہہ اسی کے کچھ بعد قولہ ان شاء تعالیٰ الظاہر ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بل ہو الصواب۔ اس سے ایک صفحہ پیچھے قولہ کذا فی محیط السرخسی ولو قال اکثموها انی طلقبہتا اکثموها طلاقی۔ اقول المعنی او اکثموها طلاقی ..... فافہم۔ ایضاً ۲۲۲۔ مسئلہ واقعات حسامیہ قولہ مقرا للارض مقرا بالارض۔ اور اسی صفحہ کے آخر میں مسئلہ منقشی جو ذخیرہ میں منقول ہے قولہ وان کلان فی النزء ضرر واجب المقران یعطیہ۔ اقول الصواب وان کان فی النزء ضرر واجب علی المقر ..... اور ۲۲۷ باب ہذا میں غایۃ البیان شرح الہدایہ ولو قال لفلان علی درہم مع کل درہ الی قولہ و نظر عشرۃ بعینہا وقال لفلان علی مع کل درہم من ہذہ الدراہم ہذہ الدراہم ..... ہم ..... اقول اگر لفظ ہذا الدرہم اخیر کا بلفظ جمع ہے تو حکم مذکور یعنی گیارہ درہم واجب ہونا محل تامل ہے اور اگر ہذا الدرہم بلفظ درہم ہو تو حکم مذکور ظاہر ہے کیونکہ تعیین باشارہ بلفظ واحد کی صورت میں عشرہ معینہ کے ہر درہم کے ساتھ معیت مجازی ہے تو گیارہ واجب ہونگے اور اگر ہذا الدرہم بلفظ جمع ہوں تو ایک ہی ہونا ضروری نہیں خصوص جبکہ معنی جمعیت کا بطلان لازم آتا ہے اللہم الان یقال زیادۃ الواحد علی العشرۃ تجمعیاً مع المعیۃ وفیہ نظر و تفصیل الاکلام لا یتحملہ المقام۔ باب چہارم مسئلہ لولیٰ میں وجوہ ثلاثہ کی تیسری وجہ کی بلفظ و ثالثھا ان بینہما الاقرار ..... اقول غلطی مشوش ہے اور میرے نزدیک صحیح لفظ مبہم ہے یعنی کتاب میں مبہم از بین یا ابانہ جو کچھ ہو ذکر کیا اور مترجم اس کو ابہام سے بہیم مضارع کا صیغہ صحیح جانتا ہے فلیتدبر۔ اور اسی سے کچھ بعد قولہ فکذا اذا اقر الصبی ہکذا قالوا کذا فی الذخیرۃ۔ صبی کا فاعل اقر ظاہر کیا اور صواب للصبی ہے باب پنجم سے کچھ ۲۳۳ ہذا فی المہبوط و اذا کان العبد بین رجلین اذن له الی ان کتب فانه لم یوز اقرار ہذا فی حصتہ الذی اذن له و جمیع مال ہذا العبد ..... اقول اسی نقش سے مال ہذا العبد لکھا اور صواب یہ ہے و جمیع مال ہذا للعبد یعنی جملہ وہ جو اس غلام کے واسطے ہے۔ ایضاً دوسرے صفحہ مابعد میں قولہ کذا فی المہبوط ولو قال لفلان علی مائتہ درہم و لفلان اولفلان فلا دل علیہ نصف المائتہ۔ اقول یہاں تک تو ٹھیک ہے پھر لکھا والنصف للثانی بکل واحد من الاخرین علیہ۔ اقول اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ اور نصف دوسرے کا ہوگا ..... اور یہ غلط ہے صواب یہ کہ والنصف للثانی یحلف یعنی بقیہ نصف حصہ کے لئے اس سے باقی دونوں میں سے ہر ایک کے واسطے اس سے قسم لی جائے۔ پھر لکھا۔ الا ان یصطلحاً علیہ فیکون بیہنما نصفین علی مائتہ درہم۔ اقول یہ آخر کا لفظ یعنی علی مائتہ درہم۔ مترجم کے نزدیک غیر محصل ہے ظاہر یہ لفظ ہو قلم ناسخ ہے اور مقصود صرف اس قدر ہے کہ لیکن اگر دونوں آدمی باہم صلح و اتفاق کر لیں تو باقی نصف دونوں میں مساوی ہوگا فلیتامل۔ باب ششم قولہ کذا فی الكنز ولو قال لہ علی ..... اقول ولو قال لہ یعنی علی صیغۃ الواحد۔ اور اسی سے آگے مسئلہ کافی کے بعد جو مسئلہ اس میں لکھا کہ فعند ابی حنیفہ یلزمہ الدراہم وتسعۃ و ثانیہ۔ اقول یعنی یلزمہ تلك الدراہم المعہودۃ وہی العشرۃ و کذا فی کل موضع من المسئلۃ۔ پھر اسی مسئلہ میں لکھا۔ ووقع فی بعض نسخ ابی حفص یلزم الدراہم فی هذا الفصل ان علیہ عشرۃ و نائیز ..... اقول لفظ یلزم الدراہم اس عبارت میں غیر مربوط واقع ہوا اور صواب میرے نزدیک اس کا حذف ہے یعنی یوں لکھا جائے ووقع فی بعض نسخ ابی حفص فی هذا الفصل ان علیہ آخرہ اور اس سے ایک صفحہ کے بعد قولہ ثم ماتت قبلہ ولہا ورثتہ یجوزون میراثہا۔ بجیم از جواز مسطور ہے اور صواب بجاء مہملہ ہے فاحفظہ اور اس سے دور کے بعد صفحہ ۲۳۳۔ آخر قولہ کذا فی الکافی مریض و وہب عبد الہ ..... اس میں لکھا۔ ان العبد لہذا الوارث الاخر و اقرار نہ کان ..... والصواب عندی بحرف التردد یعنی او اقرار نہ کان ..... اور



اس سے دور کے بعد صفحہ ۲۳۷ میں کذا فی التحریر شرح الجامع الکبیر رجل باء عبده فی صحته من رجل..... اس میں لکھا۔  
فلیس للمشتري ان يشارك غرماً المشتري الميت فی سائر اموال الميت..... اقول لفظ غرماً المشتري الميت میں لفظ  
مشتري سہو کا تب ہے فقط غرماً الميت چاہئے ہے اور میں نے اس کو غلطی پر محمول کیا اور اقالہ کی تاویل کر کے میت کو واپس ملنا جہد یدیع  
قرار نہ دی تاکہ میت بدین معنی ایک نوع کا مشتري ہو جائے پس یہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ مقروض مسئلہ میں واپسی مشتري کی بقضاء  
قاضی ہے اور وہ ہر وجہ سے نسخ ہوتی ہے نتیجہ بمانند اقالہ در حق غیر متعاقدین نہیں ہوتی ہے۔

فلہذا قطعنا بكونه خطاء من الناسخ فافهم پھر اس سے اگلے صفحہ کی شروع لفظ بقیمت بدون ضمیر کے زلہ قلم ہے بقیمت مع  
الضمیر چاہئے۔ اور اسی صفحہ میں طویل مسئلہ کذا فی المبسوط رجل له علی رجل الف درهم..... میں لکھا وان كان الوارث الوکیل  
دون الأمر..... اور اس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر وارث فقط وکیل ہونہ موکل و اقول مقصود سے مخالف ہے اور صواب یہ ہے کہ وان  
كان وارث الوکیل..... یعنی یہ شخص موکل کا وارث نہ ہو بلکہ وکیل کا وارث ہو آخرہ۔ باب دوازدهم ۲۷۱۔ کذا فی المبسوط ولو ان  
رجلا اعتق عبده فقال له بعد ذلك..... قولہ قطعت یدک وانت حربی فی دار الحرب اخذت من مالک کذا..... یعنی اذ قال  
اخذت من مالک..... فافهم اور اس کے مابعد صفحہ میں قولہ کذا فی المحیط ولو اعتق امته ثمہ قال..... و فیہ و قال ابو یوسف  
الصحیح ابو یوسف اور اس کے آگے قولہ کذا فی الحادی ولو اقرانه ققاعین فلاں عمدا ثم لو ذہبت عین الفاقی بعد ذلك و  
قال المفقوۃ عینہ فقاءت عینی و عینک ذاہب فالقول قول المفقود عینہ کذا فی المبسوط قال المترجم اس مسئلہ میں سقوط  
عبارت ظاہر ہے ورنہ بدون اس کے محصل نہیں معلوم ہوتا پس صواب و صحیح میرے نزدیک یہ عبارت ہے و قال المفقوۃ عینہ فقاءت  
عینی و عینک ثابتہ و قال الفاقی لابل فقاءت عیدک و عینی ذاہب آخرہ اور شاید عین کے لئے ذاہب مثل ذہبت کے روارکھا  
گیا ہے فافهم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ باب سیزدہم اول مسئلہ میں قولہ و اذا اقران لفلان وفدان مع شرکاء فی هذا.....  
اقول یہ عبارت بھی سخت محرف ہے اور صواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اذا اقرانہ لی و فلاں و فلاں مع شرکاء آخرہ فافهم اور اس  
کے بعد دوسرا مسئلہ قولہ ابن سماعۃ عن محمد فی رجل قال لہذا الرجل فی هذا العبد الف درہم والعبد عبد المقر قال هذا  
عبدی علی ان ذلك دین فی رقبته الا ان یکون فیہ کلام یدل علی انه شریک فی رقبته بالف درہم بان یقول..... قال  
المترجم ترجمہ اس مسئلہ کا میرے نزدیک اس طرح ہے کہ ابن سماعہ نے امام محمد سے روایت کی کہ زید نے مثلاً کہا کہ اس عمرو کے اس  
غلام میں ہزار درم ہیں اور یہ غلام اسی زید کا ہے تو امام محمد نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ اقرار اس طرح رکھا جائے گا کہ اس قدر مال  
اس غلام کے رقبہ میں قرضہ ہے لیکن اگر اس مذکورہ میں کوئی بات ایسی ہو جس سے یہ دلالت نکلے کہ یہ شخص اس غلام کے رقبہ میں مقر کا  
شریک ہے تو البتہ شرکت کا ہوگا اور ایسی بات کی یہ صورت ہے کہ مثلاً زید نے کہا کہ میں نے یہ غلام خریدا ہے اور اس عمرو کے اس میں  
ہزار درم ہیں تو یہ قرار دیا جائے گا کہ ہزار درم کے رقبہ میں شرکت ہے لہذا اظہر للمترجم واللہ تعالیٰ اعلم۔ و ایضاً مذکور (۲۷۷) کذا فی  
المحیط ولو قال یا فلاں لکم علی الف درہم..... و فیہ ولو قال انتم یا فلاں لکما..... پس یا تو مراد یہ کہ پہلے لفظ جمع تم کہا پھر  
منادی واحد سے تفسیر کی پھر لکما بلفظ تشنیہ بیان کیا اور شاید انتم یا فلاں ہو یعنی اول و آخر تشنیہ ہو واللہ اعلم۔ باب ہیزدہم (۲۸۱) کذا فی  
المحیط و اذا قال الرجل للمرأۃ انی ارید الی قولہ حضر اشہود و هذه المقالة..... اقول الواو فیہ غلط المکاتب باب شانزدہم  
دوسرے صفحہ میں قولہ لہذا فی المیط لو قال الرجل لامرأۃ انت طالق اقول الصواب لامرأۃ علی التنکیر والا لا فائدة فی جعل  
التطبیق اقراراً فی اثبات النکاح حیث فرضت المرأۃ امرأۃ فافهم۔ ایضاً صفحہ دوم محیط السرخسی اذا اقرت المرأۃ انہا

امتہ فلاں الی قولہ بالصنع بانه ظاهرة يدل علی ان المقر له اقول الظاهر ان يقال ما يصنع بامتہ ظاهرة وهذا يدل ..... او ظاهرہ يدل۔ اسی باب میں ۲۸۵۔ کذا فی التحریر شرح الجامع الكبير فی المنتقى عبد قال لرجل انا ابن امتك و هذه امی امتہ لك ولدت فی ملك ولكنی حرما ولدت الاخر۔ اقول یوں ہی الاخر مذکور ہے والصواب عندی ما ولدت الاحر۔ یعنی میں نہیں پیدا ہوا مگر آزاد۔

اور اول ولدت: فعل معروف مؤنث اور فاعلہ وہی امتہ ہے اور حکم مذکور کی وجہ یہ ہے کہ اس نے باندی مذکورہ کی نسبت بیان کیا کہ تیری باندی تیری ملک میں جنی ہے اور اس سے لازم نہیں کہ اسی مقرر کو جنی اور نہ اس کا اقرار اس کی ماں ہونے یا ماں کی باندی ہونے یا اس کی ملک میں بچہ جننے میں باندی پر لازم۔ اور یہ جو اس نے کہا کہ میں اسی کا بیٹا ہوں تو لازم نہیں کہ اس کی ملک میں پیدا ہو کیونکہ بالفعل اس نے ماں کی نسبت مقر لہ کی مملوکہ ہونے کا اقرار نہیں کیا لہذا اسی کا قول معتبر ہوا فافہم۔ باب ہفتدہم شروع مسئلہ قولہ اذا كان له عبارة صحیة و بالذات اذا كان ..... الصواب بالوالد یعنی پدر اور اسی مسئلہ میں قولہ اما فیما یلزمها من الحقوق فأقراره صحیح۔ یوں یلزمها بضمیر مؤنث مسطور ہے اور صواب یلزمها مہام بضمیر تشبیہ مذکر ہے اور مراد مقر اور مقر لہ ہیں اور ضمیر اقرارہ راجع بجانب مقر ہے یا مہر واحد بمعنی آنکہ حق بعد قبول مقر لہ ہے فافہم اور اسی کے تھوڑی دور بعد قولہ ہذا اذا ملك العبد وحده او مع امه فی حالته الصحته فاذا ملك العبد ..... الصواب فاما اذا ملك العبد ..... صفحہ ۲۹۰۔ کذا فی الحاوی و برجاریة ثم اقرانها كانت مدبرة الآخرة الی قولہ واستخذمها و وطا قضاء۔ اقول معنی ظاہر ہیں اگر جملہ فعلیہ رکھا جائے یعنی و جازا استخذمها الی آخرہ۔ باب ہیز وہم کذا فی محیط السرخسی ولو اقران هذا العبد الذی فی یدیه عبد لفلان اشتريه منك بالف درهم و نقدته الثمن۔ اقول سہو من الناسخ والصواب منها بالخطاب یعنی و نقدتک الثمن۔ صفحہ ۲۹۲۔ فی مسئلہ التحریر قولہ محیط السرخسی رجل و كان رجلا یبیع جاریة الی قولہ و كذلك الجارية المأمورة اذا اشتراها مسلم اقول الصواب الجارية المأمورة۔ یعنی وہ باندی جو اہل اسلام میں سے کسی کی مملوک تھی اور اس کو حربی کافر قید کر کے لے بھاگے تھے اور صفحہ آئندہ میں بعد مسئلہ مذکورہ بالا کے قولہ ولو كان الأمر قدمات ثم اقر الوکیل بشراء هذا لعبد فان كان العبد فی یدہ بعینہ او فی ید البائع ..... اقول المسئلة مشكلة عندی ولعل الصواب لم یدفع الثمن مکان قولہ یدفع۔ ثم قولہ فی آخرها و یلزم بیع المیت اقول الصواب و یلزم بیع المیت یعنی ان هذا البیع یلزم فی حق الموکل الذی مات بمنعی انه یلزم ذلك فی ترکة پھر اس سے دو صفحہ کے بعد قولہ کذا فی المبسوط لو ان رجلا اشتري من رجل سلعة ..... میں الوجہ الثانی کے بیان میں لکھا۔ فابی فرد علیہ بالبینتہ کان له ..... اقول یہ بھی فاحش اغلاط میں سے ہے اور میرے نزدیک اس میں تو شک نہیں کہ بجائے لفظ بالبینتہ کے بن کو لہ صحیح ہے ہاں یہ احتمال ہے کہ شاید اس قدر عبارت بھی ہو کہ فرد علیہ بنکولہ فان لم یسبق منه الہبور کان له ان یخاصم بانه۔ کیونکہ یہی مقصود مقام ہے خواہ عبارت موجود ہو یا نہ ہو کما لا تکفی علی الفطن الماہر۔ باب نوز وہم۔ ۳۰۱۔ کذا فی المیحط قال ہو شریکی فیما فی هذه الحانوت ..... میں قولہ ومن اصحابنا من وافق۔ اقول وافق از موافقت غیر مرضی ہے اور وفق از توفیق صحیح ہے۔ اسی باب کے آخر مسئلہ میں جو مبسوط سے منقول ہے از راہ فقہ ذیلی لوجہین ہے کیونکہ برقیاس مسئلہ مقدمہ مال دستاویز کا وجوب قرضدار پر قبل الاقرار واقع ہوا پس لامحالہ لازم نہیں کہ قبل اقرار کے جو کچھ اس کی کمائی ہو بروجہ شرکت ہو کیونکہ ظہور شرکت میں مستند اس کا اقرار ہے اور وجود دستاویز میں وجوہ مقر کے قبضہ میں بروز اقرار معتبر ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا ہے فلجامل فی المقام اگرچہ ارنج وہی ہے جو کتاب میں مذکورہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب بستم کذا فی الحاوی ولو اقرانه قبض مافی ضعیفة فلاں من طعام او مافی نخله هذا من تمر وانه بض ..... لعل الصواب او انه قبض واللہ تعالیٰ اعلم۔ باب بست وسوم ۳۱۱۔ فتاویٰ قاضی خان لو قال لفلان علی نصف درہم و دینار و ثوب فعلیہ نصف کل واحد منها۔ اقول اگر منہا کی ضمیر ثمنی بجانب دینار و ثوب ہے تو لفظ ایضا بھی چاہئے ورنہ ثواب میرے نزدیک منہا بضمیر تانیث ہے اور مرجع ہر سہ اشیاء مذکورہ ہیں۔ اس سے کچھ بعد مسئلہ قال محمدؐ رجل لہ غلام میں قولہ فان کانت قیمتہا علی السواء وقعت المفاوضة۔ اقول لفظ مفاوضة غلط ہے اور صواب لفظ مقاصد بقاف و تشدید صاد ہے الی تصویر کلو احد منهما قصاصا عن الآخر۔ پھر اسی مسئلہ میں لکھا ولا یضمن کل احد منهما لصاہبہ قیمتہ ما اشتری کل ولا یرجع احدہما آخرہ اقول لفظ کل بھی مہمل ہے اور احتمال ہے کہ کاتب کے قلم سے سہو آزا ند ہو گیا اور اصوب احتمال مترجم کے نزدیک یہ ہے کہ عبارت یوں ہوگی۔ قیمتہ ما اشتری کما لا یرجع احد ہما الی آخرہ یعنی کوئی دوسرے کے لئے خرید کردہ کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا جیسے قیمت فروخت کردہ کو واپس نہیں لے سکتا ہے فافہم والتطویل لایرخص لی فی ہذا المختصر

### کتاب الصلح۔ باب اول ۳۱۵

قوله ابدأ وحی یموت لایجوز کذا فی المحیط لعل الصواب ابدأ و حتی یموت ..... باب دوم صفحہ ۳۱۸ المحیط رجلاں لہما علی رجل الف درہم۔ میں قولہ وان کان دینہما واجبا فادانہ احد ہما ..... اقول الصواب واجباً بادانہ احدہما یعنی ان احد ہما عامل مع الرجل مدانیۃ فوجب الدین بادانہ هذا الواحد فافہم۔ باب سوم صفحہ ۳۲۳ کذا فی المحیط الصلح من النفقة ان کان علی شئ ینجوز للقاضی تقدیر التفقته بہ کالنفقته آخرہ اقول الصواب کا لنفقیدین آخرہ فلیتأمل۔ پھر دوسرے صفحہ کے آخر میں تا تاریخانیہ نقلاً عن المعتابیہ کے بعد مسئلہ اذا صالح الرجل بعض محارمہ ..... میں قولہ فان کان صالح علی اکثر من نفقتہم۔ بما تیغابن الناس فیہ ..... مترجم کے نزدیک سہو فاحش مشوش ہے والصواب بما لا تیغابن الناس فیہ۔ فلیتأمل فیہ۔ باب چہارم صفحہ ۳۲۶۔ بعد خلاصہ کے مسئلہ طویلہ امرأۃ استودعت رجلاً ..... میں قولہ حتی لو اقام صاحب المتاع بینة بعد ذلك علی ما ادعی من المتاع لم یکن لساعلی المود عین۔ اقول یوں ہی لفظ لہا بضمیر تانیث مذکور ہے اور تکلیف بتاویل بعید کا محتاج اور ظاہر صحیح بضمیر ذکر ہونا چاہئے فلیتأمل۔ پھر اس کے بعد دوسرے صفحہ کے آخر میں بعد الحاوی مسئلہ اذا کانت الدرافی یدرجل فادعی یعنی هذا القابض ادعی ان فلاتا تصدق بہا علیہ وانه قبضہا یعنی ان القابض قبض تلك الدار منه لجهتہ الصدقۃ قال فلاں بل و ہبہما لك یعنی انه انکر الصدقۃ وقال بل و ہبتہالك اس کے بعد لکھا فان اقر الذی فی یدیہ انها ہبتہ بعد الصلح او مجرد الرار لہبتہ و الصدقۃ جمیعاً قبل الصلح علی ما ذکرنا۔ اقول یہ عبارت غیر محصلہ ہے والصواب عند المترجم علی وجہ التصحیح ان یقال فان اقر الذی دی یدیہ انها ہبتہ بعد الصلح او مجرد الدار الہبتہ و الصدقۃ جمیعاً قبل الصلح ولم یطبل الصلح ولا رجوع علی ما ذکرنا۔ یعنی پھر اگر صلح کے بعد قابض اقرار کر دیا کہ بیشک وار مذکور اس کی طرف سے ہبہ ہی تھا یا مالک مکان نے صلح سے پہلے ہبہ و صدقہ دونوں سے منکر ہو کر صلح کر لی ہو بہر حال صلح باطل نہ ہوگی اور رجوع نہیں ہو سکتا اور شاید کہ بجائے فان اقر کے وان اقر ہو اور وصلیہ ہو اور جملہ عاطفہ یعنی قولہ او مجرد الدار الی آخرہ کی توجیہ کی جائے بالجملہ مقام میں توجیہ و تصحیح ضرور ہے۔

فانہ تعالیٰ اعلم۔ باب ششم صلح العمال کے ابتدائی مسئلہ میں قولہ اولیا خذہ رب الثوب ثوبہ محل تخطیہ ہے اور قولہ كذلك اذا صالحہ علی دنا نیروان و وقع الصلح علی ان یکون الثوب لرب الثوب او للقصار۔ محل اشتباہ ہے اگرچہ ترجمہ سے توجیہ

دریافت کی جائے لیکن غالب گمان مترجم کا بجانب سقوط عبارت و تحریف و تصحیف ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ باب ہفتم شروع مسئلہ قولہ لو باع منه عبدا بالف درهم سود ثم صالحه علی الف او مائتہ اقول میرے نزدیک یہ حرف تردید غلط ہے صواب واو ہے اگرچہ قولہ او بہر جتہ میں حرف التردید صحیح ہے صفحہ ۳۳۷ قولہ فكذا اذا قبض بعد راس المال اقول الصواب بعض راس المال لیزید فی الاجل کذا فی محیط السرخسی صفحہ ۳۳۹ المبسوط اذا جاء الكفيل مانقص مما كفل في المكيلات والزرعيات ..... یوں ہی تمام مسئلہ میں زرعیات بزاء منقوطة مسطور ہے اور ظاہر اس صحیح ذریعہ بذال منقوطة ہے اور شاید ترجمہ میں موزونات لکھا گیا اور مذروعات ساقط ہے پس جاننا چاہئے کہ مذروع سے وہ چیزیں مراد ہیں جو گزروں سے ناپی جاتی ہیں جیسے کپڑے وغیرہ اور ان کو مسلم کے طریقہ سے خرید و فرخت کیا گیا ہے پس حکم مذکور ان چیزوں میں بھی جاری ہے فاحفظ۔ باب ہشتم سے کچھ پہلے جو مسئلہ مذکور ہے اس میں لفظ اسلم بمعنی مسلمان ہوا اور بمعنی عقد مسلم ٹھہرایا دونوں معنی میں بقصد ہر دو معنی بلفظ مشترک علیحدہ دلالت سے مذکور ہے لہذا ہر جملہ میں مناسب معنی لینا چاہئے پھر واضح ہو کہ اسی مسئلہ میں قولہ ولو صالح المسلم منها علی راس مالہ لم یجز لفظ منها بضمیر مؤنث غلط ہے اور صواب منہما بضمیہ ہے اور المسلم الی الذی صار مسلما۔ اور سلم ٹھہرانے والا یارب اسلم مراد نہیں ہے حتیٰ کہ ضمیر منہما یا راجع بجانب حط یا خمر یا تاویل بجانب سلم ہو ورنہ فی الجملہ معنی فاسد ہو جائیں گے فلجامل۔ صفحہ ۳۴۲ بعد خلاصہ کے مسئلہ وان صالحه من العیب علی ثوب بعینہ ..... میں بیان الاصل کا فقرہ ان معنی تعذر الرد علی المشتري۔ بوجہ صلہ حرف علی کے موہم ہو گیا اور وجہ ایہام تعلق علی بہ تعلق قریب یعنی لفظ الرو ہے اور یہ مراد نہیں ہے بلکہ تعلق بلفظ تعذر مراد ہے اگرچہ متعلق بعید ہے فلیبہ۔ بالجملہ ایسے اغلاط جن کی شان خفیف ہو اس کتاب میں بہت ہیں اور حتیٰ الوسع بتوفیق اللہ سبحانہ تعالیٰ ترجمہ میں ان کا لحاظ رکھا گیا ہے اب تطویل کو چھوڑ کر دوسری کتاب یعنی مضاربت کے کچھ اغلاط بیان کرنا چاہئے۔

### کتاب (المضاربت) باب (اول) صفحہ ۳۹۱

آخر سطر میں قولہ وکان الدین علیہ علی حالہ رب الدین هذا قول ابی حنیفہ وعندہما الی قولہ والخسران علیہ قریب دو سطر کے عبارت مکرر واقع ہوئی ہے اور ما بعد صفحہ کے دوسری سطر میں قولہ ولو کان الدین علی ثلث میں لفظ ثلث غلط ہے اور ثواب لفظ ثالث ہے اس طرح تیسری سطر میں فقال الآخر کی جگہ فقال لاخر صحیح ہے۔ باب سیزدہم صفحہ ۴۳۱۔ قولہ وان زادت قیمتھا۔ الصواب قیمتھا بعد ذلك كان العتق باطلاً ایضا کذا فی المبسوط پھر اسی صفحہ میں قالہ الا انه مثبت لرب المال الخیار ان الاولان ہکذا فی محیط۔ مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہاں بھی خطائے فاحش ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ کاتب کا سہو نہیں بلکہ اصل کتاب میں یوں ہی واقع ہوا اور صواب میرے نزدیک یوں کہنا چاہئے کہ مثبت لرب المال الخیار ان الاخیران اگر کہا جائے کہ محیط کی غلطی پر محمول کرنا جرات ہے تو جواب دیا جائے گا کہ نہیں نہیں محیط میں غلط نہیں بلکہ یہاں غلط ہے پھر اگر اس سے تعجب کیا جائے تو مترجم سے سننا چاہئے جس سے یہ معاملہ ہوا اور تعجب زائل ہو۔ واضح ہو کہ اس فتاویٰ میں جملہ مسائل خواہ اصول مذہب کے ہوں یا متاخرین مشائخ کے استخراج و علماء مفتین کے فتاویٰ ہوں اکثر معتبرات مثل محیط و ذخیرہ و فتاویٰ قاضی خان و متون ہدایہ وغیرہ و تالیفات حکم شہید مثل مفتی وغیرہ سے منقول ہیں اور جامعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بغرض قوت و کثرت نقل مع ایجاز و اختصار کے یہ عمدہ نفس طریقہ اختیار کیا کہ ایک مسئلہ مثلاً کسی اصل معتمد متداول سے شروع کیا پھر اگر وہ مسئلہ جمع و جوہ و تفاریح اسی اصل مذہبی یا متین معتمد میں موجود ہے تو اسی پر اکتفا کر کے دیگر معتبرات کا حوالہ دیدیا کہ یوں ہی فلاں و فلاں کتابوں میں بھی منقول ہے تاکہ نقل میں شہرت کے قریب پہنچ جائے لیکن ایسا بہت کم ہے جملہ تفاریح و مقالیں و مستخرجات وہاں نہیں ہوتے ہیں کیونکہ مستخرج میں تو جو تفاریح و

تخریج دوسری کتاب میں ہے بعد ختم عبارت اصل وحوالہ کے اس کتاب سے نقل کر دی اگر سب تفاریح ہوں ورنہ قدر موجود اس میں سے اور باقی کے لئے دوسری کتابوں سے اس طرح جہاں تک ملا ہے سب جمع کیا گیا اور تفاریح پر بھی جا بجا متعدد حوالے بغرض تقویت ذکر کئے ہیں اور کبھی بنظر اختصار مع فائدہ کامل کے ایک کتاب معتمد سے دو ایک تفاریح پھر دوسری سے ایک دو پھر باقی تیسری وچوتھی وغیرہ سے نقل کیں تاکہ سب میں موجود ہونا اصل کا ظاہر ہو کیونکہ تفاریح پر اصل ضرور ہے جس سے اس کا درجہ تو اتر کو پہنچ گیا جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب میں مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہاں ابتداء مسئلہ جو نقل ہو اس میں اول دونوں خیاریں سے ایک تضمین ہیا اور اس اصل بلقول عنہ میں خیارات کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے پھر انجام کار محیط سے جو تفاریح نقل کی اس میں خیاریں ان اولان لایا حالانکہ بنظر ابتدائی ترتیب کے ایک خیاریں تضمین بھی حاصل ہو لیکن تضمین کا اضیاح صحیح نہیں لان الاعسار لایو جب لہ خیاریں تضمین بل موجبہ عکس ذلك بان اعسار کا موجب اعتاق ہے یا استعلاء یعنی چاہے اپنا حصہ آزاد کرے یا اس سے سعایت کرادے اور چونکہ خیاریں اولان کہنے میں خیاریں تضمین حاصل ہوتا ہے تو یہ خلاف مقصود اور غلط ہوا لہذا مترجم نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ خیاریں اخیر ان کہا جائے۔ کیونکہ ابتدائی مسئلہ میں اعتاق و استعلاء جن کا وہ مختار ہوا ہے ترتیب میں اخیرین ہیں۔ پھر جو میں نے کہا تھا کہ محیط پر غلطی کا الزام نہیں ہو سکتا کیونکہ غالباً اس کتاب میں تضمین اخیر ہوگا اور اعتاق و استعلاء ہی دونوں اول ہوں گے تو اس کا آخر میں خیاریں اولان کہنا صحیح ہوگا اس سے معلوم ہو گیا کہ درحقیقت سہو یہ فقط عبارت کے التقاط و اقتباس میں واقع ہوا کہ ملتقط کو یہ خیال نہیں رہا کہ ہمارے یہاں ابتداء میں ترتیب خیاریں کیونکر ہے فافہم فہذا ساخ عزیز الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی مولانا و سیدنا محمد رسول رب العالمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اس مطبوعہ نسخہ میں جہاں سقوط عبارات و تحریف کا احتمال ہے وہ بہت سخت ہے چنانچہ اس کی مثالیں گذر چکیں اور آئیں گی انشاء اللہ تعالیٰ اور جیسے صفحہ ۳۳۹ باب دہم میں لکھا کذا فی المبسوط اختصم رجلان فی حائط فاصطلحا علی ان یکون اصلہ لا حد ہما وللاخر موضع جذوعہ وان نبی علیہ حارثی معلوماً و یحمل جزوغا معلومتہ لا یجوز کذا فی فحیط السرخسی۔ ظاہر عبارت تو اس قدر ہے کہ آدمیوں نے ایک دیوار میں جھگڑا کیا پھر باہم اس شرط سے صلح کر لی کہ اصل دیوار ان میں سے ایک کی ہو اور دوسرے کے لئے ایک تو اس دیوار میں سے اس کی دھنیاں رکھنے کی جگہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اس پر ایک اور دیوار جس کی مقدار معلوم ہے بنا دے اور اس پر بعد اد معلوم دھنیاں رکھے تو یہ جائز نہیں ہے کذا فی محیط السرخسی اور ظاہر وجہ ہے کہ دوسرے اختیار کی شرط جدید حق کا احداث ہے ورنہ دیوار میں سے ایک کی اصل اور دوسرے کا مواضع شہتیر ہونے پر یا یہی صلح جائز ہونی چاہے اور ایسے ہی صلح اس طرح کہ ایک کی دیوار اور دوسرے کے لئے فقط حق احداث دیوار جدید اس کے اوپر جیسے مذکور ہوا بیشک ناجائز ہونی چاہئے اور اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ مختلط بھی جائز نہ ہو لیکن اس میں دوسرے کے لئے دیوار متنازعہ میں سے بھی مواضع شہتیر مشروط ہیں فقیہ تامل فلیعامل۔ اور بعض ایسے اغلاط کتابت ہیں جن پر صریح غلطی کا وثوق ہے جیسے کتاب الودیعتہ سے چند سطور پہلے قولہ۔ وان اخذھا کرھا لاضمان علیہ۔ اس الاضمان علیہ اور ایسے اور مقامات پر ایسے بہت تغیرات کتاب ہیں جن پر التفات نہیں کیا گیا ہے۔

### کتاب (الودیعتہ)

باب چہارم (۳۷۴) کذا فی القنیہ قال خلف سالت اسدا عنہ لہ علی آخر الف درہم ..... اقول لفظ الف غلط فاحش ہے اور صواب یہ ہے کہ فقط درہم کا لفظ لکھا جائے یعنی ایک کا دوسرے پر فقط ایک درہم آتا تھا پس قرضدار نے قرض خواہ کو دو درہم دیے الی آخر المسئلہ۔ باب ششم صفحہ ۲۸۸۔ کتب انکرہانی وجہ العدد اقول الصواب العدد بالواد اور آخر صفحہ میں فلما یصدقہ

المودع الی آخر فلم یصدقہ اور یہاں اگرچہ معنی ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن بحسب البیان سہو ظاہر ہے۔ اور صفحہ ما بعد میں قولہ فصدقہ فی التوکیل۔ الصوب فصدقہ باب ہشتم الحیظ رجلان اودعا رجلا الف درهم فمات المستودع و ترک ابناء..... یوں ہی ابناء بصیغہ جمع مسطور ہے اور صواب بلفظ مفرد ہے باب دہم ۴۹۹۔ کذانی الحیظ رجلا استقرض من رجل خمسمین درہما فاعطاه غلۃ ینین..... ظاہر ایہ ترجمہ ہوا کہ ایک نے دوسرے سے پچاس درم قرض مانگے پس اس نے غلہ کے ساٹھ درم دیدے۔ و اقول لفظ غلۃ بغین و لام و تاء لکھنا یہاں غلط ہے اور صواب غطاء ہے اور معنی یہ کہ پس اس نے غلطی سے اس کو ساٹھ درم دیدیے۔ چنانچہ دوسرے مسئلہ میں جبکہ قرض خواہ نے بجائے پچاس قرضہ کے غلطی سے ساٹھ وصول کر لیے ہیں لفظ غلط کو صحیح لکھا ہے۔ دوسرے صفحہ میں قولہ فقبطھا و ضاعت قال ہو قابض حقہ ولا یضمن شینا کذافی المحيط اقول قبضھا بضمیر مؤنث صحیح نہیں ہے اور صواب میرے نزدیک قبضھا بضمیر تثنیہ ہے اور اس سے آگے قولہ لا یعلم کما ہی قال ابو حنیفہ اقول الصواب لا یعلم کم ہی۔ یعنی مقدار عددی معلوم نہیں اور کما ہی سے عین حقیقت سے لاعلمی مقصود نہیں ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

### کتاب العاریت

باب اول ۵۰۳۔ قولہ فیکون مرضیا ہکذا فی السراج الوہاج۔ اقول الصواب فیکون قرضا یعنی جب استہلاک عین الشے کی اجازت دی تو یہ چیز اس پر قرض ہوگئی عاریت نہیں رہی فافہم۔ ابتدائی باب پنجم میں ہے کہ داطلاق محمد فی الكتاب یدل علیہ فلا ضمان و بہ کان یفتی..... اقول لفظ فلا ضمان قلم ناسخ کی روانی ہے یہ غیر مربوط و زائد ہے والصواب ان یقال و اطلاق محمد فی الكتاب یدل علیہ و بہ کان یفتی شمس الاثمۃ السرخسی کذا فی الذخیرہ۔ باب ہفتم سے چند سطر پہلے قولہ و لو کانت عقد جوہر او شیاء نیسا..... یوں ہی نفیس بنوں دیاء و سین مسطور ہے اور مترجم کے نزدیک صحیح اس مقام پر نفیس بنوں و فاء ہے اور مراد اس سے مقابل خیس ہے اور شرع میں نفیس و خیس میں فرق بھی بعض احکام میں معتبر ہے چنانچہ بیع تبعاطلی میں جو لوگ اس کو جائز رکھتے ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک خیس میں جائز ہے۔ نہ نفیس میں اور اصح یہ ہے کہ ہر دو میں جائز ہے کمافی بیوع الہدایہ وغیرہ۔

### کتاب الہبۃ

باب دہم صفحہ ۵۵۹۔ کذانی فتاویٰ قاضی خان امراة ویہبت مہرہا من الزوج..... اس مسئلہ میں لکھا ان کانت قدحا قد المدد کات۔ اس طرح اس فقرہ میں اسم بلفظ قدح و رنبر بلفظ قدر بقاف و دال و راء مہملہ مسطور ہے اور معنی مہمل اور صواب میرے نزدیک لفظ قد بقاف و دال مشدد ہے اور وہی اسم مضاف بضمیر راجع بجانب عورت مذکورہ اور وہی خبر مضاف بجانب مدرکات ہے یعنی ان کان قدھا قد المدد کات۔ یعنی اگر اس عورت کا قد و قامت اتنا ہو جتنا بالغہ عورتوں کا قد ہوتا ہے فافہم۔

### کتاب اللہجاریۃ

باب ششم صفحہ ۵۱۳۔ قولہ وان جاوز الفارسیۃ فبند ہمیں۔ اقول یوں ہی فارسیہ بفاء و راء منسوب بلفظ فارس ظاہر ہوتا ہے اور صواب بقاف و دال یعنی قادیسیہ ہے جو حیرہ ایک مقام معروف عراق ہے۔ باب ہشتم ۶۰۳۔ مسئلہ محیط میں بعد خلاصہ کے اذا کان المستکری استاجر رجلا یقوم علی الدابتہ میں لکھا۔ وان رارائے الصلاح فی بیع الدابتہ بان اتاہم المستاجر۔ اقول یوں ہی لفظ اتاہم بظاہر اتیان سے مشتق مذکور ہے اور معنی مہم ہیں اور صواب یہ ہے کہ اتہم مشتق از اتہام لکھا جائے اور معنی یہ ہیں کہ

قاضی کے نزدیک مستاجر مرد بہتم ہے پس یہ بہتم معلوم ہوا کہ فروخت کر دے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ باب وہم صفحہ ۶۰۸ میں قول کذافی الحیظ فان سعى الطعام دراهم الى قوله و نفى بتسمية الطعام اقول یوں ہی نفی بنوں و فاء مذکور ہے اور صواب بنوں و عین دونوں یعنی لفظ لغنی جمع متکلم ہے اور اسی صفحہ میں قولہ فالمرضع فی الی العرف کذافی الحیظ۔ اقول صواب لفظ المرجع بحکم بجائے المرضع بضاء منقوط ہے اور صفحہ آئندہ میں قولہ فان زادها احمد من ولدها فلهم ان یمنیوہ یوں ہی زاد ہا بدال اور کمنیوہ بتقدیم عین برنون مذکور ہے اور صواب فان زارها احد من ولدها فلهم ان یمنعوه ..... ہے۔ باب یاز وہم میں قولہ وردی ابن سماعة عن ابن سعد بن معاذ المروزی عن ابی حنیفہ۔ اقول اس میں بھی احتمال غلط ہے اور کتاب میں ایک مقام پر ابو عصمہ سعد بن معاذ مروزی نام مذکور ہے پس شاید کہ ابن سماعہ نے بواسطہ سعد بن معاذ کے روایت کی ہو تو لفظ ابن غلط ہے اور شاید کہ روی ابو عصمتہ سعد الی آخرہ ہو مگر اول اقرب ہے یا راوی دونوں ہوں واللہ اعلم۔ اور انشائاً التحریفات میں سے باب شانز وہم میں قولہ کذافی فتاویٰ قاضی خان وان استاجرہ لیکتب لہ غفاء بالفارسیة او بالعربیة المعصیة المختار انہ یحل لان ہل لا یحل لہ الاجروانی الفراءة کذافی الوجیز للکروزی اور یہ مجملہ ان مقامات کے ہے کہ مترجم کو اس کی تصحیح میسر نہ ہوئی یعنی جس عبارت سے اصل کتاب میں معانی کا استخراج ہے اور شاید مقصود مسئلہ یہ ہو کہ فارسی یا عربی یا اردو وغیرہ کسی زبان میں راگ لکھنے کے لئے اجارہ پر مقرر کرنا در صورتیکہ وہ معصیت ہو کیا حکم رکھتا ہے تو ظاہر مزدور کو اجرت حلال ہے اور اگر اس کے پڑھنے کے لئے مزدور کیا تو حلال نہیں ہے کیونکہ فقط لکھنا درحقیقت راگ نہیں ہے اور پڑھنا اسی طریقہ سے البتہ حرام ہے وقال المترجم یہ جواب جو مذکور ہوا ظاہر بطریق حکم ہے ورنہ براہ دہانت جب فرض کر لیا گیا کہ عبارت معصیت ہے تو افشاء حرام ہے پس اکتساب مال بفعل حرام ہوا جو دیانت میں حرام ہوا لیکن متاخرین نے فتویٰ دیا کہ سحر و جادو کا تعویذ لکھنے کے مزدوری حلال ہے کمانی القدیہ قال المترجم قدیہ کا یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت اس کی بر اصول معتزلہ ممکن ہے یعنی اس از عم پر کہ جادوئی نفسہ کوئی اثر کی چیز نہیں بلکہ خالی اوہام و دستکاری ہوتی ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب مشہور ہے اور کشف نے تفسیر میں اس کی تصریح کر دی ہے اور بنا بر اعتقاد جماعت اہل السنۃ کے سحر ٹھیک ہے اور ایسا تعویذ لکھنا قطعاً حرام و فساد ہے اور مزدوری قطعاً حرام و خبیث ہے پس قدیہ کا ایسا تفر و مردود ہے اور فتاویٰ میں اس سے منقول ہونا تجھے غرہ میں نہ ڈالے کیونکہ بیشتر ایسے اقوال نقل ہوتے ہیں جو خلاف مذہب و خلاف اصول ہیں فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ پھر کلام اصل مسئلہ میں جبکہ غناء مذکور فحش و معصیت نہ ہو یعنی مثلاً اشعار مباح ہوں کہ اگر بلجن مستنکر پڑھے جائیں تو غناء ہو جائے تو اس کی اجارہ کتابت کی صحت و اجرت کے حلت میں کلام نہیں اور وہ بیشک جائز ہے اور رہا ان کے گانے کے واسطے مزدوری کرنا تو بیشک بنا بر فقہی اصل کے اجارہ منعقد اور اجرت لازم مگر حرام و خبیث ہوگی اور یہ باب اس اجارہ میں دشوار ہے یعنی ایک طرح سے نظر حکم کا جواب اور ایک نظر دیانت اس کی علت و حرمت کا جواب پس لازم ہے کہ باب مذکور میں محتاط رہے اور ظاہری حکم کا جواب دیکھ کر کہ صحیح ہے غرہ نہ ہو جائے تا وقتیکہ باب دیانت میں اس کا حکم نہ پائے اور اگر اس مخالطہ کی اصل تلاش کرنا منظور ہو تو باب اجارہ اور کتاب الکراہیۃ دونوں پر غور نظر سے مطالعہ کرے جبکہ اصول ایمانی یعنی کتاب اللہ تعالیٰ و السنۃ سے اور اصول الفقہ سے اور اصول فقہی سے فی الجملہ بہرہ رکھتا ہو اور مترجم کو اس مختصر میں پورے بیان کی بھی گنجائش نہیں صرف اس سے اشارات پر اکتفا کرنا چاہئے واللہ تعالیٰ ہو اللہم للصدق والصواب وهو الہادی والیہ المرجع والمآب۔ اسی باب میں متفرقات سے کچھ پہلے قولہ کذافی التا تاریخانیہ وان وصفو الہ موضعاً الی قولہ وان اسمعوالہ الحدالاشق۔ والصواب وان لم میموالہ الحد اولاشقا یعنی مزدور سے یہ نہیں بتلایا کہ لہ کھودے یا شق کھودے الی آخرہ اور موجودہ عبارت مہمل ہے یا مغیر معنی ہے کما لا تنکفی باب ہفتم میں قولہ وفي اجارة الدار و عمارة

الدار۔ اقول وادعاطفہ درمیان میں خطا ہے اور صواب بدون واو کے ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس طرح قولہ و كذلك كل سترۃ میں لفظ سترۃ مہمل ہے ظاہر لفظ کل شے یا اس کے مانند کوئی لفظ ہونا چاہئے جو عمارة الدار وغیرہ کے مناسب ہو فافہم باب نوزوہم قولہ کذا فی المحيط واذاباعہ القاضی بیدا بدین المستاجر..... مسئلہ غیاشیہ میں لکھا کہ ولو علم المشتري ان الدار مستاجرة ليس له ان يفسخ المشتري و يصبر حتى تنقضي مدة الاجارة..... اقول اس طرح جمیع نسخ میں پایا جاتا ہے اور بظاہر یہ غلط ہے پھر اگر یہ معنی ہیں کہ مشتری کو وقت خرید کے یہ علم تھا کہ بیع کسی کے پاس اجارہ میں ہے تو آیا مشتری کو اختیار ہوگا یا نہیں تو یہ مسئلہ کتاب البیوع میں مذکور ہے لیکن قولہ ان یفسخ المشتري کی جگہ صواب ان یفسخ البیع ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ مشتری کو بعد اس کے معلوم ہوا کہ بیع مستاجرہ بصیغہ مجہول ہے تو صواب یوں ہے کہ ان الدار مستاجرة له ان یفسخ البیع اور یصبر الی آخرہ یعنی فهو بالخيار ان شاء فسخ العقد و استره الثمن ان فقده وان شاء صبر حتى تنقضي مدة الاجارة و هذا هو الا صواب والله تعالیٰ اعلم اور اس سے ایک ورق کے بعد مطبوعہ مطبع اصل میں جو وقت الترجمہ پیش نظر تھی یوں لکھا کان له ان یترک الاجارة فان یترک الاجارة فان حضر و اجری اور مترجم نے وقت ترجمہ کے اس کی تصحیح میں تکلف کیا اور سمجھا کہ یوں ہو سکتا ہے ان فان لم یترک الاجارة فان حضر..... پھر اصل کلکتہ سے معلوم ہوا کہ لفظ فان یترک الاجارة بالکل نہیں ہے یعنی مطبوعہ مطبع میں کاتب نے زائد کر دیا اور صحیح نے فرو گذاشت کی ہے۔ پھر اس سے کچھ بعد قولہ عن محمد فی روایۃ کان علیہ الاجر کمالا وعنه فی روایۃ کان اقول یوں ہی مسطور ہے اور صواب وعنه فی روایۃ لا۔ یعنی لا اجر علیہ۔ پھر اس سے ایک صفحہ کے بعد قولہ یجب ان یتسقی الزرع فی الارض باجر المثل کذا فی الکبیر الی اقول یوں ہی جمیع نسخ میں یتسقی از استبقاء بمعنی پانی دینے و سینچنے کے مذکور ہے اور یہ غلط ہے اور صواب یتسقی از استبقاء یعنی باقی رکھنا اور چھوڑ رکھنا وغیرہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اجر المثل کے عوض پس زمین میں کھیتی باقی چھوڑنے کا حکم واجب ہے اور محصول یہ ہے کہ اگر کھیتی اکھاڑنے کا حکم دیا جائے تو اصلاح نہیں بلکہ کاشتکار کا سخت نقصان ہوگا اور اگر چھوڑنے کا حکم ہو تو مفت مالک زمین کا نقصان ہے لہذا واجب ہے کہ یوں حکم دیا جائے کہ ایسی زمین کا جو کچھ کرایہ ہوتا ہے اس کے عوض یہ زمین کھیتی تیار ہونے تک مستاجر پاس باجارہ از جانب قاضی لازم ہے اگر مستاجر پسند کرے اور اگر اپنی کھیتی اکھاڑنے پر راضی ہوتا اس نے خود اپنا نقصان گوارا کیا اور اسی صورت میں مالک زمین کو رضامندی اختیار نہیں ہے بلکہ وہ اس عوض پر مستاجر پاس چھوڑنے کے لئے مجبور کیا جائے گا جیسے بیچ دریا میں کشتی کا اجارہ منقضی ہونے کی صورت میں مالک کشتی باجر المثل سوار رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے پھر اس سے کچھ دور بعد میں مسئلہ محیط میں بعد الخلاصۃ قولہ وان کان فی موضع تكون الاجر علی المستاجر..... یوں ہی تمام نسخوں میں یوں الاجر مذکور ہے اور صواب یكون الحفر بحاء حطی وفاء وراء مہملہ ہے اور یہ جملہ عطف ہے شروع مسئلہ کے قولہ استاجر طاحونین بالماء فی موضع یكون الحضر علی المواجر عاده۔ پھر اس سے کچھ بعد قولہ استاجر من اخر حانونا سنته فظہر الحانوت الی مسجد فمضت سنته وقد سرق..... اقول مطبوعہ کلکتہ وغیرہ میں یوں ہی محرف مسطور ہے اور صواب یوں ہے استاجر من آخر حانوت سنته و ظہر الحانوت الی مسجد فمضت سنته اشهر وقد سرق۔ یعنی بجائے فظہر کے جو بصیغہ ماضی از ظہور ظاہر ہوتا ہے و ظہر بواد وفتح الظاء و سکون ہاء بمعنی پشت ہے اور بجائے فمضت سنتہ کے جس کے معنی ایک سال گذر گیا فمضت سنتہ اشهر ہے یعنی چھ مہینے گذر چکے۔ اور بعد تامل مصیب کے واضح ہو جاتا ہے کہ یوں ہی صواب ہے جس طرح مترجم نے زعم کیا واللہ تعالیٰ ہوا لہم للصواب ولله الحمد فی المہداء والمآب۔ پھر اس سے کچھ بعد مسئلہ ذخیرہ میں قولہ لا یفسخ العقد بموتہ واذکان عاقد ایرید الوکیل..... اقول صواب وان کان عاقدا یعنی بحرف واو وان وصلیۃ ہے نہ بحرف شرط و ظرف۔ پھر اس



سے بعد مسئلہ الوجیز میں قولہ سكن المستاجر بعد موت المواجه فالمختار للفتویٰ جواب الكتاب وهو عدم الاجر قبل طلب الاجر۔ قال المترجم یوں ہی مسطور ہے اور اس قدر و اجازت نخل مقصود ہے کیونکہ جواب مذکور کے یہ معنی ہوئے کہ طلب اجرت سے پہلے اجرت نہ ہونا۔ حالانکہ مقصود یہ ہے کہ اگر مالک کے اجرت مانگنے سے پہلے اس نے سکونت کی ہے تو اس کی اجرت کچھ نہ ہوگی پس صواب یہ ہے کہ وهو عدم الاجران سكن قبل طلب الرجـ یعنی اجرت طلب کئے جانے سے پہلے سکونت کی اجرت کچھ نہ ہوگی۔ اور اشارہ ہے کہ اگر مستاجر سے اجرت طلب کی گئی پھر بھی وہ رہتا رہتا تو اس پر واجب ہوتی رہے گی چنانچہ یہ مسئلہ مصرح مذکور ہے۔ پھر اس سے کچھ بعد قولہ ویترك في يدورثته بالاجر المسمى بالاجر المثل۔ اقول یوں ہی نسخ میں الا بحرف استثناء مسطور ہے اور صواب بحرف نفی ہے۔ اور واضح ہو کہ مطبوعہ کلکتہ میں بھی یہاں بلکہ تمام کتاب میں بجائے ربح براء و یا تحتیہ و عین مہملہ کے ربح براء موحده مسطور ہے۔ و فی مطبوعۃ المطبع قبیل الرابع و العشرين قوله فيعتبر فيه لصاحب احكام الغصب اقول الصواب سائر احكام الغصب و فيما يتلوه من مسئلته الوجيز قوله ان يا مرالموجر على ان يرفع اقول المعنى ان كان هذا الفعل بامر المهور الى آخره باب بستم میں قولہ ولم ينصبها مع المكان يجب الاجز كذافه الغياثیہ اقول ظاہر معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جگہ ہوتے ہوئے اگر قائم نہ کیا تو کرایہ واجب ہوگا لیکن صواب بجائے مکان کے امکان بزیادت الف یعنی لم ينصبها مع الامكان۔ اور اسی کے بعد قولہ ان او قد قبل ما او قد الناس اقول قبل بقاف و موحده غلطی کا تب ہے اور معنی یہ ہو سکیں گے کہ لوگوں کی آگ روشن کرنے سے پہلے اس نے تنبو میں آگ جلائی اور صواب مثل شیم و مثلثہ ہے معنی ویسی آگ جلائی جیسی اور لوگ جلایا کرتے ہیں یعنی اس سے زیادہ نہیں کی اگر چہ کمی کی ہو کیونکہ کمی صورت میں بدرجہ اولیٰ ضامن نہ ہوگا فافہم۔ اس سے ڈیڑھ صفحہ کے بعد قولہ وان ارتفعا الى القاضي قضی علیہ اقول یوں ہی قضی علیہ از مصدر قضاء مذکور ہے اور معنی میں اہمال ظاہر ہے اور صواب میرے نزدیک از قض یقصد بقاف و صاد مہملہ صیغہ تثنیہ ماضی معروف یعنی وقضا علیہ اور مراد یہ کہ دونوں نے قاضی سے یہ تمام قصہ و واقعہ نقل کیا۔ باب بست و چہارم بعد محیط کے مسئلہ ولو استاجر خياطاً ليخيط له ثوباً میں لفظ میں خفيف اور معنی میں فاحش تغیر کا فقرہ قولہ ان نكل بتسليم نفس الخياط اس طرح خياطته بصيغه مصدر مسطور ہے اور صواب خياط اسم فاعل ہے۔ اور کتاب میں ایسے اغلاط کہ بجائے غیر مجہول اغارہ کے اعزاز اغرار اور بجائے دوروز کے وہ روز بہت ہیں۔ باب بست و بستم مسئلہ متقی ولو كانت سفن كثيرة۔ میں قولہ و كذلك القصار اذا كان عليهما حمولتهما اقول یوں ہی قصار بقاف و صاد و راء مسطور ہے جس کے معنی دھوبی و کنڈی گر وغیرہ ہیں لیکن بالکل غیر مربوط ہے اور شاید صواب بجائے اس کے جمال کا لفظ ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ و مطبوعہ مطبع میں قبل بست و بستم کے للاصل مجھولا کے الاجل چاہئے ہے۔ پھر اسی باب بست و بستم میں قولہ كذافه الذخيره ولو استاجر من يحييني بالنار فهو متبرء كذا في محيط السرخسي۔ اقول یوں ہی تمام نسخ میں بالنار آخر اء مہملہ سے بمعنی آگ مذکور ہے اور مترجم کے نزدیک النار آخر وال مہملہ سے اسم فاعل از نزنبنوں و وال مشدود ہے من ندا لبعير اذا توحش بعد الالف الانس فليتامل واللہ اعلم اور جملہ پریشان کرنے والے اغلاط کے اس باب کے آخر میں قولہ لو قال الرجل مكحال ولو بشرط اقول یوں ہی بواو عاطفہ لو مسطور ہے اور صواب بدل والف و واو یعنی واو بصیغہ امر از ہداده ہے فافہم باب سی ام مطبوعہ مطبع میں باب اکیس سے کچھ پہلے قولہ كذا... فی الوجيز للكروري استاجر ارضا اجارة فلا يترتب و اشترى الاشجار... اقول لفظ فلا يترتب قلم ناخ کی نہایت خراب وانی زائدہ ہے اور بجائے اس کے ظاہر لفظ طویلہ ہے یعنی لفظ اجارة طویلہ فافہم۔ باب سی و کیم قریب آخر کے قولہ ثم اختلفا قبل القبض في مقدار الاجل كان القول قول الاسكاف ولايتحا لفان كذا في الذخيره اقول یوں ہی تمام نسخ میں لفظ مقدار

الاجل مسطور ہے اور معنی یہ ہونگے کہ مقدار مدت میں دونوں نے اختلاف کیا لیکن مترجم کے نزدیک یہ غلط ہے اور صواب مقدار الاجر یعنی اجرت کی مقدار میں دونوں نے اختلاف کیا لیکن مترجم کے نزدیک یہ غلط ہے اور صواب مقدار الاجر یعنی اجرت کی مقدار میں دونوں نے قبل قبضہ کے اختلاف کیا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم اور بہت قریب الختم قولہ واذا ادفع ثوبا الى الصباغ ليصبغه بصصفر الى قوله في صفتہ ماتعین بہ اقول اس لفظ ماتعین میں بھی تردد ہے اور معنی ظاہر ہیں والظاہر مافی الترجمة واللہ تعالیٰ اعلم۔ باب سی و دوم قولہ استاجر مسحاة للعمل فقال لا اريد الا جريل تعمل لي مقبضا للمسحاة من الخشب ثم طالب الاجران كان لما طلب له قيمته فيجب اجر المثل والا فلا كذا في الوجيز لكردي اقول مترجم اس وجازت سے قاصر از ادراك ہوا اور ظاہر اقیمتہ مضاف بضمیر غائب غلط ہے صرف قیمتہ بلفظ نکرہ ہے اور مراد یہ ہے کہ مواجر نے مستاجر سے لکڑی کا بیٹ اس کے لئے چاہا تھا پس حکم یہ دیا ہے کہ چیز چاہی تھی اگر اس کی کچھ قیمت ہوتی ہو تو اجارہ فاسدہ منعقدہ ہوگا پس اجر المثل واجب ہوگا اور اگر اس چیز کی کچھ قیمت نہ ہو تو اجرت کے صریح نفی کرنے اور بے قیمت چیز مانگنے سے بدالت معلوم ہو گیا کہ عاریت دیا ہے پس مستاجر کا باجارہ طلب کرنا مہمل ہو کر اس کو عاریت ملنا ثابت رہے گیا تو اس پر کچھ کرایہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اجارہ منعقد نہ ہوا اور ضمان واجب نہ ہوگی کیونکہ اجازت مالک کی وجہ سے غصب متحقق نہ ہوا بلکہ اظہر للمترجم فاللہ تعالیٰ اعلم۔ قولہ کذانی جو اہر الفتاویٰ اذا استغرض الوصي او المتولى لا الصيغر اقول الصواب للصغير۔ پھر اس سے ایک صفحہ کے بعد قولہ ثم بداله ان يمنع من ذلك لانه غير لازم كذا في النفسى اقول صواب میرے نزدیک یوں ہے: ثم بداله ان يمنع من ذلك فله ذلك لانه غير لازم اور اس کی تصویب تھوڑے تامل سے واضح ہوگی۔ پھر اس سے دور کے بعد وہ لہ ثم یخر جہاد بامرہا بتحلیط الدار و تسلیم الدار الثانی کذا فی الحدادی للفتاویٰ اقول لصواب

بخليص الدار كما لا يخفى قوله كذا في القنيه ولي جامع الفتاوى ولو استاجر رجلا ليبنى له منارة۔

قولہ ثم قال اقدرا ان احفر ليقية اقول الصواب لا اقدرا ان احفر البقية كما لا يخفى۔ اسی کے پیچھے قولہ قال محمد فيضمن غصب اقول الصواب فيمن غصب فافہم اور اس سے کچھ بعد قولہ فلو قال اردت المالك۔ اقول الصواب اردت الملك۔ پھر اس سے ڈیڑھ صفحہ بعد بجائے فان لم يصل کے فان لم يفعل اور بجائے الصمتی فالزیادۃ کے الصحۃ فالزیادۃ چاہے۔ پھر اس سے دور کے بعد نسخہ مطبوعہ میں قولہ کذانی محیط رجل مستاجر حجرة موقوفہ ..... میں لکھا فان لم يمتنع اخرجه من الحجرتة في يده الا اذا خاف وان كان ..... بعد تامل کے واضح ہوا کہ یہاں قولہ فی یدہ الا اذا خاف محض روانی قلم کا تب و غلط ہے پس اصل مطبوعہ کلکتہ سے تصدیق کر کے یقین ہو گیا۔ واضح ہو کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وضع مسئلہ کسی شے معین میں قرار دیکر دوسری تفریح میں سوائے اس کے دوسری چیز موضوع قرار دیتے ہیں اور یہ غلطی نہیں ہے بلکہ اشارہ ہے کہ اصل مسئلہ میں خواہ یہ فرض کیا جائے یا وہ موضوع مانا جائے حکم میں تغیر نہیں ہے اور ایک میں جو حکم مذکور ہوا ہے وہی دوسرے میں یکساں ہے اور ان دونوں میں اتفاقی علت دریافت کر کے دوسری چیزوں کو انہیں پر قیاس کر سکتے ہیں اور یہی تخریج کے معنی ہیں مثال اس کی وہ مسئلہ ہے جو محیط میں نقل کیا بقولہ وفي الاصل اذا استاجر عشر امن الامل الى مكتبة بعينه او بغير عينه فان كان العبد بعينه فالاجارة جائزة وان كان بغير عينه فالاجارة فاسدة ثم اذا كان العبد بعينه حتى جازت الاجارة فهلك العبد قبل التسليم بعد ما استونى المعقود عليه كان المستاجر اجر مثل الدار الى آخره اور یہ معلوم ہے کہ دار کا مسئلہ میں ذکر ہی نہیں آیا ہے پس اشارہ ہے کہ ان دونوں کے ایک دوسرے کی جگہ مفروض ہونے میں یکساں ہے فلجامل فيہ فان ہذا غایۃ توجیز المقام واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

## کتاب المکاتب

## باب اول

فی قوله واما الذى يرجع نفس الركن قوله الداخلى فى صلب العقد من البديل اقول لفظ من البديل تكتلج فتامل باب پنجم قوله كذا فى التاتار خانية ولو كاتب عبيدین مكاتبه واحده اس مسئلہ طویلہ میں لکھا یسلم للمدبر من قيمته ويسعى فيما بقى وهو ثلاثة وثلثون ثم ..... اقول الصواب ثلثته وثلثون وثلث درهم ثم آخره اور جس کو فن حساب میں ادنیٰ مہارت ہو اس پر یہ غلطی پوشیدہ نہیں ہو سکتی ہے۔ ایک صفحہ کے بعد کذا فی الهدایہ ولو کاتبہ فی صحته علی الف درهم میں لکھا وان كان المولى قد قبض ذلك منه خمسمائته اقول لعل الصواب ان يقال قبض ذلك منه الا خمسمائته فليتامل فيه باب ہفتم بعد کافی کے اذا كاتب الرجلان کے مسئلہ میں ہر ایک جگہ نصف ماقبی مذکور ہے اور شاید النصف بلا م تعریف عہدی ہو اور ماقبی اس کا بدل ہو کیونکہ مقصود ماقبی کا وصول کرنا اور وہ نصف ہے اور ظاہر عبارت سے یہ نکلا کہ باقی نصف کا آدھا اس نے وصول کیا اور چوتھائی ہو اقلیتاں فیہ۔ باب ہشتم کذا فی الکافی واذ قتل عبد المکاتب رجلا خطاء میں لکھا لتسليم له نفسه یعنی تسلیم بروزن تفعیل مصدر لکھا لیکن صواب لتسليم بصیغہ مضارع از سلامت ہے۔

## کتاب الولا

## باب اول

کذا فی المبسوط رجل اشترى عبد امن رجل ثم ان المشتري قوله اذا كان البائع يجد اقول الصواب يحجد من الحجد جس کو اردو میں مکر جانا بولتے ہیں۔ ومن المواضع التي نیغے فیہا التامل قوله فی الباب الثانی فی الفصل الاول و منها ان لا يكون للعاقدة وارث وهو ان لا يكون من وارث اقول هكذا اوجد فی النسخ وقد طوينا الكشع عن البحث فیہا فليبحث الرجل الصالح الذي يمشى بالصلاح دون الفساد ويلصلع المقام والله تعالى ولي الجود والانعام۔ اور کتاب الاكراه سے کچھ پہلے قوله ويشلحلف على المال مالىه لم تعلمنى۔ اقول الصواب لم تعلمنى على صيغته المخالمة الحاضرة فافهم۔

## کتاب الاكراه

کذا فی فتاویٰ اقاوسی خان قال محمد لوان لصا غالبا اکره رجلا قوله ولو اکره علی ان يطلقها ثلثا ولم يدخل بها فطلقها وعزم لها نصف المهر اقول یوں ہی نسخوں میں موجود ہے اور صواب میرے نزدیک یوں ہے کہ فطلقها واحده و عزم لها آخرہ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ باوجود مخالفت کرنے مکروہ کے اس سے تاوان واپس لے گا جبکہ نتیجہ ایک ہی لازم آیا اور وہ نصف مہر تاوان بھرنا اگرچہ تطلیق واحدہ مذکورہ غلیظ جو تین طلاق کے ساتھ ہوتی ہے۔ لازم نہیں آئی لیکن یہ امر دیگر ہے فافهم۔ باب دوم تاتار خانیہ کے بعد ولو ان المرأة هی التي اکرهت حتی تیه وجها ..... مسئلہ طویلہ یعنی شرح ہدایہ کے آخر میں لکھا: فكان كما لورضیت بالمسمی نصاد لورضیت نصاد قعلی قول ابی حنيفة للا ولياء حق الاعتراض وان كان الزوج كفوا فلا وليا حق الاعتراض عند ابی حنيفة لعدم الكفارة نقصان المهر آخره اس مسئلہ میں دو جگہ کاتب کا سہو ہے ایک تو اس عبارت سے پہلے در صورتیکہ شوہر کفو نہ ہو اور دخول واقع نہ ہو لکھا عند ابی حنيفة لعدم الكفارة لنقصان المهر۔ ان دونوں توجیہ کے درمیان سے واو عاطفہ چھوڑ دیا اور یہ

خفیف ہو ہے۔

اور دوم یہاں البتہ مخلجہ شدیدہ ہے اور وجہ یہ ہے کہ در صورتیکہ شوہر نے اس عورت سے دخول کیا دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت نے زبردستی سے دخول کرنے دیا اور دوم یہ کہ خوشی سے راضی ہوئی پس زبردستی کی صورت میں اگر شوہر کفو ہے تو لکھا کہ عورت یا اولیاء کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اور اگر کفونہ و تو دونوں کو اعتراض کی گنجائش ہے اور بخوشی و رضا مندی کی صورت میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے بلکہ یہ بیان ہے کہ عورت مذکورہ مہر مسمے پر بدالالت راضی ہوگئی تو ایسا ہوا کہ گویا صریح راضی ہوئی اور صریح رضا مندی کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے اگرچہ شوہر اس کا کفو ہے پس اگر قولہ وان کان الزوج کفوا۔ بوادوان و صلیہ قرار دیا جائے تو یہ معنی ہوئے جو مذکور ہوئے اور کلام مابعد کے یہ معنی ہوں گے کہ پس اولیاء کو امام اعظم کے نزدیک اعتراض کا حق دو وجہ سے حاصل ہوا ایک تو کفونہ ہونا اور دوسرے مہر کم ہونا اور صاحبین کے نزدیک فقط غیر کفو ہونے کی وجہ سے اولیاء کو اعتراض کا حق ہوگا۔ مترجم کہتا ہے کہ دخول رضا مندی کی صورت میں کفو وغیرہ کی تفصیل مذکور نہیں ہے پھر یہ تفریع غیر مذکور پر لازم آئے گی اور اگر تفریع مذکور کے یہ معنی لئے جائیں کہ امام کے نزدیک اولیاء کو دو وجہ سے حق الاعتراض ہوا کرتا ہے اور صاحبین کے نزدیک فقط غیر کفو ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے تو تفصیل کا ذکر نہ ہونا کچھ مضرت نہیں ہے و ہذا ہوا الصواب لیکن تفصیل ندارد ہونا دفع نہ ہو اور یہ توجہ یہ تو اس نسخہ کی عبارت کی ہے اور اگر قولہ وان کان الزوج کفوا جملہ مستقلہ لیا جائے لیکن بجائے اس کے وان لم یکن الزوج کفوا لیا جائے تو سب خلجان سے نجات ہو جاتی ہے اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ در صورت برضا مندی دخول کے بدالالت رضا مندی مہر مسمے پر ثابت ہوئی اور اس کا وہی حکم ہے جو صریح رضا مندی کی صورت میں ہے جبکہ شوہر کفو ہو مذکور ہوا یعنی اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے یعنی صاحبین کے نزدیک نہیں چنانچہ معلوم ہو چکا کہ اگر شوہر کفر نہ ہو تو اولیاء کو حق الاعتراض عند الامام بدو وجہ حاصل ہے کیونکہ امام کے نزدیک قلت مہر کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کا اختیار ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک فقط عدم کفو سے اعتراض کا حق ہے کیونکہ اولیاء کو اس قدر عار سے تعرض ہوتا ہے۔ اس تقریر سے تفصیل بھی موجود ہے اور استدلال بھی بموقع ہے اور تفریح بیوقع لازم نہیں آتی ہے کیونکہ امام کے نزدیک اولیاء کو دو طرح کا حق اعتراض اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی طرح کا حق ہونا اس باب اکراہ سے متعلق نہیں ہے کیونکہ اس کے بیان کا موضع کتاب الزکاح باب الکفو ہے اور یہاں محض افادہ مکررہ سمجھا جائے گا اور تفصیل کا سقوط اس مقام پر عیب ہے فلیتامل فیہما واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ پھر اس سے ایک صفحہ کے بعد قولہ کذانی المہسوط ولو اکره المولیٰ والو کیل بالقید والمشتري بالقتل ضمن الو کیل لا غیر هذا اذا کان المشتري مکرها بالقتل ضمن علی الشراء۔ اقول ضمن آخر کا غلط محض ہے اور صواب صرف اس قدر ہے کہ مکرها بالقتل علی الشراء کما لا یخفی علی من له ادنی سکتہ۔ پھر اس کے بعد قولہ کذانی المہسوط ولو اکره علی ان یبع مال المکره او اشتري بماله۔ اقول الظاهر او اشتري بماله۔ پھر اس سے ایک صفحہ کے بعد مسئلہ مہسوط میں بعد محیط سرخسی کے ولو اکره بو عبد تلف..... میں لکھا وان اقر بها کان علیہ الکفارة والصواب وان قربها یعنی عورت سے قربت و جماع کر لیا۔ پھر اس سے کچھ دور بعد المہسوط ولو اکره علی کفارة یمین قد حنث..... میں قولہ فان مکان قیمته ادنی العبید مثل ادنی الصدقہ۔ اقول الصواب مثل ادنی النفقہ یعنی بجائے صدقہ کے نفقہ صحیح ہے۔ پھر اس کے بعد والے طول مسئلہ مہسوط میں ایک فقرہ اساقط ہونے کا احتمال ہے چنانچہ لکھا: ولو قال للہ علی ان التصدیق بثوب ہروی او مروی بعینہ فتصدق بہ الخ اور مترجم کے نزدیک صواب یہ ہے کہ ولو قال للہ علی ان التصدیق بثوب ہروی او مروی فاکریہ علی ثوب ہروی اور مروی بعینہ فتصدق بہ۔ یعنی نذر کرنے والے نے بطور مکرہ ایک ہروی یا مروی کے صدقہ کرنے کی نذر کی تھی اور مکرہ نے اس کو کسی

معین ہروی یا مروی صدقہ کرنے پر مجبور کیا فہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ باب سوم کے اول مسئلہ طویل میں کئی جگہ خطا ہے اول قولہ وان التفقا علی ان البیع بینہما کان تلجیة ثم اجازہ احد ہما لم یجز اجمیعاً۔ اقول غلط ہے اور صواب یوں چاہئے ثم اجازہ احد ہما لم یجز حتی یجز اجمیعاً یعنی ایک کی اجازت دینے سے بیع جائز نہ ہو جائے گی جب تک دونوں اجازت نہ دیں یعنی دونوں کی اجازت سے گویا جدید بیع ہو جائے گی۔ پھر اس کے دو سطر بعد لکھا ولو تواضعا علی ان یجز انہما تبیعہ صواب بخیر ازاخبار ہے نہ از اجازت۔ پھر اس سے آٹھویں سطر میں لکھا لو تصادقا علی انہ لم یجضر لہما بنیة۔ اقول بنیة بمعنی گواہی غلط ہے اور صواب نیت کا لفظ ہے۔ اس طرح اس سے دس سطر بعد لکھا ولو قال فی السریر یدان یظہر بیعاً علانیة۔ اس طرح یرید و یظہر بصیغہ غائب لکھا اور صحیح بصیغہ متکلم بنوں ہے۔ باب چہارم شروع میں قولہ فان وقع فی قبلہ ان ہذا القدر من الجس والقید نعمتہ۔ یوں ہی بنوں و عین لکھا ہے اور ظاہر ائمہ بنوں وقاف دیا مانتا اس کے کوئی لفظ ہوئے اور ایسے اغلاط بہت ہیں۔

## کتاب الحجر

### باب دوم

فصل اول قولہ کانت قیمتہ علی عاقلتہ عند ہما جیعاً کذا فی المحيط۔ اقول الا دفع بلا صول ان یقال عند ہم جمیعاً فاللہ تعالیٰ اعلم۔ باب سوم۔ کذا فی التاتارخانیہ المحبوس بالمدین اذا کان یسرق فی ..... یسرق آخر قاف کے ساتھ غلط ہے اور صواب یسرف بقاء ہے اور کتاب الماذون سے پہلے بعد تبیین کے مسئلہ واقعات میں قولہ لا جلس مع المدعی فلہ ذلک کذا فی العینی شرح الہدایۃ اقول غلط فاحش ہے اور صواب یہ ہے کہ یہاں عبارت ساقط ہو گئی یوں چاہئے کہ فقال الغریم لا اجلس مع غلامہ و اجلس مع المدعی ..... کما لا یخفی علی من لوزوق سلیم وطبع مستقیم۔

## کتاب الماذون

### باب دوم

قولہ کذا فی المبسوط ولو اشتری عبداً علی انہ بالخیار فراہ متصرف فلم نہیمعہ فهو رضاء بالبیع اول حقہ دین اولاً قبضہ اولم یقبضہ لم یصر مجحوراً من وقت البیع۔ اقول یہاں تک عبارت غیر محصل ہے مترجم کو مہمل معلوم ہوئی ہے ہاں آگے جو عبارت مذکور ہے یعنی وفی نسخہ اذا راہ آخرھا وہ البتہ صحیح ہے۔ پھر اس سے ایک صفحہ کے بعد مسئلہ مسطور ہے کذا فی المبسوط واذ کان العبد کل لرجل فقال المولے لاهل السوق ..... اس مسئلہ کا ترجمہ اس مقام سے درست کر لینا چاہئے اذا کان العبد کلہ لرجل۔ اگر کوئی غلام پورا کسی شخص کا ہو۔ فقال المولے لاهل السوق پھر مولیٰ بازار والوں سے کہا کہ اذا راہ عبدی هذا یتجر فسکت ولم نہ فلا اذان لہ فی التجارۃ جب تم دیکھو کہ میں نے اپنے اس غلام کو تجارت کرتے دیکھا اور اس پر میں خاموش رہا کچھ منع نہ کیا تو میں اس کو تجارت کی اجازت نہیں دوں گا یعنی میرا یہ فعل اس غلام کے حق میں تجارت کی اجازت نہیں ہے۔ ثم راہ یتجر فسکت ولم لا یصیر مازوناً فی التعارۃ کذا فی المغنی پھر اس غلام کو خرید فروخت کرتے دیکھا اور خاموش رہا اور اس کو منع نہ کیا تو غلام مذکور مازون التجارۃ نہ ہو جائے گا یہ معنی میں ہے باب سوم سے کچھ پہلے قولہ فرق ابوحنفیہ بین الحجہ والاذن عندہ لا یتبیت الحجر بخبر الواحد اقول الظاہر ان یقال فان عندہ لا یتبیت الی آخرہ۔ اسی باب میں باب چہارم سے ڈیڑھ ورق پہلے مسئلہ مبسوط میں جس کا

شروع یہ ہے کذا فی المغنی فاذا اصل الاجل كان العبد بالخيار الى آخره۔ لکھا کان تسلیمہ جائز اندھم حتی ینوی علم الغریم۔ اقول صواب یہ ہے کہ کہا جائے حتی ینوی ماعلی الغریم۔ یعنی جو کچھ قرضدار پر ہے ڈوب جائے پھر باب چہارم سے ایک صفحہ پہلے قول وان شاء دفع الی العبد بنقصان العیب الذی حدث عنده من الثمن یعنی فی الجنایة فی الوطی۔ اقول الصواب عندی فی الجنایة اوفی الوطی فافهم۔ باب چہارم کذا فی المغنی ولو اقر بذلك بعد ما باعه القاضی قوله ولكن ان اعطوه ذلك وکاتب به انفسهم جاز۔ الصواب و طابت به انفسهم اور قولہ ثم یرجع به علی الکفیل الغرماء کذا فی المبسوط۔ والصواب تم یرجع به الکفیل علی الغرماء فلیتأمل۔ اور قولہ کذا فی المغنی ولو ان الغرماء لم یقصدوا علی المشتري الی ان قال حتی لو كانوا اربعته واختار واخذ ضمان قیمته۔ اقول الصواب واختار واحد منهم اخذ ضمان قیمته اور آخر میں قولہ اولم یجز البیع فی سنة من العبد کذا فی المحيط حرف او ظاہر اغلط ہے صرف و او عاطفہ چاہئے۔ اس طرح ایک صفحہ کے بعد قولہ فضمنوه قیمته صحیحاً او الحکم..... صواب فالحکم ما ذکرنا..... ہے اس طرح ایک ورق کے بعد قولہ کذا فی المحيط ولو لم یعتقه المشتري ولكنه باعه..... میں قولہ سلم العبد لو لم یکن له علی الرجل۔ صواب ولم یکن له..... ہے اور اس مسئلہ میں کچھ بعد قولہ فیرجع بنتضان قیمته علی البائع ان لم یکن للبائع..... اقول حرف ان شرطیہ غلط ہے اور صواب اس کا ترک ہے یعنی علی البائع لم یکن للبائع آخرہ فافهم اور باب پنجم سے ایک صفحہ پہلے قولہ کذا فی المبسوط عبد ما ذون علیہ دین باعه المولی من رجل واعمله بالذین۔ شاید صواب اعلمہ از اعلام بمعنی اختیار ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور باب پنجم کے قریب قولہ ولو امر المولی عبده الماذون فکفل الرجل۔ صحیح لرجل بلام جارہ ہے اور اس کے بعد قولہ فیضع به ما ندالہ۔ صحیح فیضع بنون بعد ضا منقوط ہے باب پنجم کذا فی فتاویٰ قاضی خان العبد الماذون ازشتري عبدا..... میں لکھلا یصیر الثانی مہجور اولم یکن اقول الصواب ولو لم یکن قال المترجم اس قسم کے اغلاط بہت کثرت سے ہیں ان سب نے استقصاء میں تطویل نکل ہے۔ باب ششم کذا فی المحيط واذا کان علی الماذون دین..... میں لکھا ویستوفی ان کان علی الماذون دین۔ ظاہر ایستوی کا ایستوفی لکھا ہے یا ایستوی فی ذلک ہوئے واللہ اعلم۔ اس سے ایک صفحہ کے بعد قولہ کذا فی العینی شرح الہدایۃ ولو کان العبد صغیراً او کان صغیراً احراً او معتوهاً فاقتر و بعد الاذن انهم قد اقرروا له بذلك قبل الاذن كان القول قولهم کذا فی المبسوط یعنی غلام صغیر یا طفل آزاد صغیر یا مرد معتوہ نے اجازت تجارت حاصل ہونے کے بعد اقرار کیا کہ ہم نے اس شخص کے لئے اجازت حاصل ہونے سے پہلے اقرار کیا تھا تو قول انہیں ہر ایک کا قبول ہوگا یہ مبسوط میں ہے ایضاً باب ششم قولہ کذا فی المبسوط فان كان المولی اقر بالف درهم ثم اقر بالف درهم وکان..... اقول ایک مرتبہ اور چاہئے ثم اقر بالف درهم۔ یعنی تین مرتبہ پے درپے ہزار درہم کا اقرار کیا۔ اور اس سے تھوڑا بعد قولہ والمسئلۃ یجالها و بیع العبد بالف درهم فانه یبدا بدین البائع وما بقی بعد ذلك فهو بین غرماء العبد ویستوی ان كان العبد فی صحته المولی او فی مرضه کذا فی المبسوط اقول اس میں میرے نزدیک خطا ہے کہ بیع العبد بالف درہم اور صواب یوں ہے کہ بیع العبد بالف درہم یعنی دو ہزار درہم کو فروخت کیا گیا۔ باب ہشتم قولہ کذا فی المغنی ولو کان عبداً لحجوراً اجرة مولاہ الی قوله المستاجر اونی السکتہ الظاہر ولو فی..... کذا فی التاتارخانیہ قال محمد العبد اذا باع واشتری..... مسئلہ مغنی میں کئی جگہ بجائے مشتری کے بائع کی تصویب مترجم کا زعم ہے اور شاید کہ باعتبار وصف ماکان کے مشتری سے تعبیر کیا گیا اگرچہ فی الحال کے وصف سے بائع ہو وبالجملة فقہ المقام تامل لاتسود وجوه الصفحات بذکرا لوجوه فتأمل فیہ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقتہ الحال۔ قریب باب نہم کے قولہ کذا فی المحيط وان نقص كان النقصان فی رقبته المحجور لانه اذا بیع.....

اقول والصواب عندی ثم اذا بیع ..... فافهم - باب نہم کذانی فتاویٰ قاضی خان واذا اذن المسلم بعبده الکافر قوله وهو مولاہ۔ الصواب وهو ولاء یعنی وہ اور اس کا مولادونوں اور اسی مسئلہ میں قولہ فان کان صاحب الدین الاول کافر افی الدینین۔ ..... اقول اس مقام پر عبارت ایسی طور سے حاقط ہے کہ مترجم سے اس کی تصحیح محل تامل ہے پس انتظار چاہئے یہاں تک کہ کوئی دوسرا صحیح نسخہ دستیاب ہو واللہ تعالیٰ اعلم پھر اس سے تھوڑی دور بعد قولہ ولو کان احد الغرماء مسلما شهد له کافر ان والاخر ان شهد اقول اما ان قلت والاخر ان کافران شهد ..... واما ان عنیت هذا المعنی بنوع تکلف من ولالتہ المفهوم فافهم - پھر اس سے تھوڑی دور بعد کذانی المغنی واذا اذن المسلم بعبده الکافر ..... میں لکھا تم ادعے علی العبد دین الف درهم - اقول الصواب ان یقال ثم ادعے رجل آخر علی العبد ..... کمالا یخفی علی المتامل۔ باب یازدہم کذانی المغنی ولو کان للماذون دارا من تجارتہ ..... میں لکھا علی هذا لو شهد علی الماذون فی حائط ..... اقول لفظ شہد از شہادت تو صحیح نہیں بلکہ صواب شہد مجہول از شہاد ہے۔

والفرق بینہا معمالا یخفی علی الماهر فی الفن بحسب تعلق المقام۔ باب دو از دہم کذانی فی المحیط ولا یملک الصبی الماذون تزویج امته ..... میں قولہ لامن المولیٰ کی جگہ لامن المولیٰ چاہیے۔ اسی باب میں صفحہ ۷۵ کذانی المغنی وفی ماذون شیخ الاسلام۔ ..... میں قولہ اجر او ستاجر یوفق ذلك۔ اقول الصواب یوقف ذلك۔ باب یازدہم کزانی الکافی واذا باع الماذون من رجل عشرة اقفزة الخ میں لکھا ولو قال ابیعتک هذا الحنطتہ وهذا یشعر ولم یسم کلیہا کل فقیز بدرہم اقول ظاہر محرف نے یہ معنی سمجھے کہ بائع نے دونوں کے حق میں ہر فقیز بیک درہم نہیں بیان کیا لیکن یہ غلط ہے اور تامل سے تجھے ظاہر ہوگا کہ صحیح یوں ہے ولم یم کیلہا کل فقیز بدرہم۔ پس قولہ کل فقیز زیدہم متعلق بلفظ ابیعتک ہے اور لم یسم کیلہا معترضہ ہے اس وجہ سے کہ هذا الخطہ سو هذا الشعیر بتسمیہ کیل بھی ممکن ہے بالجملہ یہ مراد نہیں ہے کہ ہر فقیز ایک درہم کا حساب نہیں بتلایا بلکہ مراد یہ ہے یہ حساب تو بتلایا مگر ڈھیری کے سب کیل نہیں بتلایے۔ اسی باب میں کذانی فتاویٰ قاضی خان ولو اشتري ثوباً من رجل بعشرة دراهم ..... صفحہ ۱۸۱ اقولہ ولو اشتري كل ذرة بدرهم۔ الصواب ولم اشترط بصیغہ متکلم اور اسی باب کے صفحہ ۱۸۳ میں قولہ علی قول ابی حنیفۃ یرافہ الوجہین جمیعاً کذا فی المحیط اقول و جدت تجطی علی ہامشہ انہ ہکذا وجدت النسخہ بالاثبات وفیہ نظر علی اصل الامام فلینظر فیہ واللہ تعالیٰ اعلم

## کتاب الشفعة

### باب اول

کذانی محیط السرخسی واذا اشترى ارضا مبذورة الى قوله متقوم الارض مبذورة فير جمع بحصتها كذا في السرخسی اقول الصواب فتقوم الارض مبذورة و غير مبذورة فير جمع .....۔ باب ہشتم صفحہ ۲۸۰ کذانی المبسوط واذا اشترى ارضا فيها نخل او شجر ..... قوله تقسيم الثمن قيمته الارض والنخل و التمر يوم العقد فما اصاب اقول الصواب ان یقال تقسيم الثمن علی قيمته الارض والنخل والتمر و علی قيمته الارض والنخل فما اصاب ..... اور دوسری سطر میں قولہ فان اخذها الصواب احدہما اس طرح دوسرے صفحہ میں وجز ہائم جاء الشقیع۔ یعنی بواو عاطفہ وجز ہا خطا ہے واو حذف کرنا چاہئے باب نہم قولہ کذا فی التا تاریخانیہ ولو قال المشتري اوو کیلہا ہکذا۔ اقول الصواب انا و کیلہا یعنی بجائے او کے انا چاہئے باب دہم ابتداء

باب میں قولہ فالقول قول المشتري والا يتحالفان اتح ولا يتخالقان اور آخر صفحہ میں وان اقاما جميعاً البينته فالبينته بينته البائع عند ابي حنيفة ومحمد وهو قول ابي حنفته - اقول الظاهر ان يقال عند ابي يوسف ومحمد وهو قول ابي حنيفة والله اعلم - دوسرے صفحہ میں كذا في البدائع وفي المنتقى بن ساعد عن محمد رجل اشترى من رجل دارا ولهما شفيعان فاقى اليه احدهما بطلت شفعتاه الصحيح رجل اشترى من رجل دارا ولهما شفيعان فاقى اليه احدهما بطلت شفعتاه الصحيح رجل اشترى من رجل دارا ولهما شفيعان فاقى اليه احدهما بطلت شفعتاه الصحيح رجل اشترى من رجل دارا ولهما شفيعان فاقى اليه احدهما بطلت شفعتاه الصحيح رجل اشترى من رجل دارا ولهما شفيعان فاقى اليه احدهما بطلت شفعتاه الصحيح رجل اشترى من رجل دارا ولهما شفيعان فاقى اليه احدهما بطلت شفعتاه الصحيح

المحط واذا شهدا البائعان ..... میں لکھا والشفيع مقرانه منذ ايام الصواب مقرانه علم منذ ايام اور باب يازد ہم سے کچھ پہلے قولہ قضيت بالبيت بيتهما لصاحب اشهر اقول ميرے نزدیک لفظ بیٹھما خطائے فاحش ہے اور صواب یہ کہ لفظ ساقط کیا جائے اور اس کے بعد قولہ لانه مثبت سبقت شراء احدهما اقول الصواب عندی لانه علم مثبت آخرہ اور اس کے بعد قولہ منذ شهر بين كلما وقت شهوده جعلت - الصواب منذ شهر بين كما وقت شهوده و جعلت انى آخرہ باب يازد ہم كذاني المحيطة واذا وكل رجل الشفيع قوله حتى اخذها ثم علم بذلك - اقول كذاني في نسخ علم من الثواني والصواب عندی علم من الا علام والوجه مما لا يخفى عند المتامل - پھر اس سے کچھ بعد اغلاط فاحش میں سے قولہ اذا وكل رجلين بالشفعتاه فلاحد هما ان بخاصم الآخر - اقول والصواب في المعنى ان يقال فلاحد هما ان يخاصم بدون الآخر آخره والحاصل ان احد الوكيلين ينفرد بالخصومه ولا ينفرد بالقبض فلو ان احدهما خاصم بدون الآخر جاز ولو اراد احد هما ان ياكذ هاهن في يده من البائع او المشتري فليس له ذلك - يعنى حاصل المقام یہ ہے کہ اگر ہر دو وکیل میں سے ایک نے مخصوصہ وراثت سے فیصلہ چاہا تو تنہا اس کام کو کر سکتا ہے یعنی حکم حاکم حاصل کر لے پھر اگر تنہا ایک نے چاہا کہ دار مشفوعہ پر قبضہ کر لے تو بدون دوسرے کے ایسا نہیں کر سکتا ہے پس ہر ایک وکیل خصومت میں منفرد ہو سکتا ہے اور قبضہ میں نہیں ہو سکتا ہے باب چہار دہم مسئلہ اولی میں قولہ وان كان الرد بالعيب قبل قبض الدار وان كان بقضاء اقول صاحب تصحيح ياتناخ نے جملہ اول وان كان الرد کو بواہ وان وصليہ قرار ديكر علامت ظاہر کی اور عبارت ما قبل سے متعلق کر دیا اور جملہ دوم وان كان بقضاء کو بواہ قرار دیا مگر مترجم کے نزدیک اس عبارت میں بحسب المعنى غلطی ہے اور صواب یہ ہے کہ جملہ اول عطف ہے مضمون سابق پر اور جملہ دوم میں واو کو ترک و دور کرنا واجب ہے اور حاصل مسئلہ یہ ہے کہ دار مبیعہ میں اگر عیب پا کر واپس کیا تو دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قبضہ کرنے کے بعد واپس کیا اور دوم یہ کہ قبضہ سے پہلے واپس کیا پس اول صورت میں اگر بغیر حکم قاضی واپس کیا تو دوبارہ شفیع کو شفعتہ میں لینے کا اختیار ہو جائے گا اور اگر بحکم قاضی ہو تو نہیں - اور دوسری صورت میں اگر بحکم قاضی واپس کیا تو نہیں لے سکتا ہے و ہذا معنی قولہ وان كان الرد بالعيب قبل قبض الدار ان كان بقضاء فلا شفعتہ للشفيع آخره بالجملہ جس صورت میں واپسی متعاقدین کے حق میں نسخ بمعنی اقالہ ہو اور دوسروں کے حق میں بیع جدید ہو تو شفیع کا اس جدید بیع کی راہ سے مکرر شفعتہ حاصل ہوگا فلینامل اور واضح ہو کہ در صورت عدم القبض کے بغیر حکم قاضی واپس کرنے کو امام محمد کے نزدیک بیع جدید کے معنی میں نہیں قرار دیا لیکن شیخین کے قول پر مشائخ کا اختلاف نقل کیا کہ بعض کے نزدیک تجدید شفیع ہوگی اور بعض کے نزدیک نہ ہوگی اس تجدید شفیع نہ ہونے کا قول اس اصل پر ہوگا کہ قبل قبضہ کے واپسی بسبب عیب کے شیخین کے نزدیک ہر طرح نسخ بیع ہے اور اقالہ کے معنی میں نہیں ہے اور ظاہر یہی قول اصح معلوم ہوتا ہے پس ائمہ ثلاثہ کا اجماع ہو جائے گا بدلیل مسئلہ ذخیرہ کے جو اس کے بعد مذکور ہے یعنی اذا سلم الشفيع الشفعتہ ثم ان المشتري رد الدار على البائع الى آخره کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے پھر واضح ہو کہ ذخیرہ کی اس عبارت میں بھی کاتب نے دو جگہ فاحش غلطی کی ہے اول قولہ ان كان الرد سبب هو فسوخ جدید من كل وجه اقول جدید کا لفظ غلط مہمل ہے اور صواب یہ ہے کہ اس کو ترک کر کے یوں کہا جائے بسبب هو فسوخ من كل وجه اور نسخ



قدیم نہ تھا جس کا جدید تصور ہو۔ دوم قولہ سواء کان الفسخ بسبب ہو فسخ من کل وجہ او بسبب ہو فسخ من وجہ جدید من وجہ کذا فی الذخیرہ ظاہر عبارت یہ معلوم ہوتی ہے کہ او بسبب ہو فسخ من وجہ و بیع جدید من وجہ ..... اگرچہ اس مقام پر ایجاز عبارت پر محمول کر کے موصوف مذکور کی تقدیر ممکن ہے۔

باب ہفتد ہم کذانی الظہیر یہ رجل اشتری واراد قبضها فاراد الشفیع اخذها قوله لا یصدق ولا لیجعل خصما للشفیع۔  
اقول لا یجعل بصیغہ نفی غلط فاحش ہے اور صواب علی الاثبات یعنی لا یصدق ویجعل ..... ہے۔ یعنی مشتری کے قول کی تصدیق نہ ہو گی اور جب نہ ہوئی تو وہ شفیع مقابلہ میں خصم قرار دیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنا حق ثابت کر کے مشتری سے لے لیا اور اگر تصدیق ہوتی تو مشتری مستودع ہو کر خصم نہ ہو سکتا۔ اور واضح ہو کہ مشتری کا یہ قول بعنہا عن فلان و خرجت من یدی کما فی النسختہ او یقال بعنہا من فلان واجر جہتا من یدی کما ہو عندی۔ یعنی میں نے اس دار کو فلاں کے ہاتھ فروخت کیا اور اپنے ہاتھ سے نکال دیا۔ پس یہ قول مشتری کا اس امر کی توضیح ہے کہ خالی عقد بیع نہ تھا بلکہ عقد کے ساتھ میں نے اپنے قبضہ سے نکال کر اس کے قبضہ میں دیدیا پھر اس نے میرے قبضہ میں بطور امانت ودیعت کے دیا ہے پس میرا قبضہ اس وقت قبضہ امانت ہے فافہم۔۔۔ اس سے کچھ دور بعد قولہ لان صاحب الدار یما اقر بالہبتہ الصحیح لما اقر ..... اور اسی باب میں کذانی التا تار خانہ رجل فی یدیہ دار ..... میں قولہ وان الی ذلک اخذ الشفیع الدار ودفع الثمن ویرو۔ اقول یوں کہنا چاہئے ووقع الثمن علی البائع ویرو آخرہ کمالا یخفہ علی المتجال۔ اور واضح ہو کہ کذانی الکافی الاستحقاق بحق سابق علی العقد یبطل العقد و بحق متاخر عنہ لا یبطلہ پھر اس کے بعد لکھا والشفیع کما یتقدم علی من قام مقام مشتری۔ قال المترجم یوں ہی ان نسخوں میں مسطور ہے اور اس عبارت کے مہمل ہونے میں شک نہیں اور مترجم زیادہ اس کے غور میں وقت نہیں پاتا ہاں سرسری میرے نزدیک صواب یہ ہے کہ والشفیع کما یتقدم علی مشتری یتقدم علی من قام مقام مشتری۔ یعنی جیسے مشتری پر شفیع کو تقدم ہے ویسے ہی جو مشتری کی جگہ قائم ہو اس پر بھی شفیع کو تقدم ہے۔ و علی ہذا عبارت میں سے ایک فقرہ ندر ہے فافہم۔

## کتاب القسمتہ

### باب دوم

اس کے ظاہر فاحش اغلاط میں سے ہے کذانی الکافی رجل مات و ترک ثلاثہ بنین و ترک خمستہ عشر خالیۃ ضم منہا مملوۃ غلا و خمس منہا خالیۃ والکل۔ احوال اس میں سے ایک فقرہ ندر ہے اور وہ مطبوعہ کلکتہ سے بھی ساقط ہے اور صواب یہ کہ و خمس منہا الضا انصافہا والکل آخرہ اسی باب دوم میں قولہ و کان لصاحب الثلثۃ اربعۃ من خمسۃ دراهم کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ بجائے ولو کان بو او عطف کے فکان بقاء تفریع واجب ہے۔ اور اس سے کچھ بعد ایک جہالت کی غلطی یہ ہے کہ الابد۔ ایک سطر میں اور ان تقسیم دوسری سطر میں لکھا ہے حالانکہ الابدان جمع البدن ہے قال المترجم ظاہر صحت کی حالت میں نقوش اصل کے سوائے معانی کتاب پر لحاظ کے ساتھ صحت کی توفیق عنایت نہیں ہوئی اور ایسے مقامات دیکھ کر مترجم کو تعجب ہوا کہ بعض صحیح مقامات اصل میں کس وجہ سے عبارت بدلی گئی چنانچہ کتاب السیر مجلد دوم کے ایک مقام ظاہر ہوگا جس کے حاشیہ پر مترجم نے مفصل ذکر کیا ہے باب سوم شروع میں و ذکر الخصاص دار بین رجلین نصیب کل واحد لا ینتغ بہ بعد القسمتہ و طلب القسمتہ ..... اقول یوں ہی طلب بصیغہ مفرد مذکور ہے لیکن مترجم کے نزدیک غلط ہے بنا برائیکہ جب حصہ بعد تقسیم کے کسی کا اس قدر ہو کہ قبل تقسیم

کے جو انتفاع ممکن تھا وہ حاصل نہ ہو سکے تو قاضی ایسی تقسیم بدرخواست واحد نہیں کر سکتا ہے اور یہ اصل مذکور ہو چکی پھر باوجود اس کے یہ حکم کیونکر صحیح ہوگا اور علاوہ اس کے مابعد میں قولہ وان طلب احد ہما القسمتہ کے معنی نہ ہوں گے یا مناقض ہوگا پس صواب میرے نزدیک و طلبا القسمتہ بصیغہ تثنیہ ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم اور ایسے ہی ایک ورق بعد قولہ و شرط الترتک میں صواب دونوں کا باتفاق شرط لگانا چاہئے یعنی و شرط الترتک لا یجوز عند ہما و یجوز فی قول محمد کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور ایسے ہی دو ورق بعد قولہ فان ذکر ان لكل واحد میں تنبیہ لازم ہے یعنی فان ذکر ان لكل واحد منہما نصیبہ بحقوقہ دخل الطریق و مسیل الماء فی القسمتہ الی آخرہ اور اس سے ایک ورق کے بعد مسئلہ بایں عبارت مذکور ہے وان کان بین رجلین دارا قسما علی ان یاخذ احد ہما الدار والاخر نصف الدار جاز وان کانت الدار افضل قیمتہ من نصف الدار کذا فی المحيط۔ قال المترجم اس عبارت میں تحریف ایسے طور پر واقع ہوئی کہ تصحیح میں سخت دقت ہے پس اگر بطریق باہمی صلح کے ہوتا تو دوسرے دار پر محمول کیا جاتا جیسا مسائل مابعد میں مذکور ہے لیکن مذکور باہمی اقسام ہے اور شاید یہ معنی ہوں کہ اقسام بدین طریق کیا کہ دونوں کے حصص میں کامل دار اور نصف دار کی نسبت ہو لیکن یہ بھی اقسام نہیں بلکہ نوع اصطلاح ہے پھر دار واحدہ میں باوجود عدم اختلاف جنس کے جواز کی صورت کیونکر ہوگی کیونکہ نہ اختلاف جنس اور نہ معنی اختلاف جنسی حالانکہ قسمت میں معنی معاوضہ سے انفکاک نہیں ہوتا اور تخصیص اس امر کا دار ازراہ قیمت کے چاہے نصف سے افضل ہو اس خلجان کو رفع نہیں کرتا فلینا مل فانه موضع تامل۔ باب ششم اوائل میں قولہ والمکیل والموزون جمیعاً لاحد ہما اقول الصواب لا احد ہما اور اس کے کچھ بعد قولہ الا ان یکون قسم الذی لم یر المال سرہما اقول یوں ہی سرہما مسطور ہے اور یہ تشحیذ الاذہان کے لئے مترجم نے چھوڑا اگرچہ مطلب ظاہر ہے پھر دوسرے صفحہ میں دو غلطیاں لفظ میں لیس اور معنی میں فاحش ہیں اول قولہ فان کان المقسوم شیئا واحد احقیقته او حکما اقول بجائے او کے واو چاہئے ہے اور دوم اسی مسئلہ کے حوالہ ختم کے قریب قولہ لا یبطل الا بانشاء السکنے اقول حرف استثناء الا غلط ہے اور صواب فقط لانا فیہ ہے و بہ قطع المترجم و تامل فیہ باب ششم اوائل میں قولہ و علی ہیت دین فجاء الغریم اقول ظاہر افجاء الغرما صحیح ہے بنظر عبارت مابعد کے فافہم۔ ایک ورق بعد قولہ کان الغرماء المیت الثانی ان یطلبو القسمتہ اقول اس کے معنی تو بظاہر بہت صاف و شستہ ہیں کہ میت دوم کے قرضخواہوں کو درخواست تقسیم کا اختیار حاصل ہے لیکن مترجم کے نزدیک بحسب المقصود غلط ہے اور صواب ان یطلبو اھی یعنی قرض خواہان میت دوم کو تقسیم و بوارہ باطل کردینے کا اختیار ہے اور ملحق باب یازدہم قولہ ولا یجر المستحق علیہ کذا فی المحيط صواب لا یخیر ہے از باب تخیر اور باب جبر سے نہیں ہے باب یازدہم شروع صفحہ ۳۳۹ قولہ لا یقع له فی القسمتہ الثالثہ عشرة اذرع والصواب ان یقال القسمتہ الثانیۃ عشرة اذرع متصلاً بدارہ فلا یقید اعادة القسمتہ کذا فی المحيط۔ باب یازدہم قولہ اقر احد ہما الاصل میت۔ اقول لم یقع عندی من لفظ الاصل معنی و لعلہ انطبع بزلتہ قلم الناسخ فالصواب عندی اقر احد ہما ببیت منہ بعینہ لرجل وانکر لشریکہ الی قولہ کذا فی شرح الطحاوی۔

## کتاب المز ارعۃ

### باب سوم

صفحہ ۳۷۷ میں عبارت اس طرح مذکور ہے و كذلك اذا قال مازرعت فیہا بکرا ب فیکذا او بغیر کرا ب فیکذا اقال۔ ارعۃ جائزۃ۔ اور اس کے بعد لکھا: و كذلك اذا قال مازرعت منہا بکرا ب فیکذا او مازرعت منہا بغیر کرا ب فیکذا قال المزارعۃ

جائزہ۔ پس فرق دونوں میں یہ ہے کہ اول میں لفظ فیہا سے ضمیر اس زمین کی طرف راجع کی اور بدون استقلال ذکر فعل کے قولہ و بغیر کراب فیکذا۔ کو اول جملہ پر عطف کر دیا اور ثویج العباض کی اسی سے سمجھی گئی اور دوسرے مسئلہ میں بجائے فیہا کے منہا سے تبعیض اور قولہ مازرعت منہا بغیر کراب عطف جملہ بر جملہ سے استقلال واضح کر دیا ورنہ فی المعنی بہت کم فرق ہے کما لا یخفی غیر ان المسائل ترکہا الاحکام بجز بیان تک الالفاظ۔ قال المترجم اللہ تعالیٰ عزوجل کے واسطے تسبیح و حمد ہے کہ جہاں تک اپنے فضل سے اپنے بندہ عاجز کو تو توفیق عطا فرمائی اس کتاب احکام میں مسائل کے الفاظ اور وجوہ تعلق حکم وغیرہ پر بخوبی لحاظ رکھا گیا اگرچہ اصل عربی کے بارہ جزو ماہواری ترجمہ کرنے کی صورت میں خالی کتابت کی مہلت میں استعجاب کیا جاتا ہے کہاں اس کا ترجمہ کرنا اور اغلاط الاصل وغیرہ کو دیکھنا اور الفاظ کی رعایت اور وجوہ تعلق احکام بالفاظ کا لحاظ اور سوائے اس کے بہت امور ہیں جو بکمال نظر اس ترجمہ کو دیکھنے سے انشاء اللہ تعالیٰ اہل العلم کو ظاہر ہوں گے پس اگر بہتری و خوبی پائیں تو سب حمد و ثنا حضرت مولیٰ حق سبحانہ و تعالیٰ کے واسطے ہے جس نے اپنے عاجز بندہ کو توفیق عطا فرمائی ورنہ وہ جیسا لغو ہے خود ہی خوب جانتا ہے بلکہ نہایت لغویت سے اپنے آپ کو نہیں پہچانتا ہے ورنہ خوب ہوتا اگر اپنے کو پہچانتا لہذا اصالحین امت و بندگان نیکو کار سے امید ہے کہ مترجم کو دعائے مغفرت سے فراموش نہ فرمائیں گے کیونکہ اس کو کسی فضل کی خواستگاری نہیں بلکہ مغفرت الہی و عفو جرائم و رحمت حق سبحانہ تعالیٰ کی امیدواری ہے وان ربی تبارک و تعالیٰ عفو جواد ملک کریم غفور رحیم صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا عبدہ و رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ باب چہارم اسی صفحہ کے آخر میں۔ وقع نخیلہ الی رجل معامله بالنصف علی ان یلحقہ۔ الصوب علی ان یلحقہ یعنی من الخ۔ باب نہم آخر باب میں متصل باب دہم کے قولہ ولو اراد المزارع القلع فلرب الارض ذلک من غیر رضاء المزارع اقول محصل اس عبارت کا ظاہر الغلط ہے بظاہر کچھ عبارت ساقط ہو گئی ہے مثلاً یوں کہنا چاہیے۔ ولو اراد المزارع القلع و اراد رب الارض ان یتملک حصۃ بالقیمۃ فلرب الارض ذلک الی آخر ہا اور مترجم نے اسی عبارت کے معنی کو ترجمہ میں ذکر کیا ہے فتدبر فیہ۔ باب سیزدہم۔ اول مسئلہ میں قولہ ازسرق الزرع و ہذا الان۔ اقول صواب میرے نزدیک ہذا الان بلام تعلیل ہے۔ باب نوزدہم کذانی الخلاصہ قال محمد فی الاصل اذا وقع الرجل ارضہ الی آخرہ اس مسئلہ میں لکھا استہلک المزارع الکری الذی۔ ظاہر صواب الکر الذی ..... ہے باب بستم بیان کفالت در مزارعت اس میں یہ عبارت مذکور ہے وان کان البذر من جہت رب الارض فلا یخلو اما ان شرط فی المزارعۃ عمل المزارع بنفسہ اولم یشرط فان شرط تصحح الکفالت والمزارعۃ جمعاً کانت مشروطۃ فی العقد ام بعدہ لانہ کفیل بمضمون امکنہ استیفاء من الکفیل الی آخر ہا۔ اقول اس عبارت میں ظاہر تامل ہے کیونکہ جب عقد مزارعت میں کفالت مشروط ہے اور مزارعت اس شرط سے ہے کہ کاشتکار بذات خود کام کرے تو کفالت اگرچہ امر مضمون کے لئے واقع ہوتی لیکن کفیل سے بعینہ عمل کاشتکار کا استیفاء ممکن نہیں ہے پس قولہ فان شرط تصحح الکفالت والمزارعۃ جمعاً کانت مشروطۃ فی العقد ام بعدہ منظور فیہ ہے چنانچہ خود آگے لکھا کہ فاما اذا شرط فی المزارعۃ عمل المزارع بنفسہ فان کانت الکفالت مشروطۃ فی العقد فسد تاوان لم تکن صحیحۃ المزارعۃ و بطلت الکفالت لانہ کفیل بما لا یملکن استیفاءہ من الکفیل لان عمل المزارع لا یملکن استیفاءہ من غیرہ۔ پس صواب میرے نزدیک یہ ہے کہ بجائے فان شرط کے فان لم یشرط ہو اور اس کی توضیح یہ ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں ایک تو عقد مزارعت جس میں کبھی یہ شرط ہوتی ہے کہ کاشتکار خود کام کرے اور کبھی نہیں ہوتی ہے۔ دوم عقد کفالت اور وہ کبھی عقد مزارعت کے اندر مشروط ہوتا ہے بدین معنی کہ مزارعت اس شرط سے قرار پائے کہ مزارع مثلاً کفیل دے گا اور کبھی عقد مزارعت میں مشروط نہیں ہوتا ہے جب یہ ظاہر ہو گیا تو جس صورت میں بیع از جانب مالک زمین ٹھہرے ہیں تو کاشتکار پر کارزارعت واجب ہے مگر نہ خاص کر بذات خود بلکہ یہ فعل زراعت کا اس کی طرف سے پورا ہونا چاہیے پس اس کی کفالت صحیح ہے۔ پس کتاب میں اگر موافق زعم مترجم کے ہو تو اس کے معنی مع الشرح

یوں ہوں گے۔ وان كان البذر من جهته رب الارض۔ اگر عقد مزارعت میں بیج مالک زمین کی طرف سے ٹھہرے ہو حتیٰ کہ کاشتکار کے ذمہ کام امر لازم ہوگا۔ فلا یغلو اما ان شرط فی المزارعة عمل المزارع بنفسه اولم بشرط تو کفالت کا حکم بیان کرنے کے واسطے اس تفصیل کا معلوم ہونا ضرور ہوگا کہ عقد مزارعت میں کاشتکار کے ذمہ بذات خود کام کرنا مشروط کیا گیا ہے یا نہیں کیا گیا۔ فان شرط اقول غلط والصواب ان یقال (فان لم یشرط) تصح الکفالتہ والمزارعتہ جمیعاً پس اگر عقد مزارعت میں کاشتکار کے ذمہ بذات خود کام کرنا مشروط نہ ہو تو اسی صورت میں کفالت انجام دہی فعل کاشتکاری کی صحیح ہوگی پس کفالت و مزارعت دونوں عقد ہر حال میں صحیح ہوں گے خواہ کانت مشروطتہ فی العقدام بعدہ۔ عقد کفالت اسی عقد مزارعت کے اندر مشروط ہو یا بعد عقد مزارعت کے پھر عقد کفالت واقع ہوا ہو اس لئے کہ عقد مزارعت میں جب کاشتکار پر بذات خود کام مشروط نہیں ہے تو اس پر خالی یہ واجب ہے کہ کارزارعت کو پورا کر دے خواہ بذات خود یا کسی اپنے نوکر یا مددگار وغیرہ سے اور جب کفیل نے اس کی طرف سے کفالت کی تو ایسے امر کی کفالت کی جو کاشتکار پر لازم تھا اور اس طرح لازم تھا کہ کفیل بھی اس میں نیابت کر سکتا ہے پس کفالت صحیح ہوگی۔ لانہ کفل بضمون اکمنہ استیفاوہ وہ من الکفیل۔ کیونکہ کفیل نے ایسے فعل مضمون کی کفالت کی جس کا پورا کر لینا کفیل کی ذات سے ممکن ہے۔

یعنی مکفول بہ میں دونوں صفت ہیں ایک تو یہ کہ جس فعل کی کفالت کی وہ مکفول عنہ پر لازم و مضمون تھا اور دوم یہ کہ اس کا پورا ہونا کفیل سے بھی ممکن ہے پس دونوں باتوں کو بیان کیا اول بقولہ لان العمل مضمون علی المزارع یجر علی القاءہر وقدلزمہ هذا العمل بحکم المزارعتہ۔ کیونکہ یہ کام مکفول عنہ یعنی کاشتکار پر مضمون ہے بدین معنی کہ اس کو پورا کرنے کے لئے اس پر جبر کیا جائے گا اور یہ اس پر عقد مزارعت قبول کرنے کی وجہ سے لازم آیا ہے و دوم بقولہ۔ وامکن اخذ استیفاوہ من الکفیل اور اس کو کفیل سے بحکم کفالت پورا کر لینا ممکن ہے اور واضح ہو کہ اس کے بعد یہ عبارت مسطور ہے فان اخذ المكفول له والکفیل ..... اقول واو غلط ہے اور لفظ مکفول لہ فاعل اور کفیل مفعول بہ واقع ہوا ہے اور اس تفریع میں یہ بیان ہے کہ کفیل نے اگر بحکم کفالت کام انجام دیا تو اس کو کیا ملے گا یا مفت تبرع ہوگا۔ پس بیان مذکورہ بالا سے واضح ہوا کہ اگر عقد مزارعت میں مزارع کا بذات خود کام مشروط نہ ہو تو کفالت کی دو صورتیں ہیں یا تو کفالت عقد مزارعت میں مشروط ہوگی۔ یا بعد کو واقع ہوگی پس یہ دونوں صورتیں کفالت کی اس تقدیر پر جائز ہیں۔ اب رہا بیان اس امر کا کہ جب مزارعت میں مزارع کا بذات خود کام کرنا مشروط ہو تو اس میں بھی کفالت کی دو صورتیں ہیں یا تو عقد مزارعت میں مشروط ہوگی یا بعد کو واقع ہوگی پس اس تقدیر پر اگر کفالت عقد مزارعت میں شرط ہو تو مزارعت و کفالت دونوں باطل ہیں اور اگر بعد کو واقع ہوئی تو مزارعت صحیح و کفالت باطل ہے اور اسی کو بیان کیا بقولہ فاما اذا شرط فی المزارعتہ عمل المزارع بنفسه الی آخرہ۔ بالجملہ مترجم کے نزدیک اس مسئلہ میں دو جگہ غلطی ہے اول فاحش غلطی قولہ فان شرط تصح الکفالتہ الخ ہے اور صواب فان لم یشرط ..... ہے اور دوم قولہ اخذ المكفول له والکفیل ..... میں واو عاطفہ درمیان فاعل و مفعول بہ کے غلط ہے اور صواب اس کا ترک ہے۔ قال المترجم حمد و ثناء خالص اللہ تعالیٰ عزوجل کو ہے جس نے اس ضعیف کو باوجود اس قدر عجلت و کثرت ترجمہ کے ایسے اغلاط کی توفیق صحیح عطا فرمائی فہ الحمد فی الاولی والآخرۃ والحمد للہ رب العالمین۔

## کتاب المعاملہ

## باب دوم

کذا فی التاتارخانیہ واذ وقع الرجل تخیلاً معاملته الی رجلین علی ان یلقحاه الی آخر المحيط۔ اس مسئلہ میں فان کان یعلم ان السقی لا یوثر قوله وان شرط عمل رب الارض۔ ایک سطر عبارت مکرر واقع ہوئی ہے متنبہ ہونا چاہیے اور اس سے چار ورق کے بعد اسی باب میں کذا فی التاتارخانیہ قلا عن العتاییہ رجل له شجرة تعرف فی ملک الغیر وینبت العروق اقول ایک شخص کا ایک درخت ہے جسکی جڑیں دوسرے کی زمین تک پھلیں اور وہاں ان جڑوں سے پودے پھوٹے۔ فوہب صاحب الشجرة تلك التالات لامن صاحب الارض پس مالک درخت نے یہ پودے کسی غیر کو نہ مالک زمین کو ہبہ کر دیے فان كانت التالات تبلیس اذا قطت الشجرة لم تجز الهبته وان كانت لا تتلبس فالهبته جائزة کذا فی فتاویٰ الکبریٰ۔ اقول یہ قید کہ مالک درخت نے یہ پودے مالک زمین کو نہیں بلکہ کسی دوسرے کو ہبہ کئے اگر اس وجہ سے ہے کہ امام کے نزدیک ہبہ مشاع اپنے شریک کو جائز ہے اس سے احتراز کے لئے وضع میں تغیر کیا تو مالک زمین کی شرکت منظور فیہ ہے حتی کہ اس کے حق میں ہر طرح جائز ہوتا۔ یا مفہوم یہ کہ اس کے حق میں نہیں جائز ہے جس وجہ سے کہ غیر کے حق میں جواز کا حکم دیا گیا مثلاً تو بھی منظور فیہ ہے کیونکہ ان مسائل میں مفہوم معتبر ہے۔

خیر اس بیان استطرادوی سے قطع نظر کر کے مترجم کہتا ہے کہ قوله تتلبس بلاہ اد تلبس خواہ مثبت جیسے شق اول میں ہے خواہ منفی جیسے شق دوم میں مسطور ہے میرے نزدیک غلط ہے بلکہ مہمل ہے اور صواب میرے نزدیک بتاء تانیث حرف مضارع دیا آہستہ و باء موحده وسین مہملہ تیس ازیس تیس ہے والمعنی پس اگر یہ پودے ایسے ہوں کہ درخت کاٹے جانے پر خشک ہو جائیں تو ہبہ جائز نہ ہوگا اور اگر ایسے ہوں کہ اس حالت پر خشک نہ ہو جائیں گے یعنی بطور مستقل خود درخت ہو گئے ہیں تو ہبہ جائز ہے فافہم۔

## کتاب الذبائح

## باب اول

دو ورق بعد کذا فی القنیہ ولو قال بسم اللہ و صلی اللہ علی محمد المحيط میں قوله وان اراد الترتک ینذکر۔ الصواب اراد التبرک..... یعنی تفعل از برکت صحیح ہے۔ باب دوم درندگان وحشی میں سے ذوناب کی تعداد بیان کرنے میں لکھا : والسمور والدلق والذب والقر دو القمل ولخوه فلا خلاف فی هذه الجملة الا فی الفیہ فانه حلال عند الشافعی اقول مترجم اس کتاب الذبائح میں بسبب ضیق فرصت و اتفاقہ ہوموم علالت کے بہت پریشان رہا لہذا اہل کرم معذور فرمائیں گے جہاں تک توفیق حاصل ہوئی کوشش کی گئی بعد اعتذار کے مترجم کہتا ہے کہ اس عبارت میں کئی جگہ خلل و مزلقہ سدید ہے شدید ہے اول دلق بدل مہملہ و لام قاف یہ لفظ معرب ولہ ہے اور اس کے معنی میں سے گر بہ صحرائی یعنی جنگلی بلی یہاں مراد نہیں کیونکہ سنور بری کو پہلے ذکر کر دیا ہے بلکہ قائم مراد ہے جس کی پوتین واون وغیرہ بیش قیمت گنی جاتی ہے اور اس کو بھی قائم کہتے ہیں پوتین قائم نہیں کہتے جیسے سمور و سنجاب کا حال ہے حالانکہ یہ بھی دونوں جانور صحرائی درندہ ہیں اور اس طرح پوتین وغیرہ کا انتفاع ان سے گراں بہا شمار کیا جاتا ہے۔ دوم الذب نسخہ اول میں بذال منقوط و باء موحده مسطور ہے اور یہ گاوشی یا سراگائے ہے جس کا چنور مشہور ہے لیکن بالاتفاق اس کی حرمت و اس کا درندہ ہونا دونوں ٹھیک نہیں ہے لہذا صواب بدل مہملہ بمعنی خرین یعنی ریچھ ہے اور وہ بالاتفاق حرام ہے سوء القر دو القمل اول لفظ بقاف وراء و وال ہر دو بے نقطہ مسطور ہے اور صحیح ہے لیکن ظاہر اس صحیح کرنے والے نے یا کاتب نے اس کو قرار بالضم بمعنی کنہ سمجھ کر دوسرے لفظ کو قمل بقاف و میم و لام لکھ دیا لیکن صحت کرنے والے سے عجب ہے کہ اس نے درست رکھا۔ واضح ہو کہ قراد بالضم بروزن

کناہ کلنی یا چیچڑی کے اقسام میں سے ہے مگر بڑی کلنی کو حملہ کہتے ہیں اور اسی لفظ کا ترجمہ مترجم جلد اول نے اپنے محاورہ سے بڑی کلی لکھا اور کلی بکاف عربی وہاں کی زبان میں کلنی یا چیچڑی کو کہتے ہیں مگر بعض اعظم سہارنپور نے اس کو شاید گلی بکاف فارسی پڑھا اور اسی بنا پر حملہ کا ترجمہ بڑی گلی غلط قرار دیکر رد کیا تھا اور یہ تردید براہ نفاست نہیں ہوتی ہے بلکہ ہم سب اس وجہ سے معذور ہیں کہ شرع والا ہم پر حاکم ہے ناچار ہم کو روانہ نہیں کہ اس کے پاکیزہ مصفا احاطہ میں کوئی تزکا باقی چھوڑیں پس خالص مقصود یہ کہ اگر ہم میں سے کوئی اپنی خدمات گزاری میں کہیں چوک جائے تو دوسرا شفقت سے بواجبی حکم شرعی اس کی اصلاح کر دے اور سہو میں کچھ عیب نہیں ہے کیونکہ اس سے بشریت خالی نہیں ہو سکتی الامن عصمہ اللہ تعالیٰ عزوجل۔ چنانچہ فاضل لکھنوی نے اغرقہ اللہ تعالیٰ بفضلہ فی بحار رحمۃ سبحانہ عزوجل اپنے حاشیہ عمدۃ الرعا یہ علی شرح الوقایہ جنایات کتاب الحج میں قراد کا بوز نہ ترجمہ کر دیا۔ لہذا متنبہ واجب ہے کہ کوئی شخص اس حکم کو جو وہاں مذکور ہے بوز نہ یعنی بندر کے واقعہ پر محمول نہ کرے بلکہ جو معنی مذکور ہوئے وہی مراد ہیں واللہ اعلم اور رہا قراد بالکسر بدون الف بمعنی بندر اور یہی یہاں مراد ہے اور دوسرا لفظ قمل جس کو فارسی میں سپش و ہندی میں جون یا چیلر کہتے ہیں یہاں صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ درندہ صحرائی و ذوات یا ذو ظلب نہیں ہے اور صواب میرے نزدیک لفظ الفیل بقاء و یا تحقیق و لام ہے یعنی ہاتھی اور وہ بیشک موذی درندہ ہے خواہ گوشت ہی اس کی غذا ہو یا نہ ہو اور اس کے حرام ہونے پر اتفاق ہے اور عوام کے قول سے کہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے بحث کرنا مہمل ہے۔ حاصل یہ کہ عبارت مذکورہ میں مترجم کے نزدیک بجائے ذب بذال منقوطہ کے صواب دب بدال مہمل ہے اور بجائے قمل کے صواب قیل ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور اسی صفحہ کے آخر میں قولہ واذا اخذ قرحتہ تقیاً کذا فی الظہیریہ۔

زندہ غور نظر سے تصحیح کرنا چاہئے اور باب سوم سے دوسرے پہلے قولہ ان اعلتف ایا ما فلا باس اقول الصواب اعتلف باب سوم میں وجیز کروری سے بعد فتاویٰ کبریٰ کے مذکور ہے ولو انتزع الذنب راس الشاة وہی حیة تحل بالذبح بین اللبتہ وللحیین اور معنی یہ ہوے کہ اگر بکری کے زندہ ہونے کی حالت میں بھیڑے نے اس کی سری کو جدا کر لیا تو دونوں جڑوں و لبہ کے بیچ میں ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گی اقول ظاہر امراد یہ ہے کہ جیسے انسان کے سر میں کانسہ کی ہڈی ہوتی ہے ویسے اوپر کی ہڈی اس نے نو چکر جدا کر لی اور قولہ وہی حیہ سے یہ مراد ہے کہ اس زخم سے اس کی حیات باقی رہی تو دونوں جڑوں و لبہ کے بیچ کا جو مقام باقی ہے اس کے ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گی اور اگر یہ مراد نہ ہو تو سری پائے الگ کر ڈالنے سے جڑے و لبہ باقی نہیں جس کے بیچ سے ذبح کیا جائے اور اگر یہ مراد لی جائے کہ حین و لبہ کے بیچ کا مقام اگر چہ جڑا نہ ہو تو بھی اس امر دیگر سے مخلص نہیں کہ ہلاکت اس کی اسی زخم سے ہوگی نہ ذبح سے اللهم الان یقال ان العبرة لتقدم الجروح المهلکتہ علی الذبح فی الصبود و لیس هذا عندی بشئ۔ اور اگر اصل نسخہ میں بجائے تحمل کے لا تحمل ہو تو کچھ اشکال نہیں ہے یا شاید بجائے قولہ ولو انتزع الذنب یا ولو انترا کے ولو تتر الذنب ہو اور تر سختی سے کھینچنا یا تباہ و کوفتہ کرنا مراد ہو مگر نہ اس قدر کہ جس سے حکم ہلاکت میں ہو جائے چنانچہ قولہ وہی حیہ سے اس و ہم کو دفع کر دیا بالجملہ مقام محل تامل ہے اور مترجم کو غور کرنے کا وقت نہیں ملتا ہے واللہ تعالیٰ هو الموفق لمن اراد حسن السلوک فی طریق الآخرة نعمال مولیٰ و نعم النصیر۔

## کتاب الاضحیہ

باب اول کے صفات اضحیہ میں قولہ ولو کان فلك انسان شاة۔ الصواب فی ملک انسان۔ باب ہشتم صفحہ ۴۶۲ و كذلك ان اراد بعضهم العقیقہ عن ولد و ولد من قبل۔ اقول الصواب ان یقال عن ولد و ولد۔ یعنی ایسے فرزند سے جو اس کا قبل

ازیں پیدا ہوا ہے۔

## کتاب الکراہیۃ

باب یازدہم کذا فی الحاوی اذا اکل الرجل اکثر من حاجته لیتقا قال الحسن لابا من به وقال رایت انس بن مالک یا اکل ..... قال المترجم ابتداء میں سرسری نظر سے بلحاظ اس اصل کے کہ ہماری کتابوں میں نہیں جہاں حسن مطلقاً آئے تو مراد حسن بن زیاد ہیں مترجم کو یہاں بھی زعم ہوا کہ حسن بن زیاد مراد ہیں اور یہ افتق بمقام معلوم ہوتا تھا لہذا میں نے تولد رایت انس بن مالک کی جگہ مالک بن انس امام مدینہ کیے ازامہ اور بعد رحمہم اللہ تعالیٰ صحیح جاننا اگرچہ ترجمہ میں اصل کے موافق رکھا لیکن حاشیہ پر کچھ لکھا تھا اور بناء پر اس طریقہ کے کہ جہاں تک ممکن ہوا ہے اصل سے مخالفت نہیں کی گئی ہے چنانچہ مقدمہ میں یہ انتخاب بھی اسی احتیاط کی وجہ سے ہے مگر اس کی تصحیح اس طرح کی گئی کہ مراد حضرت حسن بصری امام تابعی معروف ہیں اور اصل مذکورہ بالا سے بھی مخالفت اس توجیہ سے مرتفع ہے کہ قولہ وقال رایت انس کو یا تقیید کہ حسن سے وہ مراد ہیں جنہوں نے حضرت انس کو دیکھا پس بمنزلہ حسن البصری صریح ذکر کے ہوا فافہم اور شاید توجیہ یہی حاشیہ پر ذکر ہو۔ پھر دوسرے صفحہ میں قولہ ومن السنة ان یا اکل الطعام من وسطه فی ابتداء الاکل کذا فی الخلاصة اقول میرے نزدیک مسئلہ جو بیان طریقہ سنت کے واسطے تھا وہ بیان خلاف سنت ہو گیا کیونکہ صحابہ میں صریح ممانعت ابتداء میں درمیان طعام سے کھانا کھانے سے آئی ہے اور روانہ نہیں ہے کہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو منسوب کیا جائے پس صواب یہ کہ کاتب نے غلطی کی اور صحیح ومن السنة ان لیا اکل بصیغہ نفی ہے فاحفظہ وایضاً باب یازدہم صفحہ ۵۱۳ کذا فی السراجیہ و ذکر محمد جدی او حمل الی قوله و کذا الماء اذا غلب و صار مستقذراً طبعاً کذا فی القنیہ اقول یہ روایت قدیہ کے منقولات میں سے ہے اور ظاہر معنی یہ ہیں کہ ایسے ہی پانی کا حکم ہے کہ جب اس میں آدمی کا پسینا یا ناک کے ریخت یا آنسو گریں اور پانی غالب رہے تو اس کا پینا روا ہے اور وہ ازراہ طبیعت کے پلید ہو گیا کذا فی القنیہ اور مترجم کہتا ہے کہ شاید قولہ و کذا العرقہ پر عطف ہو یعنی نہ پیا جائے گا لیکن قولہ اذا غلب کا فائدہ کمتر ظاہر ہوتا ہے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس واسطے کہا کہ باوجود پانی غالب ہونے کے بھی جبکہ طبعاً مستقذراً ہے تو پینا نہ جائے گا اور مترجم کہتا ہے کہ طہیبات حلال ہونے کا حکم جو کلام مجید میں مذکور ہے اس آیت کی تفسیر اردو میں مترجم نے تفصیل کافی جمع کی ہے وہاں سے پوری نظر حاصل کر کے تب اس روایت پر غور کرنا واجب ہے ورنہ اعتبار نہیں چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم باب دوازدہم سے ملحق اس باب کے مسئلہ نمبر کو جو اہر الفتاویٰ سے نقل کیا اور حکم یہ دیا کہ انکل سے معاوضہ دینا جائز ہے واقول یہ بنا براس روایت کے کہ ایک لپ بھر یا دولپ بھر میں ربوا کا حکم جاری نہیں جیسا کہ بیوع میں معلوم ہوا پس مراد خمیر سے اس قدر کہ اس کا وزن یا کیل میں لانا مقصود نہیں ہے ایسے ایک لوئی برابر مثلاً ورنہ اگر مقدار عنفو سے زائد ہو تو اس طرح انکل روا نہیں ہے اور واضح ہو کہ روٹی قرض و آٹے کا قرض وغیرہ سابق میں مذکور ہو چکا ہے پس مفتی بنام فتویٰ دے واللہ تعالیٰ ہوا الموفق باب دوازدہم کذا فی فتاویٰ قاضی خان والصبیح فی هذا انه ینظر العرف والعادة دون التردد و کذا فی الینا بیع اقول کذا فی النسخ التردد بالراء ولعل الصحیح التردد بالواد باب ہفتد ہم مسئلہ سماع و رقص بمائند صوفیہ وغیرہ میں لکھا فیہ معنی یوافق احوالہم فیو فقہ - نسخہ میں بتقدیم فاء برقاف مسطور ہے پس شاید مراد توفیق امور خیر و طاعات ہو اور ممکن ہے کہ بتقدیم قلف برقاء از ایقاف ہو اور معنی یہ کہ یہ اس متوافق معنی سے ایسا اثر واقع ہوتا کہ جس کو بیٹھے سے کھڑا کر دیتا لیکن زبان عربیت سے بعید و انجمنی ہے اور شاید کہ لفظ فیرقہ براء و دو قاف از ترقیق بمعنی نرم و رقیق کرنے کے ہو یعنی جس سے دل رقیق ہوتا اور یہی مترجم کے نزدیک اصوب ہے واللہ اعلم باب بستم کذا فی الغیاثیہ قال اذا لم یکن للعبد شعر فی الجہبہ فلا یس للتجاء ان یعلقوا علیہ جہبہ شعر لانہ یوجب زیادۃ فی

الثمن وهذا دليل على انه از كان للخدمته ولا يريد معه انه لا يفعل ذلك كذافي المحيط مترجم کہتا ہے کہ یہ مسئلہ عجیب ہے اور اس میں نسخہ کی بھی غلطی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ عبارت ظاہر متوافق اصل یعنی محیط کے ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ تو اصل الشعر عورتوں میں باوجود ترین جائز ہونے کے بالاتفاق حرام ہے اور غش ایسی صورت میں ظاہر ہے علاوہ اذین جبہ غلام کے مال سے ثمن میں گرانی عموماً خلاف معبود ہے بلکہ یہ عیب ہے جس سے ثمن میں نقصان ہوگا پس مترجم کا گمان یہ ہے کہ یہ مسئلہ دراصل محرف و مصحف واقع ہوا ہے اور صواب وہ ہے جو فتاویٰ قاضی خان سے اس کے بعد مذکور ہے یعنی ولا باس للتاجر حلق شعر جہتہ الغلام لانه یزید فی الثمن الی آخرہ پس محیط کا منشاء سہولفظ تکلّفوا واقع ہوا جس کو قلت تامل سے بعلمو البعین پڑھا گیا او تعلق شعر کی تصویر کے لئے ابتدائی فقرہ پڑھا گیا یعنی جہی اس کو ضرورت ہوگی کہ بال خود نہ ہو تو لکھا و اذا لم یکن للبعد شعر فی الجہتہ الی آخرہ بالجملہ مترجم کے نزدیک صواب وہی ہے جو قاضی خان میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور واضح ہو کہ منجملہ غیر معتبر کتابوں کے فتاویٰ عزائب ہے اگرچہ مولف رحمہ اللہ نے خود اس کا نام غرائب فتاویٰ رکھ کر اعلان کر دیا کہ اس میں متاخرین کے وہ فتاویٰ نقل کئے جاتے ہیں جو غریب ہیں اور غریب وہ اقوال کہلاتے ہیں جو اس جنس و اصل سے تنہا واقع ہوئے جیسے پردیسی مسافر اپنے وطن والوں سے آوارہ تنہا ہوتا ہے پس غیر معتبر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جب اس کی روایت کی تائید حاصل نہ ہو کسی دوسری معتبر کتاب سے یا اصل سے تب تک توقف چاہئے اور اگر بجائے موافقت و تائید کے مخالفت ظاہر ہو تو اس کا ترک کرنا ضروری ہے قالہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و اعلم باب بست و دوم سے دوسرے پہلے قولہ قال محمد اذا وقت الفتنتہ الصواب اذا وقعت الفتنة باب سی ام۔ کذا فی القیہ سنل محمد بن مقاتل الی ان قال ولكن لو تصدق بمنزلته كان حسنا اقول الظاهر ان يقال بانزاله كان حسنا المحيط۔ اور قولہ کذا فی الغرائب وفہ الیتمیہ سنل علی بن احمد قولہ وهؤلاء يقدر علی اواء اقول الصواب وهو لا يقدر علی اواء هذا القدر بنفسه الی آخرہ التارخانیہ۔

## کتاب الرهن

### باب اول

فصل چہارم صفحہ ۶۳۵ قولہ والتمر والزروع فی البناء كذافي التهذيب الصواب والبناء بالعطف اور اس سے چار سطر بعد باذائها بذال منقوط مسطور ہے اور اصح بزاء منقوط ہے اور اس سے دوسرے بعد قولہ فرهنها الوصي الكبار اقول ظاہر معنی یہ ہیں کہ وصی نے بالغوں کے پاس اس کر رہن کیا لیکن صواب میرے نزدیک الوصي والكبار بواو عطف ہے اور اسی سے قولہ صفة واحدة زیادہ موافق ہے اور اس سے چار سطر بعد قولہ ورهن المريض يصح ان كانت قيمته اكثر ..... بظاہر جملہ شرطیہ قید صحت ہے ولیکن یہ غلط ہے اور صواب میرے نزدیک وان كانت بواو وان متصل ہے فافہم فصل پنجم بعد ایک صفحہ کے کذا فی الکافی ولو استدان الوصي علی الورثته ..... میں قولہ لا یخلو اما ان كانت الورثته کلهم کبارا صفارا فان استدان اقول اس میں سے ایک شق ساقط ہے اور صواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے الورثة کلهم کبارا او صفارا او کبارا و صنعا فان استدان آخرہ و هذا ظاهر باد نے تامل لمن له اعنی مہارۃ۔ باب سوم شروع مسئلہ میں بجائے قولہ ینظر قيمته يوم القبض الدین کے والی الدین بواو عاطفہ چاہئے اور قریب باب چہارم کے قولہ ولو تزوجها علی مهر مسمی واعطاها بمهر المثل رہنا اقول یوں ہی سب نسخوں میں علی مہر مسمی مسطور ہے اور یہ ظاہر او قطعاً غلط ہے اور میرے نزدیک صواب یہ ہے کہ بمانند علی غیر مسمی وغیرہ کے یہاں اس معنی میں کوئی لفظ کہا جائے کیونکہ



جب مہر مسکمی تو اس کا مسئلہ اوپر مذکور ہوا اور نیز آئندہ عبارت بالکل غیر مربوط ہے۔ لہذا غیر مسے چاہیے کہ ہمارے نزدیک ایسی صورت میں نکاح صحیح اور مہر المثل واجب ہوتا ہے بدین معنی کہ گویا مقدار مہر المثل اس نکاح میں مسے ہی اور یہ نہیں کہ نکاح بدون مہر کے ہو کر پھر مہر المثل واجب ہوتا ہے جیسا کہ بعض اکابر کا زعم ہے وھذہ فائدۃ جدیدۃ من المترجم پھر واضح ہو کہ اسی مسئلہ میں آگے لکھا سقط جمیع مہر المثل ولہ المتعنتہ یعنی ضمیر مجرد مذکور مسطور ہے اور یہ بھی مترجم کے نزدیک محض غلط ہے اور صواب لہا بضمیر تانیث چاہئے اگر کہا جائے کہ شاید مراد یہ ہو کہ رہن اس صورت میں عورت کے پاس تلف ہو کر اس پر ضمان واجب ہوئی جبکہ اس کے لئے مہر کچھ بھی نہیں رہا بلکہ ساقط ہو چکا بعد وجوب کے کیونکہ طلاق قبل الدخول واقع ہوئی تو شاید اس پر متعہ کی قیمت بعوض رہن کے واجب ہو اور وہ شوہر کے واسطے ہوگی تو جواب یہ ہے کہ مسئلہ موضوع بتلف رہن نہیں ہے اور بعد سقوط مہر المثل کے رہن تلف ہونے سے اس پر ضمان واجب نہ ہوگی کیونکہ طلاق قبل الدخول سے مہر مطلقاً واجب نہ رہا تو رہن ودیعت کے حکم میں ہو گیا پس ضمان واجب نہ ہوگی اور میں کہتا ہوں کہ اس سب سے علاوہ قول مابعد اس کے منافی ظاہر ہے یعنی ثم فی القیاس لیس لھا ان تحبس الرهن بالمتعنتہ پس تلف رہن کی صورت متصور نہیں ہے اور جس کو فقہ میں ادنی مہارت ہو وہ ان دونوں مقام کے فاحش غلط ہونے کو قطعی یقین کرے گا کما زعم المترجم واللہ تعالیٰ اعلم۔ باب چہارم اس باب میں بھی انش اغلاط میں سے ہے قولہ فی الاصل ومن هذا الجنس کسوة الرقیق واجرة ظنر ولد الراهن۔ اقول یوں ہی الراہن بصیغہ اسم فاعل مسطور ہے اور معنی یہ ہیں کہ ایسے ہی راہن کے فرزند کی دائی کی مزدوری بھی راہن پر ہے اور مترجم کے نزدیک یہ ایسی غلطی ہے کہ سرسری ذہن لغزش نہ کھاتے ہیں اس لیے کہ راہن کے بچہ کا رہن ہونا مشکل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حاملہ باندی اس نے رہن کی اور بچہ اس کا راہن کا نطفہ ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ باندی ام ولد ہے اور وہ مالیت مطلقہ نہیں ہے تو مرہون نہیں ہو سکتی کیونکہ بیع نہیں ہو سکتی ہے اور راہن اپنے فرزند کو رہن و بیع وغیرہ مالکانہ تصرف میں نہیں لاسکتا کیونکہ مالک کا خود نطفہ اس کی مملو کہ سے اصلی آزاد ہوتا ہے اگرچہ مملو کہ آزاد نہ ہو و ہذا مما لا خلاف فیہ بین المسلمین۔ بالجملہ صحیح و صواب میرے نزدیک لفظ رہن بصیغہ مصدر ہے اور مراد اس سے مرہون بصیغہ اسم مفعول ہے والحاصل اجرة ظر ولد المرہون مثلاً راہن نے اپنی مملو کہ قنہ باندی رہن کی جس کے مرہون پاس بچہ ہوا اور وہ مملو کہ کے شوہر کا نطفہ اور راہن کا غلام ہے تو اس کی پرورش کی مزدوری رہن پر ہوگی فافہم۔ اس طرح فاحش غلطی ہے

قولہ وما یجب علی الراهن اذا اواه الراهن بغير اذنه..... اقول غلط ہے اور صواب میرے نزدیک یوں ہے اذا اواه المرتهن بغير اذنه الی بغير اذن الراهن یعنی جو خرچہ راہن پر مرہون کے لیے واجب تھا اس کو مرہون نے پورا کر دیا تو دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ راہن کے حکم سے پورا کیا تو اس کو بھی بمانند قرضہ کے راہن سے لے لے گا اور دوم یہ کہ راہن کے بغیر حکم کیا تو احسان و عنایت ہے اس کے واپس لینے کا استحقاق نہیں رکھتا ہے و ہذا معنی قولہ اذا اواه المرتهن بغير اذن الراهن فهو متطوع فافہم۔ باب ششم کذانی المکافی ولو قضی الراهن للمرتهن من الدین الی ان قال ولو ملک الجاریۃ تھلک بالثلث و ذلك ماتہ و ستته و ثلثان اقول یہ بھی غلط ہے اور صحیح یوں ہے و ذلك مائتہ و ستۃ و ستون و ثلثا درھم اور یہ اظہر ہے واضح ہو کہ اعور و عوراء کا ترجمہ کہیں میں نے کانا و یک چشم لکھا اور یہ ہماری زبان میں کسی ایک آنکھ کا دیدہ جاتے رہے ہوئے آدمی کو کہتے ہیں اور کہیں لکھا کہ ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہے اور یہ اس وجہ سے واقع ہوا کہ مثلاً عیوب بیوع میں بعض صورتوں میں بدون خیار رویت حاصل ہونے کے صرف غیار عیب کی وجہ سے مشتری کو واپسی کا اختیار دیا حالانکہ اصل کی راہ سے اس کو واپسی کا اختیار نہ ہونا چاہئے اس جہت سے کہ کانا ہونا ایسا عیب نہیں کہ کسی پر مخفی رہے اور نقاب کی وجہ سے نہ دیکھنا مستوجب خیار رویت ہے نہ خیار عیب پس مراد وہاں دوسرا ترجمہ یعنی خالی



بمقابلہ اس کے فرزند کے ہوں گے اور بسبب نصف قاتلہ زائل ہونے اور کس واقع ہونے کے دو چند کر کے بیالیس ہوئے اور اس قدر سهام فرزند اول کے مقابلہ میں ہوئے تو جملہ چوراسی سهام ہوئے لہذا تمام قرضہ کے چوراسی سهام سے ایک ہم کم کر کے باقی ادا کرے اسی طریقہ سے قیمت کی تفاوت سے مسئلہ کی تخریح اسی نسبت مذکورہ بالا پر لگانا چاہئے فلینا مل فیہ اور واضح ہو کہ اگر قاتلہ کے کافی ہو جانے کے بعد فرزند اول کی قیمت میں کمی آگئی مثلاً ہزار درم سے پانچ سو رہ گئے تو ابتداء میں جو قرضہ مقتولہ و فرزند اول پر نصفاً نصف تھا وہ تین تہائی ہو کر بمقابلہ فرزند کے صرف تہائی رہ جائے گا پھر قاتلہ و اس کے فرزند پر دو تہائی ہوگا اور دونوں میں گیارہ حصص پر ہو اور یہ دو تہائی ہے تو تہائی میں کس واقع ہوگی لہذا بائیس کر کے اس میں بمقابلہ اول کے گیارہ سهام ملا کر مجموعہ تینتیس کیا جائے پس جملہ قرضہ کے تینتیس سهام میں سے ایک سم وضع کر کے باقی تینتیس سهام ادا کر کے فک رہن کر لے اور اسی طور پر اس جنس کے مسائل کا استخراج کرنا چاہئے اور مترجم کے لئے اپنی کریم النفسی اور پاک باطنی کے ساتھ دعائے مغفرت فرمائی چاہئے وان ربی ہو الغفور الرحیم ولہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ وهو رحم الراحمین۔ باب دوازدهم ابتداء میں قولہ الوجه الثالث اذا كان الرهن فی يد المرتها ان قول والصواب عندی ان يقال فی يد الراهن کیونکہ اگر مرہن معرف ہو تو مختصت موضوعہ بالکل باطل ہوگی و ہذا ظاہر جدا اور اگر کہا جائے کہ مرہون تو مقبوض ہوتا ہے اور قبضہ راہن کا اعتبار نہیں ہے کما قال محمد من ان الرهن لا یكون الا مقبوضاً پھر قبضہ راہن میں ہونے کو کیونکر صحیح کیا گیا تو جواب اس قدر کافی ہے کہ آئندہ قولہ فقیما اذا كان الرهن فی ایدیہما اوفیٰ يد الراهن خود موجود ہے بلکہ میری تصحیح و تصویر کے واسطے شاہد عادل یہی ہے اور حل یہ ہے کہ لزوم رہن غیر قبضہ مرہن یا اس کے قائم مقام مانند وکیل یا عادل کے شرط ہے اور وہ بروقت عقد کے ہے اور یہاں کلام بروز خصومت ہے اور جائز ہے کہ بروز خصومت راہن کے قبضہ میں ہو بعد از انکہ رہن لازم ہو گیا ہے پھر واضح ہو کہ یہاں ایک چوتھی صورت بھی نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مرہون ایک مدعی اور راہن کے قبضہ میں ہو اور جواب یہ ہے کہ سابق التاریخ کے لئے حکم ہوگا اور اگر تاریخ نہ ہو یا مساوی ہو تو قابض کے لئے حکم ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

## کتاب الجنایات

یہاں سے آخر تک اس نسخہ میں جس سے ترجمہ ہوا ہے بہت کثرت سے فاحش اغلاط ہیں خصوص جبکہ مترجم نے اس کو بارہ جزو ماہواری کے حساب سے ترجمہ کیا تو اہل ایمان اس کو خود معذور فرمائیں گے کہ ایسی غلطیوں پر ہر جگہ متنبہ ہونا مشکل ہے اور اکثر یہ مقامات مطبوعہ کلکتہ میں بھی یوں ہی غلط ہیں واللہ اعلم اور میں معدودے چند اغلاط اس کثیر مجموعہ سے بلا تفریق نسخ لکھے دیتا ہوں واللہ تعالیٰ الموفق۔ باب نہم ۴۰۹۔ قولہ والخلاف فی الصبی العاقل فی الصحیح حتی یضمن عنبر العاقل۔ میرے نزدیک صواب یہ ہے کہ حتی لا یضمن یعنی بجائے (ضامن ہوگا) کے ضامن نہیں ہوگا چاہئے۔ باب یازدہم ۴۲۹ قولہ فیضرب فی ہاتین القیمتین ورثة الحر و ورثة المکاتب بنصف قیمۃ المکاتب۔ اقول یہ غلط ہے اور صحیح ہے کہ ورثہ الحر بالذیۃ و ورثۃ المکاتب ..... یعنی یہ صحیح نہیں ہے کہ آزاد اور مکاتب دونوں کے ورثہ ان دونوں قیمتوں میں مکاتب کی ادھی قیمت کے حساب سے شریک کئے جائیں گے بلکہ صحیح یہ ہے کہ آزاد کے ورثہ تو مقدار دیت کے حساب سے اور مکاتب کے ورثہ اس کی نصف قیمت کے حساب سے شریک قرار دیے جائیں گے مثلاً دیت دس ہزار مکاتب کی نصف قیمت ایک ہزار ہے تو دونوں کا استحقاق اس طرح ہوا کہ گیارہ میں سے دس تو ورثہ الحر کے اور ایک ورثہ مکاتب کا پس دونوں قیمت کو جمع کر کے اسی حساب سے بانٹ لیں حتیٰ کہ اگر مثلاً دونوں قیمت کا مجموعہ بائیس ہزار ہو تو بیس ورثہ الحر کے دو مکاتب کے وارثوں کے ہوئے اور جہاں کہیں کتاب میں یہ عبارت مذکور ہے اس کا حساب اسی طریقہ سے ہوگا۔ باب سیزدہم صفحہ ۴۳۸ قولہ ولو كان هذا العبد فقاعین الامتہ قد قع بها۔ شاید عبارت یوں ہو فقاعین الامتہ والامتہ فقات عینہ

فدفع بها یا یہی مراد ہے واللہ اعلم۔ تصحیف الفاظ کے اغاظ بہت ہیں ان کو میں نہیں لکھتا مثال کے طور پر ایک لطیفہ لکھے دیتا ہوں یہی باب صفحہ ۴۴۰ کذا فی محیط السرخسی ولو کان الجانی جاریۃ فوطھا لا یصینر مختار اللقداء الا اذا جلهل یوں ہی نسخوں میں ہے ظاہر پڑھا نہیں گیا اور بکر طبیعت میں قطرہ فیض الہامی پہنچا مگر موتی نہیں بنا اگر جیم کا پیٹ خالی کر کے تشدید لام دور کی جاتی ہے اور بیچ میں باء موحدہ داخل کی جاتی ہے تو جہل ہو جاتا۔

## کتاب الوصایا

### باب سوم

صفحہ ۵۰۰ قولہ وهو سهمان من ستته الصحيح من تسعته صفحہ ۵۱۳ قولہ وهو یخرج من الثلث لم یعتق القرابة من انوارات آخ لا بد فیہما هنا من التأمل والرجوع ای نسخه معتمد لا حتی تطمنن النفوس باب ہفتم صفحہ ۵۳۲ کذا فی المبسوط هشام سالت محمد االی قولہ قال یوقف الثلث الھمام ان الورثۃ وہ یرجع حقہ صواب یہ ہے کہ لوقف الثلث لھما ولا یرجع حصتہ ..... باب نہم صفحہ ۵۴۵ قولہ وقال ابو القاسم "یکون وصیا و قول محمد۔ اقول بجائے ابو القاسم کے ابو یوسف صحیح ہے اور شروع صفحہ ۵۶۶ میں قولہ قبل قبولہ صحیح قبل قولہ ہے۔

## کتاب المحاضر والسجلات

اس میں بھی کثرت ہے مثلاً صفحہ ۶۵۸ محضر دعویٰ ثمن الدھن میں قولہ کذا من دھن سے من کا لفظ رہ گیا اور قولہ احد ہما ان دعویٰ الاقرار لیس بصحیح بدعویٰ للحق میں صحیح کا لفظ زائد و غلط ہے اور آخر میں قولہ بصحتہ البیع و وجوب میں و وجوب بو او عاطفہ چاہئے اور قولہ احد ہما میں صحیح لوجہین احد ہما ہے یہ ایک صفحہ کا حال ہے۔

## کتاب الشروط

واضح ہو کہ فقیہ کے امتحان وسعت نظر وغزارة علم کے لئے یہی کتاب متعین ہے اور فقہ میں نہایت نفع وادق ہے چنانچہ ماہر الفقہ میرے بیان سے اتفاق کرے گا اس کے اغاظ کی تصحیح میں ایسی وقت نظر درکار ہے اور الحمد للہ تعالیٰ کہ اس میں بھی کوشش کی گئی اور اغاظ بہت ہیں۔ مثلاً ایک جگہ کتاب خرید و فروخت میں لکھا۔ من عداین ہودہ۔ اور صحیح بخاری وغیرہ کی روایت میں عداء بن خالد بن ہودہ اور خود اس کتاب میں دوسرے مقام پر یوں ہی لکھا ہے

## کتاب الخلیل

فصل ہفتم شروع مسئلہ میں قولہ قیل ان تیزو جھا قیل ان تزوجتک ..... الصواب قیل ان تزوجتک یعنی بسیغہ امر صحیح ہے فصل چہارم ہم آخر قولہ فردہ بخیار الشرط و یعود والمہر۔ یوں ہی ان نسخوں میں ہے اور صواب یوں ہے کہ فردہ بخیا الرویۃ۔ کیونکہ خیار شرط اتنی مدت تک اتفاقی نہیں اور سیاق سے مباحثت ہے بالجملہ اس کی غلطی ادنی التفات سے ظاہر ہے اور صفحہ ۸۲۵ کے آخر میں قولہ صار العامور قابضادین الامر۔ صحیح میرے نزدیک بجائے قابضاً کے قاضیا ہے یعنی ادا کرنے والا اور صفحہ ۸۸۱ کے آخر میں قولہ فاذا دخل من الشهر الاول۔ میرے نزدیک غلط ہے اور صحیح بجائے اول کے آخر ہے یعنی دوسرا مہینہ چنانچہ تامل سے پوشیدہ نہ ہوگا مسائل شتی بعد کتاب الخلیفی صفحہ ۸۷۶ وان اکرھا علی الخلع الطلاق ولا یسقط المال یوں ہی ان نسخوں میں ہے اور صحیح نہیں ہے

صواب میرے نزدیک بجائے لایسقط کے لایسب ہے یعنی عوض خلع کا مال عورت پر واجب نہ ہوگا اور خلع چونکہ ہمارے نزدیک طلاق بائن ہے اور وہ مرد کا فعل ہے اور اس پر اکراہ نہیں ہے تو گویا اس نے طلاق دی حالانکہ طلاق مکہ بھی ہمارے نزدیک واقع ہو جاتی ہے لہذا طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت جس پر اکراہ کیا گیا ہے اس پر مال واجب نہ ہوگا اور یا اس کی تصحیح میں بجائے مال کے مہر کیا جائے یعنی عورت کا مہر اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اگر دین ہو۔ اگر کہا جائے کہ بدل الخلع کا مہر ہونا واجب نہیں ہے تو وجہ اس کی دو طرح ہے ایک یہ کہ طلاق خلع میں بدل قدر مہر ہے پس گویا یوں کہا کہ عورت کو بعوض اپنے مہر کے خلع کرا لینے پر مجبور کیا اور دوم یہ کہ لایسقط المہر کی دلالت سے یہی وجہ مذکور ہے اور یہی مراد ہے اور اسح تو وجہ میرے نزدیک یہی ہے کہ الممال کی جگہ المہر چاہیے اور یہ مسئلہ سابق میں بعض کتب میں مذکور ہو چکا ہے فتدکر۔

## کتاب الفرائض

ذوی الارحام کے صنف دوم کے خاتمہ پر قولہ وهو ابواب الام کی جگہ صواب ابواب اب الارم ہے باب دہم عمول میں قولہ بان کان هناك ثلثین و نصفاً کالزوج مع الاختین لاب وام مع الام۔ یہاں لفظ مع الام یا تو سہو کا تب سے واقع ہو یا یوں ہو کہ الزوج مع الاختین لاب دام او الثنین لام ومع الام۔ یعنی نصف و دو تہائی جمع ہونے کی مثال یہ ہے کہ شوہر ہو جس کا نصف ہے اس کے ساتھ ایک ماں و باپ سے میت کی دو بہنیں ہوں جن کا دو تہائی ہے یا شوہر کے ساتھ مادری دو بہنیں جن کا تہائی ہو مع ماں کے ہوں فلینا مل فیہ باب دواز دہم مناسخہ صفحہ ۹۰۲ میں مسئلہ اما عند وجود الموافقہ ..... میں قولہ وللاخت لام السدس سہمان۔ میں صحیح میرے نزدیک سقوط ہے یعنی وللاخت لاب سہمان بھی چاہئے ہے فلیجد بر۔ باب چہار دہم متشابہ الفرائض میں قولہ اخوان لاب دام دام ورت احد ہما عن المیت ثلثتہ ارباع المال والآخر ربعیہ ..... میں صواب مسئلہ میرے نزدیک فقط اخوان لاب دام پر مقصود ہے اور عطف دام یا تو سہو کا تب ہے اس لئے کہ چچازاد بھائیوں میں سے ایک نے میت کی دختر سے نکاح کیا تو نصف جو روکا اور باقی نصف کا چوتھائی اپنے عصوبت رحم سے اس کے شوہر کا مجموعہ تین چوتھائی پایا پھر اس میں ماں کے ہونے نہ ہونے کو کچھ دخل نہیں ہے اور اگر میت کی ماں مراد ہے تو ماں کے ہوتے ہوئے ان کو اس طرح مل ہی نہیں سکتا کیونکہ ماں ذوی الفروض میں سے ہے اور چچازاد بھائی ذوی الارحام میں سے پس سوائے اس کے مجھے کچھ نہیں سوجھتا کہ ماں انھیں دونوں بھائیوں کی ہے اور ماں کا ذکر کرنا فقط استعجاب کی صورت ظاہر کرنے کو ہے یعنی دونوں سگے بھائیوں نے میت کا ورثہ پایا اور ان کی ماں محروم رہی پھر مسئلہ میں یہ تشویش ہنوز باقی رہے گی کہ دونوں بھائیوں کی ماں یہ کیا ضرور ہے کہ میراث سے محروم ہو جائے کہ وہ میت کی جو رو ہو فکر کرنا چاہئے اور علاوہ اس کے میت کے داماد کی جو رو کا حق میراث شرعاً اپنے شوہر کی ملک نہ ہونے سے جواب عرفی ہو جائے فافہم اس طرح اس کے مابعد کا مسئلہ بھی ہے اور مجھے زیادہ گنجائش نہیں ہے فلیر رواللہ تعالیٰ الموفق۔

## باب مشکلات و مشتبهات بابت ترجمہ

یہ باب وسیع اس کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے لیکن بقول مشہور کہ جس کا سب ملتا ممکن نہ ہو اس کا تھوڑا ملتا ہوا چھوڑنا چاہئے مناسب نہیں ہے کہ اس کو بالکل ترک کیا جائے لہذا میں بقدر متحضر انوار مختلفہ سے لاتا ہوں والتوفیق من اللہ عزوجل اس میں مجمل قول یہ ہے کہ کسی زبان کو جب دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اکثر یہ فرق ہوتا ہے کہ لفظ ظاہر زبان میں خود معنی مراد نہیں دیتا مگر محاورہ البتہ شائع ہے مثلاً قولہم ترک کند لفظی معنی یہ کہ چھوڑا اس کے جانب حالانکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ چھوڑ کر وہ اختیار کیا تو

جب تک اسی محاورہ پر ترجمہ نہ ہو بالکل غلط ہو جائے گا۔ اور کبھی اس وقت کے عرف و عادت نہ جاننے سے زمانہ موجودہ کے عرف و عادت پر محمول کرنے میں غلطی ہوتی ہے اور کبھی احکام کے تعلق میں تفاوت ہوتا ہے دونوں کی مثال اس طرح ہے کہ اگر سیاہ رنگ دیا تو رنگ ریز نے کپڑا عیب دار کر دیا مگر وجہ یہ تھی کہ اس وقت بادشاہ نے اس رنگ کو عموماً معیوب کر دیا تھا کہ تمام ملک میں اس کا اثر پھیل گیا اور لوگ اسی پر جم گئے تو ظاہر ہے کہ کپڑے کے مالک نے کاریگر کی نسبت خلاف کا زعم کر لیا اور شرعی احکام باہمی نفاق و اختلاف دور کرنے کے لئے ہیں اس واسطے بیع ایسے تمام شرائط سے فاسد ہوتی ہے جن سے منازعت و مخالفت پیدا ہو اور اب یہ رنگ ایسا نہیں ہے جس سے یہ خیال ہو کہ کپڑا بگاڑ دیا اگرچہ مالک کی غرض حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اس زمانہ کے تھوڑے دنوں بعد ہی جو بادشاہ ہوئے انھوں نے عمداً پہلوں سے مخالفت کے لئے اسی رنگ کو پسندیدہ کر دیا اور حکم کا تعلق عربی میں بسبب فعل مقدم ہونے کے پہلے ہی ہو جاتا ہے قبل جملہ تمام ہونے کے اگرچہ بدون توقف کے باقی الفاظ بولنے سے انکار اعتبار مثل ارکان جملہ کے ہے حتیٰ کہ طلاق انشاء اللہ تعالیٰ میں یعنی زید اپنی جو رو سے بولا کہ طلاق دے دی میں نے تجھ کو انشاء اللہ تعالیٰ تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر کہا کہ طلاق دے دی میں نے تجھ کو۔ پھر رک کر کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ۔ تو طلاق پڑ جائے گی بخلاف اردو کے اس میں پہلے فضیلت مذکور ہو کر آخر میں فعل آتا ہے چنانچہ محاورہ یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں نے تجھے طلاق دی یا میں نے تجھے انشاء اللہ تعالیٰ طلاق دی۔ دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی لہذا جب کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پھر خاموش ہو کر کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی تو طلاق پڑ جائے گی پس جہاں کتاب میں یوں مذکور ہے کہ طلاق دینے کے بعد اگر خاموش ہو کر یا جدا کر کے انشاء اللہ تعالیٰ کہے تو طلاق پڑ جاتی ہے اس کو اپنی زبان میں اس طرح سمجھو کہ اگر انشاء اللہ تعالیٰ کہہ کر خاموش ہونے کے بعد طلاق دی تو طلاق پڑ جائے گی رہ گئی یہاں ایک صورت کہ اگر اسے یوں کہا میں نے تجھے۔ خاموش ہو کر کہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ خاموش ہو کر کہا طلاق دی تو اس صورت میں کیا حکم ہے کیونکہ اصل میں یہ صورت خاص اس فقرہ میں نہیں ہو سکتی ہے پس طلاق واقع نہ ہوگی اور غرض یہاں بیان تفارق ہے نہ استخراج مسائل اسی قبیل سے مسئلہ اجارات ہے کہ آج تک ایوم لکنذا بدرہم یعنی اجارہ کیا میں نے تجھ کو آج کے روز اس کام کے لئے بعوض ایک درم کے اور کہا کہ دن بھر یہ کام کر دینے پر پوری مزدوری ہوگی اور آج تک لکنذا ایوم بدرہم یہ کام پورا ہونے پر مزدوری ہوگی یعنی دونوں صورتوں میں تقدیم عمل و تاخیر مدت اور تقدیم مدت و تاخیر عمل کی راہ سے فرق ہے حالانکہ اردو میں وجہ فرق اس وجہ سے ظاہر نہ ہوگی کہ تعلق حکم دونوں کے ساتھ بعد دونوں کے ذکر کے ہوگا اس لئے کہ فعل ہمیشہ متاخر ہوتا ہے پس یہ زبان کا فرق ہے اور کبھی تفاوت بوجہ وضع و معاش کے ہوتا ہے اور اس طرح اسباب متعدد ہیں تو ضرور ہے کہ ترجمہ میں ان امور کا لحاظ رہے ورنہ غلطی ہوگی اور میں نے بحث اصطلاحات میں ذکر کر دیا ہے کہ تو لبم للہ علی صوم جمع و صوم الجم دونوں کا ترجمہ اردو میں فقط یہی ہوگا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر جمعوں کے روزہ ہیں حالانکہ دونوں کا حکم عربی میں مختلف ہے اور ایسے ہی قولہ للہ علی کذا کذا اور للہ علی کذا او کذا۔ دونوں میں فرق ہے باوجودیکہ نفس ترجمہ کے لئے لفظ مناسب نہیں عطف کا کیا ذکر ہے۔

اب میں چند مقامات دیگر بتوفیق الہی عزوجل ذکر کرتا ہوں از انجملہ اگر عاریت لینے والے نے چوپایہ کو مالک کے اصطلح میں واپس کر دیا تو ضامن نہ ہوگا زیادہ تطویل منظور نہیں ہے اور نہ تحقیق مسئلہ بلکہ مثال منظور ہے تو احکام پر بھی نظر نہیں ہے یہاں دو طرح سے لحاظ چاہے اول یہ کہ یہاں اصطلح گھوڑے کے لئے معروف ہے تو وہم ہوگا کہ شاید یہ حکم اس صورت میں ہے کہ چوپایہ گھوڑا ہو حالانکہ ان کا عرف عام تھا چنانچہ شرح نے لکھا کہ اصطلح وہ جگہ جو چار پایوں کے لئے ہو تو گاؤ خانہ بھی اصطلح ہے اور دوم یہ کہ ان کی عرف میں اصطلح مکان کے احاطہ کے اندر ہوتا تھا اور باہر خلاف دستور تھا اسی لئے حکم مطلقاً مذکور ہے اور یہاں اکثر باہر ہوتا ہے اور

کمتر احاطہ کے اندر خصوص جبکہ مکان وسیع نہ ہو تو ایسی صورت میں اصطبل کے اندر واپس کر جانے سے ضمانت سے خارج نہ ہوگا اگر ضائع ہو جائے تو ضامن ہوگا چنانچہ شارحین نے صاف لکھ دیا ہے وقالع افیہ اشارة بان الاصطبل لو كان خارج الدامن به اور یہ بھی وہم نہ ہو کہ اصطبل وہ ایک مکان خاص وضع کا جو معروف ہے کہ چارویواری کے اندر کھلے در متعدد دینے ہوتے ہیں کیونکہ چارپایہ کے لئے جو جگہ مقرر ہو وہ اصطبل ہے پس تھان کو بھی شامل ہے فافہم۔ از انجملہ باب اجارات میں ہے کہ لا تصح الاجارة للمعاصی کا لغناء یعنی جو چیز معصیت ہے اس کے لئے اجارہ کرنا صحیح نہیں جیسے گانے کا عقد اجارہ۔ پس یہاں عدم صحت راجع بجانث عقد ہے اور جامع الرموز میں ہے والا جر لطیب وانکان السبب سرامل یعنی مزدوری حلال ہوتی ہے اگرچہ سبب حرام ہو۔ اور چلپی کے حواشی میں بھی اجرة المزیة کے نسبت ایسا ہی لکھا اور وہ مشہور ہے پس کبھی جواز کا حکم حلت اجرت کی راہ سے دیا گیا ہے اور قاعدہ مذکورہ آخر میں اگرچہ اختلاف معروف ہے اور اس فتاویٰ میں بھی منقول اور صحیح یہی ہے کہ جہاں عقد صحیح نہیں ہے وہاں اجرت بھی حلال نہیں ہے کیونکہ خبیث سبب سے اس کا حصول ہے جیسے اجر عیب التیس و حلوان الکاهن صریح منصوص ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر جگہ فساد و عقد سے حرمت اجرت کا حکم صحیح نہیں ہے مثلاً کسی شرط سے اجارہ فاسد ہو تو اجرا مثل حلال ہے پس باب اجارات میں کہیں بوجہ حلت اجرت کے جواز کا حکم ہے اور کہیں براہ صحت عقد کے تو ہر جگہ جہاں جواز مذکور ہے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ فعل مذکور جائز ہے حتیٰ کہ اس زمانہ میں جو یہ طریقہ جاری ہے کہ کسی شخص کو ایک مدت تک کے لئے اس غرض سے اجارہ لیتے ہیں کہ اس کے ثواب سب مستاجر کے لئے اور مستاجر کے سب گناہ اس پر ہیں محض ناجائز ہے اور علیٰ ہذا بیع بھی جائز نہیں ہے اور شاید کہ جو مال عوض لیا ہے وہ اجیر کو حلال ہو و اللہ تعالیٰ اعلم از انجملہ اغناء کا ترجمہ بیہوشی خالی از خلل نہیں ہے کیونکہ بیہوشی کے اسباب مختلف و ادکام مختلف ہیں اس طرح اس کا مقابل مفیق جس کو افادہ ہو لیکن مجنون کا مقابل عاقل ہے مگر بجائے اس کے کبھی کہتے ہیں کہ جنون سے اس کو افادہ ہو اور یہ مرض کے افادہ کے مثل ہے اور علیٰ ہذا صاحی کا ترجمہ ہوشیار جو مقابل سکران ہے اس وقت سب طرح مناسب ہو کہ سکران کا ترجمہ بیہوش ہو اور پہلے گدرا کہ اردو میں اس کا ایہام ظاہر ہے از انجملہ حجامت بمعنی کچھنے دینا اور احتجام کچھنے دلوانا اور روزہ میں یہ فعل مباح ہے کہ کچھنے دلوائے لیکن اس سے کچھنے لگانا جائز نہیں ثابت ہوتا پس اگر ترجمہ میں کہا کہ کچھنے لگائے تو غلط کیا اور صحیح یوں کہنا چاہئے کہ کچھنے لگوائے یا کچھنے دلوائے کیونکہ جائز احتجام ہے نہ حجامت قال فی محیط وغیرہ علی ما نقل غیر واحد۔ فمن احتجم فاستفتی ممن یوخذعنه الفقہ فانفتی لفسا صومه فاکل لم یکفر لان علی العامی العمل بفتویٰ المفتی فهو معذور فی ذلك وان اخطاء المفتی انتھی وقال ایضاً ولو بلغه حدیث افطر من احتجم فاکل لم یکفر لانه اعتمد علی ما هو الاصل۔ یعنی محیط میں لکھا کہ اگر ایک عامی یعنی فقہ کے مسائل نہ جاننے والے آدمی نے کچھنے دلوائے اور وہ روزہ سے تھا اس کو شبہہ ہو تو اس نے ایک ایسے عالم سے حکم پوچھا جس سے فقہ کا حکم لیا جاتا تھا اس نے فتویٰ دیا کہ اگر تیرا روزہ فاسد ہو گیا پس اس نے عمداً کچھ کھایا تو اب روزہ جاتا رہا لیکن اس پر کفارہ لازم نہ آئے گا کیونکہ عامی آدمی پر یہی واجب ہے کہ مفتی جو فتویٰ دے اس پر عمل کرے تو یہ بیچارہ اس میں معذور ہوا اگرچہ اس کے مفتی نے یہاں غلطی کی ہے اور یہ بھی محیط میں لکھا کہ اگر کچھنے دلوانے والے کو یہ حدیث پہنچی جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے کچھنے دلوائے اس کا روزہ افطار ہو گیا ہے پس نے اس حدیث سے آگاہ ہو کر عمداً کھالیا تو بھی اس پر کفارہ لازم نہ آئے گا کیونکہ اس نے ایسی چیز پر اعتماد کیا جو اصلی حجت ہے یعنی حدیث پر اعتماد کر کے روزہ توڑا ہے۔

قال المترجم: اس بیان سے بہت فوائد نکلتے ہیں اور اگر اہل اسلام آخرت پر اپنا دل جمادیں اور ذرا نفس سے مخالفت کر کے موت ہادم اللذات کو یاد کریں تو باہم ان میں نفاق و حسد و بغض و رد و قدح وغیرہ کبار فواحش نہ رہیں اور آپس میں شیر و شکر ہو جائیں

اللهم وفقنا وانت الهادي واغفر لنا فقد اعترفتنا بذنوبنا ازا انجملة قولهم لا يزداد على المسعہ مثلا ایک عقد اجارہ پانچ درم پر ٹھہرا مگر عقد فاسد ظاہر ہوا اور کام ہو گیا اور حکم یہ ہوا کہ اجر المثل دیا جائے مگر مسے سے زیادہ نہ دیا جائے پس یہ ایک حرف گویا اصطلاحی ہے اس کے معنی سے واقف ہونا ضرور ہے پس فرض کرو کہ اجر المثل یہاں پانچ یا سات درم ہے اور فرض کرو کہ چار درم ہے تو کرمانی یعنی فتاویٰ ابو الفضل میں لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو مقدار مسے ہوئی و ٹھہر گئی تھی مثلاً مثال میں پانچ درم تو اگر یہ اجر المثل کے برابر ہو پس اجر المثل بھی پانچ درم ہو یا اجر المثل سے زیادہ ہو مثلاً چار ہی درہم تھا تو اس صورت میں اجر المثل یعنی پانچ یا چار درم دیے جائیں اور اگر اجر المثل سے کم مثلاً وہ سات درم ہے تو اس صورت میں مقدار مسے یعنی پانچ ہی درم دیے جائیں گے پس اس کلمہ کے یہ معنی ہیں جو مذکور ہوئے کہ اجر المثل دیا جائے مگر مسے سے زائد نہ کیا جائے گا اور خلاصہ حکم مسئلہ کا یہ نکلا کہ جب ایسی صورت واقع ہو تو اجر المثل دیا جائے اگر مقدار مسے کے برابر ہو ورنہ مقدار مسے دی جائے ازا انجملة قولهم زيادة تيغابن الناس فيها و زيادة لا تيغابن الناس فيهلہ یہ کلام بھی بمنزلہ اصطلاح کے ہے اور توضیح یہ ہے کہ تغابن دراصل خسارت ہے پس زیادہ یتغابن الناس فيها کے یہ معنی ہوئے کہ ایسی زیادتی جس میں لوگ خسارت اٹھانے ہیں ولا یتغابن فيها وہ زیادتی جس میں خسارت نہیں اٹھاتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ اتنی کمی بیشی جس کو لوگ برداشت کر لیتے ہیں کما صرح بہ بعض الشارحین۔ جامع الرموز میں ہے کہ زيادة یتغابن الناس فهم ما الی یتحمل الناس بھا اور مترجم کے نزدیک شاید تحامل الناس ہوں یعنی لوگ اس قدر زیادتی برداشت کر لیتے ہیں یا رسم میں ان پر یہ بار ڈال دیا جاتا ہے یا وہ اس قدر سے چشم پوشی کرتے ہیں بہر حال کچھ ہوا اس کا مدار عرف پر نہیں ہے بلکہ اس کا بیان یہ ہے کہ وہی ماقوم بہ مقوم واحد دون الكل یرغب بشرانہ بذلك القدر واحد من المقومین یعنی جو زیادتی برداشت ہو سکتی ہے اس قدر ہے کہ چند اندازہ کرنے والوں میں سے ایک اتنے داموں کو اندازہ کرے یعنی اگر اس کو رغبت ہو تو اتنے کو خریدنے پر اندازہ کرے اور باقی لوگ بھی تو یہ زیادتی برداشت ہے اور کہا کہ غبن یسر یہ ہوا کہ دو انداز کرنے والوں میں سے ایک مثلاً نو درم کو دوسرا دس درم اندازہ کرے اور اگر کسی نے دس درم کو اندازہ نہ کیا تو دس میں غبن فاحش ہے اور یہی ایک درم وہ زیادتی ہوگی جو برداشت نہیں کی جاتی ہے قال و بہ یفتی کذا فی الصغرے اور فتاویٰ صغرے میں لکھا کہ غبن متحمل و غیر متحمل یا غبن یسر و غبن فاحش کی یہ تفسیر ایسی ہے کہ اسی پر فتوے دیا جائے اور محیط میں لکھا کہ یہی صحیح ہے اور اندازہ کرنے والوں کا اندازہ فقط انھیں چیزوں میں معتبر ہوگا جن کے دام شہر میں کٹے نہ ہوں اور اگر ایسی چیز ہو جس کے دام شہر میں کٹے ہیں تو ایک پیسہ بڑھانا بھی غبن فاحش ہے اٹھلی مانے محیط مترجم کہتا ہے کہ صغرے کا قول کہ اسی پر فتویٰ دیا جائے اور محیط کا کہ یہی صحیح ہے اشارہ ہے کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ دس میں نصف درم غبن فاحش ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں ایک درم فی ڈھائی غبن فاحش ہے اور یہ اقوال کسی اصل کی جانب مستند نہیں ہیں بخلاف تقویم کے پس وہی صحیح ہے فتاویٰ فیہ ازا انجملة قولهم جاز تصرف الاب فی امر ابنہ الكبير المبعنون اذا كان جنونه مطبقا اطباق ڈھانپ لینے کے معنی میں مستعمل ہے اور سب کا اتفاق بھی اسی معنی اطباق میں ہے کما فی قولهم اطبق الناس علی ذلك پس بعض مترجمین نے جنون دائمی ترجمہ کیا اور یہ غلط ہے کیونکہ آئندہ افاقہ کی تفریح بے معنی ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ اس کی مقدار میں اختلاف آئمہ ہے کہ وہ ایک مہینہ ہے یا ایک سال ہے اور بعض مشائخ نے عقود و احوال کے اختلاف پر مبنی کیا ہے کسی میں ایک مہینہ اور کہیں ایک سال مقرر کی پس اختلاف نہ ہوگا۔

نظیر اس کی شہادت ہے کہ کہیں دو گواہ کافی ہیں اور کہیں چار اور اسی سے امام شافعی نے فرمایا کہ رضاعت میں ایک عورت گواہ کیوں نہ معتبر ہو جیسا کہ حدیث سے استنباط ہوتا ہے اور جواب یہ کہ تنہا عورت کی شہادت بدون مرد کے شرع میں معبود نہیں ہے و



تمام الکلام فی الاصول۔ پھر واضح ہو کہ جنون و انغماء میں فرق ہے کہ مجنون بالکل مسلوب العقل ہوتا ہے یعنی جب تک وہ مجنون رہے اور متکلمین وغیرہ کے نزدیک اس میں مناقشہ ہوگا کہ افاقہ کے وقت اعادہ عقل معدوم لازم آتا ہے والدفع سہل اور اعتماد میں عقل بالکل سلب نہیں ہوتی بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے اور انغماء مجہول مستعمل ہے معنی علیہ جس پر انغماء طاری ہو اور اہل لغت اس کو بیہوش لکھتے ہیں حالانکہ جنون کی بھی یہی تفسیر ہے اور زیادہ نشہ میں بھی بیہوشی ہوتی ہے تو جس نے معنی علیہ کا ترجمہ فقط بیہوش لکھا اس نے رعایت سے انحراف کیا فافہم از انجملہ بر ذون اگر چہ لغت میں مختلف معانی میں مستعمل ہے لیکن فقہاء اس کو خالص عربی گھوڑے کے سوائے دو غلے گھوڑے میں استعمال کرتے ہیں از انجملہ لفظ خمر ہے جس کا ترجمہ شراب لکھا جاتا ہے اور مترجم کے نزدیک یہ سہوا کثر خواص سے سرزد ہوتا ہے عوام کا کیا ذکر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سے قوی روایت ہے کہ منصوص حرمت فقط خمر کی ہے اور وہ شراب انگوری ہے حتیٰ کہ ان سے روایت کی جاتی ہے کہ ماسوائے اس کے حرام نہیں ہے اور مترجم نے اگرچہ بنظر وفاق و تحقیق کے یہاں یہ تاویل سمجھ لی کہ نزول تحریم خمر کا شراب انگوری پر ابتداء تھا اور دیگر اشربہ اس میں ثانیاً داخل ہیں اور عدم حرمت کے معنی بناء اصطلاح کے ہیں کہ بدلیل قطعی بلا معارض ہو حالانکہ کراہت تحریمی یہاں وہی حرام ہے جیسے نکاح میں فساد اور بطلان یکساں ہے اور نظیر اس کی خطاب صلوة و زکوٰۃ مثلاً بکلام یا ایہا الذین آمنوا۔ مخاطبین موجودین کے ساتھ اولاً متعلق ہے اور قیامت تک مؤمنوں کے ساتھ ثانیاً اور یہ بحث اصول میں شرح ہے ولیکن مترجم کے زعم سے یہاں بحث نہیں ہے یہاں تو اختلافی مشارب پر نظر ہے پس باذوق و بکفی و مثلث وغیرہ بھی شراب ہیں حالانکہ حکم میں اختلاف ہے لہذا ترجمہ کے ساتھ تنبیہ شرط ہے کہ حکم مذکور شراب خمر کے ساتھ ہے یا کسی دوسری شراب سے ورنہ مطلقاً ترجمہ شراب میں بھی تشویش بنا بقول امام اعظم کے موجود ہے تنبیہ مترجم نے عام کتاب میں سوائے کتاب الاشرابہ کے جہاں شراب ترجمہ کیا وہ خمر کا ترجمہ ہے اور کہیں لفظ بلا ترجمہ چھوڑ دیا اور کتاب الاشرابہ میں خمر کو ترجمہ نہیں کیا اور دیگر اشربہ کو شراب باذوق و شراب مثلث یا فقط بکفی و یسکی کے لفظ سے لکھا ہے فاحفظ از انجملہ لفظ بسر و رطب وغیرہ ہیں اور کتاب الایمان میں ان کی تحقیق کی زیادہ ضرورت ہے مثلاً قسم کھائی کہ بسر نہ کھاؤں گا تو جاننا چاہیے کہ شروع میں جو نکلتا ہے وہ طلع ہے پھر جب بندھا تو سیاب ہے پھر جب سبز ہو گیا تو استیداد ہے پھر خلال ہوتا ہے پھر جب بڑا ہو جاتا ہے تب بسر کہلاتا ہے فارسی میں غورہ خرما بولتے ہیں لہذا بسر کا ترجمہ کیر مشتبہ ہے کیونکہ ہمارے عرف میں مثلاً آم کی کیری ابتداء سے کیری ہے از انجملہ شمم چربی واضح ہو کہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عرف کے موافق مذکور ہے کہ شمم البطن نہ کھاؤں گا تو شارح نے کہا کہ کلیہ کی چربی پر قسم ہوگی تو آنتوں کی چربی اور ہڈی سے مختلط چربی کھانے سے حائث نہ ہوگا اور جو چربی پشت پر ہے جس کو گوشت چربیلا اور فریبی کہتے ہیں اس سے بھی حائث نہ ہوگا اور اختیار شرح مختار میں فرمایا کہ ہمارے عرف میں چربی کا لفظ پشت کے ایسے گوشت پر کبھی واقع نہیں ہوتا انتہی مترجم از انجملہ بیت منزل داران الفاظ کا ترجمہ جن لوگوں نے گھر و حویلی وغیرہ لکھا ہے انھوں نے اپنے اوپر سخت ذمہ داری اس امر کی لازم کر لی کہ ان الفاظ سے مختلف احکام کا تعلق ان کے ترجمہ میں ویسا ہی باقی رہے گا آیا تو نہیں دیکھتا کہ بلفظ خانہ بزبان فارسی کا حکم بدل جاتا ہے چنانچہ بیوع وغیرہ میں خود مصرح ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ خانہ کا ترجمہ گھر نہیں دوسرا ہوگا واضح ہو کہ بیت فقہاء کے استعمال میں چار دیواری و چھت ہو اور دروازہ علیحدہ خاص ہو تو ہمارے عرف میں یہ کوٹھری پر صادق ہے اور لائق بیوتہ یعنی رات بسر کرنے کے لائق ہونا بنظر اصل معتبر ہے۔ منزل جو بیوت کو شامل ہو اور داران سب کو محیط ہے اور اس میں اختلاف عبارات ہے کہ دار فقط ساحت کہ بدون عمارت کے کہتے ہیں یا نہیں تو بعض نے کہا کہ ہاں اور اسی قبیل سے قول شاعر ہے شعر الدار داروان زالت حوا انظہا۔ والبت لیس بیت بعد تہدیم۔ یعنی دار تو دار ہوتا ہے اگرچہ اس کی چار دیواری زائل ہو جائے مگر بیت بعد منہدم کر دینے کے بیت نہیں رہتا۔ و علی ہذا دار کے لئے عمارت شرط

نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا کہ نہیں اور اس فتاویٰ میں بعض مقام پر اس کو مصرح بیان کیا ہے۔ وفی جامع الرموز الدار المنزل باعتبار دوران حوائطنا ثم سمی بہ البلدة لاحاطتها باهلہذا یعنی دار کہتے ہیں منزل کو اس اعتبار سے کہ دیواریں اس کی دائر ہوتی ہیں پھر بلد کو دار کہنے لگے کہ وہ اپنے رہنے والوں کو محیط ہوتا ہے۔ اقول اس میں دار کی تفسیر خاص سے کی گئی وہ منزل ہے۔ لیکن احاطہ کا اعتبار کیا و ذکر غیر واحداں الدار اسم لمجموع العرصتہ والبناء کذا فی المغرب۔ الا انہم قالوا انہا اسم للعرصتہ عند العرب والعجم۔ یعنی لغت مغرب میں لکھا کہ دار نام ہے میدان مع عمارت دونوں کا اور شارح مختصر نے کہا کہ فقہاء نے زعم کیا کہ عرب و عجم کے نزدیک دار خالی میدان کا نام ہے صاحب کافی نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے بدلیل اس مسئلہ کے کہ قسم کھائی کہ دار میں نہ جھاؤں گا پھر کھنڈل ہو جانے اور دیواریں گرنے کے بعد داخل ہوا تو حادث نہ ہوگا۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جس نے یہ زعم کیا کہ اس میں اختلاف نہیں کہ اول میں دیوار احاطہ شرط ہے اور اختلاف اس میں ہے کہ بعد اس کے منہدم ہونے کے دار رہا یا نہیں تو یہ زعم ضعیف ہے کیونکہ مسئلہ کافی میں خرابہ کو دار نہیں مانا گیا۔ پھر واضح ہو کہ باب قسم میں اکثر عرف و مقصود کا بھی لحاظ ہوتا ہے بالاتفاق اگرچہ حقیقت مجبورہ اولیٰ ہے یا عرف مروجہ اس میں اختلاف اصول معروف ہوا شاید فوائد مقصود کی وجہ سے حث نہ ہوا ہو اگرچہ باعتبار زبان کے خرابہ مذکورہ دار ہوے فلیتامل فیہ اور بعض شروع مختصر الوقایہ میں ہے کہ ہمارے عرف میں سرائے کا لفظ مرادف وار ہے اور کفایہ میں ہے کہ وہ سلطان کے دار کا نام ہے اقول بیوع فتاویٰ میں بھی اس طرح مصرح ہے۔ جامع الرموز میں ہے کہ خانہ کا لفظ دار و منزل دونوں کو شامل ہے اور یہی بیوع الفتاویٰ میں مصرح ہے اور لکھا کہ حجرہ نظیر بیت ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ ہمارے عرف میں گھر و خانہ ایک معنی ہیں و بیت کو ٹھہری و حجرہ نظائر ہیں اور احاطہ میں منزل و حویلیاں ہوتی ہیں اور دو منزلہ و چار منزلہ اطلاقات معروف ہیں تو مفتی کو مسائل بیوع و اجارہ و وکالت وغیرہا میں تامل سے فتوے دینا ضرور ہے۔ از انجملہ قریہ و بلد ہیں اور سواد بھی اسی ذیل میں ہے اور تو جانتا ہے کہ مکہ مدینہ زاد ہما اللہ شرفا و تعظیما شہر ہیں وقد قال تعالیٰ رجل من القریتین عظیم۔ تو ان پر قریہ کا اطلاق فرمایا اور علیٰ ہذا بلد اگر شہر ہے تو وارد ہوتا ہے قولہ تعالیٰ والبلد الطیب یخرج بناتہ الایۃ اور مترجم نے اپنی تفسیر میں بقدر توفیق اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے وہاں سے دیکھنا چاہئے اور قصبہ کے لیے لفظ ظاہر نہیں ہے پس عمران و آبادی و بستی نظائر اور گاؤں و قصبہ و قریہ نظائر اور شہر و بلد نظائر ظاہر ہوتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم جامع الرموز وغیرہ میں ہے کہ بلد نام ایسی آبادی کا ہے کہ وار ہا دعمار اتہا مع ربضہ کو محیط ہو۔

صحرا و ہ کشادہ میدان کہ اس میں نباتات نہ ہو اور واضح ہو کہ دار الحرب و دار الکفر نقل بمناسبت ہے اور علماء میں دار الحرب کی تفسیر میں اختلاف معروف ہے اور میرے نزدیک اسی کو ہجرت سے ملحق کرنا چاہئے خصوصاً احکام ربوا و جمعہ و جماعات وغیرہ میں پس جہاں اسلام مغلوب و حد و شرع و شعائر اسلام جاری نہ ہوں اور مسلمین کے لئے قاضی وغیرہ نہ ہو مگر ہر آدمی اپنے ذاتی فرائض ادا کر سکتا ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہیں ہے لیکن مستحب و مندوب ہے اور کبھی قریب بوجوب ظاہر ہوتا ہے لقولہ علیہ السلام انا بری من مسلمین ظہرا فی المشرقین میں ایسے مسلم سے بری ہوں جو مشرکوں کے ساتھ ان کے روبرو آباد ہو لیکن میرے نزدیک یہ ماڈل اس طرح ہے کہ وہ مشرک اس کو ادائے فرائض سے مانع و مزاحم ہوں اور تحقیق اس میں یہ تھا واللہ تعالیٰ اعلم کہ دیات و استمداد و استفسار کے لئے اس وقت جو شرط تھے ان میں سے مظلوم پر یہ واجب کر دیا گیا کہ وہ ایسی جگہ آباد نہ ہو ورنہ مقتول ہونے پر دیت کا یا استفسار پر تصرف کا مستحق نہ ہوگا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم اور ہندوستان میں ابھی تک یہ فتویٰ دیا نہ جائے کہ مثلاً سود کا معاملہ مثل دار الحرب کے جائز ہے کیونکہ یہ اصل خود ضعیف ہے تو صریح نص کے خلاف نہیں ہو سکتا تم نہیں دیکھتے کہ شرع میں اگر کفار عہد شکنی و عذر کریں یا ہمارے ساتھ خیانت کریں تو بھی ہم کو ان کے ساتھ عذر کرنا یا خیانت کرنا جائز نہیں ہے اور علیٰ ہذا جمعہ قائم رکھا جائے اور اس میں فضل عظیم و فقیہ

کے فقہت کی دلیل ہے اور جو کوئی فساد کرے اور خلق اللہ تعالیٰ کو ذخیرہ آخرت سے باز رکھے وہ ظالم تہ کار ہے نعوذ باللہ منہ۔ از انجملہ  
 بستان و کرم پس جس نے کرم کا ترجمہ باغ انگور لکھا یا بستان کا باغ تو یہ خلاف فقہ بدین معنی ہے کہ ہمارے یہاں باغات میں چار  
 دیواری نہیں ہوتی اور چار دیواری کے باغ کو اکثر پھلواری بولتے ہیں اگرچہ اس میں انگور ہوں لہذا خیال رکھنا چاہیے کہ کرم باغ انگور  
 جس میں چار دیواری ہو اور درمیان میں زمین قابل زراعت نہ ہو۔ بخلاف بستان کے اس میں متفرق اشجار سے درمیانی زمین قابل  
 زراعت ہوتی ہے یہ فرق ہے مترجم کہتا ہے کہ جہاں اس نے کرم لکھا یا بستان لکھا اس سے تو یہ معنی سمجھنا چاہئے اور جہاں کہیں باغ انگور  
 ترجمہ کر دیا اور حاشیہ وغیرہ پر تنبیہ نہیں کی وہاں احاطہ دار سمجھنا چاہئے ورنہ چار دیواری کا باغ انگور لکھا ہے پھر تجھے یہ وہم نہ ہو کہ اس سے  
 کیا نقصان ہے انگور کہو یا احاطہ دار کہو کیونکہ اس میں بعض احکام میں تفاوت ہوگا مثلاً عقد اچارہ بلفظ باغ انگور لازم ہونے کے بعد  
 مستاجر نے دیکھا تو بغیر چار دیواری پایا اور اس نے دیکھا کہ بغیر دیوار کے مجھ سے حفاظت نہیں ہو سکتی تو وہ عقد کو فسخ نہیں کر سکتا بخلاف  
 اس کے اگر اچارہ بلفظ کرم واقع ہو تو رد کر سکتا ہے اور یہاں سے یہ بھی سمجھا گیا کہ مسائل میں ہر جگہ چار دیواری کا لفظ لانے کی ضرورت  
 نہیں ہے اگرچہ اصل سے ایک گونہ تحریف باغ ترجمہ کرنے میں ہو لیکن مقصود میں فرق نہ ہوگا مگر جہاں چار دیواری کو حکم میں دخل ہے  
 وہاں ضرور ہے اور ایسی حالت انواع احکام میں ہر باب کے مسائل میں ہوتی ہے لیکن یہ جرات تغیر کی نہ چاہئے اور علیٰ ہذا محصل  
 مرام کو اپنی عبارت میں بتقدیم و تاخیر منضبط کرنا بھی سخت خطر ہے کیونکہ قیود کے مسائل پر رسائی ایک مترجم کا کام ہے نسال اللہ تعالیٰ  
 العصمۃ والسداد و ہولی الانعام از انجملہ بنت لبون اس کے لفظی معنی تو دودھ والی اونٹنی کا مادہ بچہ اور لغت میں وہ بچہ مادہ جس پر تین  
 سال گذرے ہوں۔ پس اگر کوئی شخص اس طرح ترجمہ کرے تو غلط ہوگا اس لئے کہ فقہاء کا استعمال موافق شرع کے ہے اور شرع میں  
 بنت لبون وہ ہے جس پر دو سال ہو کر تیسرے میں ہو اور اس طرح حقہ میں لغت کے چوبیس سالہ کی جگہ شرع میں سبہ سالہ معتبر ہے اور یوں  
 یہ جذعہ میں لغوی پنج سالہ کی جگہ شرع میں چار سالہ معتبر ہے لہذا ترجمہ میں ہوشیاری چاہئے۔ از انجملہ بکری کا لفظ ہماری زبان میں  
 بھیڑی سے متمیز ہے اور بضرورت مترجم نے جہاں بکری لکھا ہے وہ شاة کا ترجمہ ہے اگرچہ نقص کے ساتھ ہے لیکن جہاں غنم کا ترجمہ  
 بکری ہے وہ مطابق ہے مگر جہاں مسئلہ کا حکم بکری و بھیڑی سے بدلتا ہے

وہاں بدون ترجمہ کے عین لفظ لکھا گیا ہے اور تفصیل و بیان اس کا یہ ہے کہ قاموس و محیط سے بشہادت جامع الرموز ظاہر  
 ہوتا ہے کہ جس صوف واوں ہو اس کو ضامن کہتے ہیں جیسے ہمارے یہاں تبت کی بکریاں اور کشمیر میں بھی پائی جاتی ہیں اور جس پر  
 بال ہوتے ہیں جیسے عموماً ہندوستان میں ہوتی ہیں اس کو معزز کہتے ہیں اور غنم کا لفظ ان دونوں کو شامل ہے اور یہی حال لفظ شاة کا ہے  
 (ش ات) اور یہ واحد پر بولتے ہیں یعنی شاة کے لفظ میں وحدت فروہی معتبر ہے بخلاف غنم کے اور جمع شاة کی شیاہ بشین دی والف و  
 باء۔ اور شیخ ابوالکارم نے شرح نقایہ کتاب الزکوٰۃ میں لکھا کہ قسم ضامن میں مذکر کو کبوش کہتے ہیں اور مترجم نے کہیں کہیں مینڈھا اس کا  
 ترجمہ کیا ہے اور مادہ کو نعبہ کہتے ہیں جس کے ترجمہ میں بھیڑی لکھا ہے اور معزز کے نر کو تیس بولتے ہیں اور مادہ کو معزز کہتے ہیں اور مترجم نے  
 کہیں بکرا بکری لکھا ہے اور شاة عام ہے کہ ضامن معزز کے مذکر و مؤنث سب کو شامل ہے اس سے ظاہر ہوا کہ شاة میں تا تا نیت نہیں ہے  
 بلکہ وحدت ہے فافہم۔ از انجملہ بیاع جامع الرموز میں نقل کیا کہ بیاع جو لوگوں کا مال کچھ اجرت لے کر فروخت کر دے گدائف و کالت  
 الذخیرہ و سیاتی لک زیادہ تفصیل اور مترجم کہتا ہے کہ اگر مال نہ بکا تو اجرت کا مستحق نہ ہوگا گدائف الا جارات لیکن اگر وقت کے لئے  
 مزدور ہو تو چاہے جس قدر اموال اس وقت فروخت کرے مقررہ مزدوری پائے گا اور چاہے کچھ فروخت نہ ہو تب بھی مزدوری کا مستحق  
 ہوگا لیکن اس صورت میں بیاع نہ ہوگا واللہ اعلم از انجملہ تخلیہ خالی کرنا۔ پس اگر کسی نے دار فروخت کیا تو اس کو ذاتی اسباب سے خالی

کر کے قفل کی کنجی دے دینا بخسور مشتری کے جبکہ وہ آنکھوں سے دیکھتا ہو اور اگر اجارہ پر ہو تو حق مستاجر سے خلاص کر دینا وغیرہ اور ایسے ہی اجارہ دینے میں تخلیہ اس کی ضرورت سے ہوگا اور مترجم نے اکثر مقام پر روک ٹوک دور کر دینا لکھا ہے و قال فی الرهن التخلیہ یعنی رہن کو مرہن کے سپرد کر دینا اور یہ درحقیقت عام لفظ و او مقصود ہے اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ منقولات میں تخلیہ سے سپردگی نہیں ہوتی ہے جب تک انگلیوں سے گرفت نہ ہو کمانے فتاویٰ ابی الفضل الکرمانی اور توضیح تجھ کو کتاب البیوع کے ملاحظہ سے معلوم ہوگی حاصل یہ کہ تخلیہ ایک طریقہ علم کا ہے اور بیشک غیر منقول میں تخلیہ سے سپرد کرنا قبضہ ہوتا ہے از انجملہ تزویج بروزن تصرف بہتقی نے کہا کہ زن کردن شوے کردن یعنی مرد نے تزویج کیا تو معنی یہ کہ جو روکی اور عورت نے خاوند کیا و جامع الرموز میں کہا کہ اساس و دیوان وغیرہما میں ہے کہ متعدی بخود ہوتا ہے اور بحرف باء بھی ہوتا ہے اور حرف من سے متعدی نہیں ہوتا اگرچہ ان کے کلاموں میں کثرت سے موجود ہے مترجم کہتا ہے کہ مراد یہ کہ عربی زبان میں تزویج اور تزویج منہا نہیں بولتے ہیں پھر واضح ہو کہ فقہاء نے جب کہا کہ زوجه یا زوج بھایا منہا تو ان کی یہ مراد ہے کہ اس نے اپنے نکاح میں اس عورت کو لے لیا اور یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دیا۔ بخلاف تزویج بزوجین تعریف کے کہ لغت میں بقول بہتقی (مرد کو مجبور اور عورت کو خاوند دینا) اور فقہاء نے جب کہا کہ زوجه یا زوج بھایا منہا۔ تو یہ مراد یہ ہوتی ہے کہ کسی اور کے نکاح میں اس کو دی دینا۔ چونکہ تزویج و تزویج دونوں کا تعدیہ بخود و بحرف باء ہوتا ہے لہذا فقہاء نے من کے صلہ سے دونوں مطلب میں فرق کر دیا پس اگر مرد نے وکیل نکاح سے کہا کہ زوجه یا زوج بھایا منہا۔ میرے نکاح میں اس کو دیدے اور اس نے کہا کہ زوجه یا زوج بھایا منہا۔ تو نکاح منعقد ہوگا اور جب کہا کہ تزویج منہا۔ میں نے عورت کو اپنے نکاح میں کر لیا حالانکہ تزویج بھایا منہا کے ہو سکتے ہیں کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک بخود و بحرف باء متعدی ہوتا ہے۔ بعض مترجمین نے ناکہجی سے اس فرق کو ضائع کر دیا چنانچہ بیوع کے مسئلہ میں مشتری جاریہ و زوج بھالی آخرہ جو اس غرض سے موضوع ہے کہ خرید کردہ باندی پر مشتری کے خالی نکاح کر دینے سے قبضہ ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اس شخص نے یوں ترجمہ کیا کہ باندی خریدی اور اس سے نکاح کر لیا حالانکہ قطع نظر الفاظ کے یہ سخت غفلت ہے اس لئے کہ خریدنے کے بعد ملک میں حاصل ہونے سے نکاح کی صورت کیونکر ہوگی۔ فافہم۔ یہاں مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ رواقص میں سے ایک غالی فرقہ ہے جو حضرت صدیق اکبر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کو کافر اور اور حضرت فاروق خلیفہ دوم کو کافر کہتا ہے حالانکہ یہ فرقہ خود کافر ہے کیونکہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی دوسرے کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک ایسا ہو جاتا ہے یعنی اگر کہنے والا سچا ہے تو دوسرا کافر ہے اور اگر جھوٹا ہے تو کہنے والا خود کافر ہے اور غالی رافضی کے قول ہیں ہم بالیقین جانتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اکبر بنصوص آیات و شہادت الہی و کثرت احادیث و شہادت رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ درجہ کے مؤمنین تھے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کی شہادت ہوگی پس بالیقین معلوم ہوا کہ یہ فرقہ خود کافر ہے۔ اب سنیوں نے بعض واعظین نے کہا کہ حضرت شہر بانو جو بادشاہ یزدگرد کی بیٹی تھیں جب حضرت فاروق اعظم نے فارس پر جہاد کیا تو یہ بھی فتح کے بعد گرفتار ہو کر آئیں اور حضرت فاروق نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیدیں چنانچہ حضرت علی اکبر وغیرہ شہدائے کربلا انہیں کے بطن پاک سے ہیں پس اگر غالی رافضیہ کا قول صحیح ہوتا تو جہاد صحیح نہ ہوتا تو حلت کی کیا صورت تھی باوجودیکہ اہل بیت میں سے یہ حضرات بھی ہیں جن کے واسطے تطہیر ثابت بھس قرآنی ہے پس فرقہ رافضی مذکور کذاب ہے۔ قال المترجم ہذا علی قول من قال بعدم العتق چم التزوج و هناك من قال بذلك و قيل الاول اثبت واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر واضح ہو کہ جامع الرموز میں لایا کہ لايجوز المناکحة بين بنی آدم و انسان الماء والجن کما فی السراجیہ یعنی آدم زاد سے اور آبی انسان یا جن سے باہم نکاح کا عقد جائز نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے لیکن قنبریہ میں حسن بصری سے نقل کیا کہ دو مردوں کی

گواہی پر جن سے عورت سے نکاح کر لینا جائز ہے اور جامع الرموز میں لایا کہ لا یصح نکاح الشافعیۃ لانیہا صارت کافرة بالا  
ستثناء علی ماروی عن الفضلی و منهم من قال تتزوج بناتہم کذا فی المحيط یعنی لکھا کہ جو عورت کہ شافعیہ مسلک پر ہو اس  
کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ استثناء سے وہ کافرہ ہو گئی یعنی موافق قول شافعی کے جب اس سے پوچھا جائے کہ تو مؤمنہ ہے وہ کہے  
گی کہ ہاں انشاء اللہ تعالیٰ پس انشاء اللہ تعالیٰ کہنے سے وہ بوجہ شک کے کافرہ ہوئی اور یہ حکم امام فضلی سے روایت کیا گیا ہے۔

اور ان مشائخوں میں سے بعض نے کہا کہ شافعیوں کی دختروں سے نکاح کر لینا جائز ہے کذا فی المحيط۔ مترجم کہتا ہے کہ  
امام فضلی و اس طبقہ کے مشائخ سب فقہاء تھے لہذا ان کی طرف کسی مجہول راوی کا بلکہ بغیر رواۃ کے خالی خیالی قول کا منسوب کر دینا خود  
میر معتمد ہے خصوصاً ایسا قول کہ فقیہ کی شان سے نہیں بلکہ محض خلاف شان ہو آیا کسی شخص کو روا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اتباع  
کو کافر کہے نعوذ باللہ من ذلک کیونکہ شافعیہ عورت کی کیا خصوصیت ہے پس تو دیکھتا ہے کہ یہ لوگ کیسے رطب و یابس روایات جمع کرتے  
ہیں اور اسلام میں فتنہ پھیلاتے ہیں۔ جاہل متعصب خود اپنی جہالت سے فتنہ میں پڑتا ہے اس نے تعصب کا نام اسلام سمجھا ہے حالانکہ  
ائمہ علماء متفق ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ اسلام کے اماموں میں سے ایک عالم امام ہیں اور ان کو کافر کہنا خود کفر ہوگا جیسا کہ ائمہ علماء کا زعم  
ہے فاتقوا اللہ واللہ شدید العقاب از انجملہ تہذیب۔ تانجی ز۔ فی الحال واقع کرنا یہ مقابل تعلق کا ہے جو کسی چیز کے ساتھ لگانا  
ہوتا ہے پس طلاق و عتاق معلق بہ ہے کہ اگر تو نے پیاز کھائی تو تجھ کو طلاق ہے یا تو آزاد ہے اور منجر یہ ہے کہ تجھ کو میں نے طلاق دی یا  
آزاد کیا اور تجھ پر دراصل تعزیر ہے من قولہم ناجز بنا جز نقد بقدر از انجملہ تبر۔ تبر۔ جامع الرموز میں ہے کہ سونا و چاندی سکے سے پہلے  
تبر ہیں اور کبھی تانبہ و تیل و لوہا بھی تبر کہلاتا ہے لیکن سونے کے ساتھ مخصوص بولتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ میں نے پتر کے ساتھ ترجمہ کیا  
ہے۔ پتر اور جہاں جس قسم کا ہو وہ بھی مصرح کر دیا ہے اور فقرہ گداختہ چاندی ہے از انجملہ ثمر۔ ہمارے عرف میں قریب ہے کہ  
سوائے پھل کے اور کسی چیز پر نہ بولا جائے البتہ مجازاً جب کہیں کہ تم نے کیا پھل پایا تو مطلق فائدہ خواہ آدمی سے ہو یا درخت سے حتی  
کہ فعل سے بھی اور عرب کی زبان میں مطلقاً جو چیز کہ درخت سے بلا کسی کی صنعت کے حاصل ہو اور یہ محفوظ رکھنا چاہئے دو وجہ سے ایک  
وجہ یہ ہے کہ جو حکم وہاں مذکور ہے اس میں عربی عرف پر محمول کرنے سے اشکال نہ ہو۔ مثلاً لایا کل من ثمر هذه النخلة۔ اس کھجور  
کے ثمر سے نہ کھاؤں گا اس طرح قسم کھائی تو ہر اس چیز پر واقع ہوگی جو اس درخت سے پیدا ہو بلا کسی کی صنعت کے اور کھائی جائے حتی  
کہ پتی و چھال و شاخ پر نہیں بلکہ طلع و خلال و بلخ و بسر و رطب و تمر و جمار پر واقع ہوگی اور جمار ثمر النقل یعنی گوند ہے اور بس پر بھی یعنی  
تاڑی مگر جب پکا ڈالی جائے تو نہیں اور وجہ دوم یہ ہے کہ جو حکم وہاں مذکور ہے اگرچہ بعبارت اور دو مذکور ہے اس کو بعبارت عربی سمجھ کر  
حکم کو منطبق کرنا چاہئے اور ہماری زبان میں اگر قسم کھائی کہ اس درخت کے ثمر سے نہ کھاؤں گا تو میرے نزدیک شروع مول سے آخر  
پھل تک واقع ہوگی اور گوند وغیرہ حتی کہ تاڑی پر واقع نہ ہوتا چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم۔ فان قیل التمر عربی یراعی فیہ اصل معناه  
قلت لابل ما استعمل فیہ عندنا بعد النقل کمالاً یراعی فی الالفاظ العجمتہ عند العرب الاما استعملو فیہ بعد النقل  
فافہم۔ از انجملہ جد اول جمع جدول پتلی سی نالی جس سے چرس کا پانی کنوئیں سے نکال کر بہتا ہوا کیاری میں جاتا ہے اور بارغ میں اس  
سے چوڑا ہو تو ساقیہ ہی جمع ہے جمع اس کی سواتی گویا نالہ ہوا اگرچہ اتنا گہرا نہ ہو اور اس سے چوڑا نہر ہے ذکرہ العینی فی شرح الکنز  
وغیرہ۔ از انجملہ الحرمتہ باب نکاح میں چاہو کہو کہ نکاح فاسد ہوگا یا باطل ہوگا یا حرام ہوگا سب یکساں ہیں کیونکہ فاسد بھی حرام ہوا جیسا  
کہ قاضی خان و کرمانی و نہایہ و مستقصی وغیرہ میں ہے کذا فی جامع الرموز۔ از انجملہ حشیش کہ معروف ترجمہ گھاس ہے اور دراصل  
نباتات جو ساقدار نہ ہوں اور عامہ لغات میں سوکھی گھاس کو حشیش کہا ہے اور کماۃ گھاس نہیں بلکہ زمین کے اندر رکھی ہوئی چیز کے مثل

ہے از انجملہ قولہم خیاط استاجر عبد التخیط معہ فترک الخیاط عملہ یعنی درزی نے کسی کا غلام مزدوری پر اجارہ لیا پھر خیاط نے اپنا کام چھوڑ دیا۔ تو بعض شراح نے بیان کیا کہ خود کرتا رہا ہو۔ یا یہ پیشہ چھوڑے تب اجارہ ٹوٹے گا اور ظاہر یہ ہے کہ فقط تنہا کرنا اختیار کیا۔ وقد فصلہ المترجم۔ از انجملہ الخص بالضم نہایہ میں وہ بیت کہ نرکل و پھوس و لکڑی وغیرہ سے بنائیں مگر فقہاء اس چھت کی چار دیواری پر وہ کہتے ہیں جو نرکل وغیرہ سے بنا لیا جاتا ہے۔ از انجملہ الخراج جوزمین و باغ پر لگان ہو لیکن دو قسم کا ہوتا ہے اول خراج مقاسمہ یعنی بٹائی اور وہ پیداوار میں سے کوئی جزو معین ہے جس کو بادشاہ سب لوگوں کی طرف سے ان کے بیت المال کے لئے پیداوار پر مقرر کرتا ہے جیسے چہارم پیداوار وغیرہ اور زراعت کا خرچہ نکال دینے کے بعد باقی کا چہارم وغیرہ لیا جاتا ہے اور ہر زمین و باغ کی طاقت پر مقرر ہوتا ہے لیکن نصف سے زیادہ نہیں ہو سکتا ورنہ ظلم ہوگا اور ایسے ہی اس کا ادا ہونا پیداوار پر ہے حتیٰ کہ اگر زمین میں کسی وجہ سے کچھ پیداوار نہ ہو تو یہ خراج بھی واجب نہ ہوگا۔

اور اگر کسی نے سال دو سال کا خراج پیشگی دیدیا تو جائز ہے کیونکہ سبب یعنی زمین لائق پیداوار موجود ہے کذا ذکرہ بعضہم اور مترجم کہتا ہے کہ غلط ہے بلکہ خراج موظف میں البتہ ایسا جائز ہے اور خراج مقاسمہ میں گہوں وغیرہ اموال ربویہ کی صورت میں سود ہو جائے گا فاقہم قسم دوم خراج موظف جو بنام لگان ہمارے یہاں معروف ہے اور اس کو خراج وظیفہ مقاطعہ بھی کہتے ہیں اور جو کچھ نقد یا اناج غیر جنس پیداوار جو امام کسی زمین باغ پر مقرر کرے لیکن اندازہ اس کا بقدر وظیفہ عدل ہوگا چنانچہ جس زمین کو خرابی پانی پہنچے اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے اہل السواد کے جریب گہوں یا جو پر ایک صاع مقرر کیا تھا اور رطبہ کے ہر جریب پر پانچ درم یعنی سواروپہ سے کچھ زیادہ مقرر فرمایا تھا علیٰ ہذا پس کہا گیا ہے کہ اس سے زیادہ کرنا ظلم ہے اور نوشیروان عادل نے بھی کزیہ جس کا معرب جزیہ ہے اس قدر مقرر کیا تھا اور یہ جزیہ السلام میں تذلیل کرنے کے لئے نہیں تھا جیسا کہ قولہ تعالیٰ یعطو الجزیۃ عن یدوہم صاغرون سے سمجھا گیا بلکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اسلام چھوڑ کر انہوں نے ایسا اختیار کیا پس ان کو راہ حق پر آمادہ کیا تھا کیونکہ اسلام سے ان کو نعمت ایمان ملتی تھی اور سب کے برابر درجہ ملتا تھا اور جزیہ کی مقدار جس کو نوشیروان عادل نے مقرر کیا تھا اس سے بھی کم یعنی آدھا اس کا مومن سے لیا جائے گا تا کہ وہ تھوڑے کام سے فراغت پا کر اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کرے اور اللہ تعالیٰ کو اسی بندہ عارف کی تسبیح و عبادت پسند ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے کہ خراج خواہ موظف ہو یا مقاسمہ ہو اس کی ضمانت کر لینا صحیح ہے کیونکہ وہ جنگی فوج کا حق ان کی حفاظت وغیرہ کے عوض میں واجب ہے اور بعض نے کہا کہ مراد فقط موظف ہے

جو ہر سال مقرر ہوتا ہے اور مقاسمہ مراد نہیں جو پیداوار پر ہوتا ہے کیونکہ وہ ہنوز ذمہ پر واجب نہیں ہوا ہے۔ از انجملہ خارج۔ کہ بحسب اللغۃ خروج کا اسم فاعل ہے اور اصطلاح لدعویٰ میں جو شخص کہ غیر قابض مدعی ہو۔ ومن ذلك قولہم و لو اعی خارجان عینا فی ید ثالث اور معنی یہ کہ دو غیر قابض نے تیسرے کی مقبوضہ مال عین کا دعوے کیا یعنی تیسرے پر یہ دعوے کیا کہ یہ مال عین ہماری ملک ہے اور تیسرے کے قبضہ میں ناحق ہے۔ از انجملہ الدلیۃ۔ اصل لغت میں جو زمین پر چلے یا رینگے اور بدیع معنی حشرات الارض چیونٹی وغیرہ کو بھی شامل ہے اور وضع ثانی میں چار پایہ سے اور کہا گیا کہ وضع ثالث میں گھوڑے سے مخصوص ہوا اور مراد وضع سے نقل عربی ہے اور فقہاء کے اطلاق میں اختلاف ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں از ارہ عرف کے دابہ کا لفظ گھوڑے و گدھے و خچر کو شامل کیا اور اس وجہ سے حسب موقع مترجم نے کہیں سواری کا جانور چوپایہ ترجمہ کر دیا ہے اور غزنیہ میں اس کو ہر چار پایہ کے واسطے مطلقاً لیا اسی سے مترجم نے حسب موقع چوپایہ ترجمہ کیا اور مفردات میں کہا کہ گھوڑے کے لئے مخصوص ہے لہذا جہاں موقع یہی ہوا وہاں گھوڑا ترجمہ کیا ہے از انجملہ دیوان اور فقہ میں دیوان القاضی سے وہ خریطہ مراد ہے جس میں چکین و دستاویز و محضر نقل پروانہ متولی

اوقات و تقدیر نفقات وغیرہ کاغذات ہوں۔ از انجملہ قولہم ما ذاب لک علیہ مراد یہ ہے کہ لے دیکر جو تیرا فلاں پر ثابت ٹھہرے یا واجب نکلے لہذا کفالت میں جہاں اس طرح مذکور ہے یہی مراد ہے از انجملہ روایت کا لفظ ہے جامع الرموز وغیرہ میں کہا کہ لغت میں نقل کو کہتے ہیں اور عرف فقہاء میں کسی فقیہ سے کوئی فرعی مسئلہ نقل ہونا خواہ فقیہ مذکور سلف میں سے ہو یا خلف میں سے اور جب کبھی خلف کے قول سے مقابلہ ہو تو روایت مخصوص سلف ہوتی ہے واضح ہو کہ قولہ روایۃ عنہ اس کے یہ معنی کہ اس امام سے ایسا روایت کیا جاتا ہے جائز ہے کہ اس کا مذہب یہ ہو یا نہ ہو بخلاف عنہ کے جب کہا جائے کہ فلاں کے نزدیک تو ظاہر یہ کہ اس کا مذہب ہے از انجملہ رباط بمعنی رسی و بندش و منہ قولہم من حل رباط سفینتہ فغرقت اور رباط قیام سرحد کفار پر بغرض جہاد یا حفظ حدود و ثغور منہ قولہ علیہ السلام رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا و ما فیہا از انجملہ رقی بمانند قول فقہاء لا یتصح الرقی اور امام ابو یوسف کے نزدیک رقی یہ ہے کہ دوسرے سے کہے کہ میرا گھر تیرے لئے رقی ہے اگر میں تجھ سے پہلے مرا تو وہ تیرے لئے ہے اور اسی کے قریب عمری ہے قاضی خان نے ذکر کیا کہ عمری یہ کہنا کہ اگر میں تجھ سے پہلے مرا تو یہ گھر تیرے لئے ہے اور اگر تو مجھ سے پہلے مرا تو یہ میرے لئے ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اپنا گھر دوسرے کے لئے اس کی مدۃ العمر تک کر دینا اس شرط سے کہ جب مرے واپس ہے یعنی عمری دینے والے کو یا اس کے وارث کو واپس ہے قال و تصح العمری اور یہاں صحت سے یہ مراد ہے کہ اس طرح دے دینا صحیح ہے اور شرط مذکور باطل ہے حتیٰ کہ وہ گھر جس کو دیا ہے اسی کے وارثوں کو ملے گا تبیدہ منجملہ متشابہات احکام کے ہماری بولی میں یہ کہنا کہ یہ گھر تیرا ہے اور یہ گھر تیرے لئے ہے اور یہ گھر تیری ملک ہے تو اول متحمل اقرار ہے اور جھگڑے کے وقت ہبہ کا دعویٰ کرنے والا باطل قرار دیا جائے گا کیونکہ اقرار اس پر تو حجت قوی ہے اگرچہ دوسرے کے حق میں حجت نہ ہو تو اسی نے گویا اقرار کیا اور پھر دعویٰ کیا کہ میں نے ہبہ کیا تھا تو اول اتوے ہوگا اور بدون گواہوں کے تصدیق نہ ہوگی اور قول دوم ہبہ ہے اور تیسرا صریح اقرار ملک ہے اس واسطے مترجم نے رقی و عمری کی تفسیر میں تیرے لئے کہا اور تیرا ہے نہیں کہا فاحفظہ فان ذلك ملہم از انجملہ لفظ ریحان نباتات میں سے خوشبودار کذا فی الاختیار شرح المختار و کذا فی المغرب اور فقہاء کے نزدیک جس کی ڈنڈی مثل اس کی پتیوں کے خوشبودار ہو جیسے آس دور دیا فقط پتیاں خوشبودار ہوں جیسے یاسمین۔ اس طرح جامع الرموز میں مذکور ہے اور اس میں تامل سے دیکھنا چاہئے اور لکھا کہ جامع ابن بیطار میں ہے کہ وہ ہر درخت کی کلیاں ہیں اور طلاق مخصوص جس سے عرق کھینچا جائے مشتہر ہو گیا ہے۔ از انجملہ رقی رقت پتلا پن اور رقیق جس میں کوئی جزو آزادی کا نہ ہو اور واضح ہو کہ عبارات فقہاء مختلف ہیں صدر الشریعہ کی بعض عبارات سے نکلتا ہے کہ رقی بدون ملک کے نہیں پایا جاتا ہے اور مستقصی وغیرہ میں ہے کہ کفار جو دار الحرب میں ہیں سب کے سب رقیق ہیں مگر کسی کے مملوک نہیں ہیں قال المترجم اس مقام کی تحقیق میں کلام طویل ہے یہاں گنجائش نہیں ہے میرا مقصود صرف یہ ہے کہ مترجم نے رقیق کا اگر ترجمہ کیا ہے تو محض مملوک لکھا ہے اور کثرت سے فقہاء رقیق کو بمقابلہ آزاد و مدبر و مکاتب و ام الولد و معتق البعض و اما الغنقد فیہ سبب الحریہ۔ استعمال کرتے ہیں کما لا یخفى علی من مارس الفن از انجملہ روٹ متشابہ سے کہ لغت میں ذی حافر جانور کے گوبر کو کہتے ہیں مگر فقہاء اس کو فقط سرگین یعنی گوبر کے معنی میں بولتے ہیں تولید و یئگنیاں داخل نہیں ہوں گی۔

اور یہ جامع الرموز میں لکھا ہے اور عذرہ پلیدی ہے کہ آدمی و مرغی و کتا وغیرہ کے پیخانہ کو شامل ہے اور غاظ آدمی میں زیادہ مستعمل ہے اور مقصود تحقیق لغت نہیں بلکہ تنبیہ ہے اور خراء و خراءۃ کبوتر وغیرہ کی بیٹ ہے اور کبھی آدمی کے ساتھ کنا یہ ہوتا ہے و منہ قولہ علمکم بینکم کل شیء حتی الخراءۃ الحدیث سرقین معرب سرگین ہی از انجملہ رصاص کہ لغت میں رائگ قلعی کے معنی میں ہے پس درم کی صفت میں ملتبس ہوتا ہے کہ رائگے کے ہوں حالانکہ رصاص درم وہ ہیں جن پر ملمع ہو صرع بہ جامع الرموز تنبیہ اقسام درم

میں بہت ان کتب فقہ میں مذکور ہیں اور متفرق میں نے ذکر کئے ہیں اور یہاں مختصر طور پر رکھتا ہوں کہ مجملہ اقسام کے زیوف درم بالضم مصدر زافت الدراہم زیف یعنی میل کی وجہ سے مردود ہو گئے کمافی القاموس یا جمع زیف ہے جس میں تانبہ وغیرہ ملا کر کھراپن کھود یا گیا ہو کمافی طلبہ الطلب اور قاموس نے جو ان کو مردود کہا تو معنی یہ ہیں کہ وہ رد کر دیے جاتے ہیں لیکن پوشیدہ نہیں کہ خالی بیت المال ان کو پھیرتا ہے کہ وہ کھرے کے سوائے نہیں لیتا اور باہمی معاملات میں مردود نہیں ہیں پس اظہر قول دوم ہے۔ دوم نہرج بتقدیم بآء یا نون معرب نہرہ بمعنی ناسرہ جس میں کھونٹ ہو اور واضح ہو کہ زیوف و نہرہ دونوں قسم میں میل سے چاندی زیادہ ہوتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ زیوف کو تاجر نہیں پھیرتے اور نہرہ کو تاجر بھی نہیں لیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ نہرہ جس کا سکہ مٹ گیا ہو ذکرہ صدر الشریعہ فی القضاء پس اس صورت میں زیوف نہرہ واحد ہیں صرف سکہ موجود و معدوم ہونے کا فرق ہے۔ سوم ستوقہ وہ درم جس میں تانبہ و پتیل یا جستہ غالب ہو اور چاندی کم ہو وقد قبیل انہا تعتبر بالعرض۔ چہارم رصاص یہ فقط درم کی صورت ہوتے ہیں ان پر چاندی کا ملمع ہوتا ہے اور یہ درحقیقت درم نہیں ہیں کما صرح بہ غیر واحد۔ واضح ہو کہ اقسام یہاں بحسب العین کئی ہیں اس طور سے بیان ہو سکتے ہیں کہ درم یعنی صورت مخصوص یا چاندی میں ہے یا نہیں۔ قسم دوم بطریق ملمع نہ ہو تو موجود نہیں اور اگر ہو تو رصاص ہے اور قسم اول میں خالص ہو یعنی ادنیٰ میل جو بمنزلہ مستہلک ہے تو دو قسم معروف ہیں دو دھیا چاندی ہو تو دراہم بیض سفید درم ہیں اور کبھی واضح بولتے ہیں لیکن زیادہ مکسور و غلہ کے مقابلہ میں آتا ہے اور اگر سیاہ چاندی ہو تو دراہم سود یعنی سیاہ درم ہیں اور اگر غیر خالص ہو پس اگر میل زیادہ ہو تو ستوقہ ہیں اور اگر چاندی غالب ہو زیوف و نہرہ ہیں اور دو دھیا و سیاہ درحقیقت صفت جودت و ردارت کے اعتبار سے ہیں نہ باعتبار عین کے کیونکہ شرعاً اس صفت سے نفس چاندی کا تفاوت معتبر نہیں ہے جیسا کہ باب الربوا میں معلوم ہو چکا۔ اور صحاح پورے درم اور مکسورہ شکستہ اور نظیر اس کی پورا روپیہ اور دو اٹھدیاں یا چار چونیاں مثلاً اور دراہم غلہ پختیل کہ خالص و زیوف نہرہ دستوقہ ملا کر ہوں بخلاف رصاص کے وہ درحقیقت غیر جنس ہے اور شائی و تملائی وغیرہ جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے اس سے یہ غرض ہے کہ دول کرایک درہم ہوا جیسے مثلاً اٹھدیاں کہ دول کرایک روپیہ ہوا اور تملائی میں مل کر اور رباعی غلے ہذا القیاس و قولہ کا اعدالی ایوم بفرغانہ جیسے فی زمانہ فرغانہ میں اعدالی رائج ہیں تو دراہم کے اقسام ذاتی سے ان کا خروج نہ ہوگا صرف فرق سکہ سے ناموں میں ہوگا تو اعدالی جس بادشاہ نے سکہ رائج کیا نام رکھا گیا ہے اور نظیر اس کی چہرہ شاہی و جیپوری و کلدار وغیرہ اشرفیاں ہیں اور بغیر سکہ کے خالی چاندی گداختہ مانند طمغاجی و وہ دہی و وہ نہی اور زخمدار وغیرہ اقسام ہیں اور زخمدار کے معنی قریب اس کے ہیں جیسے ہمارے یہاں کٹاؤ کی چاندی و اینٹ کا سونا وغیرہ بولتے ہیں فاحفظ المقام واللہ اعلم بالصواب از انجملہ لفظ رہن بمعنی گرو۔ مفردات میں ہے کہ جو ادھار قرض کی مصبوطی کے لئے رکھا جائے اور اکثر کتب میں ہے کہ لغت میں رہن کے معنی مال کو روک رکھنا خواہ کیسا ہی مال ہو۔

اور شرع میں ادھار و قرض کی وجہ سے ایسا مال جو قیمت دار ہے روک لینا جس سے قرضہ لینا ممکن ہو اور جامع الرموز میں کہا کہ مراد یہ ہے کہ قرضہ اس مال کی قیمت دوام سے بھر پانا ممکن ہو۔ میں کہتا ہوں کہ بھر پانے کی قید محض سہو ہے اور صحیح وہ ہے جو برجنڈی نے کہا کہ بھر پور قرضہ اس سے وصول ہو جانا شرط نہیں ہے بلکہ تھوڑا یا سب اس سے وصول ہو جانا ممکن ہو۔ تنبیہ ادھار یا قرض۔ اس سے مترجم کی یہ غرض ہے کہ مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ دس روپیہ کو ادھار ایک چیز نیچی تو دس روپیہ عمرو پر ادھار کہلائیں گے اور عمو ما مترجم اس کی جگہ قرضہ لکھتا ہے اور قرض نہیں کہلائیں گے کیونکہ وہ عین شے پر مخصوص ہے حتیٰ کہ اگر دس روپیہ اس سے نقد لئے تو قرض ہیں اور اس کو مترجم قرض بدون زیادت ہارلاتا ہے اور اگر ایک پیمانہ گہیوں قرض لئے تو یہ بھی قرض ہے اور احکام میں بعض صورتوں میں تفاوت ہے اور عوام یہ فرق نہیں کرتے ہیں قرضہ ادھار کی جگہ قرض و برعکس بولتے ہیں لہذا مفتی جب فتویٰ دیے گا اور ایسی صورت میں تو بعض



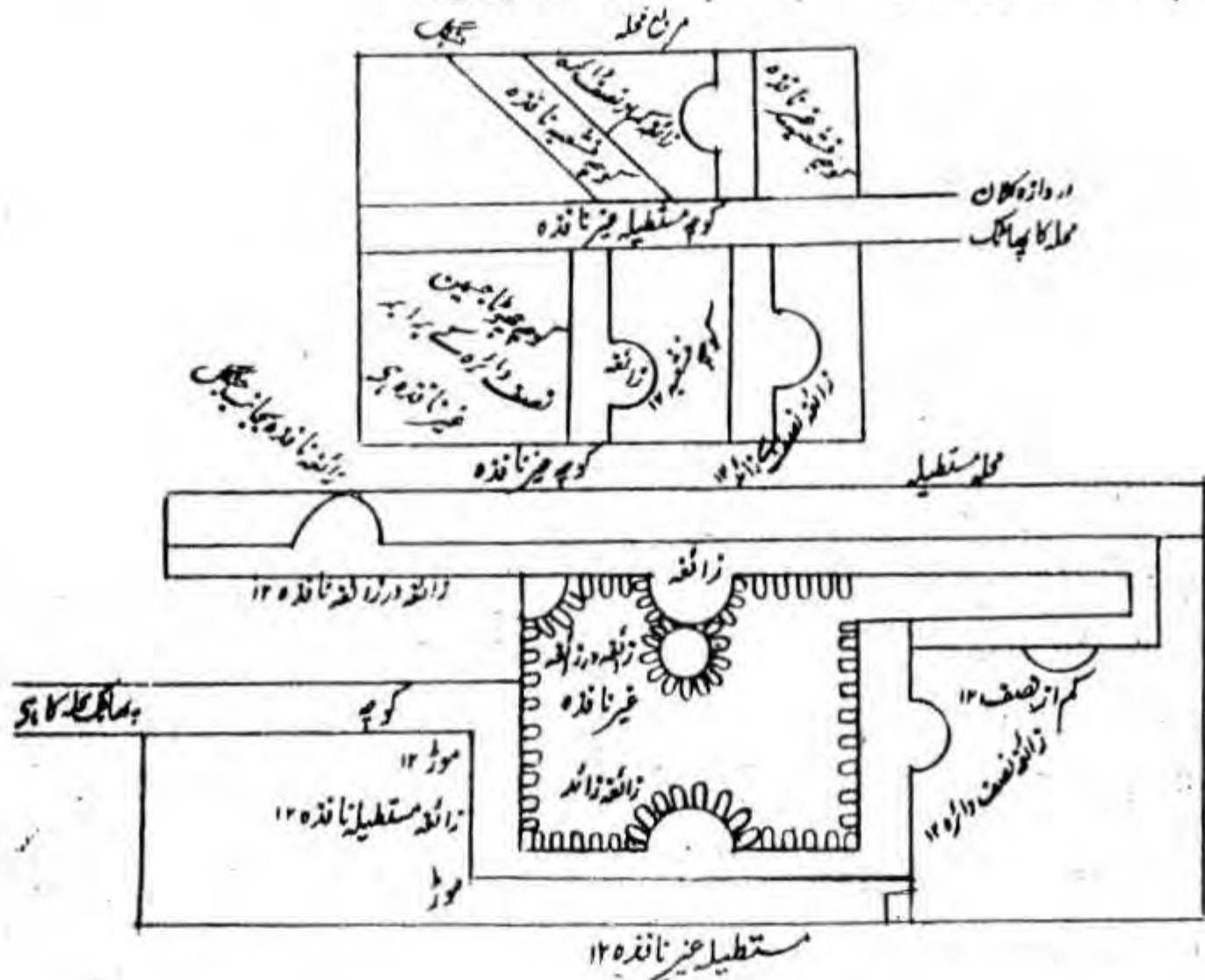
جگہ غلط و خطا ہوگا اور مثال اس کی یہ ہے کہ زید نے عمرو سے ایک من گیہوں قرض لے کر گھر میں بھر رکھے ہنوز خرچ نہ کئے تھے کہ عمرو نے اپنا ادھار مانگا اور زید نے بازار سے یا کسی سے ایک من گیہوں دلوادئے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ادا نہ ہوا کیونکہ میں مال کا واپس کرنا لازم تھا جبکہ بعینہ موجود ہے اس طرح ایک من قرض کا دعویٰ کیا اور معاوضہ دس روپیہ لے لئے اور مفتی نے جواز کا فتویٰ دیا حالانکہ ایک من قرض نہ تھے بلکہ قرضہ ادھار بیع سلم کے تھے مثلاً اس نے سلم ایک من کی ٹھہرائی تھی تو اس صورت میں صحیح نہیں ہے کیونکہ استبدال دین بدین ہے پس اگر وہ ادھار کہتا تو مفتی صحیح جواب دیتا لیکن اس نے قرض کہا جس سے دھوکا ہوگا لہذا ایسے مقامات میں مفتی کو تنبیہ رہنا چاہیے تاکہ عوام جہال کو غلط فتوے نہ دے۔ تنبیہ عوام لوگ رہن کو اپنے قرضہ کا عوض بطریق منفعہ سمجھتے ہیں اور یہ بالکل جہل و ظلم ہے حتیٰ کہ مال مرہون سے طرح طرح کے نفع اٹھاتے ہیں اور یہ بالکل حرام ہے اور رہن تو پر ایسا مال اپنی نگہبانی میں رکھنا ہوتا ہے اور جو کچھ اس کا منافع ہو وہ سب راہن کا ہے صرف اس کا قبضہ البتہ سردست تا ادا قرضہ نہیں ہے اگر وہ ہم ہو کہ ایک تو ادھار دے اور دوسرے یہ بیگار اٹھائے تو جواب یہ کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک یہ کہ اگر راہن نے قرضہ نہ دیا تو حسب شرائط اس کے داموں سے وصول کر لے اور دوم یہ کہ اگر راہن مرا اور اس پر بہنوں کا قرضہ ہے تو ترکہ جو کچھ ہاتھ آئے اس میں سب قرض خواہ حصہ رسد شریک ہوں گے بخلاف مرتہن کے کہ وہ اس رہن کا حقدار ہے اس سے سب قرضہ بھر پور لے لے گا جو بچے وہ وارثوں کو پھر دے گا۔ بعض فقہاء نے جائز جانا کہ مرہونہ گائے کو مرتہن اپنے پاس سے دانہ چارہ دے تو اس کا دودھ کھائے میں کہتا ہوں یہ اس زعم پر کہ دودھ اس کی کھلائی کے سوائے نہیں کھانا چاہئے مگر میرے نزدیک یہ بھی حلال نہیں ہے اور واجب ہے کہ اس میں اختلاف ہو جیسے ودیعت کے روپیہ سے تجارت کا نفع مستودع کو حلال ہے یا نہیں تو ضعیف ہے کہ ہاں اور صواب ہے کہ نہیں کیونکہ مرتہن نے اپنا چارہ غیر کی ملک میں ڈال کر اس سے دودھ حاصل کیا ولہذا بعضوں نے راہن سے اجازت لینا شرط کر لیا ہے اور یہ صورت البتہ براہ حکم جواز کے ہو سکتی ہے جبکہ وہ قرضہ سے نفع کھلچنا نہ چاہتا ہو اور بعض نے یہاں اس زمانہ والوں کے کاروبار چلنے کے لیے عینہ کی تدبیر نکالی اور اس میں بھی سخت اختلاف ہے والمسلکہ فی الفتاویٰ از انجملہ الرب۔ بالضم انگور وہی وسیب وغیرہ کا شیرہ جو خفیف جوش دے کر گاڑھا گیا ہو اور صراح میں کہا کہ آب ہر چیز کہ خاثر باشد یعنی پھٹا یا گاڑھا ہو اور لکھا کہ طلا کو کہتے ہیں اور مراد اس سے وہی شیرہ انگور خفیف جوش دیا ہوا ہے اور یہ قسم شراب ہے جیسا کہ کتاب الاشراب میں ہے وقال الشاعر شعر البقی والبرغوث قد شر بادی۔ شراب الطلا من کف المی غید۔ اور طحاوی کے بعض عبارات حاشیہ در المختار سے فقط شرہ کے معنی ظاہر ہوتے ہیں پس شاید آپ خاثر مراد ہو جیسا کہ بعض جگہ خود مصرح لکھا ہے اور شاید کہ استعمال فقہاء میں عام ہو اور یہ اقرب ہے واللہ اعلم اور قول فاضل سہارنپوری کہ رب بمعنی مربی ہے سہو ہے فلیتدبر از انجملہ زیوف اور یہ قسم درم ہے اوپر مفصل ذکر ہو چکا ہے از انجملہ زطی۔ قال فی الصراح زط گرد ہے از مردم زطی کے از ایشان وقال صدر الشریعہ الزط جبل من الناس بالعراق منیسب الہم الثوب الزطی قلت الجبل بالجمیم علی وزن قبل یعنی زط ایک قوم کے لوگ عراق میں رہتے ہیں وہ ایک قسم کا کپڑا بنتے ہیں جو زطی کہلاتا ہے از انجملہ قولہم زیادة یتغابن الناس فیہ ایسی زیادتی کہ لوگ اتنے میں مغبون ہو جاتے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ جس چیز کے دام شہر میں کٹے نہ ہوں کہ ہر کوئی جانتا ہو بلکہ اندازہ کرنے سے جتنے کو ٹھہرے تو جب کوئی ایک اندازہ کرنے والا بھی مثلاً دس سے دو آنہ اوپر کو اندازے تو یہ دو آنہ ایسی زیادتی ہے کہ اتنا خسارہ لوگ اٹھا لیتے ہیں۔

وقدم مفصلاً۔ از انجملہ زقاق وزائفہ مربع و مستطیل و مستدیر و عطف وغیرہ الفاظ جو کتاب لشفعہ میں مذکور ہیں پس زقاق کوچہ پس اگر سیدھا چلا گیا ہو اور دونوں طرف محلہ آباد ہے اور انتہائی کوچہ بند نہ ہو بلکہ نافذ ہو تو نمبر لہ مر عام کے ہے اگر چہ بہت سے

مسائل میں فرق ہے اور یہ کوچہ نافذہ ہے اور اگر وہاں بند ہو تو غیر نافذہ ہے اور ممکن ہے کہ محلہ چہار دیواری سے گھرا ہو اور انتہائے کوچہ پر باب بران ہو یعنی دروازہ ایسے مقام پر ہو کہ باہر جنگل و بیابان غیر آباد ہے اور اگر کوچہ تھوری دور سیدھا جا کر موڑا ہو تو زائغہ ہو اگر موڑ کئی طرف سے بشکل مستطیل ہو (چاروں خطوط میں سے ہر دو متوازی برابر مگر چاروں برابر نہ ہوں اور سب زاویہ قائمہ ہوں اس طرح حادہ و منفرجہ نہ ہوں تو زائغہ مستطیلہ ہے اور غالباً زائغہ حادہ و منفرجہ بھی بحسب اکثر حکم مثل مستطیلہ کے ہے اور اگر مربع ہو کہ مثل مستطیلہ کے ہوتا ہے صرف اس کے چاروں اضلاع مساوی ہوتے ہیں تو مربع ہے اور اگر کوچہ سے بعد زائغہ ہونے کیت کوچہ در کوچہ ہو عطف وغیرہ ہیں اور انہیں میں مقام اتصال پر دریہ زمین کی ہیات سے پیدا ہو جاتے ہیں اور اکثر لوگ اس شان کے ان اصطلاحات کے واقف ہیں لیکن نمونہ کے طور پر بعض صورتیں درج کی جاتیں ہیں۔ اول کوچہ غیر نافذہ طویلہ جس کے جانبین میں



اس کے مثل کوچہ ہوں پس ہدایہ و عنایہ سے اس کی صورت یہ ہے جو ذیل میں درج ہے پس کوچہ طویلہ والے چھوٹے کوچوں میں شفعہ کے مستحق نہیں کیونکہ غیر نافذہ ہونے سے خود اہل کوچہ میں استحقاق مقصود ہے اور اگر نافذ ہوتے تو البتہ سب کا استحقاق اس شان سے ہوتا جو اب شفعہ میں مذکور ہوئی اور معنی اس کے کہ کوچہ خرد کی راہ نہیں ہے یہ ہیں کہ بڑے کوچہ کے سواء وار پار نہیں ہے بلکہ انتہائے پر مکان سے بند ہے اور زائغہ وہ کچی ہے جو مثل پارہ دائرہ کے مستدیر ہو یا مستطیل خواہ اس سے کوئی کوچہ نکلا ہو یا نہیں پس کبھی نصف دائرہ سے زائغہ کبھی برابر اور کبھی کم ہوتا ہے خواہ کوچہ نافذہ میں یا غیر نافذہ میں ہو اور کبھی زائغہ کے اندر زائغہ ہوتی ہے اور کبھی نافذہ اور کبھی غیر نافذہ ہوتی ہے اور محلہ کبھی مربع اور کبھی مستطیل ہوتا ہے صورتیں درج ذیل ہیں۔



اور رہے در یہ وغیرہ تو ان کی شکل دہلی و آگرہ میں معروف و ہر شہر میں مشہور ہے فافہم۔ از انجملہ لفظ سائر۔ سب اور باقی لیکن استعمال فقہاء خیر معنی بدون مقیم اس امر کے کہ بقیہ داخل ہوں یا نہیں جو عامہ کے لفظ میں معتبر ہے اور اوپر مذکور ہو اس کی مخفف سے لیکے یعنی مثلث اور صراح میں کہا کہ میفلتج یعنی سے پختہ۔ اور باذوق بذال منقوط معرب بادہ لفظ فارسی کہ شیرہ انگور اندک پختہ ہو۔ ستوقہ سابق میں مذکور ہو۔ سکر قسم شراب و سکر النہر۔ نہر کو بند کر دیا۔ سکران مقابل صاجی یعنی جونشہ میں چور ہو اور بہوش کے ترجمہ اور مغنی علیہ کے ترجمہ میں التباس سخت ہے۔ سائق ہانکنے والا مگر جو پیچھے سے ہانکے اور جو آگے سے مہار پکڑ کر لے چلے وہ قائد ہے اور قائد تو اندھے آدمی کا بھی ہوتا ہے ومنہ الحدیث و کان قائد کعب رضی اللہ عنہ اور سائق بھی و منه الحدیث یسوق الناس بعصا۔ لیکن سائق مشتق میں تامل چاہے۔ سہو۔ جو آدمی سے اس طرح غلطی ہو جائے کہ اگر دیکھ لیتا تو ٹھیک کر سکتا تھا لیکن نظر چوک گئی۔ اور یہ سہو انسان کے واسطے گویا عرض لازم سمجھا گیا ہے اور یہی سہو صاحب ہدایہ سے دربارہ متعہ ہوا کہ امام مالک کے نزدیک جائز لکھ دیا حالانکہ بالاتفاق حرام ہے اور ان سے متاخرین نے بغیر تحقیق کئے ان کی اتباع کی۔ اور صاحب شرع وقایہ سے کئی مقام پر ایسا سہو ہوا ہے و قیل انه لاعیب فی السہو بل فی الخطاء خطاء قصور نظر و کمی استعداد ہے سکتی رہنے کا ٹھکانہ خواہ کرایہ پر ہو یا ذاتی مکان ہوا۔ سبیل وہ نوشتہ جو قاضی اپنی مہر و دستخط سے اور پوری تحقیقات مقدمہ کے ساتھ اس شخص کو دے جو نالاش میں سچا ثابت ہوا ہے اور شاید کہ نقل ڈگری اس زمانہ میں ایسے ہی ہوتی ہو۔ سر یہ چھوٹا لشکر جس کے ساتھ خود سلطان یا خلیفہ السلام نہ جائے۔ سیدہ اونٹ نیل وغیرہ جو کسی فاسد افتقاد پر یابت کے نام چھوڑا گیا ہو و تحقیق فی تفسیر المترجم۔ سنجاب ایک جانور ہے ساتھ لگا دیتا ترجمہ ملازمت کا ہے شجہ زخم سر و چہرہ کذا افسرہ بعض شراح الحدیث و شارح بمعنی اول ہے۔ شجہ موضوحہ جس میں ہڈی کھل جائے شیکہ جال جالید ارشم چربی جو ریوان نہ ہو کہ وہ سمن ہے اور شم انخل یعنی ہمارا اور شم البطن پیٹ کی چربی اس سے مراد کلیہ کی چربی ہے اور اختیار شرح مختار میں کہا کہ ہمارے عرف میں پیٹھ کی چربی پر شم کا اطلاق کبھی نہیں آتا۔ یہ جو مذکور ہو الغت کی تحقیق مت سمجھو بلکہ قسم کھانے کی صورت میں اس کے موافق حکم ہوگا۔ شیراز دودھ کو آگ دے کر پانی نکال دیتے ہیں۔ شرکت۔ دو قسم شرکت ملک یعنی کسی چیز کا مالک ہونا شرکت میں واقع ہو جیسے باپ سے دو بیٹوں نے ایک مکان میراث پایا اور حکم میں دونوں مانند اجنبی کے ہیں اور اگر دونوں شراکت میں خریدیں تو بھی یوں ہی ہے اور دوم شرکت یعقد ہو یعنی دونوں عقد شراکت قرار دیں پس وہ شرکت مفاوضہ و عنان و صنایع و تقبل چار قسم ہے شرب پانی کا کوئی معلوم حصہ مقدار خواہ جائداد کے لئے یا زمین وغیرہ کے لئے ہو۔ صہرا۔ اس کے مشہور معنی تو خسر کے ہیں لیکن یہ عوام ہندوستان میں ہے اور اطلاق عرب میں داماد کو بھی کہتے ہیں اور سدھیانے کے لوگ شامل ہوتے ہیں پس مدار اس کا رشتہ خسر دامادی پر ہے اور تحقیق اس کی فتاویٰ کے بعض مقام پر خود موجود ہے۔ صحن الدار احاطہ کے بیچ کا چک یا چوک صفہ کا شانہ جو مغربی شہروں میں معروف ہے۔ صوجان چوگان۔ صحراء ترجمہ جنگل سہو ہے اور اطلاق فقہاء ایسے میدان وسیع پر ہے جس میں نبات نہ ہو صاحب الشرط پس صاحب ہر ایک ایسے شخص و چیز کو بولتے ہیں جو دوسرے سے کسی خاص ذریعہ سے متعلق ہو جیسے صاحب خانہ و صاحب قلم و صاحب من و صاحب ایمان و صاحب دعویٰ و مدعی علیہ پس الشرط فارسی ہیں دار وند ہے اور یہاں کے عرف میں کو تو ال کہنا چاہئے اور اسلام میں یہ شخص نہایت مندین عالم منصف ہوتا تھا۔ صاحب ہوی ہے ہو جو بلا دلیل شرعی اپنے نفس کے خوش معلوم ہونے اور پسندیدگی سے ایک کام اختیار کرے اگرچہ ظاہر میں وہ روزہ نماز و ذکر و تسبیح معلوم ہوتا تھا مگر مذموم ہے کیونکہ اس جاہل نے گویا دعویٰ کیا کہ ثواب و رضائے الہی عزوجل کا طریقہ میری عقل خود سمجھ سکتی ہے اور یہ شیطان کا فریب و اس کے نفس کا دھوکہ ہے عقل کو یہ قدرت نہیں ورنہ پیغمبر نہ بھیجے

جاتے اور بھیجے گئے تھے تو بدعت سے نہ ڈراتے علماء نے کہا کہ عرفہ کے روز میدان میں کھڑے ہونا جو بعض جاہلوں نے عوام کو بتلایا تھا کہ حاجیوں کے طریقہ پر ثواب ملتا ہے تو یہ بدعت و گناہ سخت ہے کیونکہ صحابہ و تابعین سے منقول نہیں اور شرح میں کوئی دلیل نہیں تو بدعت ہو اور بدعت کو رسول اللہ ﷺ نے سب افعال سے بدتر قرار دیا ہے۔ ضان اون وانی بکری و معز بالوں والی اور غنم دونوں کو شامل ہے اور یوں ہی شاة بھی کسی قسم کی ہو لیکن شاة واحدہ و شياة جمع اور غنم جنس ہے قاموس و محیط۔ واضح ہو کہ یہ نام اقسام کے ہیں اور قسم ضان کے مادہ کونجہ اور نر کو کبش کہتے ہیں اور قسم معز کے مادہ و نر کو تیس بولتے ہیں کذا قال ابوالکارم۔ طین گیلی مٹی خواہ کھنگل ظلہ۔ بروشا جس سے باہر جانے کا راستہ ہو یعنی کہا کہ ظلہ الدار دروازہ سے اوپر مثل صفہ کے ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے اور بروشا و بلینر ہے اور ظلہ میں عمارت شرط نہیں اس کا راستہ شاہراہ کو ہوتا ہے اور بیوع کے حاشیہ میں مترجم نے توضیح کر دی ہے۔

عصیدہ۔ ایک قسم کا مالیدہ و حلواء مسکہ و خرما وغیرہ سے ملا کر بنتا ہے۔ عمری سابق میں گذرا عقا سوائے درم دینار کے جملہ اموال و لیکن فقہاء کے نزدیک زمین و باغ و مکان غیر منقولات پر بولتے ہیں عاریہ نفع کا بغیر عوض مالک کر دینا۔ عدل مصدر انصاف اور مرد عدل رہن میں درمیانی عدل جس پر دونوں اتفاق کریں اور شرط نہ ہیں کہ فی الواقع عادل ہو اور شہادت وغیرہ میں عادل وہ کہ کبیرہ گناہ ہونے کا مرتکب نہ ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کر لے اور صواب اس کا خطا پر غالب ہو۔ عود۔ لوٹ آنا اور پہلی حالت پر ہو جانا اور اعادہ معدوم اگر چہ محال ہے یا بسبب رفو موانع کے سابق حالت موجود کا ظہور ہوا ہے بہر حال پہلے وہ حالت ہو جائے جس کا حکم یکساں ہے۔ عہدہ ذمہ قدیمی نوشتہ و عقد و اس کے ثمرات وغیرہ۔ بالجملہ اس میں اتفاق ہے کہ عہدی کا لفظ ان معانی کے واسطے آتا ہے اور بوجہ عدم رجحان کے اشتراک تسلیم کیا گیا ہے اور جب اشتراک ہے تو مسئلہ کفالت میں کفالت بعہدہ امام ابوحنفیہ کے نزدیک نہیں صحیح ہے اور دلیل ان کی خود ظاہر ہے کہ بوجہ اشتراک مذکور کے مراد متعین نہیں ہو سکتی لہذا کفالت باطل ہوئی اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعہدہ صحیح ہے اور مراد اس سے ضمانت درک ہوگی اور تمام بحث کتب میں ہے اور ضمانت درک سے یہ مراد ہے کہ مثلاً مشتری نے کسی بائع سے ایک غلام خریدا مگر اس کو احتمال ہوا کہ شاید کسی غیر کا غلام ہو جو استحقاق ثابت کر کے مجھ سے لے لے تو میرا ثمن ڈوب جائے پس اس نے بائع سے ضمانت طلب کی کہ اگر ایسی صورت واقع ہو تو وہ کسی شخص کا ضامن دے کہ میرے ثمن تلف سے محفوظ رہے پس جو شخص ضامن ہو وہ ورک کا ضامن ہوگا اور جو بیع نام لکھا جائے اس میں بیع کا عقد اور بیع کا حلیہ اور ثمن کی صفت دوزن لکھنے اور پورے ہونے کے بعد لکھے کہ فلاں شخص بن فلاں جو فلاں قوم کا ہے وہ مشتری کے لئے ضامن ہوا کہ ہر طرح کا درک جو مشتری کو بعد بیع کے اس بیع میں پیش آئے تو مجھ پر خلاص اس کا واجب ہے اور اس پر اعتراض ہوا کہ کفیل پر بعینہ اس غلام کا مستحق سے لے کر مشتری کو دینا واجب نہیں ہے اور یہ ایسی شرط ہے جو کفیل کے امکان سے خارج ہے لہذا کفالت باطل ہوگی لہذا کہا گیا کہ یوں لکھے تو کفیل پر یا تو بیع کا خلاص کر کے سپرد کرنا واجب ہے یا اس کا ثمن واپس دینا واجب ہے اور چونکہ اس طرح کفالت سے ایک نوع جہالت ایسی ہے جو بعض علماء کے نزدیک کفالت کو باطل کرتی ہے لہذا بعض اہل شروط نے یوں لکھا تو کفیل پر وہ بات واجب ہوگی جو شرع واجب کرے و علیٰ ہذا یہ وقت رفع ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر مستحق نے اجازت دی تو بیع یا نہیں تو ثمن سپرد کرے گا اور تمام یہ بحث کتاب الشروط میں مفصل مذکور ہے وہاں سے رجوع کرنا چاہئے اور واضح ہو کہ میں نے شروط و نوشتہ جات کا تعلق ظاہر کرنے کے لئے اس مقام پر یہ توضیح کر دی ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ از انجملہ عجلہ۔ بفتختین گردوں جس پر بوجہ کھینچتے لاتے ہیں اور دولا ب یعنی چرخ جس سے پانی کھینچتے ہیں اور کنویں کے منہ پر ایک لکڑی رکھتے ہیں اور بالکسر مشک اور ایک قسم گھاس کی ہے اور بعض شراح نے تصریح کر دی کہ مسئلہ

فتاویٰ میں حجہ اول معنی میں ہے۔ لیکن ترجمہ میں جھگڑا ہو یا باعتبار حکم مسئلہ کے ٹھیل وغیرہ کو بھی شامل ہو۔ عقد و راصل اطراف جسم میں جمع کرنا اور شرعاً عبارت از ایجاب و قبول لیکن مع اس ارتباط کے جس کو شرع معتبر رکھتی ہے اور اشارہ سے اس کا تعین جائز نہیں ہے کیونکہ وہ امر اعتباری ہے اور عقد نافذ تو اعم ہے اور لازم انحصار ہے کیونکہ نافذ ایسا عقد ہوتا ہے جس کا رفع کرنا ممکن ہے اور لازم وہ ہے جس کا رفع ممکن نہ ہو اور نافذ سے منعقد اعم ہے چنانچہ نکاح فضولی منعقد ہے صحیح ہے مگر نافذ نہ ہوگا پس جہاں جہاں ان الفاظ کا استعمال ہو ترجمہ میں انھیں الفاظ سے لایا جانا ضروری ہے اور واضح ہو کہ ہدایہ بیوع میں فرمایا۔ البیوع ینعقد بالایجاب والقبول اذا کان بلفظی الماضی۔ اور محشی نے ایجاب و قبول کے رکن ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا کہ جب وہ نفس ایجاب و قبول ہے تو منعقد سے اس کا خارج ہونا لازم آتا ہے لہذا منعقد بمعنی یلزم لے کر تفسیر کی کہ الی البیوع یلزم بالایجاب الخ اور یہ غلط ہے

بدو وجہ اول آنکہ انعقاد اعم از نافذ ہے جو اعم از لازم ہے پس اعم الاعم سے تفسیر لازم آئی جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا اور دوم آنکہ آئندہ قول صاحب ہدایہ واذ اتم الایجاب والقبول لزوم البیوع مستدرک ہوگا کیونکہ محشی کے نزدیک انعقاد عین لزوم ہے فافہم فان سأل نافع۔ عصفراً بالضم فارسی میں بکم ہے یہاں معروف کسم ہے اور ایسے الفاظ باعتبار زبان و محاورہ کے مشتبه ہیں رطبہ یعنی نے کہا کہ مصر کی زبان میں یرسیم و قرطم ہے اور غایۃ البیان میں لکھا کہ رطبہ نام قضیب کا ہے جب تک رطبہ ہو یعنی نباتات کی ڈنڈی جب تک تازہ رہے اور مترجم کہتا ہے کہ رطبہ گندنا ہے چنانچہ خود فتاویٰ میں بعض مقام پر تصریح کی کہ وہ کئی سال تک زمین میں رہتا ہے۔ اور یرسیم و قرطم شاید صحیح ہو جس کی کنیت معلوم نہیں ہے اور علی ہذا علیک اور علیک البطم۔ یعنی نے کہا کہ بعض کا قول ہے کہ علیک اسود چبانے میں روزہ ٹوٹ جائے گا اگرچہ ضرورت کی وجہ سے لاچار ہو اور علاوہ روزے کے عورت کے لئے مکروہ نہیں ہے اور مرد کے لئے مکروہ ہے اور کفایہ میں لکھا کہ سوائے حالت روزہ کے عورتوں کیلئے علیک البطم مکروہ نہیں ہے کیونکہ انکے حق میں بجائے درک کے ہے اور مردوں کے لئے اس جو وجہ سے مکروہ ہے کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے۔ اور عینی نے اسبہد یہ وعدالی وغیرہ اقسام درم میں کس قدر توضیح لکھی جس کا ذکر کرنا چنداں مفید نہیں ہے اور لکھا کہ آمد وہ زخم سر ہے جو ام الراس تک پہنچ گیا ہے اور تیسرا الوصول میں ذکر کیا کہ منقلہ وہ زخم ہے جس سے چھوٹی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں اور حوا بعض نے کہا کہ سپید گندم اور شرح سنن ترمذی میں نفی کو بنوں وقاف بمعنی حوارے لکھا اور یہ میدہ ہے لیکن اصل فتاویٰ میں وردی و حواری و خشکار تین قسم گہوں کے لکھے ہیں پس صواب وہی مذکور اول ہے یعنی گندم سپیدہ اور ردوی گندم سرخہ ہے اور جس نے ممارست فقہ سے بہرہ پایا ہے وہ جانتا ہے کہ یہی صحیح ہے اور جانتا ہے کہ یہی فقہاء کی مراد ہے واللہ اعلم اور صراح میں لکھا کہ ملاء تجادر۔ وقال العینی عصفرو وھو زھر القرطم۔ یعنی کسم کے پھول ہیں جیسا ترجمہ ہے اور لکھا کہ جنایت فقہاء کی اصطلاح میں ایسے جرم پر بولتے ہیں جو نفوس و اطراف میں واقع ہو۔ اقول یعنی اگر قتل نفس ہو تو جنایت ہے اور اگر کسی عضو میں اس نے زخم وغیرہ پہنچایا تو یہ بھی جنایت ہے میں کہتا ہوں کہ انحصار اصطلاح ان کی قتل و جنایت ہی اور مجازاً اموال و حیوانات پر بھی تعدی کو جنایت مالک پر بولتے ہیں وقال العینی قول الفقہاء ظلته الدار یریدون بہا السدۃ التي فوق الباب۔ اور لکھا کہ تہرت ب روہ نکلڑا جو کان سے نکالا گیا ہو۔ اقول اور نقرہ جب وہ گلایا گیا ہو اور مصوغ جب ڈھالا گیا ہو۔ از انجملہ عطب فی قولہم عطبت الدابتہ قال العینی وغیرہ الی بلکت اور ضمان اس میں جب ہی ہے کہ سواری کی وجہ سے یا لادنے کی وجہ سے ہلاک ہوا ہو۔ اور قہستانی نے نقل کیا کہ تبر سونا و چاندی جب تک سکہ نہ ہوں اور بعد سکہ کے عین ہیں اور کبھی پتیل تانبے لوہے پر بھی بولتے ہیں لیکن زیادہ خصوصیت اس کو سونے سے ہے۔ اقول صواب وہی ہے جو عینی نے بموافقت اہل اللغۃ ذکر کیا ہے مگر آنکہ کوئی تصریح اصطلاح فقہاء کی معلوم ہو از انجملہ عرض کا لفظ میں سوائے روپیہ و اشرفی کے باقی ہر طرح کے اسباب و مال کو کہتے ہیں جیسا کہ صراح و مغرب وغیرہ میں ہے اور

فقہاء کی اصطلاح میں روپیہ و اشرفی و اشیاے ماکول و ملوس کے علاوہ صرف اسباب و اموال منقولہ کے ساتھ خاص ہے اور اس وجہ سے مترجم نے ہر جگہ عرض یا عروض لکھ دیا۔ تنبیہ۔ جہاں مترجم نے اسباب لکھا ہے وہ ایک خاص اصطلاح پر عروض کا ترجمہ ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے از انجملہ عقار کہ اصل لغت میں زمین و درخت و متاع پر بولتے ہیں کما فی الصحاح وغیرہ اور شرع میں زمین جس پر عمارت ہو یا نہ ہو اور عمادی میں ہے کہ عقار فقط اسی زمین کو کہتے ہیں جس پر عمارت ہو اور بعض نے اس کو قبول نہیں کیا کیونکہ عمارت کی شرط عقار میں نہیں ہے۔ اقول صحیح ہے اس لئے کہ عقار و دار معطوف لاتے ہیں اور کبھی زمین کھیت وغیرہ کو عقار بولتے ہیں پس ضروری ہوا کہ دار کو عمارت کے ساتھ مخصوص لیا جائے سو ادعراق جیسا کہ صراح وغیرہ میں آیا ہے وہ حدیثہ الموصل سے عبادان تک اور عذیب حلوان تک ہے اور سواد البلد اس کے قریہ کہلاتے ہیں کما فی القاموس عتق آزادی اور فروع عتق سے مراد مدبر کرنا مکاتب کرنا اور ام دلد بنانا۔ عطن وہ کنواں ہے جس سے ہاتھوں کھینچ کر پانی لیتے ہیں اور ناضح وہ ہے جس سے بیل اونٹ وغیرہ سے بھرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ بیر عطن وہ ہے جس کے گرد جانوروں کو سیراب کر کے آسائش دیتے ہیں اور مراد یک ہی ہے۔ غزل بغین منقوطہ کا تنا اور سوت اور اگر کہا کہ تیرا غزل نظر آئے تو غلام آزاد ہے یا تجھ پر طلاق ہے مقام تردد ہوگا بخلاف اس کے تیرے غزل سے نفع لوں تو غلام آزاد ہے کہ یہاں سود متعین ہے غیصنہ صراح وغیرہ میں معانی مذکور ہیں اور صواب وہ ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے کہ گنجان درختوں کا جنگل مراد ہے اور حاشیہ احیاء بعض لغات سے اس کی تصریح کر دی ہے۔ غضب فقہاء نے لکھا کہ حکم اس کا اثم ہے بعضے دوزخ کا استحقاق اگر جان بوجھ کر غیر کا مال ہی لیا ہو و علی ہذا تاوان دے کر اس کا چھٹکارا نہ ہوگا جب تک تو بہ نہ کرے غیبت غائب ہونا اور بیوع میں اگر دام یا چیز دونوں کے قریب موجود ہو مگر دونوں اس کو نہ دیکھتے ہوں تو غائب ہے اس طرح جو معین کرنے سے متعین ہو سکتی ہے جیسے اناج مثلاً تو اس کو جب تک متعین یا مشار نہ کریں وہ دین ہے عین نہیں ہے اگرچہ قریب موجود ہو اور غیبت منقطعہ کا ترجمہ اسی لفظ سے لازم ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ یہ اصلاح جیسے لغت سے بحسب المعنی مختلف ہے۔

ویسے ہی بحسب مقام مختلف ہے چنانچہ باب نکاح میں اقرب ولی کی غیبت منقطعہ کی وقت اس سے نیچے والے درجہ کا ولی مختار ہو جاتا ہے تو غیبت منقطعہ سے اس مقام پر اصح یہ ہے کہ اتنی مدت کی آمد و رفت کی دوری مراد ہے کہ عقد کی خواہش کرنے والا اتنے دنوں انتظار نہ کرے اور بعض نے کہا کہ تین روز کی مدت سفر جس سے قصر جائز ہوتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ قصر کے واسطے کو مسافت معتبر ہے حتیٰ کہ ریل جو اس زمانہ میں بہت تیز رفتار ہے بلحاظ مسافت کے قصر کا فراز ہے اگرچہ تین روز نہ لگیں اس وجہ سے کہ مسافت مذکورہ جواز کے لئے اوسط رفتار سے معتبر تھی اگرچہ تیز رفتار سے یا شب و روز چلنے سے اتنے روز کی راہ نہ ہوتی تو جیسے تیز روادر شب روز رفتار کا اعتبار جانور میں نہ رہا ویسے ہی ریل میں نہ ہوگا۔ بخلاف مسئلہ نکاح کے یہاں وقت کے لحاظ سے ہے پس جب تک یہ معلوم نہ ہو حق کا منتقل ہونا چاہئے و اکثر فقہاء نے کہا کہ ایک مہینہ کی راہ غیبت منقطعہ ہے اقول اس زمانہ میں ریل کے سفر سے تین روز میں طے ہوتا ہے پس باب نکاح میں تامل سے فتویٰ دینا واجب ہے اور شرح طحاوی میں امام محمد سے پچیس مرحلہ مذکور ہے اور دوسری روایت میں بیس مرحلہ اور ظاہر ہے کہ مرحلہ کے سہل و دشوار گزار ہونے سے تفاوت ہوگا اور بعض نے کہا کہ غیبت منقطعہ یہ کہ سال میں آمد و رفت قافلہ کی وہاں سے صرف ایک بار ممکن ہو اور اسی کو قدوری نے اختیار کیا ہے۔ اقول اس قول کا آمد و رفت کا اعتبار کیا اور اس زمانہ میں ریل پر آمد و رفت باوجود بہت دوری کے جلدی ممکن ہوگی اور بعض نے کہا کہ غیبت منقطعہ سے غائب وہ شخص ہوگا جس کا پتہ ٹھیک نہ ہوا اس طرح کہ شہروں میں مارا مارا پھرتا ہو کہیں قیام نہ رکھتا ہو یا بالکل پتہ معلوم نہ ہو اور اسی کو سعدی نے اختیار کیا ہے از انجملہ غش یعنی میل بالکسر ہے اور غش بالفتح لغت مصدر ہے۔

اور مراد اس سے پتیل یا تانبے وغیرہ کا میل درم و دینار میں اناج کے ساتھ پانی کا وغیرہ کا میل کیونکہ حدیث من غش فلیس منا۔ کا سبب اناج کے اندر پانی وغیرہ کا میل تھا اور فقہاء جہاں غلبہ غش وغیرہ بولتے ہیں وہاں کوئی جرم عین کے آمیزش کا غلبہ مراد لیتے ہیں فافہم۔ غلہ جب درموں کے ساتھ بولتے ہیں تو مراد ہر قسم کے کھوٹے کھرے و میل و بے میل کے درم ہیں اور اکثر ان کے ساتھ مخصوص ہے جن میں میل ہو بدون خالص کے اور جب کہتے ہیں کہ غلۃ الدار یا غلۃ الوقف تو منافع وقف و کرایہ مکان وغیرہ مراد ہوتی ہے پس معنی غلہ سے اسی طرح ہیں غبن فاحش و غبن بسیر و قولہم یتعابن الناس یعنی تتحمل الناس۔ لوگ اس کو اٹھا لیتے ہیں اور یہ اس قدر ہے کہ سب اندازہ کرنے والے نہیں بلکہ بعض اتنے کو اندازہ کریں اور مراد اندازہ کرنے والوں سے وہ لوگ جن کو اس میں بصیرت ہو اور یہ نہیں کہ مثل خریدار کے ہوں اور یہ معنی وغیرہ نے کہا کہ غبن بسیر یہ ہے کہ ایک آدمی مثلاً نو درم کو اور ایک دس کو اندازہ کرے اور اگر کوئی دس کو اندازہ نہ کرنے تو غبن فاحش ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے کذا فی فتاویٰ الصفریٰ اور یہی صحیح ہے اور یہ ایسی چیز میں ہے جس کے دام شہر میں معروف نہ ہوں ورنہ ایک پیسہ بھی غبن فاحش ہوگا کذا فی محیط اس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کے ترجمہ میں اشکال ہے۔ غلو۔ ایک چیز میں حد سے تجاوز کرنا پس مبتدع غالی وہ ہے کہ تو حید کی حد سے تجاوز کر کے شرک میں چلا جائے۔ مجموع النوازل میں ہے کہ اگر کسی مؤمن نے ایسے شخص کو قتل کر ڈالا جو حضرت خلیفہ اول و خلیفہ دوم رضی اللہ عنہما کو برا کہتا تھا ایسے لفظ سے جو عرف میں تو ہیں ہے یا ان پر لعنت کرتا تھا تو قاتل پر قصاص نہ ہوگا کیونکہ قاتل نے ایسے شخص کو قتل کیا جو کافر تھا کیونکہ حضرات شیخین کو برا کہنا آنحضرت ﷺ کی طرف عائد ہوتا ہے اور لعنت کرنا اور برا کہنا ایسے کلام کو کہتے ہیں جس سے کسی آدمی کی آبرو میں عیب لگے اور اس میں اختلاف ہے کمافی الخلاصۃ۔ فتی الزوال سایہ چیز کا جو وقت آفتاب ڈھلنے کے شروع ہو اور فی الغنیمۃ مماء فاء اللہ لے رسولہ جو بغیر قتال حاصل ہو اور تمام تفصیل فتاویٰ میں ہے۔ فنک و فینکین دونوں ان بالوں کے جو نیچے کے ہونٹ کے بیچ سے ڈارمی تک ہوتے ہیں جس کو عنقہ کہتے ہیں۔ فارموش چوہا اور بتشدید الرءاء بھاگنے والا اور اصطلاح فقہاء میں جو شخص مرض الموت میں جو رو کے ساتھ ایسا فعل کرے جس سے لازم آئے کہ وہ عورت کی میراث سے بھاگتا ہے۔

فرس گھوڑا لیکن عربی زبان میں یہ اسم جنس ہے کہ مادہ گھوڑی پر بھی بولا جاتا ہے خواہ عربی ہو یا نہ ہو اور امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ وہ عربی مخصوص ہے کما فی المغرب لیکن فتاویٰ ذخیرہ و شروط فتاویٰ ظہیر یہ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ وہ عربی سے مخصوص نہیں ہے اور خیل کا لفظ بلا خلاف سب قسم کو شامل ہے۔ فقیر۔ اصطلاح فقہاء میں وہ شخص جس کے پاس مال ہو مگر اتنا نہ ہو کہ نصاب زکوٰۃ پورا ہو جائے یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس زکوٰۃ واجب ہونے کے لائق مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال نہ ہو یہ ہمارے فقہاء حنفیہ کے نزدیک ہے اور بعض فقہاء نے کہا کہ مسکین کے پاس مال نہ ہونا شرط نہیں ہے کہ قولہ تعالیٰ: واما السفینۃ فہکانت لمساکین یعلمون فی البحر۔ پس مساکین ان کو فرمایا جن کے پاس کشتی موجود تھی اور تحقیق اس کی مترجم کی تفسیر میں ہے واللہ اعلم و لموفق و امعین۔ فتویٰ۔ مقدمہ باب افتاء میں گذر انور علی الفور فی الفور جیسے مسئلہ و جواب الحج علی الفور میں ہے ابن الاثیر نے نہایہ میں کہا کہ فور ہر چیز کا اس کا اول ہے اور شریعت میں کسی فعل کو اس کے اول اوقات امکان میں جلد ادا کرنا اور مترجم کہتا ہے کہ علی ہذا جس کے پاس محرم میں حج واجب ہونے کا سامان جمع ہو گیا تو اس پر اسی مہینہ میں حج ادا کرنا فرض نہیں کیونکہ یہ اوقات حج نہیں ہیں بلکہ فور اس کے حق میں اسی سال کے ختم کا ہی الحج ہے۔ فوا کہ جمع فاکہ ایسی چیزیں بطور مزہ اٹھانے و ذائقہ لینے کے کھانا جن سے غذا یا دوا کرنا مقصود نہ ہو اور سرخسی نے کہا کہ بطبخ یعنی خرپڑہ فوا کہ میں سے نہیں ہے حتیٰ کہ جس نے قسم کھائی کہ فوا کہ نہ کھاؤنگا پھر اس نے خرپڑہ کھایا تو قسم نہ ٹوٹے گی علی قول السرخسی رحمہ اللہ۔ فراش دراصل پچھونا اور کنایہ عورت سے جو اولاد کی خواہش سے مرد کا پچھونا ہوتی ہے

اور اصطلاح فقہاء میں جو کچرا بچھایا ہوا ہو یا بوری یا وغیرہ ہو۔ قرام بقاف پردہ رقیق باریک اور اکثر لٹکا یا جاتا ہے قرناء سٹکھ و ہر چیز جو تر ہی کے طور پر پھونکتے ہیں قر یہ کبھی مقابل بدو کے آتا ہے کمافی قولہ تعالیٰ وما ارسلنا من قبلك الا رجالا من اهل القرى اور کبھی شہر کے مقابل آتا ہے جیسے یہ مدینہ ہے قر یہ نہیں یا یہ مصر ہے قر یہ نہیں ہے اور کبھی شہر کو کہتے ہیں کما فی قولہ علیہ رجل من القریٰ یتین عظیم یعنی مکہ و مدینہ اگر کہا جائے ہندوستان میں ایک چیز قصبہ کہلاتی تو مترجم کہتا ہے کہ فقہی احکام میں اگر وہاں کی ضرورت سے قاضی و نائب ہو و حدود شرع جاری ہوں تو وہ شہر کے حکم میں ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو قر یہ ہے اور اس زمانہ میں صواب یہ ہے کہ لوگ قصبات میں جمعہ و جماعات قائم کریں۔ قول کہنا و گفتگو اور بعضے شرح نے لکھا کہ لفظ جہر پر دلالت کرتا ہے اور مترجم کہتا ہے کہ نہیں بلکہ قول کبھی دل ہی دل کی بات کو کہتے ہیں کمافی قولہ تعالیٰ: قال انتم شرمکانا واللہ اعلم بما تصفون۔ بدلیل قولہ تعالیٰ ہد ہالہم اور چونکہ قراءۃ یہی قول ہے لہذا قراءۃ نفسی مترجم کے نزدیک دل ہی دل میں ہے اور اسی سے اس کے نزدیک نماز جہر یہ میں قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے احادیث اسی قراءۃ نفسی پر بلا تکلف محمول ہیں اور اس طرح التحیات کے بارہ میں تعلیم فرمایا کہ: قل التحیات للہ والصلوات۔۔۔۔۔ باوجودیکہ اس کی قراءۃ جہر سے نہیں ہوتی ہے فافہم فانہ ساخ عزیز قیمت کسی چیز کی مالیت بدرم و دینار کسی اندازہ کرنے والے کا انداز پر ہے جو اس چیز کے مساوی ہوتی ہے بخلاف ثمن کے کہ وہ کبھی زائد کبھی کم ہوتا ہے ذکرہ غیر واحد من الشرح پس ثمن کا ترجمہ قیمت سے غلط ہے اور اس سے اصلی حکم میں بڑا فرق پڑ جائے گا فافہم۔ قصب نرکل اور قصب معمولی نرکل کی چٹائی ہوتی ہے نہ اور چیز۔

قرطالہ ٹوکرا و قد ذکر ت فی الترجمہ مافیہ کفایتہ اور عربوں کی نسبت بعض نے لکھا کہ شاخوں کی ٹوکری ہوتی ہے والصواب مانی الترجمہ۔ قطعی قسم۔ مترجم نے اس کو علی النبات کا ترجمہ لکھا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ علم پر قسم ہو کیونکہ جس نے مثلاً کوئی کام خود کیا وہ قطعی جانتا ہے اور دوسرے نے اس سے جانا ہے تو وہ علم پر قسم کھائے۔ قوم۔ واضح ہو کہ قوم کا لفظ فقط مردوں کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ وہ سب کو شامل ہوگا یہ یاد رکھنا چاہئے۔ قنا پردہ۔ خوشہ خرما و احمر فانی سخت سرخ۔ اور یہ مختلف مقامات میں اپنے اپنے موقع پر آیا ہے شاقہ قعیہ جو بکری پالنے کے لئے ہو و قد جاءت فی البیوع۔ کتم۔ جس کو ہم لوگ کٹنب کہتے ہیں کفالت لغت میں ضم و ضمّان ہے کما فی القاموس اور تعدیہ بیاء ہی پس مکفول بہ قرضہ ہے اور عن سے تعدیہ مدیون کیلئے یعنی مکفول عنہ قرضدار ہے اور علامہ نسفی نے کہا کہ کفالت بالنفس میں بھی یہی کہتے ہیں لیکن امام اسمعیل نے کہا کہ اس پر مکفول بہ فقط بولتے ہیں اور قرض خواہ کے لئے لام سے پس مکفول لہ وہ قرض خواہ ہے جس کے واسطے کفالت کی گئی اور اسی کو طلب بھی کہتے ہیں اور جو ضامن ہو وہ کفیل ہے اگرچہ عورت ہو یعنی کفیلہ نہ بولیں گے جیسا کہ مغرب وغیرہ میں مصرح ہے یہ تو لغت ہے اور شرع کی اصطلاح میں اپنا ذمہ دوسرے کے ساتھ ملانا براہ مطالبہ یعنی کفالت سے غرض اصلی یہ کہ مطالبہ جیسا اصیل سے ہوگا ویسا کفیل سے ہوگا اور براہ قرضہ نہیں ہوتا یعنی یہ غرض نہیں ہوتی کہ جیسے اصیل پر قرضہ ہے ویسے ہی کفیل پر ہو گیا کیونکہ قرضہ متعدد نہ ہوگا اور ذمہ لغت میں عہدہ ہے پھر مجاز اس کو نفس و ذات کے لئے استعاراً کیا پس یہ جو کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ واجب ہو تو مراد یہ ہے کہ اس کی ذات پر واجب ہو اور یہ پوری بحث اصول میں ہے اور مسئلہ فلاں میرا آشنا ہے یا فلاں آشنا ہے براہ لغت فلاں کفیل نہ ہوگا مگر عرف سے کفیل ہو جائے گا اور اسی پر فتویٰ دیا جائے کذا فی المضمومات اور مترجم کہتا ہے کہ ہمارے عرف میں بالکل کفیل نہ ہوگا اور اسی پر فتویٰ دیا جائے کیونکہ اس سے اطمینان ہے نہ ذمہ داری مسئلہ مازاب لک علیہ یعنی جو تیرا اس پر ثابت ہو اور مترجم کہتا ہے کہ جو تیرا اس پر نکلے۔ یہ بھی اسی کے مثل صحیح ہے۔ مسئلہ پیچھا پکڑا گیا۔ کفیل و قرض خواہ نے اس کی ملازمت اختیار کی۔ ملازمت اصل میں شدت سے مطالبہ ہے کہ اس سے جدا نہیں ہوتا ہے اس کے ساتھ



لازم ہو گیا اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ طالب اس کے ساتھ ہو گیا جہاں جائے ساتھ جاتا ہے۔ مفلس وہ ہے جو فقس والا ہو گیا یعنی پہلے روپیہ و اشرفی والا تھا اب کوڑیوں و پیسے والا ہو گیا پھر مطلق محتاج فقیر کو کہنے لگے اور مفلس مبتشد ید لام وہ شخص ہے جس کے واسطے قاضی نے یہ حکم دیا ہو کہ یہ مفلس ہے تاکہ کوئی اس کے ساتھ معاملہ نہ کرے اور کوئی اس کو قید کے لئے نہ لائے۔ کفو برابری و مساوات اور شرع میں مخصوص امور میں مساوات ہے اور قریش کے ساتھ دیگر عرب و عجم والے کفو نہیں ہیں تو سلطان بھی ایسی عورت کا کفو نہیں جو سیدھے لیکن فتاویٰ محیط و غیرہ میں ہے کہ عالم مرد عورت علویہ کا کفو ہے کیونکہ شرف علم نسب سے زیادہ ہے کاریز۔ فقہاء کے نزدیک پانی کا راستہ جو زمین کے نیچے نیچے ہو اور جب کھلا ظاہر ہو تو عین و چشمہ و نہر ہے اور جدول پتلی نالی پھر اس سے بڑی ساقیہ پھر نہر ہے فانہم فانہ نافع جدا از انجملہ کرباس کہ بعضوں نے ناٹ ترجمہ کیا اور یہ سہو ہے بلکہ وہ سوتی کپڑا ہے اور اس سے بڑھ کر ریشمی قز ہوتا ہے مگر میا اور اس سے اعلیٰ ریشمی سے صاف کیا ہوا اور دیبا ج بہت گراں بہا ہوتا ہے صرح بہ بعض الشراح۔ کراع۔ اسم جماعت خیل کا اور کراع پایہ گو سپند و معانی دیگر۔ قولہم الکراع والسلاح گھوڑے و ہتھیار۔ کماة شروع و قایہ میں ہے کہ حشیش ایسی گھاس جس کی ساق و ڈنڈی نہ ہو اور عامہ لغات میں خشک ہونا لکھا ہے اور ترکو کلاء کہتے ہیں اور کماة کو لکھا کہ وہ نبات نہیں ہے بلکہ زمین میں ایک چیز رکھی ہوئی ہے اقول غالباً وہ ہے جس کو چھتری بولتے ہیں اور اس سے علاج بعض روایات میں مذکور ہے کبش سابق میں تفصیل گذری۔ کتاب مصدر کاتب عبدہ یعنی مکاتبت کے معنی میں ہے جیسا کہ اساس مقدمہ میں ہے اور امام راغب نے کہا کہ کتابت خریدنا غلام کا اپنی جان کو اپنے مولیٰ سے بعوض اس مال کے جو اپنی کمائی سے ادا کرے گا اور شرع میں آزاد کرنا مملوک کو باعتبار ہاتھ کی کمائی کے فی الحال اور اعتبار رقبہ کے وقت ادا مال کے۔ کراہت جو مکروہ ہے امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہے اور بدعت اس کا مرادف ہے اور شیخین کے نزدیک اقرب بحرام ہے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ جس کے جواز کی دلیل راجح ہو تو اس کو لا باس بہ بولتے ہیں یعنی اس میں مضائقہ نہیں ہے اور اسی سے کہا گیا کہ لا باس میں باس ہے اور ذباح الہدایہ میں ہے کہ جو حلال ہو اس کو لا باس بولتے ہیں اور جو حرام ہو اس پر مکروہ بولتے ہیں اور یہ اس مکروہ کا حکم ہے جس کو تحریمی کہتے ہیں اور تنزیہی اقرب لجلال ہے اور واضح ہو کہ شاید مراد امام محمدؒ کی فعلی تفسیر ہے کیونکہ فعل میں حرام و مکروہ تحریمی یکسان ہے اور فرق معنوی ہے اور بھی جاننا چاہیے کہ بعض ابواب میں حرام و مکروہ تحریمی میں کچھ فرق نہیں ہے جسے نکاح ہذا ملتقط من الشروح۔

مسئلہ سیری تک کھانا مباح ہے اور اس سے زیادہ حرام اور طفل مذکور کو حریر دیبا ج پہننا مکروہ ہے اور مففض و مذہب کا استعمال جائز ہے ذنیہ نظر حرف کلمہ۔ اقوال ہیں قیل ہر گاہ قیل ہر وقت و قیل ہر زمان۔ مترجم نے کہا کہ ہر بار اور قہستانی نے لکھا کہ یہی مختار ہے اقول شرح رضی وغیرہ سے تائید پائی جاتی ہے۔ پھر مترجم کہتا ہے کہ اصل میں ایک وضع کا واقع ہونا مقصود ہے تو معنی قولہم کلمہ کان کذا کان کذا۔ ہر بار جب ایسا واقع ہو تو ایسا ہوگا جیسے ہر بار کہ سورج نکلے تو دن ہوگا اور ہر گاہ و ہر زمان اس کو لازم ہیں لیکن اصلی مقصود جگہ و زمانہ نہیں ہے بلکہ وہ وضع ہے۔ کرم باغ انگور اور فقہاء کے استعمال میں کبھی عام باغ انگور کو کہتے ہیں اور کبھی ایسی زمین کو جس کے گرد چاردیواری ہو اور اس میں فقط انگور کے درخت ہوں اور یہی معروف ہے اور کرم اور بستان میں فرق یہ ہے کہ بستان کے گرد چاردیواری تو ہوتی ہے مگر اس میں متفرق اقسام کے درخت ہوتے ہیں اور زمین قابل زراعت ہوتی ہے اور حائل عرب میں نخلستان خرما ہے کہ رواج کے موافق اس کے گرد چاردیواری کر دیتے تھے۔ کینہ۔ کلیسا معبد یہود یا عموماً کفار یعنی منٹھ و غیرہ کمائی القاموس یا کنشت معبد یہود۔ کوہ۔ واضح ہو کہ سینچنے کے لئے نہریں دریاؤں سے جاری کی جاتی ہیں۔ اور اس نہر میں جا بجا بچھارو بانہ ہوتے تھے پس جس شخص کو پانی کی ضرورت ہوئی اس نے اپنی زمین و باغ کا دہانہ کھول لیا کہ پانی جاری ہو گیا اور اگر نہر صغیر ہے تو ہر

ایک باری باری کے مقررہ ایام میں پانی لیتا تھا پس اس دہانہ کو کوہ کہتے ہیں اور انہار کنی قسم کے ہیں ایک قدرتی جیسے گنگا و جمننا وغیرہ اور دوم سلطانی جو بادشاہ و امام وقت کے مصلحت سے کھودی گئی اور اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہے اور انہیں کی رائے سے اس کا پانی بطور خراج ہوگا یا مقاسمہ اور بادشاہاں کفر کے انہار اسی خراج میں شامل ہیں اور سوم جو کسی عام نے کھودی اور یہ قریب بہر اعم و سلطانی ہے اور چہارم نہر خاص ایک قوم کی مگر اس قدر کثیر ہیں کہ داخل شمار نہیں اور بعض مقامات پر مذکور ہو چکا کہ غیر داخل شمار جب سو سے زیادہ ہوں اور بعض نے اس کے سوائے تفسیر کی۔ پنجم نہر خاص جو قوم داخل شمار ہے مثلاً بقول مذکور صد یا کم ہوں۔ ششم نہر خاص جو ایک شخص کی ہو اور یہاں پر ایک کی احکام و تفصیل ہے۔ گو بر ترجمہ سرگین و او پر تفصیل گزری۔ لوز بادام دلو زینہ قسم حلواء جس میں لوز مع میوہ جات ہوں۔ لینہ المیض خشک پیرا ہن گوکھر و گھنڈی۔ لیطہ چادر۔ حرف لوکلام فقہاء میں اکثر ایسے پیرا یہ سے آتا ہے کہ تصریحات نحو کے موافق حکم میں تغیر ہوتا ہے حالانکہ حکم شرط و جزاء کا ہے پس معنی وغیرہ کے اشارات سے لو کبھی بمعنی ان ہوتا ہے جیسے جواب جملہ اسمیہ مصدر بفاء ہوتا ہے اگر چہ فی الاصل ماضی بلام ہونا چاہیے فعلی ہذا ایسے مقامات پر اس کا ترجمہ حرف شرط سے کرنا چاہئے فافہم فانه نافع ایسے ہی حرف علی۔ کبھی شرط کے لئے آتا ہے اور کلام فقہاء میں بکثرت شائع ہے مثلاً تزوجہا علی ان لا یخرجہا اور کبھی ارود میں بھی بولتے ہیں کہ اس پر اس سے نکاح کیا کہ اس کو اس کے وطن سے باہر نہ لے جائے گا اور مراد شرط ہے یعنی اس شرط پر کہ الی آخرہ پس یعنی و چلی وغیرہ نے تصریح کردی کہ فقہاء اس کو ایسے معنی میں استعمال کرتے ہیں کہ جس سے سمجھا جائے کہ مابعد شرط ماقبل ہے پس حاصل معنی کی راہ سے اس میں اور ان حرف شرط میں کچھ فرق نہیں ہے کہ وہ شرط پر داخل ہوتا ہے اب میں کہتا ہوں کہ یہ زبان عربی کے لئے ہے اور اردو میں جو مثال مذکور ہوئی اس سے اردو زبان کے حرف پر یا اس پر کا قاعدہ مستخرج ہو سکتا ہے۔

لیکن میری غرض یہ تنبیہ ہے کہ اکثر ایسے مقام پر میں نے تصریح کردی ہے کہ اس شرط کہ الی آخرہ۔ مجوس معرب میر گوش مدعی نبوت اور روایات و آثار میں مجوس ان مشرکوں میں ہیں جو بدتر مشرک ہیں اور آثار میں ہیں کہ معتزلہ وغیرہ جو لوگ اسلام کا نام لے کر اس امر کے قائل ہیں کہ ہم لوگ اپنے افعال کے خود مختار ہیں وہ اس امت کے مجوسی ہیں اور صحیح ثابت و متفق علیہ ہے کہ مجوس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بت پرستوں سے ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کا ذبیحہ جائز نہیں ہے اور شہرستانی نے لمل و نحل میں لکھا کہ یہ ایک قوم تھی جن کو آسمانی کتاب دی گئی تھی مگر انہوں نے بعد زمانہ کے اس میں تبدیل و تحریف کی پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سب قوم سے اٹھالیا اور صحیح کو یہ لوگ ویسے ہی رہ گئے اور شیطان نے ان کی محرف کتابوں میں ناپاک مسائل لکھ دیئے جیسے ماں سے نکاح کر لینا اور بیٹی سے نکاح کرنا اور صواب یہ ہے کہ مجوس بھی قوم زردشت آتش پرست ہے جن کے یہاں یہ سب باتیں جائز ہیں اور وہ دو خدا کے صاف صاف قائل ہیں نیک کاموں کا پیدا کرنے والا ایزد کہتے ہیں اور بد کاموں کا پیدا کرنے والا شیطان یاد یو کہتے ہیں اور مطلب ان کا یہ ہے کہ آدمی کے اندر اسی کے ہاتھوں سے گویا بواسطہ اسباب ظاہری کے نیک افعال ایزد پیدا کرتا ہے زمین کے اندر سے بواسطہ مینہ و تخم کے کھیتی وغیرہ اور اس طرح شیطان کے پیدا کرنے کے قائل ہیں پس اکابر سلف صالحین نے اس پر تشبیح کی ہے اور عجب کہ ہمارے زمانہ میں معتزلہ وارفضہ و خارجی فرقتے تو خود اپنے آپ پیدا کرنے کے قائل ہیں بلکہ عموماً مسلمان بھی نظر رکھتے ہیں: اللہم غفرانک اعدو ذبک من الشوک۔ مباراتہ۔ یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو بری کر یعنی دو آدمیوں میں معاملہ تھا ہر ایک نے دوسرے سے اپنے حقوق کا سمجھوتا کر لیا پھر ایک نے دوسرے کو کہہ دیا کہ تو میرے تمام حقوق سے جو کچھ اس وقت تک بھول چوک کے ہوں بری ہے یا جان بوجھ کر بری کر دیا اور اس طرح عورت سے مباراتہ کرنا اسی معنی میں ہے۔ کہا گیا کہ مباراتہ بالف بعد راء ہے اور مطرزی نے کہا کہ براءت سے مشتق ہے تو ہمزہ چھوڑنا خطا ہے ما جن جیسے مفتی وہ شخص کہ جس کو یہ پروانہ ہو کہ اس نے حیلہ گری سے کیا شرارت

سکھائی کذا فی المغرب۔ مٹمٹ زرد آلو مجنون مقابل عاقل۔ سکران مقابل صاجی۔ معنی علیہ مقابل مفیق۔ مغر مقابل ضان۔ قبائے محشو جس کے تہ میں بھراؤ ہو۔ مقعد زبور معروف۔ ملخہ چادر از لطف پیچیدن۔ ملازمت و مفلس کا بیان ہو چکا۔ ملاعبت جو رو سے خوش باشی کرنا۔ محوز جو منقسم و متقرر ہو۔ مشبو ج جس کو زخم شجہ پہنچا ہو۔ فاعل شاج کہلائے گا۔ مثلث سر گوشہ و قسم شراب معروف۔ مصلیہ بھونی ہوئی گوشت کی بوٹی ہو یا اور چیز۔ مقلیہ بھونے ہوئے گیہوں کے دانہ ہوں اور اناج وغیرہ۔ مذنب م ذ ن ب۔ کیری جو دم کی طرف سے گزرانا شروع ہوئی ہو۔ مفہوم مخالف بیان حکم جن شرائط پر ہے اگر شرائط بغرض تقید ہوں تو ان کے خلاف شرائط پر خلاف حکم ہوگا۔ پس ہمارے نزدیک اصول میں اس کا اعتبار نہیں ہے اور فروع میں شارح و قایہ وغیرہ نے لکھا کہ معتبر ہے بلا خلاف لیکن صاحب قیہ نے اجارات میں لکھا کہ معتبر نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ معتبر ہے مگر اکثری نہ کلی جیسا کہ صاحب نہایہ نے حدود میں تصریح کر دی ہے مکعب ایک قسم کا چمڑے کا ہوتا ہے پاؤں و ساق کے بیچ کی ہڈی تک یعنی ٹخنہ تک اور مکعب کھیل بھی ہوتا ہے مراد اول ہے مفضل اور مذہب جس چیز میں عین چاندی و سونے سے پتر وغیرہ جر کر خوبصورت کیا جائے اور سیف مفضل جس کے قبضہ پر چاندی پتر سے چڑھی ہو اور پانی سے ملمع نہ ہوئے اور قدح مفضل جس کے کنارے پر حلقہ یا جوڑ چاندی سے ہو اور اسح یہ ہے کہ مقام چاندی کو منہ سے نہ لگائے اور سابق میں قیہ وغیرہ سے مذکور ہوا کہ جائز ہے مگر روایت معتبر نہیں ہے۔

مضامین وہ نطفہ ہیں جو زوروں کی پشت میں ہیں پس اگر کسی نے فلاں شخص کے چو پاؤں کے مضامین خریدے تو باطل ہے اور اور اگر جفتی کھائی نہ و مادہ نے تو اس کا فروخت و خرید کرنا بھی باطل ہے اور یہ ملاحظہ ہیں کہ باردار جفتی سے اس کو موجود جانور قرار دیا منصف قسم شراب۔ معارف بعین مہملہ و زائے منقوطہ جمع معترف قسم طنبور جس کو اہل یمن بناتے ہیں ذکرہ فی المغرب اور قہستانی نے کہا کہ جس نے یہ گمان کیا کہ وہ آلہ لہو ہے جیسے مزمار و غیرہ تو غلط کیا اور اصوب یہ ہے کہ فقہاء کے کلام میں جہاں فقط معارف بلفظ جمع مذکور ہے وہاں معترف کو غلبہ دے کر آلات لہو و لعب کو اس میں شامل کر کے معارف جمع کر دیا پس مراد معترف و بریط و طنبور و مزمار صحیح یعنی چنگ و عود و طبل و دف وغیرہ سب ہیں پس سب کی بیع حرام ہے اور جس نے ان میں سے کسی کو توڑ ڈالا اس پر ضمان نہ ہوگی اگر بحکم امام ہو ورنہ حکم اختلافی ہے۔ ملازق و ملاصق چسپان و ملا ہو اور گھر ایک دوسرے سے ملا ہوا۔ منعمت ایسے لوگوں کا جتھا جو روک سکیں و مانع ہوں۔ لبتو عورت جس کو بالکل تین طلاق سے علیحدہ کر دیا گیا ہو یا بان دی گئی ہو معصم پہنچے کا جوڑ مسح بھیگا ہاتھ پھیرنا میں لکھا کہ عورت کو اس کے شوہر نے چاہا اور عورت کو سردھونا مضر ہے تو کہا گیا کہ سردھونا چھوڑ دے اور انکار نہ کرے اور بعض نے کہا کہ مسح کر لے۔ مہنہ ثوب خوار کم قیمت ہر وقت کے استعمال کے لئے۔ مقلدہ نہنی۔ مقراض قینچی مستقع جہاں پانی جمع ہو جائے مشائخ۔ واضح ہو کہ امام ابو حنیفہ و ان کے تلامذہ متقدمین ہیں اور ان کے بعد متاخرین کہلاتے ہیں پھر قریب زمانہ امام کے مشائخ ہیں جن کا علم وسیع و ارتیاض زیادہ ہے۔ مصادرہ کسی کو شکنجہ کرنا ذکرہ الیہتی فی المصادر۔ ملک مطلق۔ مثلاً مطلق ملک کا دعویٰ کیا یعنی کسی سبب سے مقید نہیں کیا۔ ابوالکارم نے کہا کہ مراد ملک مطلق ہے وہ کہ ایسے اسباب سے ہو جو مفید تملیک ہیں جیسے خرید و بیہ وغیرہ۔ نتائج بھی اسی قسم سے ہوگا اور شہادت نتائج کے یہ معنی ہیں کہ گواہ نے بچے کو اس کی ماں کے پیچھے دیکھا تھا اور یہ شرط نہیں کہ ماں کے پیٹ سے جدا ہوتے معائنہ کیا تھا مری فعیل تل کھانے پانی پیٹ میں جانے کا۔ متطیب جس تیل میں بنفشہ و گلاب وغیرہ کے تازہ پھول ڈال کر خوشبودار کیا ہو۔ مشعوز بازگیر۔ اور یہ کتاب الشہادات میں آیا ہے کہ مشعوز کی گواہی قبول نہ ہوگی مسئلہ سوچا۔ مبتدع جو کوئی دین میں بلا دلیل شرعی کوئی بات نکالے وہ دو قسم ہیں اول اعتقاد میں جیسے معتز و روافض و خوارج وغیرہ ہیں لیکن روافض میں سے جو فرقہ کہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفضیلت دیتا ہے وہ مبتدع ہے اور جو خلفائے راشدین سے منکر ہو وہ کافر ہے کذا فی الخلاصہ مجلس ایک نشست میں کسی

کام میں مشغول ہونا جب تک وہی کام رہے مجلس واحد ہے اور اگر دوسرا کام شروع کر دیا تو مجلس بدل گئی۔ عورتوں کا مجلس وعظ میں حاضر ہونا مکروہ ہے ذکرہ فخر الاسلام کذا فی الکافی۔ متکلم ایک فریق اسلام میں ہے جو عقائد اسلامیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرتے ہیں۔ اور مبتدعین سے بحث کرتے ہیں پس اگر ان کی مراد یہ ہو کہ ہمارے واسطے اعتقاد قرآن و حدیث ہے لیکن ان کے طور پر ثابت کر دینا چاہئے کہ اسلامی عقائد کسی عقل سے خلاف نہیں بلکہ عقل ان سے منور ہوتی ہے اور عقل کو خود یہ سمجھ آتی ہے کہ مخلوق عقل کو یہ تاب نہیں کہ خالق عزوجل کو احاطہ کر لے تو ایسے لوگ خالص قرآن و حدیث کے پابند ہیں اور غزائی وغیرہ کے نزدیک اس میں ثواب ہے اور یہ بات فقط عالم حکیم ربانی میں ہوگی لیکن ہمارے علماء سے روایت ہے کہ متکلم مبتدع ہے امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ متکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں اگرچہ وہ حق ہی تکلم کرے کذا فی الظہیر یہ۔ منبہ عمارت بنا ہوا الدار اسم للمعرصۃ المبنیۃ فی العرف کذا فی الشرط مسلم سپرد کیا ہوا و قولہم لقد باعہ وسلمہ وما بقی قط یعنی میں نے غلام مشتری کو اس بیع میں سپرد کیا حالانکہ میرے پاس تا وقت تسلیم و سپرد کرنے کے نہیں بھاگا تھا کذا اشیر الیہ فی المحیط والذخیرۃ والحقہ والکافی والنہایۃ وغیرہا اور بعض نے گمان کیا کہ وہ زمانہ ماضی میں کبھی نہیں بھاگا تھا نہ بائع کے پاس سے اور نہ اور کسی کے پاس سے اور یہ گمان غلط ہے۔ مجازۃ القاموس وغیرہ جزاف معرب کزاف اتکل سے بلا وزن ویمانہ کے فروخت کرنا ولینا ذکرہ المطرزی۔ مزروع کزون سے ناپا ہوا و فی المذروۃ الذی لم یبین حصتہ کل ووجد مشتری اکثر فالزیادۃ کذا فی الفتاویٰ اور قاضی خان نے کہا کہ یہ حکم قضاء ہے نہ دیانتہ۔ فاحفظ۔ مسلوتمہ۔ خریدنے کو چکانا اور شرع میں متاع کو بیع کے لئے پیش کرنا مع دام ذکر کرنے کے فافہم۔ ومن باع صبرۃ طعام۔ ڈھیری اناج بلا وزن و پیمانہ کے موتہ فہ قولہم لہ حمل و موتہ۔ یعنی بوجھ ہے جس کے اٹھانے میں لادنے یا حمل کی ضرورت ہے اور بعض نے کہا کہ جو مجلس قضاء تک بلا کر ایہ مفت نہ اٹھایا جائے اور بعض نے کہا کہ جو ایک ہاتھ سے نہ اٹھ سکے کذا فی الکرمانی منسوخ لغت میں نقض اور شرع میں عقد کا دور کرنا بلا زیادت و نقصان کے سابق حال پر ہو جائے۔ ظلیۃ الدار باط جس کی ایک طرف اس دار کی دیوار پر ہو اور دوسری طرف دار پر یا ستونوں پر خارج دار ہو۔ مرافق بعض نے کہا کہ حقوق ہیں اور یہ ظاہر الروایت ہے۔ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت میں وہ مطبخ وغیرہ کو بھی شامل ہے منزل۔ لغت میں موضع نزول اور اصطلاح میں دار سے کم اور بیت سے زیادہ اور کم سے کم دو بیت ہوں۔

ذکرہ المطرزی۔ لیکن نہایہ میں کہا کہ منزل جس میں بیوت و صحن چھت دار و باورچی خانہ ہو جس میں آدمی مع عیال رہے اور دار جس میں بیوت و منازل و صحن وغیرہ مسقف ہو۔ وما قیل یومر بالقلع یومر برفع الینا و العرش نحلہ عطیہ۔ و مر تفسیرہ۔ نہرہ ناسرہ و رصاص ملموعہ جس پر چاندی کا پانی ہو۔ نفقہ فقط طعام یا مع کپڑا یا مع سکنی اختلاف اقوال اور یہ اس وقت ہے کہ نفقہ و سکنی یا نفقہ و کسوة نہ کہا ہو۔ نادق۔ معرب نادہ نادہ چونکہ میاں خالی مثل نل کے موید الفصلاء معتوہ۔ در شرع جس کی بعض باتیں مثل دیوانہ و بعض مثل ہوشیار ہوں۔ مؤند۔ نفر از سر تادہ یا از یک۔ نواب جمع نایہ حادثہ و شرعاً جو سلطان اپنی رعیت پر ان کی مصلحت و بہتری کے لئے باندھے جیسے حفاظت راہ و کوچوں کے پھانک وغیرہ اور بعض نے کہا کہ جو سلطان کی طرف سے بلاء نازل ہو اگرچہ ناحق ہو و قالو اصح ضمان النوائب و الصواب انہ لا یفتے بہ لان اکثرہا ظلم۔ اقول نکس آمدنی کا بھی جواب اسی مسئلہ سے ہے۔ نجاست غلیظہ جو بدلیل قطعی ثابت ہو اور حقیقہ جس کی دلیل ظنی ہو۔ جامع الرموز۔ بعض فقہاء نزاہت کی راہ سے مکروہ کو ناجائز کہتے ہیں۔ نقد ہو گیا یہ مترجم لاتا ہے کہ تجارت کے متاع فروخت ہو کر نقد حاصل ہوا۔ ناضح کنواں جس سے اونٹ بیل وغیرہ سے سینچا جائے۔ وصیف خادم خواہ غلام ہو یا باندی ہو اور کہا گیا کہ طفل ہوئے لیکن ظاہر یہ ہے کہ طفولیت کی قید ملحوظ نہیں رہی ہے۔ ودیعت جو چیز امانت رکھی گئی تاکہ

مستودع اس کی حفاظت کرے۔ اور تجھیل و دیت یہ کہ وارثوں سے اس کو بیان نہ کیا اور بغیر چچو اے مر گیا دو اچین۔ ہر دور گہائے گردن جن کے کاٹنے سے ذبح ہو جاتا ہے و جاہت لوگوں میں آبرو ہونا اور باب شہادت میں ایسی حالت معتبر ہے کہ اس کے جھوٹ بولنے سے اس کو شرم و عار ایسی دامن گیر نظر آئے کہ عام کے خیالات سے جو اس کے جانب مناقض ہو۔ واقف وقف کرنے والا اور موقوف علیہم جن پر وقف کیا اور سبیل وقف عام ہے کہ لوگوں پر ہو یا عمارات مساجد وغیرہ ہو۔ درس نباتات میں سے خوشبو معروف ہے۔ ولی۔ ماخوذ از ولایت بالکسر جیسے مولیہ علی المر میہ و فی المقدمتہ ولی الامر خداوند کارے کرد کار را یعنی کام کا سر پرست ہو اور جائز ہے کہ تولیہ سے ہو یعنی کسی شخص کو والی و مالک کرنا اور باب نکاح میں ولی کے حقوق اپنے ذاتی بھی ہوتے ہیں مثلاً بعض وجوہ سے عورت کے حق میں بہتر ہو مگر ولی کو نسب کی راہ سے ناگوار ہو تو اس کا حق ملحوظ ہوگا۔ وکیل جس کی طرف کام سپرد کر کے بجائے اپنے ہر طرح یا تخصیص سے قرار دیا گیا اور اس کا اطلاق مذکور مؤنث و مفرد و جمع سب پر یکساں ہو کما فی القاموس تم بحمد اللہ الذی لا الہ الا هو سبحانہ العزیز العلیم و ارجو منه ان لیجعلہ خالصاً لوجه الکریم و یغفر لی و للمؤمنین بفضلہ العمیم و هو حسبی نعم المولی و نعم الوکیل۔

## خاتمہ کتاب از مترجم

### ذکر فتاویٰ عالمگیریہ و اس کے متعلقات

واضح ہو کہ بحث افتاء و استفتاء سے بادنہ توجہ یہ امر ظاہر ہے کہ وقائع و سوانح کسی حد تک محدود نہیں تو اصول مذہب کے جو بات قیامت تک کے واقعات و نوازل کو ملکتی نہیں اور خود مشاہدہ ہے کہ مثلاً ریل پر نماز پڑھنا اور نیلام کی چیز خریدنا سابق میں ان کے وجود نہ ہونے سے متاخرین کے فتاویٰ تک میں ان کا حکم مذکور نہیں ہے غرض کہ یہ بات قطعی ہے کہ اصول کتب و مذہب کے ساتھ فتاویٰ مشائخ کی ضرورت ہے اور ایک جماعت متاخرین مشائخ نے جن میں صاحب ہدایہ بھی ہیں واقعات و نوازل کو علیحدہ تالیف فرمایا اور شیخ سرخسی مؤلف محیط نے جو امام سرخسی کبیر سے متاخر ہیں بہت کچھ مجموعہ کیا تاہم احتیاج کا ہاتھ ہنوز پھیلا ہوا تھا اور فتاویٰ ذرا مختار و غیرہ اگرچہ تنخیص و تدقیق میں مختصر نفیس ہے لیکن علامہ بعلبکی و ایک جماعت علماء نے تصریح کر دی کہ اس سے فتویٰ دینا معتبر نہیں اور وجہ اس کی فقط تنگی و تدقیق ہے علاوہ اس کے بہت سے جزئیات اس میں مذکور نہیں الا باشارات خفیہ جو قیود کے ماہر کی سمجھ میں آسکتے ہیں اور پھر بھی قیود کے استنباط سے مفتی کو فتویٰ دینا جائز نہیں ہے پس ظاہر ہوا کہ مانند در المختار کا وجود و عدم اس مقصد کے حق میں برابر ہے اور حاجت کا ہاتھ ویسا ہی خالی پس عین اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے سایہ عاطفت سے رحم فرمایا یعنی ہندوستان میں حامی اسلام متشرع متقی متمسک سنت متبع شریعت مہدی ہادی عامل لواء المؤمنین خلیفۃ اللہ فی العالمین ناصر الدین المتین السلطان ظل اللہ فی الارض علی المہتدین الامام العادل الکبیر اورنگ زیب محمد عالمگیر انار اللہ تعالیٰ برہانہ و افاض علیہ شایب غفرانہ و اسکنہ بجوہتہ جنانہ کو پیدا فرمایا جس نے حفظ شریعت پر قدم جمایا اور علماء و مشائخ کو اکرام کے ساتھ اپنے سایہ دولت میں جمع فرمایا اور شیخ الوقت عمدۃ العماء العلامہ الامام الشیخ النظام رحمہ اللہ تعالیٰ کی امامت میں اس انصرام کی درخواست کی کہ اصول مذہب یعنی معروف کتب ستہ امام محمد بن الحسن الشیبانی و فتاویٰ مشائخ مجتہدین متقدمین اور ترتیب و ار جوہات مشائخ متاخرین مع نواذر و واقعات جمع ہو جائیں کہ بندگان الہی جل شانہ کے افعال و اعمال بہ حسن نظام باقی رہیں اور اس دیار جہالت میں اتباع شریعت و تمسک بسنت کا قیام ہو اور چونکہ خود بادشاہ کا رزق خفیہ اپنے ہاتھ کی مشقت سے تھا اور بیت المال خزانہ عباد معمور ہو رہا تھا حالانکہ ہر قوم و ملت رعایا و برابرا آسودہ حال و فارغ البال تھے پس سلطنت کی سرپرستی میں خزانہ وانی جس کی تعداد کثیر کا احاطہ علم الہی میں ہے

اس کار خیر میں صرف کر کے متعدد نسخ و صحاح اصول اور بے شمار معتمد کتب و شروح ائمہ و فتاویٰ مشائخ و تالیفات علماء کو کمال احتیاط و وثوق کے جمع فرما کر ان علماء کی جماعت عظیم کو جن کی تعداد کمتر ایک سو کی پانچ گونہ یعنی پانچ سو مشہور ہے یہ نوادر جواہر یعنی کتب فقہ و شریعت تفویض فرمائیں۔ ان مشائخ تبحر و علمائے کبار و فضلاء نے کمال حرم و احتیاط سے اصول و فتاویٰ واقعات و نوازل و شروح و تخریجات و نوادر کو بعینہ انتخاب و بلفظ التقاء سے بدون اختصار و تنگی کے کمال پار یک بنی و عمدہ تبحر علمی سے ابواب و فصول فقہ پر معروف ترتیب کے مطابق اور قواعد استفادہ کے موافق جمع فرمایا و اللہ درہم ثم اللہ درہم کہ جس خوبی و خوش اسلوبی سے رعایات و شرائط مرعی فرمائے ہیں ایک عارف اصول و ماہر شریعت اس کی قدر کر سکتا ہے و بحمد اللہ سبحانہ تعالیٰ ایک ایسا نفیس مجموعہ ظاہر ہوا کہ جس قدر فروغ و احکام و فتاویٰ کسب نظام اس میں مندرج و مندرج ہیں ان پر اپنے اپنے ماخذ و مخرج سے واقف ہونے کے لئے ایک محقق علامہ کو اپنی عمر تباہ کرنی پڑتی شاید اس وقت بھی وقوف نہ ہوتا کیونکہ ان نفائس جواہر کو وہ کہاں پاتا اور ایسا عجیب شکر ف مجموعہ ہاتھ آتا کہ کتب اصول جن کے دیکھنے کو مدت سے بہت سی آنکھیں مشتاق تھیں اور جن کے فیض علمی کے مطالعہ پر ہزاروں دل اپنی جانیں فدیہ دیتے تھے آخر محروم و مایوس اس جہاں سے گذر گئے اب اس مجموعہ کی بدولت ہم کو یہ دولت عظمیٰ بلا مشقت مفت ملتی ہے جزا ہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء اور نہایت لطف یہ ہے کہ اصول کی روایات کے ساتھ نوادر املاءات کا التقاط و شروح کے قواعد استنباطات و فتاویٰ کے متفق و مختلف جوہات اور متقدمین و متاخرین کے ترتیب بدیع کے ساتھ افادات اور نوادرا اجتہادات و نفائس اصول الفقہ کے موافق اصول فقہیات اور کثرت سے اوضاع و فروعات بالجملہ بیان کی طاقت سے بالاتر خوبیاں اس مجموعہ نوادر میں یکجا ہیں حق بجانب ہے کہ آنکھیں اس سے منور اور دل اس پر والہ و شیدا ہیں پھر یہی نہیں کہ خالی زہد خشک کی طرح معاملات کے مسائل و تصویرات ہوں بلکہ آداب و لباس و طریق سنت کے اتباع کی حرکات و سکنات اور فرائض و واجبات و مستحبات و مکروہات اور عبادات و معاملات و اخلاق و عادات سب کو جمع فرمایا ہے

فالحمد لله حمدا کثیرا و جزا ہم اللہ کبیرا۔

تمام مؤمنین و مسلمین پر تاقیامت اس نعمت عظمیٰ کا شکر یہ واجب ہے اور سلطان عادل انار اللہ برہانہ اور علمائے اعلام قدس اللہ اسراہم کے لئے حضرت ملک منعم کبیر متعال سے و نور رحمت اور قرب و منزلت کی استدعا بصدق ولی محتتم۔ اللہم رب اجعلہم من عبادک الصالحین و اجعلہم من الفائزین و اجعل سعیہم مشکور او اعطہم جزیل جزاہم موفورا بفضلك وانت الغفور الشکور و ادخلنا برحمتک فی عبادک الفائزین وانت ارحم الراحمین۔ یہ انھیں کی سعی مشکور ہے جس سے بکمال اطمینان قاضی کا حکم قضاء اور مفتی کا فتاویٰ مستند ہوتا ہے اور انھیں کا فیض موفور ہے جس سے تحقیقات علامہ فقیہ منون کے شروع میں اس کے حوالہ سے معتمد ہے۔ یہی وہ مجموعہ ہے جو نام کو تو فتاویٰ اور حقیقت میں اصول و متون و تخریجات و فتاویٰ و شروح نوادر کا ذخیرہ جامع کبیر مبسوط زیادات شانی کافی ہدایہ فقیہ ہے وہ یہی محیط بسیط ہے جو شروط استفتاء کے جامع اور علماء کا گھنٹے ٹیک کر اس پر جھکنا اس کے اعتماد کی برہان لایع اور اوہام موہم کی قانع ہے آج اسی پر مدار ہے اور مفتی مستند عالم معتمد کا اسی پر اعتبار ہے کیونکہ کنز اور در المختار کی مختصرات سے مفتی کا فتویٰ دینا غیر مختار خلاف تصریح علمائے کبار ہے جس سے مفتی ساقط الاعتبار ہے یہ نعمت عظمیٰ اور دولت کبریٰ اگر چہ ایسی ہی بیشمار اوصاف رکھتی ہے جس کا شکر یہ اہل اسلام سے ادا نہیں ہو سکتا اور جس حد تک اس کی قدر کریں اس کا شمار تھوڑا ہے لیکن صد افسوس کہ دور زمانہ و قضائے مقدر سے اس وقت اہل علم کمتر بلکہ شاذ و نادر کے حکم میں ہو گئے اور جو باقی ہیں تنگی معیشت سے پریشان اور اتفاتی اسباب کی کشمکش میں حیران ہیں اور جو لوگ دولت مند و فارغ البال ہیں وہ علم سے بے بہرہ بلکہ متوحش و متنفر اور ناول و افسانہ ہائے خیالی و لہو و لعب میں خوش گزران اور موت سے غافل و معرفت خالق عزوجل سے جاہل اور باوجود کمال بے عقلی کے دعویٰ عقل میں

زبان دراز ہیں ہاں یہ معجزہ مخبر صادق علیہ السلام قابل شنید ہے کہ اہل اسلام کے بگڑنے کے وقت غریب لوگ دین اسلام پر ثابت قدم ہوں گے وہ چشم دید ہے ایسے وقت میں جہاں تک یہ علوم بجائے زبان عربی کے اردو میں جلوہ گر ہوں عین صواب ہے اسی دن کے لئے عارفان صاحب بصیرت نے قرآن پاک کا ترجمہ بھی اردو میں کر رکھا تھا جو کام آیا مگر ہنوز تفسیر و حدیث و فقہ کی بہت بڑی حاجت باقی ہے۔ کہاں نہیں امراء ذی دولت درو ساء والا منزلت کہاں ہیں صاحبان ملک و عزت کچھ اس طرف توجہ فرمائیں۔ کیا انھوں نے صرف دنیائے ناپائیدار ہی کی شان و شوکت پر بھروسہ کر لیا ہے کیا آخرت میں خالی ہاتھ جانا پسند کیا ہے کیا مال کثیر لہو و لعب میں برباد کرنے سے ایسے کاموں میں صرف کرنا بہتر اور پوری ناموری و عزت نہیں ہے۔ دیکھئے کب اس کا جواب ملتا ہے بقول شخصے نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے مگر فی الحال تو پردہ غیب سے ایک عجیب سامان نظر آیا اور حق عزوجل کی کار سازی نے کہاں سے ابر رحمت برسایا جس سے غریب اہل اسلام کی خشک کھیتی ہری ہو گئی اور ہر طرف سے صدائے تحسین آفرین بلند ہے واہ ری نام آوری جس کو خدائے عزوجل عطا کر لے یہ کسی کا حصہ مخصوص نہیں یعنی اس فتاویٰ بے مثال کے ترجمہ و عام فیض کی جانب ایک رئیس دریا دل بامروت سنجیدہ خصلت عالی ہمت امیر کبیر ذی ہوش صاحب شعور و والا خطاب مشہور نزدیک و دور جناب منشی نول کشور صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ دام اقبالہ نے توجہ فرمائی اور کیسی عالی ہمتی و دلجوئی سے راقم مترجم کو اپنا مشکور بنایا اور کمال شوق سے پوری عالی ہمتی سے جو دوسروں کے لئے نظیر ہونی چاہئے اس کا ترجمہ کرایا۔

الہی تیری ذات پاک ہے تو ہر چیز پر قادر مختار ہے جیسے تیری مخلوق میں سے سلطان عادل عالمگیر کا نام نامی اس فتاویٰ عربی سے صفحہ ہستی پر برقرار ہے۔ اس طرح تیرے فضل و کرم سے امید ہے کہ اس ترجمہ عظیم الشان سے اس رئیس والا شان کا نام گرامی تا قیامت ناموری کے ساتھ پائیدار ہو جس کے سایہ دولت میں ایسا یادگار کام انجام ہوا جس کی نظیر خود وہی سلطان اورنگ زیب ادار اللہ برہانہ کا اہتمام ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اصل سے دس گونہ زائد اس ترجمہ سے عموماً اہل اسلام کو مستفید فرمائے اس رئیس والا ہمت عالی نہمت کا شکر یہ صدق و راستی و خوش اخلاقی کے ساتھ تمام اہل اسلام پر واجب ہے کیونکہ وہ بے مثال فتاویٰ جس کا حال ابھی بیان ہوا اب ایسے ہر دلعزیز و عام پسند خوبصورت لباس میں جلوہ گر ہے کہ ہر شخص جس کو علم اگر چہ تھوڑا ہو حتیٰ کہ اردو پڑھ سکتا ہو ادنیٰ توجہ کے ساتھ بخوبی اس سے مستفید ہو سکتا ہے ترجمہ بہت سلیس اردو زبان میں عام فہم ہے۔ اصل کتاب میں خود یہ التزام بیشتر مرعی ہے کہ مسئلہ علیحدہ شروع کیا پھر جس قدر صورتیں اس صنف میں ممکن ہیں جہاں تک جہاں سے بہم پہنچیں بحوالہ کتاب نقل فرمائیں۔ مترجم ضعیف نے اصل کی خوبیوں کو بحال خود باقی رکھا کچھ کمی بیشی نہیں کی اور علمائے ماہرین و فقہائے کالمین فقہ کے مسائل و ان کے قیود و اشارات سے خوب واقف ہیں وہ میرے التماس کی قدر فرمائیں گے کہ فقہی مسئلہ کو عربی زبان سے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا اس وجہ سے بہت سخت مشکل ہو گیا کہ الفاظ میں قیود سے مفہوم معتبر ہے پس ضرور ہوا کہ ہر لفظ کی جگہ دوسری زبان کا ایسا لفظ لانا چاہئے جس سے اصل کے موافق مفہوم و اشارہ و کنایہ بحال خود باقی رہے اور بسا اوقات وضع و تقدیم و تاخیر کو اصل حکم میں دخل ہوتا ہے پس اس کا لحاظ فرض ہے اور اصل مسئلہ و صورت و اس کے قیود اور اشارات کو بخوبی سمجھ لینے کے بعد ترجمہ کی عبارت کو مستقل نظر سے اسی اندازہ پر دیکھا جائے اگر متوافق ہیں تو بہتر ورنہ تا امکان متوافق کرنا چاہئے اب مترجم مختصر حال ترجمہ و مترجم عرض کرتا ہے کہ جب رئیس والا خطاب موصوف الذکر نے اس ضعیف امیر علی بن السید الاعظم علی غفر اللہ لہما کو باصرار اس خدمت پر مامور فرمایا تو میں نے ایک نظر حقارت اپنی بے بضاعتی پر ڈالی اور ایک نگاہ تجلیل اس فتاویٰ عظیم پر دوڑائی ایک حالت عجیب نظر آئی لیکن آخر فضل حق سبحانہ تعالیٰ پر

بھروسا کیا جس نے اس رئیس اعظم کو اس کاراہم کی جانب مائل فرمایا اور مجھ سے بیچ کارہ کو اس کام پر لگایا کیونکہ افعال عباد کا مثل ان کی ذات کے وہی خلاق علیم ہے اور ابتدائی اضطراب سے آخری اطمینان بھی ظہور قدرت الہیہ میں موجب سرور تھا کہ مترجم کو بدء شعور میں جن علوم ریاضیہ مانند حساب و جبر و مقابلہ و اقلیدس و علم مثلث و جبر ثقل و غیرہ میں تو نعل استفادہ کامل ہوا تھا بجز اللہ تعالیٰ کہ سن تمیز کے علوم معضولات و اصولین و فقہ و حدیث و تفسیر کی طرح نیک کام میں ممد ہوئے اگرچہ اس میں علوم الدین اصل ہیں اور یہ التماس اس وقت باطمینان پیرایہ قبول سے مشرف ہوگا کہ ترجمہ کے وہ مقامات نظر سے گزریں جہاں بسبب نادانی حساب کے ناخین سے صحیح و غلط نسخہ کا امتیاز مرتفع ہوا ہے اور نمونہ اس کا مقدمہ کے باب اغلاط نسخ الاصل ہے ظاہر ہے جن کو میں نے بنظر مزید احتیاط مقدمہ میں درج کر دیا یا اس کے سوائے ترجمہ میں بیچہ اصل کتاب کو بدون کسی تغیر و تبدیل وضع کے باقی رکھنے میں کوشش بلوغ کی اور آداب ترجمہ کو حتی الوسع ملحوظ رکھا اور تمام حمد و ثناء اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے کہ جس نے یہ اہم کام اس حسن توفیق کے ساتھ مجھ سے ضعیف بندے سے انجام کو پہنچایا کہ ترجمہ میں اصل کے قیود و اشارات کو مع ترکیب کی مداخلت کے اور سلیس عبارت کی رعایت اور غلط نسخہ کی تصحیح اور توافق با اصول کا لحاظ رکھا گیا حالانکہ میں نے تنگی قریب بجمہ و پریشانی میں اس کو اصل کتاب کے بارہ جزو ماہورای کے حساب سے ترجمہ کیا کیونکہ مہینے میں بارہ جزو اصل عربی کا لکھنا ہی اکثر احباب کی نظر میں سخت دشوار ہے ترجمہ کرنا اور ان امور مذکورہ کا لحاظ رکھنا درکنار۔

اور یہ صریح توفیق و قدرت الہی جل و شانہ ہے فلا الحمد فی الاولی والآخرۃ اور واضح ہو کہ اس کتاب کی جلدیں اولین آخر کتاب السیر تک اول میں ایک صاحب نے سہل انکاری سے بغیر معنی ترجمہ سمجھے ہوئے ترجمہ فرمائیں کہ بکثرت مقامات مہمل عبارت ہو گئی شاید ان کے نزدیک ترجمہ بہ نسبت تصنیف کے مشکل نہ تھا اور مزید براں یہ کہ اصل کا بخوبی سمجھ لینا ترجمہ کے لئے شرط نہیں جیسا کہ اکثر عوام کا خیال ہے لہذا والا خطاب رئیس عالی ہمت دام اقبالہ نے دونوں جلدوں کو مکرر ترجمہ کرایا جس میں جلد اول سے آخر تک اربع تک جناب مولوی احتشام الدین صاحب نے ترجمہ فرمائی اور دوسری جلد کتاب النکاح سے آخر تک مع جلد سوم و چہارم یعنی ختم کتاب تک اسی راقم کا ترجمہ ہے اور مجھے افسوس ہوا کہ خفیف حصہ جو زیادہ توضیح سے ترجمہ کے لائق تھا مجھ سے علیحدہ رہا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بعید نہیں ہے کہ وہ بھی میرے ترجمہ سے چھپ جائے۔ وہو ربی علی کل شیء قدید اور جاننا چاہے کہ بعض ریاست میں اسی کتاب کا ترجمہ ہوا جس میں اول تو یہ تصرف و تغیر کیا گیا کہ اس کے مسائل کے ہر جزئیہ و ہر صورت کو مترجم نے اپنی رائے سے علیحدہ کر کے مثل مالا بدمنہ کے مسئلہ علیحدہ کیا اور یہ تغیر نامرغوب ہے اور دوم سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ مترجم نے عبارات حتی کہ آیات کے ترجمہ میں ایسی تقدیم و تاخیر کی کہ جس سے احکام میں سخت غلطی واقع ہو گئی۔

چنانچہ اول کتاب الطہارت کی آیت قولہ تعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ..... کا ترجمہ یوں لکھا کہ اے ایمان والو جب تم ارادہ کرو نماز کا تو دھوؤ اپنے منہ اور ہاتھوں و پیروں کو کہنیوں و گٹوں سمیت اور مسح کرو اپنے سر کا۔ راقم کو اس ترجمہ پر بلحاظ صیانت شریعت کے افسوس ہوا۔ کیونکہ اس سے امام زفر کا مذہب باطل و ترتیب امام مالک و شافعی کے نزدیک فرض و امام ابوحنیفہ کے نزدیک سنت ہے وہ باطل بلکہ اس ترجمہ پر یہ ترتیب غلط فرض ہوئی جاتی ہے اور مانند اس کے ترجمہ میں سخت نقص تھے جس سے راقم نے براہ محبت و صیانت شریعت آگاہ کیا اور جواب میں راقم کا ترجمہ طلب کیا گیا کہ اس سے اصلاح کر لی جائے چونکہ اس وقت تک زیر طبع تھا اب طبع سے فارغ ہو کر پیش ہے۔ والحمد للہ علی ذلک مترجم ضعیف ارباب علم و فضل و اصحاب اسلام تو حید کی خدمت میں التماس رکھتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو خطا سے معصوم نہیں بناتا ہے بلکہ وہ بشر سر اسر خطا و سہو ہے اور اس نے ایسے کام میں حتی الوسع سعی و کوشش کی جس سے شریعت الہیہ و سنت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عام اہل اسلام و ایمان کو آگاہی ہو لہذا جہاں اس کی خطا پر آگاہ



ہوں اس کو مطلع فرمائیں یا خود اصلاح فرمائیں اور اگر ایک حرف قبول ہو تو حضرت باری تعالیٰ میں اس کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں کیونکہ جب مخلوق کے افعال بھی مثل اس کی ذات کے خالق عزوجل کی مخلوق ہیں تو سب حمد و ثناء اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے اور مترجم کو کچھ افتخار نہیں مگر حسن توفیق الہی جل شانہ پر اعتبار و اعتماد ہے بلکہ اس تہی دستی کے ساتھ اس کو یکہ و تنہا سفر آخرت کے انتشار سے تمنا بہ قبول سعدی علیہ الرحمۃ یہ ہے

غرض نقشی ست کز مایار ماند ❁ کہ ہستی را نمی ینم بقائے  
مگر صاحب دلے روزے برحمت ❁ کند بر حال این مسکین دعائے

اللہم تقبلہ منا و کف عنہ لسان المجادلین و اغفر لی بفضلک بطفیل سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ

اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین -

### خاتمتہ الطبع

الحمد للہ والمنۃ کو مقدمہ فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیریہ بساعت سعید و آوان حمیدہ بمابہ شوال المکرم ۱۳۴۹ ہجری مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۱ء مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں حسب ایما و سرپرستی جناب مالکان مطبع مذکورہ باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ بار چہارم حلیہ طبع سے پیراستہ ہوا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل عالم کو اس سے مستفید و مستفیض فرمائے بمنہ و کرمہ۔

فتاویٰ عالمگیری جدید  
اردو



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين و الصلوة على رسوله محمد و آله و اصحابه اجمعين اما بعد!  
یہ ترجمہ جلد اول فتاویٰ عالمگیری سلیس اردو زبان میں ہے

# کتاب الطہارۃ

اس میں سات ابواب ہیں

باب اول

وضو کے بیان میں  
اس میں پانچ فصلیں ہیں

فصل اول

## فرائض وضو کے بیان میں

اصل اس میں یہ آئیہ کریمہ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ یعنی اے ایمان والو جب ارادہ کرو تم نماز کا تو دھوؤ منہ اپنے اور ہاتھ اپنے کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھوؤ پاؤں اپنے ٹخنوں تک پس وضو میں چار فرض ہیں۔ پہلا فرض۔ چہرہ کا دھونا ہے دھونے سے مراد ہے پانی بہا دینا مسح سے مراد ہے تری پہنچانا یہ ہدایہ میں لکھا ہے شرح طحاوی میں ہے کہ ظاہر روایت کے بموجب وضو میں پانی کا بہانا شرط ہے پس جب تک پانی کے قطرے نہ بہیں گے وضو جائز نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وضو میں پانی کے قطروں کا بہنا شرط نہیں پس برف کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وضو کرے پس اگر دو یا زیادہ قطرے بہ گئے تو بالا جماع وضو جائز ہے اور اگر نہ ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ یہ ذخیرہ میں لکھا ہے صحیح امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول ہے۔ یہ مضمرات میں لکھا ہے۔

ظاہر روایت میں چہرہ<sup>(۱)</sup> کی حد مذکور نہیں یہ بدائع میں لکھا ہے معنی میں ہے کہ چہرہ سر کے بال جمنے کے مقام سے دونوں جبڑوں کے اتار اور ٹھوڑی کے نیچے تک سے کانوں<sup>(۲)</sup> کی لو تک ہے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔

۱ شرط ہے یعنی ملنا لازم نہیں لیکن احوط ہے کہ کمافی الفتح ۱۲ منہ ۲ قطرے بلفظ جمع دلیل ہے کہ کم سے کم دو قطرے ہوں اور فیض میں اسی کو واضح کہا کمافی الداء ۱۲ (۱) یعنی ابتدائے سطح پیشانی ۱۲ (۲) ایک لو سے دوسری تک ۱۲

اگر سر کے اگلے حصے کے بال صلح لگی وجہ سے گر پڑے (۱) تو اسح یہ ہے کہ وہاں پانی پہنچانا واجب نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ زہدی میں لکھا ہے۔ اور جس کے سر کے بال اتنے نیچے تک جمیں کہ چہرہ کی حد میں آجائیں تو اس پر ان بالوں کا دھونا واجب ہے جو اس مقام سے نیچے جمیں جہاں تک غالباً بالوں کے جمنے کی حد ہوتی ہے یہ یعنی شرع ہدایہ میں لکھا ہے۔ آنکھوں کے اندر پانی پہنچانا واجب ہے نہ سنت اور پلکوں کی جڑوں اور آنکھوں کے کناروں میں پانی پہنچنے کے لیے آنکھوں کے کھولنے اور بند کرنے کا تکلف نہ کرے یہ مظہیر یہ میں لکھا ہے۔ فقیہ احمد بن ابراہیم سے مروی ہے کہ چہرہ دھوتے وقت آنکھوں کو بہت زور سے بند کرنا جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے آنکھ کے کو یہ پر یعنی اس گوشہ چشم پر جو ناک سے ملا ہوا ہے پانی پہنچانا واجب ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر آنکھیں دکھتی ہوں اور چیڑ ظاہر ہوں تو اگر آنکھیں بند کرنے میں وہ چیڑ باہر رہتے ہوں تو ان کے نیچے پانی پہنچانا واجب ہے ورنہ واجب نہیں یہ زہدی میں لکھا ہے۔ ہونٹ بند کرتے وقت جس قدر کھلے رہیں وہ چہرہ میں شامل ہیں اور جو چھپ جائیں وہ منہ کے ساتھ ہیں یہی صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ ڈاڑھی یا جڑے اور کانوں کے بیچ میں جو سپیدی ہے وضو میں اس کا دھونا واجب ہے طحاوی نے اپنی کتاب میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اور اکثر مشائخ کا یہی مذہب ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے مونچھوں اور بھوؤں کے بال اور ڈاڑھی کے بال جو ٹھوڑی کی جڑ پر ہیں ان کو دھو دے اور جس جگہ سے بال جمنے ہیں وہاں پانی پہنچانا واجب نہیں لیکن اگر بال تھوڑے ہوں اور جہاں سے وہ جمنے ہوں وہ جگہ کھلی ہوئی ہو تو وہاں پانی پہنچانا واجب ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ نصاب میں ہے اگر وضو کرنے والے مونچھیں بڑی ہوں اور وضو کے وقت ان کے نیچے پانی نہ پہنچے تو وضو جائز ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ غسل کا حکم اس کے برخلاف ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے ڈاڑھی کا حکم یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوتھائی ڈاڑھی کا مسح فرض ہے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے یہ مروی ہے کہ ڈاڑھی کے اوپر پانی بہانا فرض ہے اور یہی اسح ہے یہ تبین میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ زہدی میں لکھا ہے اور جو بال ٹھوڑی سے نیچے لٹکتے ہیں ان کا دھونا واجب نہیں یہ دونوں محیطوں میں لکھا ہے۔ اگر ٹھوڑی کے بالوں پر پانی بہایا پھر وہ بال منڈوائے تو ٹھوڑی کا دھونا واجب نہیں اور اس طرح اگر بھویں یا مونچھیں منڈائیں یا سر پر مسح کیا پھر سر منڈایا یا ناخن تراشے تو اعادہ لازم نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

## دوسرا فرض وضو کا

دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے۔ ہمارے تینوں عالموں کے نزدیک کہدیاں بھی دھونے میں داخل ہیں یہ محیط میں لکھا ہے اعضائے وضو پر اگر کچھ زیادہ مرکب ہو جیسے زائد انگلی یا ہتھیلی تو اس کا دھونا واجب ہوگا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر کسی کے شانے پر دو ہاتھ پیدا ہوں تو جو ہاتھ پورا ہو وہی اصلی ہاتھ ہے اس کا دھونا واجب ہے اور دوسرا زائد ہے اس زائد میں سے اس قدر کا دھونا واجب ہوگا جتنا اصلی ہاتھ کے ایسے مقام کے سامنے ہے جس کا دھونا فرض ہے اور جتنا ایسے مقام سے مقابل نہیں اس کا دھونا واجب نہیں یہ فتح القدیر میں لکھا ہے۔ بلکہ اس کا دھونا مستحب ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے فتاویٰ ماوراء النہر میں ہے کہ اگر وضو میں دھونے کے مقاموں میں سے سوئی کے سر کے برابر خشک باقی رہ گیا یا ناخنوں کی جڑوں میں خشک یا ترمٹی بھری ہو تو جائز نہ ہوگا اور اگر ہاتھ میں

۱۔ قول صلح جس کے اگلے سر کے بال پیدائشی نہیں ہوتے یا گر جاتے ہیں ۱۲ ناک اور منہ کے اندر کا دھونا اور بھوؤں اور ڈاڑھی اور مونچھ کے بالوں کی جڑوں کا جب کہ گھنے ہوں اور کھسی کے گوہ کا دھونا فرض نہیں کیونکہ حرج اور مشقت ہے ۱۲ ڈاڑھی یعنی پوری ڈاڑھی دھونا مذہب صحیح مفتی پر عملی فرض ہے اور دیگر روایات متروک ہو کر اسی قول پر مرع ہے ۱۲ بدائع (۲) لٹکتے بالوں کا دھونا بلا خلاف واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔ (ط) اگر نیچے کی کھل نظر آتی ہو تو بشرہ دھونا لازم ہے جیسے بھویں اور مونچھیں وغیرہ یہی مختار ہے۔ البرہان۔ (۱) یا نہ جے ۱۲

خمیر لگا ہو یا مہندی تو وضو جائز ہوگا۔ وبوسی سے پوچھا گیا تھا کہ اگر آنا گوندھنے میں گوندھا ہوا آنا کسی کے ہاتھ میں لگ کر خشک ہو گیا پھر اس نے وضو کیا تو اس کا کیا حکم ہے انہوں نے کہا کہ اگر آنا تھوڑا لگا ہے تو وضو جائز ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ جو مقام ناخنوں کے نیچے ہے وہ بھی اعضائے وضو میں شامل ہے اگر اس میں گندھا ہوا آنا بھرا ہوا ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا واجب ہے یہ خلاصہ میں اور اکثر معتبر کتابوں میں لکھا ہے۔ شیخ امام زاہد ابو نصر صفار نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اگر ناخن اتنے بڑے ہوں کہ ان کے نیچے انگلیوں کے سرے چھپ جائیں تو ان کے نیچے پانی پہنچانا واجب ہے اور اگر چھوٹے ہوں تو واجب نہیں ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر اتنے بڑے ہوں کہ انگلیوں کے سروں سے بھی نکل جائیں تو سب کا یہی قول ہے کہ ان کے نیچے کے مقام کا دھونا واجب ہے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے

جامع صغیر میں ہے کہ ابو القاسم سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کسی کے ناخن ایسے وافر ہوں کہ ان میں میل جمار ہے یا کوئی شخص مٹی کا کام کرتا ہو یا کوئی عورت مہندی میں انگلیاں رنگے یا وہ شخص جو چمڑے کو پکا کر صاف کرتا اور چھیلتا ہے کہ اس کے ناخنوں میں میل جمار ہے یا رنگریز ان سب کا وضو جائز ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ان سب کا ایک حال ہے اور وضو سب کا جائز ہے اس لئے کہ ان کو ان چیزوں سے بچنے میں حرج ہے اور فتویٰ جواز پر ہے شہر والے یا گاؤں والے میں کچھ فرق نہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اسی طرح اگر روئی پکانے والے کے ناخن بڑھے ہوئے ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے یہ زاہدی میں جامع اصغر سے نقل کیا ہے اور خضاب جب جم جائے اور خشک ہو جائے تو وضو اور غسل پورا ادا نہیں ہوگا یہ سراج الوہاج میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے اور مجموع النوازل میں ہے کہ اگر انگوٹھی ڈھیلی ہو تو اس کو حرکت دینا سنت ہے۔ اور اگر ایسی تنگ ہو کہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچتا ہو تو اس کو حرکت دینا فرض ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی ظاہر روایت ہی یہ محیط میں لکھا ہے۔

### تیسرا فرض وضو کا

دونوں پاؤں کو دھونا ہے سہما رے تینوں عالموں کے نزدیک ٹخنے بھی پاؤں میں دھونے میں داخل ہیں اور ٹخنا وہ ابھری ہوئی ہڈی پنڈلی کی ہے جو قدم کے اوپر ہوتی ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کسی کا ہاتھ یا پاؤں کٹ جائے اور کہنی اور ٹخنے میں سے کچھ باقی نہ رہے تو ان کا دھونا ساقط ہو جائے گا اور اگر باقی رہے تو واجب ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جس مقام سے کٹا ہے اس کے دھونے کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ محیط میں لکھا ہے۔ یتیمہ میں ہے کہ بخندی سے پوچھا گیا کہ اگر کسی کا پاؤں رہ جائے اور ایسا ہو جائے کہ اگر اس کو کاٹو تو خبر نہ ہو تو کیا اس پر وضو میں پاؤں دھونا واجب ہوگا انہوں نے جواب دیا کہ ہوگا یہ تا تا خانہ میں لکھا ہے۔ اگر پاؤں پر تیل ملا پھر وضو کرنے میں پاؤں دھوئے لیکن چکنائی کی وجہ سے پاؤں پر پانی کا اثر نہ ہو تو وضو جائز ہوگا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ مجموع النوازل

۱۔ مہندی یعنی لبدی کیونکہ رنگ مضر نہیں ہے ۱۲ ۲۔ پاؤں یعنی جو ظاہر میں صحیح سالم ہوں اس واسطے کہ زخمی پاؤں اور جو موزے کے اندر چھپے ہیں ان کے واسطے مسح کرنا معین اور مقرر ہے ۱۲ ۳۔ دھونا۔ اس واسطے کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ سے یہی متواتر ہے اور ایسا متواتر قطعاً فرض ہے جیسے رات و دن کی پانچوں نمازوں کے اوقات اور ان کی رکعتوں کی مختلف تعداد کہیں قرآن میں صریح نہیں مذکور مگر عملی متواتر تر چلا آیا جس کو زبانی روایت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اسی طرح یہ بھی عملی متواتر ہے ہاں موزہ پر مسح کرنا ابتداء متواتر نہت ہا۔ تو اس کے لیے نقل مشہور کی ضرورت ہوئی اور وہ سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پائی گئی اور قرآن مجید میں مسح سر کے بعد اس واسطے بیان فرمایا کہ ترتیب معلوم ہو ورنہ ترتیب کے واسطے دوسری آیت آتی اگر کہو کہ پھر اتوا التباہو گیا کہ شاید سر کی طرح پاؤں پر مسح کیا جائے۔ جواب یہ کہ نہیں بلکہ کعبین کہنے سے یہ شبہ بالکل نہ رہا اس واسطے کہ مسح تو پور کی طرف ہوتا اور کعبین تک بغلی غیر ممکن ہے فافہم

میں ہے کہ اگر کسی کے پاؤں پھٹ گئے ہوں اور ان میں وہ چربی بھرے پھر پاؤں دھوئے اور اس چربی کے نیچے پانی نہ پہنچے تو اس بات پر غور کرے کہ اگر اس کے نیچے پانی پہنچانا نقصان کرتا ہے تو وضو جائز ہے اور اگر نقصان نہیں کرتا تو وضو جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر اس کو سی لے تو ہر صورت میں جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ شمس الائمہ حلوائی نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کے اعضاء میں شگاف ہو اور اس کے دھونے سے عاجز ہو تو اس شگاف کے دھونے کا فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اس کے اوپر پانی بہا لینا لازم ہوگا اب اگر اس کے اوپر پانی بہانے سے بھی عاجز ہو تو مسح کافی ہے اور اگر مسح سے بھی عاجز ہو تو مسح بھی اس سے ساقط ہو جائے گا اس پاس سے دھولے اور اس جگہ کو چھوڑ دے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر کسی کے زخم ہو اور اس زخم کا چھلکا اوپر کواٹھ گیا ہو اور اس زخم کے سب کنارے اس چھلکے سے ملے ہوئے ہیں مگر جس طرف سے پیپ نکلتی ہے وہ کنارہ چھلکے سے جدا ہو گیا تو اگر وضو میں چھلکا اوپر سے ڈھل گیا اور اس چھلکے کے نیچے پانی نہ پہنچا تو وضو جائز ہے اس لئے کہ جو کچھ چھلکے کے نیچے ہے وہ کھلا ہوا نہیں پس اس کا غسل بھی فرض نہیں۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر وضو کے کسی عضو میں قرح ہے جیسے دل وغیرہ اور اس پر پتلا چھلکا ہے وضو کرتے میں اس چھلکے پر پانی بہا لیا پھر اس چھلکے کو اتار ڈالا تو اب اس پر اس چھلکے کے نیچے کا غسل واجب ہے یا نہیں جواب یہ ہے کہ جب وہ چھلکا اتارا اگر اس وقت وہ زخم بالکل اچھا ہو گیا تھا اس طرح کہ چھلکے کے اترنے سے کچھ ایذا نہ معلوم ہوئی تو اس وضع کا دھونا اس پر واجب ہے اگر وہ چھلکا زخم اچھا ہونے سے پہلے اتر اس طرح کہ اس کے اترنے میں ایذا ہوئی تو اگر اس میں سے کچھ نکلا اور بہا تو وضو ٹوٹ گیا اور اگر کچھ نہ نکلا تو اس موضع کا دھونا واجب نہیں اور ٹھیک جواب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں دھونا واجب نہیں فوائد قاضی امام رکن الاسلام علی السغدی میں مذکور ہے کہ اگر بعض اعضاء وضو پر مکھیوں یا پوسوں کا گوہ لگا ہو اور وضو میں پانی اس کے نیچے نہ پہنچے تو وضو جائز ہوگا اس لئے کہ بچاؤ اس سے ممکن نہیں ہے۔ اور اگر مچھلی کی کھال یا چبائی ہوئی روٹی لگ گئی ہو اور خشک ہو گئی ہو اور وضو کرتے میں پانی اس کے نیچے نہ پہنچے تو جائز نہیں اس لئے کہ بچاؤ اس سے ممکن ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کسی عضو کا ایک ٹکرا خشک رہ جائے اور اسی عضو کی تری اس ٹکڑے پر پہنچائی جائے تو جائز ہے یہ خلاصہ میں ہے۔ اگر ایک عضو کی تری دوسرے عضو پر پہنچائی جائے تو وضو میں جائز نہیں غسل میں جائز ہے بشرطیکہ وہ تری ٹپکتی ہوئی ہو یہ ظہیر نیہ میں لکھا ہے اگر کسی شخص پر بارش کا پانی پڑ گیا یا وہ بہتی ہوئی نہر میں داخل ہو گیا تو وضو اس کا ہو گیا اور اگر تمام بدن پر پانی پہنچ گیا تو غسل بھی ہو گیا مگر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اس پر واجب ہوگا یہ سراجیہ میں لکھا ہے۔

### چوتھا فرض وضو کا

سر کا مسح<sup>۱</sup> کرنا ہے اور وہ بقدر ناصیہ یعنی موئے پیشانی کے فرض ہے ہدایہ میں لکھا ہے مختار یہ ہے کہ مقدر ناصیہ کی بقدر چوتھائی سر کے ہے یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے۔ اصح قول کے بموجب مسح میں ہاتھ کی انگلیاں لگانا واجب ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے۔ پس اگر ایک انگلی یا دو انگلیوں سے مسح کیا تو ظاہر روایت کے بموجب جائز نہیں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اگر انگشت شہادت اور انگوٹھے سے اس طرح مسح کرے کہ وہ کھلے ہوئے ہوں اور ان کے بیچ میں جس قدر ہتھیلی ہے وہ بھی سر کو لگا دے تو بھی مسح جائز ہو جائے گا اس لئے انگشت شہادت اور انگوٹھا اور دو انگلیاں ہیں اور ان کے بیچ میں جس قدر ہتھیلی ہے ایک انگلی کی مقدار وہ ہے پس سب تین

۱۔ مسح یعنی کانوں سے اوپر اگر چہ بارش سے بھیگ جائے یا دھونے کے بعد بچی ہوئی تری سے ہو مگر مسح کے بعد باقی تری سے نہیں جائز ہے جب تک تقاطر نہ ہو (۲) اسی طرح غسل کرنے میں مسح ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ مسح یہ کہ پانی سے کسی طرح تر ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ قصد مسح ضروری ہے اگر چہ غسل کے ذیل میں ہو قائل اور یہی احوط ہے پھر مقدام مسح اکثر متون معتبرہ میں چہارم سر ہے مشہور روایت ہے اور بدائع میں کہا کہ تین انگلیوں کی قدر روایت اصول ہے اور ظہیر یہ میں کہا کہ اسی پر فتویٰ ہے ۱۲ نمبر

انگلیاں ہو گئیں یہ محیط میں اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر انگلیوں کے سروں سے سر کا مسح کرے اگر پانی ان سے ٹپکتا ہوا ہے تو جائز ہوگا اور اگر ٹپکتا ہوا نہ ہو تو جائز نہ ہوگا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی کے سر پر لمبے بال ہیں اور تین انگلیوں سے ان بالوں میں پر مسح کیا تو اگر وہ مسح ان بالوں پر ہوا جن کے نیچے سر ہے تو وہ مسح سر کے مسح کے قائم مقام ہو جائے گا اور اگر ایسے بالوں پر مسح کیا جن کے نیچے ماتھایا گردن ہے تو جائز نہ ہوگا۔ اگر سر کے گرد دونوں گیسو بندھے ہوں جیسے عورتیں باندھ لیا کرتی ہیں تو اگر مسح گیسوؤں کے سرے پر کیا تو ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک اس شرط پر جائز ہے کہ ان گیسوؤں کو نیچے لٹکائے اس لیے کہ اس نے ایسے بالوں پر مسح کیا جن کے نیچے سر ہے اور عامہ مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ وہ مسح جائز نہیں خواہ ان گیسوؤں کا لٹکائے یا نہ لٹکائے یہ محیط میں لکھا ہے کانوں کا مسح سر کے مسح کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ یہ سراجیہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی کے ہاتھ میں تری ہو اور اس سے مسح کر لے تو جائز ہے خواہ وہ تری اس پانی کی ہو جو اس نے برتن میں سے لیا ہو یا باہر دھوئی ہوں اس کی تری ہاتھ میں باقی ہو یہی صحیح ہے۔ لیکن اگر سر کا یا موزہ کا مسح کیا اور تری ہاتھ میں باقی رہی تو اس سے پھر سر کا یا موزہ کا مسح جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کسی عضو سے تری لے لی تو اس سے مسح جائز نہیں خواہ اس عضو کو دھویا تھا یا اس پر مسح کیا تھا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر برف سے مسح کرے تو ہر صورت میں جائز ہے اور فقہانے اس میں کچھ فرق نہیں کیا ہے کہ اس میں سے تری ٹپکتی ہوئی ہو یا نہ ہو یہ فتاویٰ برہانیہ میں لکھا ہے اور اگر کومند کے ساتھ دھولیا (۱) تو مسح کے قائم مقام ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے اس لئے کہ جس طرح حکم ہے یہ صورت اس کے خلاف ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر سر پر کچھ منڈا ہے اور کچھ نہیں منڈا اور جہاں سے نہیں منڈا ہے وہاں سے مسح کیا تو جائز ہے یہ جو ہر نیرہ میں لکھا ہے اور حجت میں ہے کہ اگر سر پر سامنے کی طرف مسح نہ کیا اور پیچھے کی طرف یا دائیں بائیں طرف بیچ میں مسح کیا تو جائز ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے ٹوپی پر اور عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اس طرح عورت کو اپنی اوڑھنی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر پانی ایسا ٹپکتا ہو کہ بالوں تک پہنچ جائے تو بجائے مسح کے جائز ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب پانی میں رنگ نہ آجائے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ عورت مسح اوڑھنی کے نیچے کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر عورت کے سر پر خضاب لگا ہو اور وہ خضاب پر مسح کرے اگر اس کے ہاتھ کی تری خضاب کے ساتھ مل کر خالص پانی کے حکم سے نکل گئی تو مسح جائز نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے

## دوسری فصل

### وضو کی سنتوں کے بیان میں

وضو میں تیرہ سنتیں ہیں یہ متون میں مذکور ہے۔ منجملہ ان کے بسم اللہ پڑھنا ہے۔ بسم اللہ پڑھنا ہمیشہ وضو میں سنت ہے یہ قید نہیں کہ جب سوتے سے اٹھ کر وضو کرے تب ہی بسم اللہ پڑھے۔ وضو میں ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے کا اعتبار ہے اور اگر ابتداء میں بھول گیا اور جب بعض اعضا کو دھو چکا اس وقت یاد ہوا اور پھر بسم اللہ پڑھی تو سنت ادا نہ ہوگی مگر کھانا کھانے میں اور اس طرح کے اور کاموں میں بسم اللہ کا یہ حکم (۲) نہیں ہے یہ تبین میں لکھا ہے اگر ابتداء وضو میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو وضو تمام کرنے سے پہلے جب یاد آجائے تب پڑھ لے تاکہ وضو اس سے خالی نہ ہو یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور استنجا کرنے سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھے اور بعد کو بھی پڑھے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے جب ستر کھلا ہوا ہو یا موضع نجاست میں ہو بسم اللہ نہ پڑھے یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔ طحاوی اور

۱۔ اور اگر سر کو پانی بھرے برتن میں داخل کیا یا اپنے دونوں موزوں کو یا مسح کی پٹی کو حالانکہ اس کو وضو نہیں ہے تو اس طرح کا مسح کفایت کرنا ہے ۱۲

(۱) دھویا یعنی وہ شرعاً دھویا جاتا ہے..... (۲) حکم نہیں بلکہ جس وقت یاد آئے پڑھ لے ۱۲



مولانا فخر الدین مایرغنی نے کہا ہے کہ سلف سے یہ منقول ہے کہ وضو میں بسم اللہ یوں پڑھے۔ بسم اللہ العظیم والحمد للہ علیٰ دین الاسلام خباز یہ ہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس طرح مروی ہے یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے اگر ابتدائے وضو میں لا الہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اشہدان لا الہ الا اللہ پڑھ لے تو سنت بسم اللہ پڑھنے کی ادا ہو جائے گی یہ قیدیہ میں لکھا ہے۔ اور منجملہ وضو کی سنتوں کے ابتداء وضو میں گنوں تک تین بار دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ فرض ہے اور مقدم کرنا سنت ہے فتح القدر اور معراج اور خباز یہ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اصل میں امام محمد کے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور ہاتھ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر برتن چھوٹا ہو تو بائیں ہاتھ سے برتن کو پکڑ کر داہنے ہاتھ پر تین بار پانی ڈالے پھر داہنے ہاتھ سے برتن پکڑے اور اس طرح بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور اگر برتن بڑا ہو جیسے مٹکا تو اگر اس کے ساتھ برتن چھوٹا بھی ہو تو اس طرح عمل کر لے جو اول مذکور ہو اور اگر چھوٹا برتن نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کر کے برتن میں داخل کرے اور اس سے داہنے ہاتھ پر پانی ڈالے اور انگلیوں کو ایک دوسرے پر مل کر ہاتھ کو پاک کر کے پھر داہنا ہاتھ برتن میں ڈالے اور اس سے بائیں ہاتھ پاک کر لے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور یہ ایسی صورت میں ہے جب ہاتھ پر کوئی نجاست نہ لگی ہو اور اگر ہاتھ پر نجاست بھی لگی ہو تو اس کے پاک کرنے کی کوئی تدبیر کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ہاتھ استنجا کرنے سے پہلے دھوئے یا بعد کو دھوئے اور اسح یہ ہے کہ دونوں بار دھوئے ایک بار قبل استنجا کرنے کے اور ایک بار بعد استنجا کرنے کے فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ وضو کی سنتوں کے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے اور سنت یہ ہے کہ اول تین بار کلی کر لے پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ہر بار نیا پانی لے لے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور کلی کرنے کی حد یہ ہے کہ تمام منہ کے اندر پانی بھر<sup>(۱)</sup> جائے اور ناک میں ڈالنے کی حد یہ ہے کہ جہاں تک ناک کا چمرازم ہے یعنی نرمہ بینی تک پانی پہنچ جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ترک کرے گا تو صحیح یہ ہے کہ گناہ گار ہوگا اس لئے کہ وہ دونوں منجملہ سنت موکدہ کے ہیں اور سنت موکدہ کا چھوڑنا برائی ہے بخلاف سنن زوائد کے اس لئے کہ ان کے چھوڑنے میں برائی نہیں آتی یہ سرانج الوہاج میں لکھا ہے اگر پانی ایک بار ہاتھ میں لے کر اسی سے تین کلیاں کر لے تو جائز ہے اور اگر پانی ایک بار چلو میں لے کر اسی کو تین بار ناک میں ڈالے تو جائز نہیں اس لئے کہ ناک میں پانی ڈالنے میں مستعمل پانی اس چلو میں لوٹ کر آجائے گا اور یہ صورت کلی کرنے میں نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر پانی چلو میں لے کر تھوڑے پانی سے کلی کرے پھر باقی پانی ناک میں ڈالے تو جائز ہے اگر اس کا اُلٹا کرے تو جائز نہیں یہ سرانج الوہاج میں لکھا ہے اور منجملہ وضو کی سنتوں کے مسواک کرنا ہے مسواک ایسے درختوں کی لکڑی سے بنانا چاہئے جو تلخ ہوتے ہیں اس سے بدبو منہ کی پاک ہوتی ہے اور دانت مضبوط ہوتے ہیں اور معدہ قوی ہوتا ہے اور چاہئے کہ مسواک کی لکڑی تر ہو اور بقدر چھوٹی انگلی کی موٹی ہو اور ایک بالشت لمبی ہو۔ مسواک کرنے کے لئے انگلی لکڑی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی البتہ اگر لکڑی نہ ملے تو اس صورت میں داہنے ہاتھ کی انگلی لکڑی کے قائم مقام ہو سکتی ہے یہ محیط اور ظہیر یہ میں لکھا ہے اور عورتوں کے واسطے درخت بطم کا گوند چاہنا مسواک کے قائم مقام ہو جاتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

مستحب ہے مسواک داہنے ہاتھ میں اس طرح پکڑنا کہ چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے رکھے اور انگوٹھا مسواک کے سرے کے نیچے رکھے اور باقی انگلیاں مسواک کے اوپر یہی مذکور ہے نہر الفائق میں۔ وقت مسواک کرنے کا وہی ہی ہے جو کلی کرنے کا وقت ہے یہ مذکور ہے نہا یہ میں دانتوں کے اوپر کی جانب اور نیچے کی جانب میں مسواک کرے اور دانتوں کی چوڑائی میں مسواک کرے اور ابتدا مسواک کی داہنی جانب سے کرے یہی ہے جو ہرۃ النیرہ میں جس شخص کو مسواک کرنے سے قے آنے کا خوف ہو وہ مسواک کرنا

چھوڑے لیٹ کر مسواک کرنا مکروہ ہے یہ مذکور ہے سراج الوہاج میں اور منجملہ وضو کی سنتوں کے دائرہ میں لکھا کہ اس کا خلاف کرنا ہے قاضی خان نے جامع صغیر کی شرح میں لکھا ہے کہ تین بار منہ دھو لینے کے بعد دائرہ میں لکھا کہ اس کا خلاف کرنا ابو یوسف کے نزدیک سنت ہے اور یہی قول لیا گیا ہے یہی لکھا ہے زاہدی میں اور مبسوط میں ہے کہ یہی اسح ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور طریقہ دائرہ میں خلاف کرنے کا یہ ہے کہ دائرہ میں انگلیاں ڈال کر نیچے کے جانب سے اوپر کی جانب کی خلاف کرے۔ شمس الائمہ کر درمی سے یہی منقول ہے یہ لکھا ہے مضمرات میں۔ اور منجملہ وضو کی سنتوں کے انگلیوں میں خلاف کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ انگلیاں انگلیوں میں اس طرح ڈالے کہ ان سے پانی ٹپکتا ہوا ہو یہ بالاتفاق سنت موکدہ ہے یہ نہر الفائق میں مذکور ہے انگلیوں میں خلاف کرنا سنت اس حالت میں ہے کہ پانی ان کے بیچ میں پہنچ چکا ہو اور اگر پانی نہ پہنچا ہو اس سبب سے کہ بند ہوں تو خلاف کرنا واجب ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور انگلیوں کا پانی میں داخل کر دینا قائم مقام خلاف کرنے کے ہو جاتا ہے اگرچہ پانی جاری نہ ہو اور ہاتھوں کے خلاف میں اولے یہ ہے کہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالے اور پاؤں کے خلاف میں بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے خلاف کرے اور داہنے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اور انگلی نیچے کی طرف سے ڈالے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور وضو کی سنتوں میں سے تین بار دھونا ہے ان اعضا کو جن کا دھونا فرض ہو جیسے دونوں ہاتھ اور منہ اور پاؤں یہ محیط میں لکھا ہے۔ ایک بار اچھی طرح دھونا<sup>(۱)</sup> فرض ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور دو بار دھونا سنت موکدہ ہے موافق مذہب صحیح کے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ اچھی طرح دھونے کے معنی یہ ہیں کہ پانی کل عضو پر پہنچے اور اس پر بہے اور اس سے پانی کے قطرے ٹپکیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ فتاویٰ حجتہ میں لکھا ہے کہ اعضا کو ہر مرتبہ ایسا دھونا چاہئے کہ اس تمام عضو پر پانی پہنچ جائے جس کا دھونا وضو میں واجب ہے اور اگر اول مرتبہ ایسا دھویا کہ تھوڑا سا عضو خشک رہ گیا ہے پھر دوسری مرتبہ کے دھونے میں تھوڑے سے خشک ٹکڑے پر پانی پہنچا پھر تیسری مرتبہ میں سارا عضو دھل گیا تو یہ تین مرتبہ کا دھونا<sup>(۲)</sup> نہ ہو یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اگر صرف ایک ایک بار عضو دھویا اس وجہ سے کہ پانی گراں تھا یا سردی تھی یا کوئی اور حاجت تھی تو مکروہ نہیں ہے اور گنہگار نہ ہوگا اور اگر کوئی ایسا سبب نہیں تو گنہگار ہوگا یہ معراج الدر یہ میں لکھا ہے اور اگر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا واسطے طمانینت قلب کے ایسے حالت میں کہ اس کو خشک واقع ہوا تھا یا دوسرے وضو کی نیت کر لی تو اس میں مضائقہ نہیں یہ نہایہ اور سراج الوہاج میں لکھا ہے اور منجملہ وضو کی سنتوں کے پورے سر کا مسح ہے ایک بار یہی متون میں لکھا ہے اور زیادہ طہارت اس میں ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور انگلیاں اپنے سر کے اگلے حصہ پر رکھ کر پچھلے حصہ کی طرف کو اس طرح لے جائے کہ سارے سر پر ہاتھ پھر جائے پھر دو انگلیوں میں سے کانوں کا مسح کرے اس طرح کہ پانی ان کا مستعمل نہ ہو اور یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص ہمیشہ پورے سر کا مسح بغیر عذر چھوڑ دیا کرے تو گنہگار ہوگا یہ قدیہ میں لکھا ہے اور منجملہ وضو کی سنتوں کے کانوں کا مسح ہے۔ کانوں کو آگے سے بھی مسح کرے اور پیچھے سے بھی مسح کرے اسی پانی سے جس سے سر کا مسح کیا ہے۔ یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اگر کانوں کے مسح کے واسطے نیا پانی لے ایسی حالت میں کہ پہلی تری بھی باقی تھی تو بہتر ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر کانوں کو اگلی طرف سے منہ دھونے کے ساتھ مسح کرنے اور پچھلی طرف سے سر کے مسح کے ساتھ مسح کرے تو بھی جائز ہوگا مگر افضل وہی صورت ہے جو اول مذکور ہوئی یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ کانوں کے اوپر کی طرف انگوٹھوں کے اندر کی طرف سے مسح کرے اور کانوں کے

۱۔ مسواک کی نماز ستر درجہ افضل ہے۔ حدیث امام احمد اور طریقہ انبیاء ہے۔ حدیث سنن ۱۲ مع

۲۔ دائرہ کا خلاف حدیث ابو داؤد سے ثابت ہے ۱۲

(۱) پورا عضو دل جائے ۱۲

(۲) بلکہ ایک بار ہو ۱۲

اندر کی طرف سے انگشت شہادت کی اندر کی طرف سے مسح کرے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اور منجملہ وضو کی سنتوں کے نیت ہے۔

مذہب یہ ہے کہ وضو کرنے کے لئے ایسی عبادت کی نیت کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی یا اس ناپاکی کے رفع ہونے کی نیت کرے جو بے وضو ہونے کے سبب سے ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ نیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ میری نیت یہ ہے کہ میں یہ وضو نماز کے لئے کرتا ہوں اللہ کے رضا مند کرنے کے واسطے۔ یا میری نیت یہ ہے کہ بے وضو رہنے کی ناپاکی کی دور ہو جائے یا میری نیت پاک ہونے کی ہے یا میری نیت یہ ہے کہ نماز پڑھنا جائز ہو جائے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور نیت اس وقت کرے جس وقت منہ دھوتا ہے اور محل نیت کا دل ہے اور زبان سے کہنا اس کا مستحب ہے یہ جوہرہ نیرہ میں لکھا ہے۔ منجملہ وضو کی سنتوں کے ترتیب ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے جس کا ذکر اول کیا ہے اس کو اول کرے یہ تبیین میں لکھا ہے قدوری نے نیت اور ترتیب اور پورے سر کے مسح کو مستحب سے شمار کیا ہے اور صاحب ہدایہ اور محیط اور تحفہ اور ایضاح اور روانی نے ان کو سنتوں میں داخل کیا ہے اور یہی اصح ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور منجملہ وضو کی سنتوں کے موالات ہے اور موالات سے مراد یہ ہے کہ ایک عضو کو دھو کر اس کے بعد ہی دوسرا عضو بھی دھوئے اور حد اس کی یہ ہے کہ اعتدال کے موسم میں پچھلے عضو کے دھونے سے قبل پہلا عضو خشک نہ ہو جائے گرمی کی شدت اور ہوا کی شدت اور سردی کی شدت کا اعتبار نہیں البتہ وضو کرنے والے کی حالت یکساں رہنے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ یہ جوہرہ النیرہ میں لکھا ہے۔ وضو میں تفریق کر دینا یعنی بعض اعضاء کو دھو کر کچھ توقف کے بعد باقی اعضاء کو دھونا اگر بغیر عذر ہو تو مکروہ ہے اور اگر کوئی عذر ہو مثلاً پانی تمام ہو جائے اور اس کی طلب میں جائے یا اس طرح کی اور کوئی وجہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ مضائقہ نہیں۔ غسل اور تیمم کے درمیان میں تفریق کر دینے کا بھی یہی حکم ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے

## بیسری فصل

### مستحبات وضو کے بیان

وضو کے مستحبات متون میں دو مذکور ہیں اول سیدھی طرف سے ابتدا کرنا یعنی پہلے داہنا ہاتھ دھوئے پھر بائیں ہاتھ دھوئے اور پہلے داہنا پاؤں دھوئے پھر بائیں پاؤں دھوئے اور موافق مذہب صحیح کے اسی کا نام فضیلت ہے اور اعضاء وضو میں جس قدر دھرے عضو میں ان میں داہنے عضو کا بائیں عضو پر مقدم کرنا مستحب ہے مگر کانون کا حکم اس کے برخلاف ہے لیکن اگر کسی کے ایک ہی ہاتھ ہو یا دوسرے ہاتھ میں کوئی بیماری ہو اس وجہ سے دونوں کا مسح ساتھ نہ کر سکے تو وہ اول داہنے کان کا مسح کرے پھر بائیں کا کرے یہ جوہرہ النیرہ میں لکھا ہے۔ دوسرا مستحب وضو میں گردن کا مسح ہے اور وہ دونوں ہاتھوں کی پشت کرنا چاہئے لیکن حلقوم کا مسح بدعت ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اس موقع پر اور بھی کچھ سنتیں اور آداب فقہانے لکھے ہیں<sup>۱</sup>۔ سنت ہے کہ پاؤں دھوتے وقت داہنے ہاتھ میں برتن کو پکڑے اور پانی داہنے پاؤں پر اوپر کی طرف سے ڈالے اور بائیں ہاتھ سے اس کو ملے اس طرح تین بار اس کو دھو

۱ انگشت شہادت یعنی کی انگلی اور یہی ابن ماجہ کی حدیث صحیح میں ثابت ہے اور اسی کو فتح القدر میں ترجیح دی ۱۲

۲ نیت اقوال شیخ الاسلام نے کہا کہ شرع میں وضو کا حکم ہے وہ بغیر نیت کے ادا نہ ہوگا (ط) فقہاء نے کہا کہ بغیر نیت کے وہ عبادت نہ ہوگا (۲) لیکن اس سے

نماز ادا ہو جائے گی اگرچہ وضو کا ثواب کچھ نہ ملے (ط) ۱۲ ع. (۳) عبادت کی نیت بہ نسبت رفع حدیث کے بہتر ہے ۱۲ فتح

۳ مستحب وہ عمل ہے جس کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کیا کبھی نہ کیا اور وہ عمل جس کو سلف صالحین نے پسند کیا ۱۲

۴ کیونکہ کانون کو ساتھ ہی مسح کرنا مستحب ہے ۱۲ ۵ مثلاً اول بار دھونے میں اعضاء کو ملانا اور پانی میں اسراف نہ کرنا وغیرہ ۱۲

دے پھر بائیں پاؤں پر اوپر کی طرف سے پانی ڈالے اور اس کو بھی ملے یہ محیط میں لکھا ہے اور مجملہ سنتوں کے ہے ہاتھوں اور پاؤں کے دھونے میں انگلیوں کے سروں کی طرف سے شروع کرنا یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور یہی محیط میں لکھا ہے۔ اور مسح میں سر کے اگلے حصہ سے شروع کرنا سنت ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں بھی ترتیب کا لحاظ کرنا یعنی پہلے کلی کرنا پھر ناک میں پانی ڈالنا ہمارے نزدیک سنت ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور ان میں اچھی طرح مبالغہ کرنا سنت ہے۔ یہ کافی اور شرح طحاوی میں لکھا ہے روزہ دار کو خوب اچھی طرح کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت نہیں یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور اچھی طرح کلی کرنا یہ ہے کہ غرغہ کرے یہ کافی میں لکھا ہے اور اچھی طرح ناک میں پانی ڈالنا ہوتا ہے کہ دونوں نٹھوں میں پانی ڈال کر اوپر کو چڑھائے یہاں تک کہ پانی ناک کے اس مقام تک پہنچ جائے جو سخت ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اصل میں مذکور ہے کہ ادب یہ بھی ہے کہ پانی میں اسراف نہ کرے اور کمی بھی نہ کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب پانی نہر کا ہو یا اپنی ملک ہو اور اگر ایسے پانی سے وضو کرے جو طہارت کرنے والوں پر وقف ہو تو پانی صرف کرنے میں زیادتی اور اسراف کرنا حرام ہے کسی کا اس میں خلاف نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

اور ہر عضو کو دھوتے وقت یہ پڑھے اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدًا عبده ورسولہ یعنی گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اکیلا ہے وہ نہیں ہے کوئی شریک واسطے اس کے اور گواہی دیتا ہوں میں کہ بیشک محمد اس کے بندے ہیں اور رسول ہیں اور وضو کرتے میں ایسی باتیں نہ کرے جو آدمیوں سے کیا کرتے ہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کسی بات کہنے کی ضرورت ہو اور یہ خوف ہو کہ اس وقت بات نہ کہنے میں یہ ضرورت فوت ہو جائے گی تو ایسی حالت میں بات کرنا ترک ادب نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور وضو کے سارے کام اپنی ذات سے کرے اور جب وضو کر چکے تو یہ پڑھے۔ سبحانک اللہم و بحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک واشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد عبده ورسولہ۔ یعنی پاکی بیان کرتا ہوں میں تیری اے اللہ اور حمد کرتا ہوں میں تیری اور گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر تو مغفرت طلب کرتا ہو میں تجھ سے اور تو بہ کرتا ہوں تیری طرف اور گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد بندے اس کے ہیں اور رسول اس کے۔ اور جس کپڑے سے مقام استنجا کو پونچھے اسی کپڑے سے اور سارے اعضائے وضو کو نہ پونچھے اور استنجے سے فارغ ہونے کے بعد وضو میں قبلہ کی طرف منہ کرے اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد یا وضو کرنے میں یہ پڑھے: اللہم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین یعنی اے اللہ بنا مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے اور بنا مجھ کو پاک ہونے والوں میں سے اور جب وضو کر چکے تو دو رکعت نماز پڑھے (۱) اور جب وضو کر چکے تو اپنے برتن میں دوسری نماز کے وضو کے لئے پانی بھر رکھے یہ محیط میں لکھا ہے اور جو پانی وضو سے بچے اس میں سے ایک قطرہ کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پانی لے اور مٹی کے برتنوں سے وضو کرے اور کپڑوں پر وضو کا پانی گرنے نہ دے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور اپنے ہاتھوں کو جھاڑے نہیں یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ کلی کے لئے داہنے ہاتھ سے پانی لے۔ ناک میں بھی داہنے ہاتھ سے پانی ڈالے اور بائیں ہاتھ سے ناک شکرے یہ خزانیہ الفقہ میں لکھا ہے جو ابواللیث کی تصنیف ہے۔ اور خلف بن ایوب سے یہ منقول ہے کہ وضو کرنے والے کو مناسب یہ ہے کہ جاڑوں کے موسم میں اول اپنے

۱ حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی خالی نہیں کہ تم میں سے وضو کرے پس اس کو بھر پور کرے پھر کہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد عبده ورسولہ مگر آنگہ اس کے لئے آٹھوں دروازے جنت کے کھول دیئے گئے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو (رواہ مسلم) ۱۲ ۲ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں خالی ہے کوئی مسلمان کہ وضو کرے سو اس کو اچھی طرح کرے پھر دو رکعتیں پڑھے ان میں اپنے دل و چہرہ سے متوجہ ہو مگر آنگہ اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ (رواہ مسلم) (۱) جب کہ وقت مکروہ نہ ہو ۳۱۲

اعضا کو پانی سے اس طرح تر کر لے جیسے تیل ملتے ہیں پھر ان پر پانی بہا دے اس لئے کہ جاڑوں کے موسم میں پانی اعضا کے اندر اچھی طرح اثر نہیں کرتا یہ بدائع میں لکھا ہے اور آداب وضو میں سے ہے کہ اعضا کو ملے اور کانوں کے سوراخ میں چھوٹی انگلی ڈالے اور وقت سے پہلے وضو کر لے اور پانی ڈالتے میں منہ پر ہاتھ ایسے نہ مارے جیسے طمانچے مارتے ہیں اور اونچی جگہ میں بیٹھے یہ تمبین میں لکھا ہے برتن کی دنگی کو یعنی جہاں سے برتن کو پکڑتے ہیں اس مقام کو تین بار دھوئے اور نرمی کے ساتھ اعضا کو دھوئے اور وضو میں جلدی نہ کرے اور دھونے اور خلال کرنے اور ملنے کو پورا پورا ادا کرے اور منہ اور ہاتھ اور پاؤں کے دھونے کی جو حدین ہیں ان سے کچھ اور زیادتی کر دے تاکہ ان حدوں تک دھل جانے کا یقین ہو جائے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور منہ دھونے میں اوپر کی طرف سے شروع کرے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے۔ اور وضو پاک جگہ میں کر لے اس لئے کہ وضو کے پانی کی بھی تعظیم ہے یہ نہر الفائق میں مضمرات سے نقل کیا ہے اور چھوٹا برتن ہو تو اس کو بائیں طرف رکھے اور اگر بڑا برتن ہو جس میں ہاتھ ڈال کر چلو سے پانی لیتا ہو تو داہنے طرف رکھے اور نیت میں زبان و دل دونوں کو شریک کرے اور ہر عضو دھوتے وقت بسم اللہ پڑھے اور کلی کرتے وقت یہ پڑھے: اللھم اعنی علی تلاوة القرآن و ذکرک و شکرک و حسن عبادتک یعنی اے اللہ مدد کر میری تلاوت قرآن پر اور اپنے ذکر پر اور اپنے شکر پر اور اپنی عبادت کی خوبی پر اور ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ پڑھے اللھم ارجنی رائحتہ الجنۃ ولا ترحنی رائحتہ النار۔ اے اللہ سنگھا مجھ کو خوشبو جنت کی اور نہ سنگھا مجھ کو بونار کی اور منہ دھوتے وقت یہ پڑھے: اللھم بیض وجہی یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ یعنی اے اللہ اجلا کر منہ میرا جس روز ابلے ہونگے بہت سے منہ اور سیاہ ہونگے بہت سے منہ اور جب داہنا ہاتھ دھوئے تو یہ پڑھے: اللھم اعطنی کتابی بیمنی وحاسبنی حساباً یسیراً۔ یعنی اے اللہ نامہ اعمال میرا میرے داہنے ہاتھ میں دینا اور حساب میرا آسانی سے کرنا۔ اور جب بائیں ہاتھ دھوئے تو یہ پڑھے: اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی و لامن و اراء اظہری۔ یعنی اے اللہ نہ دینا نامہ اعمال میرا میرے بائیں ہاتھ میں اور نہ میرے پیٹھ کے پیچھے سے۔

اور جب سر کا مسح کرے تو یہ پڑھے: اللھم اطلنی تحت ظل عرشک یوم الاظل الاظل عرشک یعنی اے اللہ سایہ دے مجھ کو اپنے عرش کے نیچے جس روز نہ ہوگا کوئی سایہ مگر تیرے عرش کا سایہ اور کانوں کے مسح کے وقت یہ پڑھے: اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتعبون احسنہ یعنی اے اللہ کر تو مجھ کو ان لوگوں میں سے جو سنتے ہیں قول کو اور مانتے ہیں اس کو جو اچھا ہوتا ہے اور جب گردن کا مسح کرے تو یہ پڑھے اللھم اعتق رقبتی عن النار یعنی اے اللہ بچا گردن میری آگ سے اور جب داہنا پاؤں دھوئے تو یہ پڑھے اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل الاقدام یعنی اے اللہ ثابت رکھ دونوں پاؤں میرے صراط پر جس دن پھسلیں گے پاؤں۔ اور جب بائیں پاؤں دھوئے تو یہ پڑھے: اللھم اجعل ذنبی مغفوراً وسعی مشکوراً وتجارتی لن تبور یعنی اے اللہ کر میرے گناہوں کو بخشا ہو اور میری کوشش کو مقبول اور میری تجارت نہ برباد ہونے والی اور ہر عضو کے دھونے کے بعد رو دپڑھے اور ایک مد سے پانی کی مقدار کم نہ کرے یہ تمبین میں لکھا ہے۔ وضو تین طرح کے ہوتے ہیں اول فرض اور وہ وضو اس شخص کا ہے جس کا وضو نہیں نماز کھڑے ہوتے وقت۔ دوسرے واجب اور وہ وضو ہے طواف کعبہ کیلئے اگر بے وضو طواف کرے گا تا جائز ہوگا مگر واجب ترک ہوگا۔ تیسرے وضو مستحب اور اسکی کوئی گنتی نہیں اسکی قسموں میں سے ہے سوتے وقت وضو کرنا وضو کی محافظت کرنا یعنی جب وضو ٹوٹے اسی وقت وضو کر لے تاکہ ہر وقت با وضو رہے اور اسی قسم سے ہی وضو کرنا بعد خبیث کرنے کے اور بعد

۱۔ ایک مد۔ آنحضرت ﷺ ایک سے مد وضو فرماتے ایک صاع سے غسل کرتے جس متصمین وغیرہ ایک مدنی الحال کے رواج سے قریب سیر کے ہوا اور چار کا ایک صاع ہوتا ہے۔

شعر پڑھنے کے اور اسی قسم سے ہے وضو پر وضو کرنا اور اسی قسم سے ہے قہقہہ سے ہنسنے کے بعد وضو کرنا اور اسی قسم سے ہے غسل میت کے واسطے وضو کرنا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے

## جو نہی فصل

### مکروہات وضو کے بیان میں

مکروہات میں سے ہے سختی کے ساتھ پانی منہ پر مارنا اور بانیں ہاتھ سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور داہنے ہاتھ سے ناک سکننا بغیر عذر کے یہ خزانۃ الفقہ میں لکھا ہے جو ابواللہ بیٹ کی تصنیف ہے اور مکروہات میں سے ہے تین بار مسح کرنا نیا پانی لے کر اور وضو کر لینے کے۔ بعد رومال سے پونچھ لینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور مکروہ<sup>۱</sup> ہے کہ کسی برتن کو اپنے وضو کے واسطے خاص کر لے کہ اس برتن سے سوا اسکے اور کوئی وضو نہ کرے جیسے یہ مکروہ ہے کہ مسجد میں کوئی جگہ اپنی نماز کے واسطے خاص کر لے یہ وجیز میں لکھا ہے جو کردری کی تصنیف ہے

## بانیہ چیزوں فصل

### وضو توڑنے والی چیزوں کے بیان میں

وضو توڑنے والی چیزوں میں ہے جو چیز دونوں راستوں سے نکلے پانچخانہ اور پیشاب اور ہوا جو پانچخانہ کے مقام سے نکلے اور ودی اور مذی اور منی اور کیڑا اور پتھری۔ پانچخانہ کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تھوڑا ہو یا بہت اور یہی حکم ہے پیشاب کا اور ہوا کا جو پانچخانہ کے مقام سے نکلے یہ محیط میں لکھا ہے اور وہ ہوا جو مرد اور عورت کے پیشاب کے مقام سے نکلے موافق مذہب صحیح کے وضو کو نہیں توڑتی لیکن اگر کسی عورت کا پیشاب اور پانچخانہ کا راستہ مل گیا ہے اس کے لئے وضو کر لینا مستحب ہے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ کسی پیٹ میں آر پار زخم ہوا اور اس میں سے ہوا نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا جس طرح ایسی ڈکار سے سے نہیں ٹوٹتا جس میں بدبو آتی ہو یہ قدیہ میں لکھا ہے اگر پیشاب عضو تناسل کی ڈنڈی میں اتر آئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر قلعہ میں یعنی اس کھال میں جس کی ختنہ کرتے ہیں اتر آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا یہ لکھا ہے ذخیرہ میں۔ اور صحیح یہی ہے یہ لکھا ہے بحر الریق میں۔ اور اگر عورت کی اندر کی فرج سے پیشاب نکلا باہر کی فرج سے نہیں نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جس مرد کا عضو تناسل کٹ گیا ہو اگر اس کے پیشاب کے مقام سے کوئی ایسی چیز نکلے جو مشابہ پیشاب کے ہو پس اگر اس کے بند کرنے پر قادر ہے اس طرح کہ اگر چاہے روک لے اور جو چاہے نکال دے تب تو وہ پیشاب ہے وضو اس سے ٹوٹ جاتا ہے اور جو وہ اس پر قادر نہیں تو نہیں ٹوٹتا جب تک خود نہ بے یہ قاضی خان میں لکھا ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ جب ظاہر ہو جائے کہ خفشی مردوں میں شامل ہے تو اس کی دوسری فرج بمنزلہ زخم کے ہے اس میں جو نکلے گا اس سے وضو نہ ٹوٹے گا جب تک نہ بے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان اور ذخیرہ اور محیط سرحسی اور اکثر معتبرات میں لکھا ہے۔ اور اکثر کا یہ مذہب ہے کہ اس پر وضو واجب ہو جاتا ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اعتماد کے قابل وہی پہلا قول ہے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے۔

۱ اور وضو کی ممنوعات سے عورت کے وضو یا غسل کے باقی بچے پانی سے وضو کرنا اور ناپاک جگہ وضو کرنا اس لیے کہ وضو کے پانی کی کچھ حرمت ہے اور مکروہ ہے تھوڑا سکننا پانی میں یعنی اگر آپ جاری ہو طحاوی نے کہا کہ یہ کہ حرمت تنزیہی ہے ۱۲ منہ

کسی مرد کے عضو تناسل میں زخم ہو اور اس میں دو سوراخ ہوں ایک ایسا ہو کہ اس میں سے وہی چیز نکلتی ہو جو پیشاب کے راستے سے بہتی ہو اور دوسرا ایسا ہو کہ اس سے وہ نکلتا ہو جو پیشاب کے راستے میں نہ بہتا ہو تو پہلا سوراخ بمنزلہ سوراخ ذکر کے ہے جب پیشاب اس کے سر پر ظاہر ہوگا تو وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ نہ بہے اور دوسرے سوراخ سے اگر کچھ ظاہر ہو تو جب تک وہ بہے نہیں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر کسی شخص کو پیشاب نکل آنے کا خوف ہو اس سبب سے وہ پیشاب کے سوراخ میں روئی رکھ لے اور اگر روئی نہ رکھے تو پیشاب نکل آئے اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور جب تک پیشاب روئی میں ظاہر نہ ہو جائے تب تک اس کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص کی کانچ باہر نکل آئے اور اس کو ہاتھ سے یا کپڑے سے پکڑ کر اندر ڈالے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ کچھ نجاست اس کے ہاتھ کو لگ گئی۔ اور شیخ امام شمس الائمہ حلوانی نے لکھا ہے کہ کانچ کے نکلنے ہی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ودی سے بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جو منی بغیر شہوت کے نکلے اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے مثلاً کوئی بوجھ اٹھایا یا بلند جگہ سے گر اور منی نکل آئی تو وضو واجب ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے۔ مرد کی منی بستہ اور سپید رنگ ہوتی ہے اور بو اس کی ایسی ہوتی جیسے درخت خرما کی کلی میں اور اس میں چپکا ہٹ ہوتی ہے اور اس کے نکلنے سے عضو مست ہو جاتا ہے اور عورت کی منی تیلی زرد رنگ ہوتی ہے اور مذی تیلی مائل سپیدی ہوتی ہے اور جب کوئی حالت شہوت میں اپنی عورت کے ساتھ اختلاط کرتا ہے اس وقت ظاہر ہوتی ہے اور اس کے مقابل میں عورت سے جو نکلتی ہے اس کو قذی کہتے ہیں اور ودی پیشاب ہوتا ہے گاڑھا اور بعض نے کہا ہے ودی وہ ہے جو مجامعت کر کے غسل کرنے کے بعد نکلتی ہے اور پیشاب کے بعد نکلتی ہے یہ تیسرے میں لکھا ہے۔ کیڑا اگر پانچخانہ کے مقام سے نکلے تو اس سے وضو ٹوٹتا ہے اور اگر عورت یا مرد کے پیشاب کے مقام سے نکلے تو بھی یہی حکم ہے اور یہی حکم ہے پتھری کا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کوئی اپنے عضو کے سوراخ میں قطرہ ڈالے پھر وہ نکل آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا جیسے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر تیل سے حقنہ کیا پھر وہ بہ کر نکلا تو دوبارہ وضو کرے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور جو چیز نیچے کی طرف سے اندر کو جائے اور پھر نکلے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ ضرور ہے کہ اندر سے کچھ تری اس میں لگ آتی ہے اگرچہ دخول اس کا پورا نہ ہو مثلاً ایک کنارہ اس کا ہاتھ میں ہو وجیز کروری میں لکھا ہے اور وضو توڑنے والی چیزوں سے ہے وہ بھی جو ان دورستوں کے سوا اور طرف سے نکلے اور بہے ایسی طرف جو پاک کی جاتی ہے خون ہو کچلو ہو یا پیپ ہو یا پانی جو کسی بیماری کے سبب سے نکلے بہنے کے معنی یہ ہیں کہ زخم کے سرے سے اوپر کو اٹھ کر نیچے کو اترے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے خون جب زخم کے سرے سے اوپر کو اٹھے تو وضو نہیں توڑتا اگرچہ سر زخم سے زیادہ جگہ میں ہو جائے یہی ظہیر یہ میں لکھا ہے اور فتویٰ اسی پر ہے کہ نہیں ٹوٹتا ہے وضو اس قسم کی صورت میں یہ محیط میں لکھا ہے خون اور کچلو ہو اور پیپ اور پانی زخم کا اور آبلہ کا اور وہ پانی جو بیماری کی وجہ سے ناف میں سے نکلے یا چوچی میں سے نکلے یا آنکھ میں سے نکلے یا کان میں سے نکلے سب کا ایک حکم ہے موافق مذہب اصح کی یہ زاہدی میں لکھا ہے اگر کان میں تیل ڈالا اور وہ دماغ میں کچھ دیر ٹھہرا پھر کان یا ناک کی طرف سے بہ گیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر منہ کے راستے سے نکلے گا تو اس پر وضو واجب ہوگا اس لئے کہ منہ سے نکلے گا تو معدے میں ہو کر آئے گا اور معدہ محل نجاست ہے پس وہ قے کے حکم میں ہو گیا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر کسی چیز کو ناک کے راستے سے اوپر چڑھایا پھر وہ منہ کی طرف سے منہ بھر نکلی تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر کانوں کی طرف سے نکلی تو نہیں ٹوٹے گا یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اگر نہانے میں کچھ پانی کان کے اندر داخل ہو گیا ہے اور وہاں رکار ہا پھر ناک کی طرف سے نکلا اس پر اور وضو لازم نہیں آتا یہ محیط میں لکھا ہے۔ اور نصاب میں ہے کہ یہی اصح ہے یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے لیکن اگر وہ کچلو ہو جائے گا تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یہ مضمورات میں لکھا ہے اگر کان سے

پیپ یا کچلو ہو نکلے اگر بغیر درد کے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا اگر درد کے ساتھ نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ جب وہ درد کے ساتھ نکلا تو ظاہر کسی زخم سے نکلا ہے یہ منقول ہے فتویٰ شمس الائمہ حلوانی کا یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی ذخیرہ میں اور تبیین میں اور سراج الوہاب میں۔ امام محمد نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ اگر زخم سے تھوڑا سا خون نکلے اور اس کو پونچھ ڈالے پھر نکلے پھر پونچھ ڈالے تو اگر خون ایسا تھا کہ اس میں سے جس قدر پونچھ لیا ہے اگر نہ پونچھتا تو بہہ جاتا اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نہ بہتا تو نہ ٹوٹے گا اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ زخم سے تھوڑا سا خون نکلے اور اس پر راکھ یا مٹی ڈال دے پھر وہ ظاہر ہو پھر وہ ایسا ہی کرے تو ایسی حالت میں بھی یہی لحاظ کیا جائے گا کہ اگر کل جمع ہوتا تو بہتا یا نہ بہتا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ خون سر کی طرف سے ایسی جگہ کو اترے جہاں حکم پاک کرنے کا ہے مثلاً ناک یا کان تو وضو ٹوٹ جائے گا یہ محیط میں لکھا ہے

ناک میں جہاں تک پاک کرنے کا حکم ہے وہ مقام ہے جہاں تک ناک نرم ہے یہ ملتقط میں لکھا ہے اگر منہ سے خون نکلے تو یہ اعتبار کیا جائے گا کہ خون غالب ہے یا تھوک اگر دونوں برابر ہیں تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اس امر کا اعتبار رنگ سے ہوتا ہے اگر سرخ رنگ ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا اگر زرد رنگ ہے تو نہیں ٹوٹے گا یہ تبیین میں لکھا ہے اگر وضو ڈالے کو کسی چیز کے منہ میں دا بنے مسواک کرنے سے خون کا اثر معلوم ہو تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک خون کا بہنا نہ معلوم ہو یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر آنکھ میں کوئی زخم ہو اور اس میں خون نکل کر آنکھ کے اندر ہی دوسری جانب کو پہنچا تو وضو نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ وہ خون ایسی جگہ نہیں پہنچا جس کا دھونا واجب ہو یہ کفایہ میں لکھا ہے زخم کو دبانے سے خون نکلا اور اگر دباتے تو نہ نکلتا تو مختار یہی ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا یہ وجہ کروری میں لکھا ہے اور یہی ٹھیک ہے یہ قدیہ میں لکھا ہے اور یہی وجہ ہے یہ شرح مدیہ میں لکھا ہے جو حلبی کی تصنیف ہے اگر کسی آبلہ کو چھیل ڈالا اور اس میں سے پانی یا پیپ وغیرہ بھی اگر وہ زخم کے سرے سے بھی تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہ ٹوٹے گا یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اپنے آپ نکلے اور اگر دبانے سے نکلے تو وضو نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ جو کچھ نکلا وہ نکالا گیا خود نہیں نکلا یہ ہدایہ میں لکھا ہے ناک سکنے میں جما ہوا خون مسور کے دانہ کے برابر نکلا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر چیچری کسی کے عضو کو لگ کر چو سے اور خون سے پر ہو جائے تو اگر چھوٹی ہے تو وضو نہ ٹوٹے گا جیسے مکھی اور مچھر کے چوسنے سے نہیں ٹوٹتا اور اگر بڑی ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا اس طرح جو ناک اگر کسی کے عضو کو چو سے اور خون سے پر ہو جائے تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا یہ محیط سرخی میں لکھا ہے اگر کسی کی آنکھ کی رگ میں سے ناسور کی طرح پانی بہا کرتا ہو تو وہ بمنزلہ زخم کے ہے جو اس کے اندر سے بہے گا وضو توڑ دے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر کسی کی آنکھ میں سے ورم کی وجہ سے یا کسی اور بیماری کی وجہ سے ہمیشہ پانی بہا کرتا ہو تو ہر وقت نماز کے واسطے تازہ وضو کا حکم ہوگا اس لئے کہ احتمال ہے کہ وہ پیپ یا کچلو ہو یہ تبیین میں لکھا ہے۔ کیزا جو زخم کے سرے سے نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کسی کو رشتہ کی بیماری ہو تو اس کا حکم بھی مثل کیزے کے ہے اگر اس سے پانی بہے تو وضو ٹوٹے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور وضو توڑنے والوں میں سے قے بھی ہے اگر پت یا کھانا یا پانی منہ بھر کرتے کے طور پر نکلے تو وضو توڑے گا یہ محیط میں لکھا ہے اور منہ بھرنے کی حد صحیح یہ ہے کہ بغیر دقت اور مشقت کے اس کو روک نہ سکے یہ محیط سرخی میں لکھا ہے۔ اگر پانی پیا پھرتے میں صاف پانی نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا یہ سراج الوہاب میں فتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ اگر قے میں منہ بھر بلغم آئے تو اگر سر کی طرف سے اترے تو وضو نہ ٹوٹے گا اور جو معدے

۱ فتح میں کافی سے نقل کیا کہ یہی اصح ہے اور جامع الفتویٰ میں کہا کہ یہ شبہ ہے ۱۲ ۲ بلکہ ٹوٹے گا

۳ نجس مغلط ہے اگر چہ شیر خوار کے نے دودھ پی کر فوراً قے کر دی یہی قول صحیح ہے اسی طرح کھانا اور پانی معدہ تک پہنچ کر بغیر شہرے رد ہوا تو یہی حکم حسن کی روایت میں ناقض نہیں یہی مختار ہے لاجتبیٰ اور یہی صحیح ہے المعراج اور تحقیق میں الہدایہ میں ۱۲ منہ



☆ ☆ سے آیا ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نہ ٹوٹے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک ٹوٹ جائے گا یہ حکم اس وقت ہے جبکہ میں خالص بلغم ہو اور اگر کسی اور چیز کے ساتھ ملا ہو جیسے کھانا وغیرہ تو اگر کھانا منہ بھر ہوگا وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہ ٹوٹے گا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر قے میں خون آئے اگر بہتا ہو خون سر سے اترتا ہے تو بالاتفاق وضو ٹوٹے گا اور اگر خون بستہ ہے تو بالاتفاق نہ ٹوٹے گا اور اگر معدہ سے آیا ہے اگر خون بستہ ہے تو بالاتفاق وضو نہ ٹوٹے گا لیکن اگر منہ بھر کر ہوگا تو وضو ٹوٹے گا اور اگر بہتا ہوا ہے تو امام ابوحنیفہ کے قول کے بموجب وضو ٹوٹے گا اگرچہ منہ بھر کر نہ ہو یہ شرح مدیہ میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ تمیین میں لکھا ہے اور اسی کو عامہ مشائخ نے صحیح کہا ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اگر تھوڑی تھوڑی قے اس طرح آئے کہ سب جمع ہو تو منہ بھر کر ہو جائے تو امام محمد کا یہ قول ہے کہ اگر سب ان سب کا ایک ہی تھا وضو ٹوٹے گا ورنہ نہ ٹوٹے گا مضممرات میں لکھا ہے کہ یہی اصح ہے اگر ایک مرتبہ ہی متلا کر قے آئی اور وہ متلی موقوف نہ ہوئی اور اسی میں دوبارہ قے آئی تو سب ان دونوں کا نکلا ایک ہے اور اگر ایک مرتبہ کی متلی موقوف ہونے کے بعد دوبارہ قے آئی تو سب مختلف ہے یہ کافی میں لکھا ہے۔

جو چیز آدمی کے بدن سے ایسی نکلی جس سے وضو نہیں ٹوٹتا وہ نجس البھی نہیں ہوتی جیسے تھوڑی سی قے اور خون جو بے تمیین ہے غیر نماز میں اس حکم میں فقہاء میں سے کسی کا خلاف نہیں اور یہی حکم ہی اس کا جو ایک کو لہے پر ٹیکادے کر سوائے وہ بدائع میں لکھا ہے اور یہ حکم ہے اس کا جو چت لیٹ کر سوائے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر بیٹھ کر اس طرح سوائے کہ دونوں سر میں اپنی دونوں ایڑیوں پر رکھ دے جیسے کوئی اوندھا ہو جاتا ہے تو اس پر وضو واجب نہیں اور یہ اصح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر کسی چیز پر سہارا دے کر سوائے کہ اگر وہ ہٹالی جائے تو گر پڑے تو اگر مقعد زمین سے جدا ہے تو بالاتفاق جماع وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر جدا نہیں تو صحیح یہ ہے کہ نہ ٹوٹے گا یہ تمیین میں لکھا ہے اگر کھڑا ہو سوائے یا بیٹھا ہو سوائے اگر چہ زمین پر ہو یا عماری میں ہو یا رکوع کرتا ہو سوائے یا سجدہ کرتا ہو سوائے تو اگر حالت نماز میں ہے تو کسی صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر خارج نماز ہو تب بھی یہی حکم ہے مگر سجدہ کی صورت میں یہ شرط ہے کہ بہت مسنون کے مطابق ہو اس طرح کہ پیٹ اس کارانوں سے اوپر اٹھا ہو اور بازو اس کے پسلیوں سے جدا ہوں اور اگر یہ ہیئت نہ ہوگی تو وضو ٹوٹ جائے گا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے ظاہر روایت میں نیند کے غلبہ سے سو جانے اور عدا سونے میں کچھ فرق نہیں اور امام ابو یوسف سے یہ منقول ہے کہ عدا سونے میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور صحیح وہی ہے جو ظاہر روایت میں ہے یہ محیط میں لکھا ہے مریض اگر کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھتا ہو اور سو جائے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ وضو اس کا ٹوٹ جاتا ہے یہ محیط اور تمیین اور بحر الرائق میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اگر بیٹھا ہو سوا یا اور جھک جھک جاتا ہے اور بار بار مقعد زمین سے جدا ہو جاتی ہے تو شمس الائئم حلوانی کا یہ قول ہے کہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر بیٹھا ہو سوتا تھا اور منہ کے بل گر پڑا یا پہلو کے بل گر پڑا تو اگر وہ گرنے سے پہلے ہوشیار ہو گیا یا گرتے گرتے ہوشیار ہو گیا یا سوتا ہو اگر مگر گرنے کے بعد فوراً ہوشیار ہو گیا تو وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر تھوڑی دیر سوتا رہا پھر جاگا تو وضو ٹوٹتا ہے یہ تمیین میں لکھا ہے اگر چار زانو بیٹھ کر سوا یا تو وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی حکم ہے اس صورت کے سونے میں کے دونوں پاؤں ایک طرف کو پھیل جائیں اور دونوں سر میں زمین سے ملے ہوں

۱۔ اگر پانی وغیرہ سیال چیز میں قلیل خون گیا تو ناپاکی کا اور اگر کپڑے وغیرہ خشک میں ہو تو البتہ پاکی کا فتویٰ بقول امام محمد دینا چاہئے الجوبہ ۱۲

۲۔ سونے والے کی تیرہ حالتیں ہیں قوم مضطرب یعنی کروٹ پر اور ہتھوڑک اور تکیہ دے کر ناقض وضو ہیں اور بیٹھے اور چار زانو اور پاؤں پھیلائے اور مٹنی اور کتے

کی طرح از حاضر سے اور سوار و پیدل و کھڑے و رکوع و سجود میں اور یہ ناقض وضو نہیں ۱۲

یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر جانور کی سواری میں جس کی پیٹھ ننگی ہے سو گیا پس اگر چڑھاؤ پر جانے یا برابر جگہ جانے کی حالت میں ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا اور اگر اتار کی طرف چلنے کی حالت ہو تو یہ نیند وضو ٹوٹا شمار ہوگی یہ محیط میں ہے اور اگر ایسے جانور کی پیٹھ پر سویا جس پر اکاف کسی ہے تو اس کا وضو نہ ٹوٹے گا اگر کوئی تنور کے سر پر بیٹھا ہو سو گیا اور پاؤں لٹکا دیئے تو وضو نہ ٹوٹے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

اگر پہلو پر لینا ہوا اونگھ جائے تو اگر زور کی اونگھ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر خفیف ہو تو نہیں ٹوٹے گا اور زور کی اونگھ اور خفیف اونگھ میں فرق یہ ہے جو اپنے قریب کی باتیں سنتا ہے تو خفیف اونگھ ہے اور جو قریب کی اکثر باتوں کی اس کی خبر نہیں تو زور کی اونگھ ہے محیط میں لکھا ہے اور یہی فتویٰ منقول ہے شمس الائمہ سے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور وضو توڑنے والوں میں سے بیہوشی اور جنون اور غشی اور نشہ ہے بیہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تھوڑی ہو یا بہت اور جنون اور غشی اور نشہ سے بھی ٹوٹ جاتا ہے اور اس باب میں بعض مشائخ کے نزدیک نشہ کی حد یہ ہے کہ عورت مرد میں تمیز نہ کرے اسی قول کو صدر الشہید نے اختیار کیا ہے اور صحیح وہ ہے جو شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی چال میں کچھ لغزش ہو یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور وضو توڑنے والوں میں سے قہقہہ ہی اور حد قہقہہ کی یہ ہے کہ وہ بھی سنے اور اس کے برابر والے بھی سنیں اور ہنسی اس کو کہتے ہیں کہ وہ خود سنے لے برابر والے نہ سنیں اور تبسم وہ ہے کہ نہ وہ سنے اور اس کے برابر والے سنیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ قہقہہ مارنا ان سب نمازوں کے اندر جن میں رکوع اور سجدہ کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک نماز اور وضو دونوں کو توڑ دیتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور قہقہہ عمدہ اہویا بھول کر ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جو قہقہہ نماز سے خارج ہو اس سے طہارت نہیں جاتی اور ہنسی سے نماز جاتی رہتی ہے وضو نہیں جاتا اور تبسم سے نہ نماز جاتی ہے نہ وضو۔ اگر سجدہ تلاوت میں یا نماز جنازہ میں قہقہہ مارا تو وہ سجدہ اور نماز باطل ہوگی وضو نہیں ٹوٹے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ لڑکا اگر نماز میں قہقہہ مارے تو وضو نہیں ٹوٹتا یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر نماز کے اندر سوتے میں قہقہہ مارا تو صحیح یہ ہے کہ اس سے وضو اور نماز دونوں نہیں ٹوٹیں گے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ حاکم ابو محمد کوئی کا یہ قول ہے کہ وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جائیں گے اور عام متاخرین نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر نماز منظور نہیں قہقہہ مارا تو اصح یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر ایسی نماز میں قہقہہ مارا کہ عذر کی حالت سے اشاروں سے نماز پڑھتا تھا یا سوار تھا اور نفل اشاروں سے پڑھتا تھا یا فرض بسبب عذر کے اشاروں سے پڑھتا تھا تو وضو ٹوٹ جائے گا یہ فتح القدیر میں لکھا ہے۔ قہقہہ جس طرح وضو توڑتا ہے اس طرح تیمم کو بھی توڑتا ہے غسل کی طہارت کو نہیں توڑتا اور بعض کا قول ہے کہ غسل کی طہارت کو بھی وضو کے چاروں اعضا میں سے باطل کر دیتا ہے پس غسل کرنے والے نے جب نماز میں قہقہہ لگایا تو نماز اسکی باطل ہوگی اور جب تک تازہ وضو نہ کر لے نماز پڑھنا جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور وضو توڑنے والوں میں سے ہے کھلی ہوئی مباشرت کبھی کھلی ہوئی مباشرت کر لے عورت کے ساتھ اس طرح کہ ننگا ہو اور شہوت سے استادگی ہو اور دونوں کی شرمگاہیں مل جائیں تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک استحساناً وضو ٹوٹ جائے گا اور امام محمد کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا اور یہی قیاس ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور لصاب میں لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے اور نیا بیع میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر دونوں کی شرمگاہیں مل جائیں۔ تو عورت کا وضو ٹوٹنے کے لئے مرد کو شہوت ہونا ضروری نہیں

۱۔ گدھے وغیرہ کی اکاف جیسے گھوڑے کی زین ۱۲

۲۔ قول منظور وہ نماز جو گمان میں سمجھ کر شروع کی مثلاً گمان کیا کہ میں نے ظہر کی نماز یا سنت نہیں پڑھی ہے پس شروع کی پھر معلوم ہوا کہ پڑھ چکا ہے تو

شروع کرنے سے اس پر لازم نہ ہوگی لیکن اگر اس میں قہقہہ مارا تو علی الاصح وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ نماز میں کفن وارد ہوتی ہے ۱۲

۳۔ مباشرت لغت میں بشرہ کو بشرہ سے ملانا اور بشرہ ظاہری بدر کی کھال ہے اور یہاں عوام کا محاورہ بمعنی جمار نہیں ۱۲

یہ قیہ میں لکھا ہے۔ مرد کے عورت کو مساس کرنے سے یا عورت کے مرد کو مساس کرنے سے وضو<sup>(۱)</sup> نہیں ٹوٹتا یہ محیط میں لکھا ہے اپنے ذکر کو چھوئے یا دوسرے کے ذکر کو چھوئے تو ہمارے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا یہ محیط میں لکھا ہے کھلی ہوئی مباشرت دو عورتوں میں ہو مرد اور مرد لڑکے میں ہو تو بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ قیہ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اگر ایسی مباشرت دو مردوں میں ہو تو یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے شک کے مسائل بھی انہیں مسائل سے میل رکھتے ہیں اصل میں ہے کہ اگر کسی کو یہ شک ہو کہ فلا نے عضو کا وضو کیا ہے یا نہیں اور یہ شک اس کو اول بار ہوا تھا تو اس موضع کو دھوئے جس میں شک ہے اور اگر اکثر یہی ہوتا ہے تو اس شک کا کچھ اعتبار نہیں یہ حکم اس وقت ہے کہ جب شک وضو کرنے کی حالت میں ہو اور اگر وضو سے فارغ ہونے کے بعد شک ہو تو اس کی طرف التفات نہ کرے اور جس شخص کو وضو تھا اور اب وضو ٹوٹنے میں شک ہو تو وضو اس کا باقی ہے۔ اور اگر بے وضو تھا اور طہارت میں شک ہو تو بے وضو ہے۔ اس مسئلہ میں غالب گمان پر عمل نہ کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## دوسرا باب

### غسل کے بیان میں اس میں تین فصلیں ہیں

#### پہلی فصل

### غسل کے فرضوں میں

اور وہ تین ہیں کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا سارے بدن کو دھونا یہ متون<sup>(۱)</sup> میں لکھا ہے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی حد باب وضو میں خلاصہ سے بیان ہو چکی جب نے اگر پانی پی لیا اور منہ میں سے پھینکا نہیں تو وہی کلی کے بدلے کافی ہے اگر سارے منہ میں پہنچ جائے ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر اس کا کوئی دانت کچھ خالی ہے اس میں کچھ باقی رہ گیا یا اس کے دانتوں کے بیچ میں لعام باقی ہے یا اس کی ناک میں تر اینٹھ ہے تو اس صحیح یہ ہے کہ غسل پورا ہو گیا یہ زاہدی میں لکھا ہے احتیاط ہے کہ کھانے کو دانت کے خلو میں سے نکال کر اس پر پانی بہالے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے خشک رینٹھ اگر ناک میں ہے تو غسل پورا نہ ہوگا یہ زاہدی میں لکھا ہے اگر گندھا ہوا آنا ناخن میں لگا ہے تو غسل پورا نہ ہوگا اور میل ہے تو مانع غسل نہیں اور گاؤں والے اور شہر والے اس میں برابر ہیں اور خشک اور تر مٹی اگر ناخنوں میں ہے تو مانع غسل نہیں اور چرم ساز اور رنگریز کے ناخنوں میں جو بھرا ہوتا ہے وہ مانع غسل ہے اور بعض کا قول ہے کہ بسبب حرج اور ضرورت کے مانع غسل نہیں اس لئے کہ ضرورت کے مقامات قواعد شرع سے مستثنیٰ ہوتے ہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر بدن کے اوپر مچھلی کا پوست یا چابی ہوئی روٹی لگی ہے اور خشک ہوگی ہے اور نہانے میں پانی اس کے نیچے نہ پہنچا تو غسل جائز نہ ہوگا اور اگر مکھی یا مچھر کا گوہ ہے تو جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر اس کے چمک نکلی ہو اور چھلکے اس کے اٹھ گئے ہوں مگر کنارے ملے ہوئے ہوں اور چھلوں کے نیچے پانی نہ پہنچے تو مضائقہ نہیں ہے پھر اگر چھلکے اتر جائیں تو دوبارہ غسل نہ کرے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ آنکھوں کے اندر پانی

۱۔ امام شافعی کے نزدیک عورت کا چھونا ناقض وضو ہے اور تحقیق عین الہدایہ میں ہے ۱۲

۲۔ گمان ..... یقین ہے کہ ایک عضو نہیں دھویا تھا اور شک کیا کہ کس کو چھوڑا تو بایاں پاؤں دھولے اور پانی و کپڑے کی نجاست میں شک کیا تو کچھ نہیں ہے

اسی طرح جو روکی طلاق میں کہ شاید اس کو طاقی دے دی ہو یا مملوک آزاد کیا تو بھی باطل ہے اشباہ شامدرج نکل گئی ہے تو باطل ہے ۱۲

۳۔ سارے بدن سے مراد بشرہ ظاہری ہے اور باطنی بدن مراد نہیں ۱۲ (۱) بلا جہنی کے ایک بار

ڈالنا واجب نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ بالوں کی جڑوں میں اگر پانی پہنچ جائے تو عورت کو غسل میں پانی چوٹی کھولنا ضروری نہیں اور اپنے گیسوؤں کو کھولنا ضروری ہے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اگر عورت کے بال کھلے ہوئے ہوں تو ان کے درمیان پانی پہنچانا واجب ہے اور مرد کو اپنی داڑھی کے بیچ میں پانی پہنچانا فرض ہے جس طرح کہ اس کی جڑوں میں پہنچانا واجب ہے اور بالوں کے بیچ میں پانی پہنچانا واجب ہے اگر چہ گندھے ہوئے ہوں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر عورت اپنے سر پر گاڑھی خوشبو اس طرح لگائے کہ پانی بالوں کی جڑوں میں نہ پہنچ سکے تو اس پر اس خوشبو کا دور کرنا واجب ہے تاکہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ بالی اور انگوٹھی اگر تنگ ہو تو ان کو ہلانا واجب ہے اگر کان میں بالی نہ ہو اور پانی جب اوپر سے گزرے تو سوراخ کے اندر بھی داخل ہو جاتا ہے تو کافی ہو اور نہ جاتا ہو تو پانی کو داخل کرنا چاہئے لیکن پانی کے سوا لکڑی وغیرہ کے ڈالنے کا تکلف نہ کرے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ ناف کی توندی میں پانی پہنچانا واجب ہے اور خوب اچھی طرح پانی پہنچنے کے لئے اس میں انگلی بھی ڈالنا چاہئے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ جس شخص کا ختنہ نہیں ہوا اگر اس نے جنابت سے غسل کیا اور ذکر کی لنگی ہوئی کھال کے اندر پانی نہ پہنچا تو جائز ہے یہ محیط اور واقعات ناظمی میں لکھا ہے اور یہی مختار میں ہے اور یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے مستحب یہ ہے کہ اس کھال کے اندر پانی داخل کر لے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے عورت پر باہر کی فرج کا دھولینا غسل جنابت اور حیض اور نفاس میں واجب ہے اور وضو میں سنت ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور فتاویٰ غیاثیہ میں لکھا ہے کہ عورت غسل کے وقت انگلی اپنی فرج میں داخل نہ کرے اور یہی مختار میں ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اگر تیل ملا اور پانی بہایا اور بدن نے پانی کو قبول نہ کیا تو جائز ہے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### غسل کی سنتوں میں

سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پہنچوں کے کنارے تک تین بار دھوئے پھر اپنی شرمگاہ کو دھوئے<sup>(۱)</sup> اور اگر نجاست بدن پر لگی تو اسے دور کرے پھر اسی طرح وضو کرے جیسے نماز کے لئے کرتا ہے مگر دونوں پاؤں نہ دھوئے یہ ملتقط میں لکھا ہے غسل میں شرمگاہ کو پہلے دھولینا سنت ہے خواہ نجاست اس میں ہو یا نہ ہو جس طرح باقی بدن کے دھونے سے پہلے وضو کر لینا سنت ہے وضو ہو یا نہ ہو شنی میں لکھا ہے حسن کی روایت یہ ہے کہ سر کا مسح بھی نہ کرے اور صحیح یہ ہے کہ مسح کرے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور یہی ہے فتاویٰ قاضی خان میں پھر تین بار اپنے سر پر اور تمام بدن پر پانی ڈالے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پانی دالنا فرض ہے اور دو بار سنت ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے پانی ڈالنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تین بار پانی داہنے موٹھے پر ڈالے پھر تین بار پانی بائیں موٹھے پر ڈالے پھر تین بار اپنے سر اور تمام بدن پر ڈالے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ پھر اپنے نہانے کی جگہ سے ہٹ جائے تب پاؤں دھوئے یہ محیط میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب ایسی جگہ نہاتا ہو جہاں پانی جمع ہو جائے اگر تختے یا پتھر پر نہاتا ہو تو پاؤں کے دھونے میں تاخیر نہ کرے<sup>(۲)</sup> یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ یہاں کچھ اور بھی سنن اور آداب مشائخ نے بیان کئے ہیں سنت ہے کہ پہلے اپنے دل میں نیت کرے اور زبان سے یہ کہے کہ میری یہ نیت ہے کہ یہ غسل جنابت کے دور

۱ اگر جڑیں نہ بھیگیں تو چوٹے کھولنا علی اصح واجب ہے اور اگر عورت کو سردھونا مضر ہو تو شوہر سے انکار نہ کرے اور سر پر مسح کر کے باقی بدن دھو دے  
۲ جہاں دھونا حرج ہے وہ ساقط ہے جیسے آنکھ کے اندر اگر نجس سرمد لگا ہو ۱۲ ع ۳ کہا گیا کہ اول سر سے شروع کر کے اور یہی ظاہر کتاب یعنی ہدایہ اور حدیث میموڈ ہے۔ ۵ یہی ظاہر حدیث ام المؤمنین عائشہ بھی رواہ البخاری و مسلم ۱۲ (۱) اگرچہ اس پر نجاست نہ ہو ورنہ واجب ہے ۱۲

ہونے کے لئے کرتا ہوں یا یہ غسل جنابت کے لئے کرتا ہوں۔ پھر دونوں ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھے پھر استنجا کرے۔ یہ جو ہرۃ البیروہ میں لکھا ہے اور سنت ہے کہ پانی میں نہ اسراف کرے نہ کمی کرے اور غسل کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے اور تمام بدن کو اول مرتبہ لے لے اور ایسے موقع پر نہائے جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے اور ہرگز کسی سے بات نہ کرے اور بعد غسل کے موٹے کپڑے سے اپنا بدن پونچھ ڈالے یہ منیہ میں لکھا ہے۔

## نیمری فصل

### ان چیزوں کے بیان میں جس سے غسل واجب ہوتا ہے

وہ تین ہیں: منجملہ ان کے جنابت ہے اور وہ دو سبب سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ منی دفتق و شہوت کے ساتھ خارج ہو بغیر دخول کے چھونے سے یا دیکھنے سے یا احتلام ہو یا ہاتھ کے عمل سے منی نکلے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے مرد سے نکلے یا عورت سے سوتے میں یا جاگتے میں ہدایہ میں لکھا ہے۔ شہوت کا اعتبار منی کے اپنے مکان سے جدا ہونے کے وقت کیا جاتا ہے اور سپیاری سے نکلنے کے وقت نہیں کیا جاتا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر احتلام ہو یا کسی عورت کی طرف دیکھا اور منی اپنی جگہ سے شہوت سے جدا ہوئی پھر اس نے اپنے ذکر کو دبا لیا یہاں تک کہ شہوت اس کی ساکن ہو گئی پھر منی بھی تو اس پر امام ابوحنیفہ اور امام ابو محمد کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر جنابت کے بعد بغیر پیشاب اور بغیر سوائے نہایا اور نماز پڑھی پھر باقی منی نکلی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہ ہوگا لیکن سب کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اس نماز کو نہ لوٹا دے گا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر پیشاب کرنے یا سونے یا چلنے کے بعد منی نکلی تو بالاتفاق غسل واجب نہ ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے اگر کسی شخص کو احتلام ہو اور منی اپنی جگہ سے جدا ہوئی لیکن سپیاری کے سرے پر نہ ظاہر ہوئی تو غسل واجب نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے پیشاب کیا اور اس کے ذکر سے منی نکلی اگر اس کے عضو میں تندی تھی تو غسل واجب ہوگا اور اگر ست تھا تو وضو اس پر لازم ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی عورت سے اس کے شوہر نے مجامعت کی اور پھر وہ عورت نہائی پھر اس کے بدن سے اس کے شوہر کی منی نکلی تو اس پر وضو واجب ہوگا غسل واجب نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص سونے سے جاگا اور اس نے اپنے پچھونے پر یا اپنی ران پر تری پائی اور اس کو احتلام بھی یاد ہے اگر یقین ہے کہ وہ منی ہے یا یقین ہو کہ وہ منی ہے یا شک ہو کہ وہ منی ہے یا منی تو اس پر غسل واجب ہے اور اگر یقین ہے کہ وہ ودی ہے تو غسل واجب نہ ہوگا۔ اگر تری پائے مگر احتلام یاد نہیں اب اگر یقین ہو کہ وہ ودی ہی تو غسل واجب نہ ہوگا۔ اور اگر یقین ہے کہ وہ منی ہے تو غسل واجب ہوگا اور اگر یقین ہو کہ وہ منی ہے تو غسل واجب نہ ہوگا اور اگر شک ہو کہ وہ منی ہے یا منی تو امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ جب تک احتلام کا یقین نہ ہو غسل واجب نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک واجب ہوگا۔ قاضی امام ابوعلی نسفی نے کہا ہے کہ حسام نے اپنے نوادر میں امام محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص جاگے اور اپنی سپیاری پر تری پائے اور خواب اس کو یا نہ ہو اگر سونے سے پہلے اس کے عضو میں تندی تھی تو اس پر غسل واجب نہیں لیکن اگر یہ یقین ہو جائے کہ یہ منی ہے تو غسل واجب ہوگا اور اگر سونے سے پہلے اس کا عضو ست تھا تو اس پر غسل واجب ہوگا۔ شمس الائمہ حلوائی نے کہا ہے کہ یہ صورت اکثر واقع ہوا کرتی ہے اور لوگ اس

۱۔ مرد پر غسل واجب ہو اور وہاں پردہ ممکن نہیں تو نہانے کو نہ چھوڑے اگرچہ لوگ اس کو دیکھیں اور عورت چھوڑ کر تیمم کرے اور تمام تفصیل میں الہدایہ

سے غافل ہیں پس اس کو یاد کر لینا واجب ہے۔ یہ محیط میں لکھا ہے۔

اگر احتلام اور انزال کی لذت اس کو یاد ہو اور تری نہ پائے تو غسل واجب نہیں اور ظاہر روایت میں عورت کا بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ عورت پر غسل واجب ہونے میں یہ شرط ہے کہ منی اس کی باہر فرج کی طرف نکلے اسی پر فتویٰ ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص بیٹھا ہو اسوئے یا کھڑا ہو اسوئے یا چلتا ہو اسوئے پھر جاگے اور تری پائے تو اس کا حکم اور لیٹ کر سونے والے کا برابر ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر بچھونے پر منی پائی جائے اور مرد یہ کہے کہ عورت کی منی ہے اور عورت کہے مرد کی منی ہے تو اسح یہ ہے کہ احتیاطاً دونوں پر غسل واجب ہوگا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص کو غش آجائے اور بعد افاقہ کے وہ اپنے زانو پر یا کپڑے پر مندی پائے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ اور یہی حکم ہے نشے کا اور اس کا حکم نبیذ کے مثل نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ کوئی شخص سوتے سے جاگا اور احتلام اس کو یاد ہے لیکن کوئی تری ظاہر نہیں ہوئی اور تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد مندی نکلی تو اس پر غسل واجب نہیں۔ رات میں احتلام ہوا پھر جاگا اور تری نہ دیکھی پھر وضو کیا اور فجر کی نماز پڑھ لی پھر منی نکلی تو اس پر غسل واجب ہوگا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور وہ اپنی نماز کا اعادہ نہ کرے گا اور اس طرح اگر نماز میں احتلام ہوا اور انزال نہ ہوا یہاں تک کہ نماز پوری کر لی پھر انزال ہوا تو نہائے گا مگر نماز کا اعادہ نہ کرے گا یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔ دوسرا سبب جنابت کا دخول ہوتا ہے۔ دخول دونوں راستوں میں سے کسی راستہ میں ہو جب سپیارہ چھپ جائے تو فاعل اور مفعول یہ دونوں پر غسل واجب کر دیتا ہے انزال ہو یا نہ ہو یہی درست مذہب ہے ہمارے علماء کا یہی محیط میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر کسی کا سپیارہ کٹا ہوا ہو تو بقدر سپیارے کے ذکر داخل کرنے سے اس پر غسل واجب ہو جائے گا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اور اگر چوپائے جانور کے دخول کر لے یا مردے کے یا ایسی پھوٹی لڑکی کے جس کے مثل کی لڑکیوں کے ساتھ جماعت نہیں کیا کرتے تو بغیر انزال کے غسل واجب نہیں ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ جس لڑکی کے محل جماع میں دخول اس طرح ممکن ہو کہ اس کے اندر کا پردہ پھٹ کر دونوں راہیں ایک نہ ہو جائیں تو وہ جماعت کے قابل ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر کسی عورت کی فرج سے باہر باہر جماعت کی جائے اور منی اس کے رحم میں پہنچ جائے خواہ وہ بکر ہو یا شیبہ ہو تو غسل اس پر واجب نہ ہوگا اس لئے کہ غسل کے دو سبب ہوتے ہیں یا انزال یا سپیارے کا داخل ہونا ان میں سے ایک بھی نہ پایا گیا لیکن اگر اس کو حمل رہ جائے تو غسل واجب ہوگا اس لئے کہ انزال پایا گیا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر حمل رہ جائے تو وقت جماعت کے اس پر غسل واجب ہوگا اور اس وقت سے ساری نمازیں لوٹا دے گی یہ ملقط میں لکھا ہے۔ اگر کوئی عورت یہ کہے کہ میرے پاس جن آیا کرتا ہے اور اس کے ساتھ مین وہی کیفیت پاتی ہوں جو اپنے شوہر کی جماعت میں پاتی ہوں تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر دس برس کا لڑکا عورت سے جماعت کرے تو عورت پر غسل واجب ہوگا اور لڑکے پر واجب نہیں ہوگا لیکن اس لڑکے کو بھی حکم غسل کا دیا جائے گا تا کہ اس کو عادت پڑے جیسے کہ اس کو نماز کا حکم عادت ہونے کے لئے کیا جاتا ہے اور اگر مرد بالغ ہو اور لڑکی نابالغ ہو مگر جماعت کے قابل ہو تو مرد پر غسل واجب ہوگا اور اس لڑکی پر واجب نہ ہوگا اور اگر کوئی خصی جماعت کرے تو فاعل اور مفعول دونوں پر غسل واجب ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر اپنے عضو پر کپڑا لیٹ کر دخول کرے اور انزال نہ ہو تو بعضوں نے کہا کہ غسل واجب ہوگا اور بعضوں کا قول اور وہی اسح بھی ہے کہ اگر کپڑا ایسا پتلا ہو کہ فرج کی حرارت اور

۱۔ کیونکہ حدیث ام سلمہ میں عورت کا دیکھ لینا خود شرط ہے رواہ البخاری و مسلم ۱۲ عین الہدایہ

۲۔ یعنی بدون انزال کے اور اگر انزال ہو تو غسل واجب ہے گویا وہ احتلام ہے اگر جن آدمی کی صورت پر ظاہر ہو تو فقط ادخال حشفہ سے غسل واجب ہوگا

انزال ہو یا نہ ہو کیونکہ مارا حکام کا ظاہر پر ہے ۱۲

لذت محسوس ہو تو غسل واجب ہوگا۔ اور ایسا نہ ہو تو واجب نہ ہوگا۔ اور زیادہ احتیاط کا حکم یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں غسل واجب ہو گا۔ اگر خلع مشکل اپنے ذکر کو کسی عورت کی فرج یا دبر میں داخل کرے تو دونوں پر غسل واجب نہ ہوگا اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اپنے مثل دوسرے خشتی کی فرج میں داخل کرے اور اگر کوئی مرد خشتی مشکل کی فرج میں داخل کرے تو بھی غسل واجب نہ ہوگا۔ اور یہ سب حکم اس صورت میں ہے جو انزال نہ ہو لیکن اگر انزال بھی ہو تو انزال کے سبب سے غسل واجب نہ ہوگا۔ یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور منجملہ غسل واجب کرنے والیوں کے حیض و نفاس ہے جب حیض و نفاس کا خون نکل کر عورت کی باہر کی فرج تک پہنچ جائے تو غسل واجب ہوگا اور جب تک نہ پہنچے تو وہ خون نکلا نہیں اس لئے حیض نہ ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ عورت کے اگر بچہ پیدا ہوا اور خون ظاہر نہ ہو کیا اس پر بھی غسل واجب ہوتا ہے صبح یہ ہے کہ واجب ہوتا ہے یہ نظیر یہ میں لکھا ہے۔ غسل نو طرح کا ہوتا ہے ان میں سے تین طرح کا غسل فرض ہے جنابت کا اور حیض کا اور نفاس کا اور ایک واجب ہے اور وہ مردہ کا غسل ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ کافر اگر جب ہوا پھر مسلمان ہوا تو اس پر غسل واجب ہوگا ظاہر روایت میں اگر کافر عورت کا خون بند ہوا پھر مسلمان ہوئی تو اس پر غسل واجب ہوگا۔ لڑکی جب حیض کے ساتھ بالغ ہو تو حیض بند ہونے کے بعد اس پر غسل واجب ہوگا۔

اور لڑکا جب احتلام کے ساتھ بالغ ہو تو صبح یہ ہے کہ اس وقت اس پر غسل واجب ہوگا یہ زاہدی میں لکھا ہے اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ سب صورتوں میں غسل واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور چار غسل سنت ہیں جمعہ کے دن اور عیدین کے دن اور عرفہ کے دن اور احرام کے وقت اور ایک مستحب ہی اور وہ غسل کافر کا ہے جب وہ مسلمان ہو اور جب نہ ہو یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ جمعہ کے دن کا غسل نماز کے واسطے ہوتا ہے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اگر فجر کے بعد غسل کیا پھر وضو ٹوٹ گیا پھر وضو کر کے جمعہ کی نماز پڑھی یا نماز جمعہ کے بعد غسل کیا تو سنت ادا نہ ہوگی۔ اگر جمعہ اور عید ایک دن میں جمع ہو گئے اور جماعت بھی کی پھر غسل کیا تو تینوں غسل ادا ہو جائیں گے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ کافی میں ہے کہ اگر صبح سے پہلے غسل کیا اور اسی سے جمعہ کی نماز پڑھی تو امام ابو یوسف کے نزدیک جمعہ کے غسل کی فضیلت ملے گی۔ اور ابوالحسن کے نزدیک نہ ملی یہ فتح القدیر میں لکھا ہے۔ بعض مشائخ نے ان غسلوں کو بھی مندوب لکھا ہے۔ غسل وصول مکہ کے واسطے اور مزدلفہ میں ٹھہرنے کے واسطے اور مدینہ میں داخل ہونے کے واسطے اور مجنون کا غسل جب اچھا ہو اور لڑکے کا غسل جب اپنی عمر کے حساب سے بالغ ہو یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور اسی کے مثل ہیں جب کے مسائل اگر وقت نماز تک غسل میں تاخیر کرے تو گنہگار نہیں ہوتا یہ محیط میں لکھا ہے۔ شیخ سراج الدین ہندی نے اجماع نقل کیا ہے اس بات پر کہ جس کا وضو نہ ہو اس پر وضو اور جب اور حیض والی اور نفاس والی عورت پر غسل اسی وقت واجب ہوتا ہے جب نماز ان پر واجب ہو یا کسی ایسے کام کا ارادہ کریں جو بغیر وضو اور غسل کے نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے واجب نہیں ہوتا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ مثلاً نماز و سجدہ تلاوت اور قرآن کا چھوٹا اور مثل اسی کے اور کام یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ ظاہر روایت میں کم سے کم پانی جو غسل کے واسطے کافی ہو ایک صاع ہوتا ہے اور وضو کے واسطے ایک مد ہمارے بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ ایک صاع غسل کے واسطے اس وقت

۱۔ اور اسی طرح غسل مستحب ہے پچھنے لگانے کے وقت اور شب برات میں یعنی شعبان کی پندرہویں رات میں اور شب قدر میں جب کہ اس کو جانتا ہو بطن غالب اکثر احادیث صحاح میں عشرہ اخیرہ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں طلب کرنا شب قدر کا وارد اور سورج گہن اور چاند گہن کی نماز کے واسطے اور واسطے طلب بارش اور رفع خوف اور تاریکی روز اور سخت آندھی میں اور آدمیوں کے مجمع میں جانے کے واسطے تاکہ لوگوں کے میل اور پسینہ کی بدبو سے تکلیف نہ ہو اور جب نیا کپڑا پہنے یا مردہ نہلا دے اور اس شخص کو جس کے قتل کا ارادہ کیا جائے خواہ بچہ یا قصاص یا بظلم اور گناہ سے تو بہ کرنے والے کو تاکہ توافق حاصل ہو طہارت ظاہری کو طہارت باطنی کے ساتھ اور غسل مستحب ہے سفر سے آنے والے کو اور عورت مستحاضہ کو شاید مستحاضہ کے اندر حیض واقع ہوا ہو ۱۲ صاع امام ابو حنیفہ کے نزدیک چار مدون کا ہوتا ہے اور مد کی مقدار تخمیناً بقدر بہتر روپیہ کے ہوتی ۱۲ مترجم عقی عنہ

کو کافی ہوتا ہے جب غسل میں وضو کو ترک کر دے اور اگر غسل کے ساتھ وضو بھی کرے تو ایک مد سے وضو کرے اسکے علاوہ ایک صاع سے غسل کرے اور اکثر مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ ایک صاع غسل اور وضو دونوں کے واسطے کافی ہے اور یہ اصح ہے بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ یہ کم سے کم مقدار پانی کے کافی ہونے کی بیان کی گئی ہے۔ لیکن یہی مقدار لازم نہیں ہے بلکہ اگر کسی کو اس سے بھی کم کافی ہو جائے تو کم کر لے اور جو کافی نہ ہو تو اس مقدار پر اس قدر بڑھائے جس میں اسراف نہ ہو اور کمی بھی نہ ہو یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر مد سے کم پانی میں اچھی طرح وضو کرے تو جائز ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور ایک مد کی مقدار وضو کے واسطے اس وقت ہے۔ جب استنجا کرنا نہ ہو اور استنجا بھی کرنا ہو تو ایک رطل سے استنجا کرے اور ایک مد سے وضو کرے اگر موزے پہنے ہوئے ہے اور استنجا کرنا بھی نہیں ہے تو وضو کے واسطے ایک رطل ہی کافی ہے اور یہ ساری مقادیر لازم نہیں ہیں اس لئے کہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں یہ شرح مبسوط میں لکھا ہے عورت اور مرد اگر ایک برتن سے غسل کریں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر جب ہوئے اور بغیر وضو کئے اپنی عورت سے قربت کرے تو مضائقہ نہیں اگر وضو کرے تو بہتر ہے اگر کھانے پینے کا ارادہ کر لے تو چاہئے کہ کلی کرے اور ہاتھ دھو لے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔

## بسر باب

### پانیوں کے بیان میں

اس میں دو فصلیں ہیں

## پہلی فصل

### ان چیزوں کے بیان میں جن سے وضو جائز ہے

تین طرح کے پانیوں سے وضو جائز ہے پہلے جاری پانی اور جاری پانی وہ ہے جس میں تزکابہ جائے یہ کنز اور خلاصہ میں لکھا ہے یہ ایسی حد ہے جس سے جاری پانی کے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوتی یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے بعض کا قول یہ ہے کہ جاری وہ پانی ہے جس کو لوگ جاری سمجھتے ہوں اور یہی اصح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے نصاب میں لکھا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ جب تک جاری پانی کا مزہ یا رنگ یا بونجاست کے ملنے سے نہ بدلے تب تک وہ نجس نہیں ہوتا یہ مضمورات میں لکھا ہے اگر جاری پانی میں کوئی نجس چیز ڈال دیں جیسے مردار اور شراب تو جب تک اس کا رنگ یا مزہ یا بدبو نہ بدلے گی تب تک وہ نجس نہ ہوگا یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اگر کتا کسی نہر کی چوڑائی روک لے اور اس کے اوپر سے پانی جاری ہو تو اگر جس قدر پانی اس کو لگتا ہے وہ کم ہے اس سے جو کتے سے بچا ہوا ہے تب تو اس کتے کے مقام سے نیچے کی طرف وضو جائز ہوگا اور اگر کم نہیں تو نہیں جائز ہوگا فقہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ میں نے اپنے مشائخ کو اسی قول پر پایا ہے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اور محیط میں بھی یہی اور تجنیس میں جو صاحب ہدایہ کی تصنیف ہے اسی کی تصحیح ہے یہ بحر الریق میں لکھا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایسے پانی سے وضو کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں جب تک اسکی تینوں صفتوں میں سے کوئی صفت نہ بدلے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اور نصاب میں لکھا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے اگر نہر نے اس کنارے سے

۱۔ ایک رطل تخمیناً چھتیس روپیہ کے وزن کے برابر ہوتا ہے ۱۲ ۲۔ لفظ جائز تو صحیح و خلال وغیرہ سب کو شامل ہے اور جس پانی سے وضو جائز ہے اس سے غسل بھی جائز ہے ۱۲ ۳۔ بدلیل قولہ علیہ السلام الماء طہور لا ینجس الا ما غیر لونہ و طعمہ اور ینجس یعنی پانی کوئی ہو وہ طہور ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی مگر وہی جو بگاڑ دے اس کے رنگ وغیرہ یا بو کو یعنی پانی میں خود بو نہیں تو جب خراب بدبو آئے تو بگڑ گئی ۱۲ ۴۔ اس مسئلہ سے ظاہر کیا گیا کہ مراد سے اکثر پانی

مانا نہ ملنا کیونکر ہوتا ہے ۱۲



اس کنارے تک مردار پڑا ہو اور وہ پانی کے کم ہونے کے وجہ سے نظر آتا ہو نہ صاف ہونے کی وجہ سے تو اس نہر کا اکثر پانی اس مردار سے ملتا ہے اگر اس نے نہر کا عرض روک لیا ہو اور اگر وہ مردار نظر نہیں آتا یا نصف سے کم عرض میں ہے تو اکثر پانی اس نہر کا اس مردار سے نہیں ملتا یہ محیط میں لکھا ہے اگر چھت پر نجاست پڑی تھی اور اس پر مینہ برسا اور پرنا لے میں سے پانی بہا اگر نجاست پرنا لے کے پاس تھی اور کل پانی یا اکثر پانی یا نصف پانی اس نجاست سے مل کر آتا ہے تو اس پرنا لے کا پانی نجس ہے ورنہ پاک ہے اور اگر نجاست چھت پر متفرق پڑی تھی اور پرنا لے کے سرے پر نہ تھی تو اس پرنا لے کا پانی نجس نہ ہوگا اور جاری پانی کے حکم میں ہوگا یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور بعض فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے ہمارے مشائخ کا یہ قول ہے کہ مینہ جب تک برس رہا ہے تب تک اس کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ اگر چھت پر نجاستوں سے ملے پھر کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا نجس نہیں ہوگا جب تک اس پانی میں تغیر نہ ہو چھت پر نجاست پڑی تھی مینہ برسا اور چھت پکی اور کپڑے پر پانی پڑا تو صحیح یہ ہے کہ اگر مینہ ابھی تک بند نہیں ہوا تو چھت کے سوراخ میں سے جو پانی گرا ہے وہ پاک ہے یہ محیط میں لکھا ہے عتابیہ میں ہے کہ یہ حکم جب ہے جب وہ پانی نجاست سے متغیر نہ ہو گیا ہو یہ تار خانہ میں لکھا ہے اور اگر مینہ کے تھم جانے کے بعد چھت کے سوراخ میں سے پانی ٹپکا تو وہ پانی نجس ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اور نوازل میں ہے کہ ہمارے متاخرین مشائخ نے کہا ہے کہ یہی مختار ہے یہ تار خانہ میں لکھا ہے نہر یا کاریز کے پانی میں اگر نجاست پڑی ہو اور نجاست کے قریب سے کوئی پانی لے تو جائز ہے اور وہ پانی پاک ہے بشرطیکہ اس کا مزہ یا رنگ یا بونہ بدلی ہو نہر کا پانی اگر اوپر سے بند ہو جائے تو اس کے جاری ہونے کا حکم نہیں بدلتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر مسافر کے ساتھ ایک بڑا پرنا لہ اور برتن پانی کا ہو اور پانی کی اس کو حاجت بھی ہو اور پانی ملنے کی امید بھی ہو مگر یقین نہ ہو تو شیخ ابوالحسن کا قول منقول ہے کہ وہ اپنے کسی رفیق کو یہ حکم کرے کہ پرنا لے ایک طرف سے ڈالے اور خود اس پرنا لے میں سے وضو کرے اور پرنا لے کی دوسری طرف ایک برتن رکھ دے تاکہ وہ پانی اس میں جمع ہو جائے تو وہ پانی جو اس برتن میں جمع ہوا ہے پاک اور پاک کرنے والا ہوگا اور یہی صحیح ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے کہ ایک چھوٹے حوض میں سے کسی نے نہر نکال کر پانی جاری کیا اور اس سے وضو کیا پھر یہ پانی کسی جگہ جمع ہو گیا وہاں سے ایک اور شخص نے نہر بنا کر پانی جاری کیا اور اس سے وضو کیا تو سب کا وضو جائز ہوگا اگر دونوں مکانوں میں کچھ مسافت ہو اگرچہ کم ہو اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ جب ایک گڑھے میں سے دوسرے گڑھے میں پانی جاتا ہو اور ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ کر کوئی وضو کرے یہ محیط میں لکھا ہے اگر بہت سے آدمی نہر کے کنارے پھینک باندھ کر بیٹھیں اور وضو کریں تو جائز ہوگا اور یہی صحیح ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔

اگر حوض چھوٹا ہو اور ایک طرف سے اس میں پانی آتا ہو اور دوسری طرف سے نکلتا ہو تو اس کے سب طرف وضو جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کچھ اس کی تفصیل نہیں کہ اگر وہ چار گز کا لمبا چار گز کا چوڑا ہو یا اس سے کم ہو تو جائز ہو اور جو زیادہ لمبا چوڑا ہو تو جائز نہ ہو یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اور یہی زاہدی اور معراج الدرایہ میں لکھا ہے چھوٹے حوض کا پانی نجس تھا اس میں ایک طرف سے پاک پانی داخل ہوا اور دوسری طرف سے حوض کا پانی بہنے لگا تو فقیہ ابو جعفر کا یہ قول ہے کہ جب دوسری طرف سے حوض کا پانی بہا اس وقت سے اس حوض کی طہارت کا حکم ہوگا اور اسی کو اختیار کیا ہے صدر الشہید علیہ الرحمۃ نے یہ محیط میں لکھا ہے اور نوازل میں لکھا ہے کہ اسی حکم کو ہم لیتے ہیں یہ تار خانہ میں لکھا ہے اور اگر دوسری طرف سے وہ حوض جاری نہیں ہوا مگر بلا توقف لوگ اس میں سے پانی نکال رہے ہیں تو بھی پاک ہوگا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور بلا توقف پانی نکالنے سے یہ مراد ہے کہ ایک مرتبہ پانی لینے سے دوسری مرتبہ پانی لینے تک پانی

۱۔ کاریز اس نہر کو کہتے ہیں جو زمین کے نیچے ہو ۱۲م

۲۔ بحر الرائق میں کہا کہ طہارت کا حکم اس وقت ہوگا جب کہ نکالنا پانی کا پاک پانی کے داخل ہونے کے وقت ہو کذا فی اللطحاوی ۱۲

کا ہلنا موقوف نہ ہو یہ زاہدی میں لکھا ہے حمام کے حوض کا پانی فقہاء کے نزدیک پاک ہے اگر اس میں کسی نجاست کا گرنا معلوم نہ ہو پس اگر کوئی شخص حوض میں ہاتھ ڈالے اور اس کے ہاتھ پر نجاست لگی ہو اگر پانی ٹھہرا ہوا ہو نل کے راستہ سے بھی اس میں کچھ نہ داخل ہوتا ہو اور نہ اس میں سے کوئی برتن سے پانی نکالتا ہو تو نجس ہو جائے گا اور اگر اس میں سے برتنوں سے پانی نکالا جاتا ہو اور نل کے راستہ سے اس حوض میں کچھ نہ آتا ہو یا اس کا الٹا ہو تو اکثر کا یہ قول ہے کہ وہ نجس ہو جائے گا اور اگر لوگ اس میں سے پانی اپنے برتنوں سے نکالتے ہوں اور نل کے راستہ سے بھی اس حوض میں پانی آتا ہو تو اکثر کے نزدیک نجس نہیں ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط میں لکھا ہے جاری پانی کا کوئی وصف جب نجاست سے بدل جائے اور اس کی نجاست کا حکم کیا جائے تو اب اس کی طہارت کا حکم نہ کیا جائے گا جب تک اور پاک پانی اس میں مل کر اس کے اوصاف کے تغیر کو دور نہ کر دے یہ محیط میں لکھا ہے دوسرا پانی جس سے وضو جائز ہے وہ بند پانی ہے جب کثیر ہو تو وہ جاری پانی کے حکم میں ہے ایک طرف نجاست پڑنے سے وہ سب نجس نہیں ہوتا لیکن جب رنگ یا مزہ یا بو بدل جائے تو نجس ہو جائے گا اسی پر سب علماء کا اتفاق ہے اور اسی کو تمام مشائخ نے لیا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اس میں جس مقام پر نجاست گرے اس کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ نجاست نظر آتی ہو تو موضع نجاست کے نجس ہو جانے پر اجماع ہے اور مقام نجاست سے بقدر ایک چھوٹے حوض کے ہٹ کر وضو کرنا چاہئے اور اگر نجاست نظر نہ آتی ہو تب بھی مشائخ عراق کے نزدیک یہی حکم ہے اور مشائخ بخارا کے نزدیک نجاست گرنے کے مقام سے وضو کرنا جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہ اصح ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور چھوٹے حوض کی مقدار چار گز لمبائی چار گز چوڑائی ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے یہ منقول ہے کہ اگر بڑے گڑھے میں پانی جمع ہو تو جاری پانی کے حکم میں ہے جب تک اس کے اوصاف نہ بدلیں گے تب تک نجس نہیں ہوگا اس میں کچھ تفصیل نہیں یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اور فرق قلیل پانی اور کثیر پانی میں یہ ہے کہ اگر بعضے پانی کا اثر بعضے میں پہنچے اس طور پر کہ ایک طرف کی نجاست کا اثر دوسری طرف پہنچے تو قلیل ہے اور نہ پہنچے تو کثیر ہے اور ابو سلیمان جوزجانی نے یہ کہا ہے کہ اگر دس گز لمبائی دس گز چوڑائی ہو تو ایک طرف کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچتا اور اسی کو لیا ہے عامہ مشائخ نے یہ محیط میں لکھا ہے اور گہرائی یہ معتبر ہے کہ چلو سے پانی لینے میں کھل نہ جائے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

اس مسئلے میں اعتبار کپڑے کے گز کا ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہدایہ میں لکھا ہے اور وہ گز عام رواج کا چھ مٹھیوں کا ہوتا ہے بمقدار چوبیس انگشت کے یہ تمین میں لکھا ہے اگر حوض مدور ہوگا تو از تالیس گز کا اعتبار ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر بڑے حوض میں بدبو ہو اگر نجاست نہ معلوم ہو تو اس سے وضو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ ایک بڑا گڑھا ہے گرمیوں میں اس میں پانی نہیں ہوتا اور جانور آدمی اس میں پانچنا پھرتے ہیں سردی کے موسم میں اس میں پانی بھر جاتا ہے اور اس پر برف بھی جمتا ہے پس جو پانی اس گڑھے میں داخل ہوتا ہے اگر نجس جگہ میں داخل ہوتا ہے تو پانی اور برف جو اس پر بندھ جاتا ہے نجس ہے اگرچہ بعد اس کے کثیر ہو جاتا ہو اور اگر پاک جگہ میں داخل ہوتا ہے اور وہاں ٹھہر کر بقدر درہ درہ کے ہو کر تب نجس جگہ میں پہنچتا ہے تب پانی اور برف دونوں پاک ہیں یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اگر بانس کے درختوں کی جڑ میں یا ایسے کھیت میں جس کے درخت گھنے آپس میں ملے ہوئے ہوں پانی جمع ہو تو اگر وہ درہ درہ ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور بانسوں کا باہم ملا ہونا پانی کے باہم ملے ہوئے ہونے کا مانع نہیں اگر ایسے حوض میں وضو کیا جس میں بالکل کائی جھی ہوئی ہے اگر وہ ہلانے سے ہل جائے تو اس میں وضو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کسی حوض پر برف جم گئی ہے اگر وہ ایسا پتلا ہے کہ پانی کے

ہلنے سے ٹوٹ جاتا ہے تو اس میں وضو جائز ہے اور اگر حوض پر برف جدا جدا ٹکڑے ٹکڑے ہو اگر اتنا بہت ہو کہ پانی ہلانے سے نہ بے  
تو اس میں وضو جائز نہیں اور اگر تھوڑا ہو اور پانی کے ہلانے سے بل جائے تو اس میں وضو جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر کسی بڑے حوض  
پر برف جم گئی اور کسی نے اس میں سوراخ کر لیا اگر سوراخ کے اندر کی طرف بھی وہ جما ہوا برف متصل ہے تو اس میں وضو جائز نہیں ورنہ  
جائز ہے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اگر پانی اس سوراخ میں نکال کر اس برف کے اوپر اس قدر پھیل گیا کہ اگر چلو سے پانی لو تو اس کے  
نیچے کا برف کھل نہیں جاتا تو اس میں وضو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اگر پانی سوراخ میں اس طرح ہے جیسے طشت میں پانی ہوتا ہے تو بھی  
وضو اس میں جائز نہیں لیکن اگر وہ سوراخ وہ درودہ ہوگا تو اس میں وضو جائز ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر پانی جانے کی نالی بنی  
ہوئی ہو اور اس کا پانی جم جائے تو اگر پانی نالی کے تختوں سے جدا ہوا اگرچہ کم ہو تو وہ حوض کے حکم میں ہے وضو اس سے جائز ہے اور اگر  
پانی نالی کے تختوں سے ملا ہوا ہے تو جائز نہیں ہے یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر اوپر سے حوض وہ درودہ سے کم ہو اور نیچے سے وہ  
درودہ سے کم ہو یا زیادہ ہو اور اوپر اس کے نجاست پڑی ہو اور اس حوض کے نجس ہونے کا حکم کیا جائے پھر اوپر سے پانی کم ہو کر وہاں  
تک پہنچ جائے کہ اب وہ حوض وہ درودہ ہو جائے تو اس میں وضو اور غسل جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر حوض وہ درودہ سے کم  
ہے اگر وہ حوض گہرا ہے پھر اس میں نجاست پڑ گئی اس کے بعد وہ حوض پھیل کر وہ درودہ ہو گیا تو وہ نجس ہوگا اور اگر حوض میں نجاست  
پڑی اور اس وقت وہ وہ درودہ تھا پھر اس کا پانی کم ہوا اور اب وہ حوض وہ درودہ سے کم ہو گیا تو وہ پاک ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے ایک  
گڑھے میں پانی بھرا ہوا تھا اور اس کی نجاست کا حکم کیا گیا تھا پھر اس کا پانی جذب ہو گیا اور وہ اندر سے خشک ہو گیا تو اسکی طہارت کا حکم  
کیا جائے گا اب اگر اس میں پانی دوبارہ آئے تو اس میں دو روایتیں ہیں اسح یہ ہے کہ اب اس کی نجاست نہ لوٹے گی یہ سرانج الوہابج  
میں لکھا ہے تیسرا پانی جس سے وضو جائز ہے وہ کنوؤں کا پانی ہے کنویں کا سب پانی جن چیزوں کے گرنے سے نکالا جاتا ہے وہ دو قسم  
ہیں اول وہ کہ جس گرنے سے پانی نکالنا واجب ہو اگر کنویں میں نجاست گرے تو اس کا پانی نکالنا چاہئے اور باجماع سلف وہ پانی نکالنا  
ہے اس کنویں کی طہارت ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اونٹ یا بکری کی مینگلیاں اگر کنویں میں گریں تو جب تک وہ بہت نہ ہوں تب تک  
کنواں نجس نہیں ہوتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ بہت وہ ہے جس کو دیکھنے والا بہت سمجھے اور کم وہ  
ہے جس کو دیکھنے والا کم سمجھے اسی پر اعتماد ہے یہ تبیین میں لکھا ہے بہت وہ ہیں کہ کوئی ڈول ان سے خالی نہ ہو اور جو ایسا نہ ہو تو کم ہیں یہی  
صحیح ہے یہ امام سرحسی کی شرح مبسوط اور نہایہ میں لکھا ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ثابت اور ٹوٹی اور تر خشک میں کچھ فرق  
نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اس حکم میں لید اور گوبر اور مینگنی میں کچھ فرق نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

اور جنگل اور شہر کے کنوؤں میں کچھ فرق نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ ضرورت کبھی شہر میں پڑتی ہے  
جیسے حماموں میں اور مسافر خانوں میں یہ محیط میں لکھا ہے اگر کنویں میں کوئی مکڑی یا کتیا آدمی مرے یا کوئی جانور پھول جائے یا پھٹے  
بڑا جانور ہو یا چھوٹا جانور تو سارا پانی نکالا جائے گا یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر اس کے بال گر جائیں تو بھی یہی حکم ہے یہ سرانج الوہابج میں  
لکھا ہے اگر بکری کے برابر کوئی جانور گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے تو صحیح ہے کہ اگر وہ نجس العین نہیں ہے اور اس کے بدن پر کوئی  
نجاست بھی نہیں اور اس کا منہ بھی پانی میں داخل نہیں ہوا تو نجس نہیں ہوگا اور اگر اس کا منہ پانی میں داخل ہوا تو اس کے جوٹھے کا حکم  
جاری ہوگا پس اگر جوٹھا اس کا پاک ہے تو پانی پاک ہے اور نجس ہے تو پانی نجس ہوگا اور کل نکالا جائے گا اور اگر جوٹھا اس کا مشکوک ہی تو

۱۔ اسی طرح اگر بکری نے دوھنے کے برتن میں مینگنی کر دی دوھنے کے وقت ایک یا دو مینگنیاں تو مشائخ نے کہا کہ مینگنی پھینک دی جائے اور دوہ پیا جائے

پانی بھی مشکوک ہوگا اور کل نکالا جائے گا اور اگر جوٹھا اس کا مکروہ ہے تو پانی مکروہ ہے اس کا نکالنا مستحب ہے۔ اور اگر وہ جانور نجس العین ہے جیسے سور تو پانی نجس ہو جائے گا اگر چہ منہ اس کا پانی میں داخل نہ ہوا ہو اور صحیح یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے جب تک اس کا منہ نہ داخل ہوا ہو پانی نجس نہیں ہوتا یہ تمین میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے ان سب جانوروں کا جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا جیسے درندے وحشی اور پرندہ اگر وہ زندہ نکل آیا اور منہ ان کا پانی میں نہ پہنچے تو صحیح یہ ہے کہ پانی نجس نہیں ہوتا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے مردہ کا غسل سے پہلے اور بعد نجس ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ مسلمان مردہ اگر کنویں میں گر جائے اگر قبل غسل کے گرے گا تو پانی خراب ہو جائے گا اور اگر بعد غسل کے گرے گا تو پانی خراب نہ ہوگا یہی مختار ہی یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ بچہ اگر پیدا ہوتے وقت رودے اور پھر مر جائے تو حکم اس کا بڑے آدمی کا سا ہے اگر غسل کے بعد کنویں میں گرے گا تو پانی خراب نہ ہوگا اور اگر نہ رودے تو اگر چہ کئی بار غسل دینے کے بعد کنویں میں گرے تب بھی پانی خراب ہو جائے گا اگر شہید تھوڑے پانی میں گرے تو پانی خراب نہ ہوگا اور اگر اس سے خون بہے گا تو پانی خراب ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ جب کنویں کا کل پانی نکالنا واجب ہو لیکن اس میں سوت جاری ہونے کے سبب سے کل پانی نہ نکل سکے تو دو سو ڈول نکالے جائیں یہ تمین میں لکھا ہے اور یہی آسان ہے یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے اور اسح یہ ہے کہ ایسے دو آدمیوں سے پوچھا جائے گا جن کو پانی کی مقدار میں نظر ہو اور جس قدر پانی وہ کنویں میں بتائیں اس قدر نکالا جائے اور یہی حکم فقہ کے موافق ہے یہ کافی میں ہے اور مبسوط میں جو امام سرخسی کی تصنیف ہے اور تمین میں لکھا ہے کہ اگر کوئی مرغی یا بلی یا کبوتر یا مثل ان کے اور جانور مر جائے لیکن نہ پھولے نہ پھٹے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جائیں گے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور یہی ظاہر تر ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا مر جائے اور مردہ نکلے لیکن پھولے نہیں تو اس کے نکالنے کے بعد بیس سے تیس ڈول تک نکالے جائیں گے یہ محیط میں لکھا ہے اور چوہے کے نکالنے سے پہلے جو پانی نکالا جائے اس کا اعتبار نہیں یہ تمین میں لکھا ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ چوہا کنویں کے اندر مرے یا کنویں کے باہر مرے پھر اس میں ڈال دیا جائے اور تمام حیوانات کا یہی حکم ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر چوہے کی دم کاٹ کر پانی میں ڈال دی جائے تو تمام پانی نکالا جائے گا اور اگر کتا کی جگہ موم لگایا جائے تو اس قدر پانی نکالنا واجب ہوگا جس قدر چوہے میں واجب ہوتا ہے یہ جوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے۔ اور اگر اس میں سو سار گر کر مر گیا تو ایک روایت میں بیس یا تیس ڈول نکالے جائیں گے۔ اگر سام ابرص کنویں میں گر کر مر جائے تو ظاہر روایت میں بیس ڈول نکالے جائیں گے اور مولہ چوہے کے حکم میں ہے اور درشان جو ایک جانور ہوتا ہے وہ بلی کے حکم میں ہے اور اس کے گرنے سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جائیں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور جو چوہے اور مرغی کے درمیان میں ہو وہ چوہے کے حکم میں ہے اور جو مرغی اور بکری کے بیچ میں ہو وہ مرغی کے حکم میں ہے یہی ظاہر روایت ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اس طرح ہمیشہ اس کا حکم چھوٹے جانور کا ہوتا ہے یہ جوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے۔

کنویں کے پاک ہونے سے ڈول اور رشتی اور چرخ اور کنویں کا گردا گرد اور ہاتھ بھی پاک ہو جاتا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر کنویں میں کوئی نجس لکڑی یا نجس کپڑے کا ٹکڑا گر پڑے اور اس کا نکالنا ممکن نہ ہو یا غائب ہو جائے تو اس کنویں کے پاک ہونے کے ساتھ وہ کپڑا اور لکڑی بھی پاک ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے کسی کنویں میں سے بیس ڈول نکالنا واجب تھے اس میں سے

۱۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ مثلاً چوہا بھاگانہ ہو بلی سے اور نہ بلی کتے سے اور نہ بکری درندہ سے اور اگر ہر ایک بھاگ کر کنویں میں گرا ہے تو سارا پانی نکالا جائے گا خواہ اس کا منہ داخل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو جوہرۃ ۱۲

۲۔ برخلاف جو ضوضور کے اس واسطے کہ اس کا تمام پانی بہا دیا جائے گا اور کنویں کا حکم خاص ہے ۱۲

پہلا ڈول نکال کر ایک کنویں میں ڈال دیا تو اس کنویں میں سے بھی بیس ڈول نکالے جائیں گے اور اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ دوسرا کنواں بھی اس قدر ڈولوں سے پاک ہوتا ہے جس قدر ڈولوں سے پہلا کنواں پاک ہوگا جس وقت اس میں سے وہ ڈول نکالا گیا تھا جو دوسرے کنویں میں ڈالا گیا اگر دوسرا ڈول ڈالا جائے گا تو انیس ڈول نکالے جائیں گے اگر دسواں ڈول ڈالا جائے گا تو ابو حفص کی روایت کے بموجب گیارہ ڈول نکالے جائیں گے اور یہی اصح ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اگر ایک کنویں میں سے چوہا نکال کر دوسرے کنویں میں ڈالا گیا اور پہلے کنویں میں سے بیس ڈول بھی نکال کر دوسرے کنویں میں ڈال دئے گئے تو اب دوسرے کنویں میں سے اس چوہے کو نکال کر بیس ڈول نکالنا واجب ہوئے جیسے پہلے کنویں کا حکم تھا یہ سراج الوہابج میں لکھا ہے۔ دو کنویں ایسے تھے کہ جن میں دونوں سے بیس ڈول نکالنا واجب تھے اور ایک میں سے بیس ڈول نکالے گئے اور دوسرے میں ڈالے گئے تب بھی اس میں سے وہی بیس نکالنا واجب ہوئے اور اگر ایک کنویں میں سے بیس ڈول نکالنا واجب تھے اور دوسرے میں سے چالیس ڈول نکالنا واجب تھے پس جس قدر ایک کنویں میں سے نکالنا واجب تھا وہ اس میں سے نکال کر دوسرے کنویں میں ڈالا گیا تو دوسرے میں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے اور اصل اس میں یہ ہے کہ پھر دیکھیں گے کہ جس کنویں میں سے پانی نکالا گیا اس میں سے کس قدر ڈول نکالنا واجب تھے اور جس میں وہ ڈالا گیا اس میں سے کس قدر ڈول نکالنا واجب تھے اور جس میں سے برابر ڈول نکالنا واجب تھے تو اس قدر ہیں گے اور ایک کے زیادہ تھے تو کم اس زیادہ میں داخل ہو جائیں گے اور اس طرح ہے یہ کہ اگر تین کنویں ہوں اور ہر ایک میں سے بیس ڈول نکالنا واجب ہوں اور دو کنویں میں سے جس قدر پانی نکالنا واجب تھا وہ نکال کر تیسرے کنویں میں ڈال دیا تو تیسرے کنویں میں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اور اگر اس میں ایک کنویں میں سے نکال کر بیس ڈول ڈالیں اور دوسرے میں نکال کر دس ڈول ڈالیں تو تیس ڈول نکالے جائیں گے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اور اگر ایک میں سے بیس ڈول نکالنا واجب ہوں اور دوسرے میں سے چالیس اور دونوں میں سے جس قدر پانی نکالنا واجب تھا وہ نکال کر تیسرے پاک کنویں میں ڈال دیا تو تیسرے میں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے اسی اصل کے بموجب جو ہم اول بیان کر چکے ہیں اور اگر ایک کنویں میں سے چالیس ڈول نکالنا واجب تھے اس میں ایک ڈول نکال کر اس کنویں میں ڈال دیا جس میں سے بیس ڈول نکالنا واجب تھے تو چالیس ڈول نکالے جائیں گے یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اور نوادر میں ہے کہ ایک چوہا ایک مٹکے میں مر گیا اور اس مٹکے کا پانی ایک کنویں میں ڈال دیا گیا تو امام محمد کا یہ قول ہے کہ اس کنویں کا اس قدر پانی نکالا جائے گا کہ اس مٹکے کے پانی سے جو اس میں ڈالا گیا ہے اور بیس ڈول سے زیادہ ہو یہی اصح ہے۔

سرحسی میں لکھا ہے۔ اور فتاویٰ میں ہے کہ اگر ایک قطرہ اس مٹکے کے پانی سے کنویں میں ڈال دیا جائے تو اس میں سے بیس ڈول نکالے جائیں گے یہ سراج الوہابج میں لکھا ہے۔ اور اگر چوہا مٹکے میں پھٹ جائے اور ایک قطرہ اس کے پانی میں سے کنویں میں سے بیس ڈول نکالے جائیں تو اس سے اور متوسط ڈول سے اور متوسط یعنی میانہ ڈول سے وہ ڈول مراد ہے جو اس کنویں کا ڈول یعنی جس ڈول سے اس کا پانی بھرا جاتا ہے پھر اگر اس کنویں کا کوئی ڈول مقرر نہ ہو تو اس ڈول کا اعتبار ہے جس میں ایک صاع پانی سائے صاع آٹھ رطل ہے اور لکھنو کے سیر سے تخمیناً تین سیر صاع ہوتا ہے اور اس کے سوائے یعنی جو ڈول کو صاع سے کم زیادہ ہو اس کا حساب کیا جائے صاع والے ڈول سے یعنی اگر بہت بڑا ڈول بیس ڈول کے برابر ہو تو ایک ہی ڈول کا نکالنا کفایت کرتا ہے ظاہر مذہب میں اور اگر نہایت چھوٹا ڈول ہو تو قدر واجب سے زیادہ حساب کے موافق نکالنا چاہئے اور کفایت کرتا ہے نکالنا اس قدر پانی کا جو کنویں میں موجود ہے اگر چہ ڈولوں کے شمار سے کم ہو یعنی مثلاً چالیس ڈول نکالنا واجب ہو اور کنویں میں فقط بیس ڈول پانی تھا تو اسی قدر کے نکالنے سے پاک ہو گیا یا نہر الفائق میں کہا گیا اگر اس کے بعد پانی زیادہ ہو گیا تو کچھ نکالنا واجب نہیں ۱۲

۲ مٹکا جس کا آدھا زمین میں گڑا ہو وہ کنویں کے حکم میں ہے علیٰ ہذا پانی مجتمع ہونے کے گدھے اور بڑی مٹھور سے کنویں کے مانند ڈول نکالے جائیں ۱۲ ع

ڈال دیا جائے تو اس کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا یہ خزانۃ المفتنیں میں لکھا ہے۔ اگر پانی کا کنواں نجاست کے بچھ کے قریب ہو تو وہ پاک ہے جب تک اس کا مزہ یا رنگ یا بدبو نہ بدلے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اس صورت میں کچھ گزوں کے فاصلہ کا اعتبار نہیں اگر نجاست کا کنواں دس گز کے فاصلہ پر ہو اور وہاں سے اثر اس کا پانی کے کنویں میں آئے تو پانی کا کنواں نجس ہو جائے گا اور اگر ایک گز کے فاصلہ پر ہو اور اثر نہ آئے تو پانی کا کنواں پاک ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر کنویں میں چوہا یا اور کوئی جانور ملا اور یہ نہ معلوم کہ کب گرا تھا اور پھولا بھی نہیں تو اگر اس کے پانی سے وضو کیا تھا تو ایک دن رات کی نماز لوٹا دیں گے اور جس چیز کو وہ پانی لگا تھا اس کو دھو دیں گے اور اگر پھول گیا تھا یا پھٹ گیا تھا تو تین دن رات کی نمازیں پھیریں گے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کسی نماز کو نہ پھیریں گے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کب گرا تھا یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور اس کے گرنے کا وقت معلوم ہو جائے تو اس پر اجماع ہے کہ اس وقت سے وضو اور نمازیں پھیریں گے اور اگر اسی پانی سے آٹا گوندھا گیا تھا تو استحسان یہ ہے کہ اگر وہ جانور جو کنویں سے نکلا پھٹا ہوا تھا تو تین دن سے جو آٹا اس کنویں کے پانی سے گوندھا ہے وہ نہ کھائیں گے اور اگر نہ پھٹا تھا تو ایک دن سے جو آٹا اس کنویں کے پانی سے گوندھا ہے وہ نہ کھائیں گے یہی قول اختیار کیا ہے امام ابوحنیفہ نے یہ محیط میں لکھا ہے۔ دوسرے وہ کہ جس میں پانی نکالنا مستحب ہے اگر کنویں میں چوہا گرا جائے تو بیس ڈول نکالنا مستحب ہے اور بلی اور مرغی میں جو چھوٹی پھرتی ہو چالیس ڈول نکالنا مستحب ہے اس لئے کہ ان جانوروں کا جوٹھا مکروہ ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ پانی گرنے والے جانور کے منہ تک پہنچتا ہے یہاں تک کہ اگر یقین ہو جائے کہ پانی ان حیوانات کے منہ تک نہیں پہنچا تو کچھ پانی نہ نکالا جائے گا۔ اور اگر مرغی چھوٹی نہ پھرتی تھی تو کچھ پانی نہ نکالا جائے یہ سارے مسائل ظاہر الروایت کے ہیں جہاں پانی نکالنا مستحب ہے وہ بیس ڈول سے کم نہیں اور اس طرف کو اشارہ کیا ہے امام محمد نے نوادر میں جو ابراہیم نے ان سے روایت کی ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اور مکروہ پانی سے دس ڈول نکالنا چاہیں یہ خلاصہ اور نہایت اور فتح القدیر میں لکھا ہے۔ اور بدائع میں فتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ اگر بکری گرے اور زندہ نکلے تو اطمینان قلب کے واسطے بیس ڈول نکالنا چاہیں نہ پاک کرنے کے واسطے یہاں تک کہ اگر نہ نکالے اور وضو کرے تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا (ف) ہے۔

## دوسری فصل

### ان چیزوں کے بیان میں جن سے وضو جائز نہیں

(۱) خر بوزہ اور گلڑی اور کھیرے اور گلاب کے پانی سے وضو جائز نہیں اور نہ کسی شربت سے اور سواس کے اور پتلی چیزوں سے جیسے سرکہ یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور نہ نمک کے پانی سے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور صابن کے پانی اور اشنان کے پانی سے وضو جائز نہیں اگر اس کا پتلا پن جاتا رہے اور بندھ جائے۔ اور اگر پتلا پن اور لطافت اس کی باقی رہے تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اس پانی سے بھی وضو جائز نہیں جو انگور کے درختوں سے نکلے یہ کافی اور محیط اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی اوجہ

۱۔ اشنان ایک مشہور دوا ہے جو خارش وغیرہ کو فائدہ کرتی ہے ۱۲ (ف) چند فروع۔ (۱) خمر شراب کسی برتن میں پڑی وہ ایک برتن میں کر کے سرکہ کر ڈالی گئی تو یا کر ہو گئی (۲) ایک ٹل سے پانی حوض میں گرتا ہے اور لوگ لگا تار اس سے چلو بھر بھر لیتے ہیں تو مانند آب جاری کے نجس ہوگا۔ (۳) تھوک یا ناک کا ریٹ پانی کے برتن میں پڑ گیا تو اس سے وضو جائز ہے۔ (۴) تھوڑا پانی اور دونوں ہاتھوں پر نجاست ہے اور وضو نہیں ہے تو منہ سے پانی لے کر ہاتھ دھولے بدون اس کے کہ منہ کے دھل جانے کی نیت ہو ۱۲ ع (۱) خر بوزہ و تر بوزہ میں سوراخ کرنے سے جو پانی نکلے وہ بمنزلہ نچوڑنے کے دستکاری کے ساتھ

ہے تو اس سے جواز نہ ہوگا ۱۲

ہے یہ بحر الرائق اور شہر الفائق میں لکھا ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو ابراہیم حلبی کی تصنیف ہے۔ اگر پانی میں خزاں کے موسم میں پتوں کے گرنے سے اس کا مزہ یا رنگ یا بو بدل جائے تو ہمارے عامہ اصحاب کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اور زعفران اور زروج اور کسم کے پانی سے وضو جائز ہے اگر پتلا ہو اور پانی غالب ہو۔ اور اگر سرخی غالب ہو اور گاڑھا ہو جائے تو اس سے وضو جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر پھٹکری یا عفص پانی میں ڈالا جائے تو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ لکھنے میں اس کے نقش ظاہر نہ ہوں اور اگر ظاہر ہوں گے تو نہیں جائز ہوگا یہ بحر الرائق میں تجنیس سے نقل کیا ہے اور اگر نر پانی یا مٹی یا بالو یا گچ یا چونے کے ملنے سے یا بہت دنوں رکا رہنے سے متغیر ہو جائے تو اس سے وضو جائز ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور اگر سیل کے پانی سے وضو کرے تو جائز ہے اگرچہ اس میں بالو ملا ہو جبکہ پانی غالب ہو اور پتلا ہو بیٹھا پانی ہو یا کھاری پانی اور اگر بندھ جائے جیسے گیلی مٹی تو اس سے وضو جائز نہیں اور اس طرح وضو اس پانی سے جائز ہے جس میں چنے یا باقلا بھگوئے جائیں اور اس کا رنگ اور مزہ بدل جائے لیکن اس کا پتلا پن نہ جاتا رہے اگر اس میں چنے یا باقلا بھگوئے جائیں اور باقلا کی بو آجائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر پانی میں ایسی چیز پکائی جائے جس سے اس کا ستھرا کرنا مقصود ہو جائے اشنان اور صابوں تو بالا جماع اس سے وضو جائز ہے لیکن جب وہ بستہ ہو جائے گا تو نہیں جائز ہوگا یہ محیط میں سرحی میں لکھا ہے اگر روٹی پانی میں بھگوئی جائے اور پانی کا پتلا پن باقی رہے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر بستہ ہو جائے تو جائز نہیں یہ فتاویٰ خان میں لکھا ہے نرے پانی میں جب اور پاک بہتی ہوئی چیزیں ملیں جیسے سرکہ اور دودھ اور منقے کا زلال اور شل اس کے اور کچھ اس طرح مل جائے کہ اب اس کا نام پانی نہ رہے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے پھر اس بات کو دیکھیں گے کہ اگر جو چیز پانی میں ملی ہے اس کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہے۔ جیسے دودھ اور کسم کا پانی اور زعفران وغیرہ۔

غلبہ کا اعتبار رنگ سے کیا جائے گا اور اگر وہ رنگ میں مخالف نہیں اور مزہ میں مخالف ہے جیسے سپید انگور کا انشرہ اور اس کا سرکہ تو مزے کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر رنگ اور مزے دونوں میں مخالفت نہیں تو دیکھا جائے گا کہ مقدار میں کون زیادہ ہے اور اگر مقدار میں بھی دونوں برابر ہوں تو اس کا حکم ظاہر روایت میں مذکور نہیں فقہانے کہا ہے کہ احتیاط اس پانی کو بمقابلہ دوسری چیز کے مغلوب سمجھیں گے یہ بدائع میں لکھا ہے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول ہے کہ نبیذ<sup>۱</sup> تمر سے یعنی اس پانی سے جس میں چھوڑے بھگوئے گئے ہوں وضو کرے اور اس کے ہوتے ہوئے تمیم نہ کرے یہ جامع صغیر میں ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اس طرح اکثر متون میں اور کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ نبیذ تمر سے وضو کرے اور اس کے ساتھ تمیم بھی کرے تو میرے نزدیک بہتر ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تمیم کرے اور نبیذ تمر سے کسی حالت میں وضو نہ کرے اور امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ احتیاطاً وضو اور تمیم دونوں کو جمع کرے ان دونوں میں سے اگر ایک کو بھی چھوڑے گا تو جائز نہیں اور دونوں میں کسی کو مقدم کرے اور کس کو موخر کرے تو جائز ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اسد بن نجم اور نوح بن ابی مریم اور حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی طرف رجوع کیا اور صحیح یہی آخر قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے موافق قول ابو یوسفؒ کے یہ شرح جامع صغیر میں لکھا ہے جو امام قاضی خان کی تصنیف ہے اور فتویٰ ابو یوسفؒ کے قول پر ہے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب وہ بیٹھا ہو اور مائل بہ ترشی ہو لیکن جب اس میں جوش آجائے یا وہ سخت ہو جائے یا اس پر جھاگ آجائے تو اس سے بالاتفاق وضو

۱۔ دوسری صورت پکانے کی یہ کہ ستھرا کرنا مقصود نہ ہو چنانچہ شور بہ بہ اختلاط مانع طہارت ہے اگرچہ وہ سیال اور رقیق ہو ۱۲

۲۔ شربت خرما سے وضو جائز نہ ہونا امام ابو حنیفہؒ کا پچھلا قول ہے انخانہ ۱۲

جائز نہیں اس لئے کہ اس میں نشہ ہوگا یہ بیان اس کا ہے اگر وہ کچا ہو یہ شرح نووی میں لکھا ہے اگر تھوڑا سا پکا یا جائے تو اس سے وضو جائز ہے خواہ میٹھا ہو تلخ ہو خواہ نشہ لانے والا ہو اور اصح ہے یہ یعنی شرح ہدایہ میں مفید اور مزید سے نقل کیا ہے ابو طاہر دباس نے کہا ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں اور یہی اصح ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور مفید اور مزید میں مذکور ہے کہ اگر پانی میں چند چھوڑے ڈال دیئے جائیں اور وہ میٹھا ہو جائے لیکن پانی کا نام اس پر سے جاتا نہ رہے اور وہ پتلا بھی ہو تو اس سے وضو جائز ہے اس میں ہمارے اصحاب کا خلاف نہیں یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اس کے سوا اور چیزوں کے زلال سے وضو جائز نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اس طرح جب زلال چھانج کی طرح گاڑھا ہو جائے تو اس سے وضو جائز ہے یہ شرح مبسوط میں لکا ہے۔ نبیذ سے غسل کرنے میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ اس سے وضو جائز اور یہی کافی اور فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اور مفید میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اس سے نہانا جائز نہیں اس لئے کہ دونوں ناپاکیوں میں بے غسل ہونے کی ناپاکی بڑھ کے ہے اور ضرورت غسل کی بہ نسبت وضو کے کم ہوتی ہے پس غسل کا وضو پر قیاس نہیں ہو سکتا یہ تمیین میں لکھا ہے اور جامع صغیر حسامی میں ہے کہ یہی اصح ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔

اور نبیذ تمر سے اگر وضو یا غسل کرے تو اس میں نیت شرط ہے جیسے تمیم میں نیت شرط ہوتی ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر پانی پانی موجود ہو تو اس سے وضو جائز نہیں اور اگر (۱) اس سے وضو کیا پھر ناپاکی مل گیا تو وضو ٹوٹ گیا یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے۔ اگر مکروہ پانی پر قادر ہو تو نبیذ تمر سے وضو کرے اور اگر مشکوک پانی پر اور نبیذ تمر پر اور مٹی پر قادر ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نبیذ تمر سے وضو کرے اور سے نہ کرے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشکوک پانی سے وضو کرے اور تمیم کر لے اور نبیذ تمر سے وضو نہ کرے اور امام محمد کے نزدیک تینوں کو جمع کرے ایک کو بھی چھوڑے گا تو جائز نہیں اور آگے پیچھے ہونا ان کا برابر ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے ہمارے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ مستعمل پانی پاک کرنے والا نہیں اور اس سے وضو جائز نہیں اور اس کے پاک ہونے میں اختلاف ہے امام محمد کا قول ہے کہ وہ پاک ہے اور یہی روایت ہے امام ابو حنیفہ سے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ جس پانی سے حدث دور کیا جائے یا وہ عبادت کے لئے صرف کیا جائے تو صحیح یہ ہے کہ جس وقت وہ عضو سے جدا ہوا مستعمل ہے ہو گیا یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ برابر ہے کہ چھوٹا حدث ہو یا بڑا ہو یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر دونوں بازو دھوئے اور کسی آدمی نے ان کے نیچے ہاتھ لے جا کر اس پانی سے دھویا تو یا جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر بے وضو نے یا جب نے یا حیض والی عورت نے جو پاک ہو چکی ہے پانی لینے کے لئے اپنا ہاتھ پانی میں داخل کیا تو ضرورت کی وجہ سے وہ پانی مستعمل نہیں ہوگا یہ تمیین میں لکھا ہے۔ اور اس طرح اگر مٹکے میں کوزہ گر گیا اور اس کے نکالنے کے لئے کہنی تک ہاتھ اس میں ڈالا تو بھی مستعمل نہیں ہوگا لیکن اگر ٹھنڈا کرنے کے لئے ہاتھ یا پاؤں برتن میں ڈالا تو وہ پانی مستعمل ہو جائے گا ضرورت ن ہونے کے سبب سے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور امام ابو یوسف سے یہ روایت مشہور ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کے لئے پورے عضو کا داخل ہونا ضروری ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ ایک انگلی یا دو انگلیوں کے داخل ہونے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا اور ہتھیلی کے داخل ہونے سے مستعمل ہو جاتا ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر جب ڈول کے ڈھونڈھنے کے لئے کنویں میں غوطہ لگا دے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی جنابت اس

۱۔ آب مستعمل کا پینا اور اس سے کھانا بوجہ تفریح کے مکروہ تنزیہی ہے مگر اس سے دوبارہ وضو بالاتفاق نہیں جائز ہے ۱۲

۲۔ جنابت بے وضو ہونے یا بے غسل ہونے کو کہتے ہیں ۱۲ ۳۔ مشائخ عراق نے کہا کہ مستعمل پانی بالا طاہر ہے یہی صحیح ہے اور یہی مختار ہے ۱۲۔ ع۔ ذ

(۱) یعنی نبیذ تمر سے ۱۲



طرح باقی رہتی ہے اور پانی بھی اپنی حالت پر رہتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں پاک ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں نجس ہیں اور ایک یہ ہے کہ آدمی پاک ہو جاتا ہے اس لئے کہ پانی بدن سے جدا ہونے سے پہلے مستعمل نہیں ہوتا اور یہ روایت زیادہ موافق ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی ہے تیمین میں اور اگر نماز کے لئے نہانے کو غوطہ لگایا تو بالاتفاق پانی خراب ہو جائے گا یہ نہانے میں لکھا ہے۔ اگر حیض والی عورت کنویں میں گر جائے اگر خون بند ہونے کے بعد گری ہے اور اب اس کے اعضاء پر نجاست بھی نہیں تو اس کا حکم مثل جب کے ہے اور اگر خون بند ہونے سے پہلے گری ہے تو وہ مثل پاک شخص کے ہے اس لئے کہ اس گرنے کے سبب سے وہ حیض سے نکل نہ جائے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور یہی لکھا ہے فتاویٰ قاضی خان میں۔ اگر اعضاء وضو کے سوا اور کسی کو دھوئے جیسے ران کو یا پہلو کو تو اس صحیح یہ ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا اور اگر اعضاء وضو کو دھوئے گا تو مستعمل ہو جائے گا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

اور اگر منڈانے کے لئے سر کو بھگو یا اور وہ با وضو تھا تو وہ پانی مستعمل نہ ہوگا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر کسی پاک شخص نے مٹی یا آٹا یا میل چھوڑانے کے لئے وضو کیا یا پاک شخص ٹھنڈا ہونے کے واسطے نہایا تو پانی مستعمل نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ بے وضو اگر ٹھنڈا ہونے کے واسطے یا دوسرے کو سکھانے کے واسطے وضو کرے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہو گیا اور امام محمدؒ کے نزدیک مستعمل نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ جامع صغیر حسامی میں ہے کہ لڑکے کے وضو کرنے سے بھی آیا پانی مستعمل ہو جاتا ہے مختار یہ ہے کہ اگر لڑکا سمجھ والا ہے تو پانی مستعمل ہو جاتا ہے ورنہ مستعمل نہیں ہوتا یہ مضمرات میں لکھا ہے۔ اگر کھانا کھانے کے واسطے یا کھانا کھا کر ہاتھ دھوئے تو پانی مستعمل ہو جاتا ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر عورت نے اور کے بال اپنے بالوں میں ملائے تھے پھر ملائے ہوئے بال دھوئے تو پانی مستعمل نہ ہوگا۔ یہ سراج الوہاب اور ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر مقتول کا سر دھویا جو اس کے بدن سے جدا ہو گیا تھا تو پانی مستعمل ہو جائے گا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر جب نے غسل کیا اور کچھ پانی اس کے غسل کا اس کے برتن میں ٹپک گیا تو برتن کا پانی خراب نہ ہوگا لیکن اگر پانی اس کے برتن پر خوب بہ کر برتن میں پہنچا تو خراب ہو جائے گا اور اس طرح حمام کا حوض بھی امام محمدؒ کے قول کے بموجب خراب نہیں ہوتا جب تک کہ مستعمل پانی اس پر غالب نہ ہو جائے یعنی پاک کرنے کی صفت اس میں سے نہیں کھوتا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ میت کے دھونے سے جو پانی بہے وہ نجس ہے امام محمدؒ نے اصل میں اس کو مطلقاً بیان کیا اور اس صحیح یہ ہے کہ اگر اسکے بدن پر نجاست نہیں ہے تو پانی مستعمل نہ ہوگا مگر امام محمدؒ نے اس کو مطلقاً اس واسطے کہا ہے کہ میت اکثر نجاست سے خالی نہیں ہوتی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر سر کہ سے یا گلاب کے پانی سے وضو کیا تو سب کا یہ قول ہے کہ وہ مستعمل نہیں ہوتا یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے۔ مستعمل پانی اگر کنویں میں گر جائے تو اس کو خراب نہیں کرتا مگر جب اس پر غالب ہو جائے تو خراب کرتا ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور انھیں مسائل سے ملتے ہوئے یہ مسئلے ہیں ہر شے کے پسینے میں آسکے جو ٹھٹھے کا اعتبار کیا جاتا ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ گدھے اور خچر کا پسینہ یا العاب اگر تھوڑے پانی میں گرے گا تو اس کو خراب کرے گا اگر چہ تھوڑا گرے یہ محیط میں لکھا ہے کپڑے کو اگر چہ بہت سا لگ جائے تو بھی ظاہر روایت میں جو از صلوة سے مانع نہیں یہ خزانۃ المفتیین میں لکھا ہے۔ جوٹھا آدمی کا پاک ہے اور اسی حکم میں شامل ہے جب اور حیض والی عورت اور نفاس والی عورت اور کافر مگر شراب پینے والا اور جس کے منہ میں سے خون نکلتا ہو اگر وہ اس وقت پانی میں تو ان کا جوٹھا نجس ہوگا اور اگر کئی بار تھوک نکلیں تو صحیح قول کے

۱۔ مطلق یعنی یہ قید نہیں لگائی کہ میت پر نجاست ہو ۱۲

۲۔ اور قاضی خان میں ہے کہ اگر وضو کا پانی کنوئیں میں ڈالو تو امام محمدؒ کے قول پر اس میں سے بیس ڈول نکالے ۱۲

ہو جب منہ پاک ہو جائے گا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر شراب پینے والے کی مونچھیں لمبی لمبی ہوں تو پانی نجس ہو جائے گا اگر چہ ایک ساعت کے بعد پانی پے یہ تا تا خانہ میں جتہ سے نقل کیا ہے عورت کا جوٹھا اجنبی مرد کو جیسے اجنبی مرد کا جوٹھا عورت کو مکروہ ہے لیکن وہ ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ لذت پانے کی وجہ سے ہے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اور اسح یہ ہے کہ گھوڑے کا جوٹھا بالا جماع پاک ہے یہ زہدی میں لکھا ہے اس طرح جوٹھا ان چرند اور پرند جانوروں کا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے مگر چھوٹی ہوئی مرغی اور اونٹ اور بیل جو نجاست کھاتے ہوں ان کا جوٹھا مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر مرغی اس طرح قید ہو کہ اس کی چونچ اس کے پاؤں کے نیچے نہ پہنچتی ہو تو مکروہ نہیں اور اگر پہنچتی ہو تو چھوٹی ہوئی مرغی کے حکم میں ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور جوٹھا ان جانوروں کا جن کا خون بہتا نہیں ہے پانی میں رہتے ہوں یا سوا ان کے ہوں پاک ہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور جو کپڑے گھروں میں رہتے ہوں جیسے ساپ اور چوہا اور بلی ان کا جوٹھا مکروہ تنزیہی ہے یہی اسح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور مکروہ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں بلی چائے اور وہ اس کے دھونے سے قبل نماز پڑھے اور مکروہ ہے کہ بلی کا جوٹھا کھانا کھائے یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہ مالدار کے لئے مکروہ ہے اس لئے کہ وہ اور کھانا بدل سکتا ہے لیکن فقیر کے لئے ضرورت کی وجہ سے مکروہ نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر بلی نے چوہا کھایا اور اس وقت پانی پیا تو وہ پانی نجس ہو جائے گا اور اگر ایک دو ساعت ٹھہر کر پیا تو نجس نہیں ہوگا یہ صحیح ہے یہی ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ ورنہ دوں پرندوں کا جوٹھا مکروہ ہے اور امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ اگر وہ اس طرح قید ہوں کہ ان کا مالک جانتا ہو کہ ان کی چونچ پر کوئی نجاست نہیں تو مکروہ نہیں اور اسی روایت کو مشائخ نے مستحسن سمجھا ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اس طرح ان پرند جانوروں کا جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا پاک اور مکروہ ہے بطور استحسان کے یہ مبسوط میں لکھا ہے۔ اگر اچھے پانی کے ہوتے ہوئے مکروہ پانی سے وضو کرے تو مکروہ ہے اور اچھا پانی نہ ہو تو مکروہ نہیں یہ اختیار شرع میں لکھا ہے۔ کتے اور سور اور درندے اور چوہا یوں کا جوٹھا نجس ہے یہ کنز میں لکھا ہے۔ پانی کے منکے سے پانی ٹپکتا ہو پس اگر کتا اس منکے کو چائے تو وہ پانی جو اس منکے میں ہے پاک ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے کتے کے چائے سے برتن تین بار دھوئے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ نچر اور گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور شک اس میں ہے کہ وہ اور کو بھی پاک کرتا ہے یا نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی قول ہے جمہور کا اور یہ کافی میں لکھا ہے اگر ان دونوں کے سوا اور پانی نہیں تو دونوں سے وضو کرے اور تیمم کرے اور ان دونوں میں سے جس کو مقدم کرے گا جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور دونوں میں سے ایک پر اکتفا جائز نہیں یہ خزانة المفتیین میں لکھا ہے اور ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ وضو کو مقدم کرے اور دھودے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر گدھے کے جوٹھے پانی سے وضو کرتا ہے تو وضو کی نیت میں اختلاف ہے اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ نیت کر لے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے۔ اگر گدھے کا جوٹھا پانی میں گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے جب تک کہ اس پر غالب نہ ہو جائے جیسے مستعمل پانی کا حکم ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے چرگادڑ کے پیشاب اور بیٹ سے پانی اور کپڑا خراب نہیں ہوتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جس میں خون جاری نہیں وہ پانی میں مر جائے تو پانی نجس نہیں ہوتا جیسے مچھر اور مکھی اور بھڑ اور بچھو وغیرہ اور پانی کے جانوروں کے پانی میں مرنے سے بھی پانی خراب نہیں ہوتا جیسے مچھلی اور مینڈک اور کیچا۔ اور پانی کے سوا اور چیز میں مرے تو بعض کا قول یہ ہے کہ مچھلی کے سوا اور چیز کے مرنے سے خراب ہو جاتی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ خراب نہیں ہوتی اور یہی صحیح ہے دریائی مینڈک اور زمین کے مینڈک برابر ہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے ابوالقاسم الصفاء نے کہا ہے کہ یہی قول ہم اختیار کرتے ہیں یہ

۱۔ بدلیل حدیث یغسل الاماء من ونوع الکلب ثلاثا یعنی کتے کے منڈالنے سے برتن تین مرتبہ دھویا جائے اور ابو ہریرہ نے سات مرتبہ دھونے کی

مضمورات میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس میں فرق نہیں کہ پانی میں مرے یا باہر مرے پھر پانی میں ڈال دیں یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر پھول جائے تو تب یہی حکم ہے مگر وہ پانی پینا مکروہ ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے اجزا پانی میں مل جاتے ہیں اور اس کا کھانا جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور پانی کے وہ جانور ہیں جن کی پیدائش اور رہنے کی جگہ پانی ہو اور ان سے جدا ہیں وہ جانور جو پانی میں رہیں مگر پانی میں پیدا نہ ہوں ان سے پانی خراب ہو جاتا ہے۔ یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اگر غبار نجس پانی میں گر جائے تو اس کا اعتبار نہیں مٹی کا اعتبار ہے یہ قتیہ میں لکھا ہے اگر لکڑی میں نجاست یا گوبر لگ جائے اور جل کر راکھ ہو جائے اور تھوڑے پانی میں گر جائے تو امام محمد کے نزدیک پانی خراب نہ ہوگا اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے۔ مردار کے بال اور ہڈی پاک ہے اور اسی حکم میں ہے پٹھا اور کھر اور سم اور چراہوا سم اور سینگ اور پشم اور اون اور پر اور دانت اور چونچ اور ناخن اور اسی حکم میں ہے آدمی کے بال اور ہڈی اور یہی صحیح ہے یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے یہ جب ہے کہ بال منڈے ہوئے ہوں یا کٹے ہوئے ہوں لیکن اگر اکھرے ہوئے ہوں تو نجس ہوں گے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اور چست مردہ جانور کا اور دودھ جو اس کے تھن میں ہو اور باہر نکلے ہوئے انڈے کا چھلکا اور بچہ جو ماں کے پیٹ سے گر گیا ہو اور ابھی تر ہو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پاک ہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور مشک کا نافہ اگر ایسا ہو کہ پانی پہنچنے سے خراب نہ ہو تو پاک ہے اور اصح یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں پاک ہے اور ذبح کئے ہوئے جانور کا بھی بالاتفاق پاک ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ خنزیر کے تمام اجزا نجس ہیں یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے اگر مردار کی ہڈی کنویں میں گر جائے اور اس پر گوشت یا چکنائی لگی ہو تو نجس ہو جائے گا ورنہ نجس نہ ہوگا یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے۔ اگر آدمی کا چمڑا یا اس کا چھلکا پانی میں گرے اگر وہ تھوڑا ہو جیسے پاؤں کے شگافوں میں سے اترتا ہے مثل اس کے ہو تو اس سے پانی خراب نہیں ہوتا اور اگر بہت ہو یعنی ناخن کے برابر ہو تو پانی خراب ہو جاتا ہے اور ناخن کے گرنے سے پانی خراب نہیں ہوتا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ جس چیز کی حقیقی و باغث کی جائے دو اڈوں سے یا حکمی و باغث کی جائے یعنی مٹی لگا کر یا دھوپ میں سکھا کر یا ہوا میں ڈال کر تو پاک ہو جائے گا تو اس پر نماز اور وضو اس کے ڈول سے جائز ہوگا مگر آدمی اور سور کے چمڑے کا یہ حکم نہیں ہے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے و باغث حقیقی کے بعد اگر چمڑے کو پانی لگے تو پھر نجس نہیں ہو جاتا اور باغث حکمیہ کے بعد بھی اظہر یہی ہے کہ پھر نجس نہیں ہوتا یہ مضمورات میں لکھا ہے۔ اور جس کا چمڑا باغث سے پاک ہو جاتا ہے اس کا چمڑا ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے اور اس طرح خون کے سوا تمام اجزا ذبح سے پاک ہو جاتے ہیں یہی مذہب صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے وہ کوزے جو گھر میں ادھر ادھر اس لئے رکھ دیتے ہیں کہ منکوں کا پانی ان سے نکالیں تو اس سے پانی پینا اور وضو کرنا بھی جائز ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ اس پر نجاست لگی ہے۔ چوہا بلی سے بھاگ کر پانی کے پیالے پر ہو کر گذرے تو نجس الائمہ حلوائی نے یہ ذکر کیا کہ اگر بلی نے اسکو زخمی کر دیا تھا تو پیالہ نجس ہو جائے گا ورنہ نجس نہیں ہوگا اور شرح طحاوی میں لکھا ہے کہ ہر صورت میں نجس ہوگا اسلئے کہ وہ بلی کے خوف سے اکثر پیشاب کر دیتا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور

۱ اور چمڑے کے مانند باغث قبول کرنے میں مشانہ اور اوجھی ہے چنانچہ فتح القدر میں ہے کہ امام محمد سے مروی ہے کہ اگر مردار بکری کے مشانہ کو باغث دے دیا تو پاک ہے ۱۲ جلد آخر پر تو باغث سے پاک نہیں ہوتی ہے اور آدمی کی کھال کو باغث و عدم باغث میں دخل نہیں بلکہ وہ بوجہ مکرم و احترام کے باغث نہیں کی جاتی ہے حتیٰ کہ عالیہ البیان میں ہے کہ اگر آدمی کی کھال باغث کی گئی تو پاک ہوگئی لیکن اس سے انتفاع بوجہ احترام کے نہیں جائز ہے جیسے آدمی کے اجزاء سے انتفاع نہیں جائز ہے کمافی الحیظ والبدائع در مختار میں کہا کہ بعضوں کے نزدیک سوار اور آدمی کی کھال پاک نہیں ہوتی اس واسطے کہ پرت پرت ہونے سے باغث پذیر نہیں ۱۳ بشرطیکہ یہ ذکوۃ ایسے شخص سے جو ائق ذبح ہے پس مجوسی کا ذبح کرنا اس کو پاک نہ کرے گا اور ذبح کرنا اپنے محل میں ہو جہاں ذبح کرنا چاہئے اسی جگہ سے ذبح کیا ہو طبر جمع ۳۱۲ (۴) لیکن نہر الفائق میں مجتبیٰ سے منقول ہے کہ فتویٰ اس کے خلاف ہے یعنی نجس ہوگا کیونکہ اس کے پیشاب کر دینے میں شک ہے اور

آدمی کو ایسے حوض سے وضو جائز ہے جس میں یہ خوف ہو کہ شاید اس میں نجاست پڑی ہو مگر یقین نہ ہو اور اس پر یہ واجب نہیں کہ اس کا حال پوچھے اور جب تک اس میں نجاست کا یقین نہ ہو اس سے وضو نہ چھوڑے اس لئے کہ اثر سے بھی ثابت ہوا ہے۔ یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر اس کو نجس سمجھتا تھا اور اس سے وضو کر لیا پھر معلوم ہوا کہ وہ پاک تھا تو اس سے وضو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ درندہ جانور تھوڑے سے پانی پر ہو کے گذرا اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس نے پانی پیا ہے تو نجس ہو جائے گا ورنہ نجس نہ ہوگا یہ بحر الرائق میں مبتنی سے نقل کیا ہے فتاویٰ عتایہ میں لکھا ہے کہ اگر جنگل میں تھوڑا پانی پایا تو اس سے لے کر وضو کرنا جائز ہے اور اگر اس کا ہاتھ نجس ہو اور اس کے ساتھ کوئی چیز بھی نہیں جس سے پانی اس میں سے نکالے تو اپنا رومال پانی میں ڈال دے اور رومال سے پانی ہاتھ پر گرے گا تو ہاتھ پاک ہو جائے گا اور اگر اس پانی کے کنارے پر علامت کتے کے داخل ہونے کی پائی اگر وہ پانی سے اس قدر قریب ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ کتا یہاں سے پانی پی سکتا ہے تو وضو نہ کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس سے وضو کر لے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اگر لڑکے اور گاؤں والے ڈول اور رستی پر ہاتھ لگاتے ہوں تو ڈول اور رسی پاک ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے جب تک نجاست کا یقین نہ ہو یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اگر لڑکے نے اپنا ہاتھ پاؤں پانی کے کوزے میں ڈال دیا اگر چاہتا ہے کہ ہاتھ اس کا یقیناً پاک ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر اس کا پاک یا ناپاک ہونا نہیں جانتا تو مستحب یہ ہے کہ اور پانی سے وضو کرے اور باوجود اس کے اگر اس سے وضو کر لے گا تو جائز ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے پاؤں دھو کر اس پانی میں داخل ہوا جو حمام کے صحن میں گرا ہوا ہے اور پھر باہر نکلا پس اگر اس حمام میں کسی جب کا نہانا نہیں معلوم ہو تو جائز ہے اگرچہ پھر پاؤں نہ دھوئے اور اگر اس میں کسی جب کا نہانا معلوم ہو تو امام محمد کی روایت کے بموجب پاؤں دھونا لازم نہیں اور یہی ظاہر ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر اپنے اعضاء رومال سے پوچھے اور رومال خوب بھیگ گیا گویا اس کے اعضاء سے کسی کپڑے پر بہت زیادہ پانی ٹپکا تو اس کپڑے کے ساتھ نماز جائز ہے اس لئے کہ مستعمل پانی امام محمد کے نزدیک پاک ہے اور وہی مختار ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ نجس ہے لیکن اس موقع پر ضرورت کی وجہ سے اس کی نجاست کا اعتبار ساقط ہو جائے گا یہ بدائع میں لکھا ہے۔ مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور جامع الجوامع میں ہے کہ تھوڑا پانی نجاست کے پڑنے سے نجس ہو جائے اگر اس کے اوصاف یعنی رنگ اور بو اور مزہ بدل جائے تو اس کو کسی طرح کام میں نہ لائے اور مثل پیشاب کے ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو اس سے جانوروں کو پانی پلانا اور مٹی بھگوننا جائز ہے مگر وہ مٹی مسجد میں نہ لگائی جائے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ جاری پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ بند پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے اور یہی مختار ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ حوض میں کسی قسم کا شیرہ جمع ہے اس میں پیشاب پڑ گیا اگر وہ حوض وہ درودہ ہے تو خراب نہیں ہوگا اگر کم ہوئے گا تو خراب ہو جائے گا جیسے بند پانی خراب ہو جاتا ہے یہ خلاصہ میں لکھا (ف) ہے۔

(ف) چند فروع جو کھالیں مانند سنجاب کے دار الحرب یعنی کافروں کے دیس سے لائی جاتی ہیں اگر معلوم ہو کہ پاک چیز سے دباغت کی گئیں تو پاک ہیں اور نجس چیز سے دباغت کی گئیں تو نجس ہیں اور اگر شک ہو تو دھونا افضل ہے مردار کا چستہ اور مردار کے تھنوں کا دودھ امام اعظم کے نزدیک پاک ہیں محیط السرخسی مذکورہ جانور کا چستہ بالاتفاق پاک ہے سوتے آدمی کے منہ کا پانی امام اعظم و محمد کے نزدیک پاک ہے۔ آدمی کا دانت خواہ اپنا ہو یا پرایا ہونڈہب میں پاک ہے اور اس کے کان میں اختلاف ہے بدائع میں ہے نجس ہے اور خانہ میں کہ نہیں۔ زباد اور عنبر پاک ہے۔ حرام چیز سے دوا کرنا ظاہر المذہب ہے ملع ہے کمافی رضاع الحجر اور ایک قول میں اجازت ہے جب کہ اس میں شفا معلوم ہو اور دوسری دوا نہ معلوم ہو جیسے پیا سے کو خوف ہلاکت میں شراب پینا روا ہے

اور اسی پر فتویٰ ہے ۱۲-ت۔ د۔ (۱) مانند نمبر کے دریائی جانور سے پیدا ہوتا ہے ۱۲

## تیمم کے بیان میں اس میں تین فصلیں ہیں

### پہلی فصل

## ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں

ان میں سے نیت ہے کیفیت اس کی یہ ہے کہ ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی طہارت کی نیت کرنا یا نماز کے مباح ہونے کی نیت کرنا قائم مقام نماز کے ارادے کے ہے۔ حدث کے تیمم اور جنابت کے تیمم میں تمیز فرض نہیں یہاں تک کہ اگر جب نے بارادہ وضو تیمم کیا تو جائز ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور نصاب میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ اگر جنازہ کی نماز کے لئے یا سجدہ تلاوت کے لئے تیمم کیا تو جائز ہے کہ اس سے فرض نماز بھی پڑھ لے اس میں کسی کا اختلاف نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر زبانی قرآن پڑھنے کے لئے یا قرآن میں دیکھ کر پڑھنے کے لئے یا زیارت قبور کے لئے یا دفن میت کے لئے یا اذان کے لئے یا اقامت کے لئے یا مسجد میں داخل ہونے کے لئے مسجد سے خارج ہونے کے لئے تیمم کیا بایں طور کہ مسجد میں با وضو داخل ہوا تھا پھر وضو ٹوٹ گیا یا قرآن چھونے کے لئے تیمم کیا اور اسی تیمم سے نماز پڑھی تو عام علماء کے نزدیک جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی میں لکھا ہے اگر سجدہ شکر کے واسطے تیمم کرے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس تیمم سے فرض نماز نہیں پڑھ سکتا اور امام محمدؒ کے نزدیک پڑھ سکتا ہے اس لئے کہ سجدہ شکر امام محمدؒ کے نزدیک عبادت ہے ان دونوں کے نزدیک نہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر سلام کے واسطے یا سلام کا جواب دینے کے واسطے تیمم کرے تو اس سے نماز کا ادا کرنا جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر تیمم اس واسطے کرے کہ دوسرے کو سکھانا منظور ہے اور نماز کا ارادہ نہیں ہے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس سے نماز جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی ظاہر الروایۃ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کافر نے اگر مسلمان ہونے کے لئے تیمم کیا اور مسلمان ہوا تو اس کو اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں نزدیک امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ بیمار کو دوسرا شخص تیمم کراتا ہے تو نیت مریض پر ہے نہ تیمم کرانے والے پر یہ قیدی میں لکھا ہے اور منجملہ ضروریات تیمم کے دو مرتبہ ہاتھ مارنا ہے ایک سے منہ کا مسح ہے اور دوسرے سے دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ کہنیوں کا بھی مسح کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے حلیہ میں ہے کہ اپنے منہ کی کھلی ہوئی کھال پر اور بالوں کے اوپر اوپر مسح کرے موافق قول صحیح کے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور یہی ہے فتح القدیر میں۔ غدار کا مسح بھی شرط ہے یہی منقول ہے ہمارے اصحاب سے اور آدمی اس سے غافل ہیں یہ زہدی میں لکھا ہے ہتھیلی پر بھی مسح کرے یا نہیں صحیح یہ ہے کہ نہ مسح کرے اور ہاتھ مارنا کافی ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اگر ایک ہی ضرب سے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرے تو جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر ایک ہاتھ سے منہ کا مسح کیا اور دوسرے ہاتھ سے ایک ہاتھ کا مسح تو منہ اور ہاتھ کا مسح جائز ہو گیا اور دوسرے ہاتھ کے لئے ضرب لگا دے یہ معراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر تیمم کا ارادہ کرے اور زمین میں لوٹے

۱۔ بعضوں نے فریتمین کو شرط کہا ہے اور صحیح یہ ہے کہ رکن ہے اس واسطے کہ حدیث میں وارد ہے اللمیم ضربتان تو ضربتین تیمم کی ماہیت میں داخل ہیں ۱۲

۲۔ لیکن ترتیب کہ اول دائیں پر بائیں سے مسح کرے پھر بائیں پر دائیں سے مسح کرے مسنون یا مستحب ہے ۱۲ ع

اور تمام بدن کو ملے اگر مٹی اس کے منہ اور بازو یوں اور ہتھیلیوں پر پہنچ گئی تو جائز ہے اور نہ پہنچی تو جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے جس شخص کے دونوں ہاتھ پہنچوں سے کٹ گئے ہوں وہ اپنی باہوں پر مسح کرے اور جس کی باہیں بھی کٹ گئی ہوں وہ موضع قطع پر مسح کر لے اور کہنیوں کے اوپر سے ہاتھ کٹا ہو تو مسح واجب نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر دونوں ہاتھ شل ہو جائیں تو اپنے ہاتھ زمین پر پھیر لے اور منہ اپنا دیوار پر لگا لے یہی کافی ہے اس کو اور نماز نہ چھوڑے یہ ذخیرہ کی پانچویں فصل میں تھوڑے قبل فصل تیمم کے لکھا ہے۔ اور اگر تیمم کے لئے ہاتھ مٹی پر مارے اور مسح کرنے سے پہلے حدث ہو تو مسح اس ضرب سے جائز نہیں جس طرح وضو میں بعد غسل بعض اعضا کے حدث ہو جائے یہی کہا ہے کہ سید ابوشجاع نے۔ اور قاضی اسمعیلی نے کہا ہے کہ جائز ہے جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں میں پانی لیا تھا اس وقت حدث ہو پھر پانی کا استعمال کیا خلاصہ میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ وہ اس مٹی کا استعمال نہ کرے اسی کو اختیار کیا ہے جس الائمہ نے یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔ منجملہ ان چیزوں کے جو تیمم میں ضروری ہیں۔ پورا لینا ہے اعضا کو۔ ظاہر روایت میں دونوں عضوؤں پر پورا پورا مسح کرنا تیمم میں واجب ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بھوؤں کے نیچے اور آنکھوں کے اوپر مسح نہ کرے تو جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ تیمم میں انگلیوں اور کنگن کا نکال لینا ضروری ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں جو پردہ ہے اس پر بھی مسح کرے اور اگر انگلیوں کے بیچ میں غبار داخل نہیں ہو تو ان کا خلال کرنا واجب ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔

اور منجملہ ان چیزوں کے جو تیمم ضروری ہیں پاک مٹی ہے۔ تیمم کرے پاک چیز پر جس زمین سے جیسا لوہا اور کانہ اور تانبا اور شیشہ اور سونا اور چاندی اور مثل ان کے وہ جس زمین سے نہیں ہیں اور جو ایسے نہ ہوں وہ جس زمین سے ہیں یہ بدائع میں لکھا ہے۔ پس جائز ہے تیمم مٹی پر، ریت پر، شورے پر جو زمین سے بنا ہونہ پانی سے، گچ پر، چونے پر، سرے پر، ہر تال پر، گرو پر، گندھک پر، فیروزہ پر، عقیق، بلخش، از مرد پر، زبرجد پر یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور مرجان پر یہ تبیین میں لکھا ہے اور پختہ اینٹ پر بھی صحیح<sup>(۱)</sup> ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور یہی ظاہر روایت میں ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور مٹی کے پکے ہوئے برتن یعنی سفال پر بھی تیمم جائز ہے لیکن اگر اس پر ایسی چیز کارنگ ہو جو جس زمین سے نہیں ہے تو جائز نہیں یہ خزانۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے۔ اور پتھر پر تیمم جائز ہے خواہ اس پر غبار ہو یا نہ ہو مثلاً دھلا ہوا ہو چکنا ہو خواہ پسا ہوا ہو یا بے پسا ہو یہ فتاویٰ قاضی میں لکھا ہے اور سرخ مٹی پر اور سیاہ مٹی پر اور سپید مٹی پر تیمم جائز ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور زرد مٹی پر تیمم جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور سبز مٹی پر تیمم جائز ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ اور تر زمین پر اور گیلی مٹی پر تیمم جائز ہے یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اور اس مردار سنگ پر تیمم جائز ہے جو کان سے نکلے نہ اس پر جو اور کسی چیز سے بنایا جائے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے نمک اگر پانی سے بنا ہو تو بالاتفاق اس پر تیمم جائز ہے اور اگر نمک پہاڑی ہو تو اس میں دور روایتیں ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک کی فقہانے تصحیح کی ہے لیکن جواز پر فتویٰ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ زمین جل جائے اور اسکی مٹی پر تیمم کرے تو اصح یہ ہے کہ جائز ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اور اگر پے ہوئے موتیوں پر یا بے پے پر تیمم کرے تو جائز نہیں اگر سونے یا چاندی پر تیمم کرے اگر پگھلے ہوئے ہیں تو جائز نہیں اگر پگھلے ہوئے نہیں ہیں اور مٹی میں ملے ہوئے ہیں اور غلبہ مٹی کا

۱۔ تاکہ مسح بھر پور ہو جائے امام محمد سے روایت ہے کہ انگلیوں میں خلال کے لیے تیسری ضرب کی ضرورت ہے لیکن یہ خلاف نص ہے اور تحلیل کا مقصود کچھ اس پر موقوف نہیں ہے الفتح ۱۲ ۲ اصل یہ کہ جس زمین سے پاک چیز ہو تبیین ۱۳ ۳ لیکن فتح القدر کے نسخہ موجودہ میں ہے کہ مرجان و یاقوت و زمرود و موتی سے تیمم نہیں روا ہے الفتح۔ یہی مرجان کے حق میں صاحب تویر نے اختیار کیا کہ وہ پانی سے بنتا ہے اور ہی شارح نے در مختار میں لیا لیکن محیط وغایۃ البیان و توضیح وغایۃ معراج الدر ایہ تبیین و بحر میں جواز لکھا ہے اور یہی اظہر ہے لیکن عدم جواز احتیاط ہے واللہ اعلم ۱۲ الہدایہ

ہو تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور راکھ اور غبر، کافور اور مشک پر تیمم جائز نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ جسے ہوئے پانی سے تیمم جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر مٹی پر قدرت ہو تب بھی غبار پر تیمم جائز ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے اور غبار سے تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے پر یا نمندے پر یا تکیہ پر یا مثل ان کے اور ظاہر چیزوں پر جن پر غبار ہے دونوں ہاتھ مارے پس جب غبار اس کے دونوں ہاتھوں پر پڑے تو تیمم کرے یا اپنا کپڑا جھاڑے اور جب اس سے غبار اٹھے تو اپنے ہاتھ غبار کی طرف ہوا میں اٹھائے اور جب غبار اس کے ہاتھوں پر پڑے تو تیمم کرے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر غبار منہ پر اور ہاتھوں پر پڑ گیا اور اس نے تیمم کی نیت کر کے ان پر مسح کر لیا تو جائز ہے اور اگر مسح نہیں کیا تو جائز نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر دونوں ہاتھ اپنے گہوؤں پر یا جو پر یا اسی طرح کے اور دانوں پر رکھے اور اس کے ہاتھوں کو غبار لگ گیا اور اس کا اثر ظاہر ہو تو اس سے تیمم جائز ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور اگر نہیں ظاہر ہو تو نہیں جائز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر مٹی میں کوئی ایسی چیز مل جائے جو زمین کی جنس سے نہیں ہے تو غالب چیز کا اعتبار ہو گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔

اگر مسافر کچھ یا دلدل میں ہو اور وہاں خشک مٹی نہ ملے اور اس کے کپڑے پر یا زمین پر غبار بھی نہیں تو اپنے کپڑے پر بعضے جسم پر کچھ لگائے اور جب وہ خشک ہو جائے تو اس سے تیمم کر لے لیکن جب تک وقت کے جاتے رہنے کا خوف نہ ہو تب تک تیمم نہ کرے اس لئے کہ اس میں بلا ضرورت منہ پر مٹی بھر لگی اور وہ صورت مسئلہ کی ہے اور اگر اسی کچھ سے تیمم کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ مٹی منجملہ اجزائے زمین کے ہے اور جو اس میں پانی ہے وہ ہلاک ہونے والا ہے یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اگر مٹی پر پانی غالب ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ نجس کپڑے کے غبار سے تیمم جائز نہیں لیکن اگر غبار کپڑے کے خشک ہو جانے کے بعد پڑا ہو تو جائز ہے یہ نہا یہ میں لکھا ہے۔ زمین پر جب نجاست لگ جائے پھر وہ خشک ہو جائے اور اس کا اثر جاتا رہے تو اس پر تیمم جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور منجملہ ان چیزوں کے جو تیمم میں ضروری ہیں تین انگلیوں سے مسح کرنا ہے۔ تین انگلیوں سے کم سے مسح کرنا جائز نہیں جیسے سر اور موزوں کا مسح یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور منجملہ ان چیزوں کے جو تیمم میں ضرور ہیں یہ ہے کہ پانی پر قادر نہ ہو۔ جو شخص پانی سے ایک میل دور ہو اس کو تیمم جائز ہے مقدار میں یہی مختار ہے خواہ شہر کے باہر ہو خواہ شہر کے اندر اور یہی صحیح ہے اور برابر ہے کہ مسافر ہو یا مقیم یہ تبیین میں لکھا ہے۔ شہر کے اندر پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم جائز نہیں اور اس طرح ان قریوں میں جس کے رہنے والے ان سے جدا نہیں ہوتے یا اکثر لوگ دن میں جدا نہیں ہوتے اور سلمے سے اس کا جواز منقول ہے اور صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں اور یہ خلاف اس حالت میں ہے کہ اول پانی کی جستجو کرے اور ڈھونڈنے سے پہلے بالا جماع تیمم جائز نہیں یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور ٹھیک قول یہ ہے کہ میل تہائی فرسخ کی ہے چار ہزار گز طول میں ہر گز چوبیس انگشت کا اور ہر انگشت کی چوڑائی چھ جو ہوتی ہے اس طرح کہ ہر جو کا پیٹ دوسرے جو کی پیٹھ سے ملا ہو یہ تبیین میں لکھا ہے اور مسافت کا اعتبار ہے نہ وقت کے خوف یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ درندے کے خوف یا دشمن کے خوف میں بھی تیمم جائز ہے خواہ خوف اپنی جان کا ہو یا مال کا یہ عتابیہ میں لکھا ہے یا سانپ یا آگ کا خوف ہو یہ تبیین میں لکھا ہے اور اسی طرح اگر پانی کے پاس چور ہو یا کوئی موذی ہو تو تیمم کر لے یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ اور نیت میں ہے کہ اگر ودیعت کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا قرضدار کے تقاضے کا خوف ہو جس کا قرض نہیں دے

۱۔ مثلہ بیت بدلنے کو کہتے ہیں خواہ عضو کاٹنے سے ہو یا منہ کا لاکر کرنے سے یا اور کسی طرح کے تغیر سے مثلہ کا اشارہ ہدیہ وغیرہ میں دلالت کرتا ہے کہ خاک جہاز تا واجب ہے کیونکہ مثلہ حرام ہے الہدایہ لیکن یہ وہم ہے بلکہ سنت ہے ۱۲۔ ۲۔ رخ اصدا اور خانیہ میں ہے کہ اگر ایسے مسلم کو کافر نے وضو اور نماز سے منع کیا تو تیمم کرے اور اشارے سے نماز پڑھے پھر نماز کا اعادہ کرے جب چھوٹے اور اسی طرح جب کہ مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ جب تو وضو کرے گا تو تجھ کو قید کروں گا یا قتل کروں گا تو تیمم سے نماز پڑھے پھر اعادہ کرے مجوس کے مانند اس واسطے کہ تیمم کی طہارت منع و جب اعادہ میں ظاہر نہیں کنانی الطحاوی ۱۲

سکتا تو تیمم جائز ہے یہ زاہدی اور کفایہ میں لکھا ہے۔ اگر عورت کو اپنا خوف ہو اس سبب سے کہ پانی فاسق کے پاس ہے تو بھی تیمم جائز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اس طرح اگر اپنی پیاس کا یا اپنے ساتھی رفیق کی یا اہل قافلہ میں سے کسی اور شخص کی یا اپنے سواری کے جانور کی یا اپنے ایسے کتوں کی جو چوپایوں کی حفاظت کے لئے یا شکار کے لئے ہیں پیاس کا خوف ہوئی الحال یا آئندہ اور اسی طرح آنا گوندھنے کی ضرورت ہو تو جائز ہے شور با پکانے کی ضرورت کے لئے جائز نہیں۔ جب کو اگر یہ خوف ہو کہ نہانے میں سردی سے مر جائے گا یا بیمار ہو جائے گا تو تیمم جائز ہے یہ حکم بالا جماع اس صورت میں ہے جب شہر سے باہر ہو اور اگر شہر کے اندر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے امام ابو یوسف اور امام محمد کا خلاف ہے اور یہ خلاف اس صورت میں ہے جب اس کے پاس اتنے دام نہ ہوں کہ حمام میں نہا سکے اور جو یہ ہو سکے تو تیمم بالا جماع جائز نہیں اور نیز خلاف اس صورت میں ہے جب پانی گرم نہیں کر سکتا اور جو گرم کر سکتا ہے تب بھی تیمم جائز نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ جب محدث کو یہ خوف ہو کہ اگر وضو کرے گا تو سردی سے مر جائے گا تو تیمم کر لے یہ کافی میں لکھا ہے۔ اور اسی کو اسرار میں اختیار کیا ہے اور اصح یہ ہے کہ بالا جماع اس کو تیمم جائز نہیں یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کو تیمم جائز نہیں یہ خلاصہ میں اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر مریض کو پانی ملے لیکن یہ خوف ہے کہ پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جائے گا یا صحت میں دیر ہو جائے گی تو تیمم کر لے اور اس میں فرق نہیں کہ حرکت سے مرض بڑھ جائے جیسے بیماری رشتہ کی یا دست آتے ہوں یا پانی کے استعمال سے مرض زیادہ ہو جائے مثلاً چیچک نکلی ہو یا اس طرح کی اور بیماری ہو یا کوئی وضو کرانے والا نہ ملے اور خود وضو نہ کر سکے لیکن اگر کوئی خادم ملے یا مزدور مقرر کرنے کی اجرت ہو یا اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہو کہ اگر اس سے مدد لے گا تو وہ مدد کرے گا تو ظاہر مذہب کے بموجب تیمم نہ کرے اس لئے کہ وہ پانی پر قادر ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور یہ خوف اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اس کو علامت سے یا تجربہ سے گمان غالب ہو یا کوئی طبیب کامل مسلمان جس کا فسق نہ ہو خبر دیے یہ شرح منیہ المصلیٰ میں لکھا ہے جو ابراہیم حلبی کی تصنیف ہے اگر چیچک نکلی ہو یا زخم ہوں تو اکثر کا اعتبار کیا جائے گا محدث ہو جب ہو جنابت میں اکثر بدن کا اعتبار کریں گے اور حدیث میں اکثر اعضاء وضو کا اعتبار کریں گے اگر بدن اکثر صحیح ہو اور تھوڑے میں زخم ہو تو صحیح کو دھو لے اور زخمی پر اگر ہو سکے مسح کر لے اور اگر اس پر مسح نہ ہو سکے تو ان لکڑیوں پر مسح کر لے جو ٹوٹی ہڈی پر باندھتے ہیں یا پٹی کے اوپر اور غسل اور تیمم کو جمع نہ کرے اگر ادھا بدن صحیح ہو اور ادھا بدن زخمی ہو تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ تیمم کر لے اور پانی کا استعمال نہ کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی محیط میں لکھا ہے اور جمیع العلوم میں ہے کلتہ الملق اور بارش اور سخت گرمی میں تیمم جائز ہے یہ زاہدی اور کفایہ میں لکھا ہے

مسافر جب کنویں پر پہنچے اور اس کے پاس ڈول نہ ہو تو تیمم کرے اور اگر ڈول ہو اور رسی نہ ہو تو بھی تیمم کر لے فقہانے کہا ہے کہ یہ حکم جب ہے کہ اس کے پاس کوئی کپڑا کنویں میں ڈالنے کے لائق نہ ہو اور اگر ہو تو تیمم نہ کرے اور اگر اس کے رفیق کے پاس ڈول اس کی ملک ہو اور اس کے رفیق نے کہا کہ تو ٹھہر یہاں تک کہ میں پانی بھریں پھر تجھ کو دوں گا تو مستحب یہ ہے کہ انتظار کرے اور اگر تیمم کر لیا اور انتظار نہ کیا تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر شہر کے اوپر پانی بستہ ہو گیا اور اس کے نیچے پانی ہے اور اس کے کاٹنے کا آلہ بھی موجود ہے تو تیمم نہ کرے اور بعض کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں تیمم کرے اور فقط بستہ پانی یا برف ہو اور اس کے پاس پانی کی دفع عطش کے واسطے حاجت ہے وہ بمنزلہ معدوم کے ہے خواہ اپنی پیاس ہو یا اپنے جانور کی یا اہل قافلہ کی آشنا ہو یا جنسی تو ان صورتوں میں باوجود پانی کے تیمم جائز ہے ۱۲ ع ۲ کلتہ الملق مچھروں سے بچاؤ کے لیے ہر طرف ایک باریک کپڑا روک کر ایک گھر سا بنا لیتے ہیں ۱۲ ع ۳ یعنی جب کنویں میں پانی ہو اور رسی اور ڈول نہ ہو تو عاجزی ثابت ہوئی کنویں کا وجود اور عدم برابر ہے اور اگر ڈول ناپاک ہو تو بھی اس کا وجود اور عدم برابر ہے تیمم جائز ہے ۱۲



کے پاس آلہ اس کے پکھلانے کا ہو تو تیمم نہ کرے اور ظاہر وہی پہلا حکم ہے دونوں صورتوں میں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے کوئی شخص دارالحریم میں قید ہو اگر کفار اس وضو اور نماز سے منع کریں تو تیمم کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے لے پھر جب نکلے تو اس کا اعادہ کرے اور یہی حکم ہے اس شخص کا جس سے کوئی یوں کہہ دے کہ اگر تو وضو کرے گا تو تجھ کو قید کرونگا یا قتل کرونگا تو وہ بھی تیمم کر کے نماز پڑھے پھر اعادہ کر لے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جو شخص قید خانہ میں قید ہو وہ تیمم سے نماز پڑھے اور پھر اس نماز کا وضو کر کے اعادہ کرے اس لئے کہ بحر آدمیوں کے فعل سے واقع ہو اور آدمیوں کے فعل سے اللہ کا حق ساقط نہیں ہوتا اور اگر سفر میں قید ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرے اس لئے کہ بحر حقیقی کے ساتھ عذر سفر کا بھی ملے گیا اور اکثر سفر میں پانی کا نہ ملنا ہوتا ہے پس ہر طرح سے عدم متحقق ہوا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اصل یہ ہے کہ جب پانی کو اس طرح استعمال کر سکے کہ اس کی جان یا مال کو کچھ نقصان نہ پہنچے تو پانی کا استعمال واجب ہے اور اگر معمولی قیمت سے زیادتی ہو تو وہ بھی نقصان ہے تو اس پر وضو لازم نہیں اور معمولی قیمت کی صورت میں وضو لازم ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان چیزوں کے جو تیمم میں ضرور ہیں پانی کا طلب کرنا ہے جس مسافر کو یہ گمان ہو کہ پانی قریب ملے گا اس کو ایک غلوہ تک پانی طلب کرنا واجب ہے اور اگر گمان غالب نہ ہو اور کوئی خبر نہ دے تو طلب کرنا واجب نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اگر پانی ملنے کا شک ہو تو طلب کرنا مستحب اور شک نہ ہو تو بے طلب تیمم کر لینے میں تارک افضل نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور غلوہ چار سو گز کا ہوتا ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر کسی اور کو طلب کرنے کے لئے بھیج دے تو خود طلب کرنے کی کوئی حاجت نہیں اور اگر بغیر طلب کئے ہوئے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اس کے بعد طلب کیا اور پانی نہ ملا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اعادہ واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر پانی قریب ہو اور اسے خبر نہ ہو اور اس کے قریب کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جس سے پوچھے تو تیمم جائز ہے اور اگر اس کے سامنے کوئی ایسا شخص تھا جس سے پوچھ سکتا ہے اور نہ پوچھا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اس سے پوچھا تو اس نے قریب پانی بتایا تو وہ نماز جائز نہیں جیسے کوئی شخص آبادی میں اترے اور پانی طلب نہ کرے تو اس کا تیمم جائز نہ ہوگا اور اگر اول اس سے پوچھا اور اس نے نہ بتایا یا پھر اس نے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی پھر اس کے بعد قریب پانی بتایا تو نماز جائز ہوگئی اس لئے کہ جو کچھ اس پر واجب تھا وہ اس نے کر لیا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے

اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہے اور اس کو یہ گمان ہے کہ اگر مانگے گا تو وہ دے دے تو تیمم جائز نہ ہوگا اور اگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ وہ نہ دے گا تو تیمم جائز ہے اگر اس نے دینے میں شک ہو اور تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر مانگے اور وہ دیدے تو نماز کو لوٹا دے یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی لکھا ہے شرح زیادات میں جو عتابی کی تصنیف ہے اور اگر نماز شروع کرنے سے پہلے انکار کر دے اور نماز ۱ اور اگر مثلاً کچے رنگ کی پگڑی ہے کہ پانی میں ڈالنے سے بدرنگ ہو کر کم قیمت ہو جاتی ہے یا دوپٹہ وغیرہ ہے کہ نصف نصف پھاڑنے سے پانی تک پہنچتا ہے تو اگر پگڑی یا دوپٹہ کا نقصان اس قدر ہے جس قدر سے پانی خرید ہو سکتا تو تیمم جائز نہیں پانی نکال کر طہارت کرے اور اگر پانی کی قیمت سے زیادہ نقصان لازم آتا ہے تو تیمم جائز ہے طحاوی نے کہا کہ یہ مسئلہ ہمارے مذہب میں منصوص نہیں بلکہ شافعی مذہب میں مذکور ہے توضیح میں کہا ہے کہ یہ سب ہمارے مذہب کے قواعد کے موافق ہے ۱۲ عین الہدایہ۔

۲ اور طیبی نے تین سو گز ذکر کیے اور بدائع میں کہا کہ اسح یہ کہ اتنی دور تک طلب کرے کہ اس کو خود ضرر نہ ہو اور ساتھیوں کو انتظار کی مشقت نہ ہو اور پھر طلب کا کام خود کرنا لازم نہیں بلکہ اگر کسی کو بھیجا جو اس کے واسطے تلاش کرے تو اس کو کافی ہے سراج ۱۲ ع  
۳ محصل کلام اس مقام پر چند فوائد ہیں اول یہ کہ فتویٰ اس امر پر ہے کہ رفیق سے پانی مانگنا جب کہ اس کے پاس زائد ہو ظاہر الروایۃ با ظاہر مذہب پر واجب ہے جب کہ دینے کا گمان ہو اور دوم اگر گمان ہو کہ نہ دے گا تو مانگنا سوم اگر ذلت ظاہر ہو تو بھی واجب نہ ہونا اسح ہے چہارم سوائے پانی کے اور چیزوں میں وجوب نہیں ہے علی تو ال الامام اور اس پر فتویٰ دیا جائے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

سے فارغ ہونے کے بعد دیدے تو اعادہ نہ کرے اگر یہ کہے کہ بغیر معمولی قیمت کے نہ دوں گا اور اس کے پاس اس کی قیمت نہ ہو تو تیمم کرے اور اگر ہو تو تیمم نہ کرے اور اگر اس کے لینے میں بہت نقصان ہو اور وہ یہ ہے کہ دو چند قیمت معمولی سے بیچتا ہو اور اس سے کم نہ بیچتا ہو تو تیمم کر لے یہ کافی میں لکھا ہے اور جس جگہ پانی کمیاب ہو گیا ہے وہاں سے جو قریب تر موضع ہو وہاں کی قیمت سے پانی کی قیمت کا حساب کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جو شخص تیمم کر کے نماز پڑھتا ہے اس نے اپنے رفیق کے پاس پانی دیکھا اب اگر غالب رائے اس کی یہ ہو کہ وہ اس کو پانی دیدے گا تو اپنی نماز کو قطع کر دے اور اگر اس میں شک ہو تو اس طرح نماز پڑھتا رہے جب نماز تمام کر چکے تو اس سے مانگے اگر وہ دیدے تو وضو کر کے نماز لوٹا دے اور اگر انکار کرے تو نماز پوری ہو گئی پھر اگر انکار کرنے کے بعد دیدے تو جو نماز پڑھ چکا ہے وہ نہ لوٹے گی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم کو توڑتی ہیں

جو شے وضو کو توڑتی ہے وہ تیمم کو بھی توڑتی ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر پورے پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے جو اس کی حاجت سے زیادہ ہو تب بھی تیمم ٹوٹتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر کسی جب نے غسل کیا اور کچھ ٹکڑا خشک رہ گیا اور پانی ختم ہو چکا تو جنابت اس کی باقی رہ گئی ہے اس کے واسطے تیمم کر لے پھر اگر حدث ہو تو حدث کے واسطے تیمم کر لے پھر اگر اس قدر پانی ملے کہ دونوں کو کافی ہے تو دونوں میں صرف کرے اور اگر ان دونوں میں خاص ایک کے واسطے کافی ہے تو اسی میں صرف کرے اور دوسرے کا تیمم باقی رہے گا اور اگر ایسا ہے کہ دونوں پورے نہیں ہو سکتے مگر ان دونوں میں سے ایک جو نسا چاہے وہ ہو سکتا ہے یعنی چاہے وضو کر لے چاہے وہ ٹکڑا جو خشک رہ گیا ہے اس کو دھو لے اور امام محمدؒ کے نزدیک حدث کا تیمم دوبارہ کرے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیمم کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس سے وضو کر لیا تو جائز ہے اور بالاتفاق یہ حکم ہے کہ جنابت کے واسطے دوبارہ تیمم کرے اور اگر اس پانی کے ملنے سے پہلے حدث کے واسطے تیمم نہیں کیا تھا اور اس ٹکڑے کے دھونے سے پہلے حدث کا تیمم کیا تو امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اول اصح ہے اور جو وہ پانی ان دونوں میں سے کسی کے لے پورا نہیں تو دونوں کا تیمم باقی رہے گا جب کے بدن پر خشک ٹکڑا باقی رہ گیا تھا اور اس کو تیمم سے پہلے حدث ہو تو دونوں کی نیت کر کے ایک تیمم کرے پھر اگر دونوں کے واسطے تیمم کرنے کے بعد اس قدر پانی ملا جو ایک کے لئے کافی ہے خواہ کوئی سا ہو تو بدن کے ٹکڑے کو دھو لے اور امام محمدؒ کے نزدیک حدث کے ہے دوبارہ تیمم کرے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر وہ پانی ان دونوں میں سے خاص ایک کے لئے کافی ہے اور دوسرے کے واسطے کافی نہیں ہو سکتا تو اسی کو دھو لے اور دوسرے کے حق میں تیمم باقی رہے گا یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اگر غسل میں اس کی پیٹھ پر کوئی ٹکڑا خشک رہ گیا اور وہ وضو کرنے میں بعض اعضاء کا دھونا بھول گیا اور پانی ان دونوں میں سے ایک کے لائق ہے تو ان دونوں میں سے جس میں چاہے اس پانی کو صرف کرے لیکن اعضاء وضو میں صرف کرنا بہتر ہے یہ شرح زیادات میں لکھا ہے جو عتابی کی تصنیف ہے مسافر بے وضو ہے اور کپڑے بھی اس کے نجس ہیں اور اس کے پاس پانی اس قدر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے لئے کافی ہے تو اس سے نجاست دھوئے اور حدث کے لئے تیمم کرے اگر پہلے تیمم کرے پھر نجاست دھو دے تو تیمم دوبارہ کرے اس لئے اس نے جب تیمم کیا تھا تب وہ ایسے پانی پر قادر تھا جس سے وضو کر سکتا تھا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر پانی سے وضو کیا اور نجس کپڑوں سے نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی مگر وہ اس کام میں گنہگار ہو گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جس مرض کی وجہ سے تیمم جائز ہوا

تھا جب وہ مرض دور ہو جاتا ہے تو تیمم ٹوٹ جاتا ہے مسافر نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا ہے اسی حالت میں اس کو ایسا مرض ہو گیا جس سے تیمم مباح ہوتا ہے پس اگر مقیم ہو گیا تو اس تیمم سے نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ رخصت تیمم کے سبب جدا جدا ہونے کے سبب سے ایک رخصت شمول دوسری رخصت میں نہیں ہو سکتا اور پہلی رخصت اب بالکل نیت ہو گئی یہ فصول عماد یہ کی کتاب الطہارت کی مریضوں کے احکام میں لکھا ہے

اگر پانی پر سوتا ہوا گزرتو اس صبح یہ ہے کہ کل کے نزدیک تیمم نہیں ٹوٹے گا یہ زاہدی میں لکھا ہے اگر پانی پر گذرا مگر وہاں کسی درندے کے خوف سے یا دشمن کے خوف سے اتر نہیں سکتا تو تیمم نہیں ٹوٹے گا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اس طرح اگر کنویں پر پہنچا اور اس کے ساتھ ڈول یا رستی نہیں یا پانی ملا مگر اس کو پیاس کا خوف ہے تو تیمم نہ ٹوٹے گا اور اصل اس میں یہ ہے کہ جس چیز کے موجود ہونے سے تیمم منع ہو جاتا ہے اس چیز کے موجود ہو جانے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور جو چیز ایسی نہیں کہ اس سے تیمم نہیں ٹوٹتا یہ بدائع میں لکھا ہے اگر پانی پر گذرا اور وہ تیمم کئے ہوئے تھا لیکن وہ اپنے تیمم کو بھول گیا تو اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا یہ خزائنہ المفتین میں لکھا ہے بہت سے آدمی تیمم والے تھے کسی شخص نے یہ کہا کہ اس پانی سے تم میں سے جو چاہے وہ وضو کر لے اور وہ صرف ایک کے واسطے کافی ہے تو ان سب کا تیمم باطل ہو جائے گا اور اگر یہ کہا کہ یہ پانی تم سب کے لئے ہے اور اس پر انہوں نے قبضہ کر لیا تو تیمم نہیں ٹوٹے گا یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر وہ سب ایک کو اجازت اس پانی کی دے دیں تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا لیکن یہ قیاس قول ابو حنیفہؒ کے نہیں ٹوٹے گا اور صحیح یہ ہے کہ سب کے نزدیک تیمم ٹوٹ جائے گا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر مسافر کو جنگل میں مٹکے وغیرہ میں پانی رکھا ملے تو اس کا تیمم نہیں ٹوٹے گا اور اس کو پانی سے وضو کرنا بھی جائز نہیں لیکن اگر پانی بہت ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ پینے کے لئے بھی ہے اور وضو کے لئے بھی تو جائز ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کسی شخص نے سفر میں تیمم کیا اور پانی اس قدر ملا کہ اگر ایک بار ان اعضا کو دھو لے جن کا دھونا فرض ہے تو کافی ہے اور اگر بطور سنت کے دھو دے گا تو کافی نہیں اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص تیمم کے بعد مرتد ہو گیا تو تیمم نہیں ٹوٹتا حتیٰ کہ اگر مسلمان ہو گیا اور اس تیمم سے نماز پڑھی تو ہمارے نزدیک جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

## نہری فصل

### تیمم کے متفرق مسائل کے بیان میں

تیمم میں سات سنتیں ہیں ہاتھوں کو مٹی پر رکھ کر آگے لانا اور پیچھے کر لے جانا اور ان کو جھاڑنا اور انگلیوں کو کھولنا اور اس کے اوّل میں بسم اللہ پڑھنا اور ترتیب کا لحاظ کرنا اور درمیان میں توقف نہ کرنا یہ بحر الرائق اور نہر الفائق میں لکھا ہے اور طریقہ تیمم کا یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اپنے زمین پر مار کر آگے کو لائے پھر پیچھے لے جائے پھر ان کو اٹھا کر جھاڑے یہ تبیین میں لکھا ہے اس قدر جھاڑے کے حاجی آب زمزم واسطے ہدیہ کے لاتا ہے اور قنمہ کا منہ رنگ وغیرہ سے بند کرتا ہے جب تک پیاس وغیرہ سے خوف نہ ہو اس کو تیمم روا میں ہے الخصاص حسنین میں کہا کہ اس میں یہ ہے کہ غیر کو بہہ کر اس سے اپنے پاس ودیعت رکھ لے قاضی خان نے کہا کہ یہ جلد صحیح نہیں کیونکہ بہہ سے رجوع ممکن ہے پھر پھر کیونکہ روا ہوگا میں کہتا ہوں کہ جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بہہ سے رجوع کرنا مکروہ ہے تو اس لحاظ سے پائی اس کے حق میں معدوم ہے اگرچہ حقیقتاً پائی مل جائے ۱۲

۲ کیونکہ نیت کے وقت اسلام تھا تو تیمم صحیح ہونے سے اس کو طہارت کی صفت حاصل ہو گئی پھر مرتد ہونے سے اس صفت میں نقصان نہیں کیونکہ اب نیت کی ضرورت نہیں ہے اور زفر نے کہا کہ اس مرتد کا تیمم باطل ہو جائے گا کیونکہ کفر منافی تیمم ہے تو اس میں ابتداء سے منافی ہے ویسے لے ابھی منافی ہے جیسے نکاح میں محرمیت ہے ۱۲

کہ مٹی جھڑ جائے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور پھر اس سے اپنے منہ کا مسح کرے اس طرح کہ کچھ باقی نہ رہے پھر اس طرح اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کرے یہ تمیمین میں لکھا ہے ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ بائیں ہاتھ کی چار انگلیوں کے سروں سے داہنے ہاتھ کے اوپر کی جانب کہنیوں تک مسح کرے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کے نیچے کی طرف پہنچے تک مسح کرے اور بائیں انگوٹھے کے اندر کی جانب کو داہنے انگوٹھے کے اوپر کی جانب پر پھیرے پھر بائیں ہاتھ کا مسح اس طرح کرے اس میں احتیاط زیادہ ہے یہ محیط سرحسی اور بدائع میں لکھا ہے اگر وقت کے داخل ہونے سے پہلے تیمم کر لے تو ہمارے نزدیک جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور ایک تیمم سے جس قدر چاہے فرض اور نفل پڑھے یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے جس شخص کو گمان غالب ہو کہ آخر وقت میں پانی مل جائے گا اور پانی کی جگہ تک اس شخص سے ایک میل کا فاصلہ ہو تو آخر وقت تک تاخیر کرنا مستحب ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے بخندی نے کہا ہے کہ آخر وقت جواز تک تاخیر کرے اور دوسرے نے کہا ہے کہ آخر وقت استحباب تک اور وہی صحیح ہے یہ معراج الوہاب میں لکھا ہے اگر پانی کے ملنے کی امید نہ ہو تو تاخیر نہ کرے اور وقت مستحب میں تیمم کر کے نماز پڑھ لے یہ بدائع میں لکھا ہے اور یہی شرح طحاوی اور کافی میں ہے کہ سفر میں ایک جب ہے اور ایک حیض والی عورت ہے جو حیض سے پاک ہو چکی ہے اور وہاں ایک میت بھی ہے اور پانی اس قدر ہے کہ ایک کے لئے کافی ہو پس اگر وہ پانی ان میں سے کسی کی ملک ہے تو اسی پر اس پانی کا صرف اولیٰ ہے اور اگر وہ پانی ان سب کی ملک ہے تو کسی پر صرف نہ کیا جائے اور سب کے لئے تیمم وہ پانی مباح ہے اور اگر مباح ہے تو جب اس کے صرف میں اولیٰ ہے۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے

یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اس طرح اگر حیض والی عورت کے بدلے کوئی بے وضو ہو تو پانی جب پر صرف کیا جائے گا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر باپ بیٹے کے درمیان پانی ہو تو باپ اس کے واسطے اولیٰ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر جب کے ساتھ صرف اس قدر پانی ہے کہ وضو کے لئے کافی ہے تو تیمم کرے اور وضو واجب نہیں مگر آنکہ جنابت کے ساتھ ایسا حدث ہو جو موجب وضو ہے اگر محدث کے ساتھ صرف اس قدر پانی ہو کہ پورا وضو نہیں ہو سکتا صرف بعض اعضا کے غسل کو کافی ہے تو وہ تیمم کرے بعض اعضا کو نہ دھوئے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے تیمم کر لیا اور اس کے سامان میں پانی تھا جو اس کو معلوم نہ تھا یا اس کو بھول گیا تھا اور نماز پڑھ لی تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو محمد کے نزدیک جائز ہے امام ابو یوسف کا اس میں خلاف ہے یہ محیط میں لکھا ہے خلاف اس صورت میں ہے کہ پانی اس نے خود رکھا ہو یا کسی غیر نے اس کے حکم سے رکھا ہو یا بغیر حکم رکھا ہو مگر اس کو معلوم ہو اور اگر اس کو معلوم نہیں تو بالاتفاق نماز کا اعادہ نہ کرے یہ تمیمین میں لکھا ہے اور وقت میں یا آنا اور وقت کے بعد یا آنا برابر ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر اپنا خیمہ ایسے کنویں پر قائم کیا کہ جس کا منہ ڈھنکا گیا ہے حالانکہ اس میں پانی ہے مگر اس کو نہیں معلوم ہو مگر نہر کے کنارے پر تھا اور وہ واقف نہ تھا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف کا اس میں خلاف ہے یہ محیط میں لکھا ہے جب شک ہو یا گمان غالب ہو کہ پانی ہو چکا اور نماز پڑھ لی اور پھر پانی پایا تو بالا جماع اس نماز کو لوٹا دے گا اگر اس کی پیٹھ پر پانی ہے یا اس کی گردن میں لٹک رہا ہے یا اس کے سامنے ہے اور اس کو بھول کر تیمم کر لیا تو بالا جماع جائز نہیں یہ معراج الوہاب میں لکھا ہے اگر پالان میں پانی لٹک رہا تھا اگر اس پر سوار تھا اور پانی سامان کے پیچھے تھا اور اس کو بھول کر تیمم کر لیا تو جائز ہوگا اور اگر پانی پالان کے سامنے تھا تو جائز نہیں اور اگر ہانکنے والا ہو پس اگر پانی سامان کے پیچھے تھا تو جائز نہیں اور اگر سامنے تھا تو جائز ہے اور اگر آگے سے کھینچتا تھا تو ہر صورت میں جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر مریض وضو اور تیمم پر قادر نہیں اور اگر اس کے پاس کوئی وضو کرانے والا اور تیمم کرانے والا نہ ہو تو امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ نماز نہ پڑھے شیخ امام محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ میں نے کرنی کی

جامع صغیر میں دیکھا ہے کہ جس شخص کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوں جب اس کے منہ پر زخم ہو تو بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے اور تیمم نہ کرے اور پھر اس نماز کا اعادہ نہ کرے یہ صبح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے قیدی کو نہ پانی ملا اور ستھری مٹی ملی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز نہ پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے یہ جب سے کہ زمین کو یاد یوار کو کسی شے سے کھود نہیں سکتا اور اگر کھود سکتا ہے تو مٹی نکالے اور تیمم کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے ایضاً میں ہے کہ کسی شخص کا یہ حال ہے کہ اگر وضو کرتا ہے تو پیشاب جاری ہو گا یعنی سلس البول ہوگا اور جو وضو نہ کرے تو ایسا نہ ہوگا تو اس کے واسطے تیمم جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے کوئی شخص جنگل میں ہے اور اس کے ساتھ زمزم کا پانی قلمہ میں بند ہے اور اس کا منہ رائگ سے ٹانگا گیا ہے تو تیمم جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر جنازہ حاضر ہو اور ولی اس کے سوا کوئی دوسرا ہو اور خوف ہے کہ اگر وضو کرے گا تو نماز فوت ہو جائے گی تو تیمم جائز ہے اور ولی کے واسطے جائز نہیں یہی صحیح ہے ہدایہ میں لکھا ہے اور ولی جس کو وضو کی اجازت دے اس کو بھی تیمم جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے جو شخص ولی پر مقدم ہے اگر وہ حاضر ہو تو ولی کو بھی بالاتفاق تیمم جائز ہے اس لئے کہ اس کو بھی نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہے اور اس طرح ولی کو اس وقت بھی تیمم جائز ہے جب وہ کسی اور کو نماز کی اجازت دیدے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے ایک جنازہ کی نماز تیمم سے پڑھ چکا پھر دوسرا جنازہ آیا اگر پہلے اور دوسرے کے درمیان میں اتنی مہلت ہے کہ جائے اور وضو کرے پھر آئے اور نماز پڑھے تو تیمم کا اعادہ کرے گا اور اگر اتنی دیر نہیں ہوئی کہ جتنی دیر میں یہ سب کام کر سکے تو اسی تیمم سے نماز پڑھ لے اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے عید کی نماز میں نماز شروع کرنے سے پہلے اگر وقت جاتے رہنے کا خوف نہ ہو تو امام کے واسطے تیمم جائز نہیں اور اگر ہو تو جائز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے مقتدی کو اگر یہ خوف نہ ہو کہ وضو کرنے میں عید کی نماز فوت ہو جائے گی تو تیمم جائز نہیں ورنہ جائز ہے اگر امام یا مقتدی نے تیمم سے عید کی نماز شروع کی پھر حدث ہوا اور تیمم کر کے اسی پر باقی نماز کو بنا کیا تو بلا خوف جائز ہے اور یہی حکم ہے۔

بالاجماع اس صورت میں کہ وضو سے نماز شروع کی تھی اور وقت کے جاتے رہنے کا خوف ہے اور اگر وقت کے جانے کا خوف نہیں پس اگر اس کو یہ امید ہے کہ امام کے تمام کرنے سے پہلے شامل ہو جائے گا تو بالا جماع تیمم جائز نہیں اور جو یہ امید نہیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیمم کر کے بنا کرے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کا اس میں خلاف ہے یہ نہایت میں لکھا ہے اور اصل یہ ہے کہ جس جگہ ادا فوت ہوتی ہو اور اس کا قائم مقام کوئی نہ ہو تو تیمم جائز ہے اور جو اس طرح فوت ہو کہ اس کا کوئی قائم مقام بھی ہو جیسے جمعہ کی نماز تو وہاں تیمم جائز نہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر دو شخصوں نے ایک جگہ سے تیمم کیا تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر کئی بار ایک جگہ سے تیمم کرے تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے جب کو جنازہ کی نماز کے لئے اور عید کی نماز کے لئے تیمم جائز ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے جس شخص کو تیمم کا یقین ہو وہ اپنے تیمم کی حالت پر جب تک حدث کا یقین نہ ہو اور جس شخص کو حدث کا یقین ہے اس کا حدث باقی ہے جب تک تیمم کا یقین نہ ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے تیمم پر تیمم کرنا عبادت نہیں یہ قیدی میں لکھا ہے اور مسافر کو جائز ہے کہ اپنی باندی کے ساتھ وٹلی کرے اگر چہ جانتا ہو کہ پانی نہ ملے گا یہ خلاصہ میں لکھا ہے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس سے کسی نصرانی نے کہا کہ پانی لے تو وہ اسی طرح نماز پڑھتا رہے اور اس کو نہ توڑے اس لئے کہ نصرانی کا کلام کبھی بطور تمسخر کے بھی ہوتا ہے پس شک کی صورت میں نماز قطع کرنا چاہئے اور جب نماز سے فارغ ہو تو اس سے مانگے اگر وہ دے تو نماز کا اعادہ کرے اور جو نہ دے تو نماز کا اعادہ نہ کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جب جنازہ آئے اور تو بے وضو ہو اور تجھے خوف ہو کہ نماز جاتی رہے گی تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی کے مثل عید میں مروی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جواب سلام کے واسطے تیمم کیا جب کہ آپ رضی اللہ عنہم کو یہ خوف ہوا کہ ایک مسلمان آپ رضی اللہ عنہم کی نظر سے اوت ہو جائے گا پس اصل یہ قرار پائی کہ جو چیز بغیر بدل فوت ہوئی ہو اس کے ادا کرنے کے لیے روا ہے باوجودیکہ پانی ہو۔ کمانی المہموط ۱۲۰ ع

## بانیحوالہ باب

## موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں

موزوں پر مسح کرنا رخصت ہے اور اگر اس کو جائز جان کر عزیمت اختیار کرے تو اولیٰ ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔  
اس باب میں دو فصلیں ہیں

## پہلی فصل

## ان امور کے بیان میں جو موزوں پر مسح جائز ہونے میں ضروری ہیں

مجملاً ان کے ہے یہ بات کہ موزہ ایسا ہو کہ اس کو پہن کر سفر کر سکے اور پے در پے چل سکے اور ٹخنے ڈھک جائیں ٹخنوں سے اوپر ڈھکنا شرط نہیں یہاں تک کہ اگر ایسا موزہ پہنا کہ جس میں ساق نہیں اگر ٹخنے چھپ جاتے ہیں تو اس پر مسح جائز ہے اور مجلد جراب پر مسح جائز ہے اور مجلد جراب وہ ہے کہ جس کے اوپر اور نیچے چیز الگا ہو یہ کافی میں لکھا ہے اور مغل وہ ہے جس کے تلے میں فقط چیز ہو جیسے غرب کی جوتی پاؤں کے لئے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور جراب شخصین یعنی سخت وہ ہے کہ مجلد اور منعل نہ ہو لیکن پنڈلی پر بغیر باندھے تھمی رہے اور جو اس کے نیچے ہے وہ نظر نہ آتا ہو اسی پر فتویٰ ہے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اگر ٹخنوں تک کی جراب پہنی اور اس میں سے اس کے ٹخنے یا قدم فقط ایک یا دو انگشت کی مقدار نظر آتے ہیں تو اس پر مسح جائز ہے اور وہ بمنزلہ اس موزہ کے ہے جس پر ساق نہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر جرموق<sup>(۱)</sup> پہنے پس اگر وہ تنہا پہنے اور ٹاٹ کی یا مثل اس کے اور کیسی چیز کے بنے ہوئے ہوں تو ان پر مسح جائز نہیں اور اگر ادھوڑی وغیرہ کے ہیں تو جائز ہے اگر ان کو موزوں کے اوپر پہنے تو اگر وہ ٹاٹ کے یا مثل اس کے اور کسی چیز کے ہوں تو ان پر مسح جائز نہیں لیکن اگر ایسے پتلے ہوں کہ ان کے نیچے تری پہنچتی ہو تو جائز ہے اگر وہ ادھوڑی وغیرہ کے ہوں تو اس بات پر اجماع ہے کہ اگر ان کو حدث کے بعد موزوں پر مسح کرنے سے پہلے یا موزوں پر مسح کرنے کے بعد پہنا ہے تو ان پر مسح جائز نہیں اور اگر حدث سے پہلے پہنا تو ان پر مسح ہمارے نزدیک جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر دونوں پاؤں میں موزے پہنے اور ایک موزے پر جرموق بھی پہنا تو جائز ہے کہ اس موزے پر مسح کرے جس پر جرموق نہیں رہے اور جرموق پر مسح کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور موزہ پر موزہ پہنے تو مثل جرموق کے ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر دو تھے موزے پہنے تو بھی ان پر مسح جائز ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور صحیح مذہب یہ ہے کہ ان موزوں پر جو تری کی نمدوں سے بنتے ہیں مسح جائز ہے کہ ان کو پہن کر سفر طے ہو سکتا ہے یہ شرح مبسوط میں لکھا ہے جو امام سرحسی کی تصنیف ہے۔

جاروق نہیں اگر پاؤں چھپ جائیں اور ٹخنہ یا پاؤں کی پیٹھ فقط ایک یا دو انگشت نظر آتی ہو تو مسح جائز ہے اور اگر ایسا نہ ہو

۱۔ تو جب مسح جائز ہو تو دھونا افضل ہو لیکن اگر مسح نہ کرنے میں اس کی طرف شک خارجی یا رافضی ہونے کا ہو تو مسح کرنا افضل ہے کہ جس کے پاس اسی قدر پانی ہو کہ موزوں پر مسح کے ساتھ وضو کر سکتا ہے یا وقت جاتے رہنے کا خوف ہو یا حج میں وقوف عرفہ جاتے رہنے کا خوف ہو تو مسح واجب ہونا چاہئے۔

۲۔ رخصت و اجازت کے مقابلہ میں عزیمت ہے پس مسح غنیمین اجازت و رخصت ہے اور پاؤں دھونا عزیمت ہے ۱۲

۳۔ یعنی سرایت کرنے سے روکتا ہے اور حدیث کا واقعہ دور کرنے والا نہیں معلوم ہوا کیونکہ حدث کا دور کرنے والا پانی وغیرہ ہے نہ موزہ ۱۳

۴۔ جاروق میں تہہ سے لاکر اوپر باندھتے ہیں وہ ایک قسم کا موزہ چمڑے کا فائدہ دیتا ہے ۱۴

(۱) جرموق قسم میم جو اوپر کے موزوں کے اوپر پہنتے ہیں کچھ وغیرہ کی حفاظت کے واسطے ۱۴

لیکن اس کے چمڑے میں پاؤں چھپ جائیں تو اگر جاروق کو سیکر ملا دے تو ان پر مسح جائز ہے اور اگر کسی چیز سے ان کو باندھ کر ملا دے تو جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر لوہے یا لکڑی یا شیشے کے موزہ بنا دے تو ان پر مسح جائز نہیں یہ جوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے اور منجملہ ان چیزوں کے جو موزہ کے مسح کے جائز ہونے میں ضرور ہے یہ ہے کہ ان کے اوپر کی جانب سے مسح ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر کرے موافق قول اصح کے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے تین چھوٹی انگلیوں کے برابر فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے موزے کے نیچے کی جانب یا ایڑی پر یا ساق پر یا اس کے اطراف میں یا ٹخنے پر مسح جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اگر ایک پاؤں پر بقدر دو انگشت کے مسح کرے اور دوسرے پر بقدر پانچ انگشت کے تو جائز نہیں یہ فتح القدر میں لکھا ہے موزہ پر ایسی جگہ پر مسح کرنے کا اعتبار نہیں جو پاؤں سے خالی ہو اگر اس جگہ اپنے پاؤں لے جا کر مسح کرے تو جائز ہے اور اس کے بعد اس کا پاؤں اس جگہ سے جدا ہو جائے تو دوبارہ (۱) مسح کرے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر کسی شخص کے ایک پاؤں پر زخم ہو اور نہ وہ اس کے دھونے پر قادر ہو نہ اس کے مسح پر تو اس کو دوسرے پاؤں پر مسح جائز ہے اس طرح اگر پاؤں ٹخنہ کے اوپر سے کٹ گیا تو بھی یہ حکم ہے اور اگر ٹخنہ کے نیچے سے کٹا اور مسح کرنے کی جگہ بقدر تین انگشت کے باقی ہی تو دونوں پاؤں پر مسح کرے گا ورنہ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر جرموق چوڑا ہے اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر موزہ پر مسح کر لیا تو جائز نہیں یہ قذیہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان چیزوں کے جو موزہ کے مسح جائز ہونے میں ضرور ہیں یہ ہے کہ مسح تین انگشت سے کرے یہی صحیح ہے یہ کافی میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر ہی ایک انگلی سے مسح کرے اور نیا پانی نہ لے تو جائز نہیں اور اگر ایک انگلی سے تین مرتبہ تین جگہ مسح کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے تو جائز ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر انگوٹھے اور اس کے پاس کی انگلی سے مسح کرے اگر دونوں کھلی ہوئی ہوں تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر مسح اس طور پر کرے کہ تین انگلیاں رکھ دے کھینچے نہیں تو جائز ہے مگر سنت کے خلاف ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اگر انگلیوں کے سرے سے موزہ پر مسح کرے تو اگر پانی ٹپکتا ہو اوہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر مسح کرنے کی جگہ پر پانی یا مینہ بقدر تین انگشت کے پڑے یا گھاس پر چلے جو مینہ کے پانی میں بھیگی ہوئی ہو تو کافی ہے اور موافق اصح قول کے اس بھی مینہ کے حکم میں داخل ہے یہ تبیین میں لکھا ہے دھونے کی جو تری باقی ہو اس سے مسح جائز ہے برابر ہے کہ ٹپکتی ہو نہ ٹپکتی ہو مسح کے بعد جو ہاتھ میں تری باقی ہو اس سے مسح جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے طریقہ مسح کا یہ ہے کہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں داہنے موزہ کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزہ کے اگلے حصہ پر رکھے اور انگلیوں کو کھولے ہوئے پنڈلی کی طرف ٹخنوں سے اوپر تک کھینچے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے یہ بیان طریقہ مسنون کا ہے یہاں تک اگر پنڈلیوں کی طرف سے انگلیوں کی طرف کو کھینچے یا دونوں موزوں پر عرض میں مسح کرے تو مسح ہو جاتا ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اگر ہتھیلی کر رکھ کر یا صرف انگلیوں کو رکھ کر کھینچے تو یہ دونوں صورتیں حسن ہیں اور احسن یہ ہے کہ سارے ہاتھ سے مسح کرے اگر ہتھیلی کے اوپر کی جانب سے مسح کرے تو جائز ہے اور مستحب یہ ہے کہ اندر کی جانب سے مسح کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے مسح میں خطوط کا ظاہر ہونا ظاہر روایت میں شرط نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے اور یہی ہے شرط طحاوی میں لیکن مستحب ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے مسح کئی بار کرنا سنت نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے

موزوں پر مسح کرنے کے واسطے نیت شرط نہیں ہے یہی صحیح ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے اگر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا اور نیت اور نیت تعلیم کی نہ طہارت کی تو صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان چیزوں کے جو مسح میں ضرور ہیں یہ ہیں کہ موزہ پہننے کے بعد جو حدث کا اثر ہو وہ پوری طہارت پر ہو جو موزہ پہننے سے پہلے یا اس کے بعد کامل ہو چکی ہو یہ محیط میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر

(۱) اور علی نے اپنے استاد سے نقل کیا کہ اعادہ مسح کا ضروری نہیں گذانی الطحاوی مختصر ۱۲۱

پہلے دونوں پاؤں دھوئے پھر دونوں موزہ پہنے یا اگر ایک پاؤں دھو کر اس پر موزہ پہن لیا پھر دوسرا پاؤں دھویا اور اس پر موزہ پہنا پھر حدث سے پہلے طہارت پوری ہوگئی تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر دونوں پاؤں دھو کر دونوں موزے پہن لیے پھر طہارت پوری ہونے سے پہلے حدث ہو تو مسح جائز نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور حدث میں موزے پہنے اور پانی میں گھس گیا اور موزوں کے اندر پانی داخل ہو گیا اور دونوں پاؤں دھل گئے پھر اور اعضا کا بھی وضو کر لیا پھر حدث ہو تو اس پر مسح جائز ہے یہ تمہین میں لکھا ہے گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کیا اور تیمم کیا اور اس پر موزے پہنے پھر حدث ہو اور گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کیا اور تیمم کیا تو موزوں پر مسح کر لے اور گدھے کے جھوٹے کے عوض نبیذ تہر ہو اور باقی مسئلہ اسی حالت پر ہو تو موزہ پر مسح نہ کرے یہ کافی میں لکھا ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کیا اور موزے پہنے اور تیمم نہ کیا یہاں تک کہ حدث ہو گیا تو وہ گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کرے اور موزوں پر مسح کرے پھر تیمم کرے اور نماز پڑھے لے یہ سراج الوہاج اور محیط سرحسی میں لکھا ہے جس شخص نے حدث کا تیمم کیا ہو اس کو موزہ پر مسح جائز نہیں یہ خزائنہ المستمین میں لکھا ہے جس کو موزے پہنے کے بعد یا قبل جنابت ہوگئی اس کو موزوں پر مسح جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ جنابت کے واسطے تیمم کرے اور حدث کے واسطے وضو کرے اور دونوں پاؤں دھوئے پھر موزے پہنے پھر حدیث مسح تک جب وہ وضو کرے اس کو مسح جائز ہوگا پھر اگر پانی کے ملنے سے اس کی جنابت عود کرے تو یہ حکم ہوگا کہ گویا اب مجھ ہوا ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے جب نے غسل کیا اور اس کے جسم پر کوئی نلکا باقی رہ گیا پھر اس نے موزے پہنے پھر اس نلکے کو دھویا پر حدث ہو تو مسح کرنا جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر اعضائے وضو میں سے کوئی مقام ایسا باقی رہ گیا جہاں پانی نہیں پہنچا پھر اس کے دھونے سے قبل حدث ہو تو مسح جائز نہیں یہ تمہین میں لکھا ہے اور منجملہ ان چیزوں کے جو مسح میں ضرور ہیں یہ ہے کہ مدت مسح میں مسح ہو اور مدت المقیم کے لئے ایک دن رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن اور ان کی راتیں ہیں یہ محیط میں لکھا ہے برابر ہے کہ وہ سفر طاعت ہو یا سفر معصیت ہو یہ سراجیہ میں لکھا ہے موزہ پہننے کے بعد حدث ہوا۔ اس وقت سے مدت کی ابتدا معتبر ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے فجر کے وقت وضو کر کے موزے پہنے پھر عصر کے وقت اس کو حدث ہو پھر اس نے وضو کیا اور موزہ پر مسح کیا تو اگر دوسرے دن کی اسی ساعت تک مدت مسح کی باقی ہے جس ساعت میں اول روز حدث ہوا تھا اور اگر مسافر ہے تو چوتھے روز کی اسی ساعت تک مدت مسح کی باقی رہے گی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے مقیم نے مدت اقامت میں سفر کیا تو سفر کی اقامت پوری کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر اقامت کا مسح پورا ہو چکا پھر سفر کیا تو موزہ نکال کر پاؤں دھوئے اور اگر مدت اقامت پوری ہونے سے پہلے اقامت کرے تو مدت اقامت پوری کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ معذور کو اگر وضو کے وقت عذر موجود نہ تھا اور اس نے موزے پہنے تو اس کو مدت معلومہ تک مسح جائز ہے مثل تندرستوں کے اور اگر وضو کرتے وقت یا ایک موزہ پہنتے وقت پیدا ہوا تو مسح وقت میں جائز ہے خارج وقت میں جائز نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور منجملہ ان چیزوں کے جو تیمم میں ضروری ہیں یہ ہے کہ موزہ بہت پھٹا ہوا نہ ہو بہت پھٹے ہونے کی مقدار پاؤں کی چھوٹی تین انگلیاں ہیں یہی صحیح ہے کہ ہدایہ میں لکھا ہے اور شرط یہ ہے کہ بقدر پوری تین انگلیوں کے ظاہر ہو جائے برابر ہے کہ روزن موزہ کے نیچے ہو یا اوپر یا ایڑی کی طرف یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر شکاف موزہ کی ساق میں ہے تو مسح کا مانع نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور چھوٹی انگلیوں کا وہاں اعتبار ہے کہ جب انگلیوں کے سوا کوئی اور جگہ کھل جائے اور اگر انگلیاں

۱۔ بدلیل قول حضرت: مسح المقیم یوما وليلة والمسافر ثلاثة ايام لیا لہا۔ مسح کرے مقیم ایک دن و رات اور مسافر تین دن وان کی راتیں ۱۲

۲۔ ابتدا مسح کی بعد حدث کے شروع ہے کیونکہ اس سے پہلے وضو کی طہارت تھی اور یہی قول شافعی و ثوری و جمہور علماء کا ہے اور یہی دو روایتوں میں سے صحیح

روایت امام احمد داؤد سے ہے اور داعی و ابو ثور نے کہا کہ ابتدائے مدت اُس وقت سے کہ بعد حدث کے جب مسح کرے اور یہی ایک روایت احمد و ابو داؤد سے

ہے اور یہی مختار از راہ دلیل کے ارجح ہے یہ نووی نے ذکر کیا اور یہی ابن المنذر نے اختیار کیا اور یہی قول عامہ علماء کا ہے ۱۲ عین الہدایہ



ہی کھل جائیں تو معتبر یہ ہے کہ تین انگلیاں کھلیں کوئی سی انگلیاں ہوں یہاں تک کہ اگر انگوٹھا اور اس کے برابر کی انگلی کھل گئی حالانکہ چھوٹی تین انگلیوں کے برابر ہے تو مسح جائز ہے اور اگر انگوٹھا اور اس کے برابر کی دونوں انگلیاں کھل گئی تو مسح جائز نہیں اور جس شخص کی انگلیاں کٹ گئی ہوں اس کے موزہ کے روزن کا اعتبار دوسرے شخص کی انگلیوں سے کیا جائے گا یہ جوہرۃ النیرہ اور تبیین میں لکھا ہے

ایک موزہ کے روزن جمع کیے جائیں گے دونوں کے نہ جمع کئے جائیں گے یہاں تک کہ اگر ایک موزہ میں بقدر ایک انگشت کے روزن ہو اور دوسرے میں بقدر دو انگشت کے تو مسح ان پر جائز ہوگا اگر ایک موزہ میں روزن آگے کی جانب ایک انگشت ہو اور ایڑی پر ایک انگشت ہو اور کسی اور طرف اس قدر ہو تو مسح نہیں جائز ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے پھر وہ سوراخ جو جمع کئے جاتے ہیں کم سے کم اس قدر ہوں کہ جس میں ایک بڑی سوئی جاسکے اور جو اس سے بھی چھوٹا ہے وہ معتبر نہیں ہوگا اور سیون کے سوراخوں میں شامل ہوگا۔ مانع مسح سے وہ چوڑا سوراخ ہے جس سے اس کے نیچے کا بدن کھل جائے یا ملا ہوا ہو لیکن چلتے وقت کھل جائے اور پاؤں ظاہر ہو لیکن جب اند کا بدن نہ کھلے تو مانع مسح نہیں اگرچہ بڑا سوراخ ہو۔ اگر موزہ اوپر سے کھل جائے اور اس کے اندر چمڑے کا استر ہے یا کپڑے کا اسز موزہ میں سلا ہوا ہے تو مانع مسح نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور موزہ اور جراب اور جاروق جو پاؤں کے اوپر کی طرف سے جڑے ہوئے ہوں اس میں گھنڈیاں اور سوراخ ہوں جن کے لگانے سے موزہ پاؤں کو ڈھک نے وہ بے چرے موزوں کے حکم میں ہے اور اگر پشت قدم ان سے کچھ ظاہر ہوتی ہو تو وہ موزہ کے روزنوں کے حکم میں ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### مسح کو توڑنے والی چیزوں کے بیان میں

وضو کو توڑنے والی چیزیں اور موزوں کا نکالنا اور اس طرح ایک موزہ کا نکالنا اور مدت کا گذرنا مسح کو توڑتا ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب پانی ملتا ہو لیکن اگر پانی نہ ملے تو مدت کے گذرنے سے مسح نہیں ٹوٹے گا بلکہ اس مسح سے نماز جائز ہوگی یہاں تک کہ اگر مدت گذری اور وہ نماز کے اندر ہے اور پانی نہیں ملتا تو نماز اس طرح پڑھتا ستر ہے یہی اصح ہے یہ محیط اور فتاویٰ قاضی خان اور زاہدی اور جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور بعض مشائخ سے یہ منقول ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اور یہی شبہ ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر موزے نکالے اور وہ ظاہر ہے تو صرف پاؤں دھونا اس پر واجب ہوں گے اور یہی حکم ہے اس صورت میں جب مدت مسح کی

۱۔ برخلاف متفرق نجاست کے یعنی نجاست متفرق موزوں میں ہو یا کپڑے یا بدن یا مکان میں یا مجموع میں اور انکشاف متفرق چنانچہ عورت کی کچھ شرم گاہ اور اس کی پیٹھ اور کچھ ران میں ہو تو یہ جمع کیا جائے گا نجاست کے مانند اور نماز کا مانع ہوگا اور محرم کی خوشبوئے متفرق اکثر اعضاء میں جمع ہوگی اگر بقدر ایک عضو کے گی تو جانور کا ذبح کرنا لازم ہوگا اور ریشمی بوٹیاں بھی جمع کی جائیں گی اگر چہ اس سے زیادہ ہوں گی تو مرد کو اس کا پہننا جائز نہ ہوگا یہی قول ہے کذافی الطحاوی اور قربانی کے دونوں کانوں کے سوراخوں کے جمع کرنے میں اختلاف ہے کیونکہ ایک کان کے سوراخوں میں موزے کے مانند جمع کرنے کو ترجیح دینا لائق ہے ط کی راہ سے باب عبادت میں کذافی الخ ۱۲

۲۔ اس کی مدت یہ کہ اول وقت وضو کر کے موزے اور ظہر کے وقت حدیث ہو اس نے وضو کر کے مسح کیا اور دوسرے روز اس وقت حدیث ہوا ہے اس کو حدیث ہوا ہے نماز میں داخل ہو اور اس کو یاد آیا کہ یہ وقت تمام ہو جانے مسح کا ہے لیکن جانتا ہے کہ اس میں پانی نہیں ہے تو اس اصح قول پر نماز پوری کرے ۱۲

۳۔ اس کی یہ ہے کہ مدت کے رجانے سے حدث نے پاؤں میں سرایت کی اس واسطے کہ پانی کا نہ ہونا مانع سریات کا نہیں تو کرے اور نماز پڑھے جس طرح کہ وہ شخص کہ اس کے اعضاء وضو میں کچھ شک باقی نہیں رہا اور پانی نہیں ہے جو اس کو دھو دے تو اس کو کرنا چاہئے کذافی الطحاوی ۱۲

گذر جائے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ جس شخص کو اپنے موزے نکالنے میں یہ خوف ہے کہ موزے نکالنے سے اس کے پاؤں سردی کی وجہ سے رہ جائیں گے تو اس کو مسح جائز ہے اگرچہ مدت دراز ہو جائے جیسے ان لکڑیوں پر مسح جائز ہوتا ہے جو ٹوٹی ہڈی پر باندھی جائیں یہ تمبین اور بحر الرائق میں لکھا ہے اکثر قدم نکل آئے تو پورے پاؤں کے نکل آنے کے حکم میں ہے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر موزہ چوڑا ہے جب پاؤں اٹھاتا ہے تو ایڑی نکل جاتی ہے اور جب پاؤں رکھتا ہے تو پھر اپنی جگہ پر آ جاتی ہے تو اس پر مسح جائز ہے۔ جس کے پاؤں میڑھے ہو جائیں اور وہ پنچوں کے بل چلتا ہو اور ایڑی اپنی جگہ سے اٹھ گئی ہو تو اس کو بھی موزوں پر مسح جائز ہے جب تک پاؤں اس کا ساق کی طرف کو نکل نہ جائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور اگر دو تہ کے موزے پہنے اور ایک تہ اتار لی تو دوسری پر مسح کا اعادہ نہ کرے اور یہی حکم ہے۔ اس صورت میں جب موزوں پر بال ہوں ان پر مسح کرے پھر بال اتار ڈالے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ موزہ پر مسح کیا پھر اس کے اوپر کا پوست چھیل ڈالا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر جرموقوں کے اوپر مسح کیا پھر جرموق نکال ڈالے تو موزوں پر مسح کا اعادہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور ایک جرموق نکالا تو اسی موزہ پر مسح کرے جو ظاہر ہو گیا اور دوسری جرموق پر مسح کا اعادہ کچھ بے موجب ظاہر روایت کے یہ بدائع اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور اگر بعد پوری طہارت کے موزے پہنے اور ان پر مسح کیا پھر اس کے ایک موزہ میں پانی داخل ہوا اگر ٹخنے تک پانی پہنچا اور سارا پاؤں ڈھل گیا تو اس پر دوسرے پاؤں کا غسل واجب نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں جب اکثر قدم تر ہو جائے اور یہی اسح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اور اگر وضو کیا اور ہڈی ٹوٹنے کی جگہ پر لکڑیاں باندھیں اور ان پر مسح کیا اور دونوں پاؤں دھوئے اور موزے پہنے پھر حدت ہو تو وضو کرے اور ان لکڑیوں پر اور موزوں پر مسح کرے اور اگر وہ زخم اس طہارت کے ٹوٹنے سے پہلے اچھا ہو جائے جس پر موزہ پہنے ہیں تو وہ اس زخم کے موقع کو دھوئے اور موزوں پر مسح کرے اور اگر اس طہارت کے ٹوٹنے کے بعد اچھا ہو تو موزوں کا نکالنا چاہئے یہ سراج الوہاب اور ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اسی کے میل میں جبیرہ پر مسح کرنا ہے یعنی ان لکڑیوں پر جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جاتی ہے یہ مسح امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہ فرض ہے بلکہ واجب اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی اور بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور یہ مسح اس وقت کرے جب ان کے نیچے دھونے یا مسح کرنے پر قادر نہ ہو بایں طور کہ پانی پہنچنے سے یا ان کے کھولنے سے ضرر ہوتا ہو یا شرح وقایہ میں لکھا ہے اور وہ شخص مسح کرے جس کو کھولنے میں اس وجہ سے ضرر ہو کہ وہ ایسی جگہ ہے کہ پھر ان کو خود نہیں باندھ سکتا اور نہ اس کے پاس کوئی اور باندھنے والا ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔

اگر ٹھنڈے پانی سے دھونا نقصان کرتا ہو تو گرم پانی سے دھونا لازم ہے یہ شرح جامع صغیر میں لکھا ہے جو قاضی خان کی تصنیف ہے اور یہ ظاہر ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر نقصان نہ کرے تو اس کا چھوڑنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں اور عتابیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام نے ان دونوں کے قول کی طرف رجوع کیا اور جیون اور حقائق میں ہے کہ احتیاطاً فتویٰ انہیں دونوں کے قول پر ہے کہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابوالکارم کی تصنیف ہے۔ اگر جبیرہ زخم سے زیادہ جگہ پر ہو تو اگر اسکو کھولنا اور زخم پر مسح کرنا دونوں نقصان کرے تو جس قدر زخم کے مقابل اور جس قدر صحیح بدن کے مقابل ہے سب پر مسح کرے اور اگر مسح نقصان کرے اور کھولنا نقصان نہ کرے تو اس قدر پھا ہے پر مسح کرے جو زخم کے سرے پر ہے اور اس کے آس پاس دھولے اور زخم ہو یا داغ ہو یا ہڈی ٹوٹ گئی ہو سب کا حکم ایک ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔ اور اگر اکثر جبیرہ پر مسح کر لیا تو کافی ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے آدھے جبیرہ پر یا اس سے کم پر بالا جماع مسح جائز نہیں یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر قصد کھولنے والے نے پٹی پر مسح کیا پھا ہے پر مسح نہ کیا تو کافی ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

اور مضمرات میں ہے کہ اب فتویٰ اسی پر ہے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابولکارم کی تصیف ہے۔ پٹی کی دونوں گروہوں کے درمیان میں جو ہاتھ کھلا رہ جاتا ہے اس پر مسح کافی ہے اور یہی اسح ہے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اور صفیری سے ہے کہ یہی اسح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اگر زخم اچھا نہیں ہو اور بغیر اس کے جبیرہ گر پڑے تو دھونا لازم نہیں اور مسح بھی باطل نہیں ہوگا اور اگر اچھا ہونے کے بعد گرے تو مسح باطل ہوگا اور خاص اس جگہ کا دھونا واجب ہوگا یہ کافی اور محیط میں لکھا ہے۔ وضو کیا اور دو انگلی ہوئی تھی اس کے اوپر کا پانی بہا لیا پھر اس جگہ کے اچھے ہو جانے کے بعد وہ اگر گئی تو دھونا لازم ہوگا اور اگر بغیر اچھے ہوئے گئی تو دھونا لازم نہ ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اگر ناخن ٹوٹ جائے اور اس پردہ انگلی جائے اور اگر اس کا چھٹانا نقصان کرتا ہو تو اس کے اوپر مسح کر لے اور اگر مسح بھی نقصان کرتا ہو تو اس کو چھوڑ دے۔ اعضا پھٹے ہوئے ہوں تو اگر ہو سکے تو ان کے شگافوں پر پانی بہا دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ان پر مسح کرے اور اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو ان کو چھوڑ دے اور ان کے آس پاس دھوے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ زخم کی پٹی پر مسح کیا پھر وہ گر گئی اور دوسری بدلی تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ مسح کرے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے کسی شخص کی انگلی میں زخم ہو اور اس پر مرہم لگا دے اور زخم زیادہ جگہ پر لگ جائے پھر وضو کرنے میں اس پر مسح کرے تو اگر پوری پٹی پر مسح کرے تو جائز ہے۔ اور یہ حکم ہے فصدا کھلانے والے دن میں اسی پر فتویٰ ہے۔

کسی شخص کی بانہوں پر زخم ہے اور اس کو پانی کے برتن میں ڈبو یا تاکہ ان پر مسح ہو جائے تو جائز نہیں اور پانی خراب ہو جائے گا لیکن اگر ہاتھ کی انگلیوں یا ہتھیلیوں پر ہو تو وہ دھل جائے گا اور پانی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ اس نے مسح کا ارادہ کیا تھا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔۔۔ جبیرہ پر مسح کرنا اور زخم کے پھا ہے پر مسح کرنا اس کے تلے کے بدن کے دھونے کے برابر ہے بدل نہیں ہے یہاں تک کہ اگر جبیرہ صرف ایک پاؤں پر مسح کرے اور دوسرے پاؤں کو دھو دے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اس مسح کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے اور اس میں بھی کچھ فرق نہیں ہے کہ اس کو با وضو باندھے یا بے وضو باندھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور چھوٹا بڑا حدث یعنی بے وضو اور حالت غسل میں ہونا اس میں برابر ہے اور اس کے مسح میں بالاتفاق روایات نیت بھی شرط نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور ایک بار مسح کافی ہے یہی صحیح ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر اوپر کی پٹی دور ہو جائے تو نیچے کی پٹی پر مسح کا اعادہ واجب نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے پاؤں کے دھونے اور موزہ کے مسح کو جمع نہ کرے یہ کافی میں لکھا ہے۔ ایک شخص کے ایک پاؤں میں زخم ہے اور اس پر جبیرہ بندھا ہوا ہے پھر اس نے وضو کیا اور جبیرہ پر مسح کیا اور دوسرے پاؤں کو دھویا پھر ایک موزہ پہنا تو صحیح یہ ہے کہ موزہ پر مسح جائز نہیں اگر جبیرہ پر مسح کر کے دونوں موزے پہنے تو دونوں موزوں پر مسح جائز ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے کسی شخص کے ایک پاؤں میں پھوڑا ہو اور اس نے دونوں پاؤں دھو کے اور دونوں موزے پہنے پھر اس کو حدث ہو اور دونوں موزوں پر مسح کیا اور اس طرح بہت سی نمازیں پڑھیں پھر موزہ نکالا تو یہ معلوم ہوا کہ پھوڑا پھوٹ گیا اور اس سے خون بہا مگر یہ نہیں معلوم کہ کب پھوڑا تو شیخ امام ابو بکر محمد ابن الفضل سے یہ منقول ہے کہ اگر زخم کا سرا خشک ہو گیا ہو اور اس شخص نے موزہ طلوع فجر کے وقت پہنا تھا اور بعد عشا کے نکالا تو فجر کا اعادہ نہ کرے باقی نمازوں کا اعادہ کرے اور اگر زخم کا سرا خون میں تر ہو تو کسی نماز کا اعادہ نہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کسی نے زخم کو باندھا اور وہ بندھن تر ہو گیا اور وہ تری باہر تک آگئی تو وضو ٹوٹ گیا اور نہ نہیں ٹوٹا اور اگر وہ بندھن دھرا تھا اور بعض میں سے تری باہر آئی اور بعض میں سے نہ آئی تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا یہ تاتارخانیہ کے نواقض وضو میں لکھا ہے۔ دستاؤں پر مسح جائز نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اگر دوسرے شخص سے اپنے موزہ پر

۱ اور اگر نماز میں گرا ہو تو نماز کو نئے سرے سے پڑھے کیونکہ بدل سے مقصود پورا ہونے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہو گیا یعنی مسح مذکور سے ہوز نماز پوری نہ ہوئی تھی کماصل پر قادر ہو گیا یعنی دھو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو اب بدل موزہ نہیں رہا لہذا لازم ہے کہ اصل کے ساتھ از سر نو نماز پڑھی ۱۲

مسح کر لیا تو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے عورت موزوں کے مسح کے حکم میں مثل مرد کے ہے اس لئے کہ جو سبب موزوں کے مسح جائز ہونے کا ہے وہ دونوں میں برابر ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

## رحمنا باب

### ان خونوں کے بیان میں جو عورتوں سے مختص ہیں

وہ خون تین قسم کا ہے حیض اور نفاس اور استحاضہ اس باب میں چار فصلیں ہیں:

## پہلی فصل

### حیض کے بیان میں

حیض وہ خون ہے جو رحم سے بدون ولادت کے نکلے یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔ اگر پانچھانے کے مقام کی طرف سے خون نکلے تو حیض نہیں اور جب وہ بند ہو جائے تو غسل واجب ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ خون کا حیض ہونا چند باتوں پر موقوف ہے منجملہ ان کے وقت ہے اور وہ نو برس کی عمر سے سن ایسا تک ہے بدائع میں لکھا ہے ایسا کا وقت پچپن برس کی عمر میں ہوتا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی سب قولوں میں ٹھیک ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ نہایہ اور سراج الوہاج میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے پھر اس کے بعد جو خون نظر آئے گا وہ ظاہر مذہب میں حیض نہ ہوگا اور مختار یہ ہے کہ اگر خون قوی ہوگا تو حیض ہوگا یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے اور منجملہ ان کے نکلنا خون کا ہے فرج خارج تک اگر چہ گدی کے گر جانے سے ہو۔ پس جب تک کچھ گدی خون اور فرج خارج کے درمیان میں حائل ہے تو حیض نہ ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے۔ ایک عورت حیض سے پاک تھی اور اس نے گدی پر خون کا اثر دیکھا تو جس وقت سے گدی اٹھائی اس وقت سے حیض کا حکم ہوگا اور جس عورت کو حیض آرہا ہے اور اس نے گدی اٹھائی اور خون کا اثر نہ پایا تا اس وقت سے خون بند ہونے کا حکم ہوگا جس وقت سے گدی رکھی تھی یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے حیض کے خون میں سیلان شرط نہیں ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس کا خون ان چھ رنگوں میں سے ایک رنگ کا ہو سیاہ ہو یا سرخ ہو یا زرد ہو یا تیرہ رنگ ہو یا سبز ہو یا خاکستری رنگ ہو یہ نہایہ میں لکھا ہے اور گدی پر کے رنگ کا اعتبار اس وقت کا ہے جب اس کو اٹھائیں اور وہ تر نہ ہو اس وقت جب وہ خشک ہو یہ محیط میں لکھا ہے اگر ایسا ہو کہ جب تک کپڑا تر ہے تب تک خالص سپیدی ہو اور جب وہ خشک ہو جائے تب زرد ہو جائے تو اس کا حکم سپیدی کا ہے اور اگر سرخی یا زردی دیکھی اور بعد خشک ہونے کے وہ سپید ہو گئی تو جس حالت میں دیکھا تھا اس حالت کا اعتبار کیا جائے گا اور تغیر کے بعد جو حالت ہوئی اس کا اعتبار نہیں یہ تجنیس میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے مدت حیض کی ہے کم سے کم مدت حیض کی ظاہر روایت میں تین دن اور تین راتیں ہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور اکثر مدت حیض کی دس دن اور ان کی راتیں ہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ اس کے یہ ہے کہ کامل مدت طہر کی اس سے پہلے ہو چکی ہو اور رحم حمل سے خالی ہو یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر دو خون کے درمیان میں طہر آ جائے اور سب خون حیض کی

۱۔ حاکم وابن المنذر نے باسناد صحیح ابن عباس سے روایت کی کہ ابتدائے حیض حضرت حوا پر اس وقت سے ہوا کہ جنت سے اتار دی گئیں حدیث میں ہے کہ یہ یعنی حیض ایک چیز ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھا ہے یعنی مقرر کیا بعض نے سلف نے کہا کہ اول حیض بنی اسرائیل پر ہوا رواہ البخاری طلیقا ۳۱۲

۲۔ اُس وقت حوادث نماز کو چھوڑ دے اگرچہ عورت ایسی ہو کہ پہلا شروع ہوا ہو اس قول میں کیونکہ اصل اس میں صحت ہے اور حیض خون صحت ہے اشمسی ۱۲

۳۔ قولہ سپیدی بعضوں نے کہا کہ وہ ایک چیز ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ بیاض خالص سے انقطاع حیض مراد ہے کذافی انہر الفائق ۱۲

مدت کے اندر ہوں تو حیض ہوگا اور اگر ایک خون حیض کی مدت سے باہر ہو جائے مثلاً ایک روز خون آیا اور نو دن تک طہر رہا اور پھر ایک روز خون آیا تو حیض نہ ہوگا اس لئے کہ آخر کا خون مدت حیض کے اندر نہیں اور اس روایت کے بموجب حیض کی ابتداء اور انتہا طہر سے نہیں ہوئی اور یہ روایت امام محمدؒ کی ہے امام ابو حنیفہؒ سے امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے یہ روایت کی ہے کہ اگر دو خونوں کے درمیان میں طہر آجائے تو اگر وہ پندرہ روز سے کم ہے تو ان کو جدا نہیں کرے گا اور اکثر متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اس واسطے کہ اس میں فتویٰ پوچھنے والے اور فتویٰ دینے والے دونوں پر آسانی ہے یہ تمین میں لکھا ہے اور یہی ہے زاہدی میں اور اسی روایت کا لینا آسان ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اسی پر صدر الشہید حسام الدین کی رائے قائم ہوئی ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے پس اگر دس دن سے زیادہ نہ ہو تو وہ طہر اور خون سب حیض ہوں گے برابر ہے کہ اس عورت کو اول ہی بار حیض آیا ہو عادت مقرر ہو اور اگر دس دن سے زیادہ ہو تو اگر عورت کو اول ہی بار حیض آیا ہے تو دس دن حیض کے سمجھے جائیں گے اور اگر اس کی عادت مقرر ہو تو حیض کی جو مدت معلوم ہے وہ حیض سمجھی جائے گی اور طہر کی جو مدت معلوم ہے وہ طہر سمجھی جائے گی یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور ابتدا حیض کی طہر سے جائز ہے اگر اس سے پہلے خون ہو اور ختم ہونا اس کا بھی طہر پر جائز ہے اگر اس کے بعد خون ہو یہ تمین میں لکھا ہے اگر پندرہ روز یا اس سے زیادہ کا طہر ہو تو ان دونوں خونوں میں فاضل سمجھا جائے گا پس ان دونوں میں سے ہر ایک کو یا صرف ایک کو حیض سمجھیں گے جس طرح ممکن ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے کم سے کم مدت طہر کی پندرہ روز ہے اور اکثر کی کچھ انتہا نہیں لیکن اگر عادت مقرر کرنے کی حاجت ہو مثلاً کوئی عورت ایسی حالت میں بالغ ہوئی کہ اس کو ہمیشہ خون آتا ہے تو ہر مہینہ کے دس دن حیض سمجھے جائیں گے اور باقی طہر۔ یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### نفاس کے بیان میں

نفاس وہ خون ہے جو ولادت کے بعد آئے یہی متون میں لکھا ہے اگر بچہ پیدا ہوا اور خون نہ ظاہر ہوا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہ ہوگا اور یہی روایت ہے امام محمدؒ سے اور مفید میں ہے کہ یہی صحیح ہے لیکن بچہ کے ساتھ نجاست نکلنے کی وجہ سے اس پر وضو واجب ہوگا یہ تمین میں لکھا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غسل واجب ہوگا اکثر مشائخ نے یہی قول اختیار کیا ہے اور اسی پر صدر الشہید فتویٰ دیتے تھے یہ محیط میں لکھا ہے اور ابو علی و قاق نے کہا ہے کہ اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں یہ مضمرات میں لکھا ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ وہی صحیح ہے یہ جوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے اگر اکثر بچہ باہر نکل آیا تو وہ نفاس ہوگا ورنہ ہوگا اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ بچہ بدن کے اندر اندر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اکثر باہر نکل آئے۔ اگر بچہ کی تھوڑی خلقت ظاہر ہو گئی جیسے انگلی یا ناخن یا بال تو وہ بچہ ہے اس کے نکلنے سے عورت کو نفاس ہوگا یہ تمین میں لکھا ہے۔

اگر اس کی خلقت میں سے کچھ ظاہر نہیں ہوا تو نفاس نہ ہوگا اور جو کچھ نظر آیا ہے اگر ہو سکے گا تو حیض ہوگا ورنہ استحاضہ ہوگا اگر بچہ کے نکلنے سے پہلے بھی خون آیا اور بعد بھی خون آیا اور بچہ کی کچھ خلقت ظاہر ہو گئی تھی تو جو خون اس بچہ کے نکلنے سے قبل آیا وہ حیض نہ ہوگا اور بعد کو آیا وہ نفاس ہوگا اور اگر اس کی خلقت ظاہر نہ ہوئی تھی تو جو قبل اسقاط کے آیا اگر وہ حیض ہو سکے گا تو حیض ہوگا یہ نہا یہ میں لکھا ہے اگر بچہ ناف کی طرف سے پیدا ہوا اس طرح کہ اس کے پیٹ میں زخم تھا وہ پھٹ گیا اور اس طرف سے بچہ نکل آیا

تو وہ حکم ہوگا جو زخم سے خون جاری ہونے کی صورت میں ہوتا ہے نفاس نہ سمجھا جائے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے لیکن اگر ناف سے بچہ نکلنے کے بعد فرج کی طرف سے بھی خون آئے تو نفاس ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے اگر دو توام بچے پیدا ہوں تو نفاس اول بچے کے پیدا ہونے کے وقت سے ہوگا یہ کافی میں لکھا ہے اور دو توام بچوں کی شرط یہ ہے کہ ان دونوں کی ولادت میں چھ مہینے سے کم فاصلہ ہو اور اگر چھ مہینے یا اس سے زیادہ ہوں تو دو حمل اور دو نفاس ہونگے اور اگر تین بچے پیدا ہوں اور پہلے اور دوسرے کی ولادت میں چھ مہینے سے کم فاصلہ ہو اور اس طرح دوسرے اور تیسرے کی ولادت میں چھ مہینے سے کم فاصلہ ہو لیکن پہلے اور تیسرے کے درمیان میں چھ مہینے سے زیادہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ ایک حمل سمجھا جائے گا یہ تبیین میں لکھا ہے کم سے کم نفاس وہ ہے کہ جب تک خون آئے اگر چہ ایک ہی ساعت ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اور اکثر نفاس ہمارے نزدیک چالیس دن ہیں یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور اگر چالیس دن سے خون زیادہ ہو تو چالیس روز اس عورت کے لئے جس کو اول مرتبہ نفاس آیا اور معمولی عادت کے دن اس عورت کے لئے جس کو نفاس کی عادت مقرر ہے نفاس ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے چالیس دن کے درمیان میں جو دو خونوں کے درمیان میں طہر آجائے وہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نفاس سمجھا جائے گا اگر چہ پندرہ دن ہو یا اس سے زیادہ اسی پر فتویٰ ہے نفاس کی عادت اس کے ایک بار خلاف ہونے سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بدل جاتی ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے

## بیمری فصل

### استحاضہ کے بیان میں

اکثر مدت حیض و نفاس کے بعد کم سے کم مدت طہر کے درمیان جو خون ظاہر ہو تو اگر اس کو اول مرتبہ خون آیا ہے تو جس قدر اکثر مدت حیض کے بعد ظاہر ہو اور اگر اس کی عادت مقرر ہے تو جس قدر معمولی عادت کے بعد ظاہر ہو وہ استحاضہ ہے اور اس طرح وہ خون جس سے کم مدت حیض سے کم ہو اور اس طرح وہ خون جو بہت بوڑھی عورت سے ظاہر ہو یا بہت چھوٹی لڑکی سے ظاہر ہو استحاضہ ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اس طرح وہ خون جس کو حاملہ عورت ابتدا میں دیکھے یا ولادت کی حالت میں بچہ نکلنے سے قبل دیکھے استحاضہ ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے

## جموںہی فصل

### حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام میں

حیض اور نفاس اور استحاضہ کا حکم جب ہی ثابت ہوتا ہے جب خون نکلے اور ظاہر ہو ہمارے اصحاب کا ظاہر مذہب یہی ہے اور تمام مشائخ اسی پر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط میں لکھا ہے جو احکام حیض و نفاس میں مشترک ہیں وہ آٹھ ہیں منجملہ ان احکام کے یہ

- ۱ اور در مختار و طحاوی میں پڑھایا کہ عورت اگر چہ نہ ہو مگر بچہ کے حق میں احکام بچہ ہونے کے ثابت ہوں گے حتیٰ کہ اگر عورت سے کہا گیا کہ جب تیرے بچہ پیدا ہو تو تجھی طلاق ہے مطلقہ ہو جائے گی اور اگر وہ باندی ہو مالک سے یہ فرزند ہو تو ام ولد ہو جائے گی اور اگر طلاق حمل دی ہو تو عدت گزر جائے گی ۱۲ ع
- ۲ خون استحاضہ چھ قسم ہے ایک وہ ہے جو اقل حیض سے کم ہو دوسرے یہ کہ اثر حیض سے زیادہ ہو تیسرے یہ کہ حیض مبتداء سے زیادہ ہو اور اس کا حیض اس روز کا ہے ہر مہینہ میں چوتھے یہ کہ نفاس مبتداء سے زیادہ ہو اور اس کا نفاس چالیس دن کا ہے پانچویں کہ حیض اور نفاس کی عادت سے زیادہ ہو اور دونوں کی اکثر مدت سے تجاوز کرے چھٹے حاملہ کا خون کذافی الحومی اور آیرہ اور صغیرہ اور مریمہ الرحم کا خون اسی قسم کا ہے کذا ذکرہ ابوالسعود اور خون استحاضہ کی علامت یہ ہے کہ اس میں بدبو نہیں ہوتی اور حیض کے خون میں بدبو ہوتی ہے کذا فی الطحاوی ۱۲ ع

ہے کہ حیض والی اور نفاس والی عورت سے نماز ساقط ہو جاتی ہے اور پھر اس کی قضا بھی نہیں یہ کفایہ میں لکھا ہے اول مرتبہ جو خون نظر آئے اس وقت عورت نماز چھوڑ دے فقیہ نے کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ تا تاریخانیہ میں نوازل سے نقل کیا ہے اور یہی صحیح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے جس نماز کے وقت میں حیض یا نفاس آئے اس وقت کا فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا نماز پڑھنے کے لائق وقت رہا ہو یا نہ رہا ہو یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر آخر وقت نماز شروع کی پھر حیض ہو گیا تو اس پر اس نماز کی قضا لازم نہیں لیکن اگر نماز نفل ہوگی تو قضا لازم ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے حیض والی عورت کے واسطے یہ مستحب ہے کہ جب نماز کا وقت ہو تو وضو کرے اور اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ آ بیٹھے اور جتنی دیر میں نماز ادا کر لی اتنی دیر تک سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ پڑھتی رہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور صغریٰ میں ہے کہ حیض والی عورت جب آیت سجدہ کی سنے تو اس پر سجدہ واجب نہیں یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان احکام کے یہ ہے کہ ان پر روزہ حرام ہوگا مگر اس کی قضا ہوگی یہ کفایہ میں لکھا ہے۔ نفل روزہ شروع کیا اور حیض آ گیا تو احتیاطاً قضا لازم ہوگی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان احکام کے یہ ہے کہ حیض والی عورت اور نفاس والی عورت اور جب پر مسجد میں داخل ہونا حرام ہے برابر ہے کہ اس میں بیٹھنے کے لئے ہو یا اس میں گذر جانے کے لئے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔ تہذیب میں ہے کہ حیض والی عورت مسجد جماعت میں نہ داخل ہو اور حجتہ میں ہے کہ حیض والی عورت کو اس وقت مسجد میں داخل ہونا جائز ہے جب مسجد میں پانی ہو اور کہیں اور نہ ملے اور یہی حکم ہے اس صورت میں جب جب کو یا حیض والی عورت کو درندے کا یا چور کا یا سردی کا خوف ہو تو مسجد میں ٹھہر جانے میں مضائقہ نہیں اور اولے یہ ہے کہ مسجد کی تعظیم کے لئے تیمم کر لے یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے مسجد کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے جو مکان جنازہ کی نماز کے لئے یا عید کی نماز کے لئے بنا جائے صبح یہ ہے کہ اس کے لئے حکم مسجد کا نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے حیض والی عورت کو جب کوزیارت قبور میں مضائقہ نہیں یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان احکام کے یہ ہے کہ حیض والی اور نفاس والی عورت کو طواف خانہ کعبہ کا حرام ہے اگرچہ مسجد سے باہر طواف کریں یہ کفایہ میں لکھا ہے اور اس طرح جب کو بھی طواف حرام ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور منجملہ ان احکام کے یہ ہے کہ قرآن پڑھنا حرام ہے حیض والی اور نفاس والی عورت اور جب ذرا بھی قرآن نہ پڑھیں پوری آیت ہو یا کم ہو دونوں موافق قول اصح کے حرام ہونے میں برابر ہے لیکن اگر کم آیت سے پڑھیں اور قرأت کا قصد نہ کریں مثلاً شکر کے ارادہ سے الحمد للہ کہیں یا کھانا کھاتے وقت یا اور وقت بسم اللہ پڑھیں تو مضائقہ نہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور ایسی چھوٹی آیتیں جو باتیں کرتے میں زبان پر آجایا کرتی ہیں حرام نہیں جیسے تم نظر اور لم یولد یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر جب قرآن پڑھنے کے واسطے کلی کرے تو قرآن پڑھنا حلال نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے جب اور حیض والی اور نفاس والی عورت کو توریت انجیل اور زبور کا پڑھنا مکروہ ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر معلم یعنی پڑھانے والی عورت کو حیض آجائے تو اس کو لائق ہے کہ لڑکوں کو ایک ایک کلمہ سکھادے اور دو کلموں کے درمیان میں توقف کرے اور قرآن کے سبب اس کو مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور ظاہر روایت میں قرأت قنوت کی بھی مکروہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تجنیس اور ظہیر یہ میں لکھا ہے جب اور حیض والی عورت کو دعائیں پڑھنا اور اذان کا جواب دینا اور مثل اس کے اور چیزیں جائز ہیں یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان احکام کے حرمت قرآن چھونے کی ہے۔ حیض والی اور نفاس والی کو اور جب والی کو اور بے وضو کو قرآن کا چھونا جائز نہیں لیکن اگر قرآن ایسے غلاف میں ہو جو اس سے جدا ہو جیسے تھیلی یا ایسی جلد جو اس میں سلی ہوئی نہ ہو تو جائز ہے اور جو اس سے متصل ہو تو جائز نہیں یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ قرآن کے حاشیوں اور اس سفیدی کا جہاں قرآن لکھا ہوا نہیں ہے چھونا بھی جائز نہیں ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اعضائے طہارت کے سوا اور اعضا سے

چھونے میں اور جو اعضاء دھولے ان سے وضو کے پورے ہونے سے پہلے چھونے میں اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ منع ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں ان سے بھی قرآن کا چھونا جائز نہیں اور ان کو تفسیر اور فقہ اور حدیث کی کتابوں کا چھونا بھی جائز نہیں مگر آستین سے چھونے میں مضائقہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے۔ درہم یا لوح اور کسی چیز پر اگر پوری آیت قرآن کی لکھی ہو تو اس کا چھونا بھی جائز نہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ اگر قرآن فارسی میں لکھا ہو تو ان سب کو اس کا چھونا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور اس طرح صحیح قول کے بموجب امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور نیز اس کا چھونا جس میں قرآن کے سوا اور اللہ کا ذکر لکھا ہوا ہے ان سب پر عامہ مشائخ نے ایک حکم کیا ہے یہ نہایت میں لکھا ہے۔ اور جب اور حیض والی عورت اور نفاس والی عورت کو قرآن کا دیکھنا مکروہ نہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور جب اور حیض والی کو ایسی کتابت لکھنا جس کی بعضی سطروں میں قرآن کی آیت ہو مکروہ ہے اگر چہ وہ اس کو پڑھیں نہیں اور جب قرآن کو لکھے نہیں اگر چہ کتاب زمین پر رکھی ہو اور نہ اس پر اپنا ہاتھ رکھے اگر چہ آیت سے کم ہو امام محمدؒ نے کہا ہے کہ بہتر ہے میرے نزدیک نہ لکھے اور اسی کو لیا ہے مشائخ بخارانے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ بچوں کو قرآن دیدینا مضائقہ نہیں اگر چہ وہ بے قصور رہتے ہوں یہی صحیح ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور منجملہ ان احکام کے جماع کا حرام ہونا ہے اور یہ نہایت اور کفایہ میں لکھا ہے اور مرد کو جائز ہے کہ ایسی عورتوں کے بوسے لے اور ان کو پاس لٹائے اور تمام بدن سے لذت حاصل کرے سوا اتنے بدن کے جو گھٹنے اور ناف کے درمیان میں ہے نزدیک امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر مجامعت کی اور جانتا ہے کہ حرام ہے تو اس پر توبہ اور استغفار کے سوا اور کچھ نہیں اور مستحب یہ ہے کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور منجملہ ان احکام کے خون کے بند ہونے کے وقت غسل واجب ہوتا ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اگر اکثر مدت حیض جو دس دن ہیں گذر چکیں تو غسل سے پہلے بھی وطی حلال ہے پہلے ہی بار حیض آیا ہو یا عادت والی ہو اور مستحب یہ ہے کہ جب تک وہ غسل نہ کرے وطی نہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں بند ہو جائے اور جب تک وہ نہ بانہ لے یا اس پر آخر وقت نماز کا اس قدر نہ گزرے کہ جو تحریر اور غسل کو کافی ہو تب تک اس کی وطی جائز نہیں اس لئے کہ نماز اسی وقت واجب ہوتی ہے کہ جب آخر وقت نماز سے اس قدر موجود ہو زہدای میں لکھا ہے پورے وقت کا گذرنا کہ خون اول وقت میں بند ہو اور اسی بند ہونے کی حالت میں تمام وقت گذر جائے شرط نہیں یہ نہایت میں لکھا ہے اگر خون عادت کے دنوں سے کم میں بند ہو جائے تو اس سے قربت کرنا بھی مکروہ ہے اگر چہ وہ نہالے جب تک اس کی عادت کے دن پورے نہ ہو جائیں۔ لیکن اس پر بطور احتیاط کے روزہ و نماز لازم ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر دس دن سے کم میں خون بند ہو اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی وطی حلال نہ ہوگی جب تک وہ نماز نہ پڑھ لے پھر اگر پانی ملا تو قرآن پڑھنا حرام ہو جائے گا وطی حرام نہ ہوگی ہمارے نزدیک یہ زاہدی میں لکھا ہے بخندی نے کہا ہے کہ یہی اصح ہے سراج الوہاج میں لکھا ہے جس عورت کو اول ہی بار حیض آیا ہو اور دس دن سے کم میں وہ پاک ہو جائے یا عادت والی عورت اپنی عادت سے کم دنوں میں پاک ہو جائے تو وضو اور غسل میں اس قدر تاخیر کرے گی کہ نماز کیلئے وقت مکروہ نہ آجائے یہ زاہدی میں لکھا ہے وہ احکام جو حیض سے مختص ہیں پانچ ہیں عدت اور استبراء کا تمام ہونا اور بلوغ کا حکم اور طلاق سنت اور بدعت میں فرق یہ کفایہ میں لکھا ہے اور پیہم روزوں کے اتصال کا قطع نہ ہونا یہ تبیین اور مضمرات کے کفارہ ظہار کے بیان میں لکھا ہے استحصاء کا خون مثل تکبیر کے ہے جو ہمیشہ جاری ہے روزہ اور نماز اور وطی کا مانع نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے ایک مرتبہ بدلنے سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بدل جاتی ہے اسی پر فتویٰ ہے یہ کافی میں لکھا ہے اگر دو پورے طہر کے درمیان میں خون آئے اور زیادہ دن آنے میں یا کم دن آنے میں یا عادت سے پہلے آجانے میں یا بعد کو آنے میں یا دونوں باتوں



میں عادت کے خلاف ہو تو عادت وہی مقرر ہو جائے گی حقیقی خون ہو یا حکمی یہ جب ہے کہ وہ دس دن سے زیادہ نہ ہو جائے اور اگر زیادہ ہو تو جو اس کی معمولی عادت ہے وہ حیض ہوگا اور اس کے سوا استحاضہ ہوگا اور عادت نہ بدلے گی یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی حکم نفاس کا ہے پس نفاس عادت کے خلاف دنوں تک اور چالیس دن سے زیادہ نہ ہو تو عادت بدل جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اگر نفاس کی کچھ عادت مقرر ہے اور کبھی چالیس دن سے زیادہ ہو گیا تو جس قدر عادت کے دن ہیں وہی نفاس سمجھے جائیں گے برابر ہے کہ معمولی عادت خون پر ختم ہو یا طہر پر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے جس عورت کی عادت مقرر ہے اور اب خون اس کا بند نہیں ہوتا اور حیض کی عادت کے دنوں میں اور مکان میں یعنی یہ کہ حیض کے مہینے کے کون سے عشرہ میں ہوتا تھا اور دورہ میں شبہ پڑ گیا تو گمان غالب پر عمل کرے اور اگر کوئی گمان غالب بھی نہ ہو تو نہ وہ حیض ٹھہرائے نہ طہر بلکہ احتیاط پر عمل کرے اور ہر نماز کے واسطے غسل کرے اور جن چیزوں سے حیض والی عورتیں بچتی ہیں ان سے بچتی رہے یہ تمہین میں لکھا ہے پس فرض اور واجب اور سنت موکدہ پڑھے اور موافق صحیح قول کے نفل نہ پڑھے اور قرآن صرف بقدر فرض واجب کے پڑھے اور صحیح یہ ہے کہ فرض کی دونوں رکعتوں میں چھوٹی سورتیں پڑھے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر صرف بعض میں شبہ ہو مثلاً طہر میں اور حیض کے داخل ہونے میں شبہ ہو تو ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے اور اگر طہر میں اور حیض سے فارغ ہونے میں شک ہو تو استحسان یہ ہے کہ ہر نماز کے واسطے غسل کرے نجم الدین نسفی نے لکھا ہے اور صواب یہ ہے کہ ہر نماز کے واسطے غسل کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے۔

اور یہ مبسوط میں لکھا ہے جو امام سرحسی کی تصنیف ہے یہی صحیح ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور رمضان میں کسی روز روزہ کا افطار نہ کرے لیکن اس مہینے کے گزرنے کے بعد حیض کے دنوں کی قضاء اس پر واجب ہوگی پس اگر یہ بات معلوم ہو کہ حیض اس کا رات کو شروع ہوتا تھا تو اس پر بیس روز کی قضا آئے گی اور اگر یہ معلوم ہو کہ دن میں حیض شروع ہوتا تھا تو احتیاطاً بائیس روز کی قضا آئے گی اور اگر دن رات کے شروع ہونے میں بھی شبہ ہو تو اکثر مشائخ کا یہ قول ہے کہ بیس دن کی قضا آئے گی اور فقہ ابو جعفر کا یہ قول ہے کہ بائیس دن کے روزے احتیاطاً قضا کرے خواہ روزے ملا کر رکھے یا جدا جدا رکھے یہ اس وقت ہے جب دورہ اس کا معلوم ہو مثلاً یہ بات کہ ہر مہینے میں آتا ہے اور اگر دورہ بھی معلوم نہیں تو اگر یہ بات معلوم ہے کہ حیض اس کا رات سے شروع ہوتا تھا تو احتیاطاً پچیس دن کی قضا کرے خواہ روزے ملا کر رکھے یا جدا جدا اور اگر یہ بات معلوم ہے کہ حیض دن میں شروع ہوتا تھا تو اگر ملا کر روزہ رکھے تو احتیاطاً بیس دن کی قضا کرے اور اگر جدا جدا رکھے تو اڑتیس دن کی قضا کرے یہ اس صورت میں ہے کہ جب رمضان پورے تیس دن کا ہو اور جو کم کا ہو تو سینتیس دن کی قضا کرے یہ مبسوط میں لکھا ہے جو امام سرحسی کی تصنیف ہے عادت والی عورت جب بعد ولادت کے خون دیکھے اور اپنی عادت بھول جائے تو اگر خون اس کا چالیس دن سے زیادہ نہ ہو اور چالیس دن کے بعد پورا طہر ہو تو جس قدر نمازیں چھوٹی ہیں ان کا اعادہ نہ کرے گی اور اگر خون چالیس دن سے زیادہ ہو گیا یا زیادہ نہ ہو لیکن چالیس دن کے بعد طہر پندرہ دن سے کم ہو تو اس پر یہ لازم ہے کہ اپنے دل میں سوچے اگر کچھ گمان غالب عادت کے دنوں کا ہو تو اسی کو عادت سمجھے اور اسی پر عمل کرے اور اگر کچھ گمان غالب نہ ہو تو احتیاطاً چالیس روز کی سب نمازیں قضا کرے اور اگر خون اس کا اب پھر بند نہیں ہوتا تو دس روز تک انتظار کرے پھر یہ چالیس روز کی نمازیں دوبارہ قضا کرے یہ محیط میں لکھا ہے کسی عورت کو اسقاط ہو اور اس میں شک ہے کہ

جو عورت ایام کا شمار اول و آخر دورہ بھول گئی ہے پس اگر ان تین باتوں میں سے بعض بھولی و بعض نہیں بھولی تو دیکھا جائے کہ اگر اس کو تردد ہے کہ طہر ہے یا حیض کے امام ہیں تو ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے نماز پڑھے اور اگر تردد ہو کہ طہر ہے یا حیض سے اب نکلی ہے تو استحساناً ہر نماز کے وقت کے لیے غسل

اس کے بعض اعضا کی خلقت ظاہر ہوئی تھی یا نہیں اور خون بند نہیں ہوتا تو اگر اس کے حیض کی عادت کے جو دن ہیں ان کے اول میں اسقاط ہوا ہے تو بقدر عادت کے دنوں کے بالیقین نماز کو چھوڑے اس لئے کہ اس کو یا حیض ہے یا نفاس پھر غسل کرے اور جس قدر طہر کی عادت ہے اتنے دنوں تک بطور شک کے نماز پڑھے اس لئے کہ یا اس کو طہر ہے یا نفاس پھر جب تک حیض کی عادت کے دن ہیں تب تک بالیقین نماز چھوڑ دے اس لئے کہ اس کو نفاس ہے یا حیض ہے پھر اگر وقت اسقاط سے چالیس دن پورے ہو چکے تو غسل کرے اور جب تک طہر کی عادت کے دن ہیں بالیقین نماز پڑھے اور اگر پورے نہیں تو جس قدر چالیس دن کے اندر ہیں تب تک بطور شک کے نماز پڑھے اور اس کے بعد بطور یقین کے نماز پڑھے پھر ہمیشہ یہی کرتی رہے اور اگر بعد ایام حیض کے اسقاط ہوا تو وہ اسی وقت سے جب تک اس کے حیض کی عادت کے دن ہیں بطور شک کے نماز پڑھے پھر حیض کی عادت کے دنوں میں بالیقین نماز چھوڑ دے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ شک کے لئے کوئی حکم نہیں ہوتا اور احتیاط واجب ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔

### معذور کے احکام بھی اسی سے متصل ہیں

اول مرتبہ ثبوت عذر کے واسطے یہ شرط ہے کہ ایک نماز کے پورے وقت تک برابر عذر رہے اور یہی اظہر ہے اسی طرح عذر کا منقطع ہونا بھی اس وقت ثابت ہوتا ہے جب نماز کے ایک پورے وقت تک عذر منقطع رہے یہاں تک کہ اگر نماز کے بعضے وقت میں خون آیا پورے وقت میں نہ آیا پھر اس نے بطور معذوروں کے وضو کر کے نماز پڑھی پھر وہ وقت خارج ہو کر دوسری نماز کا وقت داخل ہوا یا اسی بعضے وقت میں خون منقطع ہو گیا تو اس نماز کا اعادہ کرے اس لئے کہ تمام وقت میں عذر موجود نہ ہو اور اگر دوسری نماز کے وقت میں عذر منقطع نہ ہو یا یہاں تک کہ وہ وقت نکل گیا تو نماز کا اعادہ نہ کرے اس لئے کہ پورے وقت میں عذر موجود ہو اور عذر کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ کوئی وقت نماز کا اس پر ایسا نہ گزرے کہ اس میں وہ عذر موجود نہ ہو یہ یمین میں لکھا ہے مستحاضہ عورت اور وہ شخص جس کو سلس البول کی بیماری ہے یا دست جاری ہیں یا بار بار ریح نکل جاتی ہے یا نکسیر جاری ہے یا کوئی زخم جاری ہے جو بند نہیں ہوتا یہ سب لوگ ہر نماز کے وقت کے واسطے وضو کریں اور اس سے اس وقت میں جو فرض و نفل چاہیں پڑھیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر وضو کرتے وقت خون جاری تھا اور نماز پڑھتے وقت بند تھا اور پھر دوسری نماز کے تمام وقت میں بند رہا تو اس نماز کا اعادہ کرے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو ابراہیم حلبی کی تصنیف ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں جب نماز کے اندر خون بند ہوا اور دوسری نماز کے سارے وقت میں بند رہا یہ مضمرات میں لکھا ہے معذور کا وضو فرض نماز کا وقت خارج ہونے سے اسی حدیث سے ٹوٹ جاتا ہے جو اول ہو چکا ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر معذور عید کی نماز کے لئے وضو کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس سے ظہر بھی پڑھ سکتا ہے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ عید کی نماز بمنزلہ صلوة الضحیٰ کے ہے اگر ایک بار ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے ظہر کے وقت میں وضو کیا اور دوسری بار اسی ظہر کے وقت میں عصر کے واسطے وضو کیا تو ان دونوں کے نزدیک اس سے عصر پڑھنا جائز نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور طہارت اس وضو کی اس وقت ٹوٹی ہے جب وہ وضو کرے اور خون جاری ہو یا وضو کے بعد وقت نماز میں خون جاری ہو اور اگر وضو کے بعد خون بند رہا یہاں تک کہ وہ وقت نکل گیا تو وہ وضو باقی ہے اس کو اختیار ہے کہ اسی وضو سے نماز پڑھے جب تک خون جاری نہیں ہوا یا کوئی دوسرا حدیث نہیں ہو یا یہ یمین میں لکھا ہے اگر وقت نماز میں بلا حاجت کے وضو کیا تھا پھر خون جاری ہوا تو اس وقت کی نماز پڑھنے کے لئے دوبارہ وضو کرے اور یہی حکم ہے اس صورت میں جب اس نے سیلان کے سوا کسی دوسرے حدیث کے لئے وضو کیا پھر خون بہنے لگا یہ کافی میں لکھا ہے کسی شخص کے چپک نکل

رہی تھی اور اس میں سے رطوبت جاری تھی پھر اس نے وضو کیا پھر ایک دوسری جگہ سے رطوبت جاری ہوئی جو پہلے جاری نہ تھی تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اس طرح اگر ناک کے ایک نٹھنے سے خون جاری تھا اور اس نے وضو کیا پھر دوسرے نٹھنے سے خون جاری ہو گیا تو اس پر دوسرا وضو لازم ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے جس عورت کو استحاضہ تھا اس نے وضو کیا اور نفل نماز شروع کی جب ایک رکعت پڑھی تو وقت نماز کا نکل گیا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور احتیاطاً اس پر قضا لازم ہوگی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر معذور اس بات پر قادر ہے کہ باندھنے سے یا روئی رکھنے سے خون کو بند کر سکتا ہے یا بیٹھنے میں خون جاری نہیں ہوتا کھڑے ہونے میں جاری ہوتا ہے تو اس کا بند کرنا واجب ہے اور اس کے بند کر لینے کے سبب سے اب صاحب عذر نہیں رہتا لیکن حیض والی عورت اگر گدی رکھ کر خون بند کرے تو اس کو حیض ہی رہتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے نفاس والی یا استحاضہ والی عورت اگر روئی رکھ لے تو وہ نفاس یا استحاضہ سے نہیں نکلتی یہ تجنیس میں لکھا ہے اگر آنکھ میں سے درد کی وجہ سے یا کسی آنکھ کی رگ میں سے ہر وقت پانی جاری ہو تو نماز کے ہر وقت کے لئے وضو کرے اس لئے کہ اس کے پیپ ہونے کا احتمال ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر کسی کا زخم بہتا تھا اور اس پر کپڑا باندھ لیا تھا پھر اس پر قدر درہم سے زیادہ خون لگ گیا یا اس کے پہننے کے کپڑے پر لگ گیا اگر ایسی حالت ہے کہ جو دھوئے تو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی دوبارہ نجس ہو جائے گا تو اس کے بغیر دھوئے نماز پڑھنا جائز ہے اور جو ایسا نہیں تو جائز نہیں ہے مختار ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے جس کی تکسیر جاری ہو یا زخم سے خون بہنے لگے تو وہ آخر وقت تک انتظار کرے اگر خون بند نہ ہو تو وقت کے نکلنے سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھ لے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔

## سانو (باب)

### نجاستوں کے بیان میں اور اس کے احکام میں

اس باب میں تین فصلیں ہیں

#### پہلی فصل

### نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں

نجاستوں کے پاک کرنے کے دس طریقہ ہیں مجملہ ان کے دھونا ہے نجاست کا پاک کرنا جائز ہے پانی سے اور ہر بہتی ہوئی پاک چیز سے جس سے نجاست دور ہو سکے جیسے سرکہ اور گلاب اور سوا اس کے اور چیزیں جن سے کپڑا بھگو کر نچوڑیں تو نچڑ جائے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور جو نہ نچڑے جیسے تیل تو اس سے نجاست دور کرنا جائز نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے چھانچ اور دودھ اور شیرہ کا یہ تبیین میں لکھا ہے اور ان بہتی ہوئی چیزوں سے جن سے نجاست دھلتی ہے مستعمل پانی بھی ہے اور یہ امام محمد کا قول ہے اور ایک روایت امام ابوحنیفہ سے بھی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اگر نجاست نظر آتی ہو تو عین نجاست دور کی جائے اور اس کا اثر بھی دور کیا جائے اگر وہ چیز اس قسم کی ہو کہ اس کا اثر دور ہو جایا کرتا ہے اس میں عدد کا اعتبار نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اگر ایک ہی مرتبہ

۱۔ لیکن شیخ ابن الہمام نے کہا کہ یہ تعلیل کہ شاید وہ پیپ ہو اس کو مقتضی ہے کہ یہ حکم استجابی ہے کیونکہ احتمال و شک اس کے ناقض ہونے کا اس قدر قوت نہیں رکھتا کہ ٹوٹ جانے کا قطعی حکم دیا جائے کیونکہ یقین کا زوال شک کے ساتھ نہیں ہو سکتا ہے ہاں اگر طبیعوں کے خبر دینے سے گمان غالب ہو یا خود بتلائے مرض کے نزدیک علامت سے یہی گمان غالب ہو تو اب البتہ وضو کا اعادہ واجب ہوگا ۱۲ امت

۲۔ اور مانند اس کے پھلوں مانند سیب وغیرہ کا نچوڑنا اور درختوں کا پانی اور خر بوزہ و گلڑی و تر بوزہ و صابن باقلا کا پانی اور ہر پانی جس سے کوئی چیز مل کر اس پر غالب ہوگی تو وہ بھی مانع کے حکم میں ہے۔ ذکر الطحاطاوی حتیٰ کہ تھوک بھی پاک کرنے والا ہے ۱۳ ع

کے دھونے میں نجاست اور اس کا اثر چھوٹ جائے تو وہی کافی ہے اور اگر تین مرتبہ میں بھی نہ چھوٹے تو اس وقت تک دھوے جب تک وہ بالکل چھوٹ جائے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور اگر وہ نجاست اس قسم کی ہی کہ اس کا اثر بغیر مشقت کے دور نہیں ہوتا بائیتور کہ اس کے دور کرنے میں پانی کے سوا کسی اور چیز کی حاجت ہو جیسے صابن وغیرہ کی تو اس دور کرنے میں تکلف نہ کرے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اس طرح گرم پانی سے دھونے کا تکلف نہ کرے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اسی بناء پر فقہانے یہ کہا ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ یا کپڑا مہندی یا کسی اور ایسے رنگ میں رنگ جائیں جو نجس ہو گیا تو جب دھوتے دھوتے اس کا پانی صاف ہو جائے تو پاک ہو گیا اگر چہ رنگ باقی ہو یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اگر کوئی شخص نجس گھی میں ہاتھ ڈالے یا اس کپڑے کو لگ جائے پھر اس ہاتھ یا کپڑے کو پانی سے بغیر اشناں کے دھوئے اور اثر گھی کا اس کے ہاتھ پر باقی رہے تو وہ پاک ہو جائے گا اسی کو اختیار کیا ہے فقیہ ابواللیث نے اور یہی اصح ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور اگر نجاست نظر آنے والی نہ ہو تو اس کو تین بار دھوئے یہ محیط میں لکھا ہے اور جو چیز نجس ہو اس میں ہر مرتبہ نجوڑنا شرط ہے اور تیسری مرتبہ خوب اچھی طرح نجوڑے یہاں تک کہ اگر پھر اس کو نجوڑیں تو اس میں سے پانی نہ گرے اور ہر شخص میں اس کی قوت کا اعتبار ہے اور اصول کے سوا ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ نجوڑنا کافی ہے اور یہی قول زیادہ آسانی کا ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور نوازل میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اول میں زیادہ احتیاط ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر ہر بار نجوڑا اور قوت اس میں زیادہ ہے لیکن کپڑے کے بچانے کے لئے اس نے اچھی طرح نہ نجوڑا تو جائز نہیں یہ فتویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر تین مرتبہ دھویا اور ہر مرتبہ نجوڑا پھر اس میں سے ایک قطرہ ٹپک کر کسی چیز پر لگ گیا اگر اس کو تیسری مرتبہ خوب نجوڑ لیا ہے ایسا کہ اگر اس کو پھر نجوڑیں تو اس میں سے پانی نہ گرتا تو کپڑا اور ہاتھ اور جو قطرہ ٹپکا ہے سب پاک ہیں اور اگر ایسا نہیں نجوڑا تو سب نجس ہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور جو نجس نہیں سکتا وہ تین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ خشک کرنے سے پاک ہوتا ہے اس لئے کہ خشک کرنے میں بھی نجاست کے نکالنے کا اثر ہوتا ہے اور خشک کرنے کی حد یہ ہے کہ اس قدر اس کو چھوڑ دے کہ پانی کا ٹپکنا اس سے موقوف ہو جائے سوکھ جانا شرط نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے یہ جب ہے کہ نجاست کو اس نے خوب پی لیا ہو اور اگر نجاست کو نہ پیایا تھوڑا سا پیا ہو تو تین بار کے دھونے سے پاک ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے کسی عورت نے گھیوں یا گوشت شراب میں پکائے تو امام ابو یوسف کا قول ہے کہ پھر تین مرتبہ پانی میں پکائے اور ہر مرتبہ خشک کرے اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ وہ گھی پاک نہ ہوں گیا اور اسی پر فتویٰ ہے یہ مضممرات میں نصاب اور کبرے سے نقل کیا ہے اگر ایسی چیز نجس ہو جائے جو نجوڑی نہیں جاسکتی اور نجاست پی جائے مثلاً چھڑی کو نجس پانی سے ملمع کیا یا مٹی کا برتن یا اینٹ تازی بنی ہوئی ہوں اور ان پر شراب پڑ جائے یا گھیوں پر شراب پڑ جائے اور وہ اس کو جذب کر کے پھول جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک پاک پانی سے تین بار چھڑی ملمع کی جائے اور اینٹ اور برتن کو تین بار دھوئیں اور ہر بار خشک کریں تو پاک ہو جائیں گے اور گھیوں کو پانی میں بھگوئیں یہاں تک کہ وہ پانی کو اس طرح پی لیں جیسے شراب کو انہوں نے پیا تھا پھر خشک کئے جائیں تین مرتبہ اس طرح کیا جائے تو طہارت کا حکم کیا جائے گا اور اگر نہ پھولے ہوں تو تین مرتبہ دھوئیں اور ہر مرتبہ خشک کریں لیکن یہ شرط ہے کہ اس میں شراب کا مزہ یا بونہ باقی ہو یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر اینٹ پرانی ہو تو اس کو ایک دفعہ تین بار دھولینا کافی ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر شہد نجس ہو جائے تو وہ ایک کڑھائی میں ڈالا جائے اور اس میں پانی ملا دے اور اس قدر جوش دے کہ پانی خشک ہو کر جس قدر شہد تھا وہ باقی رہ جائے تین بار اس طرح کیا جائے گا تو وہ پاک ہو جائے گا فقہانے کہا ہے کہ اس طرح چھانج بھی پاک ہو سکتی ہے نجس تیل کو تین مرتبہ اس طرح دھوئیں کہ اس کو ایک برتن میں ڈالیں پھر اس کے برابر اس میں پانی ڈالیں پھر اس کو ہلا دیں اور چھوڑ دیں یہاں تک کہ تیل اوپر آجائے وہ اوپر سے اتار لیا جائے یا برتن میں سوراخ کر دیا جائے تاکہ پانی نکل جائے اس

طرح تین بار کیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا یہ زاہدی میں لکھا ہے۔

نجس کپڑا برتنوں میں دھویا جائے یا ایک ہی برتن میں تین بار دھویا جائے اور ہر بار نچوڑا جائے تو وہ پاک ہو جائے اس لئے کہ دھونے کی عادت اس طرح جاری ہے اگر نہ پاک ہو تو لوگوں پر وقت پڑے۔ اور نجس عضو کو کسی برتن میں دھونے کا اور ایسے جب کا کہ استنجانہ کیا ہو کسی پانی میں نہانے کا حکم مثل کپڑے کے ہے اور پانی اور برتن ناپاک ہو جائے گا اور اگر چوتھے برتن میں بھی دھویں تو اس کا پانی کپڑا دھونے کی صورت میں پاک کرنے والا باقی رہے گا اور عضو دھونے کی صورت میں پاک کرنے والا باقی نہ رہے گا اس لئے کہ عبادت میں صرف ہو تو مستعمل ہو جائے گا یہ کافی میں لکھا ہے اور وہ تینوں برتنوں کے تینوں پانی نجس ہوں گے لیکن ان کی نجاست میں فرق ہوگا پہلا پانی جب کسی کپڑے کو لگے گا تو وہ تین بار دھونے سے پاک ہوگا اور دوسرے پانی لگنے میں دوبارہ دھونے سے اور تیسرے پانی میں ایک بار دھونے سے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ تنویر میں لکھا ہے اور جب وہ پانی دوسرے کپڑے کو لگے گا تو اس کا وہی حکم ہوگا جو پہلے کپڑے میں تھا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور تیسری بار کے دھونے میں تیسرا برتن بھی پاک ہو جائے گا۔ جیسے کہ کاسہ کی دنگی اور وہ مٹکا جس میں شراب سرکہ بنتی ہے پاک ہو جاتا ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اگر ایک موزہ کا استرناٹ کا ہو اور وہ موزہ پ پھٹ کر اس کے روزنوں میں نجس پانی داخل ہو گیا پھر اسی موزہ کو دھویا اور ہاتھ سے ملا اور اس کے اندر تین بار پانی بھر اور پھینکا لیکن اس ناٹ کو نچوڑ نہ سکا تو وہ موزہ پاک ہو جائے گا یہ محیط میں لکھا ہے نوازل میں ہے کہ وہ ہر بار اتنی دیر تک چھوڑ دیا جائے کہ اس سے پانی ٹپکنا موقوف ہو جائے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے خراسانی موزہ جن کے چمڑے جو سوت سے اس طرح کڑھے ہوئے ہوتے ہیں کہ تمام موزہ کے چمڑے پر سوت چڑھا ہوتا ہے تو اگر اس کے نیچے نجاست لگ جائے تو وہ تین بار دھوئے جائیں اور ہر بار خشک کئے جائیں اور بعض کا قول ہے کہ ہر بار اس قدر توقف کیا جائے کہ پانی ٹپکنا موقوف ہو جائے پھر دوسری بار اور تیسری بار اس طرح دھوئے یہ اصح ہے اور اول میں احتیاط زیادہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے زمین اور درخت میں اگر نجاست لگ جائے پھر اس پر مینہ برے اور نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو وہ پاک ہو جائیں گے اور اس طرح لکڑی میں جب نجاست لگ جائے اور اس پر مینہ برے تو وہ دھلنے کے حکم میں ہے زمین اگر پشاب سے نجس ہو جائے اور اس کے دھونے کی حاجت ہو پس اگر زمین نرم ہے تو تین بار پانی بہانے سے پاک ہو جائے گی اور اگر سخت ہے تو فقہانے کہا ہے کہ پانی اس پر ڈالیں پھر ہاتھ سے رگڑیں پھر اون یا پاک کپڑے سے پوچھیں اور اس طرح تین بار عمل کریں تو پاک ہو جائے گی اور اگر اس پر اتنا بہت پانی ڈالا جائے کہ اس کی نجاست متفرق ہو جائے اور اس کی بو اور رنگ باقی نہ رہے اور چھوڑ دی جائے تاکہ خشک ہو جائے تو پاک ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے بوریا کو اگر نجاست لگ جائے اور وہ نجاست خشک ہو تو ضروری ہے کہ اس کو مل کر نرم کر لیں اور تر ہو اور بوریا نزل کا اور یا اسی کے مثل کسی اور چیز کا ہو تو وہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اور کسی چیز کی حاجت نہ رہے گی یہ محیط میں لکھا ہے اور بلا خلاف پاک ہو جائے گا اس لئے کہ وہ نجاست کو جذب نہیں کرتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر خرما وغیرہ کی چھال ہو تو دھوئیں اور ہر بار خشک کریں امام ابو یوسف کے نزدیک پاک ہو جائے گا یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ اس کی شرح میں لکھا ہے جو ابراہیم حلیمی کی تصنیف ہے اور بوریا اگر نجس پانی میں گر جائے تو امام ابو یوسف کے قول کے بموجب اور اسی کو مشائخ نے اختیار کیا ہے اس کو تین بار دھویں اور ہر بار نچوڑیں یا خشک کریں تو پاک ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی خلاصہ میں لکھا ہے۔

نجس برتن اگر کسی نہر میں ڈالا جائے اور ایک رات چھوڑ دیا جائے تاکہ اس پر پانی جاری رہے تو پاک ہو جائے گا یہ خلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو ابراہیم حلیمی کی تصنیف ہے۔ کوزہ میں اگر شراب ہو تو تین بار اس کے اندر پانی

ڈالنے سے پاک ہو جائے گا اگر کوڑہ کو راہے تو ہر بار ایک ساعت تک توقف کریں اور یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے شراب کا مٹکا اگر پرانا اور مستعمل ہو تو تین بار کے دھونے سے پاک ہو جاتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جب شراب کی بوتلی میں نہ رہے یہ تار خانہ میں کبریٰ سے نقل کیا ہے۔ دباغت کیا ہو اچھا جب اس کو نجاست لگے تو اگر وہ ایسا سخت ہے کہ اس کی سختی کی وجہ سے اس میں نجاست جذب نہیں ہوتی تو ائمہ کے قول کے بموجب دھونے سے پاک ہو جائے گا اور اگر اس میں نجاست جذب ہو سکتی ہے اور اس کو نچوڑ سکتے ہوں تو تین بار دھویں اور ہر بار نچوڑیں تو پاک ہوگا اور اگر نہیں نچوڑ سکتے تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے بموجب تین بار دھویں اور ہر بار خشک کریں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کپڑے کا کوئی کنارہ نجس ہو جائے اور اس کو بھول گیا اور بغیر اس کے سوچ کر گمان غالب کرے اس کپڑے کے کسی کنارہ کو دھولیا تو اس کپڑے کے پاک ہونے کا حکم کیا جائے گا یہی مختار ہے اگر اس کپڑے سے بہت سی نمازیں پڑھیں پھر ظاہر ہو گیا کہ دھویا اور طرف اور نجاست اور طرف تھی تو جس قدر نمازیں اس کپڑے سے پڑھیں ان کا پھیرنا واجب ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور احتیاط یہ ہے کہ سارا کپڑا دھولے اور اس طرح نجاست اگر استین میں لگی تھی اور یہ نہ یاد رہا کہ کوئی استین تھی تو دونوں کو دھولے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر کپڑا نجس ہو جائے اور تین بار اس کا دھونا واجب ہو اور اس نے ایک دن ایک بار دھولیا اور ایک دن دو بار دھولیا تو جائز ہے اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا یہ فتاویٰ قاضی خان کی فصل ما یقع فیہ میں لکھا ہے اور منجملہ انکے پوچھنا ہے لو ہا جس پر صیقل ہو اور وہ کھڈا چھری اور آئینہ اور مثل اس کے اگر اس پر نجاست پڑ جائے اور اس کے اندر جذب نہ ہو تو جس طرح دھونے سے پاک ہوتا ہے اسی طرح پاک کپڑے سے پوچھنے سے پاک ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے نجاست تر اور خشک میں اور جسم دار اور بے جسم میں کچھ فرق نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہی فتویٰ کے واسطے اختیار کیا گیا ہے یہ عتابیہ میں لکھا ہے اگر وہ کھڈا ہو یا منتقش ہو تو پوچھنے سے پاک نہ ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے اگر چھپنے لگائے اور اس جگہ کو بھیکے ہوئے کپڑے سے پوچھ لیا تو کافی ہی اس لئے کہ وہ دھونے کا کام دیتا ہے محیط میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے ملنا ہے منی کو منی اگر کپڑے کو لگ جائے تو اگر تر ہے تو دھونا واجب ہے اور اگر کپڑے پر لگ کر خشک ہے تو بحکم استحسان کے مل کر جھاڑ ڈالنا کافی ہے یہ عتابیہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے کہ مرد اور عورت کی منی میں کچھ فرق نہیں اور مل کر جھاڑ ڈالنے کے بعد اگر منی کا اثر باقی رہے تو کچھ نقصان نہیں جیسے دھونے کے بعد رہتا ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور اگر ذکر کا سراپیشاب سے بھی نجس ہو تو منی مل کر جھاڑنے سے پاک نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر منی بدن کو لگ جائے تو بغیر دھونے پاک نہ ہوگا خواہ منی تر ہو خواہ خشک یہی مروی ہے امام ابو حنیفہؒ سے یہ کافی میں اصل سے نقل کیا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے۔ ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ مل کر جھاڑنے سے بھی پاک ہو جاتا ہے اس لئے کہ بلوے اس میں اشد ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر منی استر تک پھوٹ گئی تو بھی مل کر جھاڑ ڈالنا کافی ہے اور یہی صحیح ہے یہ جو ہرۃ العیرہ میں ہے۔

موزہ پر لگ کر منی خشک ہو گئی تو مل ڈالنا کافی ہے یہ کافی میں لکھا ہے منی کو جب کپڑے سے مل ڈالا اور اس کا اثر جاتا رہا پھر اس پر پانی لگا تو اس میں دو روایتیں ہیں مختار یہ ہے کہ پھر نجاست نہیں لوٹنے کی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور منجملہ ان کے پھیلنا اور رگڑنا موزہ پر اگر نجاست لگ جائے اگر جسم دار نجاست ہے جیسے پانچنا اور لید اور منی تو اگر خشک ہو تو پھیلنے سے پاک ہو جائے گی اور اگر تر ہے تو ظاہر روایت میں بغیر دھونے پاک نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب اس کو بہت اچھی طرح پوچھے اس طور سے کہ اگر تازہ خون کپڑے میں لگا اور خشک ہو گیا پھر اسکو ملا جھاڑا تو کپڑا پاک ہو گیا کذا فی الطحاوی لیکن مشہور یہ ہے کہ بغیر دھونے پاک نہ ہوگا اور یہی جوڑ ہے ۱۲

کچھ اسکا اثر باقی نہ رہے تو پاک ہو جائے گا اور عموم بلوے کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے یہ فتویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر نجاست جسم دار نہیں جیسے شراب اور پیشاب تو جب اس میں مٹی مل جائے یا اوپر سے ڈلا دی جائے پھر اس کو پوچھیں تو پاک ہو جائے گا یہی صحیح ہے یہ تمیین میں لکھا ہے اور ضرورت کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور فتاویٰ حجتہ میں لکھا ہے کہ پوتین پر اگر جسم دار نجاست لگ جائے اور خشک ہو جائے تو رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے جیسے کہ موزہ پاک ہو جاتا ہے یہ مضممرات میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے خشک ہونا اور اس کا اثر دور ہونا ہے زمین خشک ہونے سے اور نجاست کا اثر دور ہونے سے نماز کے واسطے پاک ہو جاتی ہے تمیم کے واسطے پاک نہیں ہوتی یہ کافی میں لکھا ہے دھوپ سے خشک ہونے میں اور آگ سے خشک ہونے میں اور سایہ میں خشک ہونے میں کچھ فرق نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے زمین کے اس حکم میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو زمین میں قائم ہیں جیسے کہ دیواریں اور درخت اور گھاس اور نرکل جب تک وہ زمین میں کھڑے ہیں پس اگر گھاس اور لکڑی اور بانس کٹ جائیں اور پھر ان پر نجاست لگے تو بے دھوئے پاک نہ ہونگے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ اینٹیں اگر زمین میں بطور فرش پکھی ہوئی ہوں تو ان کا زمین کا حکم ہے خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہیں اور اگر زمین پر رکھی ہوئی ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل ہوتی ہوں تو دھونا ضرور ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے پتھر کا اور کچی اینٹ کا یہ قدیہ المصلیٰ میں لکھا ہے اگر اس کے بعد اینٹیں اکھاڑی جائیں تو کیا پھر نجس ہو جاتی ہیں اس میں دو روایتیں ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے سنگریزے کے اگر زمین میں گڑے ہوئے ہوں تو ان کا حکم وہی ہے جو زمین کا حکم ہے لیکن اگر زمین کے اوپر پڑے ہوں تو پاک نہ ہوں گے یہ محیط میں لکھا ہے منیہ المصلیٰ میں۔ اگر زمین خشک ہو کر پاک ہو جائے اور پھر اس پر پانی پڑے تو اسح یہ ہے کہ نجاست عود نہیں کرتی اور اگر پانی اس پر چھڑک لیں اور اس پر بیٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے گوبر جلانا ہے اگر جل کر رکھ ہو جائے تو امام محمد کے نزدیک اس کی طہارت کا حکم ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے پانچا نہ کا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر بکری کا سر جو خون میں بھرا ہوا ہے جلایا جائے اور خون اس سے زائل ہو جائے تو اس کی طہارت کا حکم کیا جائے گا نجس مٹی سے اگر کوزہ یا ہانڈی بنا دیں پھر وہ پک جائے تو پاک ہو جائے گا یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اینٹوں کا جو نجس پانی سے بنائی جائیں پھر پکائی جائیں یہ فتاویٰ غرائب میں لکھا ہے اگر کسی عورت نے تنور گرم کیا پھر اس کو ایسے کپڑے سے پونچھا جو نجاست میں بھیگا ہوا تھا پھر اس میں روٹی پکائی اگر روٹی لگنے سے پہلے اس کی تری آگ کی گرمی سے جل چکی تھی تو روٹی نجس نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اگر تیز گوبر سے یا لید سے گرم کیا جائے تو اس میں روٹی پکانا مکروہ ہوگا اور اگر اس پر پانی چھڑک لیا جائے تو کراہت باطل ہو جائے گی یہ قدیہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے حالت بدل جانا ہے اگر شراب ایک نئے مٹکے میں ہو اور اس کا سرکہ بن جائے تو وہ بالاتفاق پاک ہو جائے گا یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ شراب میں جو آٹا گوندھا جائے وہ دھونے سے پاک نہیں ہوتا اور اگر اس میں سرکہ ڈال دیں اور اس کا اثر جاتا رہے تو وہ پاک ہو جائے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے کلچہ اگر شراب میں ڈال دیا جائے پھر وہ شراب سرکہ بن جائے تو صحیح یہ ہے کہ وہ کلچہ پاک ہوگا اگر اس میں بوشراب کی باقی نہ رہے۔ اور یہی حکم پیاز کا ہے جب وہ شراب میں ڈالی جائے اور شراب سرکہ بن جائے اس لئے کہ اجزا شراب کے جو اس میں ملے ہوئے تھے وہ

۱۔ یعنی رنگ و بو دور ہونے سے رضح البحر اور مزہ بھی جاتا رہا بخ ۱۲ ع

۲۔ لیکن امام مصنف ہدایہ کے نزدیک است عود کرے گی اور یہی احوط و اشبہ ہے واللہ اعلم ۱۲

۳۔ یہ کراہت ظاہر اتزیہی ہے بدلیل اس کے کہ نجاست کا دھواں کپڑے یا بدن میں لگا تو صحیح یہ ہے کہ اس کو نجس نہیں کرے گا السراج۔ اگر کوٹھری میں گوہ

جلائی گیا اور دھواں چڑھ کر موکھلے کے توے پر منعقد ہو کر پکا اور کسی کپڑے کو لگا تو استحسانا خراب نہ ہوگا جب تک کہ اثر نجاست کا ظاہر نہ ہو اور اسی پر امام محمد

بن الفضل نے فتویٰ دیا العتابیہ ۱۲

سرکہ ہو گئے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ شراب اگر پانی میں پڑے یا پانی شراب میں پڑے پھر وہ سرکہ ہو جائے تو پاک ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر شور بے میں شراب پڑ جائے پھر سرکہ پڑ جائے اگر وہ شور باترشی میں سرکہ کے مانند ہو جائے تو پاک ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ چوہا شراب میں گر جائے اور پھٹ جانے سے قبل اس کو نکال لیں پھر وہ شراب سرکہ ہو جائے تو اس کو کھالینے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اگر وہ شراب کے اندر پھٹ جائے پھر نکالا جائے پھر وہ شراب سرکہ بنے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ کتا اگر شیرہ کو چائے پھر اس کی شراب بنے پھر سرکہ بنے تو اس کا کھانا حلال نہیں اس لئے کہ لعاب کتے کا اس میں قائم ہے اور وہ سرکہ نہیں ہو جاتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

یہی حکم ہے اس صورت میں جب پیشاب شراب میں گر جائے پھر وہ سرکہ بن جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ نجس سرکہ اگر شراب میں ڈالا جائے پھر وہ شراب سرکہ ہو جائے تو نجس ہوگی اس لئے کہ وہ نجس سرکہ جو اس میں ملا تھا وہ متغیر نہیں ہوایہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے سور اور گدھا اگر نمک سار میں گر جائے اور نمک ہو جائے یا کسی چہ بچہ میں گر کر مٹی ہو جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک پاک ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے مٹکے میں شیرہ ہو اور اس کو جوش آجائے اور سخت ہو جائے اور اس پر جھاگ آئے اور اس کا جوش موقوف ہو جائے اور کم ہو جائے پھر وہ سرکہ ہو جائے اگر وہ سرکہ بہت دنوں تک اس میں چھوڑ دیا جائے اور سرکہ کے بخارات مٹکے کے منہ تک پہنچیں تو وہ مٹکا پاک ہوگا اور اس طرح وہ کپڑا جس میں شراب لگی ہو اور سرکہ سے دھویا جائے تو پاک ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر نجس تیل صابن میں ڈالا جائے تو اس کے پاک ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا اس لئے کہ اس میں تغیر ہو گیا اور منجملہ ان کے چمڑے کو دباغت سے اور جانور کے گوشت پوست کو ذبح سے اور کنویں کو پانی نکالنے سے پاک کرنا ہے اور یہ سب بہ تفصیل بیان ہو چکے اور اسی سے ملتے ہوئے ہیں یہ مسائل اگر کسی عضو پر نجاست لگ جائے اور اس کو زبان سے چاٹ لے یہاں تک کہ اس نجاست کا اثر جاتا رہے تو پاک ہو جائے گا اور اس طرح اگر چھری نجس ہو جائے اور اس کو زبان سے چاٹ لے یا اپنا تھوک لگا کر اس کو پونچھ لے پاک ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کپڑے کو زبان سے چاٹے یہاں تک کہ نجاست کا اثر جاتا رہے تو پاک ہو جائے گا یہ محیط میں لکھا ہے منہ بھر کے قے کی پھر وضو کیا اور کلی نہ کی یہاں تک کہ نماز پڑھ لی تو وہ نماز جائز ہوگی اس لئے کہ منہ تھوک سے پاک ہو جاتا ہے بچے نے مان کے پستان پر قے کی پھر اس پستان کو بہت دفعہ چوسا تو وہ پاک ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ دھنی ہوئی نجس روئی اگر دھنی جائے اگر کل یا نصف نجس تھی پاک نہ ہوگی اگر تھوڑی سی نجس تھی جس میں یہ احتمال ہو کہ اس قدر دھننے میں نکل گئی ہوگی تو اس کی طہارت کا حکم کیا جائے گا جیسے خرمن جو نجس ہو جائے پھر کسان اور عامل کے درمیان میں تقسیم کیا جائے تو اس کی طہارت کا حکم ہوتا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ گیہوں کو گدھوں سے کھائیں اور ان کا پیشاب اور لید بعضے گیہوں پر پڑے اور وہ گیہوں جس پر نجاست پڑی اور گیہوں کے ساتھ ملے ہوئے ہوں تو فقہانے کہا ہے کہ اگر ان میں سے تھوڑے نکال کر دھوئے جائیں پھر سب ملا دیے جائیں تو ان کا کھانا جائز ہو جائے گا اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ تھوڑے سے گیہوں اس میں سے نکال کر کسی کو بہہ کر دے یا صدقہ دے دے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ نجس رائگ پکھلانے سے پاک ہو جاتا ہے موم پاک نہیں ہوتا یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ چوہا اگر گھی میں مر جائے تو اگر گھی جما ہوا ہو تو اس کے پاس پاس کا گھی نکال کر پھینک دیا جائے اور باقی پاک ہے وہ کھایا جائے اور اگر پتلا ہو تو اس کو کھانا جائز نہیں لیکن کھانے کے سوا اور طرح فائدہ لینا اس سے جیسے روشنی کرنا اور

۱۔ جو نجاست مغلطہ کہ کنوئیں میں گر کر اس کی تہ کی مٹی میں سیاہ مٹی ہو گئی تو نجس نہ رہی کیونکہ ذات منقلب ہو گئی اسی پر فتویٰ دیا جائے ۱۲

۲۔ یوں ہی مطلق مذکور ہے اور ظاہر یہ کہ کل نجس نہ ہو اور ۱۲



چمڑے کی دباغت کرنا جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر اس چمڑے کی دباغت کی جائے تو اس کے دھونے کا حکم کیا جائے پھر اگر وہ چمڑے کے تو تین بار اس کو دھویں اور نچوڑیں اور اگر نہ نچوڑ سکے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین بار دھویں اور ہر بار خشک کریں یہ بدائع میں لکھا ہے اور جسے ہوئے گھی کی حد یہ ہے کہ اگر کسی طرف سے گھی نکالا جائے تو اس وقت سب مل کر برابر نہ ہو جائے اور اگر اس وقت برابر ہو جائے تو وہ پتلا ہے یہ فتاویٰ غرائب میں لکھا ہے

## دوسری فصل

### نجس چیزوں کے بیان میں

نجس چیزیں دو قسم کی ہیں اول مغلظہ اور وہ بقدر درہم کے عفو ہیں اور درہم کے اعتبار میں روایتیں مختلف ہیں صحیح یہ ہے کہ اگر جسم دار نجاست ہو تو وزن کا اعتبار کرے اور وہ یہ ہے کہ وزن اس کا درہم کبیر کے برابر ہو جو ایک شقال ہوتا ہے اور جو نجاست سے جسم کی ہو اس میں ناپ کا اعتبار ہے اور وہ بقدر ہتھیلی کی چوڑائی کے ہے یہ بیہین اور کافی اور اکثر فتاویٰ میں لکھا ہے۔ اور شقال کا وزن بیس قیراط کا ہے۔ اور شمس الائمہ سے یہ منقول ہے کہ ہر زمانہ میں اسی زمانہ کے درہم کا اعتبار کیا جائے اور صحیح وہی ہے جو اول بیان ہوا یہ سراج الوہاج میں ایضاً سے نقل کیا ہے

جو چیزیں آدمی کے بدن سے ایسی نکلتی ہیں جن کے نکلنے سے وضو یا غسل واجب ہوتا ہے وہ مغلظہ کہیں جیسے پاخانہ اور پیشاب اور منی مذی اور ودی اور کچلو ہو اور پیپ اور تے جو منہ بھر کر آئے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور یہی حکم ہے حیض اور نفاس اور استحاضہ کے خون کا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اور یہی حکم ہے بچے کے پیشاب کا لڑکا ہو یا لڑکی کھانا کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے۔ اور یہی حکم ہے شراب کا اور جاری خون کا اور مردار کا اور جو جانور نہیں کھائے جاتے ان کے پیشاب کا اور لید کا اور تیل کے گوبر کا اور پانچخانہ اور کتے کے گوہ اور بٹ اور مرغابی کی بیٹ کا یہ سب بہ نجاست غلیظہ نجس ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے درندے جانوروں اور بلی اور چوہے کے گوہ کا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ بلی یا چوہے کا پیشاب اگر کپڑے کو لگ جائے تو بعضوں نے کہا ہے کہ اگر قدر درہم سے زیادہ ہو تو کپڑا نجس ہو جاتا ہے اور یہی ظاہر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ سانپ کا گوہ اور پیشاب نجس ہے یہ نجاست غلیظہ اور یہی حکم ہے جو تک کے گوہ کا یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ اور بڑی گلی اور گرگٹ کا خون نجس ہے اگر بہتا ہو یا ہو یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ قدر درہم سے زیادہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو نماز جائز نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے۔ دوسری نجاست مخففہ۔ اور وہ چوتھائی کپڑے سے کم معاف ہے یہ اکثر متون میں لکھا ہے۔ چوتھائی کپڑے کے حساب میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے اس طرف کی چوتھائی کا اعتبار ہے جہاں نجاست لگی ہو جیسے دامن اور آستین اور کلی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کپڑے پر نجاست لگی ہو۔ اور اگر بدن پر ہو تو اس عضو کی چوتھائی کا اعتبار ہے جس پر نجاست ہی جیسے ہاتھ اور پاؤں صاحب تحفہ اور محیط اور بدائع اور مجتبیٰ اور سراج الوہاج نے اسی کو صحیح کہا ہے اور حقائق میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ گھوڑے اور حلال جانوروں کا پیشاب اور جو پرند جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے اس کی بیٹ بھی یہ نجاست خفیفہ نجس ہے یہ کنز میں لکھا ہے۔

۱۔ مثلاً اگر آدمی کا پیشاب ہو تو بقدر درم مساحت یعنی ہتھیلی کے قعر کے عفو اور اس سے زیادہ نہیں جائز ہے اور اگر گوہ ہو تو ایک درم وزن سے زیادہ نہیں جائز ہے ۲۔ یعنی انگلیوں کے جوڑوں کے اندر کا گہرا ۱۳۔ ۳۔ ان چیزوں کی نجاست اسی وجہ سے مغلظہ ہوئی کہ یہ نجاست بدلیل قطعی ثابت ہوئی ہے ۱۴۔ شیخین کے نزدیک گھوڑے کے پیشاب کی نجاست خفیفہ ہے اور امام نے اس کے گوشت کو مکروہ جو کہا ہے تو اس واسطے کہ وہ جہاد کا سامان ہے نہ اس واسطے کہ اس کا گوشت ناپاک ہے ۱۵۔

نجاست کے خفیف ہونے کا حکم کپڑے میں جاری ہوتا ہے پانی میں جاری نہیں ہوتا یہ کافی میں لکھا ہے۔ شہید کا خون جب تک بدن پر ہے پاک ہے اور جب اس سے جدا ہو گیا تو نجس ہے۔ ہر جانور کا پتہ مثل اس کے پیشاب کے ہوتا ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ سوئی کے سرے کے برابر پیشاب کی چھینٹ اڑتی ہے وہ بسبب ضرورت کے معاف ہے اگرچہ تمام کپڑے پر پڑ جائیں یہ تمبین میں لکھا ہے۔ سوئی کی دوسری طرف کے برابر جو پیشاب کی چھینٹ ہوں ان کا بھی حکم ہے یہ کافی اور تمبین میں لکھا ہے یہ حکم جب ہے کہ جب وہ چھینٹ اڑ کر کپڑے یا بدن پر گریں لیکن اگر پانی میں گریں تو وہ نجس نہ ہو جائے گا اور کچھ عفونہ ہوگا اس لئے کہ بدن اور کپڑے اور مکان کی بہ نسبت پانی کی طہارت کی زیادہ تاکید ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور اگر پیشاب کی چھینٹ بڑے سوتے کے سرے کے برابر اڑیں تو نماز منع ہوگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور سی سے ملتے ہوئے یہ مسئلے ہیں۔ سانپ کی کھال نجس ہے اگرچہ اس کو ذبح کیا ہو اس لئے کہ وہ باغٹ کو قبول نہیں کرتا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ سانپ کی کچلی صحیح یہ ہے کہ پاک ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ سوتے ہوئے آدمی کی رال پاک ہے برابر ہے کہ منہ سے نکلی ہو یا معدہ سے آئی ہو نزدیک امام ابو حنیفہ اور امام ابو محمد کے اور اسی پر فتویٰ ہے مردے کے لعاب کو بعضوں نے نجس کہا ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ ریشم کے کپڑوں کا پانی اور ان کی آنکھ اور بیٹ پاک ہے یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ جو جانور کھائے جاتے ہیں جیسے کبوتر اور چڑیا ان کی بیٹ ہمارے نزدیک پاک ہے۔ یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ گدھیا کا دودھ پاک ہے یہ تمبین اور منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور وہ کھایا نہ جائے یہ نہایہ اور خلاصہ میں لکھا ہے۔ جانور کے ذبح کے بعد جو خون اس کی رگوں میں باقی رہتا ہے اگرچہ بہت سا کپڑے کو لگ جائے تب بھی اس سے کپڑا خراب نہیں ہوتا۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اس خون کا جو گوشت میں باقی رہ جاتا ہے اس لئے کہ وہ خون جاری نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور جو جاری خون گوشت میں لگ جاتا ہے وہ نجس ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔ جگر اور تلی کا خون نجس نہیں یہ خزائنہ الفتاویٰ میں لکھا ہے۔ خون مچھر کا اور پسو کا اور جوں اور کتاں کا پاک ہے اگرچہ بہت ہو یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ مچھلی اور پانی میں جینے والے جانوروں کا خون امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کپڑے کو پلید نہیں کرتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ چوہے کی میٹھی اگر گہیوں کے گوں میں گر جائے اور گہیوں کے ساتھ پس جائے یا تیل کے برتن میں تو وہ آنا اور تیل جب تک اس کا مزہ نہ بدلے پلید نہ ہوگا فقہ ابو الیث نے کہا ہے کہ ہم اسی قول کو لیتے ہیں اور مسائل ابو حفص میں ہے کہ چوہے کی میٹھی اگر رُب آئیں یا سرکہ میں گر جائے تو وہ خراب نہیں ہوتا یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کپڑے پر تیل نجس قدر درہم سے کم لگے پھر وہ پھیل کر قدر درہم سے زیادہ ہو جائے تو بعض کے نزدیک وہ نماز کا مانع ہی اور اسی کو لیا ہے اکثروں نے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور یہی قول اختیار کیا جاتا ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔ نجس کپڑا جو پاک کپڑے میں لپیٹا جائے اور وہ تر ہو اور اس کی تری پاک کپڑے میں ظاہر ہو لیکن پاک کپڑا اس سے تر نہ ہو جائے کہ نچوڑتے میں رطوبت گرے یا قطرے ٹپکیں تو اصح یہ ہے کہ وہ نجس نہ ہوگا اور اس طرح اگر پاک کپڑا ایک نجس کپڑے پر یا نجس زمین پر جو تر ہو بچھایا جائے اور نجاست کپڑے میں اثر کرے لیکن وہ اتنا تر نہ ہو جائے کہ نچوڑتے میں اس سے رطوبت گرے مگر نجاست کی تری کی جگہ معلوم ہوتی ہو تو اصح یہ ہے کہ وہ نجس نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر تر پاؤں نجس زمین یا نجس بچھونے پر رکھے تو وہ نجس نہ ہوگا اور اگر خشک پاؤں نجس بچھونے پر رکھا جو تر ہو تو پاؤں اگر بھیگ گیا تو

۱ واضح ہو کہ نجاست کو جو خفیف کہتے ہیں تو اس کی خفت سوائے پانی کے کپڑے وغیرہ میں ظاہر ہوگی حتیٰ کہ اگر کنوئیں میں نجاست خفیفہ گرے تو سب کا پانی نکالنا پڑے گا ۱۳۲ اور نوادر معلیٰ میں ہے کہا اگر ایسی چھینٹ پڑے کہ ان کا اثر دیکھا جاتا ہے تو دھونا ضروری ہے اور اگر نہ دھوئیں حتیٰ کہ نماز پڑھی پس اگر اتنی ہوں کہ اگر جمع کی جائیں تو درم سے زائد ہوں تو نماز کا اعادہ کرے کذاتی ذکرہ البقالی دارالامام الخوئی ۳۱۲

۲ رب نچوڑا ہوا جو گاڑھا کر دیا جائے خواہ انگور کا ہو یا سیب وغیرہ کا ۱۳۲ ع

نجس ہو گیا اور نمی کا اعتبار نہیں یہی مختار ہے یہ سراج الوہاج میں فتاویٰ سے لکھا ہے۔ گو بر مٹی میں ملا ہو اور اس سے چھت لیمسی جائے اور خشک ہو جائے تو اس پر بھیگا ہوا کپڑا رکھ دینے سے نجس نہیں ہوتا۔ سوکھا ہوا گو بر یا نجس مٹی جب ہوا سے اڑ کر کپڑے پر پڑے تو جب تک اس میں نجاست کا اثر نظر نہ آئے نجس نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ ہوا جو گندگیوں پر گزر کر تر کپڑے کو لگ جائے تو اگر اس میں نجاست کی بو آنے لگے تو نجس ہو جائے گا اور نجاستوں کے بخارات لگنے سے نجس نہیں ہوتا یہی صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے نجاست کا دھواں اگر کپڑے یا بدن کو لگے تو صحیح یہ ہے کہ وہ نجس نہیں ہوتا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر چہ کسی گھر میں جلایا جائے اور اس کا دھواں اور بخار چھت کی طرف کوچہ ہے اور اس کے روشن دان میں تو الگا ہے اور وہاں بستہ ہو جائے اور پھر وہ پگھلے یا توے میں سے پسو نکلے اور وہ کپڑے کو لگے تو بطور احسان کے یہ حکم ہے کہ جب تک اثر نجاست کا ظاہر نہ ہوگا وہ کپڑا پلید نہ ہوگا امام ابو بکر محمد بن الفضل نے اسی پر فتویٰ دیا ہے یہ فتاویٰ غیاثیہ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اصطبل کا جب وہ گرم ہو اور اس کے دھواں نکلنے کے سوراخ پر تو اہو جہاں نجاست جمع ہوتی ہے اور پھر اس توے میں پسو آیا اور ٹپکنے لگا اور یہی حکم ہے حمام کا جب اس میں نجاست جلانی جائے اور دیواروں اور روشندانوں سے پسو ٹپکنے لگے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر پانی سے استنجا کیا اور کپڑے سے نہ پونچھا پھر گوز آیا تو فقہا کا یہ قول ہے کہ اس کا گردا گرد نجس نہیں ہوتا اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ استنجا نہیں کیا لیکن پانجامہ پسینے یا پانی میں تر ہو گیا پھر گوز آیا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر سردی کے موسم میں گھوڑے بندھنے کی جگہ میں جہاں لید وغیرہ جلتی رہتی ہے داخل ہوا اور بدن اس کا تر تھا یا کوئی تر چیز وہاں لے گیا اور اس کی گرمی سے خشک ہوئی نجس نہ ہوگی لیکن اگر اثر ظاہر ہوا مثلاً زردی پانجامہ پر یا جو تر چیز اصطبل میں لے گیا تھا اس پر خشکی ہونے کے بعد ظاہر ہوئی تو نجاست کا حکم ہوگا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے پچھونے پر سویا جس پر منی لگ کر خشک ہو گئی تھی پھر اس کو پسینا آیا اور اس سے وہ پچھونا تر ہو گیا تو اگر اس کے پچھونے کی تری کا اثر اس کے بدن پر ظاہر نہیں ہوا ہے نجس نہیں ہوگا اور ظاہر ہوا تو نجس ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے گدھے نے پانی میں پیشاب کیا اور اس کی چھینٹ کسی آدمی کے کپڑے پر پڑے تو وہ جواز صلوٰۃ کو مانع نہیں اگر چہ بہت ہوں لیکن جب یقین ہو جائے کہ وہ چھینٹ پیشاب کی تھیں تو مانع ہوں گی اور ایسے ہی اگر چہ کپڑے پانی میں پڑے اور اس سے چھینٹ اڑے اور اگر کپڑے پر پڑیں اگر ان کا اثر کپڑے میں ظاہر ہو گیا تو کپڑا نجس ہوگا ورنہ نجس نہ ہوگا یہی مختار ہے اور اسی کو اخذ کیا ہے فقیہ ابو اللیث نے برابر ہے کہ پانی جاری ہو یا نہ ہو اور ابو بکر محمد بن الفضل سے منقول ہے کہ اگر گھوڑے کے پاؤں میں نجاست لگی ہو اور وہ پانی میں چلے اور اس کی چھینٹ سوار کے کپڑے پر پڑے تو وہ نجس ہو جائے گا بند پانی ہو یا جاری اور پہلا قول اصح ہے بموجب قاعدہ کلیہ کے یقین شک سے زائل نہیں ہوتا یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔

جو ابراہیم حلبی کی تصنیف ہے پانچاں کی کھیاں اگر کسی کپڑے پر بیٹھ جائیں تو وہ نجس نہیں ہوتا لیکن اگر وہ غالب ہوں اور بہت ہوں تو نجس ہو جاتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ کسی شخص کے پاؤں میں کچھ بھر گئی یا وہ مٹی میں چلا اور پاؤں نہ دھوئے اور نماز پڑھ لی تو اگر نجاست کا اثر اس میں نہیں ہے تو جائز ہے لیکن احتیاط ہے کہ پاؤں دھولے یہ فتاویٰ قرآنی میں واقعات حسامیہ سے نقل کیا ہے پاک پانی میں اگر نجس مٹی ڈالے یا پاک مٹی میں نجس پانی ڈالا جائے تو صحیح یہ ہے کہ گلا وہ نجس ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا

۱۔ میت کے نہلانے والے پر اس حالت میں جو میت کے دھوؤں سے چھینٹ پڑے جن سے بچاؤ کرنا ممکن نہیں ہے تو اس کو نجس نہ کریں گی کیونکہ یہ عام بلوئے ہے الفتح مصلیٰ کے غسل سے جو چھینٹ برتن میں گریں جن کے گرنے کا موقع ظاہر نہیں ہوتا تو وہ مغنوبے جیسے راستہ کی کچھز و نجس کا دھواں و گو بر کا غبار اور کتوں کے بیٹھنے و رہنے کی جگہ کا غبار عضو ہے ۱۲ع

ہے اور اسی کو لیا ہے فقیہ ابواللیث نے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ نجس بھوسہ گلا وہ میں ڈالا جائے اور وہ بھوسہ قائم رہے اور نظر آتا ہو تو اگر بہت ہوگا تو نجس ہوگا ورنہ نجس نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور اگر خشک ہو جائے گا تو اس کی طہارت کا حکم ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے۔ کتا اگر کسی کے عضو یا کپڑے کر پکڑے تو جب تک اس پر تری ظاہر نہ ہوگی نجس نہ ہوگا خوشی میں ہو کتا یا غصے میں ہو یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔ صیر فیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے یہ منیۃ المصلیٰ کی شرح میں لکھا ہے جو ابراہیم حلبی کی تصنیف ہے۔ کتا اگر مسجد کے بورے پر کھڑا ہو جائے اگر خشک ہے تو نجس ہوگا اور اگر تر ہو اور نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ ہاتھی کی ہڈی پاک ہے یہی اصح ہے یہ محیط میں لکھا ہے ہاتھی کا لعاب مثل چیتے اور شیر کے لعاب کے نجس ہے اگر اس کی سوٹ سے کسی کپڑے پر اس کا لعاب گریگا تو نجس ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ جگال ہر جانور کا مثل اس کے پانخانہ کے ہے سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اونٹ یا بکری کی مینگنی میں اگر جو ہوں تو دھو کر کھالے جائیں اور نیل کے گوبر میں ہوں تو نہ کھائے جائیں اس لئے کہ اس میں سختی نہیں ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ روٹی کے اندر سے چوہے کی مینگنی نکلی اگر مینگنی میں اس کی سختی موجود ہو تو مینگنی پھینک دے اور روٹی کھالے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہ سراج الوہاب میں ہے دودھ پیتے وقت اگر مینگنی دودھ کے برتن میں گر جائے اور اس وقت پھینک دے تو مضائقہ نہیں اور اگر مینگنی دودھ میں ٹوٹ جائے تو نجس ہو جائے گا پھر پاک نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر کتے کے بالوں سے ازار بند بنائیں تو مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر بکری کا پیشاب اور آدمی کا پیشاب کسی چیز پر لگے تو نجاست خفیہ نجاست غلیظہ کے تابع ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا (ف) ہے۔

## نہری فصل

### استنجا کے بیان میں

استنجا جائز ہے ان چیزوں سے جو پتھر کی طرح صاف کرنے والی ہیں جیسے ڈھیلا اور ریتا اور لکڑی اور کپڑا اور چمڑہ اور اس کے سوائے اور ایسی ہی چیزیں اور صحیح قول کے بموجب اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ جو چیز نکلی ہے وہ عادت کے موافق ہو یا عادت کے خلاف ہو یہاں تک کہ اگر دونوں راستوں سے خون یا کچلو ہو نکلے تو بھی پتھر سے طہارت ہو جاتی ہے اس طرح اگر استنجے کے مقام پر باہر سے کچھ نجاست لگ جائے تو بھی یہی پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے سے پاک ہو جاتا ہے پتھروں سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں طرف زور دیکر بیٹھے اور قبلہ کی طرف سے اور ہوا اور سورج اور چاند کی طرف بچ جائے اور تین پتھر ساتھ لے پہلے پتھر کو پیچھے کو لے جائے اور دوسرے کو آگے لائے اور پھر تیسرے کو پیچھے کو لے جائے ابو جعفر نے کہا ہے کہ یہ حکم گرمی کے موسم کا ہے لیکن جاڑوں میں پہلے پتھر کو آگے لائے اور دوسرے کو پیچھے لے جائے اور پھر تیسرے کو آگے لائے اور عورت ہمیشہ وہی عمل کرے جو مرد جاڑوں

۱۔ یعنی خفیہ اس صورت میں بمنزلہ غلیظہ کے ہوگی تو اگر دونوں ملک کر قدر درم سے زما دہوں تو نماز جائز نہ ہوگی ۱۲

۲۔ پھر جس چیز سے یہ نجاست زائل کی جائے اگر وہ چیز لائق احترام یا قیمت دار ہو تو اس سے یہ کام لینا مکروہ ہے جیسے کاغذ اور کپڑا اور کہا گیا کہ ان چیزوں سے متاجبی آتی ہے پانی اگر چه محترم و قیمت دار ہے مگر معنی ہے ۱۲ ع

۳۔ استنجا سے یہی قول مالک مزنی کا ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر موعبت فرمائی ہے اگر اس کو چھوڑا تو نماز ہو جائے گی اور شافعی نے کہا کہ واجب ہے ۱۲ ع

(ف) انگریزوں کے یہاں سے جو چیزیں ساختہ آتی ہیں اگر تا کی نجاست کی خبر دے گئی اور غالب گمان سے اعتماد ہو تو استعمال نہیں جائز ہے۔ دوائیں جن میں شراب کا جزو ہے نجس و حرام ہیں مگر جب کہ اس دوا کی بدل نہیں ملتی تو اختلاف مشائخ ہے اور ممانعت احوط اور جواز رفیق ہے ۱۲ عین الہدایہ۔

میں کرتا ہے پھر متاخرین کا اتفاق ہے کہ پھر سے استنجا کر لینے کے بعد جو نجاست باقی رہ جاتی ہے پسینہ کے حق میں اس کا کچھ اعتبار نہیں یہاں تک کہ اگر مقعد سے پسینہ نکل کر کپڑے یا بدن کو لگے تو نجس نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ تھوڑے پانی میں بیٹھ جائے گا تو وہ نجس ہو جائے گا یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے استنجا میں کوئی عدد مسنون نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے صاف ہو جانا شرط ہے یہاں تک کہ ایک پتھر سے صفائی حاصل ہو جائے تو سنت ادا ہو گئی اور اگر تین پتھروں سے بھی صفائی حاصل نہ ہو تو سنت ادا نہ ہوگی یہ مضمرات میں لکھا ہے اور مستحب ہے کہ پاک پتھر دائیں طرف رکھے اور استنجا کئے ہوئے بائیں طرف رکھے اور نجس جانب ان کی نیچے کو کر دے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر بغیر ستر کھولے ممکن ہو تو استنجا پانی سے افضل ہے اور اگر ستر کھولنے کی حاجت پڑے تو پتھر سے استنجا کرے پانی سے نہ کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے یہ تبیین میں لکھا ہے بعض کا قول یہ کہ ہمارے زمانہ میں یہی سنت ہے اور بعض کا قول ہے کہ ہمیشہ سنت یہی ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے پتھروں سے استنجا کرنا اس وقت جائز ہے جب نجاست صرف مخرج ہی پر لگی ہو لیکن اگر مخرج سے متجاوزے تو سب کا اجماع اس بات پر ہے کہ مخرج سے تجاوز کی ہوئی نجاست اگر درہم<sup>۱</sup> سے زیادہ ہو تو اس کا پانی سے دھونا فرض ہے اور صرف پتھروں سے چھوڑانا کافی نہیں ہے اس طرح اگر سپیارہ کے کناروں پر پیشاب قدر درہم سے زیادہ لگ جائے تو اس کا دھونا واجب ہے اور اگر وہ نجاست جو مخرج سے متجاوز ہے قدر درہم سے کم ہے یا بقدر درہم ہے لیکن جب اس کو مخرج کی نجاست کے ساتھ ملا دین تو قدر درہم سے زیادہ ہو جائے پس اگر اس کو پتھر سے دور کر لیا اور پانی سے نہ دھویا تو امام ابو حنیفہ<sup>۲</sup> اور امام ابو یوسف<sup>۳</sup> کے نزدیک جائز نہیں اور مکروہ نہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ زاد میں لکھا ہے اور جو نجاست موضع استنجا پر قدر درہم سے زیادہ ہو اور ڈھیلوں سے استنجا کر لیا اور پانی سے نہ دھویا تو شرح طحاوی میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ اگر اس کو تین پتھروں سے پونچھ لیا اور صاف کر لیا تو جائز ہے اور کہا کہ یہی اصح ہے اور یہی کہا ہے فقیر ابو الیث نے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے کہ اگر سپیارے کے کنارہ پر نجاست قدر درہم سے کم لگی ہو اور دوسری جگہ پر بھی نجاست قدر درہم سے کم ہو لیکن اگر دونوں کو جمع کریں تو قدر درہم سے زیادہ ہو جائے تو ان دونوں کو جمع کریں گے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح<sup>۴</sup> ہے یہ تجنیس میں لکھا ہے اور اگر مقعد کا مقام فراخ ہو اور نجاست اس میں قدر درہم سے زیادہ لگی ہو لیکن مقعد سے متجاوز نہ ہو تو ابو شجاع سے اور ایسا ہی طحاوی سے منقول ہے کہ پتھروں سے استنجا کافی ہے اور یہ زیادہ مشابہ ہے امام ابو حنیفہ<sup>۵</sup> اور امام ابو یوسف<sup>۶</sup> کے قول سے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور پیشاب کے استنجا کا قاعدہ یہ ہے کہ ذکر کو بائیں ہاتھ سے پکڑے اور اس کو دیوار پر یا پتھر پر یا ڈھیلے پر جو زمین سے اٹھا ہوا ہے رکڑے پتھر کو داہنے ہاتھ میں نہ لے اور اسی طرح ذکر داہنے ہاتھ میں اور پتھر کو بائیں ہاتھ میں نہ پکڑے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ڈھیلے کو دونوں ایڑیوں میں پکڑے اور ذکر کو بائیں ہاتھ میں پکڑ کر اس پر رکڑے اور جو یہ بھی نہ ہو سکے تو پتھر کو داہنے ہاتھ میں پکڑے اور اس کو حرکت نہ دے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور پاک کرنا اس وقت تک واجب ہے جب تک دل طم یہ یقین ہو جائے کہ اور پیشاب نہ آئے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ چند قدم چل کر استنجا کرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ زمین پر پاؤں مارے اور کھنکارے اور داہنی ٹانگ کا بائیں پر لپیٹے اور بلندی سے پستی کی طرف کو اترے اور صحیح یہ ہے کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں جب

۱ یعنی دیگر موضع میں بقدر دام کے غصو ہے پس جب اس سے زائد ہو تو مانع ہے یونہی جب موضع استنجا میں ہو تو چاہئے کہ قدر درہم غصو ہو اور زائد ہو تو مانع ہو ۲ ع ۳ یہ مسئلہ دلیل ہے کہ مقعد سے تجاوز بھی جمع کی جائے لیکن رہی یہ صورت کہ نازہ سے متجاوز نہیں اور مقعد سے متجاوز نہیں لیکن ملا کر درہم سے زائد ہے تو اظہر یہ کہ استنجا پتھروں سے کافی ہے ۱۲

اس کے دل میں اطمینان ہو جائے کہ جو نجاست سوراخ میں تھی وہ تمام ہو گئی تو استنجا ہو گیا یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور مضمرات میں لکھا ہے اور اگر شیطان اس کے دل میں بہت سے وسوسے ڈالتا ہے تو اس کی طرف التفاف نہ کرے جیسے نماز میں ایسے وسوسوں کی طرف التفاف نہیں ہوتا اور پیشاب کے مقام پر پانی چھڑک لے یہاں تک کہ اگر پھر وہاں تری دیکھے تو پانی کی تری سمجھ لے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور پانی سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر روزہ دار نہ ہو تو پانچخانہ کے مقام کو خوب ڈھیلا کر کے پھر بائیں ہاتھ سے خوب استنجا کرے اور بیچ کی انگلی کو ابتدائے استنجا میں اور انگلیوں سے کچھ اونچا کر لے اور اس کے موضع کو دھو دے اور پھر بصر یعنی چھنگلیا کے پاس کی انگلی اٹھائے اور اس سے موضع کو دھوئے پھر چھنگلیا کو اٹھا دے اور پھر انگوشے کے پاس کی انگلی اٹھائے اور اس قدر دھوئے کہ اس کو پاکی کا یقین یا ظن غالب ہو جائے اور دھونے میں خوب زیادتی کرے اور اگر روزہ دار ہو تو زیادتی نہ کرے کچھ دھونے کی شمار مقرر نہیں اور اگر وسوسہ والا ہے تو اپنے لئے تین مرتبہ دھونے کی مقدار مقرر کر لے یہ تبیین میں لکھا ہے اور استنجا میں تین انگلیوں سے زیادہ نہ لگائے اور انگلیوں کی چوڑائی سے استنجا کرے سروں سے استنجا نہ کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور پانی آہستگی سے ڈالے سختی سے نہ مارے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور نرمی سے ملے اور عامہ مشائخ نے کہا ہے کہ بے انگلیاں اٹھائے ہتھیلی سے دھونا کافی ہوتا ہے اور عامہ مشائخ نے کہا ہے کہ عورت کشادہ ہو کر بیٹھے اور ہتھیلی سے اوپر اوپر دھو لے اور انگلی اندر داخل نہ کرے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے۔

یہ تاتار خانہ میں صیر فیہ سے نقل کیا ہے اور عورت مرد سے زیادہ کشادہ ہو کر بیٹھے یہ مضمرات میں لکھا ہے حجتہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک پانچخانہ کے مقام کو اول دھوئے پیشاب کے مقام کو بعد میں دھوئے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک پیشاب کے مقام کو اول دھوئے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور انہیں دونوں کے قول کو غزنوی نے اختیار کیا ہے اور یہی شبہ ہے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور موضع استنجا کے پاک ہونے کے ساتھ ہی ہاتھ بھی پاک ہوتا ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور استنجا کے بعد ہاتھ بھی دھو لے جیسے کہ اول دھوتا ہے تاکہ خوب ستھرا ہو جائے اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے استنجا کے بعد ہاتھ دھویا اور دیوار پر ملا یہ تبیین میں لکھا ہے جو گرمیوں میں استنجا کرے وہ اچھی طرح دھوئے لیکن جاڑوں میں اس سے بھی زیادہ دھوئے تاکہ صفائی حاصل ہو جائے یہ اس صورت میں ہے جب کہ پانی ٹھنڈا ہو اور اگر پانی گرم ہو تو جاڑے اور گرمی کا موسم برابر ہے لیکن گرم پانی میں ٹھنڈے پانی سے ثواب کم ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور استنجا والی عورت کو پیشاب و پانچخانہ کے سوا ہر نماز کے وقت میں استنجا کرنا واجب ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر بایاں ہاتھ شل ہو جائے اور اس سے استنجا نہیں کرتا تو اگر پانی ڈالنے والا نہ ملے تو استنجانہ کرے اور اگر جاری پانی پر قادر ہو تو داہنے ہاتھ سے کر لے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ بیمار آدمی کی اگر بی بی اور باندی نہ ہو اور اس کا بیٹا یا بھائی ہو اور وہ خود وضو نہیں کر سکتا تو اس کو اس کا بیٹا یا بھائی وضو کرادے مگر استنجانہ کرائے کیونکہ وہ اس کے ذکر کو نہیں چھو سکتا اور استنجا اس سے ساقط ہو جائے گا یہ محیط میں لکھا ہے۔ بیمار عورت کا اگر شوہر نہ ہو اور وضو کرنے سے عاجز ہو اور اس کی بیٹی یا بہن ہو تو اس کو وضو کرادے اور استنجا اس سے ساقط ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے استنجا میں قبلہ کی طرف کو منہ کرنا اور پیٹھ کرنا مکروہ ہے اور پھر پانی سے استنجا کرنا ادب ہے بعد پتھروں سے پاک ہونے کے کیونکہ حضرت ام المؤمنین صدیقہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین بار پانی سے دھوتے تھے رواہ ابن ماجہ اور ام المؤمنین سے مروی ہے کہ تم اے عورتو! اپنے شوہروں کو کہو کہ بیچخانہ اور پیشاب کے اثر کو پانی کے ساتھ دھو ڈالیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے رواہ احمد و الترمذی و صحیحہ اور کہا گیا کہ پانی سے استنجانہ ہے ۱۲

اگر بھول کر قبلہ کی طرف کو بیٹھ گیا تو مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف سے جس قدر بچ سکے بچ جائے یہ تمبین میں لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک بنے ہوئے پیمانوں اور جنگل میں اس حکم میں کچھ فرق نہیں یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اور مکروہ ہے عورت کے واسطے کہ اپنے بچہ کو پیشاب اور پیمانہ پھر ان کے وقت قبلہ کی طرف تھام لے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور ہڈی اور گوبر اور لید اور طعام اور گوشت اور شیشہ اور ٹھیکرے اور پتے اور بال سے اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا مکروہ ہے یہ تمبین میں لکھا ہے اور اگر بائیں ہاتھ میں کوئی عذر ہے کہ استنجا نہیں ہو سکتا تو بغیر کراہت دہانے ہاتھ سے استنجا کرنا جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے جس چیزوں سے استنجانہ کرے اور اس طرح جس پتھر سے وہ خود یا کوئی اور شخص استنجا کر چکا ہے استنجانہ کرے لیکن پتھر کے کئی کونے ہوں اور ہر مرتبہ ایسے کونے سے استنجا کرے جس سے پہلے استنجا نہیں کیا تھا تو بغیر کراہت جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور کاغذ سے استنجانہ کرے اگر چہ سپید ہو یہ مضمرات میں لکھا ہے اور پکی اینٹ سے اور کونکے سے اور قیمتی چیز سے جیسے ریشمی کپڑا استنجا کرنا مکروہ ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔

استنجا کی پانچ قسم ہے دونوں میں سے واجب ہیں ایک مخرج کا دھونا اس وقت جب جنابت یا حیض یا نفاس کی وجہ سے غسل کرنے کا مخرج اور بدن میں نہ پھیل جائے اور دوسری جب نجاست مخرج سے متجاوز ہو خواہ تھوڑی ہو یا بہت امام محمد کے نزدیک دھونا واجب ہے اور اس میں زیادہ احتیاط ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر نجاست قدر درہم سے متجاوز ہو تو اس وقت دھونا واجب ہے اس لئے کہ جس قدر نجاست مخرج پر ہے وہ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ اس کا کسی چیز سے پونچھ لینا کافی ہے پس معتبر وہی نجاست رہی جو مخرج کے سوا ہے تیسری سنت اور وہ اس وقت ہے جب نجاست مخرج سے نہ بڑھے چوتھے مستحب اور وہ اس وقت ہے جب پیشاب کیا اور پانچنانہ نہ پھر تو پیشاب کے مقام کو دھولے پانچویں بدعت اور وہ ریح نکلنے سے استنجا کرنا ہے یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے جب پانچنانہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو مستحب ہے کہ جن کپڑوں سے نماز پڑھتا ہے ان کے سوا اور کپڑے پہن کر پانچنانہ میں جائے اگر ایسا کر سکتا ہو۔ اور جو یہ نہیں ہو سکتا تو اپنے کپڑوں کو نجاست اور مستعمل پانی سے بچانے میں کوشش کرے اور سر ڈھک کر پانچنانہ میں جائے اگر انگوٹھی پر اللہ کا نام یا کچھ قرآن کھدا ہو تو اس کو پہن کر پانچنانہ میں داخل ہونا مکروہ ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور مستحب ہے کہ پانچنانہ میں داخل ہوتے وقت یہ پڑھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَكُخْبَانِیْثِ یعنی اے اللہ پناہ مانگتا ہوں تیرے پاس پلیدی سے اور پلیدی چیزوں سے اور پانچنانہ میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں آگے بڑھادے اور نکلے تو داہنا پاؤں پہلے بڑھادے یہ تمبین میں لکھا ہے اور کھڑے ہونے کی حالت میں ستر نہ کھولے اور دونوں پاؤں کو دور دور رکھے اور بائیں طرف کو جھکارے اور بات نہ کرے اور اللہ کا ذکر نہ کرے اور چھینکنے والے کا سلام کا اور اذان کا جواب نہ دے اور اگر چھینک آجائے تو دل میں الحمد للہ پڑھ لے اور زبان نہ ہلائے اور بلا ضرورت اپنے ستر کو نہ دیکھے بول و براز کو نہ دیکھے اور نہ تھوکے نہ ناک چھینکے نہ کھنکارے نہ بہت ادھر ادھر دیکھے اور اپنے بدن سے کھیل نہ کرے اور آسمان کی طرف نظر نہ اٹھائے اور پیشاب پانچنانہ پر بہت دیر تک نہ بیٹھے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور جب پانچنانہ سے نکلے تو یہ پڑھے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْرَجَ عَنِّیْ مَا یُوْذِیْنِیْ وَاَبْقٰی مَا تَنْفَعُنِیْ یعنی حمد ہے اللہ کے لئے جس نے نکال دی وہ چیز جو مجھ کو ایذا دیتی تھی اور باقی رکھی وہ چیز جو مجھ کو فائدہ دیتی ہے جاری پانی یا بند

۱۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث ابو قتادہ میں مرفوع ہے کہ جب تم میں کوئی پیشاب کرے تو اپنے ذکر کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور جب پیمانہ پھرے تو دائیں ہاتھ سے استنجانہ کرے اور جب پانی پئے تو ایک سانس میں نہ پئے۔ رواہ

پانی میں یا نہریا کنویں یا حوض یا چشمہ کے کنارہ پر یا پھل دار درخت کے نیچے یا کھیتی میں ایسے سایہ میں جہاں بیٹھنے کا آرام ملے اور مسجد کے برابر اور عید گاہ کے برابر اور قبروں میں اور چوپائے جانوروں اور مسلمان کے راستہ میں پیشاب کرنا اور پانخانہ پھرنا مکروہ ہے۔ نیچی جگہ میں بیٹھ کر اونچی جگہ کی طرف پیشاب کرنا مکروہ ہے اور چوہے اور سانپ اور چیونٹی کے سوراخ میں اور ہر سوراخ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے کھڑے ہو کر لیٹ کر اور بلا عذر رنگا ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے اگر عذر ہو تو مضائقہ نہیں اگر پیشاب کرنے کا ارادہ کرے اور زمین سخت ہو تو پتھر سے اس کو کوٹ لے یا کچھ کھودے تاکہ چھینٹیں اس پر نہ پڑیں۔ اور پیشاب کر کے اس جگہ میں وضو نہانا مکروہ ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔



# کتاب الصلوٰۃ

نماز کا فرض<sup>۱</sup> محکم ہے اس کے چھوڑنے کی گنجائش نہیں اور اس کی فرضیت کا منکر<sup>۲</sup> کافر ہوتا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے جو شخص کہ نماز کے وجوب کا منکر نہ ہو لیکن جان بوجھ کر اس کو چھوڑتا ہے تو اس کو قتل نہ کریں بلکہ اس کو قید کریں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے یہ شرح مجمع البحرین میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے۔ صرف نیت باندھنے کے لائق جو آخر وقت نماز کا ہوتا ہے ہمارے نزدیک وجوب نماز کا اسی سے متعلق ہے۔ یہاں تک کہ اگر کافر مسلمان ہو یا لڑکا بالغ ہو یا مجنون کا افاقہ یا عورت حیض سے پاک ہو تو اگر نیت باندھنے کے لائق نماز کا وقت باقی ہے تو ہمارے نزدیک وہ نماز اس پر واجب ہوگی یہ مضممرات میں لکھا ہے اور جس پر یہ عوارض مثلاً جنون یا حیض آخر وقت میں پائے جائیں تو اس سے بالاجماع نماز کا فرض ساقط ہو جائے گا یہ مختار الفتاویٰ میں لکھا ہے۔ بچہ جنمانے والی دائی کو اگر یہ خوف ہو کہ اگر وہ نماز میں مشغول ہوگی تو بچہ مر جائے گا تو اس کو نماز میں اس کے وقت سے تاخیر کرنا جائز ہے اور چور کے خوف سے اور اس طرح کے اور سببوں سے بھی تاخیر جائز ہے یہ خلاصہ میں بیان موافقت کی چوتھی فصل میں لکھا ہے۔ اس کتاب میں بائیس ابواب ہیں۔

## پہلا باب

### نماز کے وقتوں کے بیان میں

اور ان مسائل کے بیان میں جو اس کے میل میں ہیں اس باب میں تین فصلیں ہیں

## پہلی فصل

### نماز کے وقتوں کے بیان میں

فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے صبح صادق اس سپیدی کہتے ہیں جو سورج کے نکلنے تک آسمان کے کنارہ پر پھیلی ہوتی ہے۔ صبح کاذب کا اعتبار نہیں اور صبح کاذب اس سپیدی کو کہتے ہیں جو صرف طول میں ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے بعد تاریکی آجاتی ہے صبح کاذب سے نماز کا وقت داخل نہیں ہوتا اور روزہ دار پر کھانا حرام نہیں ہوتا یہ کافی میں لکھا ہے۔ مشائخ میں اختلاف ہے کہ دوسری فجر کے شروع کا اعتبار ہے یا اس کے پھیل جانے اور منتشر ہو جانے کا اعتبار ہے یہ محیط میں لکھا ہے دوسرے قول میں زیادہ

۱۔ یہ کتاب ہے نماز کے احکام اور مسائل کے بیان میں ۱۲ ۲۔ یعنی بعد اسلام لانے کے نماز ہر بالغ عاقل پر فرض ہے اور مرد ہو یا عورت ہو ۱۲  
۳۔ یعنی اس کا انکار کفر ہے اور بلا انکار کے چھوڑنا حرام و کبیرہ ہے حضرت جابرؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی و شرک کے درمیان ترک نماز ہے رواہ مسلم وغیرہ اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ کفر و ایمان کے درمیان ترک نماز ہے یعنی جس نے نماز چھوڑ دی وہ کفر پر ہو گیا۔ امام شافعی کے نزدیک جس نے ایک نماز چھوڑی عمدہ اوہ کافر واجب القتل ہو اور حضرت بریدہؓ کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عہد جو کہ ہمارے وہاں کے درمیان ہے وہ نماز ہے پس جس نے نماز کو چھوڑا تو اس نے کفر کیا رواہ الترمذی و صحیح النسائی ۱۲

وسعت ہے اور اسی طرف اکثر علماء مائل ہیں یہ مختار الفتاویٰ میں لکھا ہے اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ روزہ اور نماز عشا کے باب میں پہلے قول کا اعتبار کرے اور فجر کی نماز میں دوسرے قول کا اعتبار کرے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابوالکارم کی تصنیف ہے۔ وقت ظہر کا زوال سے شروع ہوتا ہے جب تک سایہ دو مثل ہو سوائے اصل کے یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور زوال اس کو کہتے ہیں کہ ہر شخص کا سایہ مشرق کی طرف بڑھنے لگے یہ کافی میں لکھا ہے۔ زوال اور سایہ اور سایہ اصلی کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی برابر زمین میں گاڑ دیں تو جب تک سایہ کم ہوتا رہتا ہے اس وقت آفتاب بلندی پر ہے اور جب سایہ بڑھنا شروع ہو تو معلوم ہوا کہ اب سورج ڈھلا اس وقت اس سایہ کے سرے پر ایک نشانی بنا دیں اس نشانی سے لکڑی تک جس قدر سایہ رہا ہے وہ سایہ اصلی ہے پس جب بڑھے اور وہ زیادتی اصل لکڑی سے دوئی ہو جائے سوائے اصلی کے تو ظہر کا وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک باقی نہ رہے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی طریقہ صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور فقہانے لکھا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر کی نماز سایہ کے ایک مثل ہونے سے پہلے پڑھ لے اور عصر کی نماز دو مثل ہونے کے وقت پڑھے تاکہ دونوں نمازیں یقیناً اپنے وقت میں ادا ہوں عصر کا وقت سایہ اصلی کے سوا کسی چیز کا سایہ دو مثل ہو جانے کے وقت سے سورج کے غروب تک ہے یہ شرح جمع میں لکھا ہے اور مغرب کا وقت سورج کے غروب شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ شفق امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک سرخی کو کہتے ہیں اسی پر فتویٰ ہے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے یہ قدوری میں لکھا ہے اور ان دونوں کے قول میں لوگوں کے لئے آسانی زیادہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے قول میں احتیاط زیادہ ہے اس لئے کہ نماز کے باب میں اصل یہ ہے کہ اس کا ہر رکن اور شرط اسی چیز سے ثابت ہوتا ہے جو یقینی ہو یہ نہایت اسرار سے اور مبسوط شیخ الاسلام سے نقل کیا ہے اور عشا اور وتر کا وقت شفق کے چھپنے سے صبح کا زوال تک ہے یہ کافی میں لکھا ہے وتر کو عشا سے پہلے نہ پڑھے کیونکہ ترتیب واجب ہے نہ اس لئے کہ وتر کا وقت داخل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر بھول کر وتر کو عشا سے پہلے پڑھ لیا یا دونوں کو پڑھ لیا پھر عشا کی نماز کا فساد معلوم ہوا نہ وتر کا تو وتر صحیح ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف عشا کا اعادہ کرے گا اس لئے کہ ترتیب اس قسم کے عذر میں ساقط ہو جاتی ہے اور جس شخص کو عشا اور وتر کا وقت نہ ملے مثلاً وہ ایسے شہر میں رہتا ہے جہاں شفق کے غروب ہوتے ہی فجر کا طلوع ہو جاتا ہے یا شفق کے غائب ہونے سے پہلے فجر کا طلوع ہوتا ہے اس پر عشا اور وتر واجب نہ ہونگے یہ تبیین میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### وقتوں کی فضیلت کے بیان میں

فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن ایسی تاخیر نہ کرے کہ سورج کے نکلنے کا شک ہو بلکہ اس قدر روشنی میں نماز پڑھے کہ اگر نماز کا فساد ظاہر ہو تو پھر اس کو قرأت مستحبہ کے ساتھ اپنے وقت میں ادا کر لے یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہ حکم ہر زمانہ میں ہے لیکن نحر کے روز حج کرنے والوں کے واسطے مزدلفہ میں اس کے خلاف ہے اس لئے کہ وہاں اندھیرے میں نماز پڑھنا افضل ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور آخر وقت فجر کا جب تک کہ آفتاب طلوع نہ کرے اور معراج میں نمازیں فرض ہونے کے بعد یہی اول نماز ہے حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج میں پچاس نمازیں مفروض ہوئیں پھر گھٹا کر پانچ تک کی گئیں پھر ندا فرمائی گئی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور تیرے واسطے ان پانچوں کے عوض پچاس ہیں ۱۲ ع

ہے۔ گرمیوں میں ظہر کی نماز کی تاخیر کرنا اور جاڑے میں جلدی کرنا مستحب ہے یہ کافی میں لکھا ہے خواہ اکیلا نماز پڑھتا ہو خواہ جماعت سے پڑھتا ہو یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے عصر کی نماز میں ایسے وقت تک کہ سورج میں تغیر نہ ہو ہر زمانہ میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ سورج کے گروہ کے تغیر کا اعتبار ہے دھوپ کے بدلنے کا اعتبار نہیں ہے پس جب سورج کا گروہ ایسا ہو جائے کہ اس کے دیکھنے سے آنکھ نہ چندھیا جائے تو اس وقت سورج میں تغیر ہو گیا اور جب تک ایسا نہیں تب تک تغیر نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر تغیر سے پہلے نماز شروع کی اور تغیر تک نماز دراز ہو گئی تو مکروہ نہیں یہ بحر الرائق میں غایۃ البیان سے لکھا ہے ہر زمانہ میں مغرب کی نماز کی تعجیل مستحب ہے یہ کافی میں لکھا ہے عشا کی نماز میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے اور وتر کی نماز میں جس کو جاگ جانے کا اعتماد ہو اس کو آخر سب تک تاخیر مستحب ہے اور جس کو اعتماد نہ ہو وہ سونے سے پہلے پڑھ لے یہ تمیمین میں لکھا ہے اور ابر کے دن فجر کی نماز و رشتی میں پڑھے جیسے بغیر ابر کے پڑھتا ہے اور ظہر کی نماز میں تاخیر کرے تا کہ زوال سے پہلے نہ ہو جائے اور عصر کی نماز میں جلدی کرے تا کہ مکروہ وقت نہ آجائے اور مغرب کی نماز میں تاخیر کرے تا کہ غروب سے پہلے نہ واقع ہو اور عشا کی نماز میں جلدی کرے تا کہ بارش یا برف یا جماعت سے مانع نہ ہو یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے یہی حکم ہے سب زمانوں میں اور دو نمازوں کو ایک وقت کسی عذر سے جمع نہ کرے نہ سفر میں نہ حضر میں سوائے عرفہ اور مزدلفہ کے یہ محیط میں لکھا ہے۔

## بیمری فصل

### ان وقتوں کے بیان میں جن میں نماز جائز نہیں

اور جن میں مکروہ ہے۔ تین ساعستیں ہیں جن میں فرض نماز اور تلاوت کا سجدہ جائز نہیں سورج کے طلوع ہونے سے بلند ہو جانے تک اور سورج کے قائم ہو جانے سے زوال تک اور سورج کے سرخ ہونے سے چھپنے تک مگر اس وقت میں اسی دن کی عصر و غروب کے وقت ادا ہو جاتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ جب تک انسان سورج کا گروہ دیکھنے پر قادر ہے تب تک وہ طلوع کی حالت میں ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب جنازہ کی نماز اور تلاوت کا سجدہ ایسے وقت میں واجب ہوئے ہوں کہ اس وقت انکار کرنا مباح تھا اور پھر اس وقت تک اس کی تاخیر کی تو وہ اس وقت میں قطعاً جائز نہیں لیکن اگر ایسے وقت میں واجب ہوئے اور ایسے وقت ان کو ادا کیا تو جائز ہے اس لئے کہ جیسا ان کے وجوب میں نقصان تھا ویسا ہی ان کی ادا میں نقصان ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور یہی کافی اور تمیمین میں لکھا ہے لیکن سجدہ تلاوت میں تاخیر افضل ہے اور نماز جنازہ کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے یہ تمیمین میں لکھا ہے۔ اور ان وقتوں میں جو فرائض اور واجبات مثل وتر کے اپنے وقتوں سے فوت ہو گئے ہیں ان کی قضا بھی جائز نہیں یہ مسحفی و کافی میں لکھا ہے۔ نفل نماز ان اوقات میں جائز ہے مگر مکروہ ہے یہ کافی میں اور شرح طحاوی میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر سورج کے طلوع کے وقت یا غروب کے وقت نفل شروع کی اور اس میں قہقہہ مارا تو اس پر وضو کرنا لازم ہوگا اور اگر اسی دن کے عصر کے سوا اور فرض نماز ان وقتوں میں پڑھی تو قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا یہ فتاویٰ قاضی خان کے

۱۔ بدلیل قولہ علیہ السلام ابردوا بالظحر فان شدة الحر عن شح جہنم۔ ٹھنڈک میں ملاؤ نماز ظہر کو کیونکہ شدت حرارت کی جہنم حرارت سے ہے رواہ البخاری اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جاڑے کا موسم ہوتا تو جلدی فرماتے ظہر میں اور جب گرمی ہوتی تو ظہر کا ابراہ کرتے تھے۔

۲۔ بدلیل حدیث عقبہ بن عامر تین اوقات میں جن میں ہم کو نماز پڑھنے اور اپنے مردے دفن کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ممانعت فرمائی وقت طلوع آفتاب تک کہ یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور وقت زوال آفتاب کے یہاں تک کہ ڈھل جائے اور جب کہ غروب ہونے لگے یہاں تک کہ خراب ہو

نوافل وضو میں لکھا ہے اور اس نماز کا توڑ دینا اور پھر وقت غیر مکروہ میں قضا بموجب ظاہر روایت کے واجب ہے اور اگر اس کو تمام کر لیا تو شروع کرنے سے جو لازم ہوا تھا اس کے ذمہ سے اتر گیا یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور گنہگار ہوا لیکن کچھ اور اس پر واجب نہیں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اگر وقت مکروہ میں اس کو قضا کیا تو جائز ہے مگر گناہ گار ہوتا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر یہ نذر کی تھی کہ وقت مکروہ میں نماز پڑھے گا تو اس کا اس وقت میں ادا کرنا صحیح ہوگا مگر گنہگار ہوگا اور واجب ہے کہ وہ نماز اور وقت میں پڑھے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر نذر کی تھی کہ کسی وقت میں نماز پڑھے گا یا یہ نذر کی کہ ان وقتوں کے سوا کسی وقت میں نماز پڑھے گا تو اس نماز کی ادا ان اوقات میں جائز نہیں یہی اوجہ ہے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے۔ نو وقت ایسے ہیں کہ جن میں نوافل اور جو اور نمازیں ان کے حکم میں ہیں وہ مکروہ ہیں فرائض مکروہ نہیں یہ نہایہ اور کفایہ میں لکھا ہے

ان وقتوں میں قضا اور جنازہ کی نماز اور تلاوت کا سجدہ جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے منجملہ ان کے صبح کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر سے قبل تک کا وقت یہ نہایہ اور کفایہ میں لکھا ہے اس وقت میں فجر کی سنتوں کے سوا نفل مکروہ ہیں جو شخص آخر رات میں نفل پڑھتا ہو اور ایک رکعت پڑھنے کے بعد فجر طلوع ہو جائے تو اس کا تمام کر لینا افضل ہے اس لیے کہ فجر کے بعد نفل پڑھنا اس نے اپنے قصد سے نہیں کیا اور وہ نفل بموجب اصح قول کے فجر کی سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی یہ سراج الوہاج میں اور تبیین میں لکھا ہے اور اگر چار رکعتیں پڑھیں تو جو دو رکعتیں طلوع فجر کے بعد پڑھی ہیں وہ فجر کی سنتوں کے قائم مقام ہو جائے گی یہی مختار ہے یہ خزائنہ الفتاویٰ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے نماز فجر کے بعد سورج کے نکلنے کا وقت ہے یہ نہایہ اور کفایہ میں لکھا ہے اگر فجر کی سنتوں میں فساد ہو گیا تھا پھر ان کو فجر کی سنتوں کے بعد قضا کیا تو جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے عصر کی نماز کے بعد سورج کے متغیر ہونے سے پہلے تک کا وقت ہے یہ نہایہ اور کفایہ میں لکھا ہے اگر نفل نماز مستحب وقت میں شروع کی پھر اس کو توڑ دیا اور پھر عصر کی نماز کے بعد سورج کے چھپنے سے پہلے ان کی قضا پڑھی تو جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے سورج کے چھپنے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے کا وقت ہے اور نیز وہ وقت جمعہ کی اقامت ہو اور وہ وقت جب جمعہ یا عیدیں یا کسوف یا استسقا کا خطبہ پڑھا جاتا ہو یہ نہایہ اور کفایہ میں لکھا ہے۔ جب حج یا نکاح کا خطبہ پڑھیں اس وقت نفل پڑھنا مکروہ ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے۔ اور جب امام جمعہ کے روز خطبہ کے واسطے نکلے اس وقت نفل پڑھنا مکروہ ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔ اگر چار رکعتیں جمعہ سے پہلے کی شروع کر دیں پھر امام خطبہ کے واسطے نکلا چاروں رکعتیں پوری کر لے یہی صحیح ہے اور اس طرف میل کیا صدر الشہید حسام الدین نے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے جب نماز کی اقامت ہو جائے تو نفل پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر جماعت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو فجر کی سنت پڑھنا جائز ہے عیدین کی نماز سے پہلے گھر اور مسجد میں نفل پڑھنا مکروہ ہے اور بعد نماز عیدین کے مسجد میں نفل پڑھنا مکروہ ہے نہ گھر میں اور عرفہ اور مزدلفہ میں جو نمازوں کو جمع کرتے ہیں ان جمع کی نمازوں کے درمیان میں نفل پڑھنا مکروہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جب کسی نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو اس وقت کے فرض کے سوا اور سب نمازیں مکروہ ہیں یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے حاوی سے نقل کیا ہے۔ پیشاب اور پاخانہ کی حاجت کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب کھانا حاضر ہو اور نفس اس کی طرف شائق ہو تو نماز پڑھنا مکروہ ہے اور جو وقت ایسا ہو کہ اس میں ایسے سبب پائے جائیں گے جن کے وجہ سے افعال صلوٰۃ کی طرف دل متوجہ نہ ہوگا اور خشوع میں خلل پڑے گا خواہ کوئی سبب ہو اس وقت بھی نماز مکروہ ہے اور آدھی رات کے بعد عشا کی نماز مکروہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

۱۔ یعنی بعد نماز فجر اور بعد نماز عصر کے نفل کسی قسم کے ہو خواہ سنت موکدہ ہو یا اور ہو مکروہ ہے کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے ۱۲ ع

## دوسرا باب

## اذان کے بیان میں

اس باب میں دو فصلیں ہیں

## پہلی فصل

## اذان کے طریقہ اور مؤذن کے احوال میں

فرض نمازوں کو جماعت سے ادا کرنے کے لئے اذان دینا سنت ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ واجب ہے اور صحیح یہ ہے کہ سنت موکدہ ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور یہ یہی مذہب ہے عامہ مشائخ کا یہ محیط میں لکھا ہے اقامت بھی فقط فرضوں کے لئے سنت ہونے میں مثل اذان کے ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے پانچوں فرض نمازوں اور جمعہ کے سوا جو نمازیں ہیں جیسے سنتیں اور وتر اور نوافل اور تراویح اور عیدیں ان کے لئے اذان اور اقامت نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور اسی طرح نذر کی نماز اور جنازہ کی نماز اور استسقا اور چاشت کی نماز اور حوادث کی نمازوں کے لئے اذان اور اقامت نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے۔ کوف اور خسوف کی نماز کا بھی یہی حکم ہے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں اگر وہ جماعت سے پڑھیں تو بغیر اذان و اقامت کے پڑھیں اگر اذان و اقامت کہیں تو نماز جائز ہو جائے گی مگر گناہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اذان اور اقامت مسافر کے لئے اور مقیم کے لئے جو اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہو مستحب ہے غلاموں پر اذان و اقامت نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے صبح کے سوا اور نمازوں کے وقت سے پہلے اذان بالاتفاق جائز نہیں اور اس طرح صبح کی اذان وقت سے پہلے کہنا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں۔ اگر وقت سے پہلے اذان کہہ دی تو وقت میں پھر لوٹا دیں۔ یہ شرح مجمع البحرین میں لکھا ہے جو ابن السملکی تصنیف ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں حجت سے نقل کیا ہے۔ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اقامت وقت سے پہلے جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے مؤذن کی اقامت کہنے سے ایک ساعت کے بعد امام آیا یا اقامت کے بعد اس نے فجر کی سنتیں پڑھیں تو اقامت کا اعادہ واجب نہیں یہ قدیہ میں لکھا ہے اور اذان کہنے کی اہلیت اس شخص میں ہے جو قبلہ کو اور نماز کے وقتوں کو پہچانتا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور چاہیے کہ مؤذن عاقل اور صالح اور متقی عالم سنت ہو یہ نہایت میں لکھا ہے اور لائق ہے کہ ہیبت والا ہو اور لوگوں کے حال پر مہربانی کرتا ہو اور جو لوگ جماعت میں نہیں آتے ان پر زجر کرتا ہو یہ قدیہ میں لکھا ہے اور ہمیشہ اذان کہتا ہو یہ ہدایہ اور تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور ثواب کے واسطے اذان کہتا ہو یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہی امام نماز کا ہو یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ مقیم ہی ہو یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر ایک شخص نے اذان کہی اور دوسرے نے اقامت کہہ دی اگر پہلا شخص غائب تھا تو بلا کراہت جائز ہے اور اگر حاضر تھا اور اس کو دوسرے کی اقامت کہنے سے ملال ہوتا ہے تو مکروہ ہے اور جو اس پر راضی ہو تو ہمارے نزدیک مکروہ نہیں یہ محیط

۱۔ فضائل اذان بہت ہیں از انجملہ ابو ہریرہ سے مرفوع روایت میں بعد ازاں بلال کے فرمایا: من قال مثل هذا یقینا دخل الجنة جس نے اُس کے مثل یقینا کہا وہ جنت میں داخل ہوا۔ النسائی۔ آواز اذان سے شیطان کا کوسوں بھاگنا جاہل کی مرفوع روایت صحیح مسلم میں ہے۔ جس شخص نے ثواب کی نیت سے سات برس اذان دی اللہ تعالیٰ نے اُس کے واسطے دوزخ سے براءت لکھ دی الترمذی قیامت کے روز مؤذنین سب لوگوں سے گردن بلند ہوں گے مسلم مؤذن کی درازی آواز کو جن و انس و جو چیز سنے گی وہ اس کے واسطے قیامت کے روز گواہ ہوگی۔ البخاری امام تو ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے الہی مامون کو ہدایت دے اور مؤذنون کو بخش دے اور ابوداؤد و الترمذی ۲۱۲ قولہ افضل..... یہ ہو ہے اور صحیح یہ کہ مؤذن ہی اقامت بھی کہے یہ کافی میں لکھا ہے ۱۲

میں لکھا ہے۔ اگر لڑکا عاقل اذان دے تو ظاہر روایت بلا کراہت صحیح ہے لیکن اذان بالغ کی افضل ہے اور جو لڑکا سمجھ والا نہ ہو اس کی اذان جائز نہیں اور پھر اس کا اعادہ کریں اور یہی حکم ہے مجنون کا یہ نہایت میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اذان دے تو مکروہ ہے اور اس کا لوٹانا مستحب ہے اگر عورت اذان دے تو مکروہ ہے اور مستحب ہے کہ پھر اس کو لوٹا دے یہ کافی میں لکھا ہے فاسق کی اذان مکروہ ہے مگر پھر نہ لوٹائیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور جب کی اذان اور اقامت مکروہ ہے باتفاق روایات اور اشہ یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کریں اور اقامت کا اعادہ نہ کریں ظاہر روایت میں بے وضو کی اذان مکروہ نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ جو ہرۃ الذریہ میں لکھا ہے بے وضو کی اقامت مکروہ ہے لیکن اعادہ نہ کریں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر مؤذن بعد اذان کے مرتد ہو گیا تو اذان کا اعادہ ضروری نہیں اور اگر اعادہ کریں تو افضل ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر اذان دینے میں مرتد ہو گیا تو اولیٰ یہ ہے کہ کوئی اور شخص اول سے اذان کہے اور اگر وہی تمام کر لے تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے اور اگر خاص اپنے واسطے بیٹھ کر اذان کہے تو مضائقہ نہیں مسافر نے اگر سواری پر اذان کہی تو مکروہ نہیں اقامت کے واسطے اترنا چاہئے یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر نہ اتر اور سواری پر اقامت کہی تو جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے مسافر اگر سواری پر اذان شروع کرے اور منہ اس کا قبلہ کی جانب ہو تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے حضر میں سواری پر اذان دینا بموجب ظاہر روایت کے مکروہ ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ لیکن اس کا اعادہ نہ کیا جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے غلام کی اور گاؤں میں رہنے والے کی اور جنگل میں رہنے والے کی اور ولد الزنا کی اور اندھے کی اور اس شخص کی جو بعض نمازوں کی اذان دے اور بعض کی نہ دے مثلاً دن کو بازار میں ہو اور رات کو گھر ہو بلا کراہت اذان جائز ہے۔ لیکن کوئی اور اذان دے تو اولیٰ ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر اندھے کے ساتھ کوئی ایسا شخص ہے جو اس کے نماز کے وقتوں کی محافظت کرے تو اندھے اور ان آنکھوں والے کی اذان برابر ہے یہ نہایت میں لکھا ہے۔ فرض نماز بغیر اذان و اقامت مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اذان اور اقامت کا چھوڑنا اس شخص کے لئے جو شہر میں نماز پڑھے اور اس محلہ میں اذان اور اقامت ہو گئی ہو مکروہ نہیں اور اس میں فرق نہیں کہ ایک شخص نماز پڑھے یا جماعت ہو یہ تبیین میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ اذان اور اقامت سے نماز پڑھے یہ ترمذی میں لکھا ہے اور اگر اس محلہ میں اذان نہ ہوئی ہو تو اذان اور اقامت کا چھوڑنا مکروہ ہے اور اکیلی اذان کا چھوڑ دینا مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اگر اقامت چھوڑ دی تو مکروہ ہے یہ ترمذی میں لکھا ہے مسافر کو اگر چہ اکیلا نماز پڑھتا ہو اذان اور اقامت کو چھوڑنا مکروہ ہے یہ مبسوط میں لکھا ہے اگر فقط اقامت چھوڑ دی تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اگر اذان اور اقامت دونوں کہے تو بہتر ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اذان نہ کہی اور اقامت کہی یہ مبسوط میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص گاؤں میں اپنے گھر میں نماز پڑھے اگر اس گاؤں میں ایسی مسجد ہو کہ جس میں اذان اور اقامت ہوتی ہو تو حکم اس کا وہی ہے جو شہر کے اندر گھر میں نماز پڑھنے والے کا ہوتا ہے اور اگر اس گاؤں میں ایسی مسجد نہیں تو حکم اس کا مسافر کا ہے یہ شمسی شرح نقایہ میں لکھا ہے اگر انگوروں کے باغ میں یا کھیت پر ہو تو اگر گاؤں یا ظہر قریب ہے تو وہیں کی اذان کافی (۱) ہے اور جو قریب نہیں تو کافی نہیں اور قریب کی حد یہ ہے کہ وہاں کی آواز آتی ہو یہ مختار الفتاویٰ میں لکھا ہے اگر وہ اذان دے لیس تو اولیٰ یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر جنگل میں جماعت سے نماز پڑھیں اور اذان چھوڑ دیں تو مکروہ نہیں

۱۔ مخفی نہیں کہ عورت کا آواز بلند کرنا فعل حرام ہے تو اس میں کراہت شدید ہے پس شاید کہ جواز بنظر حصول مقصود ہو لیکن تاہل یہ کہ مقصود بذریعہ حرام حاصل ہو تو اولیٰ قول یہ کہ وہ معدوم اور جواب اعادہ ہے خصوصاً جب کہ فکر اذان شروع ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ پانچ باتیں جب اذان و اقامت میں پائی جائیں تو اس کو نئے سرے سے کہنا واجب ہے، اذان یا اقامت میں غشی یا موت یا بے اختیار حدیث جب کہ وضو کرنے یا بھول کر بند ہو اور کوئی لقمہ دینے والا نہیں یا گونگا ہو گیا ۱۲ ع (۱) بدلیل قول ابن مسعود کہ ہم کو ہماری قوم کی اذان کافی ہے ۱۲

اور اقامت چھوڑ دیں تو مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر مسجد والوں نے اذان دے کر جماعت کر لی تو پھر دوبارہ اذان اور جماعت اس مسجد میں مکروہ ہے اور اگر بعض مسجد والوں نے اقامت اور جماعت سے نماز پڑھ لی اس کے بعد مؤذن اور امام اور باقی جماعت کے لوگ داخل ہوئے تو یہ جماعت مستحب ہوگی اور پہلی مکروہ یہ مضمرات میں لکھا ہے۔ اور اگر ایسے لوگوں نے جو اس مسجد والے نہیں کسی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ لی تو اس مسجد والوں کو اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنے میں مضائقہ نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ مسجد والوں میں سے ایک گروہ نے آہستہ اذان دی کہ ان کے سوا کسی اور نے نہ سنا پھر اسی مسجد والوں کا دوسرا گروہ آیا اور اس کو پہلے فریق کی خبر نہ ہوئی پھر انہوں نے چلا کر اذان دی پھر اس کے بعد پہلی اذان کا حال معلوم ہوا تو ان کو چاہئے کہ حسب دستور جماعت سے نماز پڑھیں پہلی جماعت کا اعتبار نہیں کہ فتاویٰ قاضی خان کی فصل اذان میں لکھا ہے کسی مسجد میں کوئی مؤذن اور امام مقرر نہیں اور اس میں گروہ گروہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو افضل یہ ہے کہ ہر فریق علیحدہ اذان اور اقامت سے نماز پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان کی فصل مسجد میں لکھا ہے ایک گروہ نے جماعت سے کسی وقت کی نماز پڑھی پھر ابھی وقت باقی تھا کہ ان کو اس نماز کے فساد کا حال معلوم ہوا اور پھر اس وقت اور اسی مسجد میں اس کو جماعت سے قضا کیا تو اذان و اقامت کا اعادہ نہ کریں اگر بعد وقت کے قضا کیا تو چاہئے کہ اس مسجد کے سوا کہیں اور اذان اور اقامت سے قضا کریں یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ جس شخص کی نماز وقت نماز میں فوت ہو جائے پھر اس کے بعد وہ اس کی قضا پڑھنا چاہئے تو اس کے واسطے اذان اور اقامت کہے خواہ اکیلا ہو خواہ جماعت میں یہ محیط میں لکھا ہے۔ اور اگر بہت سی نمازیں فوت ہو گئیں تو پہلی کے لئے اذان اور اقامت کہے اور باقی میں مختار ہے چاہئے اذان و اقامت دونوں کہے چاہئے صرف اقامت کہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور اگر ہر نماز کے واسطے اذان و اقامت کہے تو بہتر ہے کہ قضا موافق طریقہ ادا کے ہو یہ کافی میں لکھا ہے۔ اور یہی مبسوط میں لکھا ہے جو امام سرحسی کی تصنیف ہے اور اختیار اس وقت میں ہے جب ایک ہی مجلس میں ان سب نمازوں کو قضا کر لے اور اگر بہت سی مجلسوں میں قضا کرے تو اذان و اقامت دونوں شرط ہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور ضابطہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہر فرض کے لئے ادا پڑھے یا قضا اذان اور اقامت کہے برابر ہے کہ اکیلا پڑھے یا جماعت سے لیکن جمعہ کے روز اگر شہر میں ظہر پڑھے تو اس کا اذان و اقامت سے پڑھنا مکروہ ہے یہ تمیین میں لکھا ہے اور عرفہ اور مزدلفہ میں جو دو نمازوں کو جمع کر لے تو پہلی کے لئے اذان اور اقامت کہے اور دوسری کے واسطے اقامت کہے اور اذان نہ کہے اگر مؤذن کو اذان یا اقامت میں غش آجائے تو دوسرا شخص اس کو پھر سے کہے اسی طرح اگر وہ مر جائے تب بستی یہی حکم ہے اور اس کا وضو ٹوٹ گیا اور وضو کرنے کو گیا تو دوسرا شخص از سر نو اذان کہے یا وہی جب لوٹ کر آئے تو از سر نو اذان کہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ ہمارے مشائخ نے اللہ ان پر رحم کرے یہ کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اگر وضو ٹوٹ جائے تو اذان ہو یا اقامت ان کو پورا کرے پھر وضو کے لئے جائے اور یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر مؤذن اذان کے درمیان میں رک جائے یا اقامت میں اور کوئی سکھانے والا نہیں تو واجب ہے کہ از سر نو اذان کہے اور اس طرح اذان یا اقامت کے درمیان میں گونگا ہو گیا اور تمام کرنے سے عاجز ہے تو دوسرا شخص از سر نو کہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اور اگر اذان کے درمیان ٹھہر گیا تو اس قدر وقفہ کیا جو فاصلہ میں شمار ہوتا ہے تو اس کا اعادہ کرے اور اگر تھوڑا وقفہ کیا جیسے کھنکارتا اور کھانسا تو اعادہ نہ کرے یہ تارخانہ میں تسمیہ سے نقل کیا ہے۔ اذان میں بغیر عذر کھنکارتا مکروہ ہے اگر عذر سے کھنکارتا لے تو مضائقہ نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اذان اور اقامت میں سلام کا جواب دینا مکروہ ہے اور اس میں یہ ہے کہ اس کے بعد بھی جواب دینا واجب نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے مؤذن کو اذان یا اقامت میں کلام کرنا یا چلنا نہ چاہئے اگر تھوڑا سا کلام کیا تو پھر شروع سے اذان کہنا لازم نہیں اور جس وقت مؤذن اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ تک پہنچے تو اس کو اختیار ہے کہ اسی جگہ اس کو تمام کرے یا نماز کی جگہ





یہ بدائع میں اور غایتہ سروجی میں لکھا ہے اذان و اقامت میں قبلہ کی طرف منہ کرے اور اگر نہ کیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور جب حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنا منہ داہنی طرف اور بائیں طرف کو پھیرے اور پاؤں اسی جگہ قائم رکھے برابر ہے کہ اکیلا نماز پڑھتا ہو یا جماعت پڑھتا ہو یہی صحیح ہے یہاں تک کہ فقہانے کہا ہے کہ بچے کے لیے اذان دے تو اس میں بھی چاہئے کہ ان دونوں کلموں کے وقت داہنی اور بائیں طرف کو منہ پھیرے یہ محیط میں لکھا ہے اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ حی الصلوٰۃ داہنی طرف کہے اور حی علی الفلاح بائیں طرف اور بعضوں نے کہا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ دانی اور بائیں دونوں طرف کے اور اس طرح حی علی الفلاح بھی دونوں طرف کہے اور صحیح پہلا قول ہے یہ تمیین میں لکھا ہے۔

اور اگر اذان دینے کا صومعہ وسیع ہو تو اس میں پھرے تو بہتر ہے یہ بدائع میں لکھا ہے پس مؤذن میدان میں حی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے وقت پھرے اور داہنی طرف کے طاق سے سر نکال کر حی علی الصلوٰۃ دوبار کہے پھر بائیں طرف کے طاق سے سر نکال کر حی علی الفلاح دوبار کہے یہ اس وقت ہے کہ جب ایک جگہ کھڑے ہو کر اذان کہنے میں پورا اعلام نہ ہو یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابوالکارم کی تصنیف ہے اور اگر داہنے اور بائیں طرف منہ پھیرنے سے اعلام پورا ہو جائے تو اسی پر اکتفا کرے اور پاؤں اپنی جگہ سے نہ ہٹائے یہ شاہان شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔ حسین مکروہ ہے حسین ایسی راگنی کو کہتے ہیں جس سے کلمات میں تغیر آجائے یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے لیکن ایسی خوش آوازی سے اذان کہاں جس میں لحن نہ ہو بہتر ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور یہی شرح و قایہ میں لکھا ہے اور دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ لے اور اگر نہ رکھے تو بہتر ہے اس واسطے کہ وہ سنت اصلی نہیں وہ صرف اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اعلام میں مبالغہ ہو اور اگر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لے تو بہتر ہے یہ تمیین میں لکھا ہے۔ اور انگلیاں کانوں میں رکھنا معمول اذان میں ہے تاکہ آواز بلند ہو اقامت میں نہیں یہ قیہ میں لکھا ہے۔ تحویب متاخرین کے نزدیک مغرب کے سوا ہر نماز میں بہتر ہے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو ابوالکارم کی تصنیف ہے اور تحویب اس کو کہتے ہیں کہ مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان میں پھر اعلام کرے ہر شہر کی تحویب وہاں کے دستور کے موافق ہوتی ہے یا کھنکار نے یا صلواہ صلوٰۃ یا قامت یا قامت کا لفظ کہنے سے تحویب اس لئے ہے کہ اچھی طرح سے اعلام ہو جائے اور یہ بات جس طرح جہاں کا دستور ہو اس سے حاصل ہو جاتی ہو یہ کافی میں لکھا ہے۔

فجر کی اذان کے بعد اتنا ٹھہرے جتنی دیر میں بیس آیتیں پڑھ سکے پھر تحویب کہے پھر اس قدر بیٹھے پھر اقامت کہے یہ تمیین میں لکھا ہے اذان اور اقامت میں بقدر ایسی دو رکعتوں یا چار رکعتوں کے فصل کرے جس میں ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھ سکے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ اذان اور اقامت کو ملانا بالاتفاق مکروہ ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور مؤذن کے لئے یہ اولیٰ ہے کہ جس نماز سے پہلے سنتیں یا نفل پڑھے جاتے ہیں وہ اذان و اقامت کے درمیان میں پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر نہ پڑھے تو اذان و اقامت کے درمیان بیٹھ جائے اگر مغرب کا وقت ہو تو بھی فقہا کا اتفاق ہے کہ اذان اور اقامت میں فصل ضروری ہے یہ عتابیہ میں لکھا ہے مقدار فصل میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ جتنی دیر میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھ سکے اتنی دیر چپکا کھڑا رہے پھر اقامت کہے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک جتنی دیر دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھے ہیں اتنی دیر بیٹھ جائے امام حلوانی نے لکھا ہے کہ خلاف صرف اتنی بات میں ہے کہ کھڑا ہونا افضل ہے یا بیٹھنا یہاں تک کہ اگر بیٹھ جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے مگر ان کے نزدیک افضل یہ ہے کہ نہ بیٹھے اور اگر کھڑا رہے تو امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے لیکن

ان کے نزدیک افضل یہ ہے کہ بیٹھ جائے یہ نہایہ میں لکھا ہے اذان اور اقامت کے درمیان میں دعا مانگنا مستحب ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ مؤذن آدمیوں کا انتظار کرے اور جو ضعیف جلد آنے والا ہے اس کے لیے کھڑا رہے اور محلہ کے رئیس اور بڑے آدمی کا انتظار نہ کرے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے۔ چاہے کہ اذان اول وقت میں کہے اور اقامت اوسط وقت میں کہے تاکہ وضو کرنے والا اپنے وضو سے اور نماز پڑھنے والا اپنی نماز سے اور ضرورت والا قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے یہ تاتار خانہ میں حجت سے نقل کیا ہے جب کوئی شخص اقامت کے وقت داخل ہو تو اس کو کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر مؤذن جب حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو یا مضمرات میں لکھا ہے اگر مؤذن امام کے سوا کوئی اور ہو اور نمازی مع امام کے مسجد کے اندر ہوں تو مؤذن جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہے اس وقت ہمارے تینوں علماء کے نزدیک امام اور نمازی کھڑے ہو جائیں یہی صحیح ہے اور امام مسجد سے باہر ہے تو اگر صفوں کی طرف سے مسجد میں داخل ہو تو جس صف میں وہ بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے اور اس طرف مائل ہوئے ہیں شمس الائمہ حلوانی اور سرحسی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ اور امام مسجد میں سامنے سے آئے تو امام کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں اور اگر مؤذن اور امام ایک ہو تو اگر وہ اقامت مسجد کے اندر کہے تو جب تک اقامت سے فارغ نہ ہوئے تب تک نمازی کھڑے نہ ہوں اور وہ مسجد سے باہر اقامت کہے تو ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے کہ جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو تب تک نمازی کھڑے نہ ہوں اور امام قد قامت الصلوة سے کچھ پہلے تکبیر کہہ دے شیخ الاسلام شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے کہ محیط میں لکھا ہے اور اسی کے میل میں مؤذن کو جواب دینے کے مسئلہ اذان کے وقت سامعین کو جواب دینا واجب ہے اور جواب دینا یہ ہے کہ جو اذان کہتا ہے وہی یہ بھی کہے مگر حی علی الصلوة کے جواب میں وہی لفظ نہ کہے بلکہ لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم کہے اور حی علی الفلاح کے جواب میں ماشاء اللہ کان الم یشاء لم یکن کہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ غرائب میں لکھا ہے اور اس طرح الصلوة خیر من النوم کے جواب میں سننے والا وہی لفظ نہ کہے بلکہ صدقت و بررت کہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اذان سنی اور وہ چل رہا ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ ایک ساعت ٹھہرے اور اذان کا جواب دے یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ اقامت کا جواب مستحب ہے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اور جب اقامت کہنے والا قد قامت الصلوة کہے تو سننے والا اقامت اللہ وادامہا مدامت السماوات والارض کہے اور باقی کلمات میں اس طرح جواب دے جیسے اذان میں جواب دیتا ہے یہ فتاویٰ غرائب میں لکھا ہے۔ اور چاہئے کہ اذان و اقامت کے درمیان میں سننے والا بات نہ کرے اور قرآن نہ پڑھے اور سوائے جواب دینے کے کوئی کام نہ کرے۔ اگر قرآن پڑھتا ہو تو اس کو چھوڑ کر اذان یا اقامت کے سننے اور جواب دینے میں مشغول ہو یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اگر اقامت کے وقت دعا میں مشغول ہو تو مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی مسجد کے کئی مؤذن ہوں تو جب وہ آگے پیچھے آئیں تو جو آگے آیا اسی کا حق یہ کفایہ میں لکھا ہے

بِسْمِ رَبِّ

## نماز کی شرطوں کے بیان میں

اور وہ ہمارے نزدیک سات ہیں حدث سے طہارت اور نجاست سے طہارت اور ستر عورت اور قبلہ کی جانب منہ کرنا اور

۱۔ قائم رکھے اُس کو اللہ اور ہمیشہ رکھے اُس کو جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں ۱۲ دعاے وسیلہ مستحب ہے وسیلہ مانگنے کا طریقہ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اذان سن کر جس نے کہا: اللہم رب هذا الدعوة التامة والصلوة والقائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعث مقاما محمود الذي وعدته تو اس کے واسطے قیامت کے روز میری شفاعت حلال ہوئی رواہ البخاری والا رجوع اور یہ جو عرف میں والدرجة الرفیعة وابعث مقاما محمود الذي وعدته وارضقنا شفاعته يوم القيامة بڑھایا جاتا ہے تو یہ حدیث میں وارد نہیں لیکن مستحسن ہے ۱۲

وقت اور نیت نماز اور تحریمہ یہ زاہدی میں لکھا ہے: اس باب میں چار فصلیں ہیں:

## پہلی فصل

### طہارت اور ستر عورت کے بیان میں

نمازی کو بدن اور کپڑے اور نماز کی جگہ کو نجاست سے پاک کرنا واجب ہے یہ زاہدی کے باب نجاست میں لکھا ہے یہ اس وقت ہے کہ جب نجاست اتنی لگی ہو کہ نماز کی مانع ہو اور اس کے دور کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی خرابی نہ ہو یہاں تک کہ اگر آدمیوں کے سامنے بے ستر کھولے نجاست دور نہیں کر سکتا تو اسی نجاست سے نماز پڑھ لے اور اگر نجاست سے دور کرنے کے واسطے لوگوں کے سامنے ستر کھول دیا تو فاسق ہو گیا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ نجاست میں اوپر کے بدن کا اعتبار ہے یہاں تک کہ اگر نجس سرمہ آنکھوں میں لگایا تو آنکھوں کا دھونا واجب نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر نجاست غلیظہ قدر درہم سے زائد ہے تو اس کا دھونا فرض ہے اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا باطل ہے اور اگر بقدر درہم ہے تو اس کا دھونا واجب ہے اور نماز اس کے ساتھ جائز ہے اور اگر قدر درہم سے کم ہے تو اس کا دھونا سنت ہے اور اگر نجاست خفیہ ہو تو وہ جب تک بہت نہ ہو جو از صلوٰۃ کی مانع نہیں یہ مضمرات میں لکھا ہے۔ ستر عورت نماز کے صحیح ہونے کے واسطے شرط ہے اگر اس پر قادر ہو یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ مرد کے لیے ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے آگے تک ستر ہے اور مرد کی ناف ہمارے تینوں عالموں کے نزدیک ستر نہیں اور گھٹنے ہمارے سب علماء کے نزدیک ستر ہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے آزاد عورت کا منہ اور ہتھیلیوں اور قدموں کے سوا تمام بدن ستر ہے یہ متون میں لکھا ہے۔ عورت کے بال جو سر پر ہیں وہ ستر ہے کہ اور جو لٹکے ہوئے ہیں اس میں دور وایتیں ہیں اصح یہ ہے کہ وہ ستر ہیں جو خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی کو فقیہ ابو الیث نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے۔ باندی کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے مگر اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی ستر ہے اور اسی حکم میں سب طرح کی باندیاں شامل ہیں خواہ ام الولد ہو یا مدبرہ یا مکاتبہ ہو یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور مستعابہ بمنزلہ مکاتبہ کے ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ خنثی مشکل اگر غلام ہے تو ستر اس کا مثل ستر باندی کے ہے اور اگر آزاد ہے تو ہمارے فقہاء یہ حکم کرتے ہیں کہ سارے بدن ڈھکے اگر اس نے صرف ناف سے گھٹنوں تک ڈھکا تو بعضوں کا یہ قول ہے کہ اعادہ لازم ہے اور بعضوں کے نزدیک لازم نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ جو لڑکی قریب بلوغ ہے اور ننگی یا بغیر وضو نماز پڑھے تو اعادہ کا حکم کیا جائے اور بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھے تو استحساناً نماز اس کی پوری ہو جائے گی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے نماز میں اپنا ستر غیر شخصوں سے چھپانا بالاجماع فرض ہے اور اپنے آپ سے چھپانا عامہ مشائخ کے نزدیک فرض نہیں یہ شاہان میں لکھا ہے پس اگر قمیص پہن کر بغیر ازار کے نماز پڑھے اور قمیص ایسا ہو کہ اگر اسکے گریبان میں سے دیکھے تو ستر نظر نہ آئے تو عامہ مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی صحیح ہے اور اگر اندھیرے گھر میں ننگا ہو کر نماز پڑھی اور اس کے پاس پاک کپڑا موجود ہے تو بالاجماع نماز جائز نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے باریک کپڑا جس میں سے بدن نظر آتا ہو اس میں نماز جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اگر اس کے پاس قمیص ہو اور سوا اس کے اور کوئی کپڑا نہ پہنے اور کسی شخص کو سجدہ میں اس کا ستر نہ معلوم ہوتا ہو لیکن اگر کوئی اس کے نیچے سے دیکھے تو ستر نظر آئے اس میں کچھ مضائقہ نہیں تھوڑا

۱۔ ام الولد وہ باندی ہے جس کے پیٹ سے مالک کی الواد ہوئی ہو مدبرہ وہ ہے جن کو مالک یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد آزاد ہے مکاتبہ وہ ہے جس کو مالک یہ لکھ دے کہ اس قدر رو پیدا دے دے تو آزاد ہو۔ مستعابہ وہ ہے جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا اور باقی حصہ کی قیمت دینے کے لیے کوشش کرتی ہو ۱۲

۲۔ خنثی مشکل وہ ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کی علامات ہو ۱۲

ساکھل جانا معاف ہے اس واسطے کہ اس میں حرج ہے اور بہت میں حرج نہیں اس واسطے غنوم نہیں۔ چوتھائی اور اس سے زیادہ بہت میں داخل ہے اور چوتھائی سے کم تھوڑے میں یہی صحیح ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اصح یہ ہے کہ ستر غلیظ ہو یا خفیف اس کا سبب چوتھمائی سے ہی کیا جاتا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ ایک عضو میں سے اگر چوتھائی سے کم کھل جائے تو معاف ہے اور اگر دو عضویوں یا دو سے زیادہ عضو میں سے کھلے تو اس کو جمع کریں گے اگر وہ سب مل کر ان اعضا میں سے سب سے چھوٹے عضو کی چوتھائی ہو جائے تو نماز جائز نہ ہوگی یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے ستر کے جمع کرنے میں حصوں کا حساب مثلاً چھٹا حصہ یا نوں حصہ معتبر نہیں بلکہ مقدار کا حساب ہوگا یہاں تک کہ اگر کان کا نوں حصہ کھل جائے اور پنڈلی کا نوں حصہ کھل جائے تو نماز منع ہوگی اس لئے کہ جو کچھ کھلا وہ کان کی چوتھائی کے برابر ہے یہ قیہ میں لکھا ہے۔ اگر نماز میں ستر کھل گیا اور بلا توقف اسی وقت چھپا لیا تو بالا جماع اس کی نماز جائز ہے اور اگر اس طرح ستر کھلے رکن ادا کیا تو نماز اس کی بالا جماع فاسد ہے یا اگر اس طرح ستر کھلے ہوئے ادا کیا لیکن اس قدر ٹھہرا جس میں رکن ادا ہو جاتا تو امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور امام محمد کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور امام ابو حنیفہ سے اس مسئلہ میں کوئی تصریح منقول نہیں یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابولکارم کی تصنیف ہے باندی نے بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھی اور نماز کے اندر وہ آزاد ہو گئی اگر اس وقت اوڑھنی نہ اوڑھی تو نماز فاسد ہو گئی اور اگر عمل قلیل سے اوڑھ لی تو جائز ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ عمل قلیل یہ ہے کہ اس کو ایک ہاتھ سے پکڑے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ ذکر جدا ایک عضو اور اشینین جدا اور یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے ہر ایک سرین علیحدہ ستر ہے اور دربان میں تیسرا ستر جدا ہے یہی صحیح ہے یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے اور یہی تبیین میں لکھا ہے اور گھٹنار ان کے آخر تک ایک عضو ہے یہاں تک کہ اگر نماز پڑھی اور گھٹنے کھلے تھے اور ران ڈھکی ہوئی تو نماز جائز ہو جائے گی یہی اصح ہے یہ تجنیس میں لکھا ہے اس طرح عورت کا ٹخنہ مع پنڈلی کے ایک عضو ہے یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے۔

مرد کی ناف کے نیچے سے عانہ کی انھی بڈی تک چوگرد ایک عضو ہے اور اس کی چوتھائی کھل جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے پیٹھ جدا ستر ہے اور اس طرح پیٹ اور اس طرح سینہ یہ تاتار خانہ میں عتابیہ سے نقل کیا ہے۔ پہلو پیٹ کے ساتھ یہ قیہ میں لکھا ہے عورت کی چھبائیاں اگر چھوٹی ہوں اور ابھرتی ہوئی ہوں تو وہ سینہ میں شامل ہیں اور اگر بڑی ہیں تو وہ جدا عضو ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور ہر ایک ان میں سے جدا جدا ستر ہوگی اور یہی حکم ہے دونوں کانوں کا اگر ایک کان کی چوتھائی کھل جائے تو نماز فاسد ہوگی یہ زہدی میں لکھا ہے جس کو کپڑا نہ ملے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ اشارے سے کرے یا کھڑا ہو کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ پڑھے اور اول افضل ہے یہ کافی میں لکھا ہے رات ہو یا دن جنگل ہو یا گھر سب کا یہی حکم ہے یہی صحیح ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور کپڑا ملنے سے مراد ہے اس پر قادر ہونا پس اگر کسی نے کپڑا اس کے لئے مباح کر دیا تو اصح یہ ہے کہ اس کا استعمال اس پر واجب ہے یہ جوہرہ نیرہ میں لکھا ہے ننگے آدمی کے سامنے اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کے پاس لباس ہے تو اس سے مانگے تو اگر نہ دے تو ننگا نماز پڑھے اور اگر نماز کے درمیان میں کپڑا ملے تو از سر نو نماز پڑھے یہ تاتار خانہ میں سراجیہ سے نقل کیا ہے اور اگر کپڑا ملنے کی امید ہو تو نماز میں اس وقت تک تاخیر کرے کہ جب تک فوت وقت کا خوف نہ ہو جیسے اگر نماز پڑھنے کے لئے پاک جگہ نہ ملے مگر ملنے کی امید ہو تو اس صورت میں بھی اس قدر تاخیر کرے کہ وقت کے حلے جانے کا خوف نہ ہو یہ قیہ میں لکھا ہے ننگے لوگ علیحدہ علیحدہ دور دور نماز پڑھیں اور اگر جماعت سے پڑھیں تو امام بیچ میں ہو اور ہر شخص پاؤں اپنے قبلہ کی طرف کرے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں کے بیچ میں کرے اور اشارہ سے نماز پڑھے یا بیٹھ کر رکوع اور سجدہ سے نماز پڑھے تو جائز ہے یہ زہدی میں لکھا ہے۔ حجتہ میں ہے کہ اگر ننگے

کو کوئی بوریا یا بچھونا ملے تو اس سے ستر ڈھک کے نماز پڑھے ننگا نہ پڑھے یہی حکم ہے اس صورت میں جب گھاس سے ستر ڈھک سکتا ہو یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے ننگا اگر کسی گلاب پر قادر ہو تو وہ اپنے ستر پر لگا لے اگر جانتا ہو کہ وہ ٹھہرا رہے گا تو بغیر اس کے نماز جائز نہ ہوگی اس طرح اگر پتے لپٹنے پر قادر ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ قیدی میں لکھا ہے اگر صرف اس قدر کپڑا ملے کہ جس سے تھوڑا ستر ڈھکے تو اس کا استعمال بالاتفاق واجب ہے مقام پیشاب و پانچنانہ ڈھک لے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور اگر صرف اس قدر مل سکتا ہو جس سے صرف ایک طرف ڈھکے تو بعضوں نے کہا ہے کہ دبر کو ڈھکے اس واسطے کہ حالت رکوع میں اس کے کھلنے میں زیادہ فحش ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ آگاہ ڈھکے اس واسطے کہ وہ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔

یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ ریشمی کپڑوں میں مردوں کی نماز جائز نہیں عورتوں کی نماز جائز ہے اگر اس کے سوا اور کپڑا نہ ملے تو اسی سے پڑھ لے گا ننگا نہ پڑھے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اگر کوئی عورت کھڑی ہو کر نماز پڑھتی ہے تو اتنا کھلتا ہے جس سے نماز جائز نہیں اور بیٹھ کر پڑھتی ہے تو کچھ نہیں کھلتا ہے تو اس کو چاہیے کہ بیٹھ کر پڑھے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر سجدہ کرنے میں عورت کا چوتھائی عضو ستر کھلتا ہو تو وہ سجدہ کو چھوڑ دے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ مرد تین کپڑے پہن کر نماز پڑھے ازار اور قمیص اور عمامہ اگر ایک کپڑے میں بدن ڈھک کر نماز پڑھے تو بلا کراہت نماز جائز ہے اور اگر صرف ازار میں پڑھے تو جائز ہے مگر مکروہ ہے عورت کے واسطے بھی مستحب یہ ہے کہ تین کپڑے قمیص اور ازار اور مقعدہ پہن کر نماز پڑھے اگر عورت دو کپڑوں میں نماز پڑھے تو نماز جائز ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور ایک کپڑے کو لپیٹ کر نماز پڑھے تو نہیں جائز ہوگی لیکن اگر اس میں اس کا تمام بدن اور ستر ڈھک جائے گا تو جائز ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر دو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھیں ہر شخص اس کے ایک کنارے سے ستر ڈھک لے تو جائز ہے اور اس طرح اگر کوئی شخص ایک کپڑے کے کنارے سے اپنا ستر ڈھکے اور دوسرا کنارہ کسی سوتے ہوئے پر ڈال دے تو جائز ہے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر عورت کو اس قدر کپڑا ملے کہ اس کا بدن اور چوتھائی ستر ڈھک سکے اور پھر وہ اپنا ستر نہ ڈھکے تو جائز نہیں اور جو چوتھائی سے کم ستر ڈھکتا ہو اور نہ ڈھکے تو مضائقہ نہیں لیکن ڈھکنا افضل ہے یہ تبیین میں لکھا ہے ننگے کو صرف اتنا کپڑے کا ٹکڑا ملے کہ اعضائے ستر میں سے جو سب میں چھوٹا عضو ہے اس کو ڈھک سکے اور پھر نہ ڈھکا تو نماز فاسد ہوگی ورنہ فاسد نہ ہوگی یہ قیدی میں لکھا ہے۔ اگر پانی کے اندر نماز پڑھی اور پانی گدلا ہے تو نماز صحیح ہوگی اور اگر پانی صاف ہے جس میں سے ستر نظر آتا ہے تو صحیح نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### ستر ڈھکنے والی چیزوں کی طہارت کے بیان میں

ایسا کپڑا ملا کہ چوتھائی پاک تھا اور ننگے نماز پڑھی تو جائز (۱) ہمیں اور اگر چوتھائی سے کم پاک تھا یا کل نجس تھا تو اختیار ہے کہ ننگا ہو کر بیٹھ کر اشاروں سے نماز پڑھے یا اس کپڑے سے کھڑا ہو کر رکوع اور سجدے سے نماز پڑھے اور یہی افضل ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر مردار کی کھال ملی جس کی دباغت نہیں ہوئی تھی اور سوائے اس کے اور کوئی ستر ڈھکنے والی چیز نہیں ملتی تو اس کھال سے ستر

۱۔ چنانچہ ظلال نے ابن عمر سے روایت کیا کہ ایک قوم کی کشتی ٹوٹ گئی تو سمندر سے ننگے برآمد ہوئے پس وہ بیٹھے نماز پڑھا کرتے اس حالت سے کہ سروں سے رکوع و سجود کا اشارہ کرتے تھے ۱۲

(۱) اس پر اتفاق ہے کیونکہ چیز کی چوتھائی بجائے کل کے قائم ہوتی ہے تو گویا کل پاک ہے اور پاک کو چھوڑ کر ننگے پڑھنا روا نہیں ۱۲ ع

ڈھلنا جائز نہیں اور اس سے نماز جائز نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر اس کے پاس دو کپڑے ہیں اور ہر ایک ان میں سے قدر درہم سے زیادہ نجس ہے تو اگر اس میں کوئی بقدر چوتھائی کپڑے کے نجس نہیں تو اختیار ہے جس سے چاہے نماز پڑھے کیونکہ نماز کے مانع ہونے میں دونوں برابر ہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ جس میں کم نجاست ہو اس سے نماز پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر ایک میں بقدر چوتھائی کپڑے کے خون لگا ہو اور دوسرے میں چوتھائی سے کم ہو تو جس میں خون کم ہو اس سے نماز پڑھے اور اس کے برخلاف جائز نہیں اور اگر ہر ایک میں نجاست بقدر چوتھائی کے ہو یا ایک میں زیادہ ہو لیکن بقدر پونے کے نہ ہو اور دوسرے میں بقدر چوتھائی کے ہو تو جس میں چاہے نماز پڑھے اور افضل یہ ہے کہ اس میں نماز پڑھے جس میں نجاست کم ہو اور اگر ایک کا چوتھائی پاک ہو اور دوسرا چوتھائی سے کم پاک ہو تو جس کا چوتھائی پاک ہے اس میں نماز پڑھے اور وہ اس کے برخلاف جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر کپڑے کے ایک جانب خون لگا ہو اور وہ اس قدر پاک ہو کہ اس سے تہ بند باندھ سکیں تو اگر نہ باندھے گا تو نماز جائز نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ پاک کپڑے سے اپنا ستر ڈھکنے پر قادر ہے اور اس میں فرق نہیں کیا گیا کہ ایک طرف کے ہلانے سے دوسرے طرف ہلتی ہو یا نہ ہلتی ہو یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اس قسم کے مسائل میں اصل یہ ہے کہ جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو اور وہ دونوں برابر ہوں تو جسے چاہے اختیار کرے اور جو مختلف ہوں تو آسان<sup>۱</sup> کو اختیار کرے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر اس کو پاک اور نجس کپڑے میں شبہ پڑ گیا تو ظن غالب کرے اور نماز پڑھے اگر چہ غلبہ گمان میں نجس ہی آ گیا ہو یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر اس کا گمان غالب ایک کپڑے پر ہو اور اس سے ظہر کی نماز پڑھی پھر گمان غالب دوسرے کپڑے پر ہو گیا اور اسے عصر کی نماز پڑھی تو عصر کی نماز فاسد ہوگی۔ اور اس کے پاس دو کپڑے ہوں اور یہ نہیں جانتا کہ نجاست کسی میں ہے پھر ایک کپڑے سے ظہر کی اور دوسرے سے عصر کی نماز پڑھی پھر اول کے کپڑے سے مغرب کی نماز پڑھی پھر دوسرے کپڑے سے عشاء پڑھی اور اس کے بعد ایک کپڑے میں نجاست قدر درہم سے زیادہ لگی ہوئی معلوم ہوئی لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں پہلا کون ہے اور دوسرا کون تو ظہر اور مغرب جائز ہوگی اور عصر اور عشاء فاسد ہوگی اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ ظہر اول کپڑے میں تخری سے پڑھے اور عصر دوسرے میں اور مغرب اول میں اور عشاء دوسرے میں ذکر کیا اس کو امام سرحسی نے یہ خلاصہ میں لکھا ہے

ایسے کپڑے میں نماز پڑھی کہ اس کے نزدیک وہ نجس تھا پھر نماز سے فارغ ہو کر معلوم ہوا کہ وہ پاک تھا تو نماز جائز ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر ننگے کے پاس ریشمی کپڑا ہو اور ناٹ کا کپڑا ہو جس میں نجاست قدر درہم سے زیادہ لگی ہے تو ریشمی کپڑے سے نماز پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے نماز پڑھنے والا اگر اپنے کپڑے پر قدر درہم سے کم نجاست پائے اور وقت گنجائش ہو تو افضل یہ ہے کہ کپڑا دھوئے اور پھر نماز شروع کرے اور اگر وہ جماعت اس سے فوت ہو جائے اور کہیں اور مل جائے تب بھی یہی حکم ہے اور اگر یہ خوف ہو کہ جماعت نہ ملے گی یا وقت جاتا رہے گا تو اس طرح نماز پڑھتا رہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب وہ نماز میں ہو اور اگر وہ نماز میں نہیں لیکن جماعت کے قریب پہنچ گیا اور جماعت والے نماز میں ہیں اور اس کو خوف ہے کہ اگر دھوئے گا تو جماعت فوت ہو جائے گی تو میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ نماز میں داخل ہو جائے اور اس کو نہ دھوئے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر اپنے کپڑے میں نجاست مغلطہ قدر درہم سے زیادہ لگی دیکھے اور یہ معلوم نہیں کہ کب لگی تھی تو بالا جماع یہ حکم ہے کہ کسی نماز کا اعادہ نہ کرے یہی اصح ہے یہ محیط سرحسی اور جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ اگر امام کے کپڑے پر نجاست قدر درہم سے کم لگی دیکھی پس اگر مذہب مقتدیٰ ۱۔ مثلاً زخمی اگر سجدہ کرتا ہے تو زخم سیاہ کرتا ہے اور نہیں تو نہیں وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔ اس واسطے کہ ترک سجدہ ہلکا ہے بے وضو ہونے کے ساتھ نماز سے اور ترک سجدہ حالت اختیار میں بھی کر سکتا ہے مثلاً سواری پر نماز نفل اشارہ سے درست ہے تو حالت ضد میں ترک سجدہ کا مضائقہ نہیں ۱۲

کا یہ ہے کہ نجاست قلیلہ مانع صلوٰۃ نہیں اور امام کا مذہب یہ ہے کہ وہ مانع صلوٰۃ ہے اور امام نے بے خبری میں نماز تمام کر لے تو مقتدی کی نماز جائز ہوگی اور امام کی نماز جائز نہ ہوگی اور اگر مذہب ان دونوں کا برخلاف ہے تو حکم بھی دونوں کا برخلاف ہے یہ فتاویٰ قاضی خان کے باب نجاست میں لکھا ہے۔ نصر کا قول ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر نجاست موزوں پر لگی ہو اور کپڑے پر بھی لگی ہو لیکن ان میں سے ہر ایک جدا جدا قدر درہم سے کم ہے اور دونوں جمع کی جائیں تو قدر درہم سے زیادہ ہوں تو ان دونوں نجاستوں کو جمع کریں گے اور اس سے نماز جائز نہ ہوگی اور یہی حکم ہے اس صورت میں جب کپڑے پر کئی جگہ نجاست لگی ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر اکہرے کپڑے میں نماز پڑھی جیسے قمیص وغیرہ ہوتا ہے اور اس پر نجاست قدر درہم سے کم لگی ہے مگر دوسری طرف کو پھوٹ نکلی اور اگر دونوں طرف کی نجاست جمع کی جائے تو قدر درہم سے زیادہ ہو جائے گی تو فقہاء کے قول کے بموجب مانع جواز صلوٰۃ نہیں اور ایک کپڑے میں جو نجاست جدا جدا لگی ہوتی ہے اس کا حکم اس پر جاری نہ ہوگا۔ اگر دو کپڑوں میں نماز پڑھی اور ہر ایک میں نجاست قدر درہم سے کم لگی ہے مگر دونوں کو جمع کریں تو قدر درہم سے زیادہ ہے تو جمع کریں گے اور وہ مانع جواز صلوٰۃ ہے۔ اگر دو تہ کا کپڑا پہن کر نماز پڑھی اور ایک تہ پر نجاست لگی اور دوسری تہ تک پھوٹ گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ ایک کپڑے کے حکم میں ہے اور جواز صلوٰۃ کی مانع نہیں اور امام محمدؒ کے قول کے بموجب جب مانع جواز صلوٰۃ ہے امام ابو یوسفؒ کے قول میں آسانی زیادہ ہے اور امام محمدؒ کے قول میں احتیاط زیادہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر نماز میں اس کے پاس ایسا درہم تھا کہ جس کی دونوں طرفین نجس تھیں تو مختار ہے کہ وہ جواز صلوٰۃ کا مانع نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے اس واسطے کہ وہ کل ایک درہم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر ناک رکھنے کی جگہ نجس ہو اور پیشانی رکھنے کی جگہ پاک ہو تو بلا خوف نماز جائز ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ ناک رکھنے کی جگہ پاک ہو اور پیشانی رکھنے کی جگہ نجس ہو اور ناک پر سجدہ کرے تو بلا خوف اس کی نماز جائز ہوگی اور اگر ناک اور پیشانی دونوں کی جگہ نجس ہو تو زندگی میں اپنی نظم میں یہ ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناک پر سجدہ کرے پیشانی پر نہ کرے اور نماز اس کی جائز ہوگی اگرچہ پیشانی میں کوئی عذر ہو اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہ ہوگی مگر اس صورت میں جائز ہوگی جب پیشانی میں کوئی عذر ہو یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرے تو صحیح یہ ہے کہ نماز اس کی جائز نہ ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر نجاست مصلیٰ کے دونوں پاؤں کے نیچے ہو تو نماز جائز نہ ہوگی یہ وجہ کروری میں لکھا ہے جو کروری کی تصنیف ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ دونوں پاؤں کی تمام جگہ نجس ہو یا صرف انگلیوں کی جگہ نجس ہو اگر ایک پاؤں کی جگہ پاک ہو اور دوسرے کی جگہ نجس ہو اور اس نے دونوں پاؤں رکھ کر نماز پڑھی تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ نماز اس کی جائز نہ ہوگی اور اگر وہ پاؤں رکھا جس کی جگہ پاک ہے اور دوسرا جس کی جگہ ناپاک ہے اٹھالیا تو اس کی نماز جائز ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر نجاست سجدہ میں اس کے ہاتھوں یا گھٹنوں کے نیچے ہو تو ظاہر روایت کے بموجب نماز فاسد نہ ہوگی اور ابواللیث نے یہ اختیار کیا ہے کہ نماز فاسد ہوگی اور اسی کو عیون میں صحیح کہا ہے سراجؒ الوہابؒ میں لکھا ہے پاک جگہ میں نماز پڑھی اور اسی جگہ پر سجدہ کیا لیکن سجدہ میں کپڑا اس کا ایسی زمین پر پڑتا ہے جو نجس ہے اور خشک ہے یا نجس کپڑے پر پڑتا ہے تو نماز اس کی جائز ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اگر نجاست پاؤں کے نیچے قدر درہم سے کم ہو اور اگر دونوں جگہ کی جمع کی جائے تو قدر درہم سے زیادہ ہو جائے تو جمع کریں گے

۱۔ اسی طرح اگر نمازی کے پاس وہ اٹھا ہے جو اٹھا ہے خون ہو گیا تو نماز جائز ہے کیونکہ وہ اپنے معدن میں ہے برخلاف اس شیشہ کے جس میں پیشاب ہے یعنی وہ مانع نماز ہے ۲۱۲ موضع قدمین کی طہارت امام اور صاحبین کے نزدیک شرط ہے بالاتفاق نفل خلاف اور موضع سجود میں خلاف ہے مگر صحیح تر یہی قول ہے کہ امام کے نزدیک اس کی طہارت بھی شرط ہے ۲۱۳ اور شیخ الاسلام ابو سعید مفتی روم نے کہا کہ جس عضو کا رکھنا واجب ہے، اگرچہ دونوں ہاتھ ہوں تو اس کے مکان کی طہارت شرط ہے ۱۲

اور مانع جواز صلوٰۃ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں کپڑے پر نجاست لگنے کی فصل میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اس طرح سجدہ کی جگہ اور پاؤں کی جگہ کی نجاست جمع کی جائے گی یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اگر نمازی کے کپڑے میں نجاست قدر درہم سے کم ہو اور اس کے دونوں پاؤں کے نیچے بھی قدر درہم سے نجاست کم ہو لیکن دونوں کو جمع کریں تو قدر درہم سے زیادہ ہو جائے تو جمع نہ کریں گے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر نمازی پاک مکان میں کھڑا ہو پھر نجس جگہ چلا گیا پھر پہلی جگہ آ گیا اگر نجاست پر اتنی دیر نہیں ٹھہرا جتنی دیر میں چھوٹا رکن ادا کر سکیں تو نماز اس کی جائز ہوگی اور جو اتنی دیر ٹھہرا تو نماز اس کی جائز نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان کے کپڑے اور مکان پر نجاست لگنے کے فصل میں لکھا ہے اگر نماز نجس جگہ میں شروع کی پھر پاک جگہ میں چلا گیا تو نماز شروع ہی میں نہیں ہوئی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر جانور کی پیٹھ پر نماز پڑھی اور اس کی زین پر نجاست مثل خون یا چرکیوں کے قدر درہم سے زیادہ ہے تو نماز اسکی فاسد ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ نماز اس کے لئے جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر ایسے فرش پر نماز پڑھی کہ اس کے ایک طرف نجاست تھی اور اس کے دونوں پاؤں اور سجدہ کی جگہ نجاست نہیں تو نماز جائز ہے برابر ہے کہ فرش بڑا ہو یا ایسا چھوٹا کہ ایک طرف کے ہلانے سے دوسری طرف ہلتی ہو یہی مختار ہے یہ خلاصہ کی چوتھی فصل میں لکھا ہے جو سر کے مسح کی بیان میں ہے اور یہی حکم ہے کپڑے اور بوریا کا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور حجتہ میں ہے کہ فرش پر اگر نجاست لگے اور یہ نہیں معلوم کہ کس جگہ لگی ہے تو اپنے دل میں غور کرے اور جس جگہ اس کے دل میں پاکی کا اطمینان ہو وہیں نماز پڑھے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اگر مصلیٰ کے استریا میان تہ پر نجاست ہو تو نماز اس پر جائز ہوگی یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک دوسرے پر سلا ہو یا نکا ہو انکا ہو یا نکا ہو ہو تو بموجب امام محمد کے قول کے جائز ہے اس لئے کہ وہ سنے کی وجہ سے ایک نہیں ہو جاتا اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے قول ابو یوسف کا احتیاط سے قریب ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر نجاست تر ہو اور اس پر کپڑا ڈال کر نماز پڑھی اگر کپڑا ایسا ہے کہ عرض میں دو کپڑے مثل نہالی کے بن سکیں تو بقول امام محمد کے جائز ہے اور اگر نہیں بن سکتے تو جائز نہیں اگر نجاست خشک ہو اور کپڑا اس قدر ہو جس سے کل ستر ڈھک سکے تو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے فتاویٰ میں ہے کہ اگر کپڑے کی دوہری تہ لے اور اوپر کی تہ پاک ہو نیچے کی تہ ہنا پاک ہو جائز ہے یہ سراج الوہاج اور شرح مدیہ میں جو امیر الحاج کی تصنیف ہی مہتممی سے نقل کیا ہے اگر نجاست پر کھڑا ہو اور پاؤں میں جوتیاں یا جرابیں پہنے ہوئے ہو تو نماز جائز نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر جوتیاں نکال کر ان پر کھڑا ہو جائے تو اگر جوتیوں کی اوپر کی جانب جہاں پاؤں رکھتا ہے پاک ہے تو جائز ہے برابر ہے کہ نیچے کی جانب جو زمین سے ملتی ہی پاک ہو یا ناپاک۔ اینٹیں اگر ایک طرف سے نجس ہوں اور انکی دوسری جانب پر جو پاک ہے نماز پڑھے تو جائز ہے خواہ ان اینٹوں کا زمین پر فرش ہو یا ویسی ہی رکھی ہوں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر چکی کے پتھر پر یا دروازہ پر یا موٹے پتھونے اور مکعب پر نماز پڑھی اور وہ اوپر سے پاک ہے اور نیچے سے نجس تو امام محمد کے نزدیک نماز جائز ہوگی شیخ ابو بکر الاسکافی پر فتویٰ دیتے تھے اور یہی ترجیح کے لائق ہے یہ شرح منبہ المصلیٰ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے نمدے کا یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اس لکڑی کا جو موٹاپے میں سے چر سکے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

اگر نجس زمین پر نماز پڑھنا چاہی اور اس پر کچھ مٹی چھڑک دی تو اگر مٹی اتنی تھوڑی ہے کہ اگر اس کو سونگھیں تو نجاست کی بو آئے تو نماز پڑھنا جائز نہ ہوگی اور اگر اتنی بہت ہے کہ اگر اس کو سونگھیں تو بوند آئے تو نماز جائز ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ اگر نجس کپڑا بچھا دیا اور اس پر مٹی بچھا کر نماز پڑھے تو جائز نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر نجاست کی جگہ پر اپنی آستین بچھا کر اس پر



سجدہ کرے تو صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اگر ایک جبہ پہن کر نماز پڑھی جس کے اندر کچھ بھرا ہوا تھا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کے اندر ایک چوہا مرا ہوا خشک ملا اگر اس جبہ میں کوئی روزن تھا یا پھٹا ہوا تھا تو تین دن کی نماز پھرے اور اگر کوئی سوراخ پھٹا ہوا نہ تھا تو جتنی نمازیں اس جبہ سے پڑھی تھیں وہ سب پھیرے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور اسی میل کے یہ مسائل ہیں اگر نماز پڑھی اور اس کی آستین میں گندا نڈا ہے جس کی زردی خون ہو گئی ہے تو نماز جائز ہوگی اور یہی حکم ہے اس صورت میں جبکہ انڈے میں مرا ہوا بچہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے نصاب میں ہے کہ اگر کسی نے نماز پڑھی اور اس کی آستین میں ایک شیشہ ہے جس میں پیشاب ہے تو نماز جائز نہ ہوگی خواہ وہ بھرا ہوا ہو یا نہ ہو اس لئے کہ وہ بول اپنے اصلی مقام پر نہیں اور گندے انڈے کا حکم اس واسطے اس کے خلاف ہوا کہ اس کی نجاست اپنی جگہ پر ہے اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے اگر نماز پڑھی اور شہید اس کے کاندھے پر ہے اور شہید کے کپڑوں پر خون بہت پڑا ہے تو نماز جائز ہوگی اور شہید کے کپڑے کاندھے پر ہوں اور شہید نہ ہو تو نماز جائز نہ ہوگی کوئی شخص نماز میں داخل ہو اور اس کی آستین میں ایک زندہ بچہ تھا جب نماز سے فارغ ہوا تو اس کو مردہ پایا تو اگر گمان غالب یہ ہے کہ نماز کے اندر مرا ہے تو نماز کا پھیرنا واجب ہوگا اور اگر یہ گمان غالب نہ ہو خشک ہو تو پھیرنا واجب نہ ہوگا۔ اگر اکھڑے ہوئے دانت کو پھر منہ میں رکھ لیا تو نماز جائز ہوگی اگرچہ قدر درہم سے زیادہ ہو ظاہر مذہب کے بموجب ہمارے علما میں خلا نہیں اور یہی صحیح ہے کہ آدمی کے دانت پاک ہیں یہ کافی میں لکھا ہے اگر نماز پڑھی اور اس کی گردن میں ایک پٹہ تھا جس میں کتے یا بھیڑے کے دانت ہیں تو نماز جائز ہے اگر نماز پڑھی اور اس کے پاس چوہا یا بلی یا سانپ ہے تو نماز جائز ہوگی اور گنہگار ہوگا اور یہی حکم ہے ان سب جانوروں کے ہونے میں جن کے جھوٹے پانی سے وضو جائز ہے اور اگر اس کی آستین میں لومڑی ہو یا کتے یا سور کا بچہ ہو تو نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ جھوٹا پانی ان کا نجس ہوتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر نمازی کی گود میں آدمی کا بچہ آ گیا جس میں خود سنبھلنے کی سکت نہیں آئی اور بچہ پر نجاست ایسی ہو کہ جس سے نماز جائز نہیں تو اگر وہ اس قدر نہیں ٹھہرا کہ جتنی دیر میں وہ ایک رکن ادا کر سکے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر اتنی دیر ٹھہرا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر سکت رکھتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ بہت دیر تک ٹھہرا ہے اور یہی حکم ہے نجس کبوتر کا اگر نمازی پر بیٹھ جائے یہ خلاصہ میں اور فتح القدیر میں لکھا ہے جب اور محدث کو اگر نماز پڑھنے والا اٹھالے تو نماز جائز ہوگی یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ نو جگہ نماز مکروہ ہے راستہ میں اونٹوں کے بندھنے کی جگہ میں گھوڑے پر جانوروں کے ذبح ہونے کی جگہ اور پائخانہ اور غسل خانہ اور حمام اور مقبرہ میں اور کعبہ کی چھت پر لیکن گھاس اور بوریہ پر اور زمین اور فرش پر نماز پڑھنے اور سجدہ کرنے میں مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر نجس کپڑا مصلیٰ کے سر پر لٹکا ہوا ہو اور جس وقت وہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے کاندھے پر آجاتا ہے تو اگر ایک رکن اس طرح ادا کیا تو نماز فاسد ہوگی اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ نجس قبا اس کے اوپر ڈال دیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر دوسرے شخص کے کپڑے میں نجاست قدر درہم سے زیادہ دیکھے تو اگر اس کو یہ گمان ہے کہ اس کو خبر کرے گا تو وہ نجاست کو دھولے گا تو اسکو خبر کر دے اور اگر اس کو یہ گمان ہے کہ وہ کچھ خیال نہ کرے گا تو اس کو اختیار ہے کہ خبر نہ کرے اور امر معروف کا یہی حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے امام سرحسی نے کہا ہے کہ امر معروف ہر صورت میں واجب ہے کچھ تفصیل نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

۱ اور اگر لڑکا نمازی کے تھامنے کا محتاج نہ ہو یعنی اس میں خود سنبھلنے کی سکت ہو اور اس کو چمنا ہو تو نمازی اس کا حامل نہ ٹھہرے گا تو نماز کا بھی مانع نہ ہوگا ۱۲

۲ یہی حکم ناپاک چھت اور چھپر اور خیمہ نجس کا ہے جب کہ نمازی کا سر کھڑے ہونے سے ان چیزوں میں لگتا ہو کذا فی الطحاوی ۱۲

## نبروی فصل

## قبلہ کی طرف منہ کرنے کے بیان میں

فرض اور نفل اور سجدہ تلاوت اور جنازہ کی نماز بغیر قبلہ کی طرف منہ کے کسی کو جائز نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص مکہ میں ہے اس کے لئے قرار عین کعبہ ہے پس اس کو عین کعبہ کی طرف منہ کرنا لازم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ نماز پڑھنے والے اور کعبے کے درمیان میں کوئی دیوار حائل ہو یا نہ ہو یہ تمیز میں لکھا ہے یہاں تک کہ مکہ والا اگر اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس طرح پڑھے کہ اگر دیواریں درمیان سے دور ہو جائیں تو کوئی جز خانہ کعبہ کا اس کے منہ کے سامنے ہو یہ کافی میں لکھا ہے اگر حطیم کی طرف منہ کرے نماز پڑھے تو جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور جو شخص مکہ سے خارج ہو تو قبلہ اس کا جہت کعبہ ہے یہی قول ہے عامہ مشائخ کا اور یہی صحیح ہے یہ تمیز میں لکھا ہے اور جہت کعبہ کی دلیل سے معلوم ہوتی ہے اور دلیل شہروں اور قریوں میں وہ محرابیں ہیں جو صحابہؓ اور تابعینؓ نے بنائی ہیں پس ہم پر ان کا اتباع واجب ہے اور اگر وہ نہ ہوں تو اسی ہستی کے لوگوں سے پوچھے اور دریاؤں اور جنگلوں میں دلیل قبلہ کی ستارے ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور خانہ کعبہ کی جگہ کی طرف کو منہ کرنے کا اعتبار ہے عمارت کا اعتبار نہیں فتاویٰ حجتہ میں ہے کہ گھرے کنوؤں میں اور پہاڑوں اور اونچے ٹیلوں پر اور خانہ کعبہ کی چھت پر نماز جائز ہے اس واسطے کہ قبلہ ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک مقابل میں کعبہ کے عرش تک ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اگر کعبہ کے اندر یا چھت پر نماز پڑھی تو جدھر کو منہ کرے جائز ہے اور اگر کعبہ کی دیوار پر نماز پڑھی تو اگر منہ اس کا کعبہ کی چھت کی جانب کو ہے تو نماز جائز ہوگی اور جو نہیں ہے تو جائز نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے کوئی مریض صاحب فراش ہے اور قبلہ کی طرف کو منہ نہیں پھر سکتا اور اس کے پاس کوئی اور شخص بھی نہیں جو اس کا منہ پھیرے تو جدھر کو وہ چاہے نماز پڑھے لے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر کوئی منہ پھیرنے والا ہے لیکن منہ پھیرنا اس کو ضرر کرتا ہے تو بھی حکم یہی ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور جس شخص کو قبلہ کی طرف منہ کرنے میں کچھ خوف ہو تو جس جہت پر قادر ہو اسی طرف کو نماز پڑھے لے یہ ہدایہ میں لکھا ہے برابر ہے کہ دشمن کے خوف یا درندہ سے یا چور سے اس طرح اگر دریا میں لکری پر ہو اور اس کو خوف ہو کہ قبلہ کی طرف کر پھیرے گا تو ڈوب جائے گا تو بھی یہی حکم ہے یہ تمیز میں لکھا ہے اور اس طرح فرض نماز عذر سے یا نفل بغیر عذر سواری پر پڑھے تو اسے جائز ہے کہ سواری کا منہ جدھر کو ہو نماز پڑھے لے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور جو شخص کشتی میں نماز پڑھے فرض یا نفل تو اس پر واجب ہے کہ قبلہ کی طرف کو منہ کرے اور یہ جائز نہیں کہ جدھر کو رخ ہو ادھر کو پڑھے لے یہ خلاصہ میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر کشتی گھومے اور وہ نماز پڑھتا ہو تو کشتی کے گھومتے ہی قبلہ کو متوجہ ہو جائے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اگر قبلہ کا شبہ پڑ جائے اور ایسا کوئی شخص اس کے سامنے نہیں جس سے پوچھے تو اٹکل سے قبلہ کی طرف مقرر کر کے نماز پڑھے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا گمان غلط تھا تو نماز کو نہ پھیرے اور جو نماز میں ہے معلوم ہو تو قبلہ کی طرف کو پھر جائے اور باقی نماز اس طرح پڑھے لے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اور اگر اس کے سامنے کوئی ایسا شخص ہو جس سے پوچھ سکتا ہو اور وہ وہیں کارہنے والا ہو اور قبلہ کی سمت کو جانتا ہو تو اٹکل سے نماز پڑھنا جائز نہیں یہ تمیز میں لکھا ہے اگر اس کے

۱۔ خواہ ہیچہ یا حکماً مانند بجز کے اور یہ ایک امتحانی شرط ہے کہ باوجود اس اعتقاد کے کہ اللہ تعالیٰ نے عزوجل کے لیے کوئی جہت نہیں ہو سکتی دل میں اس پر جزم کرنے کے ساتھ ان کو ایک طرف متوجہ کیا اور وہ شریعت یہود و نصاریٰ میں بیت المقدس تھا اور شریعت حنیفہ میں کعبہ ہے پس اصل مقصود اللہ تعالیٰ کو سجدہ ہے اور کعبہ صرف جہت عبارت ہے حتیٰ کہ اگر عین کعبہ کو سجدہ کرے تو کفر ہوگا۔ ثل۔ ط۔ اور یہ استقبال واجب ہے کہ بقولہ تعالیٰ ولو اوجوہکم شطر المسجد الحرام یعنی سوتم پھیرو اپنے چہروں کو شطر المسجد الحرام کو ۱۲ عین الہدایہ

سامنے کوئی ایسا شخص ہے کہ اس سے پوچھ سکتا ہے اور اس سے نہ پوچھا اور اٹکل سے نماز پڑھ لی تو اگر ٹھیک قبلہ کی جانب کو نماز پڑھی تو جائز ہوگی ورنہ جائز نہ ہوگی یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور یہی ہے شرح طحاوی میں کس شخص کے سامنے ہونے کی حد یہ ہے کہ اگر اس کو چلا کر پکارے تو وہ سن لے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر قبلہ کا اس کو جنگل میں شبہ پڑ جائے اور وہ اٹکل سے کسی طرف کو قبلہ سمجھے اور دو معتبر آدمی اس کو یہ خبر دیں کہ قبلہ اور طرف ہے تو اگر وہ بھی دونوں مسافر ہیں تو انکے قول پر التفات نہ کرے اور اگر وہ اسی جگہ کے رہتے والے ہوں تو اگر ان کا قول نہ مانے گا تو نماز جائز نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر اٹکل سے ایک سمت کو قبلہ تجویز کیا لیکن نماز دوسری طرف کو پڑھی تو اس نماز کا اعادہ کرے اگرچہ وہ ٹھیک قبلہ کی طرف کو ہوگئی ہو یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اگر اس نے کسی طرف کو نماز شروع کی اور اس کو قبلہ میں شک نہ تھا پھر نماز میں اس کو شک ہو گیا تو وہ اس طرح نماز پڑھتا رہے لیکن جب اس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ وہ سمت غلط تھی تو اعادہ واجب ہے پس اگر نماز میں ہی معلوم ہو گیا کہ وہ خطا پر ہے تو از سر نو نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر ظاہر ہو گیا کہ اس نے ٹھیک قبلہ کی طرف کو نماز پڑھی تو اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اسی کو پورا کرے اور از سر نو پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کسی کو شک ہو اور اٹکل سے کسی سمت کو مقرر نہ کیا اور بغیر اٹکل کے نماز پڑھ لی پس اگر نماز میں ہی شک زائل ہو گیا یعنی یہ معلوم ہو گیا کہ ٹھیک وہ قبلہ کی جانب ہے یا نہیں تو از سر نو نماز پڑھے اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد خطا معلوم ہوگئی یا کچھ معلوم نہ ہو نماز کا اعادہ کرے اور اگر ظاہر ہو گیا کہ قبلہ کی طرف وہی ٹھیک تھی تو نماز جائز ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر اٹکل سے کسی طرف کو گمان غالب نہ ہو تو بعضوں نے کہا ہے کہ نماز میں تاخیر کرے اور بعضوں نے کہا ہے چاروں طرف کو پڑھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جدھر کو چاہے پڑھ لے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور ٹھیک یہ ہے کہ ادا کرے یہ مضمرات میں لکھا ہے پس اگر اس نے کسی طرف کو نماز پڑھ لی تو اگر ظاہر ہو کہ اس نے ٹھیک قبلہ کی طرف کو پڑھی یا یہ ظاہر ہو کہ اس نے غلط پڑھی یا کچھ ظاہر نہ ہو اس صورتوں میں نماز جائز ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر کسی شہر میں داخل ہو اور وہاں محرابیں بنی ہوئی دیکھیں تو انہیں کی طرف کو نماز پڑھے اپنی اٹکل سے نماز نہ پڑھے اور اگر جنگل میں ہے اور آسمان صاف اور ستاروں سے وہ قبلہ کی سمت پہچان سکتا ہے تو اٹکل سے نماز نہ پڑھے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور محراب نہیں اور اس کو قبلہ معلوم نہیں اور اٹکل سے نماز پڑھ لی پھر ظاہر ہوا کہ اٹکل میں خطا ہوئی تو اعادہ واجب ہے۔ اس لئے کہ وہ وہاں کے رہنے والوں سے پوچھنے پر قادر ہے اور اگر ظاہر ہو گیا کہ اس نے ٹھیک قبلہ کی طرف کو نماز پڑھی تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر ان سے پوچھا اور انہوں نے نہ بتایا اور ویسی ہی نماز پڑھ لی جائز ہے اگرچہ بعد کو ظاہر ہوا کہ قبلہ کی سمت میں خطا ہوئی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے کسی شخص نے مسجد میں اندھیری رات میں اٹکل سے نماز پڑھی پھر ظاہر ہوا کہ اس نے قبلہ کی طرف کو نماز نہیں پڑھی تو نماز جائز ہوگی اس لئے کہ اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ قبلہ پوچھنے کے لئے لوگوں کے دروازے کوٹے اور اگر اٹکل سے نماز میں ایک رکعت پڑھی پھر اس کی رائے دوسرے طرف کو بدل گئی اور دوسری رکعت دوسری طرف کو پڑھی پھر اس کی رائے دوسری طرف کو بدلی جس طرف کو پہلی رکعت پڑھی تھی تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ وہ پہلی طرف کو اپنی نماز تمام کر لے اور بعضوں نے کہا ہے کہ از سر نو پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کسی شخص نے جنگل میں اٹکل

۱۔ اگر کسی نے اخیر تحری و کوشش کے نماز پڑھی تو انہیں بلکہ امام سے روایت تکفیر ہے اور نوازل میں ہے کہ اگر عمدہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی عزم کر کے پڑھے تو امام نے کہا کہ کافر ہے اگرچہ وہی جہت قبلہ ہو اور فقہ ابو الیث نے کہا ہے صحیح ہے بشرطیکہ بطریق اعتقاد ایسا کیا ہو ۱۲

۲۔ اس مسئلہ میں افادہ ہوا کہ حاضر کی ایسی رات میں گھروں کے لوگ باوجود یکہ آواز سننے کی حد میں ہوں بمنزلہ غالب کے ہیں پس ستھری سے نماز جائز ہے ۱۲ (۱) اور شافعی نے کہا کہ جب ستھری سے نماز پڑھنے میں یہ ثابت ہو کہ پیٹھ قبلہ کی طرف پڑی ہے تو اعادہ واجب ہے کیونکہ عطا کا یقین ہو گیا ہے یہی امام شافعی کا ظاہر مذہب ہے اور دوسرا قول ان کا مثل ہمارے قول کے ہے اور یہی ان کے مذہب میں مختار ہے ۱۲ کذا فی الجلیہ الشافیہ

سے نماز پڑھی اور اس کے پیچھے ایک شخص نے بغیر اٹکل کے اقتدا کر لیا پس اگر امام نے ٹھیک قبلہ کی طرف کو پڑھی تو دونوں کی نماز ہوگئی اور اگر امام کی رائے غلط تھی تو امام کی نماز ہوگئی اور مقتدی کی نہ ہوئی یہ خلاصہ میں لکھا ہے کسی شخص کو مکہ میں قبلہ میں شبہ پڑ گیا اور مثلاً وہ قید تھا اور اس کے سامنے کوئی ایسا شخص بھی نہ تھا جس سے وہ پوچھے پھر اس نے اٹکل سے نماز پڑھ لی پھر ظاہر ہوا کہ اٹکل میں خطا ہوئی تو امام محمدؐ سے روایت ہے کہ اس پر اعادہ واجب نہیں اور یہی روایت زیادہ قیاس کے موافق ہے یہی حکم ہے جب وہ مدینہ میں ہو یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر قبلہ میں شبہ پڑ گیا اور اٹکل سے اس نے ایک رکعت پڑھی پھر رائے دوسری طرف کو بدلی اور دوسری رکعت اس نے دوسری طرف کو پڑھی اس طرح چاروں رکعتیں چاروں طرف کو پڑھیں تو امام محمدؐ سے یہ روایت ہے کہ جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر ایک رکعت اٹکل سے ایک طرف کو پڑھی پھر اس کی رائے بدلی اور دوسری رکعت دوسری طرف کو پڑھی پھر اس کو یاد آیا کہ پہلی رکعت سے ایک سجدہ چھوٹ گیا ہے اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

صحیح یہ ہے کہ نماز اس کی فاسد ہوگی یہ قیدی میں لکھا ہے ایک شخص نے اٹکل سے نماز کسی طرف کو شروع کی اور رائے اس کی غلط تھی اور اس کو معلوم نہ تھا پھر نماز میں معلوم ہوا تو وہ قبلہ کی طرف کو پھر گیا پھر ایک ایسا شخص آیا جس کو اس کی پہلی حالت معلوم تھی اور نماز میں اسی طرف کو رخ کر کے داخل ہو گیا تو اول شخص کی نماز جائز ہوگی اور داخل ہونے والے کی فاسد ہوگی اندھے نے ایک رکعت قبلہ کے سوا کسی اور سمت کو پڑھ لی پھر ایک شخص نے آ کر اسے قبلہ کی طرف کو پھیر دیا اور اس کے پیچھے اقتدا کر لیا تو اگر اندھے کو نماز شروع کرنے کے وقت کوئی ایسا شخص ملا تھا جس سے وہ قبلہ کی سمت پوچھ سکتا تھا مگر اس نے نہ پوچھا تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہے اگر ایسا شخص نہیں ملا تھا تو امام کی نماز جائز ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کسی گروہ کو قبلہ کا شبہ پڑ گیا اور رات اندھیری تھی اور وہ ایک گھر میں تھے اور کوئی سامنے ان کے ایسا شخص معتبر نہیں جس سے پوچھیں اور نہ وہاں کوئی علامت ہے جس سے قبلہ معلوم ہو یا وہ جنگل میں تھے پھر سب نے اپنی اپنی اٹکل سے قبلہ کی سمت مقرر کر کے نماز پڑھی اگر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی تو جائز ہے خواہ ٹھیک قبلہ کی طرف کو پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو اگر جماعت سے نماز پڑھی تو بھی جائز ہے مگر اس شخص کی نماز جائز نہیں جو امام سے آگے تھا اور اس شخص کی کہ جن کو نماز میں معلوم ہو گیا کہ امام کی سمت اس سے مخالف ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اس کو یہ گمان تھا کہ وہ امام سے آگے ہے یا امام کی سمت کو نماز پڑھتا ہے اگر ایک گروہ نے جنگل میں اٹکل سے نماز پڑھی اور ان میں مسبوق اور لاحق بھی تھا جب امام نماز سے فارغ ہوا اور یہ دونوں کھڑے ہو کر اپنی باقی نماز قضا کرنے لگے اس وقت ظاہر ہوا کہ امام نے جدھر کو نماز پڑھی اس طرف کو قبلہ نہ تھا تو مسبوق اگر قبلہ کی طرف کو پھر گیا تو نماز اس کی جائز ہوگی لاحق کی نماز جائز نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اٹکل سے قبلہ کو تجویز کرنا جیسے نماز کے لئے جائز ہے ویسے ہی سجدہ تلاوت کے لئے جائز ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا اور اسی میل میں ہے کعب کے اندر نماز پڑھنے کے مسئلے فرض نماز اور نفل کعبہ کے اندر پڑھنا صحیح ہے اگر خانہ کعبہ کے اندر جماعت سے نماز پڑھیں اور امام کے گرد ہو جائیں تو جس کی پیٹھ امام کی طرف ہوگی یا جس کا منہ امام کی پشت کی طرف ہوگا اس کی نماز جائز ہوگی اور جس کا منہ امام کے منہ کی طرف ہوگا اور امام کے اور اس کے درمیان میں کوئی حجاب نہ ہوگا اس کی نماز بھی جائز ہوگی مگر مکروہ ہوگی اور جس کی پیٹھ امام کے منہ کی طرف ہو اس کی نماز جائز نہ ہوگی یہ جوہرۃ النیرہ اور سراج الوہاب میں لکھا ہے اور جو شخص امام کے دائیں یا

۱۔ حالت ادا میں امام کی مخالفت کرنے والے کی نماز اس لیے نہ ہوگی کہ اس کو اپنے امام کے چوکنے کا اعتقاد ہے یعنی اپنے عند یہ میں امام کو خطا پر سمجھتا ہے پھر اس کا اقتدار کیسے ہوگا اور آگے بڑھنے کو معلوم کرنے والے کی نماز اس وجہ سے نہ ہوگی کہ اس نے مقام کے فرض کو ترک کیا یعنی اس کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا فرض تھا آگے بڑھنے سے یہ فرض چھوٹ گیا اور جس شخص کو حال مخالفت امام اور آگے بڑھنے کا معلوم نہ ہوا تو اس کی نماز درست ہے ۱۲

بائیں جانب ہو اس کی نماز جائز ہے بشرطیکہ وہ اس دیوار سے جس کی طرف کو امام کا منہ ہے بہ نسبت امام کے زیادہ قریب نہ ہو یہ زیادہ میں ہے اور یہی ہے مبسوط میں جو امام سرخسی کی تصنیف ہے اگر امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی اور جماعت کے لوگ کعبہ کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہوئے اور امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے تو جو شخص بہ نسبت امام کے کعبہ سے زیادہ قریب ہوگا اگر وہ جانب امام میں نہیں ہے تو اس کی نماز جائز ہوگی یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر امام کعبہ کے اندر کھڑا ہو اور مقتدی کعبہ کے باہر اس کے گرد حلقے میں کھڑے ہوئے تو اگر دروازہ کھلا ہوا ہے تو جائز ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر کوئی عورت امام کے مقابل ہو اور امام نے اس کی امامت کی نیت کر لی تو اگر اس نے بھی اس طرف منہ کر لیا جدھر امام کا منہ ہے تو امام کی نماز فاسد ہوگی اور اگر دوسری طرف کو منہ کیا تو فاسد نہ ہوگی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے جس شخص نے کعبہ کے اندر ایک رکعت ایک طرف کو اور دوسری رکعت دوسری طرف کو پڑھی تو جائز نہیں اس لئے کہ جو سمت قبلہ کی یقینی تھی اس سے بلا ضرورت پھر گیا یہ بدائع میں لکھا ہے۔

## جو نہی فصل

### نیت کے بیان میں

نیت نماز میں داخل ہونے کے ارادہ کو کہتے ہیں اور شرط اس کی یہ ہے کہ دل اٹھیں جانتا ہو کہ کونسی نماز پڑھتا ہے اور کم سے کم اتنا ہو کہ اگر اس سے پوچھیں کہ کونسی نماز پڑھتا ہے تو بغیر سوچے فوراً جواب دیدے اور اگر بغیر تامل کے جواب نہیں دے سکتا تو نماز جائز نہ ہوگی زبان سے کہنے کا کچھ اعتبار<sup>۱</sup> نہیں پس اگر زبان سے بھی اس لئے کہہ لیا کہ کہ دل کے ارادہ کے ساتھ جمع ہو جائے تو بہتر ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور جو شخص حضور قلب سے عاجز ہے اس کو زبان سے کہہ دینا کافی ہے یہ زہدی میں لکھا ہے اور فقط نماز کی نیت کر لینا نفل اور سنت اور تراویح کے لئے کافی ہے یہی صحیح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہی ظاہر جواب ہے اور اسی کو عامہ مشائخ نے اختیار کیا یہ تبیین میں لکھا ہے تراویح کی نیت میں احتیاط یہ ہے کہ تراویح یا سنت وقت یا قیام لیل کی نیت کرے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور سنتوں میں احتیاط یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ بمتابع رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتا ہوں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے واجب اور فرض نمازیں فقط نماز کی نیت سے بالاجماع<sup>۲</sup> جائز نہیں ہوتیں یہ غیاثیہ میں لکھا ہے دل میں یقین کرنا ضرور ہے پس یوں کہے کہ میں آج کے دن کی ظہر کی یا آج کے دن کی عصر کی یا اس وقت کے فرض کی یا اس وقت کے ظہر کی نیت کرتا ہوں یہ شرح مقدسہ ابواللیث میں لکھا ہے صرف فرض نماز کی نیت کرنا کافی نہیں اور اگر فرض وقت کی نیت کر لے تو جائز ہوگی مگر جمعہ<sup>۳</sup> میں جائز نہ ہوگی اور اگر جمعہ کے دن کے سوا ظہر میں یہ نیت کر لے تو کہا گیا ہے کہ جائز ہے اور یہی صحیح ہے اور فرض وقت کی نیت اس وقت جائز ہے جب وہ وقت میں نماز پڑھتا ہو لیکن اگر وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھی اور اس کو وقت کے نکل جانے کی خبر نہیں اور فرض وقت کی نیت کی تو جائز نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر آج کے دن ظہر کی نیت کی تو جائز ہے اگر چہ وقت نکل گیا ہو اور اس تدبیر سے اس شخص کے لئے جس کو خروج وقت میں

۱ یعنی نیت ہر ارادہ کا نام نہیں بلکہ یہاں ارادہ نماز کا مراد ہے خلوص کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے عبادت میں نہ شرک جلی مشرکوں کے مانند نہ شرف خفی ریاکاروں کے طور پر ۱۲ ۲ جب عمل دل معتبر ہو انہ عمل زبان تو اگر زبان نے خطا کی تو کچھ ضروری نہیں مثلاً دل میں ارادہ ہو ظہر کا اور زبان سے عصر نکلا تو نیت صحیح ہے اور عدد رکعات میں خطا قلبی بھی مضرت نہیں کرتی اس واسطے کہ تبیین خود شرط نہیں تو اس کی خطا بھی مضرت نہیں کذا فی ۱۱ اشباہ ۱۲ ۳ یعنی فرض نماز میں متعین کر لینا نیت کے وقت ضروری ہے تو اگر نماز کے فرض ہونے سے ناواقف ہو گا تو نماز اس کی جائز نہ ہوگی۔ مثلاً ایک شخص پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے لیکن ان کا فرض ہونا نہیں جانتا ہے تو اس کی نماز جائز نہیں اس پر قضا کرنا واجب ہے کیونکہ اس نے فرض معین کی نیت کی کذا فی الطحاوی ۱۲ ۴ جمعہ کی نماز میں فرض وقت کی نیت جائز نہیں اس لیے کہ جمعہ کی نماز عموماً ہے اس روز کے ظہر کا یعنی فرض وقت ظہر ہے نہ جمعہ ۱۲

شک ہو یہ تبیین میں لکھا ہے جنازہ کی نماز میں یہ نیت کرے نماز اللہ کے واسطے اور دعائیت کے واسطے ہے اور عید میں صلوة عید کی اور وتر میں صلوة وتر کی نیت کرے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور غیاثہ میں ہے کہ وتر میں یہ نیت نہ کرے کہ وہ واجب ہے اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اس طرح نذر کی نماز میں اور طواف کی دونوں رکعتوں میں تعیین شرط ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے عدد رکعات کی نیت شرط نہیں یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر پانچ رکعتوں کی نیت کی اور چوتھی رکعت میں بیٹھ گیا تو جائز ہے اور پانچوں رکعت کی نیت لغو ہو جائے گی یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور کعبہ کی طرف کو منہ کرنے کی شرط نہیں یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے قضا کی نماز میں بھی تعیین شرط ہے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اگر بہت سی نمازیں فوت ہو گئیں اور ان کی قضا پڑھنے میں مشغول ہو تو ضرور ہے کہ ظہر اور عصر وغیرہ کی تعیین کرے اور یہ بھی نیت کرے کہ فلا نے روز کی ظہر اور فلا نے روز کی عصر پڑھتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان اور ظہیر یہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر آسانی چاہے تو یہ نیت کرے کہ پہلی ظہر جو اس پر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان اور ظہیر یہ میں لکھا ہے اور یہی تبیین کے مسائل شتی میں لکھا ہے اگر نفل کی نماز شروع کر کے توڑ دی تو اس کے برعکس تھا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور وقت کی نماز میں ایسی صورت ہو تو جائز ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے دل میں ظہر کی نیت تھی اور اس کی زبان سے عصر نکل گیا تو جائز ہے یہ شرح مقدمہ ابواللیث میں لکھا ہے اور یہی لکھا ہے قدیہ میں۔ کسی شخص نے فرض نماز شروع کی پھر اس کو یہ گمان ہو گیا کہ نفل پڑھتا ہوں اور نفل کی نیت پر نماز تمام کر لی تو وہ نماز فرض ادا ہوئی اور اگر اسکے برعکس ہو تو جواب بھی برعکس ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر ظہر کی نماز شروع کی پھر نفل کی نماز کی یا عصر کی نماز کی یا جنازہ کی نماز کی نیت کر لی اور تکبیر کہی تو پہلی نماز سے نفل گیا اور دوسری نماز شروع ہو گئی اور اگر تکبیر نہ کہے صرف نیت کرے تو نماز سے نہیں نکلتا یہ تارخانہ میں عتابیہ سے نقل کیا ہے اگر ظہر کی ایک رکعت پڑھ لی پھر ظہر کی نماز کی نیت سے تکبیر کہی تو وہ نماز اس طرح رہ گی اور وہ رکعت جائز ہو جائے گی یہ اس وقت ہے کہ نیت صرف دل سے کرے لیکن اگر اس نے زبان سے بھی کہا کہ میں ظہر کی نماز کی نیت کرتا ہوں تو نماز ٹوٹ جائے گی اور وہ رکعت جائز نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر نفل نماز کی نیت سے تکبیر کہی پھر فرض نماز کی نیت سے تکبیر کہی تو فرض نماز شروع ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جو شخص اکیلا نماز پڑھتا ہے اس کو تین چیزوں کی نیت ضرور ہے اول یہ اللہ کے واسطے نماز پڑھتا ہے دوسرے تعیین اس بات کا کہ کوئی نماز ہے تیسرے قبلہ کی نیت کرنا تاکہ سب کے نزدیک جائز ہو جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور امام بھی وہی نیت کرے جو تنہا نماز پڑھنے والا نیت کرتا ہے اور امامت کی نیت کی کچھ ضرورت نہیں یہاں تک کہ اگر اس نے یہ نیت کی کہ فلاں شخص کی امامت نہیں کرتا اور اس شخص نے اگر اس کے پیچھے اقتدا کر لی تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے عورتوں کا امام بغیر نیت کے نہیں ہو سکتا یہ محیط میں لکھا ہے اگر مقتدی ہے تنہا نماز پڑھنے والے کی سی نیت کرے اور اس کے علاوہ نیت اقتدا کی بھی کرے اس واسطے کہ اقتدا بغیر نیت کے جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر یہ نیت کی کہ امام کی نماز شروع کرتا ہوں یا امام کی نماز میں اس کا اقتدا کرتا ہوں تو جائز ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں اگر اس نے امام کے اقتدا کی نیت کی اور کچھ نیت نہ کی یہی اصح ہے یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے اور اگر امام کی نماز یا امام کے فرض کی تو کافی نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ جب امام اللہ اکبر کہہ چکے اس وقت اقتدا کی نیت کرے تاکہ نماز میں امام کا اقتدا ہو اگر اس وقت اقتدا کی نیت کی کہ جب امام

۱ یعنی قضا میں فقط ظہر یا عصر کا کہنا کفایت نہیں کرنا بلکہ معتد قول یہ ہے کہ کہے فلا نے دن کی ظہر پڑھتا ہوں خواہ کثرت نوات سے ترتیب ساقط ہو گئی ہو یا نہ ہو گئی ہو اور غیر معتد قول یہ ہے کہ کثرت نوات سے نیت تعیین ساقط ہے کذا فی الطحاوی ۱۲

۲ آسانی کی وجہ اس نیت میں یہ ہے کہ شاید تاریخ اور دن یاد نہ ہوں ۱۲م

امامت کی جگہ کھڑا ہو تو عامہ علماء کے نزدیک جائز ہے اور شیخ امام زاہد اسماعیل اور حاکم عبدالرحمن کا تب اسی پر فتویٰ دیتے تھے اور یہی اجود ہے یہ محیط میں لکھا ہے

اگر اس نے امام کی نماز میں شروع کرنے کی نیت کی اور امام نے ابھی تک نماز نہیں شروع کی اور وہ اس بات کو جانتا ہے تو جب امام نماز شروع کرے گا تب اس کی وہی نماز شروع ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر امام کی نماز شروع کرنے کی نیت کی اور اس کو یہ گمان ہے کہ امام نماز شروع کر چکا حالانکہ امام نے ابھی نماز شروع نہیں کی تھی تو جائز نہ ہوگا اور اسی کو اختیار کیا ہے قاضی خان نے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور اگر امام کا اقتدا کیا اور امام کی نماز کی نیت کر لی اور یہ نہیں جانتا کہ امام کس نماز میں ہے ظہر میں یا جمعہ میں تو کوئی سی نماز ہو جائے گی اور اگر صرف امام کی اقتدا کی نیت کی اور امام کی نماز کی نیت نہ کی اور اس نے ظہر کی نیت کی اور امام جمعہ پڑھتا تھا تو نماز جائز نہ ہوگی اور اگر مقتدی اپنے واسطے آسانی چاہے تو یہ نیت کرے کہ امام کے پیچھے امام کی نماز پڑھتا ہوں یا یہ نیت کرے کہ امام کے ساتھ وہی نماز پڑھتا ہوں جو امام پڑھتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر جمعہ کی نماز میں امام کے اقتدا کی نیت کی اور ظہر اور جمعہ دونوں کی ساتھ نیت کر لی تو بعضوں نے اس کو جائز رکھ کر نیت جمعہ کو بسبب اقتدا کے ترجیح دی ہے اور اگر امام کے اقتدا کی نیت کی اور یہ اس کو خیال نہیں کہ وہ زید ہے یا عمرو ہے اس کو یہ گمان ہے کہ وہ زید ہے اور وہ عمرو تھا تو اقتدا صحیح ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر مقتدی کو امام نظر آتا تھا اور اس نے کہا کہ میں اس امام کا اقتدا کرتا ہوں اور وہ عبداللہ ہے یا امام نظر نہ آتا تھا اور اس نے کہا کہ میں اس امام کی اقتدا کی نیت کرتا ہوں جو محراب میں کھڑا ہے اور وہ عبداللہ ہے اور امام جعفر تھا تو نماز جائز ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اگر یہ نیت کی کہ میں زید کا اقتدا کرتا ہوں اور امام عمرو تھا تو جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور جب جماعت بڑی ہو تو مقتدی کو چاہیے کہ کسی کو امام معین نہ کرے اور اس طرح جنازہ کی نماز میں میت کو معین نہ کرے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے نمازی چھ طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ فرضوں اور سنتوں کو جانتا ہوں اور فرض کے معنی وہ جانتا ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ کرنے میں عذاب کے لائق ہوگا اور سنت کے معنی یہ جانتا ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب کا مستحق ہوگا اور چھوڑنے میں عذاب نہ کیا جائے گا اس نے صرف فجر یا ظہر کی نیت کی تو کافی ہے اور ظہر کی نیت بجائے فرض کی نیت کے ہو جائے گی دوسرے وہ شخص کہ یہ سب جانتا ہے اور نماز فرض کی ارادہ فرض کا کر کے نیت باندھی لیکن اتنی بات نہیں جانتا کہ اس وقت میں کتنے فرض اور سنت ہیں تو اس کی نیت جائز ہے تیسرے وہ شخص کہ فرض کی نیت کرے اور فرض کے معنی نہیں جانتا اس کی نیت جائز نہیں چوتھے وہ شخص کہ یہ جانتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں اس میں کچھ فرض اور کچھ سنتیں ہیں اور اس طرح اور لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی نماز پڑھتا ہے اور فرض و نفل میں تمیز نہیں کرتا تو جائز نہیں پانچویں وہ شخص جس کا یہ اعتماد ہے کہ سب نمازیں فرض ہیں اس کی نماز جائز ہے چھٹے وہ شخص کہ جس یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نماز فرض کی ہے لیکن وہ نماز کے وقتوں میں نماز پڑھتا ہے تو نماز ادا نہ ہوگی یہ قدیہ میں لکھا ہے جو شخص فرض و نفل میں فرق نہیں جانتا اور ہر نماز میں فرض کی نیت کر لیتا ہے تو اس کے پیچھے ان نمازوں میں اقتدا جائز ہے جن سے پہلے سنتیں نہیں جیسے عصر اور مغرب اور عشا اور ان نمازوں میں جائز نہیں جن سے پہلے سنتیں ہیں جیسے فجر اور ظہر یہ فتاویٰ قاضی خان اور شرح منیۃ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے۔

- ۱۔ اس لیے کہ اس نے امام موجود کے اقتدا کی نیت کی تھی تو اب اگر اس کا نام کچھ اور سمجھ لیا تو کیا نقصان ہے کیونکہ اعتبار نیت کا ہے نہ سمجھ کا کذا فی الحلیہ ۱۲
- ۲۔ یعنی اس صورت میں اقتدا درست نہیں کہ امام کو اس کے نام سے معین کیا پھر کوئی غیر نکلا یعنی اقتدا میں امام موجود کی نیت نہ کی بلکہ اقتدا زید کی نیت کی تو اب اگر وہ عمرو ہوگا تو اقتدا درست نہ ہوگا کیونکہ نیت کا اعتبار ہے اور اس نے امام حاضر کے غیر کی اقتدا کی نیت کی اس لیے صحیح نہ ہوئی ۱۲

ہمارے فقہاء کا اجماع ہے کہ افضل یہ ہے کہ نیت نماز شروع کرنے کے ساتھ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور نیت جو تکبیر سے پہلے ہو اگر اس کے بعد کوئی ایسا عمل نہ پایا جائے جو اس کو قطع کر دے اور وہ عمل وہ ہے جو نماز کے لائق نہیں تو ایسی نیت بھی مثل اسی نیت کے ہے جو تکبیر کے ساتھ ہوتی ہے یہ کافی میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر نیت کی پھر وضو کیا اور مسجد کی طرف چلا پھر تکبیر کہی اور اس وقت دل میں نیت حاضر نہیں تھی تو جائز ہے کہ جو نیت تکبیر کے بعد ہو اس کا کچھ اعتبار نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے ریا فرضوں میں داخل نہیں ہوتی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر نماز خالص اللہ کے واسطے شروع کی پھر اس کے دل میں ریا کا دخل ہو تو اس کی نماز اس طرح ہوگی جس طرح شروع کی تھی اور یا اس کو کہتے ہیں کہ اکیلا ہو تو نماز نہ پڑھے اور لوگوں کے سامنے ہو تو دکھانے کے لئے نماز پڑھتا ہے لیکن جو شخص لوگوں کے سامنے اچھی طرح نماز پڑھتا ہے اور اکیلے میں اچھی طرح نہیں پڑھتا اس اصل نماز کا ثواب مل جاتا ہے اچھی طرح پڑھنے کا نہیں ملتا یہ مضمورات کے باب نوافل میں عتابیہ سے نقل کیا ہے کوئی شخص مسجد میں ظہر کی نماز پڑھنے گیا اور امام کو قعدہ میں پایا اور یہ نہیں معلوم کہ پہلا قعدہ ہے یا اخیر قعدہ ہے اور اس نے یوں نیت کی کہ اگر پہلا قعدہ ہے تو میں اقتدا کرتا ہوں اور جو اخیر ہے تو اقتدا نہیں کرتا تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی اگر اس نے یہ نیت کی کہ اگر پہلا قعدہ ہے میں نے فرض میں اقتدا کی اور اخیر قعدہ ہے تو نفل میں تو فرض میں اقتدا صحیح نہ ہوگی یہ تجنیس میں لکھا ہے اگر امام کو نماز میں پایا اور یہ نہیں جانتا کہ فرض پڑھتا ہے یا تراویح اور اس نے یوں کہا کہ اگر عشا ہے تو میں اقتدا کرتا ہوں اور تراویح ہے تو نہیں کرتا تو وہ اقتدا صحیح نہ ہوگی خواہ عشا پڑھتا ہو یا تراویح اگر یوں کہا کہ عشا ہے تو اقتدا کرتا ہوں اور تراویح ہے تو اقتدا کرتا ہوں پھر ظاہر ہوا کہ تراویح تھی یا عشا تو اقتدا صحیح ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## جو نہا باب

### نماز کی صفت کے بیان میں

اس باب میں پانچ تفصیلیں ہیں

## پہلی فصل

### نماز کے فرضوں کے بیان میں

وہ یہ ہے منجملہ ان کے تحریمہ<sup>۱</sup> ہے اور وہ شرط ہے ہمارے نزدیک اگر کسی شخص نے فرض نماز کے واسطے تحریمہ باندھا تو اس کو اختیار ہے کہ اس سے نفل بھی ادا کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے لیکن مکروہ ہے اس لئے کہ فرض سے نکلنے کا جو طریقہ مشروع تھا وہ اس نے چھوڑ دیا۔ ایک فرض کے تحریمہ پر دوسرے فرض کو بنا کر نابالاجماع جائز نہیں اس طرح نفل کے تحریمہ پر فرض کو بنا کر ناجائز نہیں یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اگر تکبیر تحریمہ کے وقت اس پر نجاست تھی اور اس سے فارغ ہوتے ہی اس نے اس کو پھینک دیا یا ستر کھلا ہوا تھا اور تکبیر سے فارغ ہوتے ہی تھوڑے عمل سے ڈھک لیا یا زوال کے ظاہر ہونے سے پہلے تکبیر کہی اور تکبیر سے فارغ ہوتے ہی زوال ظاہر ہو گیا یا تکبیر کہتے وقت قبلہ سے پھرا ہوا تھا اور تکبیر سے فارغ ہوتے ہی قبلہ کو متوجہ ہو گیا تو نماز جائز ہوگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے

۱ یہاں مفت سے مراد نماز کے ذاتی اوصاف ہیں جن میں فرض واجب سنت سب شامل ہیں ۱۲

۲ تکبیر تحریمہ عامہ مشائخ کے نزدیک شرط ہے نہ رکن مگر نماز جنازہ میں رکن ہے اور نماز میں اس کے معنی مراد اپنے اوپر مباح چیزوں کو حرام کر لینا فرض ہے

بقول تعالیٰ و ربکم فکبر اور خاص اپنے رب کی تکبیر یعنی بزرگی بیان کر اور مراد تکبیر سے نماز شروع کرنے کی تکبیر ۱۲



اگر نماز کو سبحان اللہ لا الہ الا اللہ سے شروع کیا تو صحیح ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ تکبیر سے شروع کرے یہ تمبیین میں لکھا ہے نماز بغیر تکبیر کے شروع کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ مکروہ ہے اور یہی اصح ہے یہ ذخیرہ اور محیط اور ظہیر یہ میں لکھا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے جو نام صرف تعظیم کے واسطے ہیں ان سے نماز شروع کرنا جائز ہے جیسے اللہ اور الہ اور سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ یہ تمبیین میں لکھا ہے اور اس طرح الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ وغیرہ اور تبارک اللہ یہ محیط میں لکھا ہے اور اس طرح اگر اللہ جل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر کہا تو امام محمد اور امام یوسف کے نزدیک جائز ہے لیکن اگر اول جل اور اعظم اور اکبر کہا اور اللہ کا نام ان صفات کے ساتھ نہ ملایا تو بالا جماع نماز شروع نہ ہوگی یہ جوہرۃ النیرہ اور سراج الوہاج میں لکھا ہے اور اگر اللہ کہا تو فقہاء کے نزدیک نماز شروع ہو جائے گی یہ خلاصہ اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ دونوں محیطوں میں لکھا ہے اور اگر نام کا ذکر کیا صفت کا ذکر نہ کیا مثلاً اللہ یا الرحمن یا رب کہا اور اس پر اور کچھ نہ پڑھایا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز شروع نہیں ہو جائے گی یہ تمبیین میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے پھر روایتوں میں اور فقہاء کا اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک انہیں ناموں کے ساتھ نماز شروع ہوتی ہے جو اللہ سے مختص ہیں یا مختص اور مشترک دونوں سے شروع ہوتی ہے جیسے رحیم اور کریم اور انظر اور اصح یہ ہے کہ اللہ کے ہر اسم سے شروع ہو جاتی ہے یہ کرنی نے ذکر کیا ہے اور مرغینانی کا یہی فتویٰ ہے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اور اگر اللہ اغفر لی سے نماز شروع کی تو صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں خالص تعظیم نہیں بلکہ بندہ کی حاجت بھی ملی ہوئی ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر استغفر اللہ یا اعموذ باللہ یا ان اللہ یا لا حول ولا قوۃ الا باللہ یا ما شاء اللہ کان کہا تو نماز شروع نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر تعجب میں اللہ اکبر کہا اور اس سے تعظیم کا ارادہ نہ کیا یا مؤذن کے جواب کا ارادہ کیا تو جائز نہیں اگرچہ نماز کی نیت کی ہو یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا تو نماز شروع نہ ہوگی یہ تمبیین میں لکھا ہے اور اگر اللہ اکبر الف استفہام کے ساتھ کہا تو بالاتفاق نماز شروع نہ ہوگی یہ تاتارخانیہ میں صیرفیہ سے نقل کیا ہے اگر اللہ اکبر کاف فارسی سے کہا تو نماز شروع ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اور نماز اس وقت شروع ہوگی کہ جب تکبیر کھڑے ہو کر کہے یا ایسی حالت میں کہے کہ بہ نسبت رکوع کے قیام سے قریب ہو یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اگر بیٹھ کر تکبیر کہی اور پھر کھڑا ہوا تو نماز شروع نہ ہوگی نفل کی نماز قیام کی قدرت پر بھی بیٹھ کر شروع کرنا جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے تحریمہ کے ساتھ تحریمہ باندھے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک امام کے تحریمہ کے بعد تحریمہ باندھے اور فتویٰ انہیں دونوں کے قول کے اوپر ہے یہ معدن میں لکھا ہے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جائز ہو جانے میں خلاف نہیں اور یہی صحیح ہے بلکہ خلاف اس بات میں ہے کہ اولیٰ کوئی صورت ہے یہ تمبیین میں لکھا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام تحریمہ کے ساتھ مقتدی کا تحریمہ اس طرح ہونا چاہئے جیسے انگلی کی حرکت کے ساتھ انگوٹھے کی حرکت ہوتی ہے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک جو امام کے تحریمہ کے بعد مقتدی کا تحریمہ ہے اس میں ایسی بعدین مراد ہے کہ امام کے اللہ اکبر کے رے سے اپنے اللہ کے ہمزہ کو ملا دے یہ مصنفی کے باب الحسیفہ میں لکھا ہے۔ اگر مقتدی نے اللہ اکبر کہا اور اللہ کا لفظ تو امام کے اللہ کہنے کے ساتھ میں واقع ہوا اور اکبر کا لفظ امام کے اکبر کہنے سے پہلے کہہ چکا تھا تو فقیہ ابو جعفر نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک نماز شروع نہ ہوگی اور اس طرح اگر امام کو رکوع میں پایا اور اللہ کا لفظ اس نے قیام میں کہا اور اکبر کا لفظ رکوع میں جا کر کہا تو نماز شروع نہ ہوگی اور فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر مقتدی اللہ کے لفظ سے امام سے پہلے فارغ ہو گیا تو انظر روایات کے بموجب اس کی نماز شروع نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے

۱۔ لیکن اللہم اغفر لی۔ یا بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ ہو جس سے خالص ذکر مراد نہیں ہے ۱۲۔ لیکن در المختار میں لکھا کہ نماز شروع نہ ہوگی یہی مختار ہے ۱۲

۳۔ یعنی بعد الف ۱۲۔ عمد اللہ کے اول کرنا کفر ہے ورنہ مفسد جیسے اصح قول ہیں بار اکبر کو مذکر کے اک بار کرنا ۱۲

اگر امام سے پہلے تکبیر کہہ لی تو صحیح یہ ہے کہ امام کی اقتدا کی نیت کی ہے تو نماز شروع نہ ہوگی اور اگر اقتدا کی نیت نہیں کی تو اس کی جدا نماز شروع ہو جائے گی یہ محیط سرحی میں لکھا ہے تکبیر اولے کی فضیلت ملنے کے وقت میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ جس کو پہلی رکعت ملی اس کو تکبیر شروع کی فضیلت ملے گی یہ حصر کے باب ابی یوسف میں لکھا ہے اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور اس نے کھڑے ہو کر تکبیر کہی مگر رکوع کی تکبیر کا ارادہ کیا تو نماز اس کی جائز ہوگی اور نیت لغو ہو جائے گی اگر فارسی میں تکبیر کہی تو نماز جائز ہو جائے گی یہ متون میں لکھا ہے خواہ عربی میں کہہ سکتا ہو یا نہ کہہ سکتا ہو لیکن اگر عربی میں اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو مکروہ ہے اور امام محمد اور امام یوسف کے قول کے موافق اگر عربی اچھی طرح کہہ سکتا ہے تو جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے نماز کے سارے ذکر و عمل میں جیسے تشهد اور قنوت اور دعا اور رکوع اور سجود کی تسبیح میں بھی خلاف جاری ہے اور جو حکم فارسی کا ہے وہی ان سب زبانوں کا ہے جو عربی نہیں جیسے ترکی اور زنجی اور حبشی اور بھٹی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور مبسوط میں ہے کہ گونگا اور ایسا بے پڑھا کہ اچھی طرح کچھ پڑھ نہیں سکتا اس کی نماز صرف نیت سے شروع ہو جاتی ہے زبان کا ہلانا واجب نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے قیام<sup>(۱)</sup> ہے اور وہ فرضوں کی نماز اور وتر میں فرض ہے یہ جو ہرۃ النیرہ اور سراج الوہاج میں لکھا ہے اور تھوڑے سے ٹھہرنے سے جس کو قیام کہہ سکتے ہیں ادا ہو جاتا ہے یہ کافی کی فصل قرأت کے آخر میں لکھا ہے۔

صورت قیام کی یہ ہے کہ اگر اپنے ہاتھ لے کرے تو گھٹنوں تک نہ پہنچیں بغیر عذر ایک پاؤں پر کھڑا ہونا مکروہ ہے اور نماز جائز ہو جاتی ہے اور اگر عذر تسلیم ہو تو مکروہ نہیں یہ جو ہرۃ النیرہ اور سراج الوہاج میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے قرأت ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک آیت کے پڑھنے سے اگر چہ چھوٹی ہو قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ یہی اصح ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے لیکن جو شخص صرف اسی قدر پر اکتفا کرے وہ گنہگار ہوگا یہ وقایہ میں لکھا ہے پھر ان کے نزدیک اگر وہ چھوٹی آیت پڑھی جس میں بہت سے کلمے یا دو کلمے ہوں جیسے شتم قتل کیف قدر اور شتم نظر تو نماز جائز ہے اس میں مشائخ کا اختلاف نہیں اور اگر ایسی آیت پڑھی جس میں ایک کلمہ ہے جیسے مد ہامتان یا ایسی آیت پڑھی جو ایک ہی حرف جیسے ص۔ ن۔ ق تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے یہ مصنفی میں لکھا ہے اور اصح یہ ہے کہ نماز جائز نہ ہوگی یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے اور یہی ظہیر یہ اور سراج الوہاج اور فتح القدر میں لکھا ہے۔ اگر بڑی آیت دو رکعتوں میں پڑھی جیسے آیت الکرسی یا آیت المدینہ تھوڑی سی ایک رکعت میں پڑھی تھوڑی سی دوسری رکعت میں تو عامہ فقہاء کا یہ قول ہے کہ جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ کافی اور منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔ قرأت میں صحیح حروف کی ضرور ہے اگر حرف زبان سے صحیح کہے اور خود ان کو نہ سنا تو جائز نہیں یہی اختیار کیا ہے عامہ مشائخ نے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی اختیار ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ نقایہ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے ذبح میں بسم اللہ پڑھنے کا اور قسم میں استثناء کا اور طلاق اور عتاق اور ایلاء اور بیع کا۔ محل قرأت فرض دو رکعتیں ہیں یہ محیط میں لکھا ہے خواہ دو رکعتوں کا فرض ہو یا تین کا یا چار کا خواہ پہلی دو رکعتیں ہوں خواہ آخر کی دو رکعتیں خواہ پہلے دو گانہ میں کی ایک رکعت ہو اور آخر کے دو گانہ میں کی ایک رکعت ہو یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابولکارم کی تصنیف ہے۔ اگر ایک رکعت میں بھی قرأت نہ کی یا صرف ایک رکعت میں قرأت کی تو نماز فاسد ہوگی یہ شمس شرح نقایہ میں لکھا ہے وتر اور نفل کی سب رکعتوں میں قرأت فرض ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر نیند کی حالت میں قرأت کی

۱۔ زنجی یعنی زنگی اور یہ قریب حبشی کے ہے اور نطسی یعنی شام کی دہقانی زبان نبط دراصل کسان و گنوار کو کہتے ہیں اور شامیوں کے ساتھ زیادہ مشہور ہو گیا ۱۲

۲۔ اور جو ملحق بفرض ہو جیسے نماز نذر میں اور فجر کی سنتوں میں بالاتفاق کما فی الخصاصہ ۱۲

۳۔ اگر جماعت کے واسطے جانے کی وجہ سے وہ قیام سے عاجز ہو جائے یعنی تھک کر جماعت میں کھڑا نہیں ہو سکتا تو گھر میں کھڑے ہو کر پڑھے اسی پر فتویٰ دیا

جائے ۱۲۔ بقولہ تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر من القرآن بدلیل اس کلام کے یعنی پڑھو جس قدر کہ آسان ہو قرآن سے ۱۲ (۱) یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ۱۲

تو اسح یہ ہے کہ جائز نہ ہوگی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے فارسی میں قرأت امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بغیر عذر کے جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے یہ شرح نقایہ ابوالکارم میں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک فارسی یا کسی اور زبان میں قرأت جائز ہے اور یہی اسح ہے اور روایت میں ہے کہ انہوں نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اسرار میں ہے کہ کہ یہی اختیار کیا گیا ہے اور تحقیق میں ہے کہ عامہ مشائخین کا یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابوالکارم کی تصنیف ہے اور یہی اسح ہے یہ مجمع البحرین میں لکھا ہے اور مجملہ ان کے رکوع ہے اور مقدار واجب رکوع میں اس قدر ہے کہ اس کو رکوع کہہ سکیں بعد اس کے کہ اس کی حد کو پہنچ جائے اور حد رکوع کی یہ ہے کہ اگر اپنے ہاتھ بڑھادے تو گھٹنوں تک پہنچے ہوں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر رکوع نہ کیا اور قیام سے سجدہ میں چلا گیا اور سنت کے خلاف اونٹ کی طرح گر پڑا تو ایسا جھکنا بجائے رکوع کے کافی ہے۔ اگر کسی کپڑے کی پیٹھ رکوع کی حد تک جھکی ہوئی ہو تو رکوع کے لئے اپنے سر سے اشارہ کر لے یہ خلاصہ اور تجنیس میں لکھا ہے وقت رکوع کا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد ہے یہی اسح ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور مجملہ ان کے سجدہ ہے دوسرا سجدہ بھی مثل پہلے سجدہ کے باجماع امت فرض ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور سنت کا پورا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی اور ناک دونوں سجدہ میں لگا دے اور اگر صرف ایک لگا دے تو اگر عذر ہے تو مکروہ نہیں اور بغیر عذر ہے تو اگر پیشانی لگائی اور ناک نہ لگائی تو بالا جماع جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر ناک لگائی اور پیشانی نہ لگائی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے اور اگر صرف رخسار یا ٹھوڑی لگائی تو جائز نہیں نہ حالت عذر میں نہ بغیر عذر اور اگر پیشانی اور ناک میں عذر ہے تو اشارہ کر لے سجدہ نہ کرے یہ خزانہ المفتین میں لکھا ہے۔

صرف ناک پر اکتفا اس وقت جائز ہے جب اس قدر ناک لگا دے جہاں تک وہ سخت ہے اور اگر صرف وہ جگہ لگائی جو نرم ہے اور وہ ناک کا سرا ہے تو جائز نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور اگر گھاس پر یا بھس یا روٹی پر یا بچھونے پر یا برف پر سجدہ کیا تو اگر پیشانی اور ناک اس کی ٹھہری اور سختی اس کی معلوم ہوئی تو جائز ہے اور نہ ٹھہری تو جائز نہیں اور اگر گاڑی پر سجدہ کیا تو اگر وہ تیل کے اوپر ہے تو جائز نہیں اور زمین پر ہے تو جائز ہے جیسے تخت پر جائز ہے اور اگر عرزال پُر جسے فارسی میں کا زہ کہتے ہیں سجدہ کیا تو جائز ہے جیسے تخت پر جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر گہیوں یا جو پر سجدہ کیا تو جائز ہے اور اگر گمئی یا جوار یا چینا یا چاولوں پر سجدہ کیا تو جائز نہیں اور اگر یہ اناج یا دھنکی ہوئی روئی تھیلوں میں ہو تو جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر کسی آدمی کی پیٹھ پر سجدہ کیا تو اگر وہ بھی نماز میں ہے تو جائز ہے اور اگر وہ نماز میں نہیں یا نماز میں ہے اور اس کے ساتھ جماعت میں نہیں تو جائز نہیں اگر اپنی ران پر بلا عذر سجدہ کیا تو مختار یہ ہے کہ جائز نہیں اور اگر عذر سے کیا تو مختار یہ ہے کہ جائز ہے اور اگر اپنے دونوں گھٹنوں پر سجدہ کیا تو عذر میں اور بغیر عذر دونوں صورتوں میں جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر زمین پر ہتھیلی رکھ کر اس پر سجدہ کیا تو بموجب اسح قول کے جائز ہے یہ تمبین میں لکھا ہے اگر مردہ کی پیٹھ پر سجدہ کیا اور اس پر نمد و پڑا ہوا ہے تو اگر مردہ کی سختی محسوس ہوتی ہے تو جائز نہیں اور نہیں معلوم ہوتی تو جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے ایک یا دو کھڑی اینٹوں کے برابر بلند ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ بلند ہو تو جائز نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے اینٹ کی حد چوتھائی ذراع ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے حجتہ میں ہے کہ اگر سجدہ کی جگہ پر بہت سے کانٹے یا

۱۔ اور بیٹھے رکوع میں سرخاڑی زانو ہو جائے ۱۲ ابوالسعود

۲۔ عرزال اس چان کو کہتے ہیں جو کاشتکار کھیت وغیرہ کی نگہبانی کے واسطے جنگل میں کھیتوں پر لکڑیاں گاڑ کر بنا لیتے ہیں اس کو ہندی میں ٹانڈ بولتے ہیں اور

شکار پکڑنے کی اولیٰ کو بھی کہتے ہیں ۱۲ ۳ یعنی کہنی تک کا چہارم ۱۲

شیشے کے ٹکڑے ہوں اور وہاں سے سر اٹھا کر دوسری جگہ رکھ لے تو جائز ہے اور یہ دوسرا سجدہ نہ ہوگا بلکہ کل ایک ہی سجدہ ہوگا یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اگر ہاتھوں اور گھٹنوں کو نہ رکھے تو بالا جماع نماز جائز ہوگی یہ شرح الوہابج میں لکھا ہے اگر سجدہ کیا اور دونوں پاؤں زمین پر نہ رکھے تو جائز نہیں اور اگر ایک پاؤں رکھا تو بغیر عذر ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے پاؤں کا رکھنا انگلیوں کے رکھنے سے ہوتا ہے اگر چہ ایک ہی انگلی ہو اگر پاؤں کی پیٹھ رکھی اور انگلیاں نہ رکھیں بہ سبب تنگی جگہ کے تو اگر ایک پاؤں رکھا لیا ہے تو نماز جائز ہے جیسے کھڑا ہونے والا ایک پاؤں پر نماز پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر سوتے میں سجدہ کیا تو سجدہ کا اعادہ کرے اور رکوع یا سجدہ کے اندر سو گیا تو کسی کا اعادہ نہ کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر کسی بچہ کی گود میں پیشانی رکھی تو اگر بہت سی پیشانی زمین پر ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں یہ تجنیس میں لکھا ہے اور یہی محیط میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے قعدہ اخیر ہے بقدر تشہد یہ تبیین میں لکھا ہے۔ تشہد التحیات للہ سے عہدہ و رسولہ تک ہے یہی صحیح ہے یہاں تک کہ اگر مقتدی امام کے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو گیا اور کلام کیا تو نماز اس کی پوری ہوگئی یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ قعدہ اخیر فرض اور نفل دونوں نمازوں میں فرض ہے اگر دو رکعتیں پڑھیں اور ان کے آخر میں نہ بیٹھا اور اٹھ کھڑا ہو اور چلا تو نماز فاسد ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اپنے اختیار سے نماز سے باہر نکلنا فرض نہیں ہے یہی صحیح ہے یہ تبیین اور عینی شرح کنز اور اکثر کتابوں میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### نماز کے واجبوں میں

قرأت کے ادا کرنے کے لئے پہلی دو رکعتوں کا معین کرنا فرض نماز میں خواہ تین رکعت کی نماز ہو خواہ چار کی واجب ہے یہاں تک کہ اگر چار رکعت والی نماز کے اخیر میں دو رکعتوں میں قرأت پڑھی اول کی دو رکعتوں میں نہ پڑھی یا پہلے دو گانہ میں سے ایک رکعت میں اور دوسرے دو گانہ میں سے ایک رکعت میں بھول کر قرأت پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور الحمد لکھا پڑھنا اور سورۃ یا اس کے قائم مقام چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت پہلی دو رکعتوں میں الحمد کے بعد پڑھنا واجب ہے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اور نفل اور وتر کی سب رکعتوں میں واجب ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور الحمد کو سورۃ سے اول پڑھنا واجب ہے نہ نہر الفائق میں لکھا ہے اگر پہلی یا دوسری رکعت میں الحمد بھول گیا اور سورۃ پڑھ لی پھر اس کو یاد آ گیا تو پھر الحمد پڑھے اور سورۃ پڑھے یہی ظاہر روایت یہ محیط میں لکھا ہے جس شخص نے عشا کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ پڑھی اور الحمد نہ پڑھی تو اخیر کی دو رکعتوں میں اس کا اعادہ نہ کرے اگر الحمد پڑھی اور اس پر زیادتی نہ کی تو اخیر کی دو رکعتوں میں الحمد اور سورۃ پڑھے اور دونوں کا جہر کرے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر پہلے دو گانہ میں کچھ نہ پڑھا تو دوسرے دو گانہ میں الحمد اور سورۃ پڑھ لے اور دونوں کا جہر کرے اور سجدہ سہو کر لے یہ فتاویٰ قاضی خان کی فصل سجدہ سہو میں لکھا ہے اور واجب ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں الحمد ایک ہی ایک بار پڑھے اس سے زیادہ نہ پڑھے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔ جو فعل کی ہر رکعت میں مکرر ہوتا ہے جیسے سجدہ یا تمام نماز میں مکرر ہوتا ہے جیسے کہ عدد رکعت کے اس میں ترتیب واجب ہے فرض نہیں یہاں تک کہ اگر پہلی رکعت میں سے ایک سجدہ بھول گیا اور اس کو آخر رکعت میں قضا کیا تو جائز ہے مسبق

۱۔ جب اس نے سجدہ پورا نہ کیا ہو تین تسبیح تک ورنہ دوسرا سجدہ ہونا چاہیے ۱۲ عین الہدایہ

۲۔ پس اگر قرآن کہیں سے رکوع یا زیادہ پڑھا مگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہے۔ م۔ اگر فاتحہ میں سے ایک آیت چھوڑی تو بھی سجدہ سہو واجب

ہے۔ لہجہ اور کہا گیا کہ صاحبین کے نزدیک نصف سے زائد واجب ہے نوافل ترک کرنے سے سجدہ نہیں ہے لیکن اول اولیٰ ہے ۱۲

جو امام کے فارغ ہونے کے بعد نماز پڑھتا ہے وہ ہمارے نزدیک اس کی پہلی رکعت ہے اگر ترتیب فرض ہوتی تو اخیر نماز ہوتی لیکن جو افعال ہر رکعت میں مکرر نہیں جیسے کہ قیام اور رکوع یا تمام نماز میں مکرر نہیں جیسے کہ قعدہ اخیرہ ان میں ترتیب فرض ہے یہاں تک کہ اگر قیام سے پہلے رکوع کر لیا یا رکوع سے پہلے سجدہ کر لیا تو جائز نہیں اور اس طرح اگر قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھا پھر اس کو یاد آیا کہ ایک سجدہ یا اور کوئی رکن مثل اس کے رہ گیا تو قعدہ باطل ہے یہ محیط میں لکھا ہے فقہا کا اجماع ہے کہ رکوع کے قومہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اعتدال واجب نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اس طرح طمانیت جلسہ میں واجب نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور اعتدال رکوع میں اور سجدہ میں اور ہر فعل میں جو بنفسہ اصل میں کرنی نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے قول کے بموجب واجب ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اور یہی صحیح ہے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے۔ تعدی ارکان اعضا کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ سب جوڑان کے کم سے کم بقدر ایک تسبیح کے ٹھہر جائیں یہ یعنی شرح کنز اور نہر الفائق میں لکھا ہے پہلا قعدہ بقدر تشہد کے جس وقت چار رکعت والی یا تین رکعت والی نماز میں دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے واجب ہے یہی صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے دونوں قعدہ میں تشہد واجب ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور تشہد یوں پڑھے التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی رحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد عبده ورسوله یہ زاہدی میں لکھا ہے یہ تشہد عبد اللہ بن مسعود کا ہے اور اسی کو اختیار کرنا تشہد ابن عباس سے اولیٰ ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور ضرور ہے کہ تشہد کے لفظوں کے معنی کا اپنی طرف سے ارادہ کرے گویا کہ وہ اللہ پر توحید بھیجتا ہے اور نبی پر اور اپنے نفس پر اور اولیاء اللہ پر سلام بھیجتا ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے سلام کا لفظ واجب ہے یہ کنز میں لکھا ہے وتر میں قنوت پڑھنا اور عیدین کی تکبیریں واجب ہیں یہی صحیح ہے ان کے چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور جہر کے مقام پر جہر اور اخفا کے مقام پر اخفا واجب ہوتا ہے فجر اور مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں اگر امام ہے تو جہر کرے اور اخیر کی دو رکعتوں میں اخفا کرے یہ زاہدی میں لکھا ہے ظہر اور عصر میں امام اخفا کرے اگر چہ عرفہ میں جمعہ ہو اور عیدین میں جہر کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اس طرح تراویح اور وتر میں اگر امام ہو تو جہر کرے اگر علیحدہ نماز پڑھتا ہے تو اگر نماز آہستہ پڑھنے کی ہے تو واجب ہے کہ آہستہ پڑھے اور یہی صحیح ہے اور اگر نماز جہر کی ہے تو اس کو اختیار ہے اور جہر افضل ہے لیکن امام کی طرح بہت جہر نہ کرے اس لئے کہ یہ دوسرے کو نہیں سنا تا یہ یقین میں لکھا ہے امام چلانے میں بہت کوشش نہ کرے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر امام حاجت سے زیادہ جہر کرے گا تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ امام لوگوں کے سنانے کے لئے جہر کرتا ہے تاکہ وہ اس کی قرأت میں فکر کریں اور ان کو حضور قلب ہو یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے جو ذکر کے لئے واجب ہوا ہے اس میں جہر کرے جیسے نماز کے شروع کی تکبیر اور جو فرض نہیں ہے بلکہ علامت کے واسطے مقرر ہے اس میں بھی جہر کرے جیسے تکبیرات انتقال جھکتے اور اٹھتے وقت یہ حکم امام کے واسطے ہے اور اکیلا نماز پڑھنے والا اور مقتدی ان میں جہر نہ کریں اور اگر ذکر بعض نماز سے مختص ہے جیسے عیدین کی تکبیریں اس میں بھی جہر کرے عراقیوں کے مذہب کے بموجب قنوت میں بھی جہر کرے اور صاحب ہدایہ نے قنوت میں اخفا اختیار کیا ہے اور اس کے سوا جو کچھ پڑھا جاتا ہے جیسے تشہد اور آمین اور تمسین ان میں جہر نہ کرے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

اگر رات کی نمازوں میں سے کوئی نماز بھول کر چھوڑ دی اور اس کو دن میں جماعت سے قضا کیا اور امام نے جہر نہ کیا تو اس پر

۱۔ تعریفیں واسطے اللہ کے اور دعائیں اور پاک کلمے سلام اوپر تیرے اے نبی اور رحمت اللہ کی اور برکتیں اُس کی سلام اوپر ہمارے اور بندوں اللہ کے جو صالحین ہیں تحقیق نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور گواہی دیتا ہوں میں کہ تحقیق محمد بندے اُس کے ہیں اور رسول اُس کے ۱۲

۲۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ صحاح السنۃ وغیرہ میں ہے بخلاف تشہد ابن عباس کے کہ اس کو اس قدر راویوں نے نہیں روایت کیا اور وہ بھی صحیح ہے حتیٰ کہ اس کے پڑھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے ۳۱۲

سجدہ سہولازم ہوگا اور اگر دن کی نمازرات میں جماعت سے قضا کرے تو امام کو چاہئے اخفا کرے جہر نہ کرے اور اگر بھول کر مہر کیا تو سجدہ سہولازم ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں سجدہ سہو کے بیان میں لکھا ہے تنہا شخص اگر جہر کی نماز کو قضا کرے تو اس کے جہر میں مشائخ کا اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ جہر افضل ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہ کافی میں ہے اور شخص الائتمہ اور فخر الاسلام اور بہت سے متاخرین نے اسی کو اختیار کیا ہے قاضی خان نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ یہی اصح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور خلاصہ میں اصل سے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص تنہا نماز پڑھتا تھا اور دوسرے شخص نے آکر اس وقت اقتدا کی کہ جب وہ پوری الحمد یا تھوڑی الحمد پڑھ چکا تھا تو اب جہر کے ساتھ دوبارہ الحمد شروع کرے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے دن کی نفلوں میں یقیناً اخفا کرے رات کے نفلوں میں اختیار ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے جہر اور اخفا کی حد میں اختلاف ہے ابو جعفر اور ابو بکر محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ کم سے کم جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنا دے اور کم سے کم اخفا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا دے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ وقایہ میں اور نقایہ میں لکھا ہے اور اسی کو عامہ مشائخ نے اختیار کیا ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور اگر ایسا پڑھے کہ اس کے ہونٹوں سے اس طرح نکلے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس کے منہ کے قریب کان لے جائے تو اس کے کان میں آواز پہنچے اور جو پڑھتا ہے اس کو سمجھ لے یہ صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## بیری فصل

### نماز کی سنتوں اس کے آداب و کیفیت کے بیان میں

نماز میں سنتیں یہ ہیں تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا اور انگلیاں کھولنا اور تکبیر میں امام کو جہر کرنا اور سبحانک اللہ اور اعمو اور بسم اللہ اور آمین آہستہ (۱) پڑھنا اور ناف کے نیچے اور داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا اور رکوع کی تکبیر اور رکوع کی تسبیح تین بار کہنا اور رکوع میں دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پکڑنا اور انگلیاں کھولنا اور سجدہ کی اور سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر کہنا اور سجدہ سے اٹھنا اور سجدہ میں تین بار تسبیح کہنا اور سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے رکھنا اور بائیں پاؤں بچھانا اور دایاں کھڑا کرنا اور قومہ اور جلسہ یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اس طرح طمانیت قومہ اور جلسہ میں بقدر تسبیح کے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور درود اور دعا آداب نماز کے یہ ہیں قیام میں سجدہ کی جگہ پر اور رکوع میں دونوں پاؤں کی پیٹھ پر اور سجدہ میں ناک کے سرے پر اور قعود میں اپنی گود پر اور پہلے سلام میں اپنے داہنے شانہ پر اور دوسرے سلام میں بائیں شانہ پر نظر رکھنا اور جمائی کے وقت منہ بند رکھنا اور تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ آستینوں کے باہر نکال لینا اور جہاں تک ہو سکے کھانسی کو دفع کرنا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے کیفیت نماز کی یہ ہے کہ جب نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اس طرح اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی گدیوں کے مقابل ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے کناروں کے مقابل ہوں یہ تبیین میں لکھا ہے اور تکبیر کے وقت سر نہ جھکائے فقہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں اور انگلیاں جدا جدا ہوں اور جب وہ اس قدر اٹھ جائیں کہ انگوٹھے کانوں کی گدیوں کے مقابل ہو جائیں اس وقت تکبیر کہے شمس الائتمہ سرحسی نے کہا ہے کہ عامہ مشائخ کا یہی قول ہے

۱۔ مجملہ کے معنی اس طرح بات کہنا کہ ظاہر نہ ہو ۱۲ ۲۔ ترک کرنا سنت کا نہ تو نماز کے فساد کا موجب ہوتا ہے نہ سجدہ ہوگا بلکہ اساءت کا موجب ہے یعنی اگر ترک سنت نادانستگی میں ہو تو کچھ برائی بھی نہ ہوگی اور اگر سنت کو حقیر جانے لگا تو کافر ہوگا چنانچہ یہ نہر الفائق میں بزاز یہ سے منقول ہے کہ اگر سنت کو حق نہ جائے گا تو کافر ہوگا اس لیے کہ حق نہ جاننا حقیر سمجھنا ہے (۱) یعنی آہستہ کہنا سنت علیحدہ ہے اور ہر ایک کا پڑھنا سنت جداگانہ ۱۲

یہ محیط میں لکھا ہے اور ہاتھ تکبیر کے پہلے اٹھائے یہی اصح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اس طرح قنوت اور عیدین کی تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے اور ان کے سوا اور کسی تکبیر میں ہاتھ نہ اٹھائے یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے اور اگر اٹھائے تو ہمارے نزدیک یہی صحیح قول کے موافق نماز فاسد نہیں ہوتی یہ سراج الوابح میں لکھا ہے۔

اور عورت اپنے شانوں تک ہاتھ اٹھائے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ اور تبیین میں لکھا ہے اور جس وقت ہاتھ اٹھائے تو انگلیوں کو نہ بالکل بند کرے نہ بالکل کھول لے بلکہ معمولی طور پر بند ہونے اور کھلنے کے درمیان میں رکھے یہ نہایہ میں لکھا ہے اور یہی معتمد ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر ہاتھ نہ اٹھائے اور تکبیر کہہ چکا تو پھر نہ اٹھائے اور اگر تکبیر کہنے کے درمیان میں یاد آجائے تو اٹھالے اور اگر مقام مسنون تک نہیں اٹھا سکتا تو جہاں تک ممکن ہو وہاں تک اٹھالے اور اگر ایک اٹھا سکتا ہے اور ایک نہیں اٹھا سکتا تو ایک ہی اٹھالے اور اگر کسی شخص کے ہاتھ طریقہ مسنون سے اوپر ہی اٹھتے ہیں اور بغیر اس کے وہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتا وہ اس قدر اٹھالے یہ تبیین میں لکھا ہے مبسوط میں ہے کہ اگر اللہ کے الف کو مد کرے تو اس سے نماز شروع نہیں ہوتی اور اگر قصد امد کرے گا تو کفر کا خوف ہے اس طرح اگر اکبر کے الف کو یا اس کی بے کو مد کرے تو نماز شروع نہیں ہوگی اور اگر اللہ کی ہے کو مد کیا تو از روے لغت کے خطا ہے اور یہی حکم ہے رے کی مد کا اللہ کے لام کا مد صحیح ہے اور رے کی جزم خطا ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے اگر اللہ اکبر میں اللہ یا اکبر کے ہمزہ کو مد کرے تو یہ سب معنی شک کے نماز فاسد ہوگی اور اگر رے اور یے کے درمیان میں ایک الف شامل کر دے تو بعضوں نے کہا ہے نماز فاسد ہوگی اور بعضوں نے کہا ہے فاسد نہ ہوگی یہ نہایہ میں لکھا ہے اور تکبیر سے فارغ ہوتے ہی ناف کے نیچے داہنا ہاتھ اپنا بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے یہ محیط میں امام خواہر زادہ سے نقل کیا ہے اور یہی نہایہ میں لکھا ہے اور عورت اپنے ہاتھ چھاتی پر باندھے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جس قیام میں ذکر مسنون ہے اس میں ہاتھ باندھنا سنت ہے جیسے سبحانک اللہم اور قنوت اور جنازہ کی نماز اور جس قیام میں سنت نہیں ہے جیسے عیدین کی تکبیریں وہاں ہاتھ چھوڑنا سنت ہے یہ نہایہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور شمس الائمہ سرخسی اور صدر الکبیر اور برہان الائمہ اور صدر الشہید حسام الدین اسی پر فتویٰ دیتے تھے یہ محیط میں لکھا ہے اور رکوع کے قومہ میں بالاتفاق ہاتھ چھوڑے اس لئے کہ ذکر سنت واسطے انتقال کے ہے نہ واسطے قومہ کے یہ شرح نقایہ میں ہے جو شیخ ابولکارم کی تصنیف ہے ہمارے اکثر مشائخ نے مستحب کہا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور پکڑنے کو جمع کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور مصنفی میں ہے کہ یہی صحیح ہے یہ شرح نقایہ ابولکارم میں لکھا ہے اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ داہنی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رہے اور چھنگلیا اور انگوٹھے سے پہنچے کو پکڑے اور باقی انگلیاں کلائی پر چھوڑ دے دونوں پاؤں کے درمیان میں قیام کی حالت میں چار انگشت کا فرق چاہئے یہ خلاصہ میں لکھا ہے پھر پڑھے سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک۔ یہ ہدایہ میں لکھا ہے امام ہو یا مقتدی ہو یا تنہا نماز پڑھتا ہو سب کو یہی حکم ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور جل ثنائک نہ اصل میں مذکور ہے نہ نوادر میں یہ محیط میں لکھا ہے پس فرائض میں اسے نہ پڑھے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور: انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ تحریمہ کے بعد نہ پڑھے اور نہ ثنا کے بعد پڑھے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابولکارم کی تصنیف ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ تکبیر سے پہلے بھی اس سے نیت ملانے کے لئے نہ پڑھے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے پھر تعوذ پڑھے اور وہ یہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم یہی مختار ہے یہ

۱۔ خلاصہ میں ہے کہ اگر ہاتھ نہ اٹھانے کا عادی ہوگا تو گنہگار ہوگا اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو گنہگار نہ ہوگا ۱۲

۲۔ بسبب فرمانے علی مرتضیٰ کے کہ سنت ہے رکھنا دونوں ہاتھوں کا ناف کے نیچے اور بسبب خوف خون جمع ہو جانے کے یعنی حکمت ہاتھوں کے کھلے نہ رکھنے میں یہ ہے کہ زیادہ کھڑے رہنے سے انگلیوں میں خون نہ آئے ۱۲

خلاصہ میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور سنت اس میں آہستہ پڑھنا ہے یہی مذہب ہی ہمارے علماء کا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے تعوذ تابع قرأت کا ہے ثنا کا تابع نہیں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس لئے مسبوق جب اپنی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو تعوذ پڑھے مقتدی نہ پڑھے اور عید کی تکبیروں کے بعد تعوذ پڑھے یہ ہدایہ میں اور اکثر متون میں لکھا ہے اور تعوذ نماز کے شروع کرتے وقت ہے پھر نہیں پس اگر نماز شروع کر دی اور تعوذ کو بھول گیا یہاں تک کہ الحمد پڑھ لی پھر اس کے بعد تعوذ نہ پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے تعوذ کے بعد آہستہ بسم اللہ پڑھے اور بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے سورتوں میں فصل کے واسطے اتری ہے یہ ظہیر یہ میں مکروہات صلوٰۃ میں کے بیان میں لکھا ہے صرف بسم اللہ سے فرض قرأت ادا نہیں ہوتا یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے بسم اللہ ہر رکعت کے اول میں پڑھے یہ امام ابو یوسف کا قول ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور تجرے میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے فاتحہ اور سورہ کے درمیان میں بسم اللہ نہ پڑھے یہ وقایہ اور نقایہ میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ بدائع اور جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے بسم اللہ کے بعد الحمد پڑھے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے

جب الحمد سے فارغ ہو تو آمین کہے اور سنت اس میں آہستہ کہاں یہ یہ محیط میں لکھا ہے اور تنہا نماز پڑھنے والا اور امام اس میں برابر ہیں اور مقتدی بھی اگر قرأت سنتا ہو تو آمین کہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور آمین میں دونوں لغت ہیں ملا بھی اور قصر بھی اور اس کے معنی ہیں قبول کر اور تشدید اس میں کھلی ہوئی خطا ہے آمین اگر مد اور تشدید سے کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ وہ قرآن میں موجود ہے یہ یمین میں لکھا ہے اگر مقتدی امام سے آہستہ قرأت پڑھنے کی نماز میں جیسے ظہر اور عصر کی نماز میں ولا الضالین سن لے تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ آمین نہ کہے اور فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے کہا ہے کہ آمین کہے یہ محیط میں لکھا ہے جمعہ اور عیدین کی نماز میں اگر مقتدی دوسرے مقتدیوں کی آمین سن لے تو امام ظہیر الدین نے کہا ہے کہ آمین کہے یہ سراج الوہاب میں فتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ پھر الحمد کے ساتھ سورۃ یا تین آیتیں ملادے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور بڑی آیت بھی تین آیت کے قائم مقام ہو جاتی ہے یہ یمین میں لکھا ہے جب قرأت سے فارغ ہو جائے تب رکوع کرے اور کھڑا ہوا ہو یہی صحیح مذہب ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ جھکنے کے ساتھ ہی تکبیر کہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے طحاوی نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے ابتدا تکبیر کی جھکنے کے ساتھ ہو اور فراغت اس وقت ہو جب پورا رکوع میں چلا جائے یہ محیط میں لکھا ہے امام رکوع وغیرہ کی تکبیروں میں جہر کرے یہی ظاہر روایت ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور یہ اصح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اللہ اکبر کی رے کو جزم کرے یہ نہایہ میں لکھا ہے اور اپنے ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں پر سہارا دے لے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور انگلیاں کھول لے انگلیوں کا کھولنا سوا اس وقت کے اور انگلیوں کا بند کرنا سوائے حالت سجدہ کے اور کسی وقت میں مستحب نہیں ہے اور ان دونوں وقتوں کے سوا اور سب وقتوں میں انگلیوں کو اپنی حالت پر رکھے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور پیٹھ کو اس طرح بچھا دے کہ اگر اگر پانی کا پیالہ پیٹھ پر رکھ دیں تو ٹھہر جائے اور سر کونہ جھکائے اور نہ اٹھائے یعنی سر اسکا سرین کی سیدھ میں ہو خلاصہ میں لکھا ہے اور مکروہ ہے کہ اپنے گھٹنوں کو کمان کی طرح جھکا دے عورت رکوع میں تھوڑا جھکے اور اپنے ہاتھوں پر سہارا نہ دے اور انگلیوں کو نہ کھولے

۱۔ طحاوی نے کہا کہ اگر امام حاجت سے زیادہ پکار کر تکبیر کہے گا تو مکروہ ہوگا شامی نے کہا کہ مکروہ اس صورت میں ہے کہ حاجت سے زیادہ نہایت درجہ کو ہو مثلاً اس کے پیچھے ایک صف ہے اور وہ اتنا چنٹا ہے کہ دس صفوں میں آواز جائے تو مکروہ ہوگا اور واضح ہو کہ جب امام شروع میں اللہ اکبر کہے تو اگر اس کی نیت صرف لوگوں کو خبردار کرنے کی ہوگی تو اس کی نماز ہوگی اور نہ کسی مقتدی کی ہوگی بلکہ خبردار کرنے کے ساتھ نیت اپنی نماز کی تحریر کی بھی کرے اسی طرح مکبر جو امام کی آواز دوسرے لوگوں کو پہنچاتا ہے وہ بھی اگر فقط خبردار کرنے کی نیت سے اللہ اکبر کہے گا تو نماز اس کی ہوگی اور نہ اس شخص کی جو اس کی آواز پر اقتدا کرے گا بلکہ پکار کر کہنے کے ساتھ تکبیر تحریر کا قصد کرے گا تو نماز ہوگی اور بدون حاجت کے تکبیر کا اللہ اکبر پکار کر کہنا مکروہ ہے ۱۲



بلکہ ہند رکھے اور گھٹنوں پر رکھے اور اپنے گھٹنوں کو جھکائے رکھے اور باوترجم سے علیحدہ نہ کرے یہ زاہدی میں لکھا ہے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار پڑھے اور یہ کم سے کم ہے اگر تسبیح بالکل نہ پڑھے یا ایک بار پڑھے تو جائز ہے مگر مکروہ ہے جب رکوع طمانیت سے ہوے تب سر اٹھاوے اگر طمانیت نہ ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے پھر اگر امام ہے تو بالا جماع یہ قول ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ پڑھے اور اگر مقتدی ہے تو بلا خلاف یہ قول ہے کہ ربنا لک الحمد پڑھے اور سمع اللہ نہ پڑھے اور اگر تنہا نماز پڑھتا ہے تو اصح یہ ہے کہ دونوں کو پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اس روایت کے بموجب جس میں ان دونوں کو جمع کرنا ہے یہ حکم ہے کہ اٹھتے میں سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور جب سیدھا ہو جائے تو ربنا لک الحمد کہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور یہ اصح ہے یہ قذیہ میں لکھا ہے یوسف ابن محمد سے کسی نے پوچھا کہ کسی شخص نے رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہا تو کیا کرے انھوں نے جواب دیا کہ جب سیدھا کھڑا ہو تو سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے اور اس طرح ہر ذکر کا حکم ہے جو حالت انتقال کے لئے ہے اس کو اور محل میں ادا نہ کرے جیسے تکبیر جو قیام سے رکوع کی طرف جھکتے وقت کہتے ہیں یا رکوع سے سجدہ کی طرف جھکتے وقت کہتے ہیں اور اس طرح سجدہ میں جو تسبیح جاتی رہے جائے وہ سر اٹھانے کے بعد نہ کہے بلکہ واجب ہے کہ ہر چیز میں اس کی جگہ کی رعایت کرے یہ تاتارخانیہ میں حجت سے نقل کیا ہے سمع اللہ لمن حمدہ کی ہے جزم کرے اور حرکت ظاہر نہ کرے یہ تاتارخانیہ میں حجت سے نقل کیا ہے

پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے یہ ہدایہ میں لکھا ہے تکبیر جھکتے ہیں کہے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین بار پڑھے اور یہ کم سے کم ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور رکوع اور سجدہ کی تسبیح کو تین بار سے زیادہ کرنا مستحب ہے لیکن طاق پر ختم کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے کم سے کم تسبیح تین بار پڑھے اور اوسط پانچ بار اور اکمل سات بار یہ زاد میں لکھا ہے اگر امام ہو تو زیادہ نہ کرے تاکہ قوم ملول نہ ہو یہ ہدایہ میں لکھا ہے فقہانے کہا ہے کہ جب سجدہ کا ارادہ کرے تو اول زمین پر وہ اعضا رکھے جو زمین سے قریب ہیں پس پہلے گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ رکھے پھر ناک پھر پیشانی رکھے اور جب اٹھنے کا ارادہ کرے تو اول پیشانی پھر ناک پھر دونوں ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے فقہانے کہا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب ننگے پاؤں ہو لیکن جب موزہ پہنے ہوئے ہو تو اول گھٹنے نہیں رکھے گا تو دونوں ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے اور داہنے کو بائیں پر مقدم کرے یہ تمیین میں لکھا ہے اور سجدہ میں دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل میں رکھے اور انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرکھے اور یہی حکم ہے پاؤں کی انگلیوں کا اور ہتھیلیوں پر سہارا دے اور اپنے بازوؤں کو پہلو سے جدا رکھے اور بانہوں کو نہ بچھائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور پیٹ کو رانوں سے جدا رکھے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ عورت اپنے اعضا کو رکوع اور سجود میں ملا ہوا رکھے جدا جدا نہ کرے اور سجدہ میں دونوں پاؤں پر بیٹھے اور پیٹ کو رانوں پر بچھا دے یہ خلاصہ میں لکھا ہے باندی کا حکم مثل آزاد عورت کے ہے لیکن تحریمہ کے وقت ہاتھ مثل مرد کے اٹھائے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے پھر سر اٹھا کر تکبیر کہے اور سنت اس میں یہ ہے کہ اگر سر اٹھا کر سیدھا نہ بیٹھ جائے اور اس جلوس میں ہمارے نزدیک کوئی ذکر مسنون نہیں یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ اگر سیدھا نہ بیٹھا اور دوسرا سجدہ کر لیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کافی ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے سجدہ سے سر اٹھانا کن نہیں ہے

۱ ابن مسعود سے یہ حدیث مروی ہے رسول اللہ ﷺ تکبیر کہا کرتے ہر جھکاؤ اور اٹھاؤ اور کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی رواہ النسائی ۱۲  
 ۲ یعنی اول گھٹنے رکھنا اولیٰ ہے اور جب عمر زیادہ ہو یا موزے پہنے ہوں تو پہلے ہاتھ ٹیک دے پھر گھٹنے رکھے اور یہی صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ۱۲ میں الہدایہ  
 ۳ ناگ سے مراد وہ جگہ جو سخت ہے نہ نرم اور پیشانی کی حد یہ کہ ایک کپنی سے دوسری کپنی تک اور بھنوں کے نیچے سے کاسے سر تک اور اجماع ہے کہ اس گل کا رکھنا واجب نہیں ہے ۱۲ بدلیل قول حضرت علیؓ جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے تو جہاں تک قدرت ہو اپنے اعضا میں سے جانب قبلہ متوجہ کرے ۱۲

اور رکن انتقال یعنی سجدہ تمام کر کے اس سے باہر ہونا اس واسطے دوسرا سجدہ بغیر انتقال کے نہیں ہو سکتا لیکن انتقال دوسرے سجدہ کی طرف کو بغیر سر اٹھانے کے ممکن نہیں اس واسطے سر اٹھانا لازم ہو یا یہاں تک کہ اگر انتقال بغیر سر اٹھانے ممکن ہو تو مثلاً تکیہ پر سجدہ کر کے پھر وہ تکیہ نکال لیا گیا اور اس وقت پیشانی اس کی زمین پر لگ گئی تو کافی ہے یہ نہایت میں لکھا ہے سر اٹھانے کی مقدار میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ سے یہ مروی ہے کہ اگر قعود سے زیادہ قریب ہے تو جائز اور زمین سے زیادہ قریب ہے تو جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہ اصح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور امام ابو یوسف سے یہ مروی ہے کہ جب اتنا سر اٹھائے کہ جس کو سجدہ سے سر اٹھانے والا کہہ سکے تو جائز ہے محیط میں ہے کہ یہی اصح ہے تبیین میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ بدائع میں لکھا ہے پھر تکبیر کہے اور دوسرے سجدہ کے لئے جھکے دوسرے سجدہ میں بھی پہلے سجدہ کی طرح تسبیح کرے یہ محیط میں لکھا ہے پھر جب سجدہ سے فارغ ہو پنچوں کے بل اٹھے دونوں ٹیک کر نہ کھڑا ہو گھٹنوں پر سہارا دے کہ محیط میں لکھا ہے اور جس کو کوئی عذر ہو اس کو سہارا دینا ہمارے نزدیک مستحب ہے بہت سی مشہور کتابوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر بیٹھا اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے جیسے کہ مذہب شافعی کا ہے تو مضائقہ نہیں ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور دوسری رکعت میں بھی وہی کرے جو پہلی رکعت میں کیا ہے مگر سبحان اور اعوذ نہ پڑھے یہ قدوری میں لکھا ہے اور جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھا دے تو پایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر انگلیاں پھیلا دے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور گھٹنوں کو نہ پکڑے یہی اصح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر عورت ہو تو بائیں سرین پر بیٹھے اور دونوں پاؤں داہنی طرف سے نکال دے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور ابن مسعود کا تشہد پڑھے یہ کافی میں لکھا ہے اور اس پر کچھ اور زیادہ نہ کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔

اور جب اشہدان لا الہ الا اللہ پر پہنچے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے<sup>۱</sup>۔ اشارہ کرنا ہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں کبریٰ سے نقل کیا ہے اور بہت سے مشائخ نے اشارہ کو جائز نہیں کیا اور منیۃ المصلیٰ میں اسے مکروہ کہا ہے یہ تبیین میں لکھا ہے جب تشہد سے فارغ ہو تو کھڑا ہو جائے یہ محیط میں لکھا ہے۔ جلالی میں ہے کہ قعدہ سے بھی اس طرح پنچوں کے بل کھڑا ہو جس طرح سجدے سے کھڑا ہوتا ہے۔ طحاوی نے کہا ہے اگر ہاتھ زمین پر ٹیک دے تو مضائقہ نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے اور اگر کھڑا ہو کر پھر دوسرا دوگانہ اس طرح ادا کرے جس طرح پہلا دوگانہ میں قیام اور رکوع وجود کر د چکا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور دوسرے دوگانہ میں صرف الحمد پڑھے یہ کافی میں لکھا ہے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے یہ سراج الوہاب میں اختیار شرح مختار سے نقل کیا ہے اور اگر قرأت و تسبیح چھوڑ دے تو کچھ حرج نہیں اور اگر بھول جائے تو سجدہ سہو کا بھی نہیں ہے لیکن قرأت افضل ہے یہی سب روایتوں میں صحیح ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ محیط کی فصل قرأت میں لکھا ہے صحیح اور ظاہر روایت ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور سکوت مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور قعدہ اخیر میں بھی اس طرح بیٹھے جیسے پہلے قعدہ میں بیٹھ چکا ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور تشہد پڑھے پھر درود پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے۔ امام محمد سے درود کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے کہا کہ بوں کہے۔

اللہم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم و بارک علی محمد و

علی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید -

۱ امام محمد سے اشارہ کی کیفیت اس طرح مروی ہے چھنگلیاں اور اس کے پاس والی انگلی تو باندھ لے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ کر لے اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے اور حلوائی نے کہا کہ لا الہ الا اللہ پر انگلی کھڑی کرے اور لا الہ کے وقت گرا دے ۱۲

بعضوں نے اللہم ارحم محمد اکہنا مکروہ کہا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں یہ تمیین میں لکھا ہے اور جب درود سے فارغ ہو تو اپنے واسطے اور مان باپ کے واسطے اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے واسطے مغفرت کی دعائے مانگے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اپنے واسطے اور اپنے سوا اور مسلمانوں کے واسطے دعائے مانگے اور دعا میں صرف اپنی تخصیص نہ کرے اور یہی سنت ہے یہ تمیین میں لکھا ہے پھر یوں کہے: ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اس طرح دعائے مانگنے جیسے آدمیوں سے باتیں کرتے ہیں اور جس کا مانگنا آدمیوں سے محال نہیں ہے جیسے یوں کہنا کہ اے اللہ میرا فلاحی عورت سے نکاح کرادے یہ آدمیوں سے کرنے کی باتیں ہیں اور جن چیزوں کا مانگنا آدمیوں سے محال ہے مثلاً یوں کہنا کہ: اللہم اغفر لی اے اللہ میری مغفرت کر یہ باتیں سے کرنے کی نہیں ہیں اور اللہم ارزقنی کہنا یعنی اے اللہ مجھ کو رزق دے قسم اول میں شامل ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے پس اس لفظ سے دعا جائز نہیں یہی صحیح ہے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔

اگر اللہم ارزقنی مالاً عظیماً کہے یعنی اے اللہ مجھ کو بہت سامان دے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اللہم ارزقنی العلم والحجہ اور اس کے ہی مثل دعائے مانگے تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ مضمورات میں لکھا ہے اور دلوالجیہ میں ہے کہ چاہئے کہ ایسی دعائے مانگے جو پہلے سے یاد ہو اس لئے کہ اس کی زبان پر ایسا کلام جاری نہ ہو جائے کہ جو آدمیوں سے کرنے کی باتیں ہیں تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور جن چیزوں کو ہم نے مفسد صلوٰۃ کہا ہے وہ اسی حالت میں مفسد ہیں جب آخر صلوٰۃ میں بقدر تشہد نہ بیٹھے اور جو بیٹھ گیا تو نماز اس کی پوری ہے یہ تمیین میں لکھا ہے اور منجملہ ان دعاؤں کے جو حدیث سے ثابت ہوئی ہیں یہ دعا ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھاؤ جو نماز میں پڑھا کروں تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ یوں کہو: اللہم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً وانہ لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی انتک الغفور الرحیم اور ابن مسعود جن کلمات سے دعائے مانگتے تھے ان میں سے یہ بھی ہے: اللہم انی اسلک من الخیر کلہ ما علمت منه و ما لم اعلم و اعوذ بک من الشر کلہ ما علمت منه و ما لم اعلم یہ نہایت میں لکھا ہے اور مستحب ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز کے اخیر میں جو دعائیں ہیں ان کے بعد یہ پڑھے: رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریعتی ربنا و تقبل دعاء ربنا اغفر لی ولوالدی و للمؤمنین یوم یقوم الحساب یہ تاتارخانیہ میں حجتہ سے نقل کیا ہے پھر دو سلام پھیرے ایک اہنی طرف دوسرا بائیں طرف پہلے سلام میں اس قدر اہنی طرف کو منہ پھیرے کہ اس کے داہنے رخسارہ کی سفیدی نظر آجائے اور اس قدر دوسری طرف کو منہ پھیرے قدیہ میں ہے کہ یہی اصح ہے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے۔ جو شیخ ابن المکارم کی تصنیف ہے اور السلام

۱۔ پھر دیگر مکانی اوقات میں درود مستحب ہے (تصریح اوقات) روز جمعہ شب جمعہ روز شنبہ پنجشنبہ وقت صبح و شام۔ وقت دخول مسجد و خروج مسجد۔ وقت زیارت مزار شریف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ پر۔ خطبہ جمعہ وغیرہ میں امام خطیب کو بعد اذان کے۔ دعا کے شروع درمیان و آخر میں۔ بعد قنوت کے اگر چہ وتر ہو۔ تلبیہ کے بعد مسلمان سے ملاقات اور جدا ہونے کے وقت۔ وضو کے وقت کان بولنے کے وقت پھر بھول جانے پر وعظ کہنے و حدیث پڑھنے کی ابتدا و انتہا میں اور فتویٰ لکھنے و تصنیف و درس دینے اور درس لینے کے وقت اور منگنی کرنے والے و نکاح پڑھنے و پڑھوانے والے پر۔ سب جائز ضروری کاموں کے شروع میں اور حضرت ﷺ کا نام لکھنے کے وقت درود مستحب ہے ۱۲۔ مدارفساد کا نسبت حقیقی و مجازی رپ نہیں ہے بلکہ اس بات پر کہ یہ کلمہ بندوں سے کہہ سکتے ہیں تو فساد متحقق ہوا لہذا خلاصہ میں ہے کہ اللہم ارزقنی فلانہ۔ الہی فلاں جو درود دے تو اصح یہ کہ نماز فاسد ہوگی ۱۳۔ اور واضح ہو کہ بالکل ایک ہی دعا پر اقتصار کرنا دل کو سخت کر دیتا ہے چنانچہ مروی ہوا ہے پس احتیاطاً فرائض میں رکھے اور سوائے اس کے دل سے جذب شوق و خشوع و خشوع کے ساتھ اپنی مرغوب پسندیدہ دعائیں ان کے اور شرائط و ادب لحاظ رکھے کہ یہ دعا بھی مضمر۔ عبادت ہے ۱۴۔ اور اگر صرف السلام علیکم یا سلام علیکم کہے گا تو کافی ہوگا مگر تارک سنت ہوگا اور داہنے اور بائیں کو منہ پھیرنا بھی سنت ہے ۱۵۔ کذافی الطحاوی

علیکم ورحمۃ اللہ کہے یہ محیط میں لکھا ہے مختار یہ ہے کہ سلام الف لام کے ساتھ کہے اور اس طرح تشہد میں الف لام کے ساتھ سلام کہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اس سلام میں ہمارے نزدیک و برکاتہ نہ کہے اور سنت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دوسرا سلام بہ نسبت پہلے سلام کے پست ہو محیط میں لکھا ہے اور یہی بہتر ہے یہ یمین میں لکھا ہے اور اگر صرف داہنی طرف کو سلام پھیر کر کھڑا ہو گیا تو اگر ابھی تک باتیں نہیں کیں اور مسجد سے باہر نہیں نکلا تو بیٹھ کر دوسرا سلام پھیر دے یہ تاتار خانہ میں حجتہ سے نقل کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ جب قبلہ کی طرف کو پیٹھ پھیر چکے تو پھر دوسرا سلام نہ پھیرے یہ قدیہ میں لکھا ہے اور اگر بائیں طرف کو سلام پھیر دیا تو جب تک کلام نہیں کیا تب تک داہنے طرف کا سلام پھیر دے اور بائیں طرف کے سلام کا اعادہ نہ کرے اور اگر منہ کے سامنے کو سلام پھیرا ہے تو بائیں طرف سلام پھیر دے یہ یمین میں لکھا ہے مقتدی کے سلام میں اختلاف ہے فقیہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ مقتدی منتظر رہے اور جب امام داہنی طرف کو سلام پھیر چکے تب مقتدی داہنی طرف کو سلام پھیرے اور جب امام بائیں طرف کے سلام سے فارغ ہو تب مقتدی بائیں طرف کو سلام پھیرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جو محافظ فرشتے اور مسلمان اس کی دونوں طرف ہیں ان کی سلام میں نیت کرے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور ہمارے زمانہ میں عورتوں کو اور ان لوگوں کی جو نماز میں شریک نہیں نیت نہ کرے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ مقتدی ان لوگوں کے ساتھ امام کی بھی نیت کرے پس اگر امام داہنی طرف ہو تو اس طرف کے لوگوں میں اور اگر بائیں طرف ہو تو بائیں طرف کے لوگوں میں اس کی نیت کرے اور اگر امام سامنے ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک داہنی جانب کے لوگوں میں اس کی نیت کرے اور امام محمد کے نزدیک دونوں طرف امام کی نیت کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی روایت ہے امام ابو حنیفہ سے یہ کافی میں لکھا ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ یہی صحیح ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور تنہا نماز پڑھنا ہو تو فرشتوں کی نیت کرے اور کسی کی نیت نہ کرے اور ملائکہ کی نیت میں کوئی عدد معین نہ کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور جب امام ظہر اور مغرب اور عشا کا سلام پھیر چکے تو پھر وہاں بیٹھ کر توقف کرنا مکروہ ہے فوراً سنتوں کے واسطے کھڑا ہو جائے اور جہاں فرض پڑھی ہوں سنتیں نہ پڑھے داہنے یا بائیں یا پیچھے کو ہٹ جائے اور اگر چاہے اپنے گھر جا کر سنتیں پڑھے اور اگر مقتدی ہو یا اکیلا نماز پڑھتا ہو تو اگر اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر دعا مانگتا رہے تو جائز ہے اور اس طرح اگر سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر اور عصر ان میں اسی جگہ قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھ کئے ہوئے بیٹھ کر توقف کرنا مکروہ ہے اور نبی ﷺ نے اس کا نام بدعت رکھا ہے پھر اس کو اختیار ہے چاہے چلا جائے اور چاہے اپنی محراب میں طلوع شمس تک بیٹھا رہے اور یہی افضل ہے اور جماعت کی طرف منہ کر لے اگر اس کے سامنے کوئی مسبوق نہ ہو اور اگر ہو تو داہنے یا بائیں طرف کو پھر جائے سردی اور گرمی کے موسم کا حکم ایک ہی سا ہے یہی صحیح ہے خلاصہ میں لکھا ہے اور حجتہ میں ہے کہ جب امام ظہر اور مغرب اور عشا سے فارغ ہو تو سنتیں شروع کرے اور بڑی بڑی دعاؤں میں مشغول نہ ہو یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔

جو نہی فصل ☆

## قرأت کے بیان میں

اگر سفر میں اضطراب ہو مثلاً کوئی خوف ہو یا چلنے کی جلدی ہو تو سنت یہ ہے کہ الحمد کے ساتھ جو فی صورت چاہے پڑھ لے اور

۱۔ کیونکہ احادیث و آثار ان ملائکہ کے شمار میں مختلف وارد ہیں تو راہ یہ ہونی کہ جس قدر واقع میں ہیں ہم نے سب پر سلام کیا تو اس سے سب داخل رہے کسی وزیادتی نہ ہوئی اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تعداد مختلف وارد ہے اور کوئی شمار ان کا کسی نص میں قطعی نہیں ہے تو عقائد میں مصرع ہوا کہ یوں ایمان لائے کہ ہم سب انبیاء پر ایمان لائے اور ہم کسی نبی سے منکر نہیں ہیں ۱۲۔ یعنی مکروہ ہے فرضوں کے بعد سنتوں کی تاخیر کرنی مگر بقدر پڑھنے اللھم انت السلام و منک السلام تبارک یا ذا الجلال والاکرام یعنی فرض کے بعد اس قدر دیر کرے جس میں یہ دعایا اس کے برابر کوئی اور پڑھ لے اس وجہ سے کہ مسلم اور ترمذی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سلام کے انتاہی بیٹھتے تھے کہ یہ کلمات فرمائیں ۱۲

اگر حضر میں اضطراب ہو اور وہ یہ ہے کہ وقت تنگ ہو اپنی جان یا مال کا خوف ہو تو سنت یہ ہے کہ اس قدر پڑھ لے کہ جس سے وقت اور امن فوت نہ ہو جائے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور سفر میں حالت اختیار ہو مثلاً وقت میں وسعت اور امن اور قرار ہے تو سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز میں بروج یا مثل اس کے کوئی اور سورت پڑھے تاکہ سنت قرأت کی رعایت اور رخصت سفر کی تخفیف دونوں جمع ہو جائیں یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور ظہر میں بھی اس قدر پڑھے اور عصر اور عشا میں اس سے کم اور مغرب میں بہت چھوٹی سورتیں پڑھے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور حضر میں سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ ظہر میں بھی مثل فجر کے پڑھے اصل میں ہے کہ یا اس سے کم پڑھے اور عصر اور عشا میں الحمد کے سوائے بیس آیتیں پڑھے اور مغرب کی ہر رکعت میں چھوٹی سورۃ پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے اور فقہانے یہ مستحسن کہا ہے کہ حضر میں فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھے اور عصر اور عشاء میں اوسط مفصل<sup>(۱)</sup> پڑھے اور مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھے یہ وقایہ میں لکھا ہے طوال مفصل سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کی سورتیں ہیں اور اوساط مفصل سورہ بروج سے لم یکن تک اور چھوٹی سورتیں لم یکن سے آخر تک یہ محیط اور وقایہ اور منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور یتیمہ میں ہے کہ اگر مکروہ وقت میں عصر پڑھتا ہو تو بھی ٹھیک یہ ہے کہ قرأت مسنون پوری پڑھے یہ تارخانیہ میں لکھا ہے وتر کی نماز میں الحمد کے سوا کوئی اور سورۃ معین نہیں ہے پس جو کچھ پڑھ لے بہتر ہے یہ محیط میں لکھا ہے لیکن نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے سبح اسم ربك الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد ہے پس کبھی تبرکاً یہ سورتیں پڑھے اور کبھی ان کے سوا اور سورتیں پڑھے تاکہ باقی قرآن کے چھوٹ جانے سے بچ جائے یہ تہذیب میں لکھا ہے۔ اور قرأت مستحبہ پر زیادتی نہ کرے اور نماز کو جماعت پر بھاری نہ کر دے لیکن پوری سنت اور مستحب قرأت ادا کرنے کے بعد تخفیف کا لحاظ چاہے یہ مضممرات میں طحاوی سے نقل کیا ہے اور فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں بہ نسبت دوسری رکعت کے قرأت تطویل کرنا بالاجماع مسنون ہے امام محمدؒ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ سب نمازوں میں پہلی رکعت کو بہ نسبت دوسری رکعت کے دراز کرے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ زاہدی اور معراج الدرر یہ میں لکھا ہے اور حجتہ میں فتویٰ کے واسطے یہی لیا گیا ہے یہ تارخانیہ میں لکھا ہے اور اس طرح خلاف جمعہ اور عیدین میں ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور پھر مشائخ کا ایک اور بھی اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں رکعتوں میں فرق ایک ثلث اور دو ثلث کا ہو یعنی دو ثلث قرأت پہلی رکعت میں پڑھے اور ایک ثلث دوسری رکعت میں اور شرح طحاوی میں ہے کہ پہلی رکعت میں تیس آیتیں پڑھے تو دوسری رکعت میں دس بیس آیتیں پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے۔ یہ بیان اولویت کا تھا اور حکم یہ ہے کہ فرق اگر بہت ہو مثلاً پہلی رکعت میں ایک یا دو سورہ پڑھے اور دوسری رکعت میں تین آیتیں پڑھے تو مضائقہ نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور جامع صغیر کی بعض شروح میں مذکور ہے کہ بلا خلاف دوسری رکعت کو پہلی رکعت پر بقدر تین آیتوں کے یا اس سے زیادہ کے تطویل کرنا مکروہ ہے اور اگر اس سے کم تطویل کرے تو مکروہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے مرغیانی نے کہا ہے کہ تطویل کا آیتوں سے اس وقت حساب ہوتا ہے جب آیتیں برابر ہوں اور اگر آیتیں بڑی چھوٹی ہوں تو کلمات اور حروف

۱ یعنی اگر چھوٹی سورہ پڑھے تو اس سے بھی سنت ادا ہو جائے گی ۱۲ ۲ یعنی مقتدین رغبت والوں کے ساتھ سو آیت تک پڑھے اور کسل والوں کے ساتھ چالیس پڑھے اور اوسط درجہ والوں کے ساتھ پچاس سے ساٹھ تک پڑھے اور راتوں کی درازی و کمی کو دیکھے اور امام اپنے مقتدیوں کے اشغال کی زیادتی و کمی پر لحاظ رکھے ۱۲ ع ۳ بنظر اس فائدہ کے لوگ اول رکعت سمیت پوری جماعت کو پائیں یہ بات حدیث مفروغ ابو قتادہ میں جو ابوداؤد میں ہے مصرع ہے ۱۲ جموع اور عیدین میں بالاتفاق دونوں رکعتیں برابر پڑھنی چاہئیں اور علیہ میں امام محمد اور یحییٰ کی دلیل نقل کر کے کہا کہ فتویٰ یحییٰ کے قول پر ہونا چاہیے۔ (۱) اس طرح کی قرأت کا مسنون ہونا اثر سے ثابت ہے حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو نامہ لکھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل پڑھا کر اور عصر اور عشا میں اوسط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل ہو کنذانی الشای ۱۲

سے تطویل کا حساب کیا جائے گا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور مکروہ ہے کہ کسی نماز کے واسطے کوئی سورہ مقرر کر لے طحاوی اور اسمیجانی نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نماز میں اس سورہ کو اس طرح یقینی واجب سمجھ لے کہ اس کے سوا اور سورہ کو ناجائز یا مکروہ سمجھ لے لیکن اگر آسانی کے واسطے کوئی سورہ مقرر کر لے یا جو سورہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوئی ہے اس کو تبرکاً پڑھا کرے تو اس میں کراہت نہیں لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ اس کے سوا کبھی کبھی اور سورہ بھی پڑھا کرے تاکہ کوئی جاہل یہ نہ سمجھ لے کہ اس کے سوا اور کوئی سورہ جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ فرض کی ہر رکعت میں الحمد کے سوا ایک پوری سورہ پڑھے اور اگر عاجز ہو تو ایک سورہ دو رکعتوں میں تمام کر لے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر ایک سورہ میں سے کچھ ایک رکعت میں پڑھا اور کچھ دوسری رکعت میں تو بعضوں نے کہا ہے کہ مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے مکروہ نہیں ہے اور یہی صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے لیکن ایسا کرنا نہ چاہئے اور اگر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر ایک رکعت میں ایک سورہ کے بیچ میں سے یا اخیر میں سے پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسری سورہ کے درمیان یا اخیر سے پڑھے تو ظاہر روایت کے بموجب ایسا کرنا نہ چاہئے لیکن اگر کرے تو مضائقہ نہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور حجتہ میں ہے کہ ایک رکعت میں ایک سورہ کا آخر پڑھا اور دوسری رکعت میں کوئی چھوٹی سورہ پوری پڑھی مثلاً ایک رکعت میں آمن الرسول کا رکوع پڑھا اور دوسری رکعت میں کل ہو اللہ احد پڑھی تو مکروہ نہیں یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے دونوں رکعتوں میں آخر سورہ پڑھنا ایسی پوری چھوٹی سورہ سے افضل ہے جس کی بہ نسبت آخر سورہ کا ٹکڑا آیتوں میں زیادہ ہو اور اگر چھوڑی پوری سورہ اس آخر سورہ سے آیتوں میں زیادہ ہو سورہ قصیرہ کا پڑھنا افضل ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔

اور ایک طویل آیت جیسے آیت المدینہ یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا چاہئے تو اس کی اولویت میں بھی اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اگر تین آیتیں ایک چھوٹی سورہ کے برابر ہو جائیں تو انھیں کا پڑھنا افضل ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور اگر رکعت میں ایسی دو سورتیں پڑھے کہ ان دونوں کے درمیان ایک یا کئی سورہ کا فصل ہے تو مکروہ ہے اور اگر دو رکعتوں میں دو سورتیں پڑھے تو اگر ان دونوں میں کئی سورہ کا فصل ہے تو مکروہ نہیں اور اگر ایک سورہ کا فصل ہے تو بعضوں نے کہا ہے مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر بری سورہ کا فصل ہے تو مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے جیسے کہ دو چھوٹی سورہ کے فصل میں مکروہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کسی حالت میں مکروہ نہیں اور اگر ایک رکعت میں ایک سورہ پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورہ پڑھی تو مکروہ ہے اس طرح اگر ایک رکعت میں ایک آیت پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی آیت پڑھی تو مکروہ ہے اور اگر ایک رکعت میں یا دو رکعتوں میں دو آیتیں ایسی پڑھیں جن کے درمیان میں ایک یا کئی آیتوں کا فصل ہے تو ان کا حکم وہی ہے جو سورتوں کا حکم مذکور ہو چکا یہ محیط میں لکھا ہے یہ سارا بیان فرضوں کا تھا سنتوں میں مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر ایک رکعت میں ایک سورہ پڑھے۔ اور دوسری رکعت میں ایسی سورہ پڑھی کہ ان دونوں میں ایک سورہ کا فصل یا اس سے اوپر کی سورہ پڑھی مختار یہ ہے کہ اس طرح پڑھتا رہے چھوڑ نہ دے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر ایک سورہ شروع کی اور ایک یا دو آیتیں پڑھنے کے بعد دوسری سورہ شروع کرنے کا ارادہ کیا تو مکروہ ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ ایک آیت سے کم پڑھ چکا ہے اگر چہ ایک ہی حرف کم ہو اگر رکوع کے واسطے تکبیر کہہ لی پھر اسی قرأت میں اور زیادتی کرنا چاہی تو اگر رکوع نہیں کر لیا ہے تو مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر صرف الحمد پڑھی یا الحمد کے ساتھ ایک یا دو آیتیں پڑھیں تو یہ مکروہ ہے یہ محیط میں لکھا ہے جو شخص نماز میں سارا قرآن تمام کرے وہ

۱۔ نوادر معلیٰ میں ابو یوسف سے روایت ہے کہ ایک شخص فقط اسی قدر کہ الحمد للہ رب العالمین پڑھ سکتا ہے تو وہ اسی کو ہر رکعت میں ایک بار پڑھے اور مکرر نہ کرے اور اس کی نماز جائز ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور مبسوط بکرم میں ہے کہ سنت ادا ہونے میں ایک بڑی آیت بمنزلہ تین آیات کے ہے ۱۲ ع

جب معوذتین یعنی سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ایک رکعت میں پڑھ چکے تو دوسری رکعت الحمد کے بعد سورہ بقرہ میں سے پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جتہ میں ہے کہ قرآن ساتوں قرات اور سب روایتوں سے پڑھنا جائز ہے لیکن میرے نزدیک ٹھیک یہ ہے کہ نجیب قرأتین امالوں کے ساتھ اور جو غریب روایتوں سے ثابت ہوئی ہیں نہ پڑھے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے

## بانجورینہ فصل

### قاری کی لغزش کے بیان میں

قاری کی لغزشوں میں سے ہے کہ ایک کلمہ کے ایک حرف کو دوسرے کلمہ کے حرف سے ملا دے اگر ایک کلمہ کا حرف دوسرے کلمہ کے حرف سے ملایا مثلاً ایک بعد اس طرح پڑھا کہ کاف نون ملے گیا یا غیر المغضوب علیہم اس طرح پڑھا کہ بے عین سے مل گیا یا سمع اللہ لمن حمدہ اس طرح پڑھا کہ اللہ کی ہے لام سے مل گئی تو صحیح یہ ہے کہ اگر چہ عمد پڑھے نماز فاسد نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کا ذکر کرنا ہے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ذکر کیا مثلاً ان المسلمین کی جگہ ان المسلمون اور ان الظالمین کی جگہ ان الظالمون پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی بدل گئے ہیں پس اگر وہ دونوں ایسے حرف تھے کہ ان میں آسانی سے جدائی ممکن تھی جیسے کہ طا اور صاد پس اگر کسی نے طالحات کی جگہ صالحات پڑھ دیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر وہ دونوں حرف ایسے تھے کہ ان میں بغیر مشقت فرق نہیں ہو سکتا تھا جیسے کہ ظا اور ضا اور صا اور سین اور طا اور تا۔ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اکثر کا قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اکثر مشائخ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ امام ابوالحسن اور قاضی امام ابو عاصم نے کہا ہے کہ اگر عمد ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اتفاقاً اس کی زبان سے نکل گیا یا ان میں تمیز نہیں جانتا تو فاسد نہ ہوگی اور یہی سب قولوں میں ٹھیک اور مختار ہے یہ وجہ میں لکھا ہے جو کروڑی کی تصنیف ہے۔ جو شخص حرفوں کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتا تو چاہئے کہ کوشش کرے اور اس میں معذور نہ ہوگا پس اگر بعض حروف میں اس کی زبان جاری نہیں ہوتی تو اگر اس کو کوئی ایسی آیت نہ ملے جس میں یہ حرف نہ ہوں تو نماز اس کی سب کے نزدیک جائز ہوگی مگر اس کو چاہئے کہ دوسرے کی امامت نہ کرے اور اگر اس کو کوئی ایسی آیت ملے کہ جس میں یہ حرف نہ ہوں اور اس کو پڑھے تو سب کے نزدیک جائز ہوگی اور اگر وہی آیت پڑھے کہ جس میں یہ حروف ہیں تو بعضوں نے کہا ہے کہ نماز اس کی جائز نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں لکھا ہے

اور منجملہ ان کے حروف کا حذف کر دینا ہے اگر حذف بطور ایجاز و ترخیم کے ہے تو اگر شرطیں موجود ہیں مثلاً یوں پڑھا وہا و یا مال تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر بطور ایجاز و ترخیم کے نہ ہو پس اگر معنی نہیں بدلتے مثلاً ولقد جاءہم رسولنا بالبینات پڑھا اور تے چھوڑ دی تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی بدل جائیں مثلاً فما لہم لایومنون کی جگہ فما لہم یومنون پڑھ دے تو عامہ مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔ یہ محیط میں لکھا ہے عتابیہ میں ہے کہ یہی اصح ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اور مثلاً وہم لا یظلمون افرایت کولا یظلمون قرایت پڑھا اور افرایت کا الف حذف کر دیا اور یظلمون کے نون کو افرایت کی تے سے ملا دیا مایحسبون انہم لیحسنون صنعا کولیحسنون نہم صنعا پڑھا اور انہم کا الف حذف کر کے دونوں نون کو ملا دیا تو نماز فاسد نہ

۱۔ مشائخ نہیں ادا ہوتی تو وہ مثلاً الہمد بجائے الحمد کے نکلے یا اعوذ کا عین نکلا اور الف نکلا یا الصمد کی جگہ سین نکلا پس وہ رات و دن اس کے صحیح نکالنے میں کوشش کرتا اور نہیں قادر ہوتا ہے تو نماز جائز ہے اور اگر کوشش چھوڑ دی تو فاسد ہے اور یہ گنجائش نہیں کہ باقی عمر میں کوشش چھوڑ دے ۱۲

ہوگی یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے زیادتی حرف کی اگر کوئی حرف بڑھا دیا تو اگر معنی نہیں بدلتے مثلاً وان عن المنکر کو وانہی عن المنکر پڑھا تو عامہ مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اسی طرح اگر ہم الذین کفروا کو اس طرح پڑھا کہ ہم کے میم کو جزم کیا اور الذین کے الف محذوف کو ظاہر کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی طرح اگر ماخلق الذکر والانشی کو اس طرح پڑھا کہ الف محذوف کو اور الام مدغم کو ظاہر کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر معنی بدل جائیں مثلاً زراہی کو زراہیب پڑھا یا مثانی کو مثانین پڑھا یا الذکر والانشی ان سعیم لشتی میں وان سعیم پڑھا اور واو بڑھا دیا۔ یا والقرآن حکیم انک لمن المرسلین میں وانک لمن المرسلین پڑھا اور واو بڑھا دیا تو نماز فاسد ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ کلمہ کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسرا کلمہ بڑھا دے اگر ایک کلمہ کو چھوڑ کر اس کی عوض دوسرا کلمہ ایسا پڑھا کہ معنی میں اس سے قریب ہے اور وہ قرآن میں دوسری جگہ موجود بھی ہے مثلاً علیم کی جگہ حکیم پڑھا دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر یہ کلمہ قرآن میں نہیں لیکن معنی اس سے قریب ہے مثلاً التوابعین کی جگہ انبیاءین پڑھا دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے یہ مروی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر یہ کلمہ قرآن میں نہ ہو اور نہ دونوں کلمے معنی میں قریب ہوں تو اگر وہ کلمہ تسبیح یا تحمید یا ذکر کی قسم سے نہیں ہے تو بلا خلاف نماز فاسد ہوگی اور اگر قرآن میں ہے لیکن دونوں کلمے معنی میں قریب نہیں مثلاً انا کنا فاعلین میں بجائے فاعلین کے غافلین پڑھا اور اس طرح کوئی کلمہ بدل دیا جس کے اعتقاد سے کفر ہو جاتا ہے تو عامہ مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہوگی اور امام ابو یوسف کا صحیح مذہب بھی یہی ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور اگر کسی چیز کی نسبت ایسی طرف کو کردی جس کی طرف کو وہ منسوب نہیں تو اگر وہ چیز جس کی طرف کو نسبت کی ہے قرآن میں نہیں مثلاً مریم بنت غیلان پڑھا تو بلا خلاف نماز فاسد ہوگی اور جس کی طرف کو نسبت کی ہے وہ قرآن میں ہے جیسے مریم بنت لقمان یا موسیٰ ابن عیسیٰ پڑھا تو امام محمد کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور یہی مذہب ہے عامہ مشائخ کا اور اگر عیسیٰ بن لقمان پڑھا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر موسیٰ بن لقمان پڑھا تو نماز نہ ہوگی اس لئے کہ عیسیٰ کے باپ نہیں اور موسیٰ کے باپ ہے مگر اس نے نام میں خطا کی یہ وجہ میں لکھا ہے جو کروڑی کی تصنیف ہے اور منجملہ ان کے زیادتی ایسے کلمے کی ہے جو کسی کلمہ کے عوض میں نہ ہو کلمہ زائدہ سے اگر معنی بدل جائیں اور وہ کلمہ قرآن میں دوسری جگہ موجود ہو مثلاً: الذین آمنوا باللہ ورسولہ کو الذین آمنوا وکفروا باللہ ورسولہ پڑھے یا موجود نہ ہو مثلاً انما نملیٰ لہم لیزدادو اثما کو انما نملیٰ لہم لیزدادو اثما وجمالا پڑھے تو بلا نماز فاسد ہوگی اور اگر معنی نہ بدلے تو اگر وہ کلمہ قرآن میں اور جگہ ہے مثلاً ان اللہ کان بعبادہ خیر اکوان اللہ کان بعبادہ خیر بصیر پڑھے تو بالا جماع نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر وہ کلمہ قرآن میں موجود نہ ہو مثلاً فہیا فاسبتہ و نخل و رمان کو فہیا فاسبتہ و نخل و تفاح و رمان پڑھے تو عامہ مشائخ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے

اور منجملہ ان کے تکرار حرف یا کلمہ کی ہے اگر ایک حرف کو مکرر کیا پس اگر اس میں کسی ضعیف حرف کا اظہار ہو گیا مثلاً من یرتد کو من یرتد پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر زیادتی حرف کی ہوئی مثلاً الحمد للہ کو تین لاموں سے پڑھا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر کلمہ کو مکرر کیا تو اگر معنی نہ بدلے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر بدل گئے مثلاً رب العالمین یا مالک مالک یوم الدین پڑھا تو صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد ہوگی ظہیر یہ میں لکھا ہے اور منجملہ انکے آگے کے پیچھے اور پیچھے کے آگے کر دینے میں غلطی کرنا ہے اگر ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے

۱۔ اگر قولہ است برکم قالوا لیلیٰ من قالو نعم پڑھا تو فاسد ہے حصون کی جگہ تنستون میں اظہر فساد ہے۔ انت العزیز الکریم میں حکیم پڑھا تو مختار یہ ہے کہ فاسد ہے قبل طلوع الشمس و قبل الغروب میں عند طلوع الشمس وعند الغروب پڑھنا فاسد ہے کل صغیر و کبیر نے سفیر یا النار عات ز مفسد نہیں اور عمدہ توضیح عین الہدایہ



آگے کر دیا یا پیچھے کر دیا اگر معنی نہ بدلے مثلاً: لھم فہیا فیرو شہیق پڑھا اور شہیق کو مقدم کر دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر معنی بدل گئے مثلاً ان لا برار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم کو ان لا برار لفی جحیم وان الفجار لفی نعیم پڑھا تو اکثر مشائخ کا یہ قول ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی یہی صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر دو کلموں پر مقدم کر دیا پس اگر معنی بدل جائیں مثلاً: انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہ فلا تخافواہم و خافون کو انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہم ولا یخافون پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر معنی نہ بدلے مثلاً یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ و تبیض وجوہ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ایک حرف کو دوسرے حرف پر مقدم کر دیا تو اگر معنی بدل گئے مثلاً عصف کو بجائے عصف کے پڑھا دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر معنی نہ بدلے مثلاً نشاء اجوے کو غشاء اوحے پڑھا دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ ذکر کر دینا ہے اگر آیت پر پورا وقف کر کے دوسری پوری یا تھوڑی سی پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی مثلاً والعصر ان لانسان پڑھ کر ان الا برار لفی نعیم پڑھا دیا۔ یا سورہ والتین هذا البلد الامین تک پڑھی پھر وقف کیا پھر لقد خلقنا الانسان فہ کبید پڑھا یا ان الذین آمنو و اعملو الصالحات پڑھا پھر وقف کیا پھر اولئک ہم شر البریہ پڑھا دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن اگر وقف نہ کیا اور ملا دیا تو اگر معنی نہ بدلے مثلاً ان الذین آمنو و اعملو الصالحات لھم جنات الفردوس کی جگہ ان الذین آمنو و عملو الصالحات فلھم جزای الحسنیٰ پر ہ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن اگر معنی بدلے مثلاً ان الذین آمنو و عملو الصالحات اولئک ہم شر البریہ پڑھا دیا اور ان الذین کفرو امن اہل لکتاب کو خالدین فیہا تک پڑھا کر اولئک ہم خیر البریہ پڑھا دیا تو تمام علما کے نزدیک نماز فاسد ہوگی اور یہی صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کی وقف اور وصل اور ابتدا ہے جہاں ان کا موقع نہ ہو اگر ایسی جگہ وقف کیا جہاں موضع وقف کا نہیں یا ایسی جگہ سے ابتدا کی جہاں سے ابتدا کا مقام نہیں تو اگر معنی میں بہت کھلا ہوا تغیر نہیں ہو ا مثلاً ان الذین آمنو و عملو الصالحات پڑھا کر وقف کیا پھر اولئک ہم خیر البریہ سے ابتدا کی تو ہمارے علما کا اجماع اس بات پر ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر ایسی جگہ وصل کیا کہ جہاں وصل کا موقع نہ تھا مثلاً اسحاب النار پر وقف نہ کیا اور اس کو الذین تکلون العرش سے ملا دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن وہ بہت مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر معنی میں بہت تغیر ہو گیا مثلاً شہد اللہ انہ لا الہ الا ہو اور پھر وقف کیا پھر الا ہو پڑھا تو اکثر علماء کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور بعض کے نزدیک فاسد ہو جائے گی اور فتویٰ اس پر ہے کہ کسی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اور قاضی امام سعید نجیب ابو بکر نے کہا ہے کہ جب قرأت سے فارغ ہو اور رکوع کا ارادہ کرے تو اگر قرأت کا ختم اللہ کی تعریف پر ہوا ہے تو اللہ اکبر کا اس سے ملانا اولیٰ ہے اور اگر اللہ کی تعریف پر ختم نہیں ہوا مثلاً ان شانک ہو الا بتر پڑھا تو وہاں اللہ اکبر اس سے جدا کرنا اولیٰ ہے یہ تارخانہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے غلطی اعراب کی ہے اگر اعراب میں ایسی غلطی کی جس سے معنی بدل نہ گئے مثلاً لا ترفعوا صواتکم میں تے کو پیش سے پڑھا تو نماز بالاجماع فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی میں بہت تغیر ہوا مثلاً وعص آدم ربہ پڑھا اور میم کو زبر اور بے کو پیش سے پڑھا یا اسی قسم کی اور غلطی کی جس کے قصد کرنے میں کفر ہو جاتا ہے تو اگر بطور خطا کے پڑھا ہے تو متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور متاخرین میں اختلاف ہے محمد بن مقاتل اور ابو نصر محمد بن سلام اور ابو بکر بن سعید بلخی اور فقیہ ابو جعفر ہندوانی اور ابو بکر محمد ابن الفضل اور شیخ امام زاہد شمس الائمہ حلوانی کا یہ قول ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی متقدمین کے قول میں احتیاط زیادہ ہے اس لیے کہ اس کے ارادہ میں کفر ہو جاتا ہے اور جس کے ارادہ میں کفر ہو وہ منجملہ

۱۔ مقتضائے ادب یہی ہے جیسے تلاوت قرآن میں ۲۵۔ پارہ پرالیہ یرو علم السانۃ..... میں کہا گیا کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم نہ ملا دے کہ الیہ کی ضمیر میں

وہم ہوتا ہے کہ شیطان کی طرف ہے ۱۲م

قرآن نہیں اور متاخرین کے قول میں آسانی زیادہ ہے اس لئے کہ اکثر آدمی ایک اعراب کو دوسرے اعراب سے تمیز نہیں کر سکتے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی شبہ ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ عتابیہ میں لکھا ہے اور یہی ظہیر یہ میں لکھا ہے۔

اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ تشدید اور مد کو ان کے مقاموں سے چھوڑ دے اگر ایک نعبہ و وایا ک نستعین میں تشدید چھوڑ دی یا الحمد للہ رب العالمین میں بے تشدید سے نہ پڑھا تو مختار یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور ہر جگہ یہی حکم ہے مگر عامہ مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ فاسد ہوگی اور مد چھوڑنے میں اگر معنی نہیں بدلتے مثلاً اولہک کو بغیر مد کے پڑھایا انا اعطینا ک کا مد چھوڑ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی بدل جائیں مثلاً سوا علیہم کو مد چھوڑ کر پڑھایا دعا اور نداء میں مد نہ کیا تو مختار یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح تشدید کے چھوڑنے میں فاسد نہ ہوتی تھی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر ذمّن الظلم ممّن کذب علی اللہ میں تشدید کی تو بعضوں نے کہا ہے نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ عتابیہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے ہے ادغام کو اس کے موقع سے چھوڑنا اور ایسی جگہ ادا کرنا جہاں اس کا موقع نہیں اگر ایسے موقع پر ادغام کیا جہاں کسی نے ادغام نہیں کیا ہے اور اس ادغام سے عبارت بگڑ جاتی ہے اور کلمہ کے معنی سمجھ میں نہیں آتے مثلاً قل للذین کفرو استغلبون میں غین کو لام میں ادغام کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایسی جگہ ادغام کیا جہاں کسی نے ادغام نہیں کیا ہے مگر اس کلمہ کے معنی نہیں بدلتے اور وہی سمجھ میں آتا ہے جو بغیر ادغام کے سمجھا جاتا تھا مثلاً قل سیروا پڑھا اور لام کو سین میں ادغام کر دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ادغام اپنے موقع سے چھوڑ دیا مثلاً اینما تکونوا یدرکم الموت پڑھا اور ادغام چھوڑ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ عبارت بگڑ جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے امالہ کرنا ہے جہاں اس کا موقع نہیں اگر بسم اللہ امالہ سے پڑھی یا مالک یوم الدین امالہ سے پڑھا اور اس طرح بے موقع امالہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے وہ قرأت پڑھنا ہے جو اس قرآن میں جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر ایسی قرأت پڑھی جو اس مشہور قرآن میں نہیں اور اسکے معنی بھی اس سے ادانہیں ہوتے تو اگر وہ دعایا شفاء نہیں ہے تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس سے وہی معنی ادا ہوئے ہیں تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے موافق نماز فاسد نہ ہوگی اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور اس مسئلہ میں ٹھیک جواب یہ ہے کہ اگر مصحف ابن مسعود وغیرہ کی قرأت پڑھی تو وہ نماز کی قرأت میں شمار نہیں ہوگی لیکن اس سے نماز فاسد نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر اس کے ساتھ مشہور قرآن میں سے بھی اس قدر پڑھ لیا جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو اس سے نماز جائز ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے ہے کلمہ کو پورا نہ پڑھنا اگر ایک کلمہ کو تھوڑا سا پڑھا اور پورا نہ کیا یا اس سبب سے کہ سانس ٹوٹ گئی یا اس سبب سے کہ باقی کلمہ بھول گیا اور پھر یاد آیا تو پڑھ لیا مثلاً الحمد للہ پڑھنے کا ارادہ کیا اور آل کہہ کر سانس ٹوٹ گئی یا باقی بھول گیا پھر یاد آیا اور حمد اللہ پڑھ لیا باقی یاد نہ آیا مثلاً یہ قصد کیا تھا کہ الحمد اور سورہ پڑھے پھر اس کا پڑھنا بھول گیا اور پھر پڑھنے کا ارادہ کیا اور جب آل کہا تو اس کو یہ خیال ہوا کہ میں پڑھ چکا ہوں پس چھوڑ دیا اور رکوع کر دیا یا تھوڑا سے کلمہ پڑھا اس کو چھوڑ کر دوسرا کلمہ پڑھا پس ان سبب اور ایسی ہی اور صورتوں میں بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور خمس الائمہ حلوانی اسی پر فتویٰ دیتے تھے اور بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ اگر ایسے کلمہ کو تھوڑا سا پڑھا جس کے کل پڑھنے میں نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس تھوڑے پڑھنے میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی یہ ذخیرہ میں لکھا ہے جزو کلمہ کو حکم کل کلمہ کا ہے یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ اگر اس جزو کلمہ کے بھی از روئے لغت کچھ معنی صحیح ہو سکتے ہوں اور فضول نہیں ہوتا اور قرآن کے معنی

۱۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے یہ مصحف جو متواتر ہے مع سوا ث قرأت کے جمع ہوا ہے پس جو قرأت اس کی قرأت میں سے نہ ہوہ قرآن نہیں یعنی قرآن تو متواتر قطعی متواتر کا نام ہے اور وہ شاذ قرأت نہیں ہے تو اس میں قرآن کی صفت نہ ہوئی ۱۲م

بھی نہیں بدلتے تو چاہئے کہ نماز فاسد نہ ہو اور اگر اس جزو کلمہ کے کچھ معنی نہیں اور فضول ہے یا فضول نہیں ہے مگر اس سے قرآن کے معنی بدل جاتے ہیں تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اکثر مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے بچنا ممکن نہیں پس ان کا حکم اس طرح ہوگا جیسے نماز میں کھنکارنے کا ہوتا ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر کلمہ کے بعض حرف کو پست پڑھا تو صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ ایسی صورت میں اکثر واقع ہو جاتی ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

اگر قرآن کو نماز میں راگنی سے پڑھا تو اگر کلمہ بدل جاتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر صرف مد ولین کے حرفوں میں راگنی کی تو فاسد نہ ہوگی لیکن اگر بہت کھلی ہوئی راگنی ہوگئی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر نماز کے علاوہ قرآن کو راگنی سے پڑھا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اکثر مشائخ نے اس کو مکروہ بتایا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ وجہ کروری میں لکھا ہے اور اس کا سننا بھی مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے ابوالقاسم صفار بخاری نے نقل کیا ہے کہ اگر نماز اس طرح کی ادا ہو کہ اس میں بعض وجہ جواز کی ہو اور بعض وجہ فساد کی ہو تو احتیاطاً فساد کا حکم کریں گے لیکن قرأت کے مسلوں میں جواز کا حکم کریں گے اس لئے کہ اس کی غلطیوں میں تمام لوگ مبتلا ہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے اللہ کے ناموں میں تانیث داخل کرنا اگر کسی نے نماز میں هل ينظرون الا ان ياتيه الله في ظلل من الغمام میں یا تبہم کو تاتہیم سے پڑھا تو محمد بن علی بن محمد الادیب نے کہا ہے کہ نماز فاسد ہوگی اس کے کہ اللہ کے ناموں میں تانیث داخل کرنا جائز نہیں جس طرح: لا اله الا هو الحي القيوم اور لم يلد ولم يولد اور اس طرح اور صفات الہی میں تانیث داخل کرنا جائز نہیں اور شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ یہ فعل غیر اللہ کا ہے بعض مشائخ نے اسی کو صحیح کہا ہے یہ محیط اور ذخیرہ میں لکھا ہے نو اند میں ہے کہ اگر کسی نے نماز میں کھلی ہوئی خطا کی پھر لوٹا تو صحیح پڑھا تو میرے نزدیک نماز اس کی جائز ہے اور یہی حکم ہے اعراب کی غلطی کا اور اگر کسی نے پیش کی جگہ زبر پڑھا یا زبر کی جگہ پیش پڑھا یا پیش و زبر کی جگہ زبر پڑھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

## بانجموعہ باب

### امامت کے بیان میں

اور اس میں سات فصلیں ہیں

## پہلی فصل

### جماعت کے بیان میں

۱۔ جماعت سنت موکدہ ہے یہ متون میں اور خلاصہ اور محیط سرحسی میں لکھا ہے غایت میں ہے کہ ہمارے مشائخ نے اس کو واجب بتایا ہے مفید میں ہے کہ سنت اس کا اس واسطے نام رکھا ہے کہ اس کا واجب ہونا سنت سے ثابت ہے بدائع میں ہے کہ ایسے مردوں پر جو عاقل بالغ آزاد ہیں اور بلا حرج جماعت پر قادر ہیں ان پر جماعت واجب ہے۔ اگر جماعت فوت ہو جائے تو ہمارے

۲۔ جماعت سنت موکدہ جو جس کے ترک کرنے میں اسارت و برائی ہے لقولہ علیہ السلام الجماعۃ من سنن الہدیٰ لا تخلف عنہا الا منافق یعنی جماعت منجملہ سنن الہدیٰ کے ہے اس سے نہیں کچھڑے گا مگر منافق یعنی جس کی خصلت منافقوں مانند ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں بلا عذر گھر میں پڑھنے والوں و جماعت سے کچھڑنے والوں کے گھر جانے کا قصد کیا اور ظاہر کلام میں شیخ ابن الہمام کا میلان بجانب وجوب ہے ۱۲

۳۔ تہدگی نے کہا جمعہ وعیدین میں جماعت شرط ہے اور تراویح میں جماعت سنت اور تر رمضان میں مستحب ہے ۱۳

اصحاب کا بلا خلاف یہ قول ہے کہ دوسری مسجد میں طلب اس کی واجب نہیں لیکن اگر دوسری مسجد میں جماعت کے واسطے چلا جائے تو بہتر ہے اور اگر اپنے محلے کی مسجد میں پڑھ لے تو بھی بہتر ہے قدوری نے ذکر کیا ہے کہ اپنے گھر کے لوگوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ نماز پڑھ لے اور شمس الائمہ نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اولیٰ یہ ہے کہ اگر اپنے محلے کی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوا ہے تو کہیں اور جماعت تلاش کرے اور جو داخل ہو گیا ہے تو وہیں نماز پڑھ لے جماعت بہت سے عذروں سے ساقط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جماعت مریض اور لنگڑے اور پاہنج اور اس شخص پر جس کا داہنا ہاتھ بایاں پاؤں یا اس کے برعکس کٹے ہوئے ہوں یا فقط پاؤں کٹے ہوئے ہوں یا فاج کی بیماری کی وجہ سے چل نہ سکے یا بہت بڑھاپے کی وجہ سے عاجز ہو یا اندھا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر جماعت واجب نہیں اور صحیح یہ ہے کہ بارش اور کچھڑ اور بہت سردی اور بہت تاریکی میں بھی جماعت ساقط ہو جاتی ہے یہ تمین میں لکھا ہے اور اندھیری رات میں تیز ہوا سے بھی ساقط ہو جاتی ہے دن میں ہوا عذر نہیں اس طرح اگر پیشاب و پاخانہ یا ان میں سے ایک کی حاجت ہو تو جماعت ساقط ہو جاتی ہے یا اگر یہ خوف ہو کہ اگر نکلے گا تو اس کا قرض خواہ اس کو قید کر لے گا یا کسی سفر کا ارادہ کرتا ہے اور جماعت کھڑی ہو گئی اور اس کو خوف ہے کہ اگر جماعت سے نماز پڑھ لے گا تو قافلہ چھوٹ جائے گا یا کسی بیمار کی خدمت کرتا ہے یا اپنے مال کے جاتے رہنے کا خوف ہے اور اس طرح جب کھانا حاضر ہو اور جماعت کھڑی ہو اور نفس اس کا کھانے کی طرف کوراغب ہو اور ایسے ہی جب غیر وقت عشا میں کھانا حاضر و نفس مشتاق ہو تو سب صورتوں میں جماعت ساقط ہو جاتی ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔

اگر محلہ کی مسجد میں امام اور جماعت کے لوگ معمولی مقرر ہوں اور ان لوگوں نے اس میں جماعت سے نماز پڑھ لی تو اذان کے ساتھ دوسری جماعت اس میں جائز نہیں اور بغیر اذان کے پڑھیں تو بالاجماع مباح ہے اور یہی حکم ہے راستہ کی مسجد کا یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو خود مصنف کی لکھی ہے جمعہ کے سوا اور نمازوں میں ایک آدمی سے جب زیادہ ہو تو جماعت ہے اور اگر چہ اس کے ساتھ ایک سمجھ والا لڑکا ہی ہو یہ سراجیہ میں لکھا ہے۔ لوگوں کو بلا بلا کر نفل کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے اور صدر الشہید کی اصل میں ہے کہا اگر بغیر اذان و اقامت کے کئی گوشوں میں جماعت سے نماز پڑھ لیں تو مکروہ نہیں سمش الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ اگر امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں چار میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اسح یہ ہے کہ مکروہ ہے کذا فی الخلاصہ۔

## دوسری فصل

### اس کے بیان میں جس کو امامت کا حق زیادہ ہے

امامت کے واسطے سب میں زیادہ اولیٰ وہ شخص ہے جو احکام نماز کو زیادہ جانتا ہو یہ مضمورات میں لکھا ہے۔ اور یہی ظاہر ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت پر ہے کہ جب وہ قرأت بھی اس قدر جانتا ہو جس سے قرأت کی سنت ادا ہو جائے یہ تمین میں لکھا ہے اور اس کے دین میں بھی کچھ طعن نہ ہو یہ کفایہ اور نہایہ میں لکھا ہے اور ظاہر گناہوں سے بچتا ہو تو وہی مستحق ہے اگر چہ سوا اس کے کوئی اور زیادہ پرہیزگار ہو یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی زاہدی میں لکھا ہے اگر کوئی شخص نماز کے علم میں کامل ہو لیکن سوائے اس کے اور علوم نہ جانتا ہو وہ اولیٰ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر وہ شخص نماز کے احکام برابر جاننے والے ہوں تو ان میں سے جو شخص زیادہ قاری ہو یعنی علم قرأت زیادہ جانتا ہو وقف کی جگہ وقف کرتا ہو اور وصل کی جگہ وصل اور تشدید کی جگہ تشدید اور تخفیف کی جگہ تخفیف وہ زیادہ مستحق

۱۔ اور کہا گیا کہ قدر فرض۔ ۲۔ اور کہا گیا کہ قدر واجب۔ ۳۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ اولویت کے لیے واجب نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ ع

۴۔ مثلاً امام مسجد معمولی ہے اور کسی کو اس کے اعتقاد میں طعن ہو تو وہ ترک جماعت میں معذور ہے بخلاف اس کے جس کے افعال فوری ہوں ۱۲ ع

ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جو زیادہ پرہیزگار ہو وہ اولیٰ ہے اور جو اس میں بھی برابر ہوں تو جو عمر میں زیادہ ہو وہ اولیٰ ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر سن میں بھی برابر ہوں تو جو خلق میں احسن ہو وہ اولیٰ ہے اور اگر اس میں بھی برابر ہو تو حسب میں زیادہ ہے وہ اولیٰ ہے اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جو زیادہ خوشرو ہے وہ اولیٰ ہے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اور خوشروئی وہ مراد ہے جو رات میں زیادہ نماز پڑھنے سے ہو۔ کذائی الکافی اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو سب سے زیادہ نسبی شرف والا ہو کذا فی فتح القدیر پس جو شخص زیادہ کامل ہوگا وہی افضل ہے اس واسطے کہ مقصود کثرت جماعت ہے اور رغبت لوگوں کی ایسے شخص میں زیادہ ہوتی ہے یہ تمیز میں لکھا ہے اور اگر یہ ساری خصالتیں دو شخصوں میں جمع ہوں تو ان دونوں میں قرعہ ڈالیں یا قوم کے اختیار پر چھوڑ دیں۔ اگر کسی گھر میں جماعت ہو اور مہمان ہوں اور گھر والا ہو تو امامت کے واسطے یہ اولیٰ ہے لیکن اگر ان میں بادشاہ یا قاضی بھی ہو تو اگر گھر والا ان میں سے کسی کو تعظیماً بڑھادے تو افضل ہے اور اگر ان میں سے کوئی خود ہی بڑھ جائے تو جائز ہے اور اگر کسی گھر میں کرایہ دار بھی ہو اور مالک و مہمان بھی ہو تو جماعت کی اجازت دینے کا حق کرایہ دار کو ہے اور اجازت اس سے طلب کریں گے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اس طرح اگر کسی نے مکان مستعار لیا ہو تو مستعار دینے والے سے مستعار لینے والا اولیٰ ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ مسجد میں کوئی ایسا شخص داخل ہو جو امامت کی صفات میں بہ نسبت امام محلہ کے زیادہ کامل ہے تو امام محلہ کا اولیٰ ہے یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ گونگا آدمی اگر گونگوں کا امام ہو تو کل کی نماز جائز ہے۔ اور اگر ایسا شخص کسی امی کا امام ہو یعنی اس کو قرآن نہیں آتا تو بعض مواضع میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک نماز جائز نہیں اور شیخ الاسلام نے کتاب الصلوٰۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ گونگا اور امی اگر نماز پڑھنا چاہیں تو امی امامت کے واسطے اولیٰ ہے اور امی اگر گونگے کی امامت کرے تو بلا خلاف دونوں کی نماز جائز ہوگی یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے

اور منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے کہ صرف جنابت سے تیمم کرنے والا اس شخص سے اولیٰ ہے جس نے حدث سے تیمم کیا ہو یہ شہر الفائق میں لکھا ہے مسجد میں کچھ لوگ اندر کے درجے میں ہیں کچھ باہر اور موذن نے اقامت کہی اور باہر کے لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر باہر والوں کا امام بن گیا اور اندر کے شخصوں میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر اندر والوں کا امام ہو گیا تو جس نے پہلے نماز شروع کر دی اس کے اور اس کے مقتدیوں کے حق میں کراہت نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے دو شخص فقہ اور نیکی میں برابر ہیں مگر ایک ان میں کا قاری زیادہ ہے اور مسجد والوں نے دوسرے کا امام بنا لیا تو برا کیا اور اگر بعضوں نے زیادہ قاری کو پسند کیا اور بعضوں نے اس کے غیر کو تو اعتبار اکثر کا ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر محلہ میں امامت کے لائق ایک ہی شخص ہو تو اس پر امامت لازم نہیں ہے اور وہ امامت کے چھوڑنے میں گنہگار نہ ہوگا یہ قدیہ میں لکھا ہے

## دوسری فصل

### اس شخص کے بیان میں جو امامت کے لائق ہو

مرغینانی نے کہا ہے کہ صاحب ہو اور صاحب بدعت کے پیچھے نماز جائز ہے اور رافضی اور قدری اور جمہی اور مشبہ اور اس شخص کے پیچھے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہے نماز جائز نہیں اور حاصل یہ ہے کہ اگر دین کی خرابی ایسی ہو کہ اس سے کافر نہ ہوتا  
۱۔ درج یعنی پرہیزگاری یہ ہے کہ جن چیزوں میں شرعاً مشبہ ہو اگر چہ ان کا ارتکاب جائز ہو تو ان سے بھی پرہیز کرنے تو عامہ مباحات سے اس کو اجتناب ہوگا اور تقویٰ یہ ہو کہ حرام و مکروہ تحریمی سے بچ جائے ۱۲ع ۲ رافضی سے یہاں وہ فرقہ مراد ہے جس نے صحبت صدیق اکبر سے انکار کیا۔ خطابیہ غالی رافضی حتیٰ کہ انہوں کے لیے جھوٹ بولنا جائز جانتے ہیں البذا ان کی گواہی مردود ہے۔ قدوری جو اپنے آپ کو قادر کہتے ہیں۔ مشبہ جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ کہتے ہیں ہاتھ پاؤں وغیرہ سے ۱۲

ہو تو کراہت کے ساتھ نماز جائز ہے ورنہ جائز نہیں یہ تمیین اور خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اور جو شخص معراج کا منکر ہے تو اگر وہ مکہ سے بیت المقدس تک جانے کا منکر ہے تو کافر ہے اور اگر بیت المقدس سے آگے معراج کا منکر ہے تو کافر نہیں اور اگر مبتدع یا فاسق کے پیچھے نماز پڑھی تو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن اس قدر ثواب نہ ملے گا جو متقی کے پیچھے پڑھتے میں ملتا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر شافعی سے اقتدا کیا تو صحیح ہے اگر امام مقامات خلاف سے بچتا ہو مثلاً سبیلین کے سو اور کسی مقام سے کوئی نجس چیز نکلے جیسے فصد کھلاے تو وضو کر لے اور قبلہ سے بہت نہ پھرتا ہو یہ نہایہ اور کفایہ کے باب الوتر میں لکھا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سورج کے چھپنے کے موقعوں سے پھر گیا تو قبلہ سے بہت پھر گیا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور متعصب نہ ہو اور اپنے ایمان میں شک نہ رکھتا ہو اور ایسے بند پانی جو جو تھوڑا ہو وضو نہ کر لے اور منی لگ جائے تو اپنے کپڑے دھوتا ہو اور خشک منی کو کھرچ ڈالتا ہو اور وتر کو قطع نہ کرتا ہو اور قضا نمازوں میں ترتیب کی رعایت کرتا ہو اور چوتھائی سر کا مسح کرتا ہو یہ نہایہ اور کفایہ کے باب الوتر میں لکھا ہے اور تھوڑے پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس سے وضو نہ کرتا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور مستعمل پانی سے وضو نہ کرتا ہو یہ سراجیہ میں لکھا ہے امام ترمذی نے شیخ الاسلام معروف بہ خواہر زادہ سے نقل کیا ہے کہ اگر شافعی امام سے یہ چیزیں یقینی معلوم نہ ہوں تو اس سے اقتدا کرنا جائز ہے اور مکروہ ہے یہ کفایہ اور نہایہ میں لکھا ہے اگر مقتدی کو امام میں ایسی باتیں معلوم ہوں جن سے امام کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے جیسے عورت یا ذکر کا چھوٹا اور امام کو اس کی خبر نہیں تو اکثر فقہاء کے بموجب نماز اس کی جائز ہوگی اور بعضوں کے نزدیک جائز ہوگی پہلا قول جو اصح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی کی رائے کے بموجب امام کی نماز جائز ہے اور اس کے حق میں اپنی رائے معتبر ہے پس جواز کا قول معتبر ہو یہ تمیین میں لکھا ہے فضلی نے کہا ہے کہ وتر میں حنفی کا اقتدا اس شخص سے صحیح ہے جس کی رائے بموجب مذہب امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے تیمم کرنے والا اگر وضو کرنے والے کی امامت کر لے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز<sup>(۱)</sup> ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ یہ خلاف اس صورت میں ہے جب وضو کرنے والوں کے پاس پانی نہ ہو اور اگر ان کے پاس پانی ہے تو تیمم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت نہ کرے یہ نہایہ میں لکھا ہے جنازہ کی نماز میں وضو کرنے والوں کو تیمم کرنے والے کی اقتدا کرنا بلا خلاف جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے

اگر دو معذروں کا ایک ساعذر ہو تو ایک کو دوسرے سے اقتدا جائز ہے اور اگر مختلف ہوں تو جائز نہیں یہ تمیین میں لکھا ہے پس جس شخص میں ریح پھرنے کا عذر ہو اس کا اقتدا اس شخص سے جائز نہیں جس کو سلس البول کا مرض ہو یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اس طرح جس شخص کو سلس البول کا مرض ہو وہ اس شخص کے پیچھے نماز پڑھے جس کی ریح پھرتی ہو اور ایک زخم ہو جس کا خون نہ بند ہوتا ہو اس لئے کہ امام میں دو عذر ہیں اور مقتدی میں ایک عذر یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے پاک شخص اس کے پیچھے جس کو سلس البول کا مرض ہو نماز نہ پڑھے نہ پاک عورتیں اس عورت کے پیچھے نماز پڑھیں جس کو استحاضہ کی بیماری ہو اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب وضو کرنے میں یا وضو کے بعد حدث ہو جائے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور جائز ہے اقتدا پاؤں دھونے والے کا اس شخص کے پیچھے جو موزہ

نہیں جائز ہے ایسے بدعتی کے پیچھے جو شفاعت کا منکر ہو یا دیدار الہی کا عذاب قبر کا یا کرام الکاتبین کا کیونکہ وہ کافر ہے کیونکہ ایسے امور شارع سے متواتر ہیں اگر کہے کہ رب عزوجل اپنی عظمت و جلال سے نہیں دکھلائی دے گا تو مبتدع ہے ۱۲ ع مراد یہ ہے کہ ایک نماز کا وقت بدون اس حدیث کے نہ گزرے تو وہ معذور ہے پس اس کا وضو اگر چہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طہارت ہے لیکن حکمی تو جس میں نہ ہونے سے وہ ظاہر نہیں کہلاتا پس خلاصہ یہ ہوا کہ ظاہر مرد معذور مرد کے پیچھے نہ پڑھے پس مقتدی بہ نسبت امام کے تندرست ہے، بوجہ اقتدا جائز نہ ہوئی ۱۲ ع لیکن اصح یہ ہے کہ اخیر کی دونوں رکعتوں میں فاتحہ واجب ہے جیسا کہ یعنی سے در مختار نے کہا تو اگر مفترض نے قرأت نہ کی تو نماز واجب الاعداء ہے ۱۲ (۱) اور یہی جمہور فقہاء سلف و خلف کا اور نیز ائمہ ثلاثہ کا قول ہے لیکن امام محمد کے نزدیک نہیں جائز ہے ۱۲ ع

پرمسح کرتا ہے یا جبیرہ پرمسح کرتا ہے فصد کھلانے والے کو اگر خون نکلنے کا خوف نہ ہو تو تندرستوں کا امام ہونا جائز ہے جو شخص جانور پر سوار ہو اس کو اس شخص کا امام بننا جو اس کے ساتھ جانور پر سوار ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنے والے کو اشارہ سے نماز پڑھنے والے کا اور ننگے کونگلوں کا امام بننا جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ ننگے الگ الگ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھیں اور ایک دوسرے سے دور بٹھ جائے اگر جماعت سے نماز پڑھیں تو امام عورتوں کی جماعت کی طرح بیچ میں کھڑا ہو یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور امام اگر بڑھ جائے تو جائز ہے یہ نہایہ میں لکھا ہے۔ جماعت سے ان کی نماز مکروہ ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں اور سراج الوہاب میں لکھا ہے کھڑے ہونے والے کا اقتدار اس شخص کے پیچھے صحیح ہے جو بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو اور رکوع اور سجدہ کرتا ہو رکوع اور سجدہ کرنے والے کا اقتدار اشارہ سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

کبر آدی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی امامت اس طرح کر سکتا ہے جیسے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت کر سکتا ہے یہ ذخیرہ اور خانیہ میں لکھا ہے۔ اور نظم میں ہے کہ اگر اس کے قیام اور رکوع میں فرق ظاہر ہو تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر ظاہر نہ ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اسی کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے امام محمد کا خلاف ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اگر امام کا پاؤں ٹیڑھا ہو اور وہ تھوڑے پاؤں پر کھڑا ہو پورے پاؤں پر کھڑا نہ ہو تو امامت اس کی جائز ہے اور اگر دوسرا شخص امام ہو تو اولیٰ ہے یہ تمیین میں لکھا ہے۔ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر چہ وہ آخر کی دو رکعتوں میں قرأت نہ پڑھتا ہو یہ تارخانیہ میں جامع الجوامع سے نقل کیا ہے اگر ایک نفل پڑھنے والے نے ایک فرض پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا کیا پھر نماز توڑ دی پھر اسی فرض میں اس کے پیچھے اقتدا کیا اور اس نفل کی نماز توڑنے میں جو قضا لازم آئی تھی اس کی نیت کی تو ہمارے نزدیک وہ جائز ہوگی یہ کافی میں لکھا ہے وقت مجنون رہنے والے کے پیچھے اور اس شخص کے پیچھے جو نشہ میں ہو اقتدا صحیح نہیں اور اگر اس کو کبھی جنون ہوتا ہو اور کبھی افاقہ ہوتا ہے تو افاقہ کے زمانہ میں اس کے پیچھے اقتدا صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے فقہ نے کہا کہ ظاہر روایت کے بموجب اس میں فرق نہیں کہ اس کے افاقہ کے وقت معلوم ہو یا نہ ہو پس وہ افاقہ کے زمانہ میں مثل صحیح کے ہے اور یہی قول ہم نے اختیار ہے تا تارخانیہ میں لکھا ہے مقیم کا مسافر کے پیچھے اقتدا کرنا وقت میں ہو یا خارج وقت میں ہو صحیح ہے اس طرح مسافر کا مقیم کے پیچھے اقتدا کرنا وقت میں صحیح ہے نہ خارج وقت میں مقیم نے اگر دو رکعتیں عصر کی پڑھیں پھر سورج چھپ گیا پھر کسی مسافر نے اسی عصر کا اس کے پیچھے اقتدا کیا تو صحیح ہے اور جو شخص دو سنتیں ظہر کی پڑھنا چاہتا ہو اس کو اس شخص کے پیچھے اقتدا کرنا جو چار سنتیں ظہر سے پہلے پڑھتا ہو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ گاؤں والے اور اندھے اور ولد الزنا اور فاسق کی امامت جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے مگر مکروہ ہے یہ متون میں لکھا ہے۔ مرد کی امامت عورت کے واسطے جائز ہے بشرطیکہ امام اس کی امامت کی نیت کر لے اور خلوت نہ ہو اور اگر امام خلوت میں ہے تو اگر ان سب کا یا بعض کا محرم ہے تو جائز ہے اور مکروہ ہے یہ نہایہ میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے۔ عورت کا اقتدا مرد کے پیچھے جمعہ کی نماز میں جائز ہے اور اگر چہ مرد نے اس کی نیت نہ کی ہو اور اس طرح عیدین کی نماز میں جائز ہے اور یہی اسح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ مرد کو عورت کے پیچھے اقتدا جائز نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ عورت کو عورتوں کا کل نمازوں میں خواہ وہ فرض ہو یا نفل امام بننا مکروہ ہے مگر جنازہ کی نماز میں مکروہ نہیں یہ نہایہ میں لکھا ہے اگر عورتیں جماعت سے نماز پڑھیں تو جو عورت امام ہو وہ درمیان میں کھڑی ہو لیکن اس کے درمیان کھڑے ہونے سے بھی کراہت زائل نہیں ہوتی اور اگر امام آگے بڑھ جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔

عورتوں کو علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا افضل ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ خنثی مشکل کو عورتوں کی امامت اگر وہ آگے بڑھ جائے تو جائز ہے۔ اگر وہ درمیان میں کھڑا ہو اور مرد کے حکم میں ہو تو بسبب برابر ہو جانے کے نماز عورتوں کی فاسد ہو جائے گی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ خنثی مشکل کی امامت مردوں کے واسطے اور اس طرح کے خنثی مشکل کے لئے جائز نہیں جو لڑکا قریب بلوغ ہو اس کو اس طرح کے لڑکوں کا امام بننا جائز ہے۔ یہ خلاصہ میں لکھا ہے لڑکوں کے پیچھے تراویح اور مطلق سنتوں میں ائمہ بلوغ کے قول کے بموجب اقتدا جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور مختار یہ ہے کہ کسی نماز میں جائز نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی قول ہے اکثر فقہاء کا اور یہی ظاہر روایت ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے گونگا قاری کے پیچھے اقتدا کرنے پر قادر ہو اور علیحدہ نماز پڑھے تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے امی کو امیوں کا امام بننا جائز ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر امی کو ایک امی اور ایک ایسے شخص کا جو قرآن پڑھ سکتا ہے امام بنا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سب کی نماز فاسد ہوگی اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف قاری کی نماز فاسد ہوگی اور اگر وہ سب جدا جدا نماز پڑھیں تو بعضوں کا قول یہ ہے کہ اس میں بھی خلاف اور بعضوں نے کہا ہے کہ نماز صحیح ہوگی یہی صحیح ہے یہ شرح مجمع البحرین میں لکھا ہے جو اسی کے مصنف کی ہے۔ اور اگر امی امام بنا اور اس نے نماز شروع کر دی پھر قاری آیا تو بعض کا یہ قول ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اور کرنی نے کہا ہے کہ فاسد نہ ہوگی اگر ایک قاری نماز پڑھتا تھا اور امی آیا اور اس کے پیچھے اقتدا نہ کیا اور علیحدہ نماز پڑھ لی تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ نماز اس کی فاسد ہوگی قاری مسجد کے دروازہ پر ہوا مسجد کے پڑوس میں ہو اور امی مسجد میں اکیلا نماز پڑھے تو بلا خلاف امی کی نماز جائز ہے اگر قاری اور نماز پڑھتا ہو اور امی دوسری نماز پڑھنا چاہے تو بالاتفاق امی کو جائز ہے کہ علیحدہ نماز پڑھے اور قاری کے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرے امام ترمذی نے لکھا ہے کہ امی پر واجب ہے کہ رات دن اس بات کی کوشش کرتا رہے کہ اس قدر قرآن سیکھ لے جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے اگر وہ قصور کرے گا تو عند اللہ معذور نہ ہوگا یہ نہایہ میں لکھا ہے قاری کا اقتدا امی اور گونگے کے پیچھے صحیح نہیں اور اس طرح امی کا اقتدا گونگے کے پیچھے اور کپڑا پہننے والے کا اقتدا گونگے کے پیچھے اور مسبوق کا اقتدا اپنی باقی نمازوں میں دوسرے مسبوق کے پیچھے صحیح نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے لاق کا اقتدا لاق کے پیچھے اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے والے کا اقتدا سواری کے پیچھے صحیح نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ ظہر کی نماز پڑھنے والے کا اقتدا عصر کی پڑھنے والے کے پیچھے اور آج کے ظہر پڑھنے والے کا اقتدا اکل کی ظہر پڑھنے والے یا نماز جمعہ پڑھنے والے کے پیچھے اور جمعہ پڑھنے والے کا اقتدا ظہر پڑھنے والے کے پیچھے اور فرض پڑھے والے کا اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے صحیح نہیں اور نذر کی نماز پڑھنے والے کا اقتدا نذر کی نماز پڑھنے کے پیچھے صحیح نہیں لیکن اگر کسی نے دوسرے شخص کی نماز کی نذر کی ہو اور ایک ان میں سے دوسرے کا اقتدا کر لے تو صحیح ہے اور نفل کی نماز توڑ کر پھر اس کے پڑھنے والے کا اقتدا ایک اس طرح کے شخص کے پیچھے جس نے اپنی نفل توڑ دی اور پھر ایک نے دوسرے کا اقتدا کیا تو صحیح ہے۔ اگر دو شخصوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم نماز پڑھیں گے اور پھر ایک نے دوسرے کا اقتدا کیا تو صحیح ہے۔ نذر کی نماز پڑھنے والے کا اقتدا قسم کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے صحیح نہیں قسم کی نماز پڑھنے والے کا اقتدا نذر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔

اگر ننگا کچھ ننگوں اور کچھ کپڑے پہننے والوں کا امام ہو تو امام کی اور ننگوں کی نماز جائز ہوگی اور کپڑے پہننے والوں کی بالاجماع

۱ اور مکروہ ہے عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونا کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے لہذا حضرت عمرؓ نے منع فرمادیا اور جب عورتوں نے حضرت ام المؤمنین صدیقہ سے شکایت کی تو حضرت ام المؤمنین نے فرمایا کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب جیسی تمہاری حالت دیکھتے تو جیسے بنو اسرائیل کی عورتیں ممنوع ہوئیں تو تم بھی منع کی جائیں ۱۲

۲ طواف کے بعد جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں ان کا سب طواف ہے پس طواف ایک مرد کا دوسرے سے جدا ہے تو نماز طواف میں اقتدا بھی جائز نہیں ہے ۱۲



جائز نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص تندرست ہے اور اس کا کپڑا نجس ہے اور وہ دھونے نہیں سکتا اس کا اقتدا ایسے شخص کے پیچھے جس کو ہر وقت حدت ہوتا رہتا ہے صحیح نہیں یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے۔ تو تلامذہ بعض حرفوں کے ادا کرنے پر قادر نہیں اس کی امامت جائز نہیں مگر اپنی طرح کے تو تلوں کا اس وقت امام بن سکتا ہے جب قوم میں کوئی ایسا شخص حاضر نہ ہو جو ان حرفوں کو ادا کر سکے اور اگر قوم میں ایسا شخص موجود ہو تو تلے امام اور ساری قوم کی نماز فاسد ہوگی اور جو شخص بے محل وقف کرتا ہو اور محل وقف میں وقف نہ کرتا ہو اس کو امام بنانا چاہئے اور اس طرح جو شخص قرآن پڑھنے میں بہت کھنکارتا ہو اور جس شخص کو تمتمہ کی عادت ہو یعنی اتنے بغیر چند بار کے کہنے کے اس سے ادا نہ ہوتی ہو یا جس میں فافاہ کے یعنی نے بغیر چند بار کے کہنے کے اس سے ادا نہ ہوتی تو اس کو بھی امام بنانا چاہئے اور جو شخص ایسا ہو کہ بغیر مشقت کے حرفوں کے ادا نہیں کر سکتا لیکن اس کو تمتمہ یا فافاہ نہیں اور جب حرفوں کو نکالتا ہے تو صحیح نکالتا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں یہ محیط میں زلتا بقاری کے بیان میں لکھا ہے قاری نے اگر امی کے پیچھے اقتدا کیا تو اسکی نماز شروع نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر نفل نماز شروع کی اور توڑ دی تو اس کی قضا واجب نہ ہوگی یہی صحیح ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اگر مرد عورت کے پیچھے یا لڑکے کے پیچھے یا بے وضو جب کے پیچھے نفل میں اقتدا کرے اور توڑ دے اور اصل ان مسکوں میں یہ ہے کہ امام کا حال اگر مقتدیوں کے حال کے برابر ہو یا زیادہ ہے تو کل کی نماز جائز ہے اور اگر امام کا حال مقتدیوں کے حال سے کم ہے تو امام کی نماز جائز ہو جائے گی مقتدیوں کی جائز نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے لیکن اگر امام امی ہے اور مقتدی قاری یا امام گونگا ہے اور مقتدی امی تو امام کی نماز بھی جائز نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور فقیہ ابو عبد اللہ نے جرجانی نے کہا ہے کہ اگر امی اور گونگے کو معلوم ہو کہ ان کے پیچھے قاری ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر معلوم نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی جیسے قول ہے صاحبین کا اور ظاہر روایت میں معلوم ہونے اور نہ معلوم ہونے کی حالت میں کچھ فرق نہیں یہ نہایت میں لکھا ہے دو شخصوں نے ساتھ نماز شروع کی اور ہر ایک نے یہ نیت کی کہ میں دوسرے کا امام ہوں تو دونوں کی نماز پوری ہو جائے گی اور اگر ہر ایک نے یہ نیت کی کہ میں دوسرے کا مقتدی ہوں تو دونوں کی نماز نہ ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص امام بنے اور اس کے بدن پر چانداری کی تصویریں بنی ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ وہ تصویریں کپڑوں میں چھپی ہیں اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اگر انگوٹھی پہن کر نماز پڑھی اور اس میں چھوٹی سی تصویر ہے یا ایک ایسا درہم اس کے پاس ہے جس میں تصویریں ہیں تو نماز جائز ہوگی اس واسطے کہ وہ تصویریں چھوٹی ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ ایک شخص امامت کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے محلہ کی مسجد میں امامت نہیں کرتا اور رمضان میں دوسرے محلے کی مسجد میں امامت کے واسطے جاتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے محلہ سے عشا کا وقت داخل ہونے سے پہلے چلا جائے اور اگر عشا کا وقت داخل ہونے کے بعد جائے گا تو اس کے واسطے مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ فاسق اگر جمعہ کی نماز کی امامت کرتا ہو اور قوم اس کے منع کرنے سے عاجز ہے تو بعضوں کا یہ قول ہے کہ جمعہ میں اسی کا اقتدا کریں اور جمعہ اس کی امامت کی وجہ سے نہ چھوڑیں اور جمعہ کی نماز کے علاوہ اور نمازوں میں اگر وہ امام بنتا ہو تو دوسری مسجد میں چلا جانا اور اسکے پیچھے اقتدا نہ کرنا جائز ہے یہ ظہیر میں لکھا ہے۔ اگر ایک شخص امامت کرتا ہو اور جماعت کے لوگ اس سے کارہ ہوں تو اگر ان لوگوں کی کراہت اس وجہ سے ہے کہ اس شخص میں کوئی نقصان ہے یا اور شخصوں میں امامت کا استحقاق اس سے زیادہ ہے تو اس کو امامت کرنا مکروہ ہے اور اگر وہی امامت کا زیادہ مستحق ہے تو مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ اور نماز کو بہت دراز کرنا مکروہ ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور امام کو چاہئے کہ بعد قدر مسنوں کے تطویل نہ کرے اور اہل جماعت کے حال کی رعایت کرے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے ایک مہینہ بھر

تک امامت کی پھر اس نے کہا کہ میں مجوسی تھا تو وہ اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور وہ قول اس کا مقبول نہ ہوگا اور ان کی نماز جائز ہوگی اور اس کو سخت مار ماریں گے اور اس طرح اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے مدت تک بے وضو نماز پڑھائی ہے اور وہ بیباک ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے اور یہ احتمال ہے کہ وہ بطریق تورع اور احتیاط کے کہتا ہے تو نمازوں کا اعادہ کریں اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ وہ کہے کہ میرے کپڑے میں نجاست تھی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں جب یہ ظاہر ہو کہ امام کافر یا مجنوں یا عورت یا خنثی یا امی تھا یا بغیر تحریر کے یا حدث کی حالت میں یا جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی یہ تبیین میں لکھا ہے۔

## رحمونی فصل

### ان چیزوں کے بیان میں جو صحت اقتدا سے مانع ہیں اور جو مانع نہیں

تین چیزیں اقتدا سے مانع ہیں منجملہ ان کے عام سڑک ہے جس پر گاڑیاں اور لدے ہوئے اونٹ گزریں یہ شرع طحاوی میں لکھا ہے اگر امام اور مقتدی کے درمیان میں تنگ راستہ ہو جس میں گاڑیاں اور لدے ہوئے جانور نہ گزرتے ہوں وہ اقتدا سے مانع نہیں اور اگر چوڑا راستہ ہو جس میں گاڑیاں اور لدے ہوئے جانور گزرتے ہوں وہ اقتدا سے مانع ہے یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب صفیں راستہ پر ملی ہوئی نہ ہوں لیکن اگر صفیں ملی ہوئی ہوں تو اقتدا سے مانع نہیں۔ سڑک پر ایک آدمی کے کھڑے ہونے سے صفیں نہیں مل جاتی تین سے بالا اتفاق مل جاتی ہیں دو میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے قول کے بموجب مل جاتی ہیں اور امام محمد کے قول کے موافق نہیں ملتی ہیں یہ محیط میں لکھا ہے اگر امام راستہ میں کھڑا ہو اور راستہ کی لمبائی میں لوگ اس کے پیچھے صفیں باندھیں تو اگر امام اور اس کے پیچھے کی صف میں اس قدر فصل نہیں کہ گاڑی گزر جائے تو نماز جائز ہوگی اور یہ حکم ہے پہلی صف اور دوسری صف کے درمیان میں اس طرح آخر صفوں تک یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جنگل کے میدان میں اس قدر فصل جس میں دو صفیں آجائیں مانع اقتدا ہے اور عید گاہ میں فاصلہ اگرچہ بقدر دو صفوں یا زیادہ کے ہو مانع اقتدا نہیں اور جنازہ گاہ میں مشائخ کا اختلاف ہے نوازل میں اس کو بھی مسجد کے حکم میں بیان کیا ہے خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے بڑی نہر ہے جس پر بغیر کسی تدبیر یعنی پل وغیرہ کے عبور ممکن نہ ہو یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ پس اگر مقتدی اور امام کے درمیان ایک بڑی نہر ہو جس میں کشتیاں اور ڈونگے چلتے ہوں تو اقتدا سے مانع ہے اور اگر چھوٹی ہے جس میں کشتیاں نہیں چلتیں تو مانع اقتدا نہیں یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے کہ جو ہر خلاطی میں لکھا ہے اور یہ حکم ہے اس صورت میں کہ اگر نہر جامع مسجد کے اندر ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر نہر پر پل ہو اور اس پر صفیں ملی ہوں تو جو شخص نہر کے اس پار ہے اس کو اقتدا منع نہیں اور تین آدمیوں کو بالا جماع حکم صف کا ہے ایک کو بالا جماع حکم صف کا نہیں دو میں اختلاف ہے جیسے راستہ کے بیان میں مذکور ہوا اگر امام اور مقتدی کے درمیان میں پانی کا چشمہ یا حوض ہے اور وہ اگر اس قدر ہے کہ ایک طرف نجاست گرنے سے دوسری جانب کو نجس ہوئے تو مانع اقتدا نہیں اور اگر نجس نہیں ہوتا تو مانع اقتدا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے عورتوں کی پوری صف ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اگر پوری صف عورتوں کی امام کے پیچھے ہو اور ان کے پیچھے مردوں کی صفیں ہوں ان سب صفوں کی نماز استحساناً فاسد ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اگر کچھ لوگ مسجد میں سائبان کی چھت پر نماز پڑھتے ہیں اور نیچے ان کے ان سے آگے عورتیں ہیں یا راستہ ہے تو ان کی نماز جائز نہ ہوگی

۱۔ یعنی اگر گواہوں سے یا امام کے اقرار سے معلوم ہوا کہ امام نے بے وضو نماز پڑھی یا کوئی اور مفسد نماز اس سے سرزد ہوا تو مقتدی کو فرض پھر پڑھنے چاہئیں اس لیے کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی ۱۲

پس اگر تین عورتیں ہیں تو ظاہر روایت کے بموجب ہر صف کے تین شخصوں کی نماز آخر صفوں تک فاسد ہوگی اور باقی لوگوں کی نماز جائز ہوگی اور اگر عورتوں کی پوری صف ہو تو سب کی نماز فاسد ہوگی اور اگر جو لوگ سا بنان کے اوپر ہیں ان کے نیچے ان کے مقابل عورتیں ہوں تو جو لوگ اوپر ہیں ان کی نماز جائز ہوگی۔ یہ فتاویٰ قاضی کے مسائل شک میں لکھا ہے فوائد شیخ زاہد ابوالحسن استغنیٰ میں لکھا ہے کہ اگر مسجد میں بالا خانہ ہو اور بالا خانہ پر عورتوں کی صفیں ہوں جنہوں نے امام سے اقتدا کیا ہو اور بالا خانہ کے نیچے مردوں کی صفیں ہوں تو جو لوگ عورتوں سے پیچھے ہوں گے ان کی نماز فاسد نہ ہوگی امام عورتوں اور مردوں کو نماز پڑھاتا ہے اور عورتوں کی صف مردوں کی صف کے برابر ہے تو ایک شخص جو عورتوں اور مردوں کے درمیان میں ہے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور وہ شخص مردوں اور عورتوں کی درمیان میں مثل ستر کے ہو جائے گا اس طرح اگر مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں سترہ بقدر اس لکڑی کے ہو جو اونٹ کے کجاوہ میں آخر پر لگی ہوتی ہے تو مردوں کے واسطے حجاب ہو جائے گی اور کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر درمیان سترہ میں بقدر ایک ہاتھ کے دیوار ہو تو وہ بھی سترہ ہو جائے گی اور اگر اس سے کم ہے تو سترہ نہ ہوگی لیکن اگر عورتیں اس دیوار سے اوپر ہوں اور وہ دیوار بقدر ایک ذراع کے ہو تو سترہ نہ ہوگی اور اگر وہ دیوار بقدر آدم ہوگی تو جو مرد زمین پر ہیں ان کے واسطے سترہ ہوگی اور جو دیوار پر ہیں ان کے واسطے سترہ نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے۔

اگر امام اور مقتدی کے درمیان میں دیوار اس قدر ہو کہ مقتدی اگر امام تک پہنچنے کا قصد کرے تو نہ پہنچے تو اقتدا صحیح نہ ہوگا خواہ امام کا حال اس پر مشتبہ ہو یا نہ ہو یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور اگر دیوار چھوٹی ہو اور مقتدی کو امام تک پہنچنے کی مانع نہ ہو یا بڑی ہو اور اس میں روزن ہو کہ امام تک پہنچ جانے کا مانع نہیں تو اقتدا صحیح ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اگر سوراخ چھوٹا ہو اور امام تک پہنچنے کا مانع ہو لیکن بسبب سنسنے کے یاد رکھنے کے امام کے حال میں شبہ نہیں ہوتا یہی صحیح ہے لیکن اگر دیوار چھوٹی ہو اور امام تک پہنچنے کی مانع ہو لیکن امام کا حال چھپا نہ رہے تو بعضوں نے کہا ہے اقتدا صحیح ہوگا اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر دیوار میں دروازہ بند ہو تو بعضوں نے کہا ہے کہ اقتدا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ وہ امام تک پہنچنے کے لئے مانع ہے اور بعضوں نے کہا ہے صحیح ہے اس لئے کہ دروازہ پہنچنے کے لئے بنایا گیا ہے بس بند ہونے کی حالت میں بھی کھلے ہوئے ہونے کا حکم ہوگا حکم ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ مسجد کے درمیان میں کتنا ہی بڑا فاصلہ ہو مانع اقتدا نہیں یہ وجہ کر دری میں لکھا ہے۔ اگر مسجد کے کنارہ پر اقتدا کیا اور امام محراب میں ہے تو جائز ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اگر کسی کے مکان کی چھت مسجد سے ملی ہوئی ہو تو اس پر اقتدا جائز نہیں اگرچہ امام کا حال مشتبہ ہوتا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور یہی صحیح ہے لیکن اگر مسجد کی دیوار پر سے اقتدا کرے تو صحیح ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر ایسی دیوار پر کھڑا ہو جو اس کے گھر اور مسجد کے درمیان میں ہے اور امام کا حال مشتبہ نہیں ہوتا تو اقتدا صحیح ہے اور اگر ایسے چبوترہ پر کھڑا ہو جو مسجد سے خارج مگر مسجد سے ملا ہوا ہے تو اگر صفیں ملی ہوئی ہیں تو اقتدا جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ مسجد کے پڑوس میں رہنے والا اپنے گھر میں سے مسجد کے امام سے اقتدا کر سکتا ہے اگر اس کے اور مسجد کے درمیان میں کوئی عام راستہ نہ ہو اور اگر راستہ ہو مگر صفوں کی وجہ سے بند ہو گیا تب بھی جائز ہے یہ تاتار خانہ میں حجت سے نقل کیا ہے۔ اگر مسجد کی چھت پر کھڑا ہو اور امام مسجد میں ہو اگر چھت پر دروازہ مسجد کی طرف ہو اور امام کا حال مشتبہ نہ ہو تو اقتدا صحیح ہے اور اگر امام کا حال اس سے مشتبہ ہو تو صحیح نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں

۱۔ اور اگر دو عورتیں ہوں گی تو صرف اول صف کے دو مردوں کی نماز جائز ہوگی جو ان کے پیچھے سیدھ میں ہوں گے اسی طرح ایک عورت سے بھی پیچھے کے

ایک ہی مرد کی نماز فاسد ہوتی ہے نہ آخرت صفوں تک ۱۲

۲۔ طحاوی نے ابوالسعود سے نقل کیا کہ سننا امام کی آواز کو مکبر کی آواز کا یکساں ہے اور دیکھنا عام اس سے کہ امام کو دیکھے یا دوسرے مقتدی کو دیکھے ۱۲

لکھا ہے اور اگر چھت میں دروازہ مسجد کی طرف کونہ ہو اور امام کا حال مشتبہ نہ ہو تو بھی اقتدا صحیح ہے اور اس طرح اگر میز نہ پر کھڑا ہو کر امام مسجد سے اقتدا کی تو بھی جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## یا نحرین فصل

### امام اور مقتدی کے مقام کے بیان میں

اگر امام کے ساتھ ایک شخص ہو یا ایک لڑکا ہو جو نماز کو سمجھتا ہو تو اس کے دہنی طرف کھڑا ہو یہی مختار ہے اور ظاہر روایت کے بموجب امام کے پیچھے نہ کھڑا ہو یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر بائیں طرف کھڑا ہو تب بھی جائز ہے لیکن برائی ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر پیچھے کھڑا ہو تو جائز ہے اور امام محمدؐ نے کراہت کا ذکر صاف نہیں کیا مشائخ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے مکروہ ہے یہی صحیح ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور اگر امام کے ساتھ میں دو مقتدی ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں اور اگر ایک مرد ایک لڑکا ہو تو بھی پیچھے کھڑے ہوں اور اگر ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد دہنی طرف اور عورت پیچھے کھڑی ہو اور اگر امام کے ساتھ دو مرد ایک عورت ہو تو دونوں مرد امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو اور اگر امام کے ساتھ دو مرد ہوں اور امام ان دونوں کے بیچ میں کھڑا ہو تو نماز جائز ہوگی اور اگر دو مرد جنگل میں نماز پڑھتے ہوں ایک مقتدی ہو اور امام کی دہنی طرف کھڑا ہو اور تیسرا شخص آکر مقتدی کو شروع کی تکبیر کہنے سے پہلے اپنی طرف کو کھینچے تو شیخ امام ابو بکر طرخان سے منقول ہے کہ مقتدی کی نماز کسی شخص کے کھینچنے سے فاسد نہ ہوگی قبل تکبیر کے کھینچے یا بعد تکبیر کے یہ محیط میں لکھا ہے۔ فتاویٰ عثمانیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے یہ تارخانیہ میں لکھا ہے۔ اگر دو شخص جنگل میں نماز پڑھتے ہوں اور ایک ان میں سے دوسرے شخص کا امام ہو پھر ایک تیسرا شخص آکر ان کی نماز میں داخل ہو گیا اور امام اپنے موقع سجود سے اس قدر آگے بڑھ گیا جس قدر فاصلہ صف اول اور امام میں ہوتا ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے۔ لڑکے اور خلیفے اور عورتیں اور قریب بلوغ لڑکیاں جمع ہوں تو مرد امام کے قریب کھڑے ہوں اور ان کے پیچھے لڑکے ان کے پیچھے خلیفے ان کے پیچھے عورتیں اور پھر لڑکیاں جمع ہوں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے مگر بوزھی عورت کو فجر اور مغرب اور عشا میں آنا مکروہ نہیں مگر اس زمانہ میں بسبب ظہور فساد کے فتویٰ اس پر ہے کہ کل نمازوں میں آنا مکروہ ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور جماعت والوں کو چاہیے کہ جب نماز کو کھڑے ہوں تو برابر کھڑے ہوں اور درمیان کے فاصلہ بند کر لیں اور موٹڈھے سے برابر کریں اور اگر امام ان کو اس کا حکم کر لے تو مضائقہ نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور امام کو چاہئے کہ وسط صف کے مقابل میں کھڑا ہو اس دہنی اور بائیں کھڑا ہونا بسبب مخالفت سنت برا ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور امام کے مقابلہ میں وہ شخص ہونا چاہئے جو جماعت میں سب سے افضل ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے پہلی صف میں کھڑا ہونا دوسری سے اور دوسری میں کھڑا ہونا تیسری سے افضل ہے اگر پہلی صف میں ایک آدمی کی جگہ خالی ہو اور دوسری میں نہ ہو تو دوسری صف کو چیر کر چلا جائے یہ قیدیہ میں لکھا ہے اور مقتدی کے وسط افضل وہ جگہ ہے جو امام سے قریب ہو اور اگر کئی مقام امام سے قرب میں برابر ہوں تو امام کے دہنی طرف کھڑا ہے یہی احسن ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ عورت کا مرد سے مقابل ہونا مرد کے واسطے مفید صلوٰۃ ہے اور اس کے

۱۔ فقہاء نے کہا کہ صفیں جو ہو سکتی ہیں بارہ ہیں ان کی تفصیل ترتیب حلیہ میں یوں مذکور ہے اول صفت آزاد و بالغ کریں دوم آن و لڑکے سوم غلام بالغ چہارم لڑکے پنجم آزاد بالغ نضی ششم آزاد لڑکے نضی ہفتم غلام بالغ نضی ہشتم غلام لڑکے نضی نهم آزاد عورتیں بالغ دہم آزاد عورتیں نابالغ یازدہم لونڈیاں بالغ دوازدہم لونڈیاں نابالغ لیکن ان سب صفوں کا تصحیح ہونا ضروری نہیں کیونکہ نضی صحت صفاً گویا ضرر کرتے ہیں ۱۲

لئے بہت سے شرطیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ مقابل ہونے والی عورت مشبہات قابل جماع<sup>۱</sup> ہو عمر کا اعتبار نہیں یہی اسح ہے یہ تمبین میں لکھا ہے اگر ایسی لڑکی ہو کہ جس کی طرف رغبت نہ ہوتی ہو اور وہ نماز کو سمجھتی ہو اس کے مقابل ہو جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی یہ کافی میں لکھا اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ نماز ایسی ہو جس میں رکوع سجدہ کرتے ہیں اگرچہ وہ دونوں اشارہ سے ہی نماز پڑھتے ہوں اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ دونوں نماز میں از روئے تحریمہ اور ادا کے شریک ہوں تحریمہ میں شریک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں نے حقیقتاً امام کے تحریمہ پر تحریمہ کیا ہو اور ادا میں شریک ہونے کے معنی یہ ہے کہ جو نماز ادا کریں اس میں ان دونوں کے لئے ایک امام ہو حقیقتاً یا تقدیراً اول سے آخر تک ایک امام کے ساتھ نماز پڑھنے والا امام کے تحریمہ باندھتا ہے اور اس کی ادا کے ساتھ نماز حقیقتاً ادا کرتا ہے اور لاحق تحریمہ امام کے تحریمہ پر حقیقتاً باندھنا ہے اور جو نماز امام کے بعد قضا کرتا ہے اس میں وہ امام کے ادا کے ساتھ تقدیراً ادا کرتا ہے اور مسبوق تحریمہ میں امام کے ساتھ ہوتا ہے اور جو نماز بعد کو پڑھتا ہے اس کی ادا میں جدا ہوتا ہے پس اگر عورت مرد کے ساتھ اس نماز میں مقابل ہو جائے جو امام کے بعد دونوں ادا کرتے ہیں تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ تمبین میں لکھا ہے۔ اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ دونوں ایک مکان میں ہوں یہاں تک کہ اگر مرد چبوترہ پر ہو اور عورت زمین پر اور چبوترہ بقدر قد آدم کے ہو تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ دونوں کے درمیان میں کچھ حائل نہ ہو یہاں تک کہ اگر وہ دونوں ایک مکان میں ہوں زمین پر یا چبوترہ پر مگر ان دونوں کے درمیان میں ستون ہو تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ کافی میں لکھا ہے اور کم سے کم یہ ہے کہ اگر ایک لڑکی اس قدر جیسے اونٹ کے کچا وہ کے آخر میں ہوتی ہے اور انگلی کے برابر موٹی ہو تو اس کے حائل ہونے سے نماز فاسد نہ ہوگی اگر درمیان میں جگہ خالی ہو تو وہ بھی حائل کے قائم مقام ہو جائے گی اور کم سے کم وہ جگہ اتنی ہونی چاہئے کہ جس میں ایک مرد کھڑا ہو سکتا ہو یہ تمبین میں لکھا ہے۔

منجملہ ان کے یہ ہے کہ عورت اس قسم کی ہو کہ جس کی نماز صحیح ہوتی ہے اگر مجنونہ<sup>(۱)</sup> عورت مرد کے برابر ہوگی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ کافی میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ امام نے اس کی یا عورتوں کی امامت کی نیت<sup>۲</sup> کی ہو اور امامت عورتوں کی وقت شروع کے ہوتی ہے نہ بعد اس کے اور عورتوں کی امامت کی نیت صحیح ہونے کے واسطے عورتوں کا حاضر ہونا شرط نہیں اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ پورے رکن میں برابر ہو یہاں تک کہ اگر تکبیر ایک صف میں کہے اور رکوع دوسری صف میں کرے اور سجدہ تیسری صف میں کرے تو ہر صف میں سے جو شخص اس کے داہنے اور بائیں اور پیچھے ہوگا اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ ان دونوں کی نماز پڑھنے کی جہت ایک ہو یہاں تک کہ اگر جہت مختلف ہوگی تو نماز فاسد ہوگی اور اختلاف جہت کا صرف دو صورتوں میں ہوتا ہے یا یہ کہ کعبہ کے اندر دونوں نماز پڑھتے ہوں یا اندھیری رات ہو اور ہر ایک اپنی رائے سے قبلہ کی جہت مختلف مقرر کر لے اور عورت کے برابر ہونے کے مسئلہ میں پنڈلی اور ٹخنہ کا برابر ہونا موافق صحیح قول کے معتبر ہے یہ تمبین میں لکھا ہے اور اس مسئلہ میں عورتوں کا حکم سب عورتوں کو شامل ہے خواہ اجنبیہ ہو خواہ محرمہ ہو خواہ ایسی عورت ہو کہ جس سے جماع درست ہے خواہ ایسی چھوٹی لڑکی ہو جس کی طرف رغبت ہوتی ہے خواہ ایسی بوڑھی عورت ہو جس سے مرد نفرت کرتے ہوں یہ کفایہ میں لکھا ہے ایک عورت تین مردوں کی نماز فاسد کرتی ہے ایک اس شخص کی جو اس کے داہنے ہی ایک اس شخص کی جو اس کے بائیں ہے اور ایک اس شخص کی جو اس کے پیچھے ہے

۱ خواہ زمانہ ماضی میں مشبہات ہو مثلاً بوڑھیا ۱۲ ۲ پس یہ شرط نہیں کہ عورت شروع نماز میں ملے بلکہ اگر مرد ایک یا دو رکعت پڑھ چکا ہو اور اس وقت عورت آ کر شریک ہو تو بقیہ نماز میں اگر محاذات ہوگی تب بھی مفسد ہوگی ۱۲ ۳ شامی نے کہا کہ اکثر فقہاء اس پر ہیں کہ جمعہ اور عیدین میں عورت کی اقتدا کی صحت کے لیے نیت امام شرط نہیں اور یہی قول اسح ہے اور جنازہ میں تو بالاتفاق شرط نہیں ہے ۱۲

(۱) کیونکہ مجنونہ عورت کی نماز منعقد ہی نہیں ہوتی ۱۲

اس سے زیادہ اور لوگوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی یہ تبیین میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ یہ یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے دو عورتیں چار مردوں کی نماز فاسد کرتی ہیں ایک اس کی جو ان دونوں کے داہنے طرف ہے ایک اس کی جو بائیں طرف ہو اور دو شخص جو ان دونوں کے پیچھے ان کے مقابل ہیں اور اگر تین عورتیں ہوں تو ایک اس شخص کی نماز فاسد ہوگی جو ان کے داہنی طرف ہے اور اس کے جو ان کے بائیں طرف ہے اور تین مردان کے پیچھے کے ہر صف میں سے آخر صفوں تک یہی ظاہر جواب ہے یہ تبیین میں لکھا ہے خلیفہ مشکل کے برابر ہو جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی یہ تاتار خانہ کی فصل بیان مقام امام و ماموم میں لکھا ہے۔

## جہنی فصل

### ان چیزوں کے بیان میں کہ جس میں امام کی متابعت (ف) کرتے ہیں اور جن میں نہیں کرتے

اگر مقتدی تشہد میں شریک ہو اور امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا یا امام نے مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا تو مختار یہ ہے کہ مقتدی تشہد کو پورا کرے یہ غیاشیہ میں لکھا ہے اور اگر پورا نہ کرے تو جائز ہے اگر امام نے مقتدی کے تشہد کے فارغ ہونے سے پہلے کلام کر دیا تو مقتدی تشہد کو اس طرح پورا کرے۔ جیسے سلام کی صورت میں پورا کرے اور اگر امام نے مقتدی کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے عمدہ حدث کیا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے امام تشہد سے فارغ ہو کر پہلے قعدہ سے تیسری رکعت کو کھڑا ہوا اور مقتدیوں میں سے کوئی شخص تشہد پڑھنا بھول گیا تھا یہاں تک کہ سب لوگ کھڑے ہو گئے تو جس شخص نے تشہد نہیں پڑھا ہے اس کو چاہئے کہ پھر لوٹے اور تشہد پڑھے پھر امام کے ساتھ ہو جائے اگر چہ اس کو رکعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو یہ کفایہ میں لکھا ہے اگر امام نے سلام پھیر دیا اور مقتدی ابھی دعا سے جو بعد تشہد کی ہوتی ہے فارغ نہیں ہو پایا ابھی مقتدی نے درود نہیں پڑھا تو امام کے ساتھ سلام پھر دے اگر امام نے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھالیا اور مقتدی نے ابھی تین مرتبہ تسبیح پوری نہیں کی تو صحیح یہ ہے کہ امام کی متابعت کرے یہ فتاویٰ قاضی کان میں لکھا ہے اور اگر مقتدی نے امام کے رکوع یا سجدہ سے پہلے سر اٹھالیا تو چاہئے کہ پھر رکوع یا سجدہ میں چلا جائے اور وہ درود رکوع یا دو سجدے نہیں ہونگے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر امام نے سجدہ بہت دیر تک کیا اور مقتدی نے اس گمان سے کہ شاید امام نے دوسرا سجدہ کیا سر اٹھالیا اور پھر دوسرے سجدہ میں چلا گیا تو اگر پہلے سجدہ کی نیت کر کے گیا یا کچھ نیت نے کی یا دوسرے سجدہ اور امام کی متابعت کی نیت کی تو پہلا سجدہ ہوگا اور اگر صرف دوسرے سجدہ کی نیت کی اور اس کے ساتھ کچھ اور نیت نہ کی تو دوسرا سجدہ ہوگا پس اگر امام اس سجدہ میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے تو جائز ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے اگر مقتدی نے اپنا دوسرے سجدہ سے اس وقت اٹھالیا کہ امام نے ابھی پیشانی زمین پر نہیں رکھی تو جائز نہ ہوگا اور اس سجدہ کا اعادہ اس پر واجب ہوگا اور اگر اعادہ نہ کرے گا تو نماز فاسد ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے۔

اگر مقتدی نے سجدہ دیر تک کیا اور امام نے دوسرا سجدہ کر دیا اس وقت مقتدی نے پہلے سجدہ سے سر اٹھالیا اور یہ گمان ہوا کہ امام پہلے ہی سجدہ میں ہے پس دوبارہ سجدہ میں چلا گیا تو اس کا دوسرا سجدہ واقع ہو جائے گا اگر چہ اس نے پہلے ہی سجدہ کی نیت کی ہو اور کی نہ کی ہو کیونکہ وہ نیت اپنے محل میں نہ ہوئی نہ باعتبار اس کے فعل کے نہ باعتبار امام کے فعل کے یہ محیط حسنی میں لکھا ہے پانچ چیزیں (ف) پانچ باتیں ہیں جن میں امام کی متابعت کی جائے اول قنوت پڑھنا دوم قعدہ اولی سوم تکبیر عید چہارم سجدہ تلاوت پنجم سجدہ ہو اور چار چیزوں میں متابعت نہ کی جائے اول زیادہ کرنا تکبیر عید دوم زیادہ کرنا تکبیر چہارم کا سوم زیادہ کرنا کسی رکن کا چہارم کھڑا ہونا امام کا پانچویں رکعت کے لیے ۱۲

ہیں کہ اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی بھی چھوڑ دے اور امام کی متابعت کرے عید کی تکبیریں اور پہلا قعدہ اور تلاوت کا سجدہ اور سہو کا سجدہ اور قنوت اگر قنوت رکوع کا خوف ہو یہ وجیز کروری میں لکھا ہے اور اگر خوف نہ ہو تو قنوت پڑھ لے پھر رکوع کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر عہد ان کو امام ادا کرے تو مقتدی اس میں متابعت نہ کرے اگر امام اپنی نماز میں عہد کوئی سجدہ زیادہ کرے یا عید کی تکبیروں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے زیادتی کرے یا جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں کہے یا پانچویں رکعت کو بھول کر کھڑا ہو جائے یہ وجیز کروری میں لکھا ہے پھر اگر امام پانچویں رکعت میں سجدہ کرنے سے پہلے بیٹھ گیا اور سلام پھیر دیا تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام پھیرے اور اگر امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو مقتدی سلام پھیر دے اور اگر امام نے چوتھی رکعت میں قعدہ نہ کیا اور پانچویں رکعت کو بھول کر کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیا پھر امام نے پانچویں رکعت میں سجدہ کیا تو سب کی نماز فاسد ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور نو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام ان کو چھوڑ دے تو مقتدی ادا کرے تحریمہ کا رفع یدین اور ثنا اگر امام الحمد پڑھتا ہو اور اگر امام سورۃ پڑھتا ہو تو امام محمدؐ کے نزدیک مقتدی شانہ پڑھے امام ابو یوسفؒ کا اس میں خلاف ہے اور امام رکوع یا سجدہ کی تکبیر چھوڑ دے یا تسبیح ان دونوں میں چھوڑ دے یا سمع اللہ من حمدہ کہنا یا تشہد پڑھنا یا سلام یا تکبیرات تشریق چھوڑ دے تو مقتدی ان کو ادا کرے اور اگر سب رکعت میں رکوع اور سجود امام سے پہلے کیا تو ایک رکعت بلا قرأت قضا کرے یہ وجیز کروری میں لکھا ہے اگر مقتدی نے امام سے پہلے سجدہ کیا اور امام اس سجدہ میں مل گیا تو جائز ہے لیکن مقتدی کو ایسا کرنا مکروہ ہے یہ محیط میں صفت صلوٰۃ میں لکھا ہے۔

## ساتویں فصل

### مسبق اور لاحق کے بیان میں

مسبق وہ ہے جس کو پہلی رکعت امام کے ساتھ نہ ملے اور اس کے واسطے بہت سے احکام ہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر وہ ایسی رکعت کی قرأت میں شریک ہو جس میں جہر کرتا ہے تو چنانہ پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ تجنیس میں لکھا ہے اور یہ اصح ہے یہ وجیز کروری میں لکھا ہے برابر ہے کہ قریب ہو یا بعید ہو یا بہرے ہونے کی وجہ سے امام کی آواز نہ سنتا ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جب اپنی باقی نماز قضا کرنے کو کھڑا ہو تو ثنا اور اعوذ بھی پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ اور ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر امام جبر نہ کرتا ہو تو اس وقت ثنا پڑھ لے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر امام کو رکوع یا سجدہ میں پایا تو ولین غور کرے اگر غالب گمان یہ ہو کہ ثنا پڑھ کر رکوع یا سجدہ میں امام کے ساتھ مل جائے گا تو کھڑے ہونے کی حالت میں ثنا پڑھے ورنہ امام کی متابعت کرے اور شانہ پڑھے اور اگر امام کو رکوع یا سجدہ میں نہ پائے گا تو ثنا پڑھے اور اگر امام کو قعدہ میں پائے تو شانہ پڑھے بلکہ شروع کی تکبیر کہے پھر اللہ اکبر کہہ کر بیٹھ جائے یہ بحر الرائق کی صفت صلوٰۃ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اول امام کے ساتھ نماز پڑھے اس کے بعد جو نماز چھوٹ گئی ہو اس کو قضا کرے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر اپنی چھوٹی ہوئی نماز اول پڑھ لی پھر امام کے ساتھ ہوا تو بعضوں نے کہا ہے کہ نماز اس کی فاسد ہوگی یہی اصح ہے اور یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور جامع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ بعض متاخرین کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اظہر قول فساد کا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ مقدار تشہد کے بعد امام کے سلام سے پہلے کھڑا نہ ہو جائے لیکن چند صورتوں میں امام سے پہلے کھڑا ہو جانا جائز ہے اگر مسبوق نے

۱۔ مقتدی تین قسم ہیں مدرک، ولاحق و مسبوق۔ پس مدرک وہ مقتدی ہے جس نے شروع سے آخر تک نماز کو امام کے ساتھ پایا ہو..... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

موزہ پر مسح کیا ہو اور اس کی مدت چلے جانے کا خوف ہو یا معذور ہو اور وقت نماز کے نکل جانے کا خوف ہو یا مسبوق کو جمعہ میں عصر کا وقت داخل واسطے ہو جانے کا خوف ہو یا عیدین کی نماز میں ظہر کا وقت داخل ہو جانے کا خوف ہو یا فجر کی نماز میں سورج نکلنے کا خوف ہو یا اس کو حدت آجانے کا خوف ہو تو جائز ہے کہ امام کے فارغ ہونے یا سجدہ سہو کا انتظار نہ کرے لیکن اگر وقت کے نکلنے سے نماز فاسد ہونے کا خوف نہ ہو تو امام کی متابعت کرے اور اس طرح اگر مسبوق کو یہ خوف ہو کہ اگر امام کے سلام کا انتظار کرے گا تو آدمی اس کے سامنے کو گذرے گا تو امام کے فارغ ہونے سے پہلے اپنی نماز پر ہنسنے کو کھڑا ہو جائے یہ وجہ ضروری میں لکھا ہے اور ان صورتوں کے علاوہ بقدر تشہد کے بیٹھ کر کھڑا ہو گیا تو نماز صحیح ہوگی اور مکروہ تحریمی ہوگی یہ فتح القدیر اور بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر مقدار تشہد سے پہلے اٹھ گیا تو نماز جائز نہ ہوگی اور اگر مسبوق امام کے سلام سے پہلے فارغ ہو گیا اور سلام میں امام کی متابعت کی تو بعضوں نے کہا ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اور بعضوں نے کہا ہے کہ فاسد نہ ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ خلاصہ اور فتح القدیر میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ دونوں سلاموں کے بعد بھی اپنی نماز پڑھنے کے واسطے کھڑا نہ ہو بلکہ امام کے فارغ ہونے کا منتظر رہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

اور اس وقت تک ٹھہرے کہ امام سنتوں کے لئے اگر نماز کے بعد سنتیں ہوں کھڑا ہو یا اگر سنتیں نہ ہوں تو محراب سے پھر جائے یا پانی جگہ سے ہٹ جائے یا اتنا وقت گذر جائے کہ اگر اس پر سجدہ سہو ہوتا تو وہ ادا کر لیتا یہ ترمذی باب صلوٰۃ العید میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ تشہد اخیر میں امام کی متابعت کرے اور جب تشہد پڑھ چکے تو اس کے بعد کی دعائیں نہ پڑھے اس میں یہ اختلاف ہے کہ پھر کیا کرے ابن شجاع سے منقول ہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ بار بار پڑھتا رہے یہی مختار ہے یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مسبوق تشہد کو ایسا آہستہ آہستہ پڑھے کہ امام کے سلام کے قریب فارغ ہو یہ وجہ ضروری اور فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ اور فتح القدیر میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر بھول کر امام کے ساتھ یا امام سے پہلے سلام پھیرے تو اس پر سجدہ سہو نہیں آئے گا اور اگر امام کے بعد سلام پھیرے تو سجدہ سہو آئے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ جو اہر اخلاطی میں لکھا ہے اور اگر امام کے ساتھ سلام یہ جان کر پھیرے کہ اس کو بھی امام کے ساتھ سلام پھیرنا چاہئے تو وہ عمد اسلام ہو پس نماز اس کی فاسد ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیرا پھر اس کو یہ گمان ہو کہ اس سے نماز فاسد ہو گئی اور پھر اس نے تکبیر کہہ کر از سر نو نماز شروع کرنے کی نیت کی تو پچھلی نماز سے خارج ہو گیا لیکن اگر تنہا نماز پڑھنے والے کو شک ہو اور تکبیر کہہ کر از سر نو نماز پڑھنے کی نیت کی تو خارج نہیں ہوتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ مسبوق جو اپنی نماز پڑھتا ہے وہ قرأت کے حق میں اس کی پہلی نماز ہے اور تشہد کے حق میں اس کی آخر نماز ہے یہاں تک کہ اگر ایک رکعت مغرب کی ملی تھی تو دو رکعتوں میں قضا پڑھے اور ان کے درمیان میں قعدہ کرے پس اس کے تین قعدے ہو جائے گے اور ان دونوں میں الحمد اور سورۃ پڑھے اور اگر ان دونوں میں سے ایک میں قرأت چھوڑ دی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر چہ چار رکعتوں کی نماز میں سے ایک رکعت ملی تو اس کو چاہیے کہ ایک رکعت اس طور پر قضا کرے کہ جس میں الحمد اور سورۃ پڑھے پھر تشہد پڑھے پھر ایک رکعت اسی طور پر قضا کرے اور تشہد نہ پڑھے اور تیسری رکعت میں اس کو اختیار اور قرأت افضل ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر امام کے ساتھ دو رکعتیں ملیں تو دو رکعتیں قرأت سے قضا کرے اور اگر ایک میں قرأت چھوڑ دے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے پہلے دو گانہ میں قرأت چھوڑ دی اور دوسرے دو

..... (حاشیہ بر صفحہ گزشتہ) الا حق وہ مقتدی کہ شروع سے امام کی اقتداء کی مگر اس کی کل رکعات یا بعض رکعات امام کے ساتھ سے بعد چھوٹ گئیں۔ مسبوق وہ

مقتدی کہ امام ایک رکعت یا سب رکعات پڑھ چکا اس وقت شریک ہو اور در مختار میں کہا کہ چہارم وہ جو الا حق بھی ہو اور مسبوق بھی ۱۲

۱ بدون عذر کھڑا ہو جانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس کی متابعت میں سلام واجب ہے کھڑے ہو جانے سے وہ چھوٹ جائے گی کذا فی الشامی ۱۲

۲ یعنی فوت شدہ نماز کو قرأت کے حق میں شروع نماز سمجھے اور تشہد کے حق میں امام کے ساتھ پڑھی ہوئی کو بھی ملائے ۱۲



گانہ میں اس کو قضا کرنا ہو اور اس میں مسبوق شریک ہو تو واجب اپنی نماز قضا کرے تو اس میں بھی قرأت پڑھے یہاں تک کہ اگر چھوڑے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ وجہ ضروری میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ مسبوق اپنی نماز پڑھنے میں علیحدہ نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہے مگر چار مسئلوں میں منفرد کے حکم میں نہیں اول یہ کہ نہ اس کو کسی کے ساتھ اقتدا جائز ہے نہ اس کے ساتھ کسی کو اقتدا جائز ہے اگر مسبوق نے مسبوق سے اقتدا کیا تو امام کی نماز فاسد نہ ہوگی مقتدی کی نماز فاسد ہوگی قرأت کرے یا نہ کرے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر دو مسبوقوں میں سے ایک شخص یہ بھول گیا کہ اس کو کس قدر نماز قضا کرنا ہے مگر دوسرے کو دیکھ دیکھ کر قضا کی مگر اس کا اقتدا نہ کیا تو نماز صحیح ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر امام کو سہو کا گمان ہو اور اس نے سجدہ سہو کا کیا اور مسبوق نے متابعت کی پھر معلوم ہوا کہ اس پر سہو نہ تھا تو اس میں دو روایتیں ہیں اشہر روایت یہ ہے کہ مسبوق کی نماز فاسد ہوگی اس لئے کہ اس نے جدا ہوا جانے کے موقع میں اس سے اقتدا کیا فقہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فاسد نہ ہوگی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو فقہا کے قول کے بموجب مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہ مختار ہے ابو حفص کبیر اسی پر فتویٰ دیتے تھے اور اسی کو فقہانے لیا ہے یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اگر امام پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا اور مسبوق نے متابعت کی تو اگر امام چوتھی رکعت میں بیٹھا تھا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر نہیں بیٹھا تھا تو جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے گا تب تک فاسد نہ ہوگی۔

جب پانچویں رکعت کا سجدہ کر لے گا تو کل کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے دوسرا ان میں کا یہ ہے کہ اگر مسبوق نے سرے سے نماز شروع کرنے کی نیت سے تکبیر کہی تو نماز اس کی از سر نو شروع ہو جائے گی اور پچھلی نماز قطع ہو جائے گی مگر منفرد نماز شروع کرنے کی نیت سے تکبیر کہے تو اس کی پچھلی نماز قطع نہیں ہوتی تیسرا ان میں کا یہ ہے کہ اگر مسبوق اپنی نماز قضا کرنے کے واسطے کھڑا ہو اور امام پر دو سجدے سہو کے مسبوق کے داخل ہونے سے پہلے کے تھے پس امام نے سجدہ سہو کا کیا تو مسبوق کو چاہئے کہ جب تک رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو پھر لوٹے اور اس کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جائے اور اگر نہ لوٹا اور سجدہ کر لیا تو اس طرح پڑھتا رہے مگر آخر نماز میں سجدہ سہو کا کر لے مگر منفرد کا یہ حال نہیں اس لئے اس پر دوسرے کے سہو سے سجدہ نہیں آتا چوتھا یہ کہ بالاتفاق یہ حکم ہے کہ مسبوق تشریق کی تکبیریں کہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک منفرد پر تشریق کی تکبیریں واجب نہیں یہ فتح القدر اور بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ سہو میں امام کی متابعت کرے اور سلام میں اور تکبیریں اور لبیک کہنے میں متابعت نہ کرے اگر سلام میں اور لبیک میں متابعت کی نماز فاسد ہوگئی اور اگر تکبیر میں متابعت کی اور وہ اپنے آپ کو مسبوق جانتا ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور خمس الائمہ سرخسی اس طرف مائل ہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے تکبیر سے تکبیر تشریق المراد ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر امام کو سجدہ تلاوت یا آئے اور اس کی قضا کرنے کی طرف کو عود کرے تو اگر مسبوق نے اپنی رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو اس کو چھوڑ دے اور امام کی متابعت کرے اور اس کے ساتھ سہو کا سجدہ کرے پھر اپنی نماز قضا کرنے کے واسطے کھڑا ہو اور اگر وہ مقتدی نہ لوٹا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر اپنی نماز میں رکعت کا سجدہ کر لینے کے بعد امام کی متابعت کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس میں یہی ایک روایت ہے اور اگر متابعت نہ کی تب بھی اصل کی روایت ہے بموجب فاسد ہو جائے گی یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور یہی بدائع اور تارخانیہ میں طحاوی اور مضمرات اور شرح مبسوط سرخسی اور سراج الوہاب اور خلاصہ سے نقل کیا گیا ہے اور اگر امام

۱ اور اس طرح نماز فاسد ہوگی سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو میں اگر مسبوق متابعت کرے گا اس لیے کہ ایک رکعت کو پورا کرنے سے حالت انفراد مستحکم ہو چکی اب وہ متروک نہیں ہو سکتی اور متابعت سے اس کا ترک لازم آتا ہے کذا فی الشامی پس اگر متابعت نہ کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۲ یعنی عرف کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک ہر فرض باجماعت کے بعد جو تکبیر واجب ہے مسبوق بھی اس کو کہے ۱۲

نے سجدہ تلاوت کی طرف کو عود نہ کیا تو مسبوق کی نماز سب حالتوں میں پوری ہو جائے گی اور جس قدر اس کے ذمہ ہے وہی ادا کرے گا یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے اگر امام کو نماز کا سجدہ یاد آیا اور پھر اس سجدہ کی طرف کو عود کیا تو مسبوق اس کی متابعت کرے اور اگر متابعت نہ کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اس صورت میں مسبوق نے اپنی نماز کی رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو سب روایتوں کے بموجب اس کی نماز فاسد ہوگی خواہ عود کرے یا نہ کرے اور اصل اس میں یہ ہے کہ اگر وہ جدا ہونے کے موقع میں اقتدا کرے یا اقتدا کے موقع میں جدا ہو جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے لاحق وہ ہے کہ اول کی نماز اس کو امام کے ساتھ ملے اور باقی نماز فوت ہو جائے خواہ نیند کی وجہ سے یا حدث ہو جائے یا ازدحام کی وجہ سے کھڑا رہے اور صلوٰۃ خوف کا پہلا گروہ بھی لاحق ہے لاحق گویا امام کے پیچھے ہے قرأت نہ کرے گا اور سہو کا سجدہ نہ کریگا یہ وجہ ضروری میں لکھا ہے اگر امام سہو کا سجدہ کرے تو لاحق اپنی باقی نماز کے ادا کرنے سے پہلے اس کی متابعت نہ کرے مسبوق کا حکم اس کے برخلاف ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے لاحق جب بعد وضو کے عود کرے تو اس کو چاہئے کہ اول اس نماز کے قضا کرنے میں مشغول ہو جو امام سے پہلے پڑھ چکا بقدر قیام امام کے بغیر قرأت کھڑا رہے اور رکوع کرے اور سجدہ کرے۔ اور اگر امام سے کم یا زیادہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے کسی شخص نے امام کے ساتھ تکبیر کہی پھر سو گیا یہاں تک کہ امام نے ایک رکعت پڑھ لی تب وہ شخص ہوشیار ہوا تو اگرچہ امام دوسری رکعت میں ہوگا مگر اس شخص کو پہلی رکعت پڑھنی چاہیے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر پہلی رکعت کی قضا میں مشغول نہ ہو اور اول امام کی متابعت کی اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی باقی نماز قضا کی تو ہمارے نزدیک اس کی نماز جائز ہو جائے گی یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے لاحق مسافر تھا اور جو نماز امام کے ساتھ چھوٹ گئی تھی اس کو قضا کرتا تھا اسی حالت میں اس نے اقامت کی نیت کر لی یا مسافر کو حدث ہوا اور اپنے شہر میں داخل ہو گیا تو سفر کی نماز پوری کرے گا امام زفر کا اس میں خلاف ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ اس عرصہ میں امام اپنی نماز سے فارغ ہو چکے اور اگر امام ابھی فارغ نہیں ہوا تو بالاتفاق چار رکعتیں پڑھے گا یہ مصنفی میں لکھا ہے امام نے اگر چار رکعتوں کی نماز میں پہلا قعدہ بھول کر چھوڑ دیا اور پیچھے اس کے لاحق تھا مثلاً تھوڑی دیر سو کر پھر ہوشیار ہوا یا اس کو حدث ہو گیا تھا اور وضو کے لئے چلا گیا پھر آیا اس عرصہ میں امام نے کئی رکعتیں پڑھ لیں تو جو قعدہ امام سے چھوٹ گیا تھا ہمارے نزدیک اس میں وہ بھی نہ بیٹھے امام زفر کے نزدیک بیٹھنے مسبوق کا حکم اس کے برخلاف ہے یہ حصر میں لکھا ہے۔

مسبوق کا حکم اپنی نماز کے قضا کرنے میں چھ چیزوں میں لاحق کے مخالف ہے عورت کے برابر ہو جانے میں اور قرأت میں اور سہو میں اور قعدہ میں اولیٰ میں اگر امام چھوڑ دے اور سلام کی جگہ امام کے ہنس دینے میں اور اس بات میں کہ امام مسافر ہو اور اقامت کی نیت کر لے اور مسبوق اپنی نماز میں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے مسبوق دوسری رکعت میں شریک ہوا پھر گیا اور تین رکعتیں میں برابر سوتا رہا پھر ہوشیار ہوا تو اول وہ نماز قضا کرے جس میں سو گیا تھا اور اس میں قرأت نہ کرے اور امام کی متابعت کے لئے قعدہ میں بیٹھے پھر کھڑا ہو اور ایک رکعت قرأت سے پڑھے پھر بیٹھے اور نماز تمام کرے اور اگر درگردد رکعتوں میں سو گیا تھا اور ایک رکعت میں اس کو شک ہو گیا کہ امام کے ساتھ ملی تھی یا نہیں تو جس رکعت میں شک ہے اس کو آخر نماز میں قضا کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اس کے متصل مسائل یہ ہیں کہ امام اور جماعت کے لوگوں میں مخالفت ہو اگر امام میں اور جماعت والوں میں مخالفت ہوئی جماعت والوں نے کہا تو نے تین رکعتیں پڑھیں امام نے کہا میں نے چار رکعتیں پڑھیں اگر امام کو اپنے قول کا یقین ہو تو ان کے قول سے نماز کا اعادہ نہ کرے اور یقین نہ ہو تو اعادہ کرے اور اگر قوم میں باہم اختلاف ہو بعض کہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں اور بعض کہیں چار اور امام ایک فریق کے ساتھ ہو تو امام کا قول لیا جائے گا اگرچہ اس کے ساتھ ایک ہی شخص ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر امام کے ساتھ ایک

شخص بھی نہ ہو اور امام نماز کا اعادہ کرے اور اس کے پیچھے ساری جماعت اقتدا کرے تو ان کا اقتدا صحیح ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر جماعت سے ایک شخص کو یقین ہو کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں اور ایک شخص کو یقین ہو کہ چار رکعتیں پڑھی ہیں اور امام اور قوم شک میں ہو تو امام اور قوم پر کچھ واجب نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور امام پر اعادہ بھی مستحب نہیں اور اگر نقصان کا یقین ہو تو اعادہ ضرور ہے اگر امام کو یقین ہے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں اور ایک شخص کو یقین ہو کہ پوری نماز پڑھ لی تو امام کو چاہئے کہ قوم کے ساتھ نماز کا اعادہ کرے اور جس شخص کو نماز پوری ہو ہوئے کا یقین ہے اس پر اعادہ واجب نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اگر قوم میں سے ایک شخص کو نقصان کا یقین ہو اور سوائے اسکے باقی قوم کو اور امام کو شک ہو تو اگر ابھی وقت نماز کا باقی ہے تو احتیاطاً نماز کا اعادہ کریں اور اگر اعادہ نہ کریں تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر دو شخص عادل نماز کے نقصان کا یقین کریں اور اسکی خبر دیں تو اعادہ لازم ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے ایک امام جماعت سے نماز پڑھا کر چلا گیا پھر اختلاف ہوا بعضوں نے کہا ظہری نماز تھی اور بعضوں نے کہا کہ عصر کی تھی پس اگر ظہر کا وقت ہے تو وہ نماز ظہر کی ہوگی اور اگر عصر کا وقت ہے تو عصر کی اور اگر وقت میں بھی شک ہے تو دونوں فریقوں کی نماز جائز ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔

## چہناب

### نماز میں حدث ہو جانے کے بیان میں

نماز میں جس شخص کو حدث ہو جائے وہ وضو کر کے اسی پر بنا کرے یہ کنز میں لکھا ہے عورت اور مرد نماز کے بنا کرنے کے حکم میں برابر ہیں یہ محیط میں لکھا ہے جس رکن میں حدث ہوا ہے اس کا اعتبار نہیں اس کا پھر اعادہ کرے یہ ہدایہ اور کافی میں لکھا ہے از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے یہ متون میں لکھا ہے بعض مشائخ کے نزدیک سب کے واسطے یہی حکم ہے اور بعضوں نے کہا ہے قطعاً یہ حکم منفرد کے لئے ہے اور امام اور مقتدی کے حق میں یہ حکم ہے کہ اگر دوسری جماعت ان کو مل جائے تو از سر نو نماز پڑھنا ان کو بھی افضل ہے اور اگر دوسری جماعت نہ ملے گی تو اسی نماز پر بنا کرنا افضل ہے تاکہ فضیلت جماعت باقی رہے فتاویٰ میں اسی کو صحیح کہا ہے یہ جو ہرۃ العیرہ میں لکھا ہے بنا کے جائز ہونے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ حدث وضو کا واجب کرنے والا ہو اور ایسا نہ ہو جو کبھی اتفاقاً ہوتا ہے اور وہ حدث سماوی ہو یعنی بندہ<sup>(۱)</sup> کا اس میں یا اس کے سبب میں کچھ اختیار نہ ہو یہ بحر الرائق میں لکھا ہے پس اگر نماز میں پیشاب یا پاؤں یا رخ یا نکیسیر کا عہد حدث کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس پر بنا نہ کرے گا اور عہد انہیں کیا پس اگر حدث غسل کا واجب کرنے والا ہے تب بھی یہی حکم ہے اور اگر حدث وضو کا واجب کرنے والا ہے تو اگر آدمی کے فعل سے ہے تب بھی یہی حکم ہے امام ابو یوسف کا اس میں خلاف ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر اس کو منہ بھر کر بغیر قصد کے قے آگئی تو جب تک کلام نہیں کیا ہے وضو کر کے بنا کر سکتا ہے اور اگر عہد آتے کی تو بنا نہیں کر سکتا یہ محیط میں لکھا اگر مصلیٰ کو بغیر اس کے فعل کے حدث ہو مثلاً اس کے کوئی گولی لگ گئی یا کسی آدمی نے پتھر یا ڈھیلا مارا اور سر پھٹ گیا یا کسی آدمی نے اسکے زخم کو چھوا اور اس میں سے خون نکلنے لگا تو امام ابو حنیفہ

۱۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک ہی نماز ہے اور دونوں کا جواز ظاہراً متعلق بحکم ہے مثلاً دو شخصوں میں ایک نے اسی نماز کی نسبت ظہر کی قسم کھائی تھی اور دوسرے نے عصر کی اور مغرب کے وقت اختلاف ہو تو مشتبہ وقت کی صورت میں دونوں کی قسم سچی ہو جانے کا حکم ہوگا۔ رہا ازراہ دیانت تو ظاہر یہ کہ اعادہ کریں فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۲ ۲ یعنی جس مقام تک نماز ہو چکی تھی اسی پر باقی کو جہنی کر کے تمام کرے یعنی اگر تو ایسا کرنا جائز ہے

۳ یعنی اگر شاذ نادر الوقوع ہو جیسے توندی سے پانی جاری ہونا تو اس میں از سر نو پڑھے ۱۲ (۱) اہل مسئلہ میں اختلاف ہے ابو یوسف کے نزدیک بندہ سے مراد نماز ہی ہے تو جس فعل میں نمازی کا اختیار نہ ہوگا ان کے نزدیک وہ آسمانی ہوگا اور طرفین کے نزدیک جو فعل ایسا ہو کہ کسی بندہ کے اختیار میں نہ ہو وہ آسمانی ہوگا۔

اور امام محمدؒ کے نقول کے بموجب بنا جائز نہ ہوگی یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اگر چھت میں سے ڈھیلا یا تختہ گر اور اس کا سر پھٹ گیا تو اگر کسی کے گزرنے کے سبب سے وہ گرا تھا تو از سر نو نماز پڑھے گا امام ابو یوسف کا اس میں خلاف ہے اور اگر کسی کے گزرنے کی وجہ سے نہیں گرا تھا تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ وہ خلاف بنا کرے گا اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے اور یہی صحیح ہے اس طرح اگر کسی درخت کے نیچے تھا اور اس میں سے کوئی پھل گرا اور اس سے زخم ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے اگر اس کے پاؤں میں کانٹا لگ گیا یا سجدہ کرنے میں پیشانی میں کانٹا لگ گیا اور بغیر اس کے قصد کے اس میں سے خون نکلنے لگا تو اس پر بنا نہ کرے گا اور یہی حکم اس صورت میں کہ ٹھہرنے اس کے ذنک مارا اور اس سے خون نکلنے لگا اور اگر چھینکا اور اس میں حدث ہو گیا یا کھنکارا اور اس کی قوت سے ریح نکل گئی تو بعضوں نے کہا ہے بنا نہ کرے گا یہی صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر عورت کی گدی بغیر اس کے فعل کے گری اور وہ تر تھی تو سب کے قول کے بموجب وہ بنا کرے گی اور اگر اس کی ہلانے سے گری تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ بنا کرے گی اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ بنا نہ کرے گی یہ تبیین میں لکھا ہے اگر کسی ذیل میں سے خون بہا تو اس کے دھوئے اور وضو کرے اور بنا کرے اور اگر ذیل کو دبانے سے خون بہے یا اس کے گھٹنوں میں ذیل تھا اور سجدہ میں جب اس نے گھٹنے ٹیکے اس میں زخم کا منہ کھل گیا تو یہ عدا حدث کرنے کے حکم میں ہے اور ان صورتوں میں اپنی نماز پر بنا نہیں کر سکتا یہ محیط میں لکھا ہے اگر نماز میں بہوش ہو گیا یا جنون ہو گیا یا قہقہہ مارا تو وضو کرے اور از سر نو نماز پڑھے اس طرح اگر نماز سو گیا اور احتلام ہو گیا تو بنا نہ کرے اور اگر کسی عورت کی فرج کو دیکھا اور انزال ہو گیا تو بنا نہ کرے اگر نمازی کے کپڑے پر پیشاب کی چھنٹیں قدر درہم سے زیادہ پڑ گئیں اور ان کو جا کر دھویا تو ظاہر روایت کے بموجب اس پر بنا نہ کرے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ حدث کے ساتھ ہی نماز سے پھر جائے یہاں تک کہ اگر ایک رکن حدث کی حالت میں ادا کیا یا اس جگہ اس قدر ٹھہرا کہ ایک رکن ادا کر لیتا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر جانے میں قرأت پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور آتے میں پڑ جائے گا تو فاسد نہ ہوگی بعضوں نے کہا ہے حکم برعکس ہے اور صحیح یہ ہے کہ دونوں میں فاسد ہوتی رہے اور تسبیح اور تہلیل اصح قول کے بموجب بنا کو منع نہیں کرتی ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر امام کو رکوع میں حدث ہوا اور اس نے سراٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہا یا سجدہ میں حدث ہوا اور سراٹھا کر اللہ اکبر کہا اور کہنے میں نماز کے رکن ادا کرنے کا ارادہ کیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ادائے رکن کا ارادہ نہیں کیا تو اس میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں یہ کافی میں لکھا ہے امام کو سجدہ میں حدث ہوا اور اس نے اللہ اکبر کہتے ہوئے سراٹھایا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بلا تکبیر کے سراٹھایا تو نماز فاسد نہ ہوگی پھر دوسرے کو خلیفہ کر دے یہ وجہ ضروری میں لکھا ہے اور اگر سوتے میں حدث ہوا پھر تھوڑی دیر کے بعد ہوشیار ہوا تو اس وقت بنا کرے اور اگر تھوڑی دیر بیداری میں توقف کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ بعد حدث کے کوئی ایسا فعل نہ کرے کہ اگر حدث نہ ہوتا تو منافی صلوٰۃ کے ہوتا صرف وہی افعال کرے جو اس وقت ضروری یا ضروری امور کے ضروریات میں سے ہیں یا اس کے توابع اور تتمات میں سے ہیں یہاں تک کہ اگر کسی کو حدث ہوا پھر اس نے کلام کیا یا عمدہ حدث کیا یا قہقہہ لگایا یا کھایا یا پیمثل اس کے کوئی اور کام کیا تو بنا جائز نہ ہوگی اور یہ حکم ہے اس صورت میں کہ اگر مجنون ہو گیا یا بہوش ہو گیا یا جنابت ہو گئی یہ بدائع میں لکھا ہے یا کسی عورت کی فرج کی طرف کو دیکھا اور انزال ہو گیا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور کسی برتن سے یا کنوئیں سے پانی لیا اور اس کی حاجت ہے پھر وضو کیا تو بنا جائز ہے اور اگر استنجا کیا پس اگر ستر کھولا تو بنا باطل ہو گئی یہ بدائع میں لکھا ہے۔

۱۔ یعنی سبحان اللہ پڑھنے اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے بناء کا جواز اصح قول پر باقی رہتا ہے ۱۲

۲۔ یوں ہی اگر رتی لانے کی ضرورت ہوئی لیکن مضمرات میں کہا کہ صحیح یہ کنوئیں سے پانی بھرنے میں بنا کرے اور خلاصہ میں کہ یہی مختار ہے ۱۲

مصلیٰ کو حدث ہو اور وضو کرنے کے لئے گیا اور اس کا ستر وضو میں کھل گیا یا اس نے خود کھولا تو قاضی ابوعلیٰ لٹمی نے کہا ہے کہ بغیر اس کے چارہ نہ تھا تو نماز اس کی فاسد نہ ہوگی یہ نہا یہ میں لکھا ہے اگر عورت وضو کے واسطے اپنی باہیں کھولے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی یہی صحیح ہے جب وضو کرے تو تین تین بار اعضا کو دھوئے اور پورے سر پر مسح کرے اور کھلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور تمام سنتیں وضو کی ادائیگی کرے یہی اسح ہے یہ تمین میں لکھا ہے لیکن اگر اس نے چار چار بار دھویا تو از سر نو نماز پڑھے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اگر حدث ہو اور پانی دور ہے اور کنواں قریب ہے تو پانی تک جانے اور کنویں سے پانی نکالنے میں جس میں مشقت کم ہو اسی کو اختیار کرے اور صحیح یہ ہے کہ اگر کنویں سے پانی نکالے تو از سر نو نماز پڑھے یہ مضمرات میں لکھا ہے یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے نماز پڑھتے میں حدث ہو اور اس کے گھر میں پانی ہے اور اس سے وضو نہ کیا اور حوض کا قصد کیا اور گھر اس کا بہ نسبت حوض کے قریب تھا تو اگر حوض اور گھر میں دو صفوں سے کم فاصلہ تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر اس سے زیادہ تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اگر اس کے گھر پانی تھا اور عادت اس کی حوض سے وضو کرنے کی تھی اور گھر کے پانی کو بھول گیا اور حوض پر جا کر وضو کیا تو اپنی نماز پر بنا کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر حوض پر وضو کو جگہ مل گئی پھر وہاں سے دوسری جگہ کو ہٹ گیا تو اگر کسی عذر سے ہٹا مثلاً وہ پہلا مکان تنگ تھا تو بنا کر سکتا ہے نہیں تو بنا نہیں کر سکتا یہ وجہ کروری میں لکھا ہے اگر وضو کیا اور اس کو یاد آیا کہ میں نے سر پر مسح نہیں کیا اور جا کر مسح کر آیا تو بنا جائز ہے اور اگر یاد نہ آیا یہاں تک کہ نماز کو کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا تو از سر نو نماز کو پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر اپنا کپڑا بھول گیا تھا اور لوٹ کر کپڑا اٹھایا تو از سر نو نماز پڑھے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے مصلیٰ کو حدث ہو اور مسجد کے اندر برتن میں پانی تھا اس سے وضو کیا اور پھر اپنی نماز کی جگہ تک برتن اٹھا کر لے گیا اگر ایک ہاتھ سے اٹھایا ہے تو بنا جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے مصلیٰ کو حدث ہو اور وضو کرنے کے لئے اپنے گھر کو گیا اور دروازہ بند تھا اس کو کھولا پھر وضو کیا پس جب نکلے تو اگر چور کا خوف ہے تو دروازہ بند کر دے۔ ورنہ بند نہ کرے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اگر برتن کو پانی سے بھر کر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا تو بنا نہ کرے اور اگر ایک ہاتھ سے اٹھایا تو بنا جائز ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر کوئی ایسی نجاست لگ گئی جس سے نماز جائز نہیں اس کو دھویا اگر وہ نجاست اسی حدث کی وجہ سے لگی تھی تو بنا کر سکتا ہے اور اگر کسی اور وجہ سے لگی تھی تو بنا نہیں کر سکتا امام ابو یوسفؒ کا اس میں خلاف ہے۔

اگر کچھ نجاست کسی اور وجہ اور کچھ حدث کی وجہ سے لگی تھی تو بنا نہیں کر سکتا اگرچہ دونوں نجاستیں ایک ہی جگہ ہوں یہ تمین میں لکھا ہے اگر اس کے کپڑے پر نجاست لگ گئی اور اس کپڑے کا نکالنا ممکن ہے اور دوسرا کپڑا ملے گیا اور اس وقت اس کپڑے کو نکال دیا تو جائز ہے اور اگر اس کپڑے کو نکالنا ممکن نہیں مثلاً دوسرا کپڑا موجود نہیں ہو اگر اسی کپڑے سے نماز کا کوئی جزو ادا کیا تو بالاجماع نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس سے نماز کا کوئی جزو ادا نہیں کیا لیکن کچھ دیر ٹھہرا تو اگرچہ بہت دیر ٹھہرا ہو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر اس وقت اس کپڑے کا نکال دینا ممکن ہے مثلاً دوسرا کپڑا مل گیا مگر اس نے اس کپڑے کو نہ نکالا اور اس سے نماز کا کوئی جزو بھی ادا نہیں کیا تو اس میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اگر مصلیٰ کو حدث ہو گیا اور وضو کرنے کے لئے گیا پھر عمد اور حدث کر دیا تو بنا اس کے واسطے جائز نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس حدث سماوی کے بعد کوئی پہلا اور حدث ظاہر نہ ہو تو بنا جائز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر کوئی شخص موزوں پر مسح کر کے نماز پڑھتا تھا اور اس کو حدث ہو گیا اور وضو کے لئے گیا اور وضو کے درمیان میں مدت مسح کی تمام ہو گئی تو از سر نو نماز پڑھے یہی صحیح ہے جیسے کوئی تیمم سے نماز پڑھتا تھا اور حدث ہو گیا اور پھر تیمم کے واسطے گیا اور پانی مل گیا تو بنا نہ کرے اور یہی حکم ہے مستحاضہ عورت کا جب اس کو نماز میں حدث ہو جائے اور وہ اس کو رفع کرنے کے واسطے جائے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اس طرح جبیرہ پر مسح کرنے والے کا اگر اس وقت زخم اچھا ہو جائے یا کسی کا زخم بہتا تھا اور وقت نماز کا نکل گیا تو بنا جائز نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر مقتدی ہے اور امام ابھی نماز سے فارغ نہیں ہو اور امام اور اس کے درمیان میں کوئی ایسا حائل ہے کہ اس

کو اپنے وضو کی جگہ سے اقتدا جائز نہیں تو اس کے پاس پھر آئے اور امام اگر فارغ ہو چکا تو عود نہ کرے اور اگر عود کیا تو اس کی نماز کے فاسد ہو ہونے میں اختلاف ہے اور اگر وہ اپنی جگہ سے اقتدا کر سکتا ہے اور کوئی مانع اقتدا کا نہیں تو اسی جگہ سے اقتدا کر لے امام کے پاس نہ آئے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر علیحدہ نماز پڑھنا تھا وضو کے بعد اس کو اختیار ہے کہ وہیں تمام کر لے یا اپنے مصلیٰ پر جائے مصلیٰ پر جانا افضل ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر امام کو حدث ہوا تھا اور وہ کسی دوسرے کو امام کر کے وضو کو گیا تھا اگر وہ امام نماز سے فارغ ہو چکا تو پہلا امام منفرد کے حکم میں ہے۔ چاہے وہیں نماز پڑھے چاہے مصلیٰ پر آئے اور اگر ابھی فارغ نہیں ہوا تو امام جماعت میں آئے اور اپنے خلیفہ کے پیچھے نماز تمام کرے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر صاحب ترتیب کو یہ حدث سماوی ہوئے تو اس کو بعد حدث کے اپنی کسی نماز کا فوت ہو جانا یاد آ جائے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر امام کو حدث ہوا ہے تو کسی ایسے کو خلیفہ نہ کرے جو امامت کے لائق نہ ہو پس اگر کسی عورت کو خلیفہ کر دیا تو از سر نو نماز پڑھے۔ یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

## فصل

### خلیفہ کرنے کے بیان میں

جن صورتوں میں نماز کا بنا کرنا جائز ہے ان میں امام کو چاہئے کہ کسی کو بھی خلیفہ کرے اور جن صورتوں میں بنا جائز نہیں ان صورتوں میں خلیفہ نہیں کر سکتا اور جس امام کو حدث ہوا ہے جو شخص ابتدا سے اس امام بننے کی صلاحیت رکھتا تھا وہ اس کا خلیفہ بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اور جو شخص ابتدا سے اس کا امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا وہ اس کا خلیفہ بننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا یہ محیط میں ہے اور خلیفہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ جھکا ہوا پیچھے کو بٹے اور ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ اوروں کو یہ وہم ہو کہ نکسیر پھوٹی اور پہلی صف میں سے اشارہ سے کسی کو خلیفہ کر دے کلام (۱) سے نہ کرے جنگل میں جب تک صفوں سے باہر نہیں ہوا اور مسجد میں جب تک کہ مسجد سے باہر نہیں نکلا خلیفہ کرنے کا اختیار ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر امام کو حدث ہوا اور اس نے کسی شخص کو خلیفہ کیا جو مسجد سے خارج تھا مگر وہاں تک صفیں مسجد کی صفوں سے ملی ہوئی تھیں تو اس کا خلیفہ کرنا صحیح نہ ہوگا اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک قوم کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز فاسد ہونے میں دو روایتیں ہیں اصح یہ ہے کہ فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اولیٰ یہ ہے کہ امام مسبوق کو خلیفہ نہ کرے اور اگر امام نے مسبوق کو خلیفہ کیا تو اس کو چاہئے کہ وہ قبول نہ کرے اور اگر وہ قبول کرے تو جائز ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر مسبوق بڑھ گیا تو اس کو چاہئے کہ جہاں سے امام نے چھوڑا ہے وہاں سے نماز شروع کرے اور جب سلام کے قریب پہنچے تو کسی ایسے شخص کو بڑھادے جس کو پوری نماز ملی ہو وہ جماعت کے ساتھ سلام پھیرے اگر مسبوق خلیفہ نے امام کی نماز تمام ہونے وقت کے قہقہہ لگایا یا عمداً حدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے خارج ہوا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور قوم کی نماز پوری ہے اور پہلا امام اگر نماز سے فارغ ہو چکا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر فارغ نہیں ہوا تو فاسد ہو جائے گی یہی اصح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر امام سے رکوع چھوٹ گیا ہے تو خلیفہ کو اس طرح اشارہ بتادے کہ اپنا ہاتھ گھٹنے پر رکھ دے اور اگر سجدہ چھوٹ گیا ہے تو پیشانی پر ہاتھ رکھ دے اور قرأت چھوٹی ہے تو منہ پر ہاتھ رکھ دے یہ

۱ غرضیکہ ہر معذور کا وقت نکل گیا تو نماز باطل ہوئی ۱۲ ۲ اور ترتیب یہاں نہ رہے ساقط بھی نہ ہو ورنہ اگر تنگی وقت کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو تو یاد آنا کچھ مضرت نہیں اور بنا جائز رہے گی ۱۲ ۳ خلیفہ بنانا امام محدث پر واجب نہیں ہے مگر پہلا استحقاق خلیفہ بنانے کا اسی کو ہے ۱۲ ۴ یہ صورت داہنے اور بائیں اور پیچھے کی جانب میں ہوئی اور آگے کی طرف حدسترہ میں بڑھتا ہے اور اگر سترہ نہ ہو تو سجدہ کی جگہ سے تجاوز کرنا اس کے بعد نماز جاتی رہے گی اور خلیفہ کرنا درست نہ ہوگا کنانی الطحاوی ۱۲ ۵ پھر یہ مسبوق اپنی نماز پوری کر لے ۱۲ ۶ سجدہ نمازی کے لیے ایک باقی ہو تو پیشانی پر ایک انگلی درندہ انگلیاں رکھے ۱۲ جوامع الفقہ (۱) اگر کلام کے ساتھ خلیفہ کیا تو کل کی نماز فاسد ہوئی خواہ عمداً ہو یا سہوایاً جہلاً ۱۲ ع

بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر کوئی رکعت اس پر باقی ہے تو ایک انگلی سے اشارہ کر دے اور اگر سجدہ تلاوت باقی ہے تو پیشانی اور زبان پر انگلی رکھ دے اور اگر سجدہ ہو باقی ہے تو دل پر رکھے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب خلیفہ کو یہ باتیں معلوم نہ ہوں اور اگر معلوم ہوں تو کچھ حاجت نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے کسی شخص نے چار رکعتوں کی نماز میں امام کا اقتدا کیا اور امام کو حدث ہو گیا اور اس نے اسی شخص کو بڑھا دیا اور مقتدی کو یہ معلوم نہیں کہ امام نے کس قدر نماز پڑھی ہے اور کتنی اس پر باقی ہے تو مقتدی کو چاہئے چار رکعتیں پڑھے اور احتیاطاً ہر رکعت میں بیٹھ جائے یہ فتاویٰ قاضی خان کی فصل مسبوق میں لکھا ہے اور اگر لاحق کو خلیفہ کیا تو خلیفہ کو چاہئے کہ کہ قوم کو اشارہ کرے اور اپنی نماز ادا کرے پھر جماعت کی نماز تمام کرا دے اور اگر ایسا نہ کیا اور امام کی نماز پڑھنے لگا اور جب سلام کے موقع پر پہنچا اور دوسرے کو سلام پھیرنے کے واسطے خلیفہ کر دیا تو ہمارے نزدیک جائز<sup>(۱)</sup> ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے اور جس امام کو حدث ہوا ہے اس کی امامت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک مسجد سے خارج ہو یا کسی اور کو خلیفہ کر دے اور وہ خلیفہ اس کی جگہ آکھڑا ہو اور امامت کی نیت کر یا قوم سے کسی اور کو خلیفہ کر دے اور اگر ان امور میں سے ایک امر بھی نہ ہو اور امام نے مسجد کے کنارہ پر وضو کیا اور جماعت اس کی منتظر رہی اور پھر امام اپنی جگہ پر آیا اور ان کے ساتھ نماز تمام کی تو جائز ہے اور اگر نہ امام نے کسی کو خلیفہ کیا نہ قوم نے یہاں تک کہ امام مسجد سے باہر نکل گیا تو قوم کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام وضو کر کے بنا کرے اس لئے کہ وہ اپنی ذات کے واسطے منفرد کے حکم میں ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر کوئی شخص بغیر کسی کے بڑھائے خود ہی بڑھ گیا اور امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے امام کی جگہ کھڑا ہو گیا تو جائز ہے اور اگر کسی شخص کے محراب تک پہنچنے سے پہلے امام مسجد سے خارج ہو گیا اور اس کے بعد وہ امام کی جگہ پر کھڑا ہو گیا تو اس شخص کی اور قوم کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر امام کے پیچھے ایک ہی شخص ہو اور امام کو حدث ہو تو وہ شخص امامت کے لئے معین ہو گیا خواہ امام اس کو اپنی نیت میں معین کرے یا نہ کرے اگر امام نے ایک شخص کو بڑھایا اور قوم نے دوسرے شخص کو بڑھایا تو امام وہی ہوگا جس کو امام نے بڑھایا لیکن اگر اس کی نیت کرنے سے پہلے قوم دوسرے شخص کے اقتدار کی نیت کرے تو دوسرا شخص امام ہو جائے گا اور اگر قوم سے ہر گروہ نے ایک ایک شخص کو بڑھایا تو جس کی طرف اکثر ہوں گے وہی امام ہوگا اور اگر برابر ہوں تو کل کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر دو شخص بڑھے تو جو شخص پہلے امام کی جگہ پر پہنچ گیا وہی امام ہے اور اگر بڑھنے میں دونوں برابر ہیں اور بعضوں نے ایک سے اقتدا کیا اور بعضوں نے دوسرے سے تو جس سے بہت لوگوں نے اقتدا کیا ہے اسی کی نماز صحیح ہوگی اور جس سے کم لوگوں نے اقتدا کیا ہے اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر دونوں طرف آدمی برابر ہوں تو کسی کی ترجیح ممکن نہ ہوگی اور دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ تبیین میں لکھا ہے اگر امام نے صفوں کے آخر میں سے کسی کو خلیفہ کیا اور خود مسجد سے خارج ہو گیا تو اگر خلیفہ نے اس وقت امامت کی نیت کر لی تو امام ہو جائے گا مگر جو شخص اس سے آگے ہے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام کی نماز اور جو شخص خلیفہ کے داہنے اور بائیں ہیں اور جو پیچھے ہیں ان کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر اس نے یہ نیت کی کہ جب امام کی جگہ کھڑا ہوگا اس وقت امام بنوں گا اور امام قبل اس سے کہ خلیفہ اس کی جگہ پر پہنچنے امامت کی نیت کرے مسجد سے خارج ہو گیا تو اس سب کی نماز فاسد ہو جائے گی خلیفہ اور قوم کی نماز جائز ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ امام مسجد نے کسی کو خلیفہ کیا اور خلیفہ نے کسی اور شخص کو خلیفہ کیا فضلی نے کہا ہے کہ اگر پہلا امام ابھی مسجد سے خارج

۱۔ اور از سر نو پڑھنا امام کا افضل ہے واسطے بچنے کے خلاف سے امام شافعی کے نزدیک استخلاف جائز نہیں اس لیے نماز نئے سرے سے پڑھنا افضل ہے تاکہ سب کے نزدیک نماز ہو جائے ۱۲ (۱) اور اگر امام نے اشارہ کیا مسبوق کو کہ میں نے پہلے دو گانہ میں قرأت نہیں پڑھی تو چاروں رکعتوں میں قرأت مسبوق پر فرض ہوگی دو میں بوجہ نیابت امام کے اور دو میں خود رکی نماز میں۔ اس مسئلہ کی چیتان پوچھی جاتی ہے کہ کونسا نمازی ہے جس پر چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

خارج نہیں ہوا اور خلیفہ امام کی جگہ نہیں پہنچا اس حالت میں کسی اور کو خلیفہ کر دیا تو جائز اور ایسا ہو جائے گا کہ وہ خود بڑھا ہے یا پہلے امام نے اس کو بڑھا یا ہے ورنہ جائز نہیں ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی کو حدث ہو اور اس کے ساتھ کوئی اور نہ تھا اور وہ ابھی مسجد سے نہ نکلا تھا کہ کسی اور شخص نے آکر اس سے اقتدا کر لیا پھر امام مسجد سے نکلا تو ہمارے اصحاب کے نزدیک دوسرا شخص پہلے کا خلیفہ ہو جائے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر قرأت میں رک گیا تو چاہئے کہ دوسرے کو خلیفہ کر دے یہ حکم اس وقت ہے کہ اس قدر قرأت نہ کی ہو جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے اور شرمندگی اور خوف کی وجہ سے قرأت سے بند ہو گیا بھولانہ ہو لیکن اس قدر قرأت کرنی ہے جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو خلیفہ نہ کرے بلکہ رکوع کر دے اور اس طرح نماز پڑھتا رہے اور اگر خلیفہ کرے گا تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور اگر قرأت کرنا بالکل بھول گیا تو خلیفہ کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے یعنی شرح ہدایہ ایک مسافر نے مسافر سے اقتدا کیا اور امام کو حدث ہو گیا اور اس نے کسی مقیم کو خلیفہ کر دیا تو مسافر کو پوری نماز پڑھنا لازم نہ ہوگی اور اگر مسافر کو خلیفہ کیا اور اس نے اس وقت نیت اقامت کی کر لی تب جماعت والے مسافروں کو پوری مقتدی نماز پڑھنا لازم نہ ہوگی۔ یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اسی سے ملتے ہوئے ہیں یہ مسئلے کسی کو حدث کا گمان<sup>(۱)</sup> ہو اور مسجد سے خارج ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ اس کو حدث نہیں ہوا تو از سر نو نماز پڑھے اور اگر مسجد سے خارج نہیں ہوا ہے تو جس قدر باقی رہے ہے اسی کو پورا کر لے یہ ہدایہ میں لکھا ہے برخلاف اس کے اگر کسی کو گمان ہوا کہ اس نے بغیر وضو نماز شروع کر دی یا موزوں پوش کیا تھا اور گمان ہوا کہ مدت مسح کی گزر چکی یا تیمم کئے ہوئے تھا اور دور سے ریت دیکھ کر اس پر پانی کا گمان کر لیا یا صاحب ترتیب کو ظہر میں یہ گمان ہوا کہ میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی یا کوئی داغ کپڑے پر دیکھا اور اس کو نجاست سمجھ لیا اور نماز سے پھر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور گھر اور عید گاہ اور جنازہ کی نماز پڑھنے کا مکان بمنزلہ مسجد کے ہیں اور جنگل میں جہاں تک صفوں کی جگہ ہو مسجد کے حکم میں ہے اور اگر امام کو حدث ہو اور آگے کو بڑھا اور اس کے سامنے سترہ نہ تھا تو جس قدر صفوں کی جگہ ہو اس کے پیچھے ہی اس قدر کا سامنا اعتبار کیا جائے گا اور اگر اس کے سامنے سترہ ہے تو وہ وہیں تک حد ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور اگر جنگل میں اکیلا نماز پڑھتا ہے تو سامنے اس کے جہاں تک سجدہ کی جگہ ہے اور اس قدر داہنے اور اس قدر بائیں اور اس قدر پیچھے مسجد کے حکم میں ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اور عورت جب اپنی نماز پڑھنے کی جگہ سے اتری تو نماز اس کی فاسد ہوگئی اس لئے کہ اس کی مصلیٰ کو اس کے واسطے وہی حکم ہے جو مردوں کو مسجد کا ہوتا ہے اس واسطے وہ اپنے مصلیٰ پر اعتکاف کرتی ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر نماز پڑھے والے کو یہ خوف ہوا کہ مجھے حدث ہو جائے گا اور وہ نماز سے پھر گیا پھر اس کو حدث ہو تو اس پر بنا نہیں کر سکتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جو صورتیں آگے بیان ہوتی ہیں ان میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جس وقت صبح کی نماز میں سورج نکل آئے یا جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت داخل ہو جائے یا کسی نے زخم پر لکڑیاں باندھی تھیں زخم اچھا ہو کر وہ لکڑیاں گر گئیں یا کسی امی کو خلیفہ کر دیا یا اشارہ سے نماز پڑھتا تھا اور اب رکوع اور سجدہ کی طاقت ہوگئی یا عذر والے کا عذر جاتا رہا یا موزوں پر مسح کیا تھا ان کی مدت گزر گئی اور پانی ملتا تھا اگر پانی نہ ملتا ہو تو

۱۔ بدلیل حدیث ابو بکر رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے جب آہٹ آنحضرت ﷺ کی پانی تو قرأت سے بند ہوئے اور پیچھے ہٹ گئے پس آنحضرت ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز کو تمام کیا تو اگر یہ امر جائز نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کو نہ کرتے اور فرض کے مقدار کی قید اس وجہ سے لگائی کہ اگر بعد پڑھنے مقدار فرض کے کرے گا تو خلیفہ کرنا بالاجماع ناجائز ہوگا ۱۲ ۲۔ اس لیے کہ امام اس صورت میں امی ہو گیا اور قوم کی نماز باطل ہوگئی تو اگر منفرد کو یہ صورت پیش ہوگی تو وہ بھی بنا کر سکے گا کذانی الشامی اور اگر لگ جائے امام کو نجاست مانع نماز کی مثلاً امام کو نکسیر پھوٹی اور زائد اثر قد۔ وہم اُس کے کپڑے کو لگ گئی تو اس نجات سے نماز فاسد نہ ہوگی وضو کے ساتھ کپڑا دھو کر بنا کر سکتا ہے ہاں اگر خانہ سے نجات مانع لے گی تو منفسد ہوگی ۱۲

(۱) مثلاً کہاں ہوا کہ قطرہ اتر آیا پس مسجد سے نکل کر یہ ظاہر ہوا کہ نہیں اتر اتو نئے سرے سے نماز پڑھے ۱۲



نماز باطل نہ ہوگی اور بعضوں نے کہا ہے باطل ہوگی یا موزوں پر مسح کیا تھا اور تھوڑے عمل سے موزے نکالے مثلاً موزے بہت ڈھیلے ہوں ان کے نکالنے میں بہت سے عمل کی حاجت نہیں ہوتی اور اگر موزہ عمل کثیر سے نکالے تو بالا جماع نماز اس کی پوری ہوگئی یا امی نماز پڑھتا تھا اور اس کو کوئی سورۃ یاد آگئی یا کوئی شخص قرآن پڑھتا تھا اس سے سیکھنے میں مشغول نہیں ہوا صرف سن کر یاد کر لی اور اگر حقیقت میں اس سے سیکھا تو نماز تمام ہو جائے گی یہ اس وقت ہے کہ امی اکیلا نماز پڑھتا ہو یا ایسی صورت میں امامت کرتا ہو کہ اس کی امامت جائز ہے لیکن اگر قاری کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اور فقیہ ابوللیث کے نزدیک فاسد نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے<sup>۱</sup> یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے یا ننگے کو ایسا کپڑا مل گیا جس سے نماز جائز ہے یعنی اس میں ایسی نجاست نہیں لگی ہے جو مانع صلوة ہو یا اس میں ایسی نجاست لگی ہے اور اس کے پاس ایسی چیز موجود ہے جس سے نجاست کو دور کیا جاسکے یا اس کے پاس نجاست دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے لیکن چوتھائی کپڑا یا اس سے زیادہ پاک ہے اور اس سے ستر ڈھک سکتا ہے یا تیمم سے نماز پڑھتا تھا اور پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا یا کسی نماز کا فوت ہونا یاد آیا اور ابھی ترتیب ساقط نہیں ہوئی ہے یا اگر وضو کر کے تیمم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھتا تھا اور اس مقتدی نے پانی دیکھ لیا یا مقتدی تھا اور امام سے کوئی نماز فوت ہوگئی تھی اور امام صاحب ترتیب تھا اور مقتدی کو امام کی نماز کا فوت ہونا یاد آیا تو فقط مقتدی کی نماز باطل ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے۔

ان سب صورتوں میں جو نماز باطل ہوتی ہے یہ نقل بھی نہیں ہو سکتی مگر تین مسئلوں میں ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز کا فوت ہونا یاد آیا یا سورج صبح کی نماز میں طلوع ہو گیا یا جمعہ کی نماز میں ظہر کا وقت نکل گیا تو وہ نفل ہو جائے گی یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے روایات مشہورہ کے بموجب یہ بارہ مسئلے ہیں اس پر بعض مسئلے اور بھی زیادہ کئے گئے ہیں منجملہ ان کے یہ کہ نجس کپڑے سے نماز پڑھتا تھا اب کوئی ایسی چیز مل گئی جس سے نجاست دھو سکتا ہے اور منجملہ ان کے یہ کہ قضا نماز پڑھتا تھا اور زوال کا وقت داخل ہو گیا یا سورج غروب کی وجہ سے متغیر ہو گیا یا طلوع ہو گیا اور منجملہ ان کے یہ ہیں کہ باندی بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھتی تھی اور اسی حالت میں آزاد ہوگئی اور اس نے اسی وقت اپنا ستر نہیں ڈھک لیا یہ سارے مسئلے ایسے ہیں کہ اگر کسی کو ایک ان میں سے ایسے وقت میں عارض ہو کہ بقدر تشہد کے بیٹھ چکا ہے۔ یا سہو کے سجدہ میں عارض ہو تو اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی اور اگر وہ امام ہے تو اس کے مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی اور اگر سلام پھیر دیا اور اس پر سہو کا سجدہ باقی ہے اس وقت میں کوئی صورت ان صورتوں میں اسے اس پر عارض ہوئی تو اگر سجدہ کیا تو نماز باطل ہوگئی ورنہ باطل نہیں اور اگر قوم نے امام کے بقدر تشہد کے بیٹھنے کے بعد امام سے پہلے سلام پھیر دیا پھر امام پر ان صورتوں میں سے کوئی صورت عارض ہوئی تو امام کی نماز باطل ہوگئی قوم کی نماز باطل نہ ہوگی اور اس طرح اگر امام نے سہو کا سجدہ کیا اور قوم نے سجدہ نہ کیا پھر امام پر ان میں سے کوئی صورت عارض ہوئی تب بھی یہی حکم ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔

۱۔ بحر الرائق میں لکھا کہ وجہ صحیح ہونے کی مقتدی کی نماز کی یہ ہے کہ امام کی قرأت ہے تو اس کی نماز کا شروع کامل طور پر تھا تو آخر میں آیت سیکھنے سے قوی کی بناضعیف پر لازم نہیں آتی اس سے معلوم ہوا کہ اگر نمازی منفرد ہوگا تو مسئلہ فیہ رہے گا ۱۲

## سانو (۱) باب

## ان چیزوں کے بیان میں جن سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے

اس میں دو فصلیں ہیں

## پہلی فصل

## نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں کے بیان میں

نماز کو فاسد کرنے والی دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں قول اور فعل پہلی قسم اقوال ہیں۔ اگر نماز میں بھول کر یا جان کر خطا سے یا ارادے سے تھوڑا یا بہت کلام کیا خواہ وہ اپنی نماز کی اصلاح کے واسطے کیا مثلاً امام قعدہ کے موقع پر کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے کہا بیٹھ جایا قیام کے وقت بیٹھ گیا اور مقتدی نے کہا کھڑا ہو جایا وہ کلام امام کی نماز کے واسطے نہ ہو اور جیسے لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں ویسی باتیں ہوں تو سب صورتوں میں ہمارے نزدیک از سر نو نماز پڑھے گا یہ محیط میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے کلام کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور نیز یہ حکم اس صورت میں کہ اس طرح کلام کرے کہ سنا جائے اور اگر ایسا کلام کیا کہ سنا نہیں جاتا پس اگر وہ خود اس کو سنتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر خود نہیں سنتا اور حروف صحیح کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ زاہدی میں لکھا ہے نوازل میں ہے اگر نماز کے اندر سوتے میں کلام کیا تو نماز پوری ہو چکی تو نماز فاسد ہوگی اور یہی مختار ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر عدا نماز کا سلام پھیرا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر عدا نہیں پھیرا اگر اس کو یہ گمان ہوا تھا کہ نماز پوری ہو چکی تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر نماز کو بھی بھول گیا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اگر کسی شخص کو سلام کیا تو ہر صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی یہ شرح ابوالکارم میں لکھا ہے مسبوق نے یہ جان کر سلام پھیرا کہ مسبوق کو امام کے ساتھ سلام پھیرنا چاہئے تو وہ عدا سلام ہو اس پر بنا جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ مسبوق نے اگر امام کے ساتھ سلام پھیرا تو اگر اس کو یہ یاد تھا کہ میری نماز بھی باقی ہے تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اور اگر بھول گیا تھا تو فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ بھول کر سلام کہنا تحریر یہ صلوٰۃ سے خارج نہیں کرتا یہ شرح طحاوی کے باب سجود سہو میں لکھا ہے۔ کسی شخص نے عشا کی نماز پڑھی اور دو رکعتوں کے بعد اس کو تراویح سمجھ کر سلام پھیر دیا یا ظہر کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد جمعہ کے گمان سے سلام پھیر دیا یا مقیم نے دو رکعتوں کے بعد اپنے آپ کو مسافر سمجھ کر سلام پھیر دیا تو از سر نو نماز پڑھے اور اگر دو رکعتوں کے بعد اس گمان سے سلام پھیرا کہ یہ چوتھی رکعت ہے تو وہ اس طرح نماز پڑھتا رہے اور سہو کا سجدہ کر لے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور ان مسائل میں ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ سلام میں جو سہو ہوا اگر اصل صلوٰۃ میں سہو ہوا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر وصف صلوٰۃ میں سہو ہوا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط کی سترہویں فصل میں لکھا ہے جو سہو و سہو کے بیان میں ہے اگر بھول کر کسی کو کلام کرنے کا ارادہ کیا اور جب السلام کہا تو یہ یاد آیا کہ اسکو نماز کی حالت میں سلام کہنا جائز نہیں پس خاموش ہو گیا تو نماز اسکی فاسد ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے اگر سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو بھی نماز فاسد ہوگی کیونکہ حقیقت میں وہ بھی کلام ہے

۱۔ فساد نماز سلام تحیت سے اس لیے ہے کہ وہ کلام میں داخل ہے اور گمان تراویح اس لیے مفسد ہے کہ نمازی نے قطع کی نیت کی اور حالت قیام کا سلام اس لئے مفسد ہے کہ قیام اس کا نکل نہیں اور چونکہ جنازہ میں سلام کھڑی ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اس لیے جنازہ میں سلام سہو اگر نا معاف ہے جیسے سلام

تحصیل قعدہ من سہو معاف ہے ۱۲

اشارہ سے بھی سلام کا جواب نہ دے اور اگر اشارہ سے سلام کا جواب دیا یا نماز پڑھنے والے سے کسی نے کوئی چیز مانگی اور اس نے ہاتھ یا سر سے ہاں یا نہیں کا اشارہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ یمن میں لکھا ہے مگر مکروہ ہوگی یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے۔ کسی شخص نے چھینکا اور نماز پڑھنے والے نے یرحمک اللہ کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ دونوں محیط میں لکھا ہے اور اگر خود نماز پڑھنے والے کو چھینک آئی اور اس نے خود اپنی طرف خطاب کر کے یرحمک اللہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر نماز پڑھنے میں چھینکا اور دوسرے نے یرحمک اللہ لکھا اور مصلیٰ نے آمین کہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی یہ منیۃ المصلیٰ اور محیط میں لکھا ہے اور اگر کسی شخص نے چھینکا اور مصلیٰ نے الحمد للہ کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ وہ جواب نہیں ہے اور جواب کا اس کے سمجھانے کا ارادہ کیا تو صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی یہ تمر تاشی میں لکھا ہے اور اگر نماز پڑھنے میں چھینکا اور خود الحمد للہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور چاہئے کہ اپنے دل میں کہہ لے اور بہتر یہ ہے کہ ساکت رہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے جب اس وقت الحمد للہ نہ کہا تو کیا نماز سے فارغ ہونے کے بعد الحمد للہ کہے صحیح یہ ہے کہ کہے اور اگر مقتدی ہے تو فقہاء کے قول کے بموجب الحمد للہ نہ کہے آہستہ سے نہ آواز سے یہ تمر تاشی میں لکھا ہے دو شخص نماز پڑھتے تھے ان میں سے ایک نے چھینکا اور ایک شخص نے جو خارج نماز تھا یرحمک اللہ کہا اور ان دونوں نے آمین کہا تو چھینکنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور دوسرے کی نماز فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ یرحمک اللہ کہنے والے نے اس کے واسطے دعا نہیں کی تھی یہ ظہیر یہ اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ اگر ایک سے خطاب کر کے یرحمک اللہ کہا اور دوسرے شخص نے آمین کہا تو آمین کہنے والے کی نماز فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ اس کے لیے دعا نہیں کی تھی یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اگر قرآن پڑھایا اللہ کا ذکر کیا اور اس سے کسی آدمی کو حکم کرنے یا منع کرنے کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص نماز میں خلل ڈالتا ہے اس کی تنبیہ کا ارادہ کیا تو فاسد نہ ہوگی یہ تہذیب میں لکھا ہے اگر امام سے کچھ غلطی ہوئی اور مقتدی نے سبحان اللہ کہہ دیا تو کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ اس سے اصلاح نماز کی مقصود ہے اگر امام دو رکعتوں کے بعد قعدہ کرے اور تیسری رکعت کو اٹھے تو مقتدی کو سبحان اللہ نہ کہنا چاہئے اس لئے کہ جب امام قیام سے قریب ہو گیا تو پھر اس کو لوٹنا جائز نہیں پس اس کا سبحان اللہ کچھ مفید نہ ہوگا یہ بحر الرائق میں بدائع سے نقل کیا ہے اگر اپنے امام کے سوائے غیر کو لقمہ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر تعلیم کا ارادہ نہیں کیا تلاوت کا ارادہ کیا تھا تو فاسد نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے ایک مرتبہ کے لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کئی بار ہونا شرط نہیں یہی اصح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر غیر نماز پڑھنے والے نے کسی نماز پڑھنے والے کو لقمہ دیا اور اس نے اس کا لقمہ قبول کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے۔

اگر اپنے امام کو لقمہ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی پھر بعض کا قول یہ ہے کہ اپنے امام کو لقمہ دے تو تلاوت کا ارادہ کرے اور صحیح یہ ہے کہ اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے قرأت کی نیت نہ کرے فقہانے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب امام ایسے وقت میں اٹک گیا کہ قرأت بقدر جواز صلوٰۃ نہیں کی ہے یا قرأت کے بعد اٹکا اور کوئی اور آیت نہیں شروع کر دی لیکن اگر اس قدر پڑھ لیا ہے جس کو خطاب نہ ہونے کی جہت سے نہ کلام ہوگا نہ مفید ۱۲ ۲ اس کی صورت یوں ہے کہ مثلاً حامد اور محمود نماز پڑھتے ہیں اور حامد نے چھینک لی تو خالد نے جو خارج نماز تھا یرحمک اللہ کہا یہ سن کر حامد اور محمود دونوں کہا آمین تو اس صورت میں نماز حامد کی فاسد ہوگی کہ اس نے خود اپنے حق میں دعا کا جواب دیا اور محمود کی نماز فاسد نہ ہوگی کہ غیر کے لیے آمین کہا کہ کنانی الطحاوی ۱۲

۳ یہ صورت شامل ہے مقتدی کے ایک دوسرے کو بتانے کو یا یہ کہ مقتدی منفرد کو بتا دے یا بالعکس یا یہ کہ نمازی اس شخص کو بتا دے جو نماز نہیں پڑھتا ہے تو بہر صورت بتانے والے کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ بتانا تعلیم ہے بدون حاجت کے جو نماز کا منافی ہے ۱۲

سے نماز جائز ہو جاتی ہے یا دوسری آیت شروع کر دی ہے اس وقت میں لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور صحیح یہ ہے کہ لقمہ دینے والے کی نماز کسی حالت میں فاسد نہ ہوگی اور صحیح قول کے بموجب امام اگر لقمہ قبول کر لے تو اس کی بھی نماز فاسد نہ ہوگی یہ کافی میں لکھا ہے۔ اور مقتدی کو فوراً لقمہ دینا مکروہ ہے اس لئے کہ شاید امام کو اس وقت یاد آجائے پس مقتدی کی بغیر حاجت کے امام کے پیچھے قرأت ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور امام کو بھی چاہئے کہ مقتدی پر لقمہ دینے کی حاجت نہ ڈالے اس لئے کہ وہ اس صورت میں گویا ان کے اوپر قرأت کی ضرورت ڈالتا ہے اور مقتدی کی قرأت مکروہ ہے بلکہ اگر اس قدر پڑھ لیا ہے جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو رکوع کر دے اور دوسری آیت کی طرف نہ جائے یہ کافی میں لکھا ہے ضرورت ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ بار بار ایک آیت پڑھے یا چپکا کھڑا ہو جائے یہ نہایہ میں لکھا ہے امام رک گیا اور اس کو ایسے شخص نے لقمہ دیا جو اس کے ساتھ نماز میں نہیں ہے اور اس وقت امام کو بھی یاد آ گیا پس اگر امام نے اس کے لقمہ کے تمام ہونے سے پہلے پڑھنا شروع کر دیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اس کا یاد آنا اس کے لقمہ دینے کی طرف منسوب ہوگا اگر کوئی لڑکا قریب بلوغ لقمہ دے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو بالغ کے لقمہ کا ہوتا ہے اگر مقتدی نے کسی ایسے شخص سے سنا جو نماز میں نہیں ہے اور سن کر اپنے امام کو لقمہ دیا تو ضرور ہے کہ سب کی نماز باطل ہو جائے گی اس لئے کہ خارج سے تلقین ہوئی یہ بحر الرائق میں قید سے نقل کیا ہے اگر نماز پڑھنے میں کوئی خوشی کی خبر سنی اور الحمد للہ کہا اور اس کے جواب کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر جواب کا ارادہ نہیں کیا یا اپنے نماز میں ہونے کی خبر دینے کا ارادہ کیا تو بالا جماع نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر کوئی تعجب کی خبر سنی اور سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہا تو اگر جواب کا ارادہ نہیں کیا ہے تو سب کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر جواب کا ارادہ کیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر اس کے پچھونے ڈنک مارا اور بسم اللہ کہا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ فاسد نہ ہو گیا اس لئے کہ یہ اس قسم کی بات نہیں ہے جیسے آدمی آپس میں کرتے ہیں اور نصاب میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر چاند دیکھ کر ربی وربک اللہ کہا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر بخار یا کسی اور مرض کے دفع کرنے کے لئے کچھ قرآن اپنے اوپر پڑھا تو فقہاء کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے بیمار نے کھڑے ہوتے وقت یا جھکتے وقت مشقت یا درد کی وجہ سے بسم اللہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور صدر الشہید کی جامع صغیر میں ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے میں اگر جواب کا ارادہ کیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اگر اللہ صل علی محمد یا اللہ اکبر کہا اور جواب کا ارادہ نہیں کیا تو بالا جماع نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر جواب کا ارادہ کیا تو بعضوں نے کہا ہے سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور یہی ظاہر ہے اگر نبی ﷺ پر نماز میں درود پڑھا تو اگر دوسرے کے جواب میں نہ تھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور نبی ﷺ کا نام سنا اور اس کے جواب میں درود پڑھا تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اگر کسی شخص نے ماکان محمد ابا حد من رجا لکم پڑھا اور دوسرے شخص نے نماز میں سن کر درود پڑھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اس طرح اگر کسی شخص نے ایسی آیت پڑھی جس میں شیطان کا ذکر تھا اور دوسرے شخص نے نماز میں سن کر لعنہ اللہ کہا تو اس کی نماز

۱۔ نماز کا فاسد ہونا بقصد جواب استرجاح یا قرآن کے جملوں سے طرفین کے نزدیک ہے نہ امام ابو یوسف کے نزدیک جو جملہ مضمّن ثنا ہو یا قرآن میں کا ہو وہ نیت سے نہیں بدلتا یعنی ثنا یا قرآن ہی رہتا ہے اور طرفین کے نزدیک بدل جاتا ہے یعنی کلام ہو جاتا ہے اور خطاب کی صورت میں سب کے نزدیک نماز فاسد ہوئی ہے امام ابو یوسف بھی خطاب کی صورت میں قرآن کو لوگوں کے کلام میں تصور کرتے ہیں کیونکہ قرآن اس شخص کے خطاب کے واسطے موضوع نہیں جس بے نمازی خطاب کرتا ہے جیسے نمازی کا کہنا اس شخص سے جس کا نام یحییٰ ہے یہ آیت یا یحییٰ خذ الکتاب بقوة یعنی اے یحییٰ پکڑ کتاب کو زور سے یا جس کا

فاسد نہ ہوگی اگر کسی شخص نے پکار کر کہا کہ حاجتوں کے پورا ہونے کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھا اور مسبوق نے سورۃ فاتحہ پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اسی پر فتویٰ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر ایسا شعر پڑھا کہ وہ بالکل قرآن میں موجود ہے جیسے شاعر کا قول ہے ارایت الذی یكذب بالدين فذلک الذی یدی الیتیم یا جیسے یہ قول ہے وینجزہم وہنصرکم علیہم۔ ویشف صدور قوم مؤمنین۔ اور اس پڑھنے میں شعر پڑھنے کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر کوئی شعر یا خطبہ اپنے دل میں تصنیف کیا اور زبان سے نہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن برا کیا یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ اگر نماز کے اندر سوچ کر کسی حدیث یا شعر یا خطبہ یا مسئلہ کو یاد کیا تو مکروہ ہے اور اس کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر نماز کے اندر نعم کا لفظ اس کی زبان سے نکلا پس اگر اس کی عادت تھی کہ یہ لفظ اس کے کلام میں جاری ہوا کرتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر یہ عادت نہ تھی تو فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ وہ مجملہ قرآن شمار ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر فارسی میں آ رہے کا لفظ کہا تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو نعم کا تھا اگر اس کی یہ عادت تھی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور نہ فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر نماز کے اندر ایسی دعا مانگی جس کا سوال بندوں سے محال ہے مثلاً عافیت یا مغفرت یا رزق کی دعا مانگی یا اللہم ارزقنی الحبوب یا اللہم اغفر لی کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

اور اگر ایسی دعا مانگی کہ جس کا سوال بندوں سے محال نہیں ہے مثلاً اللہم اطعمنی یا اللہم اقض دینی یا اللہم زوجنی کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اللہم ارزقنی فلانتہ کہا تو صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ یہ لفظ بھی اسی قسم میں سے ہے کہ باہم لوگوں کی گفتگو میں مستعمل ہوتا ہے اور اگر اغفر لی ولوالدی کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ قرآن میں موجود ہیں اور اگر اللہم اغفر لانی کہا تو شیخ ابو الفضل بخاری نے کہا کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور صحیح یہ ہے کہ فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ وہ قرآن میں موجود ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر اللہم اغفر لی لامی یا اللہم اغفر لی نعمی یا اللہم اغفر لخالی یا اللہم اغفر لزید کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر امام نے کوئی آیت رغبت دلانے یا ڈرانے کے مضمون کی پڑھی اور مقتدی نے کہا صدق اللہ وبلغت رسلاً تو برا کیا اور نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی ظہیر یہ میں لکھا ہے کوئی نماز پڑھنے والا جس وقت یا ایہا الذین آمنوا پڑھتا ہے تو سراٹھا کر کہتا ہے بیک سیدی تو بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اور اگر کیا تو بعض فقہانے کہا ہے کہ یہ نماز اس کی فاسد نہ ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان کے ان مسئلوں میں مذکور ہے جو قرأت قرآن سے متعلق ہیں اگر حج کرنے والے نے اپنی نماز کے اندر بیک کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر ایام تشریق میں اللہ اکبر کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر نماز کے اندر اذان کے کلمات با ارادہ اذان کہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اگر نماز کے اندر اذان سنی اور مؤذن کہتا ہے وہی کہنے لگا اگر اذان کے جواب کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ فاسد نہ ہوگی اور اگر اس کی کچھ نیت نہیں ہے تو بھی فاسد ہو جائے گی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر نماز پڑھنے والے کے دل میں شیطان نے کوئی وسوسہ ڈالا اور اس نے لاجول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم کہا اگر یہ وسوسہ مجملہ امور آخرت تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر مجملہ امور دنیا تھا تو فاسد ہو جائے گی یہ ترمذی میں لکھا ہے۔ اگر نماز کے آخر میں تشہد کو بھول گیا اور سلام پھیر دیا پھر یاد آیا اور تشہد پڑھنا شروع کر دیا اور تھوڑا سا پڑھ کر تشہد کے تمام ہونے سے پہلے سلام پھیر دیا تو امام ابو یوسف کے قول

۱۔ اگر چہت میں سے کوئی چیز گری سو نمازی نے کہا بسم اللہ یا کسی کے لیے دعائے خیر یا دعائے بد ہوئی اور نمازی نے کہا آمین تو نماز فاسد ہوگی لیکن ان صورتوں میں امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور صحیح قول طرفین کا ہے یعنی بسبب عمل کرنے کے متکلم کے قصد پر ۱۲

کے بموجب اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس واسطے کہ پہلا قعدہ اس کا تشهد کی طرف عود کرنے سے باطل ہو گیا پس جب تشهد پورا ہونے سے پہلے سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو گئی اس واسطے کہ پہلا قعدہ اخیر بقدر تشهد کے ادا نہیں ہوا اور امام محمد نے کہا ہے کہ نماز اس کی فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ پہلا قعدہ اس کا قرأت تشهد کی طرف عود کرنے سے پورا باطل نہ ہوگا اور صرف اس قدر باطل ہوگا جس قدر تشهد اس نے پڑھا ہے یا کچھ بھی باطل نہ ہوگا اس واسطے کہ قرأت تشهد کا محل قعدہ ہے اور اس کے باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے اسی وجہ سے مشائخ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے جس میں ائمہ سے کوئی روایت نہیں اور وہ یہ ہے کہ الحمد اور سورہ پڑھنا بھول گیا اور رکوع کر دیا اور رکوع میں یا د آیا پھر قرأت کے واسطے کھڑا ہوا پھر نام نہ ہو کر سجدہ میں چلا گیا اور رکوع کا اعادہ نہ کیا بعضوں نے کہا کہ نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ جب وہ قرأت کے لئے کھڑا ہوا تو رکوع باطل ہو گیا پس جب پھر رکوع کا اعادہ نہ کیا تو نماز باطل ہوگی اور بعضوں نے کیا ہے کہ سب رکوع باطل نہ ہوگا یا کچھ باطل نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ رکوع کا باطل ہونا قرأت کی وجہ سے تھا اور جب اس نے قرأت نہ کی تو گویا اس نے یہ فعل ہی نہیں کیا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر نماز میں بلند آواز سے آہ آہ یا اوہ اوہ کہا یا رویا جس سے حروف پیدا ہو گئے پس اگر یہ جنت ایا نار کے ذکر سے تھا تو نماز اس کی پوری ہوئی اور اگر درد یا مصیبت سے تھا تو نماز اس کی فاسد ہو گئی اور اگر اپنے گناہوں کی کثرت کا خیال کر کے آہ کی تو نماز قطع نہ ہوگی اور اگر نماز میں ایسا رویا کہ صرف آنسو بہے آہ نہ نکلی تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر انہی گناہوں کا خیال نہ ہو تو بالا جماع نماز فاسد نہ ہوگی اور مکروہ ہوگی اس لئے کہ وہ کلام نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر اپنے سجدہ کی جگہ سے خاک کو پھونکا تو اگر وہ پھونکنا مثل سانس لینے کے تھا کہ اس کی آواز سنی نہیں جاتی تھی تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن عمد ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر اس طرح سننے میں آیا تھا کہ حروف تہجی اس میں سے پیدا ہوتے تھے تو وہ بمنزلہ کلام کے ہے اور نماز اس سے قطع ہو جائے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر جانور کو ہو کہہ کے یا کتے کو ہو کہہ کے ہٹا دیا تو نماز قطع ہو جائے گی اور اگر اس طرح ہٹایا کہ حروف تہجی نہیں پیدا ہوئے تو نماز قطع نہ ہوگی۔ کسی نے بلی کو اس طرح بلایا کہ اس کی آواز میں حروف تہجی پیدا ہو گئے تو نماز قطع ہو جائے گی اور اگر اس طرح بلایا کہ حروف تہجی نہ پیدا ہوئے تو نماز قطع نہ ہوگی اور جب بلی کو اس طرح بھگایا کہ حروف تہجی پیدا ہو گئے تو نماز قطع ہو جائے گی یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر عذر کھنکار اور اس پر مجبور نہ تھا اور اس سے حروف حاصل ہو گئے تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر اس سے حروف ظاہر نہیں ہوئے تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی لیکن یہ مکروہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور عذر سے کھنکار مثلاً مجبور تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ اس سے بچ نہیں سکتا تھا اور اس طرح آہ آہ کہنا اور اوہ اوہ کہنا اگر عذر سے ہے مثلاً مریض ہے اپنے نفس میں طاقت نہیں رکھتا تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس وقت میں وہ مثل چھینک یا ڈکار کے سمجھا جائے گا اور اگر چھینک لی یا ڈکاری اور اس سے کلام پیدا ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر اپنی آواز درست کرنے کے لئے یا اپنی آواز کو اچھا بنانے کے لئے کھنکار تو صحیح قول کے بموجب نماز فاسد نہ ہوگی اس طرح اگر امام سے کوئی خطا ہوئی اور اس کے بتانے کے واسطے مقتدی کھنکارا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور غایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نماز میں ہونے پر آگاہ کرنے کے لئے کھنکارا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اگر قرآن میں دیکھ کر قرأت

کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگی اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا اٹھانا اور اس کے ورق لوٹنا اور اس پر نظر کرنا عمل کثیر ہے اور بغیر اس کے نماز ادا ہو سکتی ہے اور اس قول سے معلوم ہوا کہ قرآن اس کے سامنے رحل پر رکھا ہو اور وہ اس کو اٹھاتا نہ ہو اور اس کے ورق نہ لوٹتا ہو یا محراب میں لکھا ہو اور اس سے پڑھتا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی دوسری دلیل امام ابوحنیفہؒ کی یہ ہے کہ قرآن سے لینا تعلیم یعنی سیکھنا ہے اور وہ اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ خواہ قرآن کو اٹھائے یا نہ اٹھائے ہر صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی صحیح ہے یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر قرآن یاد ہے اور لکھے ہوئے سے بغیر اٹھائے قرآن کے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ نہ قرآن اٹھایا اور نہ اس سے تلقین حاصل کی اور مختصر اور جامع صغیر میں قرآن سے دیکھ کر تھوڑے اور بہت پڑھنے میں فرق نہیں کیا بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر بقدر ایک آیت کے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ فاسد نہ ہوگی اور بعض نے کہا ہے بقدر سورہ فاتحہ کے پڑھا تو فاسد ہوگی اور اس سے کم پڑھا تو فاسد نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر نماز میں کسی لکھے ہوئے پر نظر پڑی اور وہ آیت قرآن کی تھی اور اس کو سمجھ لیا تو بلا خلاف نماز جائز ہے یہ نہا یہ میں لکھا ہے اور جامع صغیر حسامی میں ہے اگر نماز کے اندر کسی فقہ کے کتاب پر نظر پڑی اور اس کو سمجھ لیا تو بالا جماع نماز فاسد نہ ہوگی یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر محراب پر سوائے قرآن کے کچھ اور لکھا تھا اور اس کو مصلیٰ نے دیکھا اور سمجھا تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے بموجب نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی کو ہمارے مشائخ نے اختیار کیا ہے۔

اور امام محمدؒ کے قیاس کے بموجب نماز فاسد ہوگی یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ نماز اس کی بالا جماع فاسد نہ ہوگی یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر کوئی قصد کر کے سمجھے یا بلا قصد سمجھے اس میں بموجب قول صحیح کے کچھ فرق نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اگر نماز کے اندر انجیل یا تورات یا زبور میں سے کچھ پڑھا خواہ وہ قرآن اچھی طرح پڑھ سکتا ہو یا نہ پڑھ سکتا ہو تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے دوسری قسم ان افعال کے بیان میں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے عمل کثیر<sup>۱</sup> سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور عمل قلیل سے فاسد نہیں ہوتی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے قلیل اور کثیر میں کیا فرق ہے اس میں تین قول ہیں اول یہ ہے کہ جس کام کی عادت دونوں ہاتھوں سے کرنے کی ہوتی ہے وہ عمل کثیر ہے اگرچہ ایک ہاتھ سے ہی کرے جیسے عمامہ باندھنا اور کرتا پہننا اور پانجامہ باندھنا اور کمان سے تیر چھوڑنا اور جس کام کی ایک ہاتھ سے کرنے کی عادت ہو وہ قلیل ہے اگرچہ دونوں ہاتھوں سے کرے جیسے کرتا اتارنا اور پانجامہ کھولنا اور ٹوپی اوڑھنا اور اتارنا اور لگام اتارنا یہ تبیین میں لکھا ہے اور جو کام ایک ہاتھ سے ہوتا ہے وہ تھوڑا جب ہی تک ہے کہ بار بار نہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنی رائے میں جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے اور جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کے قول سے بہت قریب ہے تیسرا قول یہ ہے کہ اگر دور<sup>۲</sup> سے کوئی دیکھنے والا اس کو دیکھ کر یقین کرے کہ یہ نماز میں نہیں ہے تو وہ عمل کثیر ہے اور اس سے نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر شک ہو تو مفسد نہیں یہی اصح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہی احسن ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اسی کو اکثر فقہاء نے اختیار کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر تلوار گلے میں ڈالی یا نکالی تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اسی طرح اگر اپنی چادر اوڑھی یا ہلکی چیز اٹھائی جس کو ایک ہاتھ سے اٹھایا کرتے ہیں یا کسی بچہ کو یا کپڑے کو

۱ اور یہ عمل کثیر نماز کے اعمال میں سے نہ ہو یعنی اگر مثلاً رکوع سجدہ زیادہ کیا تو یہ نہ ہوگا اگرچہ عمل کثیر ہے مگر نماز کے اعمال میں سے ہے اسی طرح اصلاح کے لیے عمل کثیر مفسد نہیں جیسے بے وضو ہو جانے سے وضو کرنا کذافی الشامی ۱۲ دور سے دیکھنے والے سے یہ مراد کہ جس کے سوائے نماز شروع نہ کی ہو یعنی عمل کثیر وہ ہے کہ اس کا کرنے والا دیکھنے والے کی نظر میں بظن غالب معلوم ہو کہ نماز نہیں پڑھتا ۱۳ ۲ پھر قرآن اٹھا کر پڑھے ورق گردانی میں نماز فاسد ہونے کو علت اس کا برداشت کرنا نہیں ہو سکتا بلکہ تعلیم و تلقین ہے متذکرہ ۱۴ ع

اپنے کاندھے پر اٹھایا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر کوئی ایسی چیز اٹھائی جس کے اٹھانے میں تکلیف اور وقت ہوتی ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر جان کر یا بھول کر کھایا یا پیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر اس کے دانتوں میں کچھ کھانا تھا اور اس کو نگل گیا اگر وہ چنے سے کم تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی مکروہ ہوگی اور اگر چنے کے برابر ہوگا تو فاسد ہوگی یہ سراج الوہاج میں فتاویٰ سے نقل کیا ہے اور یہی تبیین میں اور بدائع اور شرح طحاوی میں لکھا ہے اور بقائی نے ذکر کیا ہے کہ یہی اصح ہے یہ جندی میں لکھا ہے۔ اگر اس کے دانتوں میں سے خون نکلا اور اس کو نگل گیا تو اگر تھوک اس پر غالب تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے نصاب میں ہے کہ اگر کسی شخص نے نماز شروع کرنے سے پہلے کچھ کھایا یا پیا پھر نماز شروع کر دی اور اس کے منہ میں کچھ کھانے یا پینے کی چیز باقی رہ گئی تھی اور اس بقیہ کو کھالیا یا پیا لیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے اس طرح اگر اس کے دانتوں میں کوئی چیز تھی اور نماز میں ہے اور وہ اس کو نگل گیا تو اگر چنے کے برابر ہو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اگر اس کے دانتوں میں سے خون نکلا اور اس کو نگل گیا تو اگر منہ بھر کر نہ تھا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ اور محیط میں لکھا ہے اگر باہر سے ایک تل منہ میں لیا اور اس کو نگل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور یہی اصح ہے اور اگر کوئی چیز میٹھی کھائی اور نگل گیا پھر نماز میں داخل ہوا مگر اس کی شیرینی منہ میں موجود تھی اور اس کو بھی نگل گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اگر قند یا شکر منہ میں رکھی اور اس کو چبایا نہیں لیکن نماز پڑھتے میں اس کی شیرینی حلق کے اندر جاتی ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر بہت سا گوند چبایا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر چھالی کو چبایا اور وہ ٹوٹی نہیں تو اگر بہت چبایا تو اس سبب سے نماز فاسد ہو جائے گی کہ وہ عمل کثیر ہے اور اگر اس میں سے کچھ ٹوٹ کر اس کے حلق میں داخل ہو گیا تو اگر چہ تھوڑا ہو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کو چبایا نہیں اور تھوک کے ساتھ حلق کے اندر چلی گئی تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر اولایا کوئی قطرہ یا برف کا ٹکڑا اس کے منہ میں چلا گیا اور اس کو نگل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر نماز پڑھتے میں چراغ کی بتی اٹھالی تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر نماز پڑھتے میں چراغ میں بتی رکھ دی تو نماز فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ عمل قلیل ہے یہ سراج الوہاج میں فتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ اگر منہ بھر کر تے کی تو وضو ٹوٹ جائے گا نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر منہ بھرنے سے کم تے کی تو اس کا وضو بھی نہیں ٹوٹے گا اور نماز بھی فاسد نہ ہوگی اور اگر منہ بھر کر تے کی اور اس کو نگل گیا اور وہ اس کو اگل دینے پر قادر تھا تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اور اگر منہ بھر کر نہ تھی تو امام ابو یوسف کے قول کے بموجب نماز فاسد نہ ہوگی امام محمد کے قول کے موافق فاسد ہو جائے گی اور زیادہ احتیاط امام محمد کے قول میں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر عمداتے کی تو اگر وہ تے منہ بھر کر نہ تھی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر منہ بھر کر تھی تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر نماز میں قبلہ کی طرف کو چلا گیا تو اگر لاحق نہیں ہے اور مسجد سے نہیں نکلا تو نماز فاسد نہ ہو جائے گی اور میدان میں جب تک صفوں سے نہیں نکلتا تب تک فاسد نہ ہوگی یہ منیہ میں لکھا ہے اور اگر قبلہ کی طرف کو پیٹھ پھیر دی تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر نماز میں بقدر ایک صف کے چلا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر بقدر دو صفوں کے ایک بار چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور کچھ ٹھہرا پھر بقدر ایک صف کے چلا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ

۱۔ درمیانی ٹھہراؤ بقدر رکن ۱۲ و ۱۳ امام محمد نے سیر کبیر میں اوراق میں قیس سے ذکر کیا ہے کہ اس نے ابو ہریرہ کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کی قبا پکڑے نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھیں پھر قبائے کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گویا جانب قبلہ روان ہوا پس ابو ہریرہ نے پیچھا کر کے اس کی قبا پکڑ لی اور اس کے پانے پر بانی دونوں رکعتیں پڑھیں اور امام محمد نے کہا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں جب کہ قبلہ کی طرف پیٹھ نہ کرے ہمیں کوئی تفصیل قلیل و کثیر کی نہیں لکھی اس سے ظاہر ہے کہ قبلہ رخ رفتار کچھ مفسد نہیں اور قسار یہ کہ جب کثیر ہو تو مفسد ہے اور رکن الاسلام سعدی نے ہی اسناد سے نقل کیا کہ اگر نمازی یا حاجی یا مسافر سفر میں ہو قبلہ رخ اس کا جانا اگر چہ کثیر ہو مفسد نہیں ہو



فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے رفع یدین سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگر دونوں پاؤں پھیلا کر سواری کے گدھے کو ہانکا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر ایک پاؤں سے ہانکا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر ایک پاؤں ہلایا مگر برابر ہلاتا رہا تو فاسد نہ ہوگی اور اگر دونوں پاؤں کو ہلایا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس قول میں دونوں پاؤں کے عمل کو دونوں ہاتھوں کے عمل پر ایک پاؤں کے عمل کو ایک ہاتھ کے عمل پر اعتبار کیا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ اگر دونوں پاؤں تھوڑے ہلائے تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے یہی وجہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر سینہ اپنا قبلہ کی طرف سے پھیر دیا اور معذور نہیں ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر منہ پھیرا سینہ نہ پھیرا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ زاہدی میں لکھا ہے مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ فوراً منہ قبلہ کی طرف کو پھیرے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر جانور پر سوار ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اس واسطے کہ وہ ایسا کام ہے کہ بغیر دونوں ہاتھوں کے پورا نہیں ہو سکتا اور اگر جانور پر سے اترتا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کوئی نماز پڑھتا تھا اس کو ایک شخص نے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیا مگر وہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھرا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر اس کو جانور پر بٹھا دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر بلا عذر امام سے آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور فتاویٰ فضلی میں ہے اگر کوئی شخص جنگل میں نماز پڑھ رہا ہے اور اپنی نماز کی جگہ سے بقدر سجدہ کر لینے کی جگہ کے پیچھے کو ہٹ گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اس طرح مقدر سجود اور اس کے پیچھے اور دانے اور بائیں اعتبار کی جاتی ہے اور اس کو حکم مسجد کا دیا جاتا ہے تو جب تک اتنی جگہ سے نہیں بڑھا مسجد سے باہر نہیں ہوا اس باب میں لیکر کھینچ لینے کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے گرد لیکر کھینچ لے اور لیکر سے باہر نہ ہو اور مقدر سجود سے باہر ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اگر صرف کے بیچ میں کچھ جگہ خالی تھی اور اس میں کوئی شخص داخل ہوا اور دوسرا شخص جگہ فراغ ہونے کے واسطے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ خزائنہ الفتاویٰ میں لکھا ہے اور یہی قیدہ میں لکھا ہے۔ کوئی شخص اپنے گھر مغرب کی نماز پڑھتا تھا اور ایک شخص نے آکر اس کے پیچھے نفل کی نیت باندھ لی اور امام بھول کر چوتھی رکعت کو کھڑا ہوا اور تیسری رکعت پر نہ بیٹھا اور مقتدی نے اس کی متابعت کی تو فقہانے کہا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ نماز میں بچھو یا سانپ کے مارنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی خواہ ایک ضرب میں مرے خواہ بہت سی ضربوں میں یہی اظہر ہے اور مجمع النوازل میں لکھا ہے کہ اگر یہ حادثہ مقتدی پر واقع ہوا اور جوتی ہاتھ میں لے کر اس کی طرف جائے تو اگرچہ امام سے آگے بڑھ جائے تو بھی نماز فاسد نہیں ہوتی یہ خلاصہ میں لکھا ہے سب طرح کے سانپوں کے مارنے کا یہی حکم ہے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور سانپ اور بچھو کا مارنا نماز میں اس وقت مباح ہے کہ جب اس کے سامنے آجائے اور ایذ دینے کا خوف ہو اور اگر ایذا دینے کا خوف نہیں ہے تو مکروہ ہے یہ محیط میں لکھا ہے اگر پے در پے تین پتھر پھینکے یا جوئیں ماریں یا پے در پے تین بال اکھڑے یا آنکھوں میں سرمہ لگایا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے حجۃ میں ہے کہ بعض مشائخ نے کہا ہے۔

اگر کسی شخص نے پتھر اس طرح پھینکا کہ اپنے ہاتھ کو پھیلا کر خوب طاقت سے کھینچا اور ہوا میں پتھر پھینکا تو ایک پتھر کے پھینکنے سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور حسن سے روایت ہے کہ اگر کوئی جانور پر سوار ہو کر نماز پڑھتا تھا اور اس کو تیز کرنے کے لئے مارا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایک بار یا دو بار کے مارنے میں نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر

۱۔ منجملہ مفادات کے دل سے مرتد ہونا۔ مجنون ہونا۔ انماء ہونا ہر موجب غسل رکن چھوڑنا بغیر قضاء شرط چھوڑنا بلا عذر مقتدی کا امام سے پہلے رکوع کرنا اور اٹھانا بدون اس کے کہ امام کے ساتھ اعادہ کرے مسبوق کا منفر دہو جانے کے بعد یعنی رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد امام کے سجدہ سے پہلے متابعت کر کے شریک ہونا مسبوق کے درمیان نماز میں امام کا قہقہہ وغیرہ کوئی فعل منافی نماز و وضو کرنا جو جائز نہیں ہے ۱۲

رکعت میں تین بار مارے گا یعنی پے در پے مارے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کسی آدمی کو ایک ہاتھ یا کوڑے سے مارا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اگر کسی جانور پر پتھر پھینکا تو نماز فاسد نہ ہوگی مگر مکروہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر ڈھیلے موزے کو نکالا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر موزہ پہنا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر جانور کو لگام دی یا زین کھینچا یا اس کا زین اتار تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر بقدر تین کلموں کے نماز میں لکھا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس سے کم لکھا تو فاسد نہ ہوگی اور فتاویٰ میں ہے کہ تین کلموں کی مقدار مجموع النوازل میں لکھی ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر ہوا میں یا بدن پر کچھ لکھا جو ظاہر نہیں ہوتا ہے تو اگرچہ بہت ہو نماز فاسد نہیں ہوتی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر دروازہ بند کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر بند دروازہ کھولا تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر کوئی عورت نماز پڑھتی تھی اور کسی بچہ نے اس کی پستان کو چوسا اگر دودھ نکلا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ فاسد نہ ہوگی اس واسطے کہ جب دودھ نکلا تو دودھ پلانا ہوا اور بغیر اس کے دودھ پلانا نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر تین چسکیاں لیں تو بغیر دودھ نکلے بھی عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں لکھا ہے اگر کوئی عورت نماز پڑھتی تھی اور اس کے شوہر نے اس کی رانوں میں مجامعت کی تو اگرچہ اس سے کچھ رطوبت کا انزال نہ ہوا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس طرح اگر شہوت سے یا بغیر شہوت عورت کا بوسہ لیا یا شہوت سے مساس کیا تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر عورت نے مرد نماز پڑھنے والے کا بوسہ لیا اور اس وقت مرد کو اس کی خواہش نہ ہوئی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ جس عورت کو طلاق رجعی دے چکا ہے اگر نماز کے اندر شہوت سے اس کی فرج کو دیکھا تو طلاق سے رجعت ہو جائے گی ایک اور روایت کے بموجب اس کی نماز فاسد نہ ہوگی یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر نماز پڑھنے میں اپنے سر یا ڈاڑھی میں تیل ڈالا یا اپنے سر پر گلاب لگایا تو نماز فاسد ہو جائے گی کہا گیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب شیشی لے کر تیل سر پر ڈالا اور اگر تیل ہاتھ میں تھا اور اس سے اپنے سر پر یا ڈاڑھی پر مسح کر لیا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر اپنی ڈاڑھی میں کنگھی کی تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر ایک رکن میں تین بار کھجلیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ اس وقت ہے کہ ہر بار ہاتھ اٹھالے اور اگر ہر بار ہاتھ نہ اٹھائے تو فاسد نہ ہوگی اگر ایک بار کھجلیا تو مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سجدہ کی جگہ میں ہو کر کوئی گذر گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور وہ گذرنے والا شخص گنہگار ہوگا اس مسئلہ میں فقہاء نے بہت کلام کیا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو کس جگہ تک گذرنا مکروہ ہے صبح یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کی جگہ اس کے پاؤں سے سجدہ کی جگہ تک میں گذرنا مکروہ ہے یہ تبیین میں لکھا ہے ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے میں اپنے سجدہ کی جگہ نظر ڈالے ہوئے ہو پھر گذرے اور گذرنے والے پر اس کی نظر نہ پڑے تو مکروہ نہیں یہی صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے یہی صبح ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور یہی ٹھیک ہے یہ نہا یہ میں لکھا ہے یہ حکم جنگل کا ہے اور اگر مسجد میں ہے تو اگر نمازی اور گذرنے والے کے درمیان میں کوئی حائل ہے کوئی آدمی یا ستون تو مکروہ نہیں اور اگر اس کے درمیان میں کوئی حائل نہیں ہے اور مسجد چھوٹی ہے تو ہر جگہ سے مکروہ ہے

۱۔ اور فرق دونوں مسئلوں میں یہ ہے کہ اگر عورت نماز پڑھتی تھی اور شوہر نے بوسہ لیا تو عورت کی نماز اس لیے فاسد ہوئی کہ فاعل جماع کا درد ہوتا ہے تو جب وداعی جماع میں سے کوئی عورت کے ساتھ کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر مرد نماز پڑھتا ہے اور عورت نے بوسہ لیا تو عورت فاعل جماع کی نہیں اس لیے اس کی طرف سے وداعی جماع کا پایا جانا داخل جماع نہیں جب تک کہ مرد کو شہوت نہ ہو کذا فی الشامی ۱۲ ع

۲۔ بدلیل قول علیہ السلام لو علم الماء بین یدی المصلی اذا علیہ من الورد لوقف اربعین یعنی اگر مصلی کے رو بہرہ گذرنے والا جانتا کہ اُس پر کیا گناہ پڑتا ہے تو وہ البتہ کھڑا رہتا چالیس تک ابوالنصر راوی نے عذر کیا کہ مجھے یاد نہ رہا کہ چالیس دن فرمائے یا چالیس ماہ یا چالیس سال اور یہ حدیث صحیحین سے ہے اور بزار کی روایت میں چالیس خریف مذکور ہے ۱۲ ع

اور بڑی مسجد کو جنگل کا حکم ہے یہ کافی میں لکھا ہے اگر چہ وترہ کے اوپر پڑھتا ہو تو اگر سامنے گزرنے والے کے اعضا نماز پڑھنے والے کے مقابل ہوتے ہیں تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر دو شخص ملے ہوئے ہوں تو کراہت اس شخص کے واسطے ہوگی جس مصلیٰ کے قریب ہوگا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے فقہانے کہا ہے کہ جو شخص سوار ہو اور نماز پڑھنے والے کے سامنے گزرتا چاہے پھر حیلہ یہ ہے کہ جانور کی آڑ میں ہو کر گزر جائے تو گنہگار نہ ہوگا اس واسطے کہ جانور کی آڑ ہو جائے گی یہ نہا یہ میں لکھا ہے اور اگر دو شخص گزرنا چاہیں تو ایک شخص نماز پڑھنے والے کے سامنے کھڑا ہو جائے اور دوسرا شخص اس کی آڑ میں گزر جائے پھر وہ پہلا شخص یہی کرے اور اس طرح دونوں گزر جائیں یہ قیدیٰ میں لکھا ہے اور جو شخص جنگل میں نماز پڑھنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے سامنے ایک سترہ کھڑا کرے جس کا طول ایک ذراع اور مٹائی بقدر انگلی کے ہو اور اس کو اپنی داہنی یا بائیں بھونوں کے سامنے کرے اور داہنی بھونوں کے سامنے کرنا افضل ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر لکڑی گاڑ نہ سکے تو اس کو ڈال دے یہ کافی میں لکھا ہے اس مسئلہ کی ایک جماعت نے تجملہ ان کے قاضی خان نے بھی جامع صغیر کی شرح میں اس کی تصحیح کی ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ یہی اصح ہے اور قیدیٰ میں ہے کہ یہی مختار ہے یہ شرح ابوالکارم میں لکھا ہے اور اس کو سامنے رکھے تو لمبائی میں رکھے چوڑائی میں نہ رکھے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر اس کے پاس کوئی لکڑی یا گاڑے یا سامنے رکھنے کی چیز نہ ہو تو عامہ مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ خط نہ کھینچے اور یہ ایک روایت ہے امام محمد سے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ خط کھینچے اور امام محمد سے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے جن فقہانے خط کھینچنے کو جائز کہا ہے کیفیت خط میں انکا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ طول میں خط کھینچے اور بعضوں نے کہا ہے محراب کی صورت کا خط کھینچے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر سامنے کسی کے گزرنے کا خوف نہ ہو اور راستہ کی طرف کو منہ نہ ہو تو اگر سترہ نہ کھڑا کر لے تو کچھ مضائقہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے۔ امام کے سامنے جو سترہ ہو وہی جماعت کا سترہ ہے اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سترہ نہیں ہے اور اس کے سامنے کو کوئی شخص گزرے یا سترہ ہے اور نمازی اور سترہ کے درمیان کوئی شخص گزرنا چاہئے تو اس کو اشارہ یا تسبیح سے روکے یعنی سبحان اللہ کہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے فقہانے کہا ہے یہ مردوں کے واسطے ہے اور عورتوں کے واسطے حکم یہ ہے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ ماریں اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کی ہتھیلیوں پر مارے بحر الرائق میں غایۃ البیان سے نقل کیا ہے اشارہ اور تسبیح دونوں کو جمع کرنا مکروہ<sup>(۱)</sup> ہے اور اشارہ سر سے کرے یا آنکھ سے کرے یا ان دونوں کے سوا کسی اور عضو سے کرے یہ کافی میں لکھا ہے اگر نماز میں رکوع یا سجدہ زیادہ کر دیا ظاہر روایت میں یہ مذکور ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور اس طرح اگر دو سجدے یا زیادہ بڑھادیئے تو بھی نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ اگر دو رکوع بڑھادیئے یا اس سے بھی زیادہ کر دیئے اور اگر نماز تمام کرنے سے پہلے ایک رکعت پوری زیادہ کر دی تو اس کے نماز فاسد<sup>۲</sup> ہو جائے گی اگر امام نے رکوع کیا اور ایک سجدہ کیا اور جب ایک سجدہ کر کے سر اٹھایا تو ایک اور شخص آ کر نماز میں اس کے ساتھ داخل ہو اور اس نے رکوع کیا اور دو سجدے کئے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس واسطے کہ اس نے پوری ایک رکعت بڑھادی یعنی رکوع اور سجدہ اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یہ محیط میں لکھا ہے کوئی شخص ظہر کی نماز پڑھتا تھا اور اس نے نئی تکبیر کہہ کر عصر یا نفل کی نماز شروع کر دی تو پہلی نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اس

۱ سترہ سے مراد لکڑی یا اور کوئی چیز ہے جو نمازی کے سامنے آڑ ہو جائے ۱۲ ۲ نمازی نے خدائے تعالیٰ کا نام سن کر کہا بل جلالہ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا ورنہ آپ پرورد پڑھایا امام کی قرأت سنی اور کہا سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے تو ان کلمات سے نماز فاسد ہوگی اگر متکلم کے جواب کا قصد کیا ہوگا یعنی اگر بقصد تعظیم اور شفاء کے کہے گا تو یہ نماز فاسد نہ ہوگی اور کہنا اس قدر معتبر ہے کہ اپنے آپ سننے اور اگر اس طرح کہا کہ خود بھی نہ سنا تو نماز فاسد نہ ہوگی کذافی الشامی ۱۲ (۱) یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ گزرنے والے سے جنگ کرے کہ وہ شیطان ہے یہ منسوخ ہے چنانچہ طبعی نے سرخسی سے نقل کیا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب نماز کے اندر کام کرنا مباح تھا اب اس کی اجازت نہیں کذافی الشامی ۱۲

واسطے کہ پڑھیں جب سلام پھیرا تو یاد آیا کہ ایک سجدہ بھول گیا ہے پھر کھڑا ہوا اور از سر نو نماز شروع کی اور چار رکعتیں دوسری نماز میں اس کا شروع کرنا صحیح ہو گیا اور وہ دوسری نماز نفل ہے اگر نفل کی نیت کی ہو یا عصر کی نیت صاحب ترتیب نے کی ہو اور اگر صاحب ترتیب نہیں ہے مثلاً بہت سی نمازوں کے فوت ہونے یا وقت کی تنگی کے سبب سے ترتیب ساقط ہو گئی ہو تب بھی وہ پہلی نماز سے نفل جائے گا اگر نفل پڑھتا ہو اور اس نے نماز میں ہی فرض شروع کر دیئے یا جمعہ پڑھتا تھا اور ظہر شروع کر دی یا ظہر پڑھتا تھا اور جمعہ شروع کر دیا تو جس نماز میں تھا اس سے باہر ہو جائے گا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر اس نے از سر نو تکبیر کہہ کر وہی ظہر کی نماز پڑھنا چاہی تو جتنی نماز ادا کر چکا ہے وہ فاسد نہ ہوگی اور اس رکعت کا نماز میں حساب ہوگا یہاں تک کہ اگر باقی نماز میں جو پہلی رکعت کے حساب سے قعدہ اخیر کا موقع ہوگا اور وہاں نہ بیٹھا تو نماز فاسد ہوگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے یہ اس وقت ہے جب دل سے نیت کی ہو اور اگر زبان سے بھی کہہ دیا کہ میں ظہر کی نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں تو وہ نماز باطل ہو جائے گی اور اس رکعت کا حساب نہ ہوگا یہ کافی میں لکھا ہے اگر تنہا نماز شروع کی پھر اس سے کسی اور شخص نے اقتدا کر لیا اور امام نے اس کے سبب سے دوبارہ نماز شروع کر دی تو دوسری بار نماز شروع کرنے کا اعتبار نہ ہوگا اسی پہلی بار کے شروع کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اگر داخل ہونے والی عورت ہے تو دوسرا شروع صحیح ہو جائے گا یہ نہا یہ میں لکھا ہے۔

اور اگر ظہر کی نماز شروع کی پھر تکبیر کہہ کر کسی امام سے ظہر کی نماز میں اقتدا کی نیت کر لی تو پہلی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھی اور وہی نماز پھر جماعت سے پڑھی تو پہلی نماز باطل نہ ہوگی یہ کافی میں لکھا ہے۔ ظہر کی نماز کی چار رکعتیں پڑھ کر سلام پھر دیا تو اس کی ظہر کی نماز فاسد ہو گئی اس واسطے کہ دوبارہ ظہر میں داخل ہونے کی نیت اس کی لغو ہے پس جب اس نے ایک رکعت اور پڑھ لی تو فرض نماز کے فارغ ہونے سے پہلے فرض اور نفل کو ملا دیا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور یہی خلاصہ میں لکھا ہے کوئی شخص مغرب کی دو رکعتیں پڑھ کر قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھا اور اس کو یہ گمان ہوا کہ نماز پوری ہو گئی اور سلام پھیر کر کھڑا ہو گیا اور تکبیر کہہ کر مغرب کی سنتوں میں داخل ہونے کی نیت کی تو خواہ سنتوں کا سجدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو مغرب کی نماز فاسد ہو جائے گی اس واسطے کہ فرض نماز کے فارغ ہونے سے پہلے وہ نفل میں داخل ہو گیا لیکن اگر مغرب کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا پھر اس کو یاد آ گیا کہ نماز پوری نہیں ہوئی اور اس نے یہ سمجھا کہ نماز فاسد ہو گئی اور کھڑے ہو کر اس نے دوبارہ اللہ اکبر کہا اور تین رکعتیں پڑھیں تو اگر ایک رکعت کے بعد تشہد بیٹھ گیا تو مغرب کی پہلی نماز صحیح ہوگی ورنہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر مغرب کی نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھ کر یہ گمان ہوا کہ اس نے شروع کی تکبیر نہیں کہی تھی پھر نماز از سر نو شروع کی اور تین رکعتیں پڑھیں تو نماز اس کی جائز ہے اور اگر دو رکعتیں پڑھ کر یہ گمان ہوا کہ اس نے شروع کی تکبیر نہیں کہی اور پھر از سر نو اس نے شروع کی اور تین رکعتیں پڑھیں تو نماز اس کی جائز ہے نہ ہوگی اور کتاب رزین میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس نے نماز شروع کر کے ایک رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا ہو اس لئے کہ اس سے قعدہ اخیر چھوٹا اور فرض کے تمام ہونے سے پہلے نفل میں چلا گیا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

۱ یعنی خواہ نماز کی نیت کر لے خواہ اسی کو کرے تلفظ نیت سے پہلے نماز فاسد ہے کیونکہ نیت کا تلفظ کلام ہے اور کلام نماز کا مفید ہے کذا فی الشامی ۱۲  
 ۲ اور فاسد کرنا ہے نماز کو سجدہ کرنا نمازی کا ناپاک چیز پر اگر چہ اس کو پاک چیز پر دھرایا ہو بخلاف دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے کہ اگر ان کو نجس پر رکھا ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی ظاہر روایت پر ۱۴  
 ۳ یہ ہمارے نزدیک ہے معنی کہ جو کچھ پڑھ چکا وہ محبوب ہوگا اور امام شافعی اور احمد کے نزدیک اگر منفرد نے امام کی اقتدا کی نیت کی تو داخل ہونا صحیح ہے مگر جو پڑھ چکا وہ محسوب ہے اور پہلا تحریر یہ کافی ہے ۱۲ ع

## دوسری فصل

## ان چیزوں کے بیان میں جو نماز میں مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں

نماز پڑھنے والے کو اپنے کپڑے اور داڑھی یا بدن سے کھیل کر نایا سجدہ میں جاتے وقت اپنے سامنے یا پیچھے سے کپڑا اٹھانا مکروہ ہے یہ معرنا الدرا یہ میں لکھا ہے اور اگر کپڑے کو اس لئے جھٹکے کہ رکوع میں اس کے بدن سے لپٹ نہ جائے تو مضائقہ نہیں اور اگر نماز کے فارغ ہونے کے بعد یا پہلے پیشانی سے مٹی یا تنک پونچھے تو اگر اس کو اس سے ضرر تھا اور نماز میں خلل پڑتا تھا تو مضائقہ نہیں اور اگر خلل نہیں پڑتا تھا تو درمیان نماز میں مکروہ ہے اور تشہد اور سلام سے پہلے مکروہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اس کا چھوڑنا افضل ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے نماز میں اپنی پیشانی سے پسینا پونچھنے میں مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جو کام مفید ہو نماز میں اس کے کرنے سے کچھ مضائقہ نہیں اور نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہوا ہے کہ آپ نے پسینا پیشانی سے پونچھا ہے اور جب سجدہ سے کھڑے ہوتے تھے تو کپڑے کو داہنے یا بائیں جانب کو جھاڑتے تھے اور جو کام مفید نہیں وہ نماز میں مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہ نہا یہ میں لکھا ہے۔ نماز کے اندر اگر ناک میں سے کچھ رطوبت نکلی تو اس زمین پر ٹپکنے سے اس کا پونچھ دینا اولیٰ ہے یہ قیہ میں لکھا ہے اور آیتوں کا یا سبحان اللہ کا ہاتھ سے گننا نماز میں مکروہ ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں بعضوں نے کہا ہے کہ یہ خلاف صرف فرضوں میں ہے اور نفلوں میں بالاجماع جائز ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ خلاف نفلوں میں ہے اور فرضوں میں بالاجماع جائز نہیں اور اظہر یہ ہے کہ سب میں خلاف ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر کسی شخص کو گننے کی ضرورت پڑے تو اشارۃً گنے ظاہر نہ گنے اور جو شخص مجبور ہو وہ صاحبین کے قول پر عمل کرے یہ نہا یہ میں لکھا ہے اور فقہانے کہا ہے کہ اگر انگلیوں کے سرے سے اشارہ کر لے تو مکروہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور نماز سے باہر تسبیح کے گننے میں اختلاف ہے مستحسبی میں ہے کہ صحیح قول کے بموجب نماز سے باہر مکروہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور سورتوں کا گننا مکروہ ہے اس واسطے کہ وہ اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور کنکریوں کو ہٹانا مکروہ ہے لیکن اگر ان کی وجہ سے سجدہ نہ ہو سکے تو ایک یا دو بار صاف کر دینا مکروہ نہیں اور ظاہر روایت میں یہ ہے کہ ایک بار صاف کرے یہ قیہ میں لکھا ہے اور میرے نزدیک اس کا چھوڑنا بہتر یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور نماز کے اندر انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا اور چڑکانا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور انگلیاں چڑکانا یہ ہے کہ ان کو دبائے یا کھینچے تاکہ ان میں سے آواز نکلے یہ نہا یہ میں لکھا ہے۔ نماز سے باہر انگلیاں چڑکانے کو اکثر مکروہ بتلایا ہے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے۔

اور اپنے بالوں کو جوڑا سر پر باندھنا مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ بالوں کو سر پر جمع کر کے کسی چیز سے باندھے کہ کھل نہ جائیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور اس کی صورت میں فقہانے تین قول ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ سر کے بیچ میں بالوں کو جمع کر کے باندھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اپنی زلفیں سر کے گرد لپیٹے جیسے کہ عورتیں کرتی ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ سر کے پیچھے بالوں کو جمع کر کے کسی ڈورے یا دھجی سے باندھے اور یہ سب صورتیں مکروہ ہیں یہ بحر الرائق میں غایۃ البیان سے نقل کیا ہے نماز میں پہلو پر اپنا ہاتھ رکھنا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور نماز سے باہر بھی پہلو پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اور داہنے بائیں کو اس

۱۔ بدلیل قولہ علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ کرہ لکم غشا العیث فی الصلوٰۃ والرفث فی الصوم والضحک فی المقابر یعنی فعل عبث کرنا نماز میں اور فحش باتیں کرتی روزہ میں اور ہنسا مقابر میں ۱۲۔ ۲۔ لقولہ علیہ السلام لا تضرع اصابع و انت تصلی بدلیل حدیث علی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو انگلیاں مت چڑکا اور

جالیہ تو نماز میں ہوگا بعض کے نزدیک خارج نماز بھی مکروہ ہے اور وجہ کراہت یہ کہ قوم لوط کا فعل ہے ۱۲ تاج الشریعہ

۳۔ اس لیے کہ ہمیں سنت طریقہ کا چھوڑنا لازم آتا ہے ۱۲ ع

طرح دیکھنا کہ کچھ منہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے مکروہ<sup>۱</sup> ہے صرف گوشہ چشم سے دیکھنا جس میں منہ قبلہ کی طرف سے نہ پھیرے مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے آسمان کی طرف نظر اٹھانا مکروہ ہے یہ تمبین میں لکھا ہے تشہد میں اور دونوں سجدوں کے درمیان اقعا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اقعا اس طرح کے بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ سرین اپنے زمین پر رکھ لے اور دونوں گھٹنے کھڑے کر دے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ کافی اور نہایہ میں مبسوط سے نقل کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اقعا کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ایڑیوں پر بیٹھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ انگلیوں کے اطراف پر بیٹھے اور بعضوں نے کہا کہ اقعا ایسے بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ گھٹنے اپنے سینہ میں لگائے اور بعضوں نے کہا ہے کہ گھٹنے اپنے سینہ میں لگا کر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے اور یہ کتے کی نشست کے مشابہ ہے یہ سب صورتیں مکروہ ہیں ہ زابدی میں لکھا ہے ہاتھ سے سلام کا جواب دینا اور بلا عذر چار زانو بیٹھنا مکروہ ہے یہ تمبین میں لکھا ہے دونوں بائیں زمین پر بچھانا اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا اور سدل ثوب مکروہ ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور سدل ثوب اسے کہتے ہیں کہ اپنے سر پر یا دونوں مونڈھوں پر کپڑا ڈال کر اس کے کنارہ ادھر ادھر کو چھوڑ دے اور اگر قبا کو دونوں مونڈھوں پر ڈالے اور اپنے ہاتھ اس میں نہ ڈالے تو یہ بھی سدل ہے یہ تمبین میں لکھا ہے برابر ہے کہ قبا کے نیچے قمیص ہو یا نہ ہو یہ نہایہ میں لکھا ہے خلاصہ اور نصاب المصلیٰ میں ہے کہ اگر نماز پڑھنے والا شق۱ یا قرجی پہنے ہوئے ہو اور ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے تو متاخرین کا اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ وہ مکروہ نہیں ہے یہ مضممرات میں لکھا ہے اور فقہانے کہا ہے کہ جو شخص قبا پہن کر نماز پڑھے اس کو چاہئے کہ دونوں ہاتھ آستینوں میں ڈال لے اور پٹکے سے باندھ لے تاکہ سدل نہ ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

نماز سے باہر سدل کرنے میں فقہانے اختلاف ہے قدیہ میں کے باب الکراہت میں ہے کہ مکروہ نہیں ہے بحر الرائق میں لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس عمامہ موجود ہو تو سستی کی وجہ سے یا نماز کو ایک سہل کام سمجھ کر ننگے سر نماز پڑھے تو مکروہ ہے اور اگر عاجزی اور خشوع کی وجہ سے ننگے سر پڑھے تو مکروہ نہیں<sup>۲</sup> بلکہ بہتر ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے کسی شخص کے پاس کرتہ موجود ہو اور وہ صرف پانچامہ پہن کر نماز پڑھے تو مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ برنس پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور لڑائی میں اس کا پہننا مکروہ نہیں یہ تارخانہ میں لکھا ہے آستین کہیوں تک چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور کپڑے کو اس طرح پہننا کہ وہ اس کے بدن پر سر سے پاؤں تک مثل جھولی کے ہو جائے اور کوئی جانب ایسی اٹھی ہوئی نہ ہو جس سے ہاتھ باہر نکلیں مکروہ ہے یہ تمبین میں لکھا ہے اور کپڑے کو اس طرح پہننا کہ اس کو وہنی بغل کے نیچے لیکر دونوں کنارے اس کے بائیں مونڈھے پر ڈالے یہ بھی مکروہ ہے اور عمامہ اس طرح باندھنا کہ درمیان میں سے سر کھلا ہو مکروہ ہے یہ تمبین میں لکھا ہے اور امام ولوالحی نے کہا ہے کہ اس طرح کا عمامہ باندھنا نماز سے باہر بھی مکروہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ ذلیل کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور ناک اور منہ ڈھک لینا اور نماز میں جمائی لینا مکروہ ہے اگر جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے رد کرے<sup>۳</sup> اور اگر غالب ہو تو اپنا ہاتھ آستین منہ پر رکھ لے یہ تمبین میں لکھا ہے۔ جمائی میں منہ بند نہ کرنا مکروہ ہے یہ خزائنہ الفقہ میں لکھا ہے پھر جب ہاتھ منہ پر رکھے تو ہاتھ کی پیٹھ پر رکھے یہ بحر الرائق میں مختار النوازل سے نقل کیا ہے اور اگر قیام میں جمائی آئے تو داہنے ہاتھ سے منہ بند کر لے اور جو قیام میں نہ ہو تو بائیں ہاتھ سے منہ بند کر لے یہ زابدی میں لکھا ہے اور انگڑائی لینا اور آنکھوں کا بند کرنا نماز میں مکروہ

۱۔ ترمذی نے انس سے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں التفات سے کیونکہ التفات نماز میں موجب ہلاک ہے ۱۲ ع  
 ۲۔ شقۃ بالضم والتمتہ ید قاف ایک لباس آگے سے چاک ہوتا ہے ۱۲ م ۳ اور اسی قسم سے حضرت جابر کا لباس مستحب پر تھا اور ننگے بدن پر بھی عمد اکمانی البخاری ۱۲ عین الہدایہ ۳ ترکیب جمائی کے دور کرنے کی یہ بہت عمدہ ہے کہ اپنے دل میں سوچے کہ انبیاء علیہم السلام نے جمالی نہیں لی قدوری اور شامی نے ذکر کیا کہ ہم نے اس کا بارہا امتحان کیا فوراً جمائی دور ہو گئی ۱۲

ہے پیشاب یا پائخانہ کی حاجت میں نماز میں داخل ہونا مکروہ ہے اور اگر اس حالت کی وجہ سے نماز میں خلل پڑتا ہے تو نماز قطع کرے  
 ریح کے واسطے بھی یہی حکم ہے اور اگر اس طرح پڑھتا رہے تو جائز ہے اور برا کیا اور اگر وقت ایسا تنگ ہو گیا ہو کہ اگر وضو کرے گا تو  
 وقت جاتا رہے گا تو اس طرح نماز پڑھ لے اس واسطے کہ کراہت کے ساتھ ادا کرنا بالکل قضا کرنے سے اولیٰ ہے اور نماز میں آستین یا  
 پتکھے سے اپنے آپ کو ہوا کرنا مکروہ ہے مگر جب تک وہ نہ ہو نماز اس سے فاسد نہیں ہوتی یہ تمیین میں لکھا ہے اور نماز میں قصداً کھانسا  
 اور کھنکھانا مکروہ ہے اور اگر مجبوری ہے تو مکروہ نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے اور نماز میں تھوکننا اور رکوع اور سجود میں طمانیت کو چھوڑنا یا رکوع  
 اور سجدہ ایسا کرنا کہ پیٹھ نہ ٹھہرے مکروہ ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اس طرح قومہ اور جلسہ میں طمانیت چھوڑنا مکروہ ہے یہ شرح منیت  
 المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور اکیلے نماز پڑھے والے کو جماعت کی صفوں کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے اس لئے  
 کہ قیام و قعود میں ان کی مخالفت ہوگی اگر جماعت کی صف میں کچھ جگہ ہو تو مقتدی کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر صفوں میں جگہ نہ  
 ملے تو محمد بن شجاع اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کی ہے کہ مکروہ نہیں پس اگر کسی شخص کو جماعت میں سے اپنی طرف  
 کھینچ کر اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو یہ اولیٰ ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور چاہئے کہ وہ شخص اس مسئلہ کو جانتا ہوتا کہ اپنی نماز نہ فاسد کر لے  
 یہ خزائنہ الفتاویٰ میں لکھا ہے اور حاوی میں ہے کہ اگر قبریں مصلیٰ کے اس طرف ہوں تو مکروہ نہیں اس لئے کہ اگر نماز پڑھنے والے اور  
 قبر کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہو کہ اگر اتنی دور پر آدمی نماز کے سامنے گزرے تو مکروہ نہ ہو تو نماز میں کراہت نہیں ہوتی پس اس طرح  
 یہاں بھی مکروہ نہیں گی یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے نماز میں سامنے یا اوپر یا داہنے یا بائیں یا نمازی کے کپڑے میں تصویریں ہوں تو نماز  
 مکروہ ہے اور جو فرش پر تصویریں ہوں تو اس میں دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ اگر تصویر پر سجدہ نہ کرتا ہو تو مکروہ نہیں یہ حکم اس وقت ہے  
 کہ جب تصویریں بڑی بڑی ہوں کہ دیکھنے والے کو بے تکلف نظر آئیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر ایسی چھوٹی ہوں کہ  
 دیکھنے والے کو بغیر تامل کے نظر نہ آسے تو مکروہ نہیں اور ان کا سر کٹا ہوا ہو تو کسی حالت میں مضائقہ نہیں اور سر کٹنا اس طرح ہوتا ہے کہ سر  
 اس کا ڈورے میں اس طرح چھپا دیں کہ ذرا اثر باقی نہ رہے اور اگر اس کے سر اور جسد کے درمیان میں ڈورا ڈال دیں تو اس کا کچھ  
 اعتبار نہیں اس واسطے کہ بعض جانوروں کے گلے میں طوق بھی ہوتا ہے اور سب سے زیادہ مکروہ یہ ہے کہ وہ تصویریں نمازی کے سامنے  
 ہوں پھر اس کے بعد یہ کہ اس کے سر پر ہوں پھر اس کے بعد یہ کہ داہنی طرف ہوں پھر اس کے بعد یہ کہ بائیں طرف ہوں پھر اس کے  
 بعد یہ کہ اس کے پیچھے ہوں یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر کوئی تکیہ اس کے سامنے کھڑا ہو اور اس میں تصویر ہے تو مکروہ ہے اور اگر وہ تکیہ  
 زمین پر پڑا ہو تو مکروہ نہیں یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ غیر ذی روح کی تصویر مکروہ نہیں یہ نہا یہ میں لکھا ہے فرضوں میں ایک سورہ بار بار  
 پڑھنا مکروہ ہے نفل میں اس کا کچھ مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر ایک آئیہ کو بار بار پڑھے تو اگر ایسی نفلوں میں ہے کہ  
 اکیلا پڑھتا ہے تو مکروہ نہیں اور اگر فرض میں ہے تو حالت اختیار میں مکروہ ہے اور حالت عذر و نسیان میں مضائقہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے  
 جمعہ کی نماز میں ایسی سورہ کا پڑھنا جس میں سجدہ ہو مکروہ ہے اور اس طرح ان سب نمازوں میں جن میں قرأت جبر سے نہیں پڑھتے  
 مکروہ ہے یہ خلاصہ کی سولہویں فصل میں لکھا ہے جو سہو کے بیان میں ہے سجدہ کرتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنا اور سجدہ سے اٹھتے  
 وقت ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو اٹھانا مکروہ ہے مگر جبکہ عذر ہو تو مکروہ نہیں یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے مقتدی کے واسطے یہ مکروہ ہے کہ

۱۔ یہ کراہت باعث ممانعت کے ہے یعنی ابوداؤد کی حدیث کے باعث کہ نہیں حلال ہے کسی کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ روز آخرت پر کہ نماز پڑھے اس

حال میں کہ پیشاب کو دبائے ہو یہاں تک کہ اس سے ہلکا ہو جائے ایسا ہی بیخانہ کا ضبط کرنے والا کذافی الثامی

۲۔ پیچھے ہونا بھی تصویر کا علی الاصح مکروہ ہے ۱۲۷

رکوع یا سجدہ میں امام سے پہلے چلا جائے یا امام سے پہلے سر اٹھائے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے بسم اللہ اور آمین جہر سے کہنا اور قرأت کو رکوع کے اندر پورا کرنا اور جو ذکر حالت انتقال میں پڑھنے کے ہیں ان کو انتقال پورا ہونے کے بعد پڑھنا اور فرضوں میں بے عصارہ سہارا دینا مکروہ ہے اصح قول کے بموجب نفل میں مکروہ نہیں یہ زہدی میں لکھا ہے بچہ کو لے کر نماز پڑھنا جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر کوئی شخص نگہبانی کرنے والا اور خبر لینے والا نہیں اور وہ روتا ہے تو مکروہ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے نماز میں کرتہ کا یا ٹوپی کا اتارنا یا ان کو پہننا اور موزہ کا نکالنا تھوڑے عمل سے مکروہ ہے محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر عمامہ اپنے سر سے اٹھا کر زمین پر رکھنا یا زمین سے اٹھا کر سر پر رکھا تو نماز فاسد نہیں ہوتی مگر مکروہ ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔

عمامہ کی کور پر سجدہ کرنا مکروہ ہے ذخیرہ میں لکھا ہے اور مکروہ اس وقت ہے کہ جب زمین کی سختی کے معلوم ہونے کا مانع نہ ہو اور اگر اس سے بھی مانع ہے تو ہرگز نماز ہی جائز نہ ہوگی یہ برجندی میں لکھا ہے اگر اپنی آستین بچھا کر اس پر سجدہ کرے اگر آستین اس واسطے بچھائی کہ منہ کو خاک نہ لگے تو مکروہ ہے اور اگر اس واسطے بچھائی کہ اس کے عمامہ کو اور کپڑوں کو خاک نہ لگے تو مکروہ نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے کوئی شخص زمین پر نماز پڑھتا ہے اور ایک کپڑا اس کے سامنے ڈال دیا وہ اس پر سجدہ کرتا ہے تاکہ زمین کی گرمی سے بچے تو مضائقہ نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے سجدہ میں پاؤں کو ڈھکنا مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص تنہا نفل پڑھتا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں کہ اگر کوئی رحمت کی آیت پڑھے تو رحمت کی دعا مانگے اور دوزخ کی آیت پڑھے تو دوزخ سے پناہ مانگے اور مغفرت کی دعا مانگے اور فرضوں میں یہ مکروہ نہیں اور امام اور مقتدی کو فرض اور نفل دونوں میں مکروہ ہے یہ منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے اور کبھی دہنی طرف اور کبھی بائیں طرف کو جھک جانا بھی مکروہ ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔

نماز میں کبھی ایک پاؤں پر زور ڈالنا اور کبھی دوسرے پاؤں پر زور ڈالنا مکروہ ہے لیکن عذر ہو تو مکروہ نہیں اور اس طرح ایک پاؤں پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے کھڑے ہوتے وقت پاؤں آگے بڑھانا مکروہ ہے بیٹھتے وقت داہنے اعضاء پر اور اٹھتے وقت بائیں اعضاء پر زور دینا مستحب ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور نماز میں کسی خوشبودار چیز یا خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور سجدہ وغیرہ میں اپنے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سے پھیرنا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اکیلے محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر محراب سے باہر کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں کرے تو مکروہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور امام کے پیچھے جگہ تنگ ہو اس وقت امام کے محراب میں کھڑے ہونے کا مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی برہانیہ میں لکھا ہے صرف اکیلا امام چبوترہ پر ہو اور مقتدی نیچے ہوں یا مقتدی چبوترہ پر ہوں اور اکیلا امام نیچے ہو جب ظاہر روایت کے مکروہ ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر کچھ مقتدی بھی امام کے ساتھ ہوں تو اصح یہ ہے کہ مکروہ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے یہ حکم اس چبوترہ کا ہے جو قد آدم بلند ہو اور اس سے کم کا مضائقہ نہیں یہ طحاوی میں لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ چبوترہ کی بلندی اس قدر معتبر ہے کہ جس سے فرق ہو جائے اور بعضوں نے سترہ کے قیاس پر ایک ذراع کا اعتبار کیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ غایۃ البیان میں ہے کہ اگر یہی صحیح ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ اس کی تعظیم کے خلاف ہے۔ کسی شخص کو مسجد میں اپنی نماز خاص کر لینے کے واسطے جگہ معین کرنا مکروہ ہے یہ تار تار خانہ میں لکھا ہے۔ کسی آدمی کے منہ کی طرف کو نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ معدن میں لکھا ہے اور اگر کسی آدمی کے منہ کی طرف کو نماز پڑھے اور ان دونوں کے درمیان میں کوئی تیسرا شخص ہو اور اس کی پیٹھ نماز پڑھنے

پس اعتبار قدم کا ہوتا ہے اور جب قدم مسجد میں ہوں تو مقتدی کے اندر واقع ہوتا ہے لہذا اگر وحشی جانور کا پاؤں حرم کی زمین پر ہو اگر سر باہر ہو تو اس کے قتل سے مجرم جرم مانہ ہوگا اگر قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوگا تو قدموں کے سوائے باقی اعضاء داخل کرنے سے جھوٹا نہ ہوگا ۱۲ ع



والے کی طرف کو ہو تو مکروہ<sup>۱</sup> نہیں یہ تہمتا شی میں لکھا ہے۔ نماز پڑھنے والے کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے خواہ نماز پڑھنے والا پہلی صف میں یا اخیر صف میں ہو یہ مدیہ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص بائیں کر رہا ہے اگرچہ وہ قریب ہے اس کی پیٹھ کی طرف کو نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے لیکن جب ایسی آوازیں بلند کریں کہ نماز پڑھنے والے کو اپنی قرأت میں خلل پڑنے کا خوف ہو تو مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں سامنے لوگ سو رہے ہوں مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ نماز میں ایسے تنور کی طرف کو منہ کرنا جس میں آگ جل رہی ہو یا بھٹی کی طرف کو منہ کرنا جس میں آگ ہے مکروہ ہے اور اگر قندیل یا چراغ کی طرف کو منہ کیا تو مکروہ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے یہی اصح ہے یہ خزانۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے اگر نماز پڑھنے میں سامنے یا سر کے اوپر قرآن یا تلوار یا اس قسم کی کوئی اور چیز لٹکتی ہو تو مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر امام رکوع میں ہو اور کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہو اور رکوع میں اس واسطے دیر کی کہ آنے والے کو رکوع مل جائے تو اگر اس نے آنے والے کو پہچان لیا تو مکروہ ہے اور نہیں پہچانا تو بقدر ایک یا دو تسبیح کے دیر کرنے میں مضائقہ نہیں یہ مختار الفتاویٰ میں لکھا ہے امام کا اس طور پر کھڑا ہونا کہ صف سے مقابلہ نہ ہو مکروہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے درہم یاد دینا منہ میں لے کر نماز پڑھنا اگرچہ قرأت سے مانع نہ ہو مکروہ ہے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز تھام کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگرچہ کیس سامنے ہو تو نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے نماز میں بلا عذر چند قدم چلنا اور ہر قدم کے بعد کچھ ٹھہرنا مکروہ ہے اور اگر عذر سے ہو تو مکروہ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے صف سے پیچھے کھڑا ہو کر شروع تکبیر کہے اور پھر بڑھ کر صف میں مل جائے تو مکروہ ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے بلا عذر رکوع میں گھٹنوں پر اور سجدہ میں زمین پر ہاتھ نہ رکھنا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے امام کے پیچھے قرأت پڑھنا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے سر کو اوندھا کرنا یا اونچا اٹھانا اور رفع یدین میں دونوں ہاتھ کانوں سے اوپر اٹھانا یا مونڈھوں سے نیچے رکھنا اور پیٹ کو دونوں رانوں سے ملانا اور قامت کے وقت بغیر امام کے آئے جماعت کا صفوں میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے یہ خزانۃ الفقہ میں لکھا ہے۔ اور امام کا نماز میں اس قدر جلدی کرنا کہ مقتدی قدر مسنون کو پورا ادا نہ کر سکے مکروہ ہے یہ مدیہ میں لکھا ہے حجت میں ہے کہ نماز میں مکھیوں یا مچھروں کا بلا ضرورت ہاتھ سے ہٹانا مکروہ ہے اور حاجت کے وقت عمل قلیل سے ہٹانا مکروہ نہیں یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ نماز میں بغیر عذر عمل قلیل بھی مکروہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر گلے میں کمان یا ترکش ڈال کر نماز پڑھے تو مضائقہ نہیں لیکن اگر ان کی حرکت سے نماز میں خلل ہوتا ہے تو مکروہ ہے اور نماز ادا ہو جائے گی یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ کسی کی زمین غصب کر لی ہو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اس ظلم کا عذاب ہوگا لیکن جو عمل بندہ اور اللہ کے درمیان ہی اس کا ثواب ملے گا اور جو باہم بندوں میں ہے اس کا عذاب ہوگا۔ یہ مختار الفتاویٰ میں لکھا ہے جتنی مکروہات کی صورتیں مذکور ہوئیں ان سب میں نماز ادا ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس کے شرائط اور ارکان موجود ہیں لیکن چاہئے کہ پھر نماز کا اس طرح اعادہ کریں کہ کوئی کراہت کی وجہ نہ ہو جتنی نمازیں کراہت کے ساتھ ادا کی جائیں سب کا یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر یہ کراہت تحریمی ہو تو اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہو تو مستحب ہے اس واسطے کہ کراہت تحریمی واجب کے مرتبہ میں ہے فتح القدیر میں لکھا ہے اور اسی سے ملتے ہوئے یہ مسئلہ ہے نماز پڑھنے والے کو اگر اس کی ماں یا باپ پکارے تو جب تک نماز سے فارغ نہیں ہو جواب نہ دے لیکن اگر کسی سبب سے اس سے فریاد چاہے تو جواب دے اس واسطے کہ نماز کا قطع کرنا

۱ اور سونے کی طرف بھی نماز مکروہ نہیں اگرچہ قاضی خان نے کراہت کا زخم کیا اور شاید کہ یہ نجوف مشککہ ہے یعنی سونے والے سے لوز وغیرہ کی آواز سے مشککہ پیدا ہوا ۲ مگر نماز نفل میں ماں باپ پکارے تو جواب دینا واجب ہے گو فریاد خواہی کے واسطے پکارا ہو کذا فی الشامی پھر اگر ماں باپ کو معلوم ہو کہ وہ نماز پڑھتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں جواب نہ دینے کا اور اگر معلوم نہ ہو تو جواب دے اور ماں باپ سے مراد اصولی ہیں گو اوپر کے ہوں یعنی دادا یا نانا یا نانی یا دادی ہو تب بھی یہی حکم ہے ۱۲

بلا ضرورت جائز نہیں اس طرح اگر کسی غیر شخص کو چھت سے گر پڑنے یا آگ میں جل جانے کا یا پانی میں ڈوب جانے کا خوف ہو اور نماز پڑھنے والے سے فریاد کرے تو اس پر نماز کا قطع کر دینا واجب ہے۔ کوئی شخص نماز کو کھڑا ہوا اور اس کے پاس سے کوئی شخص نے کوئی ایسی چیز چرائی کہ جس کی قیمت ایک درہم تھی تو اس کو جائز ہے کہ نماز کو قطع کر کے چور کو ڈھونڈھے خواہ فرض نماز ہو خواہ نفل ہو اس واسطے کہ درہم مال ہے کوئی عورت نماز پڑھتی تھی اور اس کی ہانڈی میں اپہان آیا تو اس کے درست کرنے کے واسطے نماز کا قطع کرنا جائز ہے۔ مسافر کا جانور اگر بے موقع کسی طرف کو چلا گیا یا چرواہا کو پانی بکریوں میں بھیڑ یا کا خوف ہو یا کنویں کے قریب کسی اندھے کو دیکھے اور اس میں اس کے گر جانے کا خوف ہو تو نماز قطع کر دے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر کوئی ذمی کا فر آئے اور نماز پڑھنے والے سے کہے کہ مجھے مسلمان کر تو اگرچہ فرض نماز ہو قطع کر دے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ صبح کے کھل جانے کے بعد سوائے ذکر خیر کے اور طرح کا کلام کرنا مکروہ ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے دشمنی کے دفع ہونے کی نیت سے نماز پڑھنا نہ چاہئے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## فصل

مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ نماز کے وقتوں کے سوا اور اوقات میں مسجد کا اسباب بچانے کے واسطے مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ نہیں یہی صحیح ہے مسجد کی چھت پر و طپیا کرنا بول براز کرنا مکروہ ہے اور اگر گھر میں کوئی جگہ نماز کے واسطے مقرر کر لی ہو تو اس کی چھت پر یہ کام کرنا مکروہ نہیں عید گاہ میں اور جنازہ کی نماز پڑھنے کے مکان میں اختلاف ہے یہ اصح ہے کہ اس کو مسجد کا حکم نہیں لیکن اقتدا کے جائز ہونے میں بسبب مکان واحد ہونے کے مثل مسجد کے ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور فنائے مسجد کے لئے مسجد کا حکم ہے یہاں تک کہ اگر فنائے مسجد میں کھڑا ہو کر امام سے اقتدا کرے اگرچہ صفیں ملی ہوئی نہ ہوں اور مسجد بھری ہوئی نہ ہو تو بھی اقتدا صحیح ہے چنانچہ امام محمد نے باب الجمعة میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ مسجد کے طاقوں اور دیواروں پر اقتدا صحیح ہے اگرچہ صفیں ملی ہوئی نہ ہوں اور درصیارفہ میں اقتدا جائز نہیں لیکن اگر صفیں ملی ہوئی ہوں تو اقتدا جائز ہے اور اسی قول کے بموجب جو چوتھے مسجد کے دروازہ پر ہوتے ہیں ان پر سے بھی اقتدا جائز ہے اس واسطے کہ وہ منجملہ فنائے مسجد کے اور مسجد سے ملے ہوئے ہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ گج سے اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش کرنا مکروہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے یہ اس وقت ہے کہ جب اپنے مال سے کرے اور وقف سے متولی کو وہی کام جائز ہے جو اس کی تعمیر سے متعلق ہو جو نقش وغیرہ کی قسم سے ہو وہ جائز نہیں یہاں تک کہ اگر کرے گا تو اس کا عوض دینا پڑے گا یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر مسجد کا مال جمع ہو اور متولی کو یہ خوف ہو کہ ظالم اس کو تلف کر دیں گے ایسے وقت میں مسجد کے مال میں سے نقش کر دینا مضائقہ نہیں یہ کافی میں لکھا ہے مسجد کی محرابوں اور دیواروں پر قرآن لکھنا بہتر نہیں اس واسطے کہ خوف ہے کہ کبھی وہ کتابت گرے اور پاؤں کے نیچے آئے جمع نشی میں لکھا ہے کہ اگر مصلے یا فرش پر اللہ کے نام لکھے ہوں تو اس کا بچھانا اور اس طرح استعمال کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ خوف ہو کہ دوسرا شخص اس کا استعمال کرے گا تو دوسرے شخص کی ملک میں دینا بھی مکروہ ہے اور واجب یہ ہے کہ اس کو کسی بلند جگہ پر رکھ دے کہ اس پر کوئی چیز نہ رکھی جائے تعویذوں کو لکھ کر دروازوں پر

۱۔ مراد اس نماز سے یہ ہے کہ اللہ کے واسطے نماز اس نیت سے پڑھے کہ خدا اس کے دشمنوں کو راضی کر دے اور یہ نماز اس سبب سے جائز نہیں کہ بدعت ہے

یہ شامی میں لکھا ہے ۱۲

۲۔ یعنی مسجد شرعی وقف اور اذن عام سے ہوئی ہے اور گھر میں ایک جگہ لپ پوت کر نماز کے لیے کر لینے سے مسجد نہیں ہو جاتی ۱۲

۳۔ پس حلال ہے داخل ہونا عید گاہ و مکان جنازہ میں جنت اور حائضہ کو جیسے ان کو حلال ہے داخل ہونا فناء مسجد اور خانقاہ اور مدرسہ اور حرمون کی مسجدوں اور

بازوں کی مسجدوں میں شارع عام کی مساجد میں ۱۲

لگانا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں اہانت ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے مسجد کے اندر کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے لیکن اگر وہاں اس کام کے واسطے کوئی جگہ بنی ہو جہاں نماز نہ پڑھتے ہوں تو جائز ہے مسجد کے اندر برتن میں وضو کرنا جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ مسجد کی دیواروں پر اپنے سامنے کنکر یوں پر اور بوریوں پر اور بوریوں کے نیچے تھوکنا اور ناک سکنا مکروہ ہے اور اگر ضرورت ہو تو اپنے کپڑے میں لیلے اور اگر ایسا کیا تو اس کا اٹھانا اس کے ذمہ ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر اس امر پر مجبور ہے تو بوریہ کے نیچے تھوک وغیرہ ڈالنے سے بوریہ کے اوپر ڈالنے میں برائی کم ہی اس واسطے کہ بوریہ حقیقت میں مسجد نہیں ہے اور جو جگہ بوریوں کے نیچے ہے وہ حقیقت میں مسجد ہے اگر اس میں بوریہ نہ ہوں تو زمین کے اندر دفن کر دے زمین کے اوپر نہ چھوڑے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر گیلی مٹی میں چلا ہو تو اس کو مسجد کی دیواروں یا ستون سے پونچھنا مکروہ ہے اور اگر مسجد کے بوریہ سے پونچھے تو مضائقہ نہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اور اگر مسجد کی مٹی سے پونچھے تو اگر مٹی بستہ ہے تو مضائقہ نہیں اور اگر بکھری ہوئی ہے تو مکروہ ہے اور یہی مختار ہے اور اگر ایسی لکڑی سے پونچھے جو مسجد میں لگی ہوئی ہو تو مضائقہ نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ مسجد کے اندر کنوئیں کھودنا نہیں چاہئے اور اگر کنوئیں پہلے سے ہو تو اس کو چھوڑ دیں جیسے زمزم کا کنواں ہے اور مسجد میں درخت بونا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں کافروں کے عبادت خانوں سے مشابہت ہے اور نماز کی جگہ گھرتی ہے لیکن اگر اس میں مسجد کا فائدہ ہو مثلاً اگر زمین میں بہت نمی ہو اور اس کے ستون نہ ٹھہرتے ہوں اور درخت بونے سے وہ نمی کم ہو جائے تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے مسجد میں بوریوں کے رکھنے کے واسطے کوئی مکان بنا لینا مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

شہر پناہ کی دیوار پر جو مسجد بنائی جائے تو فقہانے کہا ہے کہ اس میں نماز پڑھنا چاہئے اس واسطے کہ وہ حق عوام کا ہے لیکن اس مسئلہ کے جواب میں یوں تفصیل چاہئے کہ اگر وہ شہر غلبہ یا کرفح کیا ہو اور امام کے اذن سے وہ مسجد بنائی گئی ہو تو اس میں نماز جائز ہے اس واسطے کہ امام کو یہ اختیار ہے کہ راستہ میں مسجد بنائے پس شہر پناہ کی دیوار کو مسجد بنا دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا کوئی شخص مسجد میں ہو کر چلا کرتا ہے اور اسی کو راستہ بنا لیا ہے اگر بغیر عذر ہے تو جائز نہیں اور عذر ہے تو جائز ہے۔ پھر جب اس میں سے گذرتا ہے تو ہردن میں ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھنا ضروری ہوگی نہ ہر مرتبہ درزی کو مسجد میں بیٹھ کر سینا مکروہ ہے لیکن اگر مسجد میں سے لڑکوں کے نکالنے یا اس کی حفاظت کے لئے بیٹھے تو اس وقت مضائقہ نہیں اس طرح کاتب اگر اجرت پر لکھتا ہو تو مسجد میں لکھنا مکروہ ہے اور بغیر اجرت کے لکھتا ہو تو مکروہ نہیں معہم جو اجرت پر لڑکوں کو پڑھاتا ہے اگر مسجد میں لڑکوں کو گرمی یا کسی اور ضرورت سے پڑھادے تو مکروہ نہیں اور نسخہ قاضی امام میں اور اقرار العیون میں معلم کا وہی حکم کیا ہے جو کاتب اور درزی کا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے کسی کے گھر کے اندر مسجد ہے اگر وہ گھر ایسا ہے جب وہ بند کیا جاتا ہے تو اس گھر کے لوگ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تب وہ مسجد جماعت سے ہے اس کو احکام مسجد کے ثابت ہوں گے بیچ اس میں حرام ہوگی اور جب کا داخل ہونا حرام ہوگا یہ اس وقت ہے کہ جب اس گھر کے لوگ اس مسجد میں نمازیوں کو جانے سے منع نہ کرتے ہوں اور اگر ایسا گھر ہو کہ جب بند کیا جائے تو مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو اور جب اس کا دروازہ کھولا جائے تو جماعت ہوتی ہو وہ اگرچہ لوگوں کو اس میں نماز سے منع کرتے ہیں مسجد نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے مسجد کا چراغ کوئی گھر کو اٹھانہ لے جائے اور مسجد میں گھر سے لے جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے مسجد کا چراغ تہائی رات گئے تک مسجد میں روشن رکھنا مضائقہ نہیں اور اس سے زیادہ نہ چھوڑا جائے لیکن اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو یا اس کے وہاں عادت ہو تو مضائقہ

۱۔ اور مکروہ ہے لے جانا نجاست کا مسجد میں اور اس بنا پر متفرغ ہوا کہ جائز نہیں چراغ جلانا ناپاک تیل سے مسجد کے اندر اور نہ استرکاری کرنا مسجد کا پاک گارے سے ورنہ پیشاب کرنا اور فصد کھلوانا اگرچہ برتن کے اندر پیشاب اور خون لیا جائے ۱۲ ع

نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے مسجد میں جو چیزیں بوری یا وغیرہ پڑی رہتی ہیں اگر اس میں سے کچھ اس کے کپڑے میں لپٹ آیا تو اگر اس نے عمد انہیں کیا ہے تو پھر اس پر وہاں پھیرنا واجب نہیں ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے جس شخص نے مسجد بنائی اور اس کو اللہ کے واسطے کر دیا تو اس کی مرمت کا اور عمارت کا اور بوری اور حصیر بچھانے کا اور قدیلوں کا اور اذان اور اقامت اور امامت کا اگر اس کی لیاقت رکھتا ہو وہی مستحق ہے اور اگر اس میں لیاقت نہ ہو تو اس کی تجویز سے اور شخص مقرر ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے بغیر نماز کے مسجد میں بیٹھنے میں مضائقہ نہیں اور اگر اس سبب سے کوئی چیز وہاں کی خراب ہوگئی تو قیمت دینا پڑے گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## انہو باب

### وتر کی نماز کے بیان میں

وتر میں امام ابوحنیفہؒ سے تین روایتیں ہیں ایک روایت میں فرض ہے اور ایک روایت میں سنت موکدہ ہے اور ایک روایت میں واجب ہے اور یہی ان کا آخر قول ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر وتر سنت تابع عشا ہوتا تو آخر رات تک اس کی تاخیر مکروہ ہوتی جیسے کہ عشا کی سنتوں کی تاخیر اس وقت تک مکروہ ہے یہ تبیین میں لکھا ہے جو شخص کھڑے ہونے پر قادر ہو اس کو بیٹھ کر وتر پڑھنا اور بلا عذر سواری پر وتر پڑھنا جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر بھول کر یا جانا کر وتر کو چھوڑا تو اگرچہ بہت دن ہو جائیں اس کی قضا واجب ہے اور وہ بغیر نیت وتر کے جائز نہیں یہ کفایہ میں لکھا ہے اور وتر کو قضا پڑھے تو قنوت پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے۔ وتر کی تین رکعتیں پڑھے اور ان کے درمیان میں ان میں سلام سے فصل نہ کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور صحیح قول کے بموجب قنوت واجب ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ تیسری رکعت میں جب قرأت سے فارغ ہو تو تکبیر کہے اور کانوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے اور تمام سال میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے اور قنوت میں مقدار قیام کی بقدر سورہ اذالسماء انشقت کے کرے یہ محیط میں لکھا ہے اس میں اختلاف ہے کہ قنوت میں ہاتھ چھوڑے یا باندھے اور مختار یہ ہے کہ ہاتھ باندھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے امام اور جماعت کے حق میں مختار یہ ہے کہ قنوت آہستہ پڑھیں یہ نہا یہ میں لکھا ہے اور جو اکیلا وتر پڑھتا ہو وہ بھی آہستہ پڑھے یہی مختار ہے یہ مجمع البحرین کی شرح میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے قنوت کی کوئی دعا مقرر نہیں ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اللہم انا نستعینک پڑھے اور اسکے بعد اللہم اهدنا فی من ہدیت پڑھے اور جو قنوت اچھی طرح نہ پڑھ سکے وہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنته و قنا عذاب النار پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے۔ یا تین بار اللہم اغفر لنا پڑھے ابوالمیث نے یہی اختیار کیا ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر قنوت کو بھول گیا اور رکوع میں یاد آئی تو صحیح یہ ہے کہ رکوع میں قنوت نہ پڑھے اور پھر قیام کی طرف کو عود نہ کرے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور اگر قیام کی طرف کو عود کیا اور قنوت پڑھی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو نماز فاسد ہونے لگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے لیکن جب رکوع سے سر اٹھایا اس وقت یاد آیا کہ قنوت بھول گیا ہے تو بالاتفاق یہ حکم ہے کہ جو بھول گیا ہے اسکے پڑھنے کی طرف عود کرے یہ مضمرات میں لکھا ہے اگر الحمد کے بعد قنوت پڑھ کر رکوع کر دیا اور سورۃ چھوڑ دی اور رکوع میں یاد آیا تو سر اٹھائے اور سورۃ پڑھے اور قنوت اور رکوع کا اعادہ کرے اور سہو کا سجدہ کرے اور اگر الحمد چھوڑ دی تھی تو الحمد کے ساتھ سورۃ کا بھی مع قنوت کے اعادہ

۱۔ پوری وعایہ ہے اللہم نستعینک و نستغفرک و نومن بک و نتوکل علیک و نثنی علیک الخیر و نشکرک و لانکفرک و نخلع و نترک من یفجرک اللہم ایاک نعبد و لک نصلی و نسجدوا لیک نسعی و نحفدو نرجوا رحمتک و نخشی عذابک ان عذابک بالکفار ملحق ۱۲  
۲۔ پوری وعایہ ہے اللہم ابخی فیمن بدیت دعافنی فیمن عافیت و توفنی فیمن تولیت و بارک لی نیما اعطیت و قضی شرما قضیت فانک تقضی و لا یقتضی علیک و لا یذل من والیت و لا یعز من عالیت تبارکت ربنا و تعالیٰ۔ یہ دعا کم و بیش الفاظ میں بھی ہے ۱۲

کرے اور رکوع بھی دوبارہ کرے اور اگر رکوع کا اعادہ نہ کیا تو جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے امام کو اگر وتر کے رکوع میں یاد آیا کہ اس نے قنوت نہیں پڑھی تو اس کو قیام کی طرف کو اعادہ نہیں کرنا چاہیے اور باوجود اس کے اگر قیام کا اعادہ کیا اور قنوت پڑھ لی تو رکوع کا اعادہ نہیں کرنا چاہئے اگر اس نے رکوع کا بھی اعادہ کر لیا اور جماعت کے لوگوں نے پہلے رکوع میں اس کی متابعت نہیں کی تھی دوسرے رکوع میں متابعت کی یا پہلے رکوع میں اس کی متابعت کی تھی اور دوسرے میں نہ کی تو ان کی نماز فاسد نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے قنوت میں نبی ﷺ پر درود نہ پڑھے ہمارے مشائخ نے یہی اختیار کیا ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے وتر کی قنوت میں مقتدی امام کی متابعت کرے اگر مقتدی کے فارغ ہونے سے پہلے امام نے رکوع کر دیا تو مقتدی متابعت کرے اگر امام نے بغیر قنوت پڑھے رکوع کر دیا اور مقتدی نے ابھی کچھ قنوت نہیں پڑھی تو اگر رکوع کے جاتے رہنے کا خوف ہو تو رکوع کر دے اور اگر خوف نہ ہو تو قنوت پڑھے پھر رکوع کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے ناطقی نے اپنی اجناس میں ذکر کیا ہے کہ اگر وتر کی نماز میں شک ہو کہ پہلی رکعت میں ہے یا دوسری یا تیسری میں تو جس رکعت میں ہے اس میں قنوت پڑھے پھر قعدہ کرے پھر کھڑا ہو اور دو رکعتیں دو قعدوں سے پڑھے اور دونوں میں احتیاطاً قنوت پڑھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کسی رکعت میں قنوت نہ پڑھے پہلا قول اصح ہے اس لئے کہ قنوت واجب ہے اور جس چیز کے واجب ہونے اور بدعت ہونے میں شک ہو اس کو احتیاطاً ادا کرنا چاہئے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور مسبق کو چاہئے کہ امام کے ساتھ قنوت پڑھے پھر نہ پڑھے یہ مدیہ میں لکھا ہے جب امام کے ساتھ قنوت پڑھ لیا تو جب اپنی باقی نماز قضا کرے تا اس میں قنوت نہ پڑھے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے سب کا یہی قول ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اگر تیسری رکعت کے رکوع میں شریک ہو اور امام کے ساتھ قنوت نہیں پڑھی تو اپنی بقیہ نماز میں قنوت نہ پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے وتر کے سوا کسی اور نماز میں قنوت نہ پڑھے<sup>۱</sup> یہ متون میں لکھا ہے۔ اگر وتر کسی ایسے شخص کے پیچھے پڑھے جو رکوع کے بعد قومہ میں قنوت پڑھتا ہے اور مقتدی کا یہ مذہب نہیں تو اس میں اس کی متابعت کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر امام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھی تو مقتدی کو چاہئے کہ ساکت رہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور چپکا کھڑا رہے یہی صحیح ہے یہ نہا یہ میں لکھا ہے۔

## نواب

### نوافل کے بیان میں

فجر کی نماز سے پہلے اور ظہر اور مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں اور ظہر اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں یہ متون میں لکھا ہے اور چار رکعتیں ہمارے نزدیک ایک سلام سے پڑھے اور اگر دو سلاموں سے پڑھیں تو سنتوں میں شمار نہیں ہوگی سب سے زیادہ تاکید فجر کی دو رکعت سنتوں کی ہے پھر مغرب کی سنت کی پھر ان سنتوں کی جو ظہر کے بعد ہیں پھر ان کی جو بعد عشاء کے ہیں پھر ان کی جو ظہر سے پہلے ہیں یہ تبیین میں لکھا ہے ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کسی عالم سے فتووں میں لوگ رجوع کیا کرتے ہوں تو اس کو سب سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے کیونکہ لوگوں کو اس کے فتوے کی حاجت ہے مگر فجر کی سنت چھوڑنا جائز نہیں ہے یہ نہا یہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی نے فجر کی سنتیں پڑھیں اور اس کو یہ گمان تھا کہ ابھی رات باقی ہے پھر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو گئی تھی تو قاضی علاء الدین محمود نسفی نے مختلفات کی شرح میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی روایت نہیں اور متاخرین نے کہا ہے کہ وہ فجر کی سنتیں

۱۔ نہ پڑھے یعنی معمولی قنوت نہیں ہے لیکن اگر ہال اسلام پر کوئی حادثہ پیش آئے مثلاً کافروں نے نرغہ کیا تو بالاتفاق عشاء و فجر و مغرب وغیرہ جماعتوں میں مسلمانوں کی فتح کے لیے اور کافروں کی شکست کے لیے قنوت پڑھے ۱۲۔ ع۔

ادا ہو گئیں اور شیخ امام شمس الائمہ حلوانی نے کتاب الصلوٰۃ کی شرح میں کہا ہے کہ ظاہر اجواب یہ ہے کہ فجر کی سنتیں ادا ہو گئیں۔ اس لئے کہ ادا وقت میں واقع ہوئی یہ محیط میں لکھا ہے جس شخص کو کھڑے ہونے کی قدرت ہو اس کو فجر کی سنتیں بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں اسی واسطے فقہانے کہا ہے کہ فجر کی سنتیں واجب کے قریب ہیں یہ تا تاریخانیہ میں نافع سے نقل کیا ہے۔ فجر کی سنتوں کو بلا عذر سواری پر پڑھنا جائز نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے سنت یہ ہے کہ ان میں پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ پڑھے اور ان سنتوں کو اول وقت میں اپنے گھر پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے فجر کے طلوع ہونے سے پہلے انکا ادا کرنا جائز نہیں۔ اگر سنتوں کے شروع ہوتے ہی فجر طلوع ہوئی تو جائز ہے اور اگر طلوع میں شک ہو تو جائز نہیں اگر فجر کے طلوع ہونے کے بعد دو مرتبہ سنتیں پڑھیں تو جو آخر میں پڑھی ہیں وہی سنتوں میں شمار ہوگی اس واسطے کہ وہ فرض نماز سے قریب ہیں اور ان میں اور فرض نماز میں کوئی اور نماز فاصل نہیں ہے اور سنت فرض سے ملی ہونی چاہئے سنتیں جب اپنے وقت میں فوت ہو جائیں تو ان کو قضا نہ کرے مگر فجر کی سنتیں اگر فرض کے ساتھ میں فوت ہو جائیں تو ان کو سورج کے نکلنے کے بعد زوال کے وقت تک قضا کرے پھر ساقط ہو جاتی ہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جو بغیر فرض کے قضا ہوں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کو قضا نہ کرے امام محمدؒ کے نزدیک قضا کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اگر فوت ہو جائیں مثلاً امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو گیا اور چار سنتیں نہ پڑھیں تو سب فقہا کا مذہب یہ ہے کہ فرضوں سے فارغ ہونے کے بعد جب تک ظہر کا وقت باقی ہے ان کو پڑھ لے یہ صحیح ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ حقائق میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ظہر کے بعد کی دو سنتوں کو ان پر مقدم کرے اور امام محمدؒ نے کہا ہے کہ چار سنتوں کو دو سنتوں کے اوپر مقدم کرے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ جب اکیلا نماز پڑھتا ہو تو فجر اور ظہر کی سنتوں کو چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کسی حالت میں چھوڑنا جائز نہیں ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے کسی شخص نے سنتیں چھوڑیں اور وہ سنتوں کو حق نہیں سمجھتا تو کافر ہو گیا اس واسطے کہ اس نے ان کو خفیف جان کر چھوڑا اور اگر ان کو حق سمجھتا ہے تو صحیح یہ ہے کہ گنہگار ہوتا ہے اس واسطے کہ سنتوں کے چھوڑنے پر وعید وارد ہوا ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر ظہر سے پہلے چار سنتیں پڑھیں اور بیچ کے قعدہ میں نہ بیٹھا تو استحساناً جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے عصر سے پہلے چار رکعتیں اور عشاء سے پہلے اور بعد چار چار رکعتیں اور مغرب کے بعد چھ رکعتیں مستحب ہیں یہ کنز میں لکھا ہے امام محمدؒ کا قول ہے کہ اختیار ہے کہ عصر سے پہلے اور عشاء سے بعد چار رکعتیں پڑھے یا دو رکعتیں پڑھے اور افضل دونوں میں چار چار رکعتیں پڑھنا ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور منجملہ مستحب نمازوں کے چاشت کی نماز ہے کم سے کم اس کی دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں وقت اس کا سورج کے بلند ہونے سے زوال تک ہے اور منجملہ ان کے تحسیہ المسجد کی نماز ہے اور وہ دو رکعت ہیں اور منجملہ ان کے وضو کے بعد دو رکعتیں ہیں اور منجملہ ان کے استخارہ کی نماز ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں اور منجملہ ان کے صلوٰۃ الحاجت ہے اور وہ دو رکعت ہیں اور منجملہ ان کے آخر شب کی نماز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے رسول اللہ ﷺ کی تہجد کی انتہا آٹھ رکعتیں تھیں اور کم سے کم دو رکعتیں یہ فتح القدیر میں مبسوط سے نقل کیا ہے صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا قاعدہ ملقط میں یہ لکھا ہے کہ شروع کی تکبیر کہہ کر ثنائی یعنی سبحانک پڑھے پھر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ والحمد للہ اکبر پندرہ مرتبہ پڑھے پھر اعوذ اور الحمد اور سورۃ پڑھے پھر وہی کلمات دس بار پڑھے اور ہر رکوع

۱۔ ادا..... اور صحیح یہ کہ نہیں ادا ہوئیں کما فی الدرر عن البخیس ۱۲ ۲۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس کو فرمایا کہ اگر تم اس کو پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ پہلے اور پچھلے اور پرانے اور نئے اور دانستہ اور نادانستہ چھوٹے اور بڑے پوشیدہ اور ظاہر سب بخش دے گا اور آخر کو فرمایا کہ اگر تمہارے گناہ کف مندر کے برابر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا کذافی الشامی بتصرف ۱۲

میں دس بار پڑھے پھر ہر قیام میں دس بار پڑھے اور ہر سجدہ میں دس بار پڑھے اور درمیان میں دونوں سجدوں کے دس بار پڑھے اور اس کی چار رکعتیں پڑھے ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ تم کو اس نماز کی کوئی سورۃ بھی معلوم ہے انہوں نے کہا الہاکم العکاکثر اور العصر اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد معلیٰ نے کہا ہے کہ صلوٰۃ التبیح ظہر سے پہلے پڑھے یہ مضمرات میں لکھا ہے بلا تخصیص نقل نماز ہر وقت پڑھنا مستحب ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے دن کی نفلوں میں ایک سلام میں چار رکعتوں سے زیادہ پڑھنا اور رات کی نوافل میں ایک سلام میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے اور افضل دونوں میں چار رکعت ہیں اس واسطے کہ اس میں تحریمہ دیر تک باقی رہتا ہے پس ان میں مشقت بھی زیادہ ہوگی اور فضیلت بھی زیادہ ہوگی اس واسطے اگر کوئی ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھنے کی نذر کرے تو دو سلام سے چار رکعتیں پڑھنے میں وہ نذر ادا نہ ہوگی اور اگر کوئی دو سلام سے چار رکعتیں پڑھنے کی نذر کرے تو ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھنے میں نذر ادا ہو جائے گی یہ تبیین میں لکھا ہے سنتیں اور نفل گھر میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز مرد کی گھر میں افضل ہے مگر فرض مسجد میں افضل ہے۔

اس کے بعد اگر امام مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتا ہو تو مسجد کے دروازہ پر سنتیں پڑھنا افضل ہے اس کے بعد اگر امام اندر کی مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو باہر کی مسجد میں سنتیں پڑھنا افضل ہے اور اگر امام باہر کی مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو اندر سنتیں پڑھنا افضل ہے اور اگر مسجد ایک ہو تو ستون کے پیچھے سنتیں پڑھنا چاہئے اور صفوں کے پیچھے بغیر کسی چیز کے حائل ہونے کے سنتیں پڑھنا مکروہ ہے اور سب سے سخت مکروہ یہ ہے کہ جماعت کی صف میں مل کر سنتیں پڑھے یہ ساری صورتیں اس وقت ہیں جب امام جماعت سے نماز پڑھتا ہو اور امام کی نماز شروع کرنے سے پہلے مسجد میں جہاں چاہئے نماز پڑھے اور جو سنتیں کہ بعد فرض کے پڑھی جاتی ہیں ان کو مسجد میں اسی جگہ پڑھنا چاہئے جہاں فرض نماز پڑھے اور اوئے یہ ہے کہ ایک قدم ہٹ جائے اور امام کو اپنی جگہ سے ضرور ہٹنا چاہئے یہ کافی میں لکھا ہے اور حلوائی نے ذکر کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ کل سنتیں اپنے گھر میں پڑھے مگر تراویح مسجد میں پڑھے بعض فقہانے کہا ہے کہ سنتیں کبھی گھر پڑھا کرے اور صحیح یہ ہے کہ سب برابر ہیں کسی جگہ میں فضیلت زیادہ نہیں لیکن افضل وہ ہے کہ جو ریا سے زیادہ دور ہو اور اخلاص اور خشوع کے ساتھ زیادہ ملی ہوئی ہو یہ نہایت میں لکھا ہے۔ ظہر سے پہلے اور جمعہ سے پہلے اور بعد جو چار رکعتیں پڑھے ان میں پہلے قعدہ میں درود کنہ پڑھے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اور جب تیسری رکعت کو کھڑا ہو تو سبحانک اللہم نہ پڑھے اس کے علاوہ جب چار نفل پڑھے پہلے قعدہ میں درود پڑھے اور تیسری رکعت میں سبحانک اللہم پڑھے اور اگر فجر کی دو سنتیں اور ظہر کی چار سنتیں پڑھ کر بیچ و شراء یا کھانے پینے میں مشغول ہو تو سنتوں کا پھر اعادہ کرے لیکن ایک لقمہ کھانے اور یا ایک بار پینے سے سنت باطل نہیں ہوتی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر فرض نماز کے بعد باتیں کر لیں تو بعض فقہانے کہا ہے کہ سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ساقط نہیں ہوتیں مگر ثواب کم ہو جاتا ہے یہ نہایت میں لکھا ہے نفل کی ہر رکعت میں الحمد اور سورہ پڑھے اگر ایک رکعت یا دو رکعتوں میں قرأت چھوڑ دی تو وہ دو گنا باطل ہو گیا یہ مضمرات میں لکھا ہے اگر نفل کی نماز اس گمان سے شروع کی کہ وہ اس کے ذمہ ہے پھر ظاہر ہوا کہ اس کے

یعنی ایک ہی تحریمہ پر بہت دیر تک نفس کو روکنا پڑتا ہے شامی نے خیر الدین رطبی سے نقل کیا کہ افضل یہ ہے کہ ہر شفعہ پر سلام پھیرنا جائے اور قبل مغرب کے دو رکعتیں نہ مستحب ہیں نہ مکروہ بلکہ اختصار کے ساتھ اگر پڑھی جائیں تو مباح ہیں کذا فی الشامی ۱۲ ۲ افضل کہا گیا صبح یہ کہ مسجد میں یا گھر میں جہاں خلوص زیادہ ہو۔ برخلاف تراویح و تحیۃ المسجد و نماز سورج گہن و چاند گہن کے و نوافل معتکف کے کہ یہ مسجد میں ہیں ۱۲

۳ اگر بھولے سے درود پڑھ لیا تو اس پر سجدہ سہو ہے لیکن شامی نے کہا کہ جمعہ کے بعد چار رکعتوں میں درود پڑھنے سے سجدہ سہو کا لازم آتا مسلم نہیں کیونکہ ان کا حکم اور سنتوں کا سا نہیں اس لیے کہ ان کو دو سلاموں سے پڑھنا درست ہے ۱۲ ۳ اگر کھانا لایا گیا اور نمازی خوف کرے دور ہونے مرنے کا یا تھوڑی لذت جاتے رہنے کا تو اس کو کھائے پھر سنتیں پڑھے مگر جب کہ ڈرے وقت کے جاتے رہنے سے تو اول سنتیں پڑھے پھر کھانا کھائے ۱۲

ذمہ نہیں ہے اور توڑ دی تو اس کے ذمہ عادیہ نہیں ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے کہ اگر بلا قید نفل کی نیت کی یعنی چار رکعتوں کی تخصیص نہ کی تو دو رکعتوں سے زیادہ لازم نہیں ہوتیں اور جب چار رکعتوں کی نیت کرے تو اس صورت میں اختلاف ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے چار نفلوں کی نیت کر کے جو نماز شروع کرے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی دو رکعتوں کی نماز شروع ہوتی ہے یہ قیدیہ میں لکھا ہے جس شخص نے چار نفل پڑھی اور بیچ کے قعدہ میں عمد نہیں بیٹھا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بطور استحسان کے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور قیاس یہ ہے کہ فاسد ہو جائے اور وہی قول امام محمدؒ کا ہے اور اگر تین رکعت نفل پڑھی اور دو رکعتوں کے بعد قعدہ نہ کیا تو اسح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر چھ رکعتیں یا آٹھ رکعتیں ایک قعدہ سے پڑھیں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اسح یہ ہے کہ اس میں امام کے نزدیک قیاس کے بموجب نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بطور استحسان کے نماز فاسد نہ ہوگی امام الصفا نے اصل کے اپنے نسخہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نفل نماز کے پہلے قعدہ میں نہ بیٹھا اور تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا تو امام محمدؒ کے قول کے بموجب پھر قعدہ کی طرف گولوں اور قعدہ کرے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے بموجب نہ لوٹے اور آخر میں سہو کا سجدہ کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور ظہر سے پہلے چار رکعتوں میں امام محمدؒ کے نزدیک نفلوں کا حکم ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیاس اور استحسان ہے اور استحسان یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی یہی اختیار کیا گیا ہے یہ مضمومات میں لکھا ہے۔ وتر میں امام محمدؒ کے نزدیک نفلوں کا حکم ہے اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں بھی قیاس اور استحسان ہے اور استحسان یہ ہے کہ نماز وتر فاسد نہیں ہوتی قیاس یہ ہے کہ فاسد ہوتی ہے اور یہی اختیار کیا گیا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر بغیر وضو کے یا نجس کپڑے میں نفل نماز شروع کر دی تو وہ اپنی نماز میں داخل ہی نہیں ہوا پس جب اس کا شروع صحیح نہ ہو تو اس پر قضا بھی لازم نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے جو شخص کھڑے ہونے پر قادر ہے اس کو اسح قول کے بموجب بلا کراہت بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے یہ شرح مجمع البحرین میں لکھا ہے جو ابن الملک کی تصنیف ہے جب نفل کی نماز کھڑے ہو کر شروع کر دی پھر بلا عذر بیٹھ جانے کا ارادہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بطور استحسان کے جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور جب کھڑے ہو کر نفل کی نماز شروع کر دی پھر تھک گیا تو اگر عصا یا دیوار پر تکیہ لگائے تو مضائقہ نہیں یہ شرح جامع الصغیر میں لکھا ہے جو حسامی کی تصنیف ہے بلا عذر نفل نماز اشارہ سے جائز نہیں اگر نفل نماز شروع کی پھر توڑ دی تو اگر اس طرح توڑی کہ تحریمہ سے بھی نکل گیا جیسے کہ حدیث یا کلام کیا تو دوسری دو رکعتوں کی بناء اس پر صحیح نہیں اور اگر اس طرح فاسد کی کہ تحریمہ سے نہیں نکلا مثلاً قرأت چھوڑ دی تو دوسری دو رکعتوں کی بناء اس پر جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اگر نفل یا فرض کی نماز بیٹھ کر پڑھی اور وہ قیام پر قادر نہیں ہے تو حالت قرأت میں اس کو اختیار ہے کہ چاہے اس طرح بیٹھے کہ دونوں ہاتھ دونوں زانوں کے گرد حلقہ کر لے اور چاہے چار زانوں بیٹھے یہ تاتارخانیہ میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے اور مختار یہ ہے کہ اس طرح بیٹھے کہ جیسے تشہد کی حالت میں بیٹھتے ہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر نفل نماز تھوڑی سی بیٹھ کر پڑھی پھر کھڑا ہو گیا اور باقی کھڑے ہو کر پڑھی تو سب کے نزدیک جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور مکروہ نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اور جو شخص نفل کی نماز بیٹھ کر پڑھے اور جب رکوع کا ارادہ کرے تو کھڑے ہو کر رکوع کرے تو اس کے واسطے افضل یہ ہے کہ کچھ قرأت بھی پڑھ لے اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا اور بغیر قرأت کے رکوع کر دیا تو جائز ہے اور اگر سیدھا کھڑا نہیں

۱ اور اگر نفل کو شروع کیا حالت سواری میں پھر اتر پڑا تو اسی پہلی نماز کو پورا کرے یعنی باقی ہو اور اس کے عکس میں یعنی شروع کیا زمین پر پھر سوار ہو گیا بنا نہ کرے ۱۲ ۲ نفل نماز بیٹھے پڑھنا جائز ہے باوجود کہ کھڑی ہونے کی قدرت کے اور اسح قول میں کچھ کراہت بھی نہیں ہے لیکن ثواب آدھا ہے فرض اگر عذر سے بیٹھ کر پڑھے تو ثواب کم نہ ہونے پر کتاب الجہاد کی حدیث بخاری سے استدلال کیا کہ مصرع ہے کہ جب بندہ بیمار یا مسافر ہو تو اس کے واسطے مثل اس کے لکھا جائے گا جو تندرستی و اقامت میں عمل کرتا تھا ۱۲



ہوا اور رکوع کر دیا تو جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر چار رکعتوں کی نیت کر کے قعدہ اولیٰ کے بعد یا پہلے نماز توڑ دی تو دو رکعتوں کی قضا کرے یہ کنز میں لکھا ہے اور ظہر کی سنتوں کا بھی یہی حکم ہے اس واسطے کہ وہ بھی نفل ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ احتیاطاً چار رکعتوں کی قضا کرے اس لئے کہ وہ سب بمنزلہ ایک نماز کے ہے یہ ہدایہ اور کافی میں لکھا ہے اور یہی اصح ہی یہ مضمرات میں لکھا ہے اور صاحب نصاب نے اس بات پر تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر نفل پڑھنے والا تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا پھر یا د آیا کہ اس نے قعدہ نہیں کیا تو اس کو چاہئے کہ عود کرے ظہر کی سنتوں کا بھی یہی حکم ہے اور علی بزودی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عود نہ کرے اور اگر چار رکعتوں کی نیت نہ کی اور تیسری کو کھڑا ہو گیا اور اس کو یاد آیا کہ قعدہ نہیں کیا ہے تو بالا جماع یہ حکم ہے کہ عود کرے اور اگر عود نہیں کرے گا تو نفل کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ برجنیدی میں لکھا ہے اگر چار نفلوں کی نیت کی اور پہلے دوگانہ میں قعدہ کیا اور سلام پھیر دیا یا کلام کیا تو اس پر کچھ اور لازم نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ سے یہ روایت ہے کہ اس پر دو رکعتوں کی قضا لازم ہے اگر چار نفلوں کی نیت کی اور کسی رکعت میں قرأت نہ کی یا دوسرے دوگانہ میں سے صرف ایک رکعت میں قرأت کی تو امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس پر پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہوگی اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں قرأت کی اور کسی رکعت میں قرأت نہ کی تو امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعتوں کی قضا کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی دو رکعتوں کی قضا کرے اور اگر پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور کسی رکعت میں قرأت نہ کی یا پچھلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور کسی رکعت میں قرأت نہ کی یا پچھلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور کسی رکعت میں قرأت نہ کی تو بالا جماع اس پر پچھلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہوگی اور اگر دوسری دو رکعتوں میں قرأت کی اور کسی میں قرأت نہ کی یا پچھلی دو رکعتوں میں اور پہلی دو رکعتوں میں ایک رکعت میں قرأت کی تو بالا جماع اس پر پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک پہلی دو رکعتوں میں یا پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے اور جب بلا قرأت رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس کے اوپر بنا صحیح نہیں اور امام یوسفؒ کے نزدیک پہلے دوگانہ میں قرأت چھوڑنے سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا اس واسطے کہ قرأت ایک رکن زائد ہے اس لئے کہ بعضی صورتوں میں نماز بغیر قرأت بھی ہو جاتی ہے جیسے کہ امی اور گونگے اور مقتدی کی نماز لیکن قرأت چھوڑنے سے ادا فاسد ہو جاتی ہے تحریمہ باطل نہیں ہوتا پس دوسرے دوگانہ میں نماز شروع کرنا صحیح ہی اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پہلی دو رکعتوں میں چھوڑنے سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے کہ قرأت کے واجب ہونے پر تمام امت کا جماع ہے پس اس پر بنا صحیح نہ ہوگی اور پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے میں اختلاف ہے پس ہم نے قضا کے لازم ہونے میں اس کے باطل ہونے کا حکم کیا اور دوسرے دوگانہ کے لازم ہو جانے میں احتیاطاً اس کو باقی رکھا یہ تمیز میں لکھا ہے۔ جو امام کے ساتھ نفل کی پہلی دو رکعتوں میں داخل ہو اور اس نے امام کے دوسرے دوگانہ میں داخل ہونے سے پہلے کلام کر دیا تو اس پر صاحبین کے نزدیک صرف پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہوگی اور اگر امام کے دوسرے دوگانہ کے شروع کرنے کے بعد کلام کیا اور چار رکعتوں میں قرأت کر لی تھی تو چار رکعت کی قضا کرے گا اور اگر دوسرے دوگانہ میں اقتدا کیا تھا اور امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم آئے گی اگر کسی نے نفلوں کی نیت باندھ کر ظہر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے اول نماز یا آخر میں اقتدا کیا پھر کلام کر دیا تو چار رکعتوں کی قضا کرے کسی شخص نے ظہر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے نفلوں کی نیت سے اقتدا کیا پھر اس کو یاد آیا کہ اس نے ظہر کے فرض نہیں پڑھے پھر اس نے اس کو قطع کر کے ظہر کی نماز کی از سر نو تکبیر کہی تو اس پر قضا نہیں ہے کوئی شخص ظہر کی نماز پڑھتا تھا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ اس شخص کے پیچھے یہی نفل پڑھوں پھر اس کو یاد آیا کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو اس کے ساتھ ظہر کی نیت کر کے داخل ہو گیا تو وہ اس کی ظہر کی نماز ہو جائے گی اور کوئی قضا لازم نہ ہوگی

کسی شخص نے چار نفل پڑھ کر پانچویں رکعت شروع کی اور ایک شخص نے پانچویں رکعت میں اس کا اقتدا کیا پھر امام نے اپنی نماز کو فاسد کر دیا تو مقتدی چھ رکعتوں کی قضا کرے اور اگر کسی شخص نے دو رکعتیں پڑھی تھیں اور اس وقت کسی اور نے اس کے پیچھے اقتدا کیا پھر مقتدی کی نکیس پھوٹی اور وضو کرنے کو گیا پھر اس کے بعد امام نے تین رکعتیں پڑھیں پھر مقتدی نے کلام کر لیا اور امام نے چھ رکعتوں پر نماز تمام کر دی تو مقتدی چار رکعتوں کی قضا کریگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اسی سے ملتے ہوئے ہیں یہ مسئلے اگر کسی نے سنتوں کی نذر کی اور اس نذر کو ادا کیا تو سنت ادا ہو گئی اور تاج الدین صاحب محیط نے یہ کہا ہے کہ اس کی سنت ادا نہ ہوگی اس لئے کہ اس کے التزام کے سبب سے وہ دوسری نماز ہوگی پس قائم مقام سنت کے نہ ہوگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ میں نے اللہ کے واسطے نذر کی ہے کہ ایک دن نماز پڑھوں گا تو اس پر دو رکعتیں لازم ہوں گی یہ قیہ میں لکھا ہے۔ اور اگر کسی نے مہینہ بھر کے نمازوں کی نذر کی تو مہینہ بھر کے جتنے فرض اور وتر ہیں اتنی نمازیں اس پر لازم ہوں گی سنتیں لازم نہ ہوں گی لیکن اس کو چاہیے کہ وتر اور مغرب کی نمازوں کے بدلے چار چار رکعتیں پڑھے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے کسی شخص نے کہا کہ میں نے نذر کی ہے اللہ کی واسطے بغیر وضو و رکعتیں پڑھوں گا تو اس پر لازم نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور اگر بغیر قرأت کے نماز کی نذر کی تو ہمارے تینوں عالموں کے نزدیک قرأت سے اس پر لازم ہوگی اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے اللہ کے واسطے نذر کی ہے کہ آدھی رکعت پڑھوں گا یا ایک رکعت پڑھوں گا تو اس پر دو رکعتیں لازم ہوں گی یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور یہی مختار ہے اور اگر تین رکعتوں کی نذر کی تو چار رکعتیں لازم ہوں گی اور اگر کسی نے ظہر کی نماز آٹھ رکعتوں سے پڑھنے کی نذر کی تو اس پر صرف ظہر کی چار رکعتیں لازم ہوں گی یہ خلاصہ میں لکھا ہے کسی نے دو رکعتیں پڑھنے کی نذر کی اور ان کو بیٹھ کر ادا کیا تو جائز ہے اور سواری پر ادا کیا تو جائز نہیں یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر کسی نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر کی تو کھڑے ہو کر اس کو نماز پڑھنا واجب ہوگی اور کسی چیز پر سہارا دینا مکروہ ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر کسی نے کہا کہ اللہ کیلئے میں مرے ذمہ یہ ہے کہ آج دو رکعتیں پڑھوں اور نہ پڑھیں تو ان دنوں رکعتوں کو قضا کرے اور اگر اللہ کی قسم کھائی کہ آج دو رکعتیں پڑھوں گا اور نہ پڑھیں تو قسم کا کفارہ دے اور قضا اس پر لازم نہیں اگر کسی نے نذر کی کہ میں مسجد حرام میں یا بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا اور کہیں اور نماز پڑھی تو جائز ہے امام زفر کا اس میں خلاف ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے۔

## فصل تراویح کے بیان میں

اور وہ پانچ ترویج ہوتے ہیں ہر ترویج میں چار رکعتیں دو سلاموں سے ہوتے ہیں یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور اگر جماعت کے ساتھ پانچ ترویجوں پر زیادتی کرے تو ہمارے نزدیک مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وقت اس کا عشا کے بعد طلوع فجر تک وتر سے پہلے اور بعد ہے یہاں تک کہ اگر ظاہر ہو گیا کہ عشا بغیر وضو پڑھی تھی اور تراویح اور وتر وضو سے پڑھے تو عشا کے ساتھ تراویح کا بھی اعادہ کرے وتر کا اعادہ نہ کرے اس لئے کہ تراویح عشا کی تابع ہے یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے اس لئے کہ وتر اپنے وقت میں عشا کا تابع نہیں اور عشا کی نماز کا اس پر مقدم کرنا ترتیب کی وجہ سے واجب ہے اور بھولنے کے عذر سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے پس اگر بھول کر وتر عشا سے پہلے پڑھ لی تو صحیح ہو جائے گی اور تراویح اگر عشا سے پہلے پڑھ لی تو صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ وقت تراویح کا عشا کے ادا ہونے کے بعد ہے پس جو عشا سے پہلے ادا کیا اس کا اعتبار نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک تراویح کی طرح وتر بھی

۱۔ قول بغیر وضو یا بغیر قرأت کے نذر کی تو ابو یوسف کے نزدیک لازم ہے اور قید لغو ہے ۱۲ ۲۔ پس یہ جملہ میں اور ہر ترویج کے درمیان میں بقدر ایک

مجموعہ عشا کی نماز کے ہیں پس وقت ان کا عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے تو اس لئے اگر بھول کر بھی عشا کی نماز سے پہلے پڑھ لے تو تراویح کی طرح صاحبین کے نزدیک ان کا اعادہ واجب ہوگا حاصل یہ کہ وتر کے اعادہ میں اختلاف ہے اور تراویح اور عشا کی سنتوں کے اعادہ میں اگر وقت باقی ہو تو اتفاق ہے یہ تمیین میں لکھا ہے دو وتر و سجوں کی میں بقدر ایک ترویج کے بیٹھنا اس قدر پانچویں ترویج اور وتر کے دوران ان میں بیٹھنا مستحب ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر امام سمجھے کہ پانچویں ترویج اور وتر کے درمیان بیٹھا جماعت کے لوگوں پر بھاری ہوگا تو نہ بیٹھے یہ سراجیہ میں لکھا ہے پھر بیٹھنے کے وقت میں لوگوں کو اختیار ہے چاہے تسبیح پڑھتے رہیں چاہے خاموش بیٹھے رہیں اور مکہ کے لوگ سات مرتبہ طواف کر لیتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھ لیتے ہیں اور مدینہ کے لوگ چار رکعتیں اور پڑھ لیتے ہیں یہ تمیین میں لکھا ہے پانچ سلاموں کے بعد آرام لینا جمہور کے نزدیک مکروہ ہے یہ کافی میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ تراویح میں تہائی رات تک یا آدھی رات تاخیر کرنا مستحب ہے آدھی رات کے بعد اس کے ادا کرنے میں اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ مکروہ نہیں اور تراویح سنت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور بعضوں نے کہا ہے سنت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے پہلا قول اصح ہے یہ جو اہر اخلاطی میں لکھا ہے تراویح مردوں اور عورتوں کے لئے سنت ہے یہ زہدی میں لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک اصل تراویح سنت ہے یہ حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے اور بعضوں نے کہا ہے مستحب اور پہلا قول اصح ہے اور جماعت اس میں سنت کفایہ ہے یہ تمیین میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر تراویح بغیر جماعت کے پڑھیں یا عورتیں جدا جدا تراویح اپنے گھروں میں پڑھیں تو تراویح ادا ہو جائے گی یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اگر سارے مسجد والے تراویح کی جماعت چھوڑ دیں تو انہوں نے برا کیا اور گنہگار ہوں گے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر ایک شخص جماعت چھوڑ دے اور اپنے گھر میں پڑھ لے تو اس نے فضیلت چھوڑی اس میں برائی اور ترک سنت نہیں اگر کوئی شخص ایسا ہو جس سے لوگ اقتدا کیا کرتے ہوں اور اس کے آنے سے جماعت میں زیادتی ہوگی اور نہ آنے سے جماعت میں کمی ہوگی تو اس کو جماعت نہ چھوڑنا چاہیے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر اپنے گھر میں جماعت سے نماز پڑھے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ گھر میں جماعت کی فضیلت ہے اور مسجد میں دوسری فضیلت بھی ہے پس اگر گھر میں جماعت سے نماز تراویح پڑھے گا تو جماعت سے ادا کرنے کی فضیلت مل جائے گی اور دوسری فضیلت چھوڑے گی ابو علی نسفی نے یہی کہا ہے اور صحیح یہ ہے کہ تراویح کا جماعت سے مسجد میں ادا کرنا افضل ہے اور یہی حکم ہے فرائض میں اور اگر فقیہ قاری ہو تو افضل اور احسن یہ ہے کہ اپنی قرأت سے تراویح پڑھے اور دوسرے کی اقتدا نہ کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے امام نے کہا ہے کہ اگر محلہ کی مسجد کا امام قرآن غلط پڑھتا ہو تو اپنی مسجد کے چھوڑ دینے اور دوسری جگہ تراویح کی جماعت تلاش کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ جب دوسرا امام قرأت میں نرم اور آواز میں اچھا ہو اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اگر اس کے محلہ کی مسجد میں ختم نہ ہوتا ہو تو اس کو اپنے محلہ کی مسجد چھوڑنا اور مسجدوں میں ختم تلاش کرنا چاہئے۔

یہ محیط میں لکھا ہے جماعت والوں کو چاہے کہ تراویح میں خوشنواں کو امام نہ بنادیں بلکہ درست خوان کو امام بنائیں اس لئے کہ امام جب اچھی آواز سے پڑھتا ہے تو حضور قلب اور غور و فکر میں خلل پڑتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے وتر جماعت سے فقط رمضان میں پڑھے اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہی یہ تمیین میں لکھا ہے۔ رمضان میں وتر گھر میں پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھنا

۱۔ یہاں ایک قول دیگر یہ کہ تراویح درمیان عشا وتر ہے یہی صحیح ہے والخاصہ یہی متواتر و ماثور ہے (نقائے) اور تمیین میں عشا کے بعد چاہے وتر سے پہلے ہو یا بعد ہو اسی کو ہدایہ و خانیہ محیط میں صحیح کہا و علی ہذا اگر چند رکعات فوت ہوئیں اور امام وتر ادا کرنے کھڑا ہو تو وتر میں شریک ہو کر بعد کو باقی پوری کر لے (المحرر) ۲۔ کیونکہ وہ رات کی نماز ہے (ش) دراصل تہجد ہے قالہ الشیخ الحدیث ۱۲ ع

افضل ہے یہی صحیح ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ وتر اکیلا اپنے گھر میں پڑھے اور یہی مختار ہے یہ تیسرے میں لکھا ہے کسی شخص کو تراویح کی جماعت گھر میں پڑھانے کے لئے اجرت دیکر مقرر کرنا مکروہ ہے اس واسطے کہ امام اجرت پر مقرر کرنا جائز نہیں ہے اگر ایک مسجد میں دو مرتبہ تراویح کی جماعت پڑھے تو مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ کوئی امام دو مسجدوں میں پوری پوری تراویح پڑھاتا ہے تو جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور ایسی پر فتویٰ ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے اور مقتدی اگر دو مسجدوں میں تراویح کی نماز پڑھے تو مضائقہ نہیں اور چاہئے کہ دوسری مسجد میں وتر نہ پڑھے اور اگر کسی مسجد میں تراویح کی نماز ہو چکی پھر لوگوں نے دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو چاہئے کہ جدا جدا پڑھیں۔ اگر کسی شخص نے عشا اور تراویح اور وتر کی نماز اپنے آپ پڑھ لی پھر اور لوگوں کو نیت امامت سے تراویح پڑھائی تو امام کے لئے مکروہ ہے اور جماعت کے لئے مکروہ نہیں اور اگر پہلے امام کی نیت کی تھی اور نماز شروع کر دی اور لوگوں نے تراویح میں اس کا اقتدا کر لیا تو کسی کے واسطے مکروہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے افضل یہ ہے کہ سب تراویح ایک امام پڑھائے اور اگر دو امام پڑھائیں تو مستحب یہ ہے کہ ہر ایک امام ترویج پورا کر کے جدا ہو اور ایک سلام پراگر جدا ہو گیا تو صحیح قول کے بموجب یہ مستحب نہیں ہے اور جب اس طرح دو اماموں کے پیچھے تراویح جائز ہوئی تو یہ بھی جائز ہے کہ فرض ایک شخص پڑھائے اور تراویح دوسرا شخص پڑھائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرض اور وتر میں امامت کیا کرتے تھے اور ابی بن کعب تراویح میں امامت کیا کرتے تھے۔ یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اور سمجھ والے لڑکے کی امامت تراویح اور ایسی نفلوں میں جن میں کچھ تخصیص نہ ہو بعضوں کے نزدیک جائز ہے اور اکثر کے نزدیک جائز نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر تراویح فوت ہو جائے تو ان کو قضا نہ کرے نہ جماعت سے نہ بغیر جماعت یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر یاد آئے کہ گذشتہ شب میں ایک دو گنا نہ فاسد ہو گیا تھا تو اگر اس کو تراویح کی نیت سے قضا کرے تو مکروہ ہے اور اگر وتر پڑھنے کے بعد یہ یاد آیا کہ ایک تراویح کا یعنی دو رکعتیں رہ گئی ہیں تو محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ اس کو جماعت سے نہ پڑھیں اور صدر الشہید نے کہا ہے کہ اس کو جماعت سے پڑھ لیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر امام نے ترویج کا سلام پھیرا اور بعض جماعت والوں نے کہا تین رکعتیں پڑھی ہیں اور بعض نے کہا کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں تو امام ابو یوسف کے قول کے بموجب امام اپنی رائے پر کام کرے اور اگر امام کو کسی بات کا یقین نہ ہو تو اس کا قول اختیار کرے جو اس کے نزدیک سچا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر تسلیموں کی گنتی میں شک پڑے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ اعادہ کریں یا نہ کریں یا جماعت سے اعادہ کریں یا جدا جدا اعادہ کریں اور صحیح یہ ہے کہ جدا جدا کریں یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص نے عشا کی نماز علیحدہ پڑھی تو اس کو جائز ہے کہ تراویح امام کے ساتھ پڑھ لے اور اگر سب لوگوں نے عشا کی فرض کی جماعت چھوڑ دی تو ان کو تراویح جماعت سے پڑھنا جائز نہیں ہے اگر کسی شخص نے تھوڑی سی تراویح ایک امام کے ساتھ پڑھی یا کو کچھ تراویح امام کے ساتھ نہ ملی یا کسی نے کچھ تراویح اور امام کے ساتھ پڑھی تھی تو اس کو وتر اس امام کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یہی صحیح ہے یہ قیدیہ میں لکھا ہے جس شخص سے ایک ترویج یا دو تراویح کے فوت ہو گئے تھے اور اگر ان کے پڑھنے میں مشغول ہوتا ہے تو وتر کی جماعت چھوٹ جائے گی اس کو چاہئے کہ اول وتر جماعت سے پڑھ لے پھر اول ترویجوں کو پڑھے جو فوت ہو گئے تھے شیخ امام استاد ظہیر الدین اسی پر فتویٰ دیتے تھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص فرض نماز یا وتر نفل پڑھ رہا ہے تو اس کے پیچھے تراویح کی نماز کا اقتدا صحیح نہیں اس لئے کہ وہ مکروہ ہے اور عمل سلف کے مخالف ہے اور اگر کوئی شخص تراویح کا پہلا دو گنا نہ پڑھتا تھا اس کے پیچھے کسی ایسے شخص نے اقتدا کیا جو دوسرا دو گنا نہ پڑھتا تھا تو صحیح یہ ہے کہ جائز ہے جس طرح یہ جائز ہے کہ کوئی شخص ظہر کی پہلی چار رکعتیں

پڑھتا تھا اس کے پیچھے ایسے شخص نے اقتدا کیا جو ظہر کی اخیر دو رکعتیں پڑھتا تھا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر عشا کے بعد سنتوں کی نیت سے تراویح پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا کیا تو جائز ہے صبح یہ ہے کہ تراویح کی نیت ہر دوگانہ میں ضرور نہیں اس واسطے کہ وہ کل بمنزلہ ایک نماز کے ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر تراویح امام کے ساتھ پڑھی اور ہر دوگانہ کے واسطے نیت نہ کی تو جائز ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر عشا کی نماز کا سلام نہ پھیرا اور تراویح کی اس پر بنا کر لی تو صحیح یہ ہے کہ وہ صحیح نہ ہوگی اور یہ فعل مکروہ ہے اور اگر عشا کی سنتوں میں تراویح کی بنا کی تو صبح یہ ہے کہ جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے تراویح میں ایک بار قرآن کا ختم سنت ہے قوم کی سستی کی وجہ سے اس کو چھوڑ نہ دیں یہ کافی میں لکھا ہے برخلاف اس کے تشہد کے بعد کی دعاؤں کو اگر وہ جماعت کے لوگوں کو دشوار معلوم ہوں تو چھوڑ دینا جائز ہے لیکن درود نہ چھوڑے یہ نہایت میں لکھا ہے دوبارہ ختم کرنے میں فضیلت ہے اور تین بار ختم کرنا افضل<sup>۱</sup> ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ افضل یہ ہے کہ تراویح کے سب دوگانوں میں قرأت برابر پڑھے اگر کم و بیش پڑھے تو مضائقہ نہیں اور ایک دوگانہ میں دوسری رکعت میں قرأت کو بڑھانا مستحب نہیں ہے مثل اور تمام نمازوں کے اور اگر پہلی رکعت کی قرأت دوسری رکعت پر بڑھائے تو مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قرأت برابر پڑھنا مستحب ہے اور امام محمد کے نزدیک پہلی رکعت میں بہ نسبت دوسری رکعت کے قرأت زیادہ کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ ہر رکعت دس آیتیں یا مثل اس کے پڑھے یہی صحیح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے قرأت میں اور ارکان کے ادا کرنے میں جلدی کرنا مکروہ ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے جس قدر حروف کو اچھی طرح ادا کرے گا اس قدر بہتر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور ہمارے زمانہ میں افضل یہ ہے کہ اس قدر پڑھے کہ قوم اپنی سستی کی وجہ سے بیزار نہ ہو جائے اس واسطے کہ جماعت کا بہت ہونا قرأت کے بہت<sup>۲</sup> ہونے سے افضل ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور ہمارے زمانے کے واسطے علماء متاخرین یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ہر رکعت میں ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھے تاکہ قوم بیزار نہ ہو جائے اور مسجد میں خالی نہ پڑی رہیں یہ احسن ہے یہ زہدی میں لکھا ہے اور امام کو چاہئے کہ جب ختم کا ارادہ کرے تو ستائیسویں شب میں ختم کرے قرآن کے ختم میں جلدی کر کے اکیسویں تاریخ یا اس سے پہلے ختم کر دینا مکروہ ہے اور منقول ہے کہ مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے تمام قرآن میں پانسو چالیس رکوع مقرر کیے ہیں اور قرآنوں میں اس کی علامت بنا دی ہے تاکہ قرآن ستائیسویں رات ختم ہو جائے اور ملکوں میں قرآنوں میں دس دس آیتوں پر بھی علامت بنائی گئی تھی اور اس کو رکوع مقرر کیا گیا تھا تاکہ تراویح کی ہر رکعت میں قرأت بقدر مسنون پڑھی جائے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر انیسویں یا اکیسویں شب میں قرآن ختم ہو جائے تو باقی مہینہ میں تراویح نہ چھوڑے اس لئے کہ تراویح سنت ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور صبح یہ ہے کہ تراویح کا چھوڑنا مکروہ ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔

اور اگر تراویح کی قرأت میں غلطی ہوئی اور کوئی سورہ یا آیت چھوڑ کر اس کے بعد کی سورہ یا آیت پڑھی تو مستحب یہ ہے کہ کہ اس چھوٹی ہوئی کو پڑھ کر پھر اس پڑھی ہوئی کو دوبارہ پڑھے تاکہ ترتیب کے موافق ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر ایک دوگانہ میں کچھ قرآن پڑھا پھر وہ دوگانہ فاسد ہو گیا تو اس دوگانہ کی قرأت شمار میں نہ آئے گی اور اس قرأت کا اعادہ کرے تاکہ ختم صحیح نماز میں ادا ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ قرأت بھی شمار میں آجائے گی یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ بعضے شہروں میں لوگوں نے ختم چھوڑ دیا

لیکن ہمارے زمانہ میں فقط اس قدر افضل ہے جو لوگوں پر گراں نہ ہو کذاتی الاختیار جب فرض ہیں فاتحہ کے ساتھ چھوٹی تین آیتیں خوب ہیں کہانی الجہتی تو تراویح میں بدرجہ اولیٰ بہتر ہیں ۱۲ ۲ ہمارے زمانہ میں متعدد ختم کے لیے قرأت بہت اور جلد پڑھتے ہیں اور طمانینت چھوڑتے ہیں یہ سب مکروہ ہے کمافی

اس لئے کہ دین کے کاموں میں سستی ہوگئی ہے پھر ان میں سے بعض نے یہ اختیار کیا ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں قل ہو اللہ احد پڑھتے ہیں اور بعض نے اختیار کیا ہے کہ سورہ الم تر کیف سے آخر قرآن تک پڑھتے ہیں ان دونوں قولوں میں یہی قول بہتر ہے اس واسطے کہ رکعتوں کی گنتی کی بھول نہیں پڑتی اور اس کے یاد کرنے میں دل نہیں بٹتا یہ تجنیس میں لکھا ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بلا عذر تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھنا مستحب نہیں جواز میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ جائز ہے اور یہی صحیح ہے مگر ثواب اس کا کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ہوتا ہے۔ اگر امام عذر کی وجہ سے یا بے عذر بیٹھ کر تراویح پڑھے اور مقتدی کھڑے ہوں تو بعض فقہانے کہا ہے کہ سب کے نزدیک نماز صحیح ہوگی یہی صحیح ہے اور جب کھڑے ہونے والے کا اقتدا۔ بیٹھنے والے کے پیچھے صحیح ہو گیا تو اس میں اختلاف ہے کہ جماعت والوں کے واسطے کیا مستحب ہے بعضوں نے کہا ہے کہ بیٹھنا مستحب ہے تاکہ مخالفت کی صورت نہ رہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے فتاویٰ میں ہے کہ اگر چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھیں اور دوسری رکعت میں قعدہ نہ کیا تو بطور استحسان کے نماز فاسد نہ ہوگی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں اور دونوں میں اظہر روایت یہی ہے اور محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ وہ چار رکعتیں بجائے ایک تسلیم یعنی ایک دوگانہ کے ہوگی یہی صحیح ہے اور یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے ابو بکر اسکاف سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی شخص نے تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ نہ کیا اور تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا تو اس کا کیا حکم ہے انہوں نے جواب دیا کہ اگر اس کو قیام یاد آ گیا تو اس کو چاہیے کہ لوٹے اور قعدہ کرے اور سلام پھیر دے اور تیسری رکعت کے سجدہ کر لینے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور بڑھائے اور یہ چاروں رکعتیں قائم مقام ایک تسلیم کے ہوگی اور اگر دوسری رکعت میں بقدر تشہد کے بیٹھ لیا ہے تو اس میں اختلاف ہے اکثر کا قول یہ ہے کہ دو تسلیمے ادا ہو جائیں گے یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر تراویح کے دس تسلیمے پڑھے اور ہر تسلیمے میں تین رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا تو اس پر تراویح کی قضا آئے گی اور کچھ نہ آئے گا یہی قیاس ہے اور یہی قول امام محمد کا ہے اور یہی روایت امام ابو حنیفہ سے ہے اور استحسان کے طور پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص کے قول کے بموجب جو اس نماز کو تراویح کے قائم مقام نہیں کرتا تراویح کی قضا واجب ہوگی اور امام ابو حنیفہ کے قول کے بموجب تیسری رکعت کے سبب سے کچھ واجب نہ ہوگا خواہ بھول کر پڑھی خواہ عمد اور امام ابو یوسف کے قول کے بموجب اگر بھول کر پڑھی تو یہی حکم ہے اور اگر عمد پڑھیے تو تیسری رکعت کے بجائے دو رکعتیں لازم ہوگی پس تراویح کے ساتھ بیس رکعتیں اور پڑھے اور اس شخص کے قول کے بموجب جو ان کو بجائے تراویح کے جائز سمجھ لیتا ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر بھول کر پڑھی ہیں تو کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر عمد پڑھی ہیں تو بیس رکعتیں لازم ہوگی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر تراویح کی چھ یا آٹھ یا دس رکعتیں ایک سلام سے پڑھیں اور دو رکعتوں کے بعد بیٹھا تو اکثر کا قول یہ ہے کہ ہر دوگانہ کا ایک تسلیم ہو جائے گا یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر کل تراویح ایک سلام سے پڑھیں تو اگر ہر دو رکعت کے بعد بیٹھا ہے تو سب تراویح ادا ہو جائیں گے اور اگر کسی دوگانہ میں نہیں بیٹھا صرف اخیر ہی میں بیٹھا ہے تو وہ بطریق استحسان صحیح قول کے بموجب ایک تسلیم ادا ہوگا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور مقتدی کے واسطے یہ مکروہ ہے کہ بیٹھ کر تراویح پڑھے اور جب امام رکوع کرنے کو ہو تو کھڑا ہو جائے اس طرح اگر نیند کا غلبہ ہو تو

۱۔ مقتدی بیٹھا رہا جب امام کے رکوع ہو تو شامل ہو گیا یہ مکروہ ہے کمافی الدرر ۲۲

۲۔ بعض مشائخ نے پانچ تعلیمات کے بعد استراحت کو مستحسن کہا لیکن صحیح نہیں بلکہ مکروہ ہے الکافی یہی صحیح ہے الخصاصہ ۱۲

۳۔ یعنی فقط افگانہ ادا ہو اور یہی صحیح ہے ۱۲ عن الہدایہ

جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا مکروہ ہے بلکہ علیحدہ ہو جائے اور خوب ہوشیار ہو جائے۔ اس واسطے کہ نیند کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی اور غفلت ہوتی ہے اور قرآن میں غور و فکر کرنا چھوٹتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کسی شخص نے تراویح کی نماز امام کے ساتھ شروع کی جب امام نے قعدہ کیا تو وہ سو گیا اس عرصہ میں امام نے سلام پھیر کر دوسرا دوگانہ بھی پڑھا اور تشہد کی واسطے قعدہ میں بیٹھا اس وقت وہ شخص ہوشیار ہوا اگر اس کو یہ معلوم ہو گیا تو سلام پھیر دے اور دوبارہ نیت باندھ کر امام کے ساتھ تشہد میں شریک ہو جائے اور جس وقت امام سلام پھیرے تو کھڑا ہو کر دو رکعتیں جلد پڑھ لے اور سلام پھیر دے پھر امام کے ساتھ تیسرے دوگانہ میں شریک ہو جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## دسویں باب

### فرض میں شریک ہونے کے بیان میں

اگر فجر یا مغرب کی نماز کی ایک رکعت پڑھ چکا ہے اور جماعت شروع ہوئی تو اس ایک رکعت کو توڑ دے اور جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر دوسری رکعت میں ہے اور ابھی سجدہ نہیں کیا ہے تو اس کو بھی توڑ دے اور اگر دوسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو پھر نہ توڑے اور اس کو پورا کرے اور پھر امام کے ساتھ میں شریک نہ ہوے اس واسطے کہ صبح کی نماز کے بعد نفل مکروہ ہے اور مغرب میں یا تو نفلوں کی طاق رکعتیں ہونگی یا اگر چار رکعتیں پڑھے گا تو امام کی مخالفت ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہ سب بدعت ہے اور اگر امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو چار رکعتیں پوری کرے اس لئے کہ سنت کی موافقت امام کی موافقت سے بڑھ کر ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور اس نے برا کیا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو نماز اس کی فاسد ہوگی اور اس کو چاہئے کہ چار رکعتوں کی قضا کرے اس واسطے کہ وہ اقتدا کی وجہ سے اس پر لازم ہو گئیں یہ شمس میں لکھا ہے اور اگر اس نفل پڑھنے والے نے مغرب کی نماز میں ایسے امام کے پیچھے اقتدا کیا کہ جس نے تیسری رکعت میں قرأت نہیں کی تو اگر مقتدی نے قرأت کر لی تو نماز اس کی جائز ہے اور اگر قرأت نہیں کی تو بھی بتعبیت امام اس کی نماز جائز ہوگی یہ شیخ امام استاد خانی سے منقول ہے اور اگر امام چوتھی رکعت کو تیسری سمجھ کر کھڑا ہو اور مقتدی نے اس چوتھی رکعت میں بھی متابعت کی تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ امام تیسری رکعت میں بیٹھا ہو یا نہ بیٹھا ہو یہی مختار ہے اگرچہ امام کی نماز نفل ہوگی لیکن پہلے فرض تھی پھر فرض سے نفل کی طرف کو چلا گیا پس گویا اس نے دو نمازیں دو تحریموں سے پڑھیں تو اس صورت میں مقتدی کی ایک نماز بغیر عذر حدث کے دو اماموں کے پیچھے ہوگی اس لئے جائز نہیں اور اگر نفل نماز کسی نے شروع کی پھر جماعت قائم ہوئی تو مختار یہ ہے کہ اس کو نہ توڑے خواہ رکعت کا سجدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ نذر کی نماز یا قضا شروع کی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جس شخص نے ظہر کی نماز کی ایک رکعت پڑھی تھی پھر جماعت قائم ہوئی تو وہ ایک رکعت اور پڑھ لے پھر امام کے ساتھ داخل ہو جائے اور اگر پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو اس کو توڑ دے اور امام کے ساتھ داخل ہو جائے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے یہاں جماعت قائم ہونے سے امام کا نماز شروع کرنا مراد ہے مؤذن کا اقامت کہنا مراد نہیں اور اگر مؤذن نے اقامت شروع کی ہو اور کسی شخص نے پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو ہمارے اصحاب کا بلا خلاف یہ حکم ہے کہ دو رکعتیں پوری کر لے یہ نہایت میں لکھا ہے اور اگر دوسری جگہ جماعت قائم ہوئی مثلاً کوئی شخص گھر میں نماز پڑھتا تھا اور مسجد میں جماعت قائم ہوئی یا مسجد میں نماز

۱۔ جماعت شروع ہوئی یہ اس واسطے کہا تا کہ معلوم ہو کہ جامع وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ اقامت کہی گئی اس سے مراد یہ کہ امام نے نماز شروع کی اور یہ مراد نہیں کہ مؤذن نے اقامت کہی کیونکہ مؤذن کے بعد اگر امام نے شروع نہ کی ہو تو بلا خلاف منفرد دو رکعت پوری کر لے ۱۲ عین الہدایہ

پڑھتا تھا اور دوسری مسجد میں جماعت قائم ہوئی تو نماز کسی حالت میں نہ توڑے اگر ظہر کی تین رکعتیں پڑھ چکا ہے اور جماعت قائم ہوئی تو اپنی نماز پوری کر کے نفل کی نیت سے اقدار کر لے اور اگر تیسری رکعت میں ہے اور اس رکعت کا ابھی سجدہ نہیں کیا ہے تو نماز کو قطع کر دے اور اس میں اختیار ہے چاہے قعدہ کی طرف کو لوٹے اور سلام پھیرے چاہے سلام نہ پھیرے اس طرح کھڑا ہوا تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ نماز شروع کرنے کی نیت کر لے اور قیام کی حالت میں سلام نہ پھیرے یہ تبیین میں لکھا ہے اصح یہ ہے کہ دونوں صورتوں کا اختیار ہے یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس طرح کھڑا ہوا ایک سلام پھیر کر نماز توڑ دے اور یہی اصح ہے اس لئے کہ قعدہ نماز کے تمام ہونے کے لئے شرط تھا۔

اور یہ نماز کا توڑنا ہے نماز کا تمام ہونا نہیں<sup>۱</sup> اس واسطے کہ ظہر کی نماز دو رکعتوں پر تمام نہیں ہوتی اور ایک ہی سلام کافی ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ عشا یا عصر کی نماز شروع کر دی ہو اور پھر اس کی جماعت قائم ہوئی لیکن عصر کی نماز تمام کرنے کے بعد نفلوں کی نیت سے نماز میں شریک نہ ہو جس شخص کو ظہر کی ایک رکعت امام کے ساتھ ملی تو اس نے سب فقہاء کے قول کے بموجب ظہر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی لیکن سب فقہاء کے نزدیک جماعت کی فضیلت پالی اور اگر تین رکعتیں امام کے ساتھ پائیں تو بالا جماع ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے والا ہو گیا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر نفل نماز شروع کی پھر فرض کی جماعت قائم ہوئی تو جو دو گانہ پڑھ رہا ہے اس کو تمام کر لے اس پر زیادتی نہ کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر ظہر یا جمعہ سے پہلے کی سنتیں پڑھتا تھا اور ظہر کی جماعت قائم ہوئی یا جمعہ کا خطبہ شروع ہوا تو دو رکعتیں پڑھ کر نماز کو قطع کر دے یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور بعضوں نے کہا ہے نماز کو پورا کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے یہی اصح ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے جس شخص نے امام کو فجر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا اور اس نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہیں تو اگر اسے یہ خوف ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری امام کے ساتھ مل جائے گی تو وہ مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں پڑھ لے پھر نماز میں داخل ہو اور اگر دونوں رکعتوں کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنتیں نہ پڑھے اور امام کے ساتھ داخل ہو یہ ہدایہ میں لکھا ہے کتاب میں یہ مذکور نہیں کہ اگر اس کو یہ خیال ہو کہ قعدہ مل جائے گا تو کیا کرے اور کتاب میں جو یہ مذکور ہے کہ اگر اس کو دونوں رکعتوں کے فوت ہونے کا خوف ہو تو ظاہر اس سے یہ ہوتا ہے کہ جس کو یہ خوف ہو کہ کوئی رکعت نہ ملے گی صرف قعدہ ملے گا وہ سنتیں نہ پڑھے اور امام کے ساتھ داخل ہو جائے اور فقیہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ اگر قعدہ ملنے کی توقع ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک سنتیں پڑھے اس واسطے کہ ان دونوں کے نزدیک تشہد کا ملنا مثل رکعت کے ملنے کے ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اس کے سوا اور باقی سنتوں کا یہ حکم ہے کہ اگر یہ سمجھے کہ امام کے رکوع کرنے سے پہلے تمام کر لوں گا تو مسجد سے باہر پڑھ لے اور اگر رکعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو امام کے ساتھ نماز شروع کر دے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے رکوع میں ہے یا دوسرے میں تو سنتیں چھوڑ دے اور امام کے ساتھ ہو جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی مسجد میں داخل ہو اور اس میں اذان ہو چکی ہے تو بغیر نماز پڑھے وہاں سے باہر ہونا مکروہ ہے لیکن وہ اگر کسی اور مسجد کا مؤذن یا امام ہے اور اس کے نہ ہونے سے جماعت متفرق ہو جائے گی تو اس کے واسطے مسجد سے باہر ہو جانے میں کچھ مضائقہ نہیں یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس نے ابھی تک وہ نماز نہ پڑھی ہو اور اگر ایک بار پڑھ چکا ہے تو عشا اور ظہر کی نماز میں جب تک مؤذن نے اقامت نہیں کہی ہے مسجد سے باہر چلا جانے میں مضائقہ نہیں اور اگر مؤذن نے اقامت شروع کر دی تو مسجد سے باہر نہ جائے اور نفل کی نیت سے ان نمازوں کو پڑھے اور عصر اور مغرب اور فجر کی نمازوں میں یہ حکم ہے کہ مسجد

۱۔ نہیں۔۔۔ بعض نے جواب دیا کہ ہاں لیکن تسلیم بغرض تحلیل ہے تو اس کی حرمت کھونا جائز نہیں ہے ۱۲ ع



سے باہر چلا جائے اور اگر ٹھہرا رہا اور ان کے ساتھ داخل نہ ہو تو مکروہ ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر کہہ کر کھڑا ہوا اتنے میں امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو اس کو وہ رکعت نہ ملی یہ ہدایہ میں لکھا ہے خواہ اتنی دیر میں رکوع میں شریک ہو سکتا تھا یا نہ ہو سکتا تھا دونوں صورتوں میں ایک حکم ہے اور اس طرح اگر تکبیر کہہ کر نہ ٹھہرا اور جھک گیا لیکن اس کے رکوع میں جانے سے پہلے امام نے سر اٹھالیا تو بھی اس کو وہ رکعت نہ ملی محبوبی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام رکوع میں ہے تو ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس کو چاہئے کہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے پھر چل کر صف میں مل جائے تاکہ رکوع فوت نہ ہو اور ہمارے نزدیک اگر پے در پے تین قدم چلے گا تو نماز باطل ہو جائے گیا ورنہ مکروہ ہوگی اور اکثر مشائخ کا قول یہ ہے کہ وہ تکبیر نہ کہے تاکہ نماز میں چلنا نہ پڑے جلابی نے ذکر کیا ہے کہ کسی شخص نے امام کو رکوع میں پایا اور کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور اس نے جھکنا شروع کیا تو اس وقت امام نے اٹھنا شروع کیا تو اگر امام کے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اس کے ساتھ شریک ہو گیا تو اصح یہ ہے کہ اس رکعت کا اعتبار ہوگا اگرچہ مشارکت بہت تھوڑی ہو یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے۔

فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کسی شخص نے امام کو کھڑا پایا اور تکبیر کہی اور امام کے ساتھ رکوع نہ کیا یہاں تک کہ امام رکوع کر چکا پھر رکوع کیا تو اس کو وہ رکعت ملے گی اور اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کسی نے رکوع کے قومہ میں امام کا اقتدا کیا تو اس کو وہ رکعت نہ ملی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے جو شخص امام کو رکوع میں پائے تو کھڑے ہو کر تحریمہ باندھے اور تکبیر کہے اور جو گمان غالب ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے گا تو سبحانک اللہم بھی پڑھ لے اور اگر عید کی نماز ہو تو اس کی تکبیریں بھی کھڑا ہو کر کہہ لے اور اگر اس کو یہ خوف ہو کہ رکوع فوت ہو جائے گا تو رکوع کر دے اور رکوع میں بھی عید کی تکبیریں کہے یہ کافی کے باب صلوٰۃ العید میں لکھا ہے جو شخص امام کو رکوع میں پائے اس کو دونوں تکبیروں کی حاجت نہیں بعض فقہاء کا اس میں خلاف ہے اور اگر اس ایک تکبیر سے رکوع کی نیت کر لے اور نماز کی شروع کی نیت نہ کرے تو جائز ہے اور نیت اس کی لغو ہوگی یہ فتح القدر میں لکھا ہے اگر مقتدی نے سب رکعتوں میں رکوع اور سجدہ امام سے پہلے کیا تو اس پر یہ واجب ہے کہ ایک رکعت بغیر قرأت پڑھے اور اپنی نماز تمام کر لے اور اگر رکوع امام کے ساتھ کیا ہے اور سجدہ اس سے پہلے کیا ہے تو دو رکعتوں کی قضا کرے اور اگر رکوع پہلے کیا ہے اور سجدہ ساتھ کیا ہے تو قرأت چار رکعتیں اس پر واجب ہوگی اور اگر رکوع امام کے بعد کیا ہے اور سجدہ بھی امام کے بعد کیا ہے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی اور اگر امام کو رکوع اور سجدہ دونوں کے آخر میں پایا ہے تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جو شخص کسی مسجد میں داخل ہو اور اس میں نماز ہو چکی ہے تو اگر وقت میں وسعت ہے تو فرض سے پہلے جس قدر چاہے نفل پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر وقت تنگ ہے تو نفلوں کو چھوڑ دے بعضوں نے کہا ہے کہ ظہر اور فجر کی سنتوں کے سوا اور نفلوں کا یہ حکم ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اسی کو شمس الائمہ سرخسی اور صاحب محیط اور قاضی خان اور ترمذی اور محبوبی نے اختیار کیا ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اور یہی نہایہ میں لکھا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ سب کا یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی صدر الاسلام نے اختیار کیا ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ ان سنتوں کو کسی حالت میں نہ چھوڑے یہ ہدایہ میں لکھا ہے خواہ فرض جماعت سے پڑھی ہوں یا نہ پڑھی ہوں لیکن اگر فرض کا وقت جاتے رہنے کا خوف ہو تو چھوڑ دے یہ کفایہ میں لکھا ہے۔

## گبار ہوا (باب)

## چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کے بیان میں

جو نماز وقت میں واجب ہو کر اس وقت چھوٹ جائے تو اس کی قضا لازم ہوگی خواہ اس کو جان کر چھوڑا ہو یا بھول کر چھوڑا ہو یا نیند کی وجہ سے چھوڑا ہو خواہ بہت سی نمازیں چھوٹ گئی ہوں خواہ تھوڑی سی چھوٹ گئی ہوں مجنون پر حالت جنون میں ان نمازوں کی قضا واجب نہیں جو عقل کی حالت میں اس سے چھوٹی ہوں اور اس طرح حالت عقل میں ان نمازوں کی قضا واجب نہیں جو جنون کی حالت میں اس سے چھوٹی ہوں اور مرتد پر ان نمازوں کی قضا واجب نہیں جو مرتد رہنے کی حالت میں اس سے چھوٹی ہوں اگر کوئی دارالحرب میں مسلمان ہو اور ایک مدت تک اس نے اس وجہ سے نماز نہ پڑھی کہ نماز کا واجب ہونا اس کو معلوم نہ تھا تو اس پر ان نمازوں کی قضا واجب نہ ہوگی اگر کوئی شخص بیہوش تھا یا ایسا مرض تھا کہ اشارہ سے بھی نماز نہیں پڑھ سکتا تھا تو جو نمازیں اس حالت میں فوت ہوئیں ہیں اور وہ چھوٹی ہوئی نمازیں ایک دن رات کی نمازوں سے بڑھ گئی ہیں تو ان کی قضا واجب نہ ہوگی قضا کا حکم یہ ہے کہ جس صفت سے نماز فوت ہوئی ہے اسی صفت کے ساتھ ادا کی جائے لیکن عذر اور ضرورت کی حالت میں یہ حکم بدل جاتا ہے جس شخص کی حالت اقامت میں چار رکعت والی فرض قضا ہوئی ہیں وہ سفر میں ان کو چار رکعتوں سے قضا کرے گا۔ اور اگر سفر میں قضا ہوئی ہیں تو اقامت کی حالت میں ان کو دو رکعتوں سے قضا کرے گا۔ فرض کی قضا فرض ہے واجب کی واجب اور سنت کی سنت قضا کے واسطے کوئی وقت معین نہیں بلکہ تین وقتوں کے سوا تمام عمر اس کا وقت ہے اور وہ تین وقت یہ ہیں سورج کے طلوع ہونے کے وقت اور زوال ہوتے وقت اور غروب ہوتے وقت ان اوقات میں نماز جائز نہیں بحر الرائق میں لکھا ہے کسی شخص نے نماز پڑھی پھر مرتد ہو گیا پھر اسی نماز کے وقت کے اندر مسلمان ہو گیا تو اس نماز کا اعادہ کرے یہ کافی میں لکھا ہے کسی لڑکے نے عشا کی نماز پڑھی پھر سو گیا اور اس کو احتلام ہو گیا اور فجر کے طلوع ہونے سے پہلے ہوشیار ہو گیا تو عشا کو قضا کرے گا لڑکی کا حکم اس کے خلاف ہے پس اگر لڑکی فجر کے طلوع ہونے سے پہلے حیض کے ساتھ بالغ ہوئی تو عشا کی قضا اس پر واجب نہ ہوگی اس واسطے کہ جب واجب ہونے کی حالت میں حیض آجاتا ہے تو وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور جب وجوب کے ساتھ حیض ہو تو بدرجہ اولیٰ حیض مانع وجوب ہوگا اور اگر اپنی عمر کے حساب سے بالغ ہوئی تو عشا کی نماز اس پر واجب ہوگی اور لڑکا طلوع فجر سے پہلے ہوشیار نہ ہو تو بعضوں نے کہا ہے کہ عشا کو قضا کرے گا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر چھوٹی ہوئی نمازوں کو جماعت سے قضا کرے تو اگر جہری نمازوں کو قضا کرتا ہے تو امام کو چاہئے کہ نماز میں جہر کرے اور اگر تنہا قضا پڑھتا ہے تو جہر اور مخالفت میں اختیار ہے مگر جہر افضل ہے جیسے وقت میں تنہا نماز پڑھتا تھا اور اگر آہستہ قرأت پڑھنے کی نمازیں ہیں تو آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

اور امام کے واسطے بھی یہی حکم ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے وقت کی نماز اور چھوٹی ہوئی نماز میں اور چند قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہے یہ کافی میں لکھا ہے یہاں تک کہ وقت کی نماز قضا نماز کے ادا کرنے سے پہلے جائز نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اس طرح فرض اور وتر میں ترتیب واجب ہے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے۔ اگر فجر کی نماز پڑھی اور اس کو یاد تھا کہ وتر نہیں پڑھے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ

۱۔ جان کر چھوڑنا کبیرہ گناہ قریب بکفر ہے تو قضا کے ساتھ تو یہ کرنا بھی ضروری ہے اور واضح وہ کہ عذر جس سے نماز میں تاخیر ہو سکتی ہے ایک کفار دشمنوں کا خوف ہے جیسی غزوہ خندق میں آنحضرت ﷺ نے تاخیر کی اور جنائی دانی نے بچہ مر جانے کا خوف کیا تو عذر ہے واضح ہو کہ نفاس بعد ولادت سے شروع ہوتا ہے لہذا شرح المنیہ میں کہا کہ اگر آدھا بچہ نکلا ہو اور نماز کا وقت جاتا ہے تو عورت اشارہ سے پڑھ لے ۱۲

کے نزدیک وہ نماز فاسد<sup>۱</sup> ہوگی۔ اگر نفل نماز میں کسی فرض یا واجب نماز کا فوت ہونا اس کو یاد آیا تو نفل فاسد نہ ہونگے اس لئے کہ ترتیب کا وجوب فرضوں میں خلاف قیاس ثابت ہوا ہے اس لئے غیر فرض کو اس کے ساتھ نہیں لائے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے کہ لڑکا جس وقت بالغ ہو اور وقت میں نماز پڑھی تو وہ صاحب ترتیب ہو جاتا ہے جیسے عورت جس وقت بالغ ہوئی اور خون صحیح دیکھا تو ایک بار کے حیض سے صاحب عادت ہو جاتی ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے لیکن نماز کے بعض اعمال میں ہمارے نزدیک باہم ترتیب فرض نہیں یہ محیط میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص شروع سے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا پھر اس کے پیچھے سو گیا اس کو حدیث ہو گیا اور امام آگے بڑھ گیا پھر ہوشیار ہوا یا پھر وضو کر کے نماز میں شریک ہوا تو اس پر واجب ہے کہ اول وہ نماز پڑھے جو چھوٹ گئی ہے پھر امام کی متابعت کرے اور اگر امام کو نماز میں پایا پس اگر اول امام کی متابعت کی پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی نماز کی قضا کی تو ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک جائز ہے اس طرح جمعہ کی نماز میں اگر آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے پہلی رکعت امام کے ساتھ ادا نہ کر سکا اور دوسری رکعت ادا کی پس دوسری رکعت پہلی رکعت کے ادا کرنے سے پہلے ادا ہوئی پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی رکعت قضا کی تو ہمارے نزدیک جائز ہے یہ شرح طحاوی کی فصل ستر عورت میں لکھا ہے ترتیب<sup>۲</sup> بھولنے سے اور ان چیزوں سے جو بھولنے کے حکم میں ہیں ساقط ہو جاتی ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اگر وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد کوئی بھولی ہوئی نماز یاد آئی تو وقت کی نماز جائز ہوگئی۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر ظہر کی نماز اس گمان میں پڑھی کہ وضو ہے اس کے بعد وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی پھر ظاہر ہوا کہ ظہر کی نماز بے وضو پڑھی تھی تو صرف ظہر کی نماز کا اعادہ کرے اس لئے کہ وہ ظہر کی نماز کے حق میں بھولنے والے کے حکم میں ہے برخلاف اس کے اگر عرف کے روز میں ظہر کی نماز وضو کے گمان سے پڑھی پھر وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی پھر ظاہر ہوا کہ ظہر کی نماز بے وضو پڑھی تھی تو دونوں نمازوں کا اعادہ کرے اس لئے کہ عصر کی نماز وہاں ظہر کی تابع ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے ظہر کی نماز پڑھی اور اس کو یاد ہے کہ فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو اس کی ظہر فاسد ہو جائے گی پھر فجر کی نماز قضا کی اور عصر کی نماز پڑھی اور اس کو یاد ہے کہ فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو اس کی ظہر فاسد ہو جائے گی پھر فجر کی نماز قضا کی اور عصر کی نماز پڑھی اور اس کو ظہر یاد ہے تو عصر جائز ہوگی اس لئے کہ عصر کے ادا کرتے وقت اس گمان میں کوئی نماز اس کے اوپر قضا نہیں ہے اور یہ گمان معتبر ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر ظہر میں شک ہوا کہ اس نے فجر کی نماز پڑھی ہے یا نہیں پڑھی پس جب فارغ ہوا تو اس کو یقین ہوا کہ فجر کی نماز نہیں پڑھی تو اول فجر کی نماز پڑھے ظہر کی نماز کا اعادہ کرے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور جس شخص کو نماز کے اندر یاد آیا کہ اس پر کچھ نمازیں قضا ہیں فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ ہمارے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن یاد آتے ہی نماز کو توڑ نہ دے بلکہ دو رکعتیں پوری کرے اور بعد اس کے نفل پڑھ سکتا ہے خواہ وہ قضا پرانی ہو یا نئی یہ محیط میں لکھا ہے۔

اگر جمعہ کی نماز پڑھنے والے کو یاد آیا کہ اس پر فجر کی نماز باقی ہے تو اگر ایسی حالت میں ہے کہ اگر اس نماز کو قطع کرے اور فجر کی نماز میں مشغول ہو تو جمعہ فوت ہو جائے گا لیکن وقت نہیں فوت ہونے کا ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جمعہ کو قطع کرے اور فجر کی نماز پڑھے پھر ظہر کی نماز پڑھے اور امام محمد کے نزدیک جمعہ کو اول تمام کر لے اور اگر ایسی حالت ہے کہ فجر کی نماز قضا کرنے کے بعد ہی جمعہ مل جائے گا تو بالا جماع یہ حکم ہے کہ اول فجر کی نماز پڑھ لے اور اگر ایسی حالت ہے کہ اگر جمعہ کو قطع کر کے فجر کی نماز میں مشغول ہوگا تو وقت جاتا رہے گا تو بالا جماع یہ حکم ہے کہ اول جمعہ کو تمام کر لے پھر فجر کی نماز قضا کرے یہ سراج الوہاب

۱ اگر گمان کیا کہ وقت میں عشا و فجر کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر فجر پڑھ کر وقت کا بچا تو دوبارہ فجر پڑھے الجتبی ۱۲ ۲ اگر ترتیب کی فرضیت نہیں جانتا تو وہ بھولنے والے کے مانند ہے اسی کو جماعت مشائخ بخارانے لیا ہے پس بلا ترتیب اس کی نماز صحیح ہوگی الجتبی ۱۲

میں لکھا ہے وقت کی تنگی میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر تنگ وقت میں بھی قضا نماز کو مقدم کرے گا تو نماز جائز ہوگی مگر گنہگار ہوگا یہ نہر الفائق میں لکھا ہے۔ وقت کی تنگی اس کو کہتے ہیں کہ وقت اس قدر باقی نہ ہو کہ جس میں اس وقت کی نماز کی قضا میں مشغول ہونگا اور پھر فجر کی نماز پڑھوں گا تو قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے سورج نکل آئے گا تو فجر کی نماز وقت میں پڑھ لے اور عشا کی نماز سورج کے بلند ہونے کے بعد پڑھے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر وقت اتنا ہو کہ وقت کی نماز اور قضا کو افضل طور پر نہیں پڑھ سکتا تو بھی ترتیب کی رعایت کرے مثلاً اتنا وقت ہو کہ وقت کی نماز اور قضا کو افضل طور پر نہیں پڑھ سکتا تو بھی ترتیب کی رعایت کرے مثلاً اتنا وقت ہو کہ اگر قضا پڑھے تو وقت کی نماز تخفیف کے ساتھ اور قرأت اور تمام ارکان میں کمی کے ساتھ ادا ہوگی تو ترتیب ضروری ہے اور صرف اس قدر پر اکتفا کرے جس سے نماز جائز ہو جائے یہ تمبر تاشی میں لکھا ہے اور وقت کی تنگی کا اعتبار نماز شروع کرتے وقت ہے پس اگر کسی کو وقت کی نماز شروع کرنے کے وقت قضا نماز یاد تھی اور اس نے قرأت اتنی لپی پڑھی کہ وقت تنگ ہو گیا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی لیکن اگر اس کو توڑ کر پھر شروع کرے تو جائز ہوگی اور اگر نماز شروع کرتے وقت قضا نماز زیادہ نہ تھی پھر قرأت میں تطویل کی پھر وقت تنگ ہونے پر اس کو قضا نماز یاد آگئی تو وہ نماز جائز ہوگی اور اس نماز کا قطع کرنا اس پر لازم نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے حقیقت میں وقت تنگ ہونے کا اعتبار ہے نماز پڑھنے والے کے گمان کا اعتبار نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے پس اگر کسی پر عشا کی نماز قضا تھی اور اس کو گمان یہ ہوا کہ فجر کا وقت تنگ ہو گیا ہے اور اس نے فجر کی نماز پڑھ لی پھر ظاہر ہوا کہ فجر کا وقت بہت باقی ہے تو وہ فجر کی نماز باطل ہو جائے گی اس کے بعد غور کرے کہ اگر وقت دونوں نمازوں کے لائق ہے تو دونوں نمازیں پڑھے ورنہ فجر کی نماز کا اعادہ کرے اور اس کے بعد پھر غور کرے کہ وقت کس قدر باقی ہے اگر فجر کے وقت میں پھر وسعت ہے تو یہ نماز بھی باطل ہوگئی اور اسی طرح آخر وقت تک کیے جائے اور اگر عشا کی نماز پڑھ لی اور فجر کا اعادہ نہ کیا اور قعدہ میں اس مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے سورج طلوع ہو گیا تو فجر کی نماز صحیح ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اس طرح اگر ظہر کے آخر میں فجر کی نماز کی قضا یاد آئی اور اس کو گمان یہ ہے کہ وقت میں دونوں نمازوں کی گنجائش نہیں پھر ظہر کی نماز پڑھ لی اور اس کے بعد بھی کچھ ظہر کا وقت باقی تھا پھر غور کرے اگر باقی وقت میں گنجائش ہے کہ فجر اور ظہر دونوں پڑھ سکتا ہے تو ظہر کی جو نماز پڑھ چکا ہے وہ فاسد ہوگئی اس کو چاہئے کہ اول فجر کی نماز پڑھے پھر ظہر کا اعادہ کرے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اگر وقت اس قدر باقی ہو کہ فجر کی نماز پڑھ کر ظہر کی ایک رکعت پڑھ سکتا ہے یہ تا تار خانہ میں حجت سے نقل کیا ہے اور اگر چھوٹی ہوئی نمازیں ایک سے زیادہ ہوں اور وقت میں صرف اس قدر گنجائش ہے کہ اس وقت کے فرض کے ساتھ چھوٹی ہوئی نمازوں میں سے بعض پڑھ سکتا ہے سب نہیں پڑھ سکتا تو جب تک بعض نمازوں کو نہ پڑھ لے وقت کی نماز جائز نہ ہوگی پس اگر فجر کے وقت میں یاد آیا کہ عشا اور وتر کی نماز چھوٹ گئی تھی اور وقت صرف پانچ رکعتوں کا باقی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے بموجب اول وتر کی قضا پڑھے پھر فجر کی نماز پڑھے پھر سورج کے طلوع ہونے کے بعد عشا کی قضا پڑھے اور اگر عصر کے وقت میں یاد آیا کہ اس نے فجر اور ظہر کی نماز نہیں پڑھی اور وقت میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں تو اس کو چاہئے کہ اول ظہر کی قضا کرے پھر عصر کی پڑھے اور اگر وقت میں چھ رکعتوں سے زیادہ کی گنجائش نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ اول فجر کی نماز پڑھے پھر عصر کی نماز پڑھے پھر ظہر کی نماز قضا کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے عصر کے وقت میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آخر وقت کا اعتبار ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ اگر ظہر اور عصر کی نماز کا ادا کرنا سورج کے متغیر ہونے سے پہلے ممکن ہو تو ترتیب کی رعایت واجب ہے اور اگر دونوں نمازیں سورج کے غروب سے پہلے ادا نہیں ہو سکتیں تو اول عصر کی نماز کا ادا کرنا واجب ہے اور اگر ظہر کی نماز تغیر شمس سے پہلے ادا نہیں ہو سکتی اور عصر کی ساری نماز یا تھوڑی سورج متغیر ہونے کے بعد ہو جائے گی۔

تو ترتیب کی رعایت واجب ہے مگر حسن ابن زیاد کے قول کے بموجب اول عصر کی نماز پڑھے اس لئے کہ سورج کے متغیر ہونے کے بعد ان کے نزدیک عصر کا وقت نہیں رہتا یہ نہایت ہی لکھا ہے اور اگر وقت مستحب صرف اس قدر باقی ہے جس میں ظہر کی گنجائش نہیں تو ترتیب بالا جماع ساقط ہو جائے گی یہ تمہین میں لکھا ہے اور اگر عصر کی نماز اول وقت میں شروع کی اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر ظہر کی نماز باقی ہے اور عصر کی نماز اتنی دیر میں پڑھی کہ وقت رات کا دخل ہو گیا پھر یاد آیا کہ اس پر ظہر باقی ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنی نماز اس طرح پڑھتا رہے یہ جو ہرہ النیرہ میں لکھا ہے اور وقت کے تنگ ہو جانے سے جو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے وہ اسح قول کے بموجب وقت کے نکلنے کے بعد پھر نہیں لوٹتی یہاں تک کہ اگر وقت کی نماز کے پڑھنے کے درمیان میں وقت خارج ہو گیا تو اسح قول کے بموجب وہ نماز فاسد نہ ہوگی اور اسح قول کے بموجب وہ نماز ادا ہوگی نہ قضا یہ زاہدی میں لکھا ہے اور بھولنے کی صورت میں جب تک بھولا ہوا ہے تب تک ترتیب کا حکم ظاہر نہیں ہوتا اور جب قضا نماز یاد آتی ہے تو ترتیب لازم ہو جاتی ہے یہ تا تا خانہ میں خلاصہ سے نقل کیا ہے جب قضا نمازیں بہت سی ہو جائیں تب ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یہ صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور بہت ہو جانے کی حد یہ کہ چھٹی نماز کا وقت کا نکل کر چھ نمازیں جمع ہو جائیں اور امام محمد سے یہ منقول ہے کہ چھٹی نماز کا وقت داخل ہو جائے پہلا قول صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے معتبر یہ ہے کہ قضا نماز کے بعد چھ وقت درمیان میں آجائیں اور اگر چہ بعد ان کے نمازیں اپنے وقت میں ادا کرتا ہو اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ چھ نمازیں جمع ہو جائیں اگر چہ متفرق ہوں اور فائدہ اس اختلاف کا اس صورت میں ظاہر ہوتا کہ اگر تین نمازیں چھوٹیں مثلاً ایک دن کی ظہر ایک دن کے عصر ایک دن کی مغرب اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں کونسی پہلی ہے تو پہلے قول کے بموجب ترتیب ساقط ہو جائے گی اس واسطے کہ قضا نمازوں کے درمیان میں بہت سے وقت آگے اور دوسرے قول کے بموجب ترتیب ساقط نہیں ہوگی اس واسطے کہ اس قول میں چھ نمازیں قضا جمع ہونا معتبر ہے تو اب اس کو چاہئے کہ سات نمازیں پڑھے اول ظہر پڑھے پھر عصر پڑھے پھر ظہر پڑھے پھر مغرب پڑھے پھر ظہر پڑھے پھر عصر پڑھے پھر ظہر پڑھے پہلا قول اسح یہ ہے تمہین میں لکھا ہے اور اسی میں آسانی زیادہ ہے دوسرا قول ابو بکر قول ابو بکر محمد بن الفضل نے اختیار کیا ہے اور اس میں احتیاط زیادہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور بہت سے نمازوں کے چھوٹنے سے جس طرح ادا میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اس طرح قضا میں بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے مثلاً کسی کی مہینہ بھر کی نمازیں چھوٹ گئیں اور اس نے اس طرح قضا کیں اول میں نمازیں فجر کی پڑھ لیں پھر میں نمازیں ظہر کی پڑھ لیں تو صحیح ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے جب بہت سی نمازوں کے چھوٹنے سے ترتیب ساقط ہوگئی پھر اس میں سے کچھ نمازیں قضا پڑھ لیں اور باقی نمازیں چھ سے کم رہ گئیں تو اسح قول کے بموجب ترتیب نہیں عود کرتی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ شیخ امام زاہد ابو حفص کبیر نے کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ محیط میں لکھا ہے یہاں تک کہ اگر ایک مہینہ کی نمازیں چھوٹیں پھر ان سب کو قضا کیا مگر ایک نماز باقی رہ گئی اور باوجود اس کے یاد ہونے کے وقت کی نماز پڑھی تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے چھوٹی ہوئی نمازیں دو قسم کی ہیں ایک پرانی دوسری نئی۔ نئی قضا نمازوں سے بالاتفاق ترتیب ساقط ہو جاتی ہے پرانی قضا نمازوں میں مشائخ کا اختلاف ہے مثلاً کسی شخص سے مہینہ بھر کی نمازیں چھوٹیں پھر ایک مدت تک اس نے نماز پڑھی اور ان نمازوں کو قضا نہ کیا اس کے بعد پھر ایک نماز چھوٹی اس کے بعد باوجود اس نئی قضا کے یاد ہونے کے اس نے دوسری نماز پڑھی تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ دوسری نماز جائز نہ ہوگی اور بعض کے نزدیک جائز ہو جائے گی اور اسی پر فتویٰ ہے یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر قضا نماز یاد آجائے اور اس وقت باوجود یہ کہ قضا نماز پڑھنے پر قدرت رکھتا ہے اور نہ پڑھے تو اصل میں مذکور ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ جس وقت قضا نماز یاد آئی وہی اس کا وقت ہے۔

اور تاخیر نماز کی اپنے وقت سے بالاتفاق مکروہ ہے یہ محیط میں لکھا ہے اصل میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے عصر کی نماز پڑھی اور

اس کو یاد تھا کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو وہ فاسد ہوگی لیکن آخر وقت میں پڑھی ہوگی تو فاسد نہ ہوگی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی فرضیت فاسد ہوتی ہے اصل نماز نہیں باطل ہوتی اور امام محمدؒ کے نزدیک اصل نماز بھی باطل ہو جاتی ہے اور یہ مسئلہ مشہور ہے پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرضیت بفساد موقوف فاسد ہوتی ہے یعنی اگر کسی نے ظہر کی نماز قضا ہونے کے بعد چھ نمازیں یا اس سے زیادہ اور پڑھیں اور ظہر کی قضا نہ پڑھی تو اب وہ عصر کی نماز جائز ہو جائے گی اور اس کا اعادہ واجب نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک قطعاً فاسد ہو جاتی ہے کسی حالت میں جائز نہیں ہوتی اور اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قضا اور وقت کی نماز میں ترتیب کی رعایت جس طرح کہ بہت سی نمازوں کے چھوٹنے سے ساقط ہو جاتی ہے اس طرح بہت سی ادا نمازوں کے جمع ہونے سے بھی ساقط ہو جاتی ہے یہ محیط میں لکھا ہے کہ کسی شخص کی ایک نماز فاسد ہوگئی اور وہ بھول گیا کہ کونسی نماز تھی اور گمان غالب بھی کسی نماز پر نہیں ہوتا تو ہمارے نزدیک ایک دن رات کی نماز دن کا اعادہ کرے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے فقیہ ابو الیث نے کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ تاتار خانہ میں بیابغ سے نقل کیا ہے اس طرح اگر دو نمازیں دو دن کی قضا ہوئیں اور اب یاد نہیں کونسی نماز میں تھیں تو دونوں دن کی نماز کا اعادہ کریگا اور علیٰ ہذا القیاس اگر تین نمازیں تین دن کی یا پانچ نمازیں پانچ دن کی اس طرح بھول گیا تو بھی یہی حکم ہے اور ایک دن کی ظہر اور دوسرے دن کی عصر قضا ہوئی اور یہ یاد نہیں کہ کونسی اول قضا ہوئی تھی تو گمان غالب سے کسی کو اول مقرر کرے اور اگر کسی طرف کو گمان غالب نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کو قضا پڑھے اور جس کو اول پڑھا ہے اس کو دوبارہ پھر پڑھے اس لئے کہ بطریق احتیاط ترتیب کی رعایت ہو سکتی ہے اور احتیاط عبادات میں واجب ہے اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب گمان غالب سے کسی کو اول مقرر کرنے سے عاجز ہے تو ترتیب اس سے ساقط ہو جائے گی پس دوبارہ ادا کرنا لازم نہ ہوگا یہ محیط سرحی میں لکھا ہے۔ پس اگر اول ظہر کی نماز پڑھی پھر عصر کی نماز پڑھی پھر ظہر کی نماز پڑھی تو افضل ہے اور اگر اول عصر کی نماز پڑھی پھر ظہر کی نماز پڑھی پھر عصر کی نماز پڑھی تو بھی جائز ہے۔ عصر کی نماز پڑھنے والے کو اگر یہ یاد آیا کہ ایک سجدہ اس سے چھوٹ گیا ہے اور یہ یاد نہیں کہ وہ ظہر کی نماز میں سے چھوٹا ہے یا عصر کی نماز جو پڑھ رہا ہے اس میں سے چھوٹا ہے تو ایک طرف گمان غالب کرے اگر کسی طرف گمان غالب نہ ہو تو عصر کی نماز کو پورا کر کے اس احتمال کے سبب سے کہ شاید وہ سجدہ اسی عصر سے چھوٹا ہوا ایک سجدہ اور کر لے پھر ظہر کی نماز کا اعادہ کرے پھر عصر کی نماز دوبارہ پڑھے اور اگر اعادہ نہ کرے تو کچھ حرج نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔

مسائل متفرقہ تتمیہ میں لکھا ہے کہ میرے والد سے کسی نے پوچھا کہ کسی شخص نے عصر کی نماز شروع کی پھر نماز کے درمیان میں سورج غروب ہو گیا پھر اس عصر میں کسی شخص نے اس کا اقتدا کیا تو یہ اقتدا صحیح ہوگا یا نہیں تو اس نے جواب دیا کہ اگر امام مقیم اور مقتدی مسافر نہیں ہے تو جائز ہوگی یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے شافعی مذہب والا اگر حنفی ہو جائے اور اس کی کچھ نمازیں شافعی مذہب میں ہونے کے زمانہ میں قضا ہوئی تھیں پھر حنفی ہونے کے زمانہ میں اس نے قضا کرنے کا ارادہ کیا تو ان کو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے کوئی شخص تیمم صرف پہنچے تک اور وتر کی ایک رکعت جائز سمجھتا ہے اس کے بعد تیمم کو کہیں تک اور وتر کی تین رکعتیں جائز سمجھنے لگا تو جو نماز اسی حالت میں پڑھ چکا ہے اس کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس طرح نماز اس نے بغیر کسی سے پوچھے صرف اپنی جہالت سے پڑھی تھی پھر کسی سے پوچھا اور اس نے وتر کی تین رکعتوں کا حکم کیا تو جس قدر وتر کی نمازیں اس طرح پڑھی ہیں ان کا اعادہ کرے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور صیرفیہ میں ہے کہ کسی عورت سے ایک نماز چھوٹ گئی پھر اس کو حیض ہوا پھر پاک ہوئی اور باوجودیکہ اس کو وہ قضا نماز یاد تھی تو اس کو قضا نہ کیا اور نماز پڑھی تو جائز نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے کوئی حربی کا فردار الحرب میں مسلمان ہوا اور اس کو شریعت کا حکم نماز روزہ کا کچھ نہ معلوم ہوا پھر دارالسلام میں داخل ہوا یا مر گیا تو اس پر نماز روزہ کی بموجب

قیاس و استحسان کے کچھ قضا نہیں اور بعد مرنے کے اس پر عذاب بھی نہیں ہوگا اور اگر دارالاسلام میں مسلمان ہو اور شریعت کے احکام معلوم نہ ہوئے تو اس پر بحکم استحسان کے قضا لازم ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر پہلے شخص کو دارالحدیث میں کسی نے احکام پہنچا دیے تو قضا لازم ہوگی اور حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت کیا ہے کہ اس کو دو مردوں نے یا ایک مرد اور دو عورتوں نے خبر نہیں دی ہے تو قضا لازم نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے عتابیہ میں ابونصرہ سے یہ روایت کی ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اور وہ بطور احتیاط کے اپنی عمر کی نمازیں قضا کرتا ہے تو وہ اگر اپنی پچھلی نمازوں میں نقصان یا کراہت کی وجہ سے قضا کرتا ہے تو بہتر ہے اور اگر اس واسطے نہیں کرتا تو قضا نہ کرے اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے مگر فجر اور عصر کی نماز کے بعد نہ پڑھے اور سلف میں سے بہت لوگوں نے شبہ فساد کی وجہ سے ایسا کیا ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور وہ شخص سب رکعتوں میں الحمد سورہ کے ساتھ پڑھے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور فتاویٰ میں ہے کہ کوئی شخص نمازوں کو قضا کرتا ہے تو وہ وتر کو بھی قضا کرے اور اگر اس بات کا یقین نہ ہو کہ اس پر کوئی وتر کی نماز باقی ہے یا باقی نہیں تو وہ تین رکعت میں قنوت پڑھے پھر بقدر تشهد قعدہ کرے پھر ایک رکعت اور پڑھ لے پس اگر وتر باقی ہے تو ادا ہوگئی اور اگر باقی نہ تھی تو نفل کی چار رکعتیں ہو گئیں اور نفل کی نماز میں قنوت پڑھنے سے کوئی نقصان نہیں ہے اور حجت میں ہے کہ قضا نمازیں پڑھنا نفل پڑھنے سے اولیٰ ہے لیکن مشہور سنتیں اور چاشت کی نماز اور صلوٰۃ التیسح اور وہ نمازیں جن میں حدیثوں میں خاص خاص سورتیں اور خاص خاص ذکر مروی ہیں ان کو نفل کی نیت سے پڑھے اور اس کے سوائے سب نمازیں قضا کی نیت سے پڑھے یہ مضمرات میں لکھا ہے قضا نمازیں مسجد میں نہ پڑھے اپنے گھر پڑھے یہ وجہ کروری میں لکھا ہے اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کو حکم کیا کہ میری طرف سے کچھ دنوں کی نمازیں اور روزے قضا کر تو ہمارے نزدیک جائز نہیں<sup>۱</sup> یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص مرا اور اس پر بہت سے نمازیں قضا ہیں اور اس نے اپنی نمازوں کا کفارہ دینے کی وصیت کی تو اس کو تہائی مال سے ہر نماز کے واسطے نصف<sup>۲</sup> صاع گہیوں اور ہر وتر کے واسطے بھی نصف صاع اور ہر روزے کے واسطے نصف صاع دے اور اگر اس نے کچھ ترکانہیں چھوڑے تو اس کے وارث نصف صاع گہیوں قرض لیں اور کسی مسکین کو دیں پھر وہ مسکین اس کے بعض وارثوں کو صدقہ دیدے پھر اس مسکین کو دیں اور ایسے ہی سب کفارہ پورا کر لیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور فتاویٰ حجتہ میں ہے کہ اس نے اپنے وارثوں کے لئے وصیت نہیں کی اور بعض وارثوں نے اپنی طرف سے احسان کرنا چاہا تو جائز ہے اور ہر نماز سے نصف صاع گہیوں دے اور نصف صاع کے شرعی وومن ہوتے ہیں اور اگر سب گہیوں ایک ہی فقیر کو دیدے تو جائز ہے برخلاف اس کے قسم اور نذر اور روزے کے کفارہ میں یہ جائز نہیں اور اگر پانچ نمازوں سے نو من ایک فقیر کو دیدے اور ایک من ایک فقیر کو دیدے تو فقیہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ چار نمازوں سے جائز ہوگا پانچ نمازوں سے ہتمیہ میں ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے پوچھا کہ مرض الموت میں کسی شخص کو اپنی نماز کی طرف سے صدقہ دینا جائز ہے آپ نے فرمایا جائز نہیں اور حمیر دبری اور امام ابو یوسف<sup>۳</sup> بن محمد سے سوال کیا کہ بہت ضعیف بوڑھے پر اپنی زندگی میں نمازوں کا صدقہ دینا واجب ہے جیسے کہ روزہ کا صدقہ دینا واجب ہے تو انہوں نے کہا نہیں یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے فتاویٰ اہل سمرقند میں ہے کہ کسی شخص نے پانچ نمازیں پڑھیں پھر اس کو معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک نماز میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے اور یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کونسی نماز تھی تو احتیاطاً فجر اور مغرب کا اعادہ کر لے اور اگر یہ یاد آیا کہ صرف ایک رکعت میں قرأت چھوڑی ہے اور وہ نماز معلوم نہیں تو فجر اور وتر کا اعادہ کرے اور اگر یہ یاد ہوا کہ دو رکعتوں میں قرأت چھوٹی ہے تو فجر اور مغرب اور وتر کا اعادہ کر لے اور اگر یہ یاد ہوا کہ چار رکعتوں میں قرأت چھوٹی ہے تو ظہر اور عصر اور عشا کا اعادہ کرے اور وتر اور فجر اور مغرب کا اعادہ نہ کرے یہ محیط

میں لکھا ہے۔ جو شخص عمد نمازیں ترک کرتا ہو تو اس کو قتل نہ کریں یہ کافی کے باب قضاء الفوائت میں لکھا ہے۔

## بارہواں باب

### سجدہ سہو کے بیان میں

سجدہ سہو واجب ہے یہ تمیین میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ سجدہ سہو اس وقت واجب ہے کہ وقت میں اس کی گنجائش ہو پس اگر کسی شخص پر صبح کی نماز سہو کا سجدہ تھا اور اس نے ابھی سجدہ نہیں کیا اور پہلے سلام کے بعد سورج طلوع ہو گیا تو سجدہ سہو اس سے ساقط ہو گیا اور اس طرح اگر کوئی شخص عصر کے بعد قضا پڑھتا تھا اور اس میں سہو ہوا اور سجدہ کرنے سے پہلے آفتاب سرخ ہو گیا سجدہ سہو ساقط ہو گیا اور جن چیزوں سے نماز کے بعد اور نماز کا بنا کر ناسخ ہو جاتا ہے وہ چیزیں اگر سلام کے بعد واقع ہوں تو سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور قیہ میں ہے کہ اگر کسی فرض نماز میں سہو ہوا اور اس پر نقل کی بنا کر لے تو سجدہ سہو نہ کرے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے سجدہ سہو کا موقع بعد سلام کے ہے خواہ وہ سہو نماز زیادتی کی وجہ سے ہو یا کمی کی اور اگر سلام سے پہلے سجدہ کرے تو ہمارے نزدیک جائز ہے اصول کی روایت یہی ہے اور دو سلام پھیرے یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور ٹھیک یہ ہے کہ ایک سلام پھیرے جمہور کا قول یہی ہے اور اصل میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور دہنی طرف سلام پھیرے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلے سلام کے بعد اللہ اکبر کہے اور سجدہ کو جھک جائے اور سجدہ میں تسبیح پڑھے پھر دوسرا سجدہ اس طرح کرے پھر دوبارہ تشهد پڑھے پھر سلام پھیرے یہ محیط میں لکھا ہے اور درود اور دعا سہو کے قعدہ میں پڑھے یہی صحیح ہے اور بعضوں نے کہا ہے پہلے قعدہ میں پڑھ لے یہ تمیین میں لکھا ہے اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ دونوں قعدوں میں پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے سہو کا حکم فرض اور نفل میں برابر ہے یہ محیط میں لکھا ہے فتاویٰ میں ہے کہ سہو کے دونوں سجدوں کے بعد قعدہ کرنا نماز کا رکن نہیں ہے اور اس قعدہ کا حکم سہو کے سجدوں کے بعد اس کے واسطے ہوا ہے کہ نماز کا ختم قعدہ پر ہوا اگر کسی نے وہ قعدہ چھوڑ دیا اور کھڑا ہو گیا اور چل دیا تو نماز اس کی فاسد نہ ہوگی حلوائی نے یہی کہا ہے یہ سراج الوہاج میں میں لکھا ہے دلوالجیہ میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز میں جو افعال چھوٹ جاتے ہیں وہ تین اقسام ہیں فرض اور سنت اور واجب پس اگر فرض چھوٹا ہے اور قضا میں اس کا عوض ممکن ہے تو قضا کر لے اور ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر فعل سنت چھوٹا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ نماز کا قیام ارکان نماز سے ہے اور وہ ادا ہو گئے اور اس پر سجدہ سہو کا جبر نہیں کیا جاتا اور واجب چھوٹا ہے تو اگر بھولے سے چھوٹا ہے تو سجدہ سہو کا جبر کیا جائے گا اور اگر جان کر چھوڑا ہے تو سجدہ سہو نہیں یہ تارخانہ میں لکھا ہے پس بہت بڑی جماعت کا ظاہر کلام یہی ہے کہ اگر جان کر چھوڑے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ اس نقصان کا عوض کرنے کے لئے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور سجدہ سہو اتنی چیزوں سے واجب ہوتا ہے واجب کے چھوڑنے سے یا واجب میں تاخیر کرنے سے یا فرض میں تاخیر کرنے سے یا فرض مقدم دینے سے یا فرض کو دوبارہ کرنے سے یا واجب کو بدل دینے سے مثلاً آہستہ پڑھنے کی نمازوں میں جہر کر دے اور درحقیقت وجوب سجدہ سہو کا ان سب صورتوں میں بھی ترک واجب ہی سے ہے یہ کافی میں لکھا ہے اعوذ اور بسم اللہ اور سبحانک اللہم اور جھکنے اور اٹھنے کی تکبیریں چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا لیکن عید کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع<sup>۱</sup> کی تکبیر چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے عیدین کی نماز میں یا اور نمازوں میں رفع یدین کے چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اگر بھول کر اول بائیں طرف کو سلام پھیر دیا تو سجدہ واجب نہیں

۱ رکوع آخ کیونکہ واجب تکبیرات عیدین کے ساتھ ملحق ہو گئی ہے اور کہا گیا کہ اسی طرح وتر کی تکبیر رکوع ہے اور بعض علماء نے ان دونوں قول کو ضعیف کہا ہے ۱۲



ہوتا اگر بھول کر قومہ چھوڑ دیا اور رکوع سے سجدہ میں چلا گیا تو فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہوگا یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔

نماز کے واجب کی چند قسم ہیں اور منجملہ ان کے الحمد اور سورۃ کی قرأت ہے اگر پہلی دونوں رکعتوں میں یا ایک میں الحمد چھوڑ دی تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور اگر بہت سی الحمد پڑھ لی اور تھوڑی سی بھول گیا تو سجدہ واجب نہیں ہوگا اور تھوڑی سی پڑھی بہت سی باقی رہی تو سجدہ سہو واجب ہوگا خواہ امام ہو خواہ تنہا نماز پڑھتا ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر اخیر کی دونوں رکعتوں میں الحمد چھوڑی تو اگر فرض نماز پڑھتا ہے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور اگر نفل یا وتر پڑھتا ہے تو واجب ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد مکرر پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا برخلاف اس کے اگر سورۃ کے بعد دوبارہ الحمد پڑھے یا اخیر کی دو رکعتوں میں الحمد دوبارہ پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر پہلی مرتبہ پوری الحمد پڑھی تھی مگر ایک حرف باقی رہ گیا تھا یا بہت سی الحمد پڑھ لی تھی تھوڑی سی باقی رہ گئی تھی اور پھر اسی رکعت میں بھول کر دوبارہ الحمد پڑھی تو وہ بمنزلہ دو مرتبہ پڑھنے کے ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر فقط الحمد پڑھی اور سورۃ چھوڑ دی تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اس طرح اگر الحمد کے ساتھ ایک چھوٹی آیت پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر الحمد کے ساتھ دو آیتیں پڑھیں پھر بھول کر رکوع میں چلا گیا اور رکوع میں یاد آیا تو پھر قیام کا اعادہ کرے اور تین آیتیں پوری کرے اور پھر سجدہ سہو واجب ہوگا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اگر الحمد سورہ کے بعد پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر اخیر کی دونوں رکعتوں میں الحمد اور سورۃ پڑھی تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہی اصح ہے۔ اگر رکوع میں یا سجدہ یا تشہد میں قرأت کی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ حکم اس وقت میں ہے کہ اول قرأت پڑھے پھر تشہد پڑھے اور اگر اول تشہد پڑھا اور پھر قرأت پڑھی تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور اگر دوسرے دوگانہ میں الحمد نہ پڑھی تو ظاہر الروایت کے بموجب سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہ سرانج الوہابج میں فتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ اور اگر دوسرے دوگانہ میں کچھ قرآن نہ پڑھا اور تسبیح بھی نہ پڑھی تو امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت ہے کہ اگر عمد ایسا کیا تو برا کیا اور بھول کر کیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر عمد ایسا کیا تو بھی کچھ حرج نہیں اور اگر بھولے سے کیا تو بھی سجدہ سہو واجب نہیں اور اسی روایت پر اعتماد ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر پہلی رکعت یا دوسری رکعت میں الحمد بھول گیا اور تھوڑی سی سورۃ پڑھنے کے بعد یاد آیا تو سورۃ کو چھوڑ دے اور الحمد پڑھے پھر سورۃ پڑھے اور فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ اگر سورۃ کا ایک حرف بھی پڑھ چکا تھا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اور اس طرح اگر پوری سورۃ پڑھنے کے بعد یا رکوع میں یا رکوع سے سر اٹھانے کے بعد آیا تو الحمد پڑھے پھر سورہ کا اعادہ کرے پھر سجدہ سہو کرے اور خلاصہ میں ہے کہ اگر بغیر سورۃ پڑھے رکوع کر دیا تو رکوع سے سر اٹھا دے اور سورۃ پڑھے اور دوبارہ رکوع کرے اور سجدہ سہو اس پر واجب ہوگا یہی صحیح ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر پہلی رکعت میں ایک سورۃ پڑھی اور دوسری رکعت میں اس سے پہلے سورۃ پڑھی تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے ولو الجیہ میں ہے کہ اگر نماز میں سجدہ کی آیت پڑھی اور اس وقت سجدہ تلاوت کا کرنا بھول جائے پھر اس کو یاد آئے اور سجدہ تلاوت کا کرے تو سجدہ سہو واجب ہوگا اس لئے کہ سجدہ تلاوت کو آیت سجدہ کے ساتھ ملانا واجب ہے اور وہ اس سے ترک ہوا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس پر سجدہ سہو واجب نہیں اور پہلا قول اصح ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے

۱۔ نہیں اقوال صحیح یہ ہے کہ اگر ایک آیت بھی چھوڑ گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا چنانچہ بحر الرائق وغیرہ میں مجتبیٰ فتح القدر سے نقل ہے بلکہ اگر الحمد کے اول بسم اللہ پڑھنا بھولا تو بھی سجدہ سہو واجب ہوگا الفتح ۱۲ ۲۔ واجب نہ ہوگا قول یہ اخیر تشہد میں ہوگا اور نہ تاخیر قیام میں سہو ہے ۱۲

۳۔ اعتماد ہے بنا بر آ نکہ وہ اسی رکعت میں قرأت فرض ہے اور بعض متاخرین نے سب میں الحمد واجب رکھی اور یہی ثوابہ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

اگر نماز میں ایک سورۃ پڑھنے کا ارادہ کیا اور بھول کر دوسری سورۃ پڑھ دی تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے پہلی دوسری رکعتوں میں قرأت کا معین ٹکرنانا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے ترتیب کی رعایت ان فعلوں میں ہے جو مکرر ہوتے ہیں اگر کسی رکعت میں ایک سجدہ چھوڑ دیا اور آخر نماز میں یاد آیا تو وہ سجدہ کر لے اور سہو کا سجدہ بھی کرے اس لئے کہ اس سجدہ میں ترتیب چھوٹ گئی اور اس سے پہلے جتنے ارکان ادا کر چکا ہے ان کا اعادہ اب واجب نہیں اگر کسی نے قرأت سے پہلے رکوع کر لیا تو سجدہ سہو لازم ہوگا اور اس رکوع کا اعتبار نہیں ہے قرأت کے بعد اس کا اعادہ فرض ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے تعدیل ارکان ہے یعنی رکوع اور سجدہ اطمینان سے کرنا اور اس کے چھوٹنے سے سجدہ سہو واجب ہونے میں اختلاف ہے اس لئے کہ اس کے واجب یا سنت ہونے میں اختلاف ہے اور ٹھیک مذہب یہ ہے کہ واجب ہے اور اگر بھول کر اس کو چھوڑ دے تو سجدہ سہو واجب ہوگا بدائع میں اسی کو صحیح بتایا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے پہلا قعدہ ہے پس اگر اس کو چھوڑے گا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ تمین میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے تشہد ہے اگر پہلے قعدہ یا دوسرے قعدہ میں تشہد نہ پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور اس طرح اگر کچھ تشہد پڑھا اور کچھ نہ پڑھا تو بھی سجدہ سہو واجب ہوگا یہ تمین میں لکھا ہے خواہ فرض میں ہو یا نفل میں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر قیام میں تشہد پڑھا تو اگر پہلی رکعت میں پڑھا ہے تو کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر دوسری رکعت میں پڑھا ہے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہ ظہیر میں لکھا ہے۔ اگر الحمد پڑھنے سے پہلے قیام میں تشہد پڑھا تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور اگر بعد اس کے پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہی اصح ہے اس لئے کہ الحمد پڑھنے کے بعد سورۃ پڑھنے کا محل ہے اور جب اس وقت تشہد پڑھا تو واجب میں تاخیر ہوئی اور الحمد سے قبل ثنا کا محل ہے یہ تمین میں لکھا ہے اور اگر اخیر کی دونوں رکعتوں میں قیام تشہد پڑھا تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہ محیط سرحی میں لکھا ہے اور اگر تشہد کی جگہ الحمد پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اگر پہلے قعدہ میں دو بار تشہد پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور اس طرح اگر پہلے قعدہ میں تشہد پر زیادتی کر کے درود بھی پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ تمین میں لکھا ہے اس پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اس زیادتی کی مقدار میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ اگر: اللہ صلی علی محمد پڑھا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جائے گا اور بعضوں نے کہا ہے جب تک و علی آل محمد نہ پڑھے گا سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور پہلا قول اصح ہے اور اگر دوسرے قعدہ میں دو بار تشہد پڑھا تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا یہ تمین میں لکھا ہے اگر تشہد پڑھنا بھول گیا اور سلام پھیر دیا پھر یاد آیا تو لوٹے اور تشہد پڑھے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول کے بموجب اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اگر کھڑے ہونے کی جگہ بیٹھ گیا اور بیٹھنے کی جگہ کھڑا ہو گیا تو اگر امام یا منفرد ہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا قیام سے مراد ہے کھڑا ہو جانا یا قیام سے قریب ہو جانا اس لئے کہ وہ قعدہ کی طرف کو عود نہیں کر سکتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر قعدہ کو عود کرے گا تو موافق صحیح قول کے نماز فاسد ہو جائے گی یہ تمین میں لکھا ہے اور اگر قیام سے قریب نہیں ہوا ہے تو بیٹھ جائے اور اس پر سجدہ سہو واجب نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور یہی اصح ہے یہ ہدایہ اور تمین میں لکھا ہے اور اس کا اعتبار آدمی کے نیچے کے آدھے دھڑ سے ہوتا ہے اگر نیچے کا آدھا دھڑ سیدھا ہو گیا تو قیام سے قریب ہے ورنہ قریب نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ بھول کر کھڑے ہونے کے ارادہ سے اپنے گھٹنوں پر کھڑا ہو گیا اور پھر یاد آیا تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو واجب ہوگا پہلا قعدہ اور دوسرا اس

۱۔ معین کرنا آخ یعنی فرض تو اولین یا آخرین میں غیر معین ہے اور واجب یہ کہ اولین میں معین کرے حقہ الشامی ۱۲

۲۔ چھوڑے گا عدا چھوڑنے میں سجدہ سہو نہیں ہے لیکن ضعیف قول میں عدا عمدہ اول چھوڑنا دوم عمدہ درود پڑھنا سوم رکن کے برابر فکر میں ناچارم رکعت اول کا سجدہ آخر نماز تک تاخیر کرنا۔ النہر علامہ قاسم نے اس قول کو ضعیف کہا ہے ۱۲ ش ۵

حکم میں برابر ہیں اور اسی پر اعتماد ہے اور اگر اپنے دونوں سر میں اٹھالینے اور دونوں گھٹنے زمین پر ہیں اور اس وقت یاد آیا تو اس پر سجدہ نہیں امام ابو یوسفؒ سے اس طرح مروی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اس طرح اگر رکوع کی جگہ سجدہ کیا یا سجدہ کی جگہ رکوع کیا یا کسی رکن کو دوبارہ کر دیا یا کسی رکن کو اس کے موقع سے پہلے ادا کیا یا پیچھے کیا تو ان صورتوں میں سہو کا سجدہ واجب ہوگا اور قدوری میں ہے کہ اگر نماز میں کوئی ایسا فعل چھوڑا کہ جس فعل میں کوئی ذکر مقرر ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اس واسطے کہ کسی فعل میں کوئی ذکر مقرر کیا گیا ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ وہ فعل فی نفسہ مقصود ہے پس اس کے چھوٹنے سے نماز میں نقصان آجائے گا پس اس کا عوض سجدہ سہو سے واجب ہے اور اگر ایسا فعل ہے کہ اس کے واسطے کوئی ذکر مقرر نہیں کیا گیا تو اس کے واسطے سہو کا سجدہ نہیں جیسے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا اور قومہ جو رکوع اور جود کے درمیان میں ہے اور اگر نماز میں بقدر تشہد بیٹھ گیا پھر اس کو یہ شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور اس تامل کی وجہ سے نماز میں دیر ہوئی پھر یقین ہوا کہ چار رکعتیں پڑھی ہیں تو نماز اس کی پوری ہے اور سجدہ سہو واجب ہے۔

اور اگر ایک سلام پھیرنے کے بعد یہ شک ہو تو سجدہ سہو نہیں اور اگر نماز میں حدث ہو اور وضو کرنے کے لئے گیا اور اس وقت یہ شک ہو اور اس فکر کی وجہ سے وضو میں کچھ دیر ہوئی تو سجدہ سہو لازم ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے قنوت ہے اگر قنوت کو چھوڑے گا تو سجدہ سہو لازم ہوگا قنوت کا چھوڑنا اس وقت ثابت ہوتا ہے جب رکوع سے سر اٹھالیا اور اگر وہ تکبیر چھوڑ دی جو قرأت سے بعد اور قنوت سے پہلے ہے تو سہو کا سجدہ کرے اس واسطے کہ وہ بمنزلہ عید کی تکبیروں کے ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے عیدیں کی تکبیریں ہیں بدائع میں ہے کہ اگر تکبیروں کو چھوڑ دیا یا کم کیا یا زیادہ کیا یا ان کو دوسری جگہ ادا کیا تو سہو کا سجدہ واجب ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے کمی اور زیادتی تھوڑی اور بہت برابر ہے۔ حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ اگر امام عید کی نماز میں ایک تکبیر بھی بھولا تو سہو کا سجدہ کرے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے کشف الاسرار میں ہے کہ اگر امام تکبیریں بھول گیا اور اس نے رکوع کر دیا تو پھر قیام کی طرف لوٹے برخلاف اس کے مسبوق نے جو امام کو رکوع میں پایا تو وہ تکبیریں رکوع میں کہہ لے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر عید کی نماز میں دوسرے رکوع کی تکبیر چھوڑی تو سجدہ سہو واجب ہوگا اس واسطے کہ وہ بھی عید کی تکبیروں کے ساتھ مل کر واجب ہے مگر برخلاف اس کے پہلے رکوع کی تکبیر واجب نہیں اس واسطے کہ وہ عید کی تکبیروں سے منقطع نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے سہو جمعہ اور عیدین اور فرض اور نفل میں ایک سا ہے مگر ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ جمعہ اور عیدین میں سہو کا سجدہ نہ کرے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں یہ مضمرات میں محیط سے نقل کیا ہے اور منجملہ ان کے جہر اور آہستہ پڑھنا ہے اور اگر آہستہ پڑھنے کی جگہ جہر کیا جہر کی جگہ آہستہ پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اس میں اختلاف ہے کہ جہر اور اخفا کس قدر پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا بعضوں نے کہا ہے کہ جس قدر قرأت سے نماز جائز ہو جاتی ہے ان دونوں صورتوں میں اس قدر کا اعتبار ہے یہی اصح ہے اور الحمد اور غیر الحمد میں فرق نہیں اور اکیلے نماز پڑھنے والے پر جہر یا اخفا سے سہو کا سجدہ واجب نہیں ہوتا اس واسطے کہ وہ دونوں جماعت کے خصائص سے ہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اگر اعموذ یا بسم اللہ یا آمین میں جہر کیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

فصل ۱۵ امام کے سہو سے امام اور مقتدی سب پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور مقتدی کے واسطے یہ شرط نہیں کہ امام کے سہو کے وقت بھی نماز میں شریک ہو پس اگر کوئی شخص امام کے بھولنے کے بعد نماز میں شریک ہو تو امام کی متابعت سے اس پر بھی سجدہ سہو واجب ہوگا اور اگر کوئی شخص امام کے بھولنے کے بعد نماز میں شریک ہو تو امام کی متابعت سے اس پر بھی سجدہ سہو واجب ہوگا اور اگر کوئی شخص ایسے وقت میں شریک ہوا کہ امام ایک سجدہ سہو کا کر چکا ہے تو دوسرے سجدہ میں اس کی متابعت کرے اور پہلے سجدہ کو قضا

نہ کرے اور اگر امام کے ساتھ ایسے وقت میں ملا کہ جب وہ سہو کے دونوں سجدہ کر چکا ہے تو ان دونوں کو قضا نہ یہ تبیین میں لکھا ہے۔ مقتدی کے سہو سے سجدہ واجب نہیں ہوتا اور اگر امام نے سجدہ سہو نہ کیا تو مقتدی پر واجب نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور مسبوق سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے اس کے بعد اپنی بقیہ نماز کی قضا کرنے پر کھڑا ہو اور پھر اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کا اعادہ نہ کرے الا حق نے جو امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا ہے اس کا اعتبار نہیں اور اپنی نماز کے آخر میں اور سجدہ کرے مسبوق کو چاہیے کہ امام کے سلام کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرا ہے اس لئے کہ امام پر شاید سہو ہو یہ محیط سرحی میں لکھا ہے اور اگر مقتدی نے سہو کا سجدہ امام کے ساتھ نہیں کیا اور اپنی نماز پڑھنے کو کھڑا ہو گیا تو سہو کا سجدہ اس سے ساقط نہ ہوگا اور اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرے اور اگر امام نے سلام پھیرا اور مسبوق کھڑا ہو گیا پھر امام کو یاد آیا کہ اس پر سہو کا سجدہ ہے اور اس نے سہو سجدہ کیا تو اگر مسبوق نے ابھی تک اپنی رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ اس رکعت کو چھوڑ دے اور امام کی متابعت کی طرف کو لوٹے پھر جب امام سلام پھیرے تو کھڑا ہو کر اپنی نماز قضا کرے اور قیام و قرأت اور رکوع جو پہلے کر چکا ہے اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا اور اگر امام کی متابعت کی طرف کو نہ لوٹا اور اس طرح اپنی نماز پڑھتا رہا تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی اور بحکم استحسان کے آخر میں سجدہ سہو کا کرے اور اگر امام نے اس وقت سجدہ کیا جب مسبوق اپنی رکعت کا سجدہ کر چکا تھا تو امام کی متابعت کی طرف کو نہ لوٹے اور اگر امام کی متابعت کی تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور اگر امام نے خوف کی نماز میں سہو کا سجدہ کیا اور دوسرے گروہ نے امام کی متابعت کی تو پہلے گروہ کے لوگ جب اپنی نماز تمام کر چکیں اس وقت سہو کا سجدہ کریں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے الا حق کو جو اپنی نماز قضا کرنے میں سہو ہو تو اس کا سجدہ نہ کرے اور مسبوق کو جو اپنی نماز ادا کرنے میں سہو ہو تو اس کا سجدہ سہو واجب ہوگا اگر امام نے سجدہ سہو کا کیا اور مسبوق نے اس کے ساتھ سجدہ نہ کیا اور اس کو اپنی نماز کے ادا کرنے میں بھی سہو ہو تو دو سجدے اس کو دونوں سہووں سے کافی ہیں مقیم اگر مسافر کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو سہو کے سجدہ میں حکم مسبوق کا ہے امام کو سہو کا ہوا پھر اس کو حدیث ہو گیا اور اس نے ایک مسبوق کو مقدم کر دیا تو مسبوق اس نماز کو تمام کرے مگر سلام نہ پھیرے اور کسی اور ایسے شخص کو بڑھادے جو اول سے نماز میں شریک ہے وہ شخص سلام پھیرے اور سہو کا سجدہ کرے اور مسبوق اس کے ساتھ سجدہ کرے اور اگر ان میں کوئی ایسا شخص نہیں جس پر اول سے نماز ملی ہو تو سب لوگ اپنی باقی نمازوں کے قضا کرنے کے واسطے کھڑے ہو جائیں اور ہر شخص اپنی نماز کے آخر میں سہو کا سجدہ کر لے یہ محیط سرحی میں لکھا ہے کسی شخص نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں اور چوتھی رکعت میں بقدر تشہد قعدہ کر لیا تھا تو اگر اس کو پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آ گیا کہ وہ پانچویں رکعت میں ہے تو قعدہ کی طرف کو عود کر لے اور سلام پھیرے یہ محیط میں لکھا ہے اور سہو کا سجدہ کرے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور اگر اس وقت یاد آیا کہ جب پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو قعدہ کی طرف کو عود نہ کرے اور سلام نہ پھیرے بلکہ ایک رکعت اور پڑھ کر دوگانہ پورا کر لے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے یہ محیط میں لکھا ہے اور بحکم استحسان سہو کا سجدہ کر لے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی مختار ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے یہ محیط میں لکھا ہے اور وہ دونوں رکعتوں میں نفل ہوں گی اور صحیح قول کے بموجب ظہر کی سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے فقہانے یہ کہا ہے کہ عصر کی نماز میں چھٹی رکعت نہ ملانے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ملادے اور یہی اصح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اسی پر اعتماد ہے اس واسطے کہ نفل عصر کے بعد اپنے اختیار سے پڑھے تو مکروہ ہے اور جب اختیار سے نہ ہو تو مکروہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور فجر کی نماز میں اگر دوسری رکعت میں بقدر تشہد قعدہ کیا اور پھر تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا اور اس کا سجدہ کر لیا تو چوتھی رکعت اس میں نہ ملادے یہ تبیین میں لکھا ہے اور تجنیس میں تصریح کی ہے کہ فتویٰ ہشام کا اس روایت پر ہے کہ ایک رکعت اور ملانے میں صبح اور عصر میں کچھ فرق نہیں اور صبح اور عصر میں بھی رکعت ملانا مکروہ نہیں یہ

بخرا اراق میں لکھا ہے اور اگر فجر کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد بقدر تشہد قعدہ نہیں کیا تھا تو فرض اس کے باطل ہو گئے اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ ہے برخلاف اس کے اگر عصر کی نماز میں چوتھی رکعت پر قعدہ نہ کیا اور پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا اور اس کا سجدہ بھی کر لیا تو چھٹی رکعت ملا لے اس واسطے کہ عصر سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے اور اگر عصر کی نماز میں چوتھی رکعت میں نہیں بیٹھا اور پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا اور ابھی سجدہ نہیں کیا تو قعدہ کی طرف کو عود کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور خلاصہ خانیہ میں ہے کہ تشہد پڑھے اور سلام پھیرے اور سہو کا سجدہ کرے یہ تا تا خانہ میں لکھا ہے اگر ظہر کی نماز میں چوتھی رکعت میں قعدہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو ہمارے نزدیک اس کی ظہر فاسد ہو گئی یہ محیط میں لکھا ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک فرض اس کے نفل سے بدل گئے اور چھٹی رکعت اور ملا لے اور اگر نہ ملائے تو اس پر کچھ واجب نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے پھر امام ابو یوسف اور امام ابو محمد میں یہ اختلاف ہے کہ اس کی نماز کس وقت فاسد ہوتی ہے امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ جس وقت اس نے سجدہ کے واسطے سر رکھا اسی وقت نماز اس کی فاسد ہو گئی اور امام محمد کا یہ قول ہے کہ جب سجدہ سے سر اٹھائے گا اس وقت فاسد ہوگی وجہ اس کی یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک سر زمین پر رکھتے ہی سجدہ فرض ادا ہو جاتا ہے اور امام محمد کے نزدیک سر رکھ کر پھر اٹھانے سے سجدہ کا فرض ادا ہوتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے فخر الاسلام نے جامع صغیر میں لکھا ہے۔

فتویٰ کے واسطے قول امام محمد کا مختار ہے یہ نہایت ہی لکھا ہے اور فائدہ اختلاف کا اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر سجدہ میں حدیث ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس نماز کی درستی ممکن نہیں اور امام محمد کے نزدیک ممکن ہے کہ جائے اور وضو کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور قعدہ کرے اور تشہد پڑھے اور سلام پھیرے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اور اصح یہ ہے کہ وہ سہو کا سجدہ نہ کرے یہ نہایت ہی لکھا ہے اگر کسی شخص پر سجدہ سہو کا واجب ہے تو اگر وہ نماز کے قطع کرنے کے واسطے سلام پھیرے تو وہ سلام کے بعد بھی داخل صلوٰۃ رہتا ہے اگر اس وقت سہو کا سجدہ نہ کرے اور سجدہ نہ کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز میں داخل نہیں اور یہی اصح ہے اور امام محمد اور زفر کے نزدیک وہ داخل صلوٰۃ ہے اگر چہ وہ سہو کا سجدہ نہ کرے پس بعد سلام کے اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ اقتدا کیا تو امام محمد کے نزدیک ہر صورت میں صحیح ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ سجدہ سہو کا کرے تو صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں اور اگر اس وقت قہقہہ مارا تو امام محمد کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وضو ٹوٹے گا اور نماز اس کی بالا جماع پوری ہو گئی اور سجدہ سہو اس سے ساقط ہو گیا اور اگر اس وقت مسافر نے اقامت کی نیت کر لی تو امام محمد کے نزدیک اب اس کے فرض چار رکعت ہو جائیں گے اور نماز کے آخر میں سہو کا سجدہ کرے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرض اس کے چار نہ ہوں گے اور سجدہ سہو اس سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا ایجاب موجب ابطال ہے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو ابوالکارم کی تصنیف ہے کسی شخص نے دو رکعت نفل پڑھی اور ان میں سہو ہوا اور سہو کا سجدہ کیا اس کے بعد اور نماز اس پر بنا نہ کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر نماز بنا کر لی تو صحیح ہو جائے گی اس لئے کہ تحریمہ باقی ہے اور مختار یہ ہے کہ سجدہ سہو کا اعادہ کرے اگر مسافر نے سجدہ سہو کے بعد اقامت کی نیت کی تو اب چار رکعتیں اس پر لازم ہو جائیں گی سجدہ سہو کا اعادہ کرے یہ تمین میں لکھا ہے کسی شخص نے عشا کی نماز پڑھی اور اس میں سہو ہوا اور اسی نماز میں آیت سجدہ پڑھی تھی اس کا سجدہ بھی نہیں کیا اور ایک رکعت کا ایک سجدہ چھوڑ دیا پھر سلام پھیر دیا تو اس مسئلہ میں چار صورتیں ہیں یا تو سب فعل بھولے سے کئے یا سب عمداً کئے یا تلاوت کا سجدہ بھول کر چھوڑا اور نماز کا سجدہ جان کر چھوڑا یا نماز کا سجدہ بھول کر چھوڑا اور تلاوت کا جان کر چھوڑا پہلی صورت میں بالاتفاق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ یہ سلام سہو ہے اور سہو سے سلام ہونے میں نماز کے اندر تحریمہ سے خارج نہیں ہوتا اور دوسری اور تیسری صورت میں نماز اس کی

بالا اتفاق فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ بعد اسلام پھیرنے سے تحریمہ سے خارج ہو جاتا ہے اور چوتھی صورت میں ظاہر روایت کے بموجب نماز اس کی فاسد ہو جائے گی یہ محیط میں لکھا ہے اگر سہو کے سجدہ میں سہو ہو تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اس لئے کہ یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا یہ تہذیب میں لکھا ہے اگر سجدہ سہو میں ہو تو گمان غالب پر عمل کرے اور اگر نماز میں بہت بار سہو ہو تو دو سجدہ کافی ہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر رات میں نقل نماز کی امامت کی تو اگر جان کر قرأت آہستہ پڑھی تو برا کیا اور جو بھولے سے پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے یہ تہذیب میں ہے۔

اگر تراویح اور وتر میں امام نے جہر نہ کیا تو سجدہ سہو لازم ہوگا یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر امام کو سہو ہو پھر حدت ہو اور اس نے کسی شخص کو خلیفہ کر دیا تو خلیفہ کر دیا تو خلیفہ سلام کے بعد سہو کا سجدہ کرے اور اگر خلیفہ کو اپنی نماز میں بھی سہو ہو تو دو سجدہ سہو کے امام اور خلیفہ دونوں کے سہو کو کافی ہیں جیسے کہ امام کو دو مرتبہ کے سہو میں ہوتے ہیں اور اگر پہلے امام کو سہو ہو تو خلیفہ کے سہو سے پہلے امام پر بھی سجدہ سہو واجب ہوگا اور اگر پہلے امام کو خلیفہ کرنے کے بعد سہو ہو تو اس سے کچھ واجب نہیں ہوتا یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور اصل میں ہے کہ چوتھی رکعت میں بقدر تشہد قعدہ کر کے بھولے سے سلام پھیر دیا اور تشہد نہیں پڑھا تو اس پر سہو واجب ہے کہ تشہد پڑھے پھر سلام پھیرے اور پھر سہو کا سجدہ کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے یہ محیط میں لکھا ہے اور اسی سے ملتے ہوئے ہیں نماز میں شک پڑ جانے کے مسئلے جس شخص کو نماز میں شک ہو اور یہ نہ معلوم ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور ایسا اتفاق اول ہی بار ہوا تھا تو از سر نو نماز پڑھے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے پھر از سر نو نماز پڑھنا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ پہلی نماز سے خارج ہو اور یہ سلام سے ہوگا یا کلام سے یا کسی اور عمل سے جو نماز کے منافی ہیں بیٹھ کر سلام پھیرنا اولیٰ ہے اور فقط نیت کر لینے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس سے نماز سے خارج نہیں ہوتا یہ تمیین میں لکھا ہے مشائخ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اول بار شک ہونے کے کیا معنی ہیں بعض فقہانے کہا ہے کہ بھولنا اس کی عادت نہ ہو یہ معنی نہیں کہ کبھی اپنی عمر میں سہو نہ ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نماز میں وہ پہلا سہو واقع ہوا ہے اور پہلا قول ٹھیک ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر اکثر شک ہوتا ہے تو ظن غالب پر عمل کرے یہ تمیین میں لکھا ہے اور اگر فکر کے بعد بھی کوئی جانب اس کی اس کے نزدیک غالب نہیں ہوتی تو کمی کی جانب کو مقرر کر لے مثلاً اگر اس کو یہ شک ہو کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری تو پہلی رکعت مقرر کرے اور اگر یہ شک ہو کہ دوسری رکعت ہے یا چوتھی تو تیسری مقرر کرے لیکن جہاں جہاں قعدہ کا شک ہے ان سب جگہ وہ قعدہ کرے خواہ وہ فرض ہو یا واجب تاکہ قعدہ کا فرض واجب ترک نہ ہو اگر چار رکعتوں کی نماز میں شک ہو کہ پہلی رکعت میں ہے یا دوسری میں تو پہلی رکعت مقرر کر لے اور اس میں قعدہ کرے پھر کھڑا ہو اور ایک رکعت پڑھے اور قعدہ کرے پھر کھڑا ہو اور ایک رکعت اور پڑھے اور قعدہ کرے پھر کھڑا ہو اور ایک رکعت پڑھے کل چار قعدہ کرے تیسرا اور چوتھا قعدہ فرض ہے اور باقی واجب یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر کسی شخص کو تشہد سے فارغ ہونے کے بعد سلام سے پہلے یا سلام سے بعد شک ہو تو جواز کا حکم دیا جائے گا اور شک کا اعتبار نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے کسی شخص کو شک ہوا کہ نماز پڑھی ہے یا نہیں تو اگر وقت باقی ہے تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر وقت نکل گیا تو پھر کچھ واجب نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اگر فجر کی نماز میں قیام کی حالت میں یہ شک ہو کہ تیسری رکعت ہے یا پہلی تو رکعت پوری نہ کرے بلکہ بقدر تشہد قعدہ کرے اور قیام کو چھوڑ دے پھر قیام کر کے دو رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد اور سورۃ پڑھے پھر تشہد پڑھے پھر سہو کے دونوں سجدے کرے اور اگر سجدہ کے اندر شک ہو یا پس اگر یہ شک ہو کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری تو اس طرح نماز پڑھتا رہے خواہ پہلے سجدہ میں شک ہو خواہ دوسرے میں اس لئے کہ اگر پہلی رکعت ہے تب تو اس طرح پڑھتا رہنا واجب ہے اور اگر دوسری رکعت ہے تو بھی اس کی تکمیل

واجب ہے اور جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے تو بقدر تشہد قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے اگر فجر کی نماز کے سجدہ میں شک ہو کہ اس نے دو رکعتیں پڑھی ہیں یا تین تو اگر پہلے سجدہ میں ہے تو اس کو نماز کا درست کر لینا ممکن ہے اس لئے کہ اس نے دو رکعتیں پڑھی ہیں تو یہ دوسری رکعت ہے اس کا تمام کرنا اس پر واجب ہے پس نماز جائز ہوگی اور اگر تیسری رکعت ہے تو بھی امام محمدؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ جب اس کو پہلے سجدہ میں یاد آ گیا تو وہ سجدہ کا اہتمام ہو گیا جیسے کہ پانچویں رکعت کے پہلے سجدہ میں حدث ہونے سے کا اہتمام ہو جاتا تھا اور یہ مسئلہ مسئلہ زہ<sup>۱</sup> کہلاتا ہے اور اگر یہ شک دوسرے سجدہ میں ہو تو نماز اس کی فاسد ہوگئی اگر فجر کی نماز میں یہ شک ہو کہ دوسری رکعت ہے یا تیسری پس اگر کسی صورت پر گمان غالب نہیں ہے تو اگر قیام میں ہے تو فوراً بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو اور ایک رکعت پڑھے اور قعدہ کرے اور اگر قعدہ میں ہے اور یہی شک ہو تو گمان غالب کرے تو اگر گمان غالب اس کا یہ ہے کہ وہ دوسری رکعت ہے تو اس طرح نماز پڑھے اور اگر گمان غالب ہو کہ وہ تیسری رکعت ہے تو اپنے قعدہ کو سوچے اگر اس کو گمان غالب یہ ہو کہ دو رکعتوں کے بعد قعدہ نہیں کیا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر کسی طرف گمان غالب نہ ہو تو بھی نماز فاسد ہوگی۔

اور اس طرح اگر چار رکعتوں کی نماز میں یہ شک ہو کہ وہ چوتھی یا پانچویں ہے تب بھی یہی حکم ہے اور اگر یہ شک ہو کہ تیسری یا پانچویں ہے تو اس طرح عمل کرے جیسے ہم فجر کی نماز کی بابت ذکر کر چکے ہیں یعنی قعدہ کی طرف عود کرے پھر ایک رکعت پڑھے اور تشہد پڑھے پھر کھڑا ہو اور ایک رکعت پڑھے اور قعدہ کرے اور سہو کا سجدہ کر لے اگر وتر کی نماز میں حالت قیام میں یہ شک ہو کہ وہ دوسری رکعت ہے یا تیسری تو اس رکعت کو قنوت پڑھ کر تمام کرے اور قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں بھی قنوت پڑھے یہی مختار ہے یہاں تک کہ عبارت خلاصہ کی تھی اور اس کا سمجھ لینا بھی ضرور ہے کہ شک کی سب صورتوں میں سہو کا سجدہ واجب ہوتا ہے خواہ گمان غالب پر عمل کرے خواہ کمی کی جانب اختیار کرے یہ بحر الرائق میں فتح القدر سے نقل کیا ہے اور اگر نماز میں یہ شک ہو کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور اس میں بہت دیر تک فکر کرتا رہا پھر یقین ہو گیا کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں پس اگر اس تفکر کی وجہ سے کسی رکن کے ادا کرنے میں یہ نقصان ہو کہ نماز پڑھتا رہا اور فکر کرتا رہا تو اس پر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور اگر اس کا تفکر بہت دیر تک رہا یہاں تک کہ ایک رکعت میں یا سجدہ میں خلل پڑا یا رکوع و سجدہ میں تھا اور دیر تک اس میں سوچتا رہا اس کے تفکر کی وجہ سے اس کے حال میں تغیر ہوا تو بحکم استحسان سجدہ سہو واجب ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر نماز میں اس کو یہ گمان غالب ہو کہ اس کو حدث ہوا ہے اس نے مسح نہیں کیا تھا پھر اس کا یقین ہو اور کچھ شک نہ ہو اس کے بعد پھر اس کو یہ یقین ہو کہ اس کو حدث نہیں ہوا یا بیشک اس نے مسح کر لیا ہے تو ابو بکر نے کہا ہے کہ اس نے حدث یا مسح نہ کرنے کی یقین کی حالت میں کوئی رکن ادا کر لیا تھا تو پھر از سر نو نماز پڑھے ورنہ وہی نماز پڑھتا رہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر جانتا ہے کہ ایک رکن ادا ہو چکا تھا پھر یہ شک ہو کہ اس نے شروع کی تکبیر کہی تھی یا نہ کہی تھی یا یہ شک ہو کہ حدث ہوا ہے یا نہیں یا یہ شک ہو کہ کپڑے کو نجاست لگی ہے یا نہیں یا یہ شک ہو کہ سر کا مسح کیا ہے یا نہیں تو اگر یہ شک اول ہی بار ہوا ہے تو از سر نو نماز پڑھے ورنہ نماز پڑھتا رہے اور اس پر وضو کرنا یا کپڑا دھونا واجب نہ ہوگا یہ فتح القدر میں لکھا ہے فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اگر نماز کے اندر یہ شک ہو کہ مسافر ہے یا مقیم ہے تو چار رکعتیں پڑھے اور احتیاطاً دوسری رکعت میں قعدہ کرے یہ تارخانہ میں لکھا ہے کوئی شخص امامت کرتا تھا اور جب دو رکعتیں پڑھ چکا اور دوسری رکعت کا سجدہ

۱۔ مسئلہ زہ۔ یہ لفظ بطور طعنہ کے (کیا خوب) بولتے ہیں۔ ابو یوسفؒ نے جب امام محمدؒ کا قول سنا تو کہا کہ کیا خوب جو نماز فاسد ہوئی اس کو گزرنے درست کر دیا ہے یعنی یہ محل عجب ہے ۱۲

کر چکا پھر اس کو شک ہوا کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا چوتھی یا تیسری تو اپنے مقتدیوں کی طرف لحاظ کرے اور اگر وہ کھڑے ہو جائیں تو کھڑا ہوا جائے اور وہ بیٹھ جائیں تو بیٹھ جائے اس پر اعتماد کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اس پر سہونہ ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اگر امام کو شک ہو اور دو معتبر شخصوں نے اس کو خبر دی تو ان کا قول اختیار کرے کوئی تنہا نماز پڑھتا تھا یا امام تھا اور جب اس نے سلام پھیرا تو ایک معتبر شخص نے خبر دی کہ تو نے ظہر کی تین رکعتیں پڑھی ہیں تو فقہانے کہا کہ اگر نماز پڑھنے والے نے اپنے رائے میں چار رکعتیں پڑھی ہیں تو اس خبر دینے والے کے قول کا کچھ اعتبار نہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور ظہیر یہ میں ہے کہ امام محمد بن حسن نے کہا ہے کہ میں ایک معتبر شخص کے خبر دینے سے ہر صورت میں نماز کا اعادہ کر لیتا ہوں یہ تا تاریخانہ میں لکھا ہے اگر نماز پڑھنے والے کو خبر دینے میں شک ہوا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا تو امام محمد سے روایت ہے کہ وہ احتیاطاً نماز کا اعادہ کرے اور اگر دو معتبر شخصوں کے قول میں شک کیا تو بھی نماز کا اعادہ کرے اور اگر خبر دینے والا معتبر نہیں تو اس کے قول پر اعتبار نہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے۔

## ذکر قولہ باب

### سجدہ تلاوت کے بیان میں

قرآن میں تلاوت کے چودہ سجدہ ہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ ۱۔ سورہ اعراف کے آخر میں اس آیت پر ان الذین عند ربك لا يستكبرون عن عبادته ويسبحونه وله يسجدون۔ ۲۔ سورہ عد میں اس آیت پر ولله يسجد من في السموات والارض طوعاً وكرهاً وظلالهم بالغدو والآصال۔ ۳۔ اور سورہ نحل میں اس آیت پر ولله يسجد ما في السموات وما في الارض من وابته والملئكة وهم لا يستكبرون۔ ۴۔ اور سورہ بنی اسرائیل میں اس آیت پر ان الذین او توا العلم من قبله اذا يتلى عليهم يخرون للاذقان سجداً و يقولون سبحان ربنا ان كان وعد ربنا لمفعولا۔ ۵۔ اور سورہ مریم میں اس آیت پر اذا تتلى عليهم آيات الرحمن خروا سجداً او بکياً۔ ۶۔ سورہ حج میں اس آیت پر الم تر ان الله يسجد له من في السموات و من في الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب و كثير من الناس و كثير حق عليه الغداب و من يهن الله فما له من مكرم ان الله يفعل ما يشاء۔ ۷۔ سورہ فرقان میں اس آیت پر واذا قيل لهم اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن انسجد لما تأمرنا وزادهم نفوراً۔ ۸۔ سورہ نمل میں اس آیت پر ويعلم ماتخفون و ما تعلنون۔ ۹۔ سورہ الم تنزيل میں اس آیت پر انما يو من بآياتنا الذین اذا ذکر وبها خرد اسجدوا وسبحوا الحمد ربهم وهم لا يستكبرون۔ ۱۰۔ ص میں اس آیت پر فاستغفر ربه وخر راكعاً واناب۔ ۱۱۔ سورہ حم میں لا یسامون کے لفظ پر۔ ۱۲۔ سورہ والنجم میں فاسجد والله واعبد کے لفظ پر۔ ۱۳۔ سورہ اذا السماء انشقت میں اس آیت پر فما لهم لا یومنون واذا قر عليهم القرآن لا یسجدون۔ ۱۴۔ سورہ اقرء میں اس آیت پر و اسجد واقترب یہ عینی میں لکھا ہے ان مقاموں پر پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے خواہ قرآن سننے کا قصد کرے یا نہ کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر کسی نے سجدہ کی آیت پڑھی تو اس پر صرف ہونٹوں کے ہلانے سے سجدہ واجب نہ ہوگا اور اس وقت واجب ہوگا جب وہ صحیح حروف نکالے اور اس سے ایک آواز پیدا ہو کہ جس کو مرد خود سن لے یا اور کوئی شخص جو اس کے منہ کے پاس کان لگا دے وہ سن لے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر سجدہ کی آیت پڑھی اور اس کے آخر کا حرف نہ پڑھا تو سجدہ نہ کرے اور اگر صرف حرف پڑھا جس پر سجدہ ہوتا ہے تو بھی سجدہ نہ کرے لیکن آدھی سے زیادہ آیت سجدہ کی حرف سجدہ کے ساتھ پڑھ لے تو سجدہ واجب ہوگا اور مختصر البحر میں ہے کہ اگر و اسجد پڑھا اور خاموش ہو گیا اور واقتر ب نہ پڑھا تو سجدہ واجب ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے کسی شخص نے پوری آیت سجدہ کی ایک جماعت سے اس طرح سنی کہ ایک ایک شخص سے ایک ایک حرف سنا تو اس پر سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا



اس لئے کہ اس نے کسی تلاوت کرنے والے سے نہیں سنا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور سجدہ کے واجب ہونے میں اہل یہ ہے کہ جس شخص میں نماز واجب ہونے کی اہلیت ہو خواہ بطور ادا کے خواہ بطور قضا کے اس میں اہلیت سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کی بھی ہے ورنہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے حتیٰ کہ اگر تلاوت کرنے والا کافر ہو یا مجنون یا طفل یا ایسی عورت جو حیض یا نفاس میں ہے یا اس نے دس دن سے کم حیض یا چالیس دن سے کم نفاس سے طاہر ہو کر تلاوت کی تو سجدہ تلاوت لازم نہ ہوگا ایسے ہی سننے والے پر بھی لازم نہ ہوگا اور اگر اس نے کوئی مسلمان عاقل بالغ سنے تو اس پر سجدہ واجب ہو اور اگر بے وضو یا جب سجدہ کی آیتیں پڑھیں یا سنیں تو ان پر بھی سجدہ واجب ہوگا اور مریض کا بھی یہی حکم ہے اگر کسی جانور سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ واجب نہ ہوگا یہی مختار ہے اور اگر سوتے ہوئے سے سنی تو صحیح یہ ہے کہ سجدہ واجب ہوگا اگر کسی نے گنبد کے اندر چلا کے آیت سجدہ پڑھی اور وہاں سے وہ آواز گونج کر لوٹی اور وہ آواز کسی نے سنی تو اس پر سجدہ واجب نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے جو شخص سویا تھا اور اسے خبر دی جائے کہ اس نے سوتے میں آیت سجدہ پڑھی تھی تو اس پر سجدہ واجب ہوگا اور نصاب میں ہے کہ یہی اصح ہے یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے اور اگر نشہ کی حالت میں کسی نے آیت سجدہ پڑھی اور اس پر اس کے سننے والوں پر سجدہ واجب ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور عورت نے اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا تھا کہ اس کو حیض ہو گیا تو وہ سجدہ اس سے ساقط ہو گیا یہ محیط میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے نفل کی نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور اس کا سجدہ کر لیا پھر اس کی نماز فاسد ہوگی اور اس کی قضا واجب ہوئی تو سجدہ کا اعادہ لازم نہ ہوگا اس طرح اگر کسی مسلمان نے آیت سجدہ پڑھی پھر معاذ اللہ وہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہوگا قرآن کے لکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر سجدہ کی آیت فارسی میں پڑھی تو پڑھنے والے پر اور سننے والے پر سجدہ واجب ہوگا خواہ سننے والا سمجھے یا نہ سمجھے یہ حکم اس وقت ہے کہ جب سننے والے کو خبر دی جائے کہ سجدہ کی آیت پڑھی ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر سننے والا جانتا ہے کہ وہ قرآن پڑھتا ہے تو سجدہ لازم ہوگا ورنہ لازم نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ بالا جماع واجب ہوگا یہی صحیح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر عربی میں قرآن پڑھا تو ہر صورت میں سجدہ لازم ہوگا۔

لیکن جب تک معلوم نہیں ہے اس وقت تک تاخیر کرنے میں معذور ہوگا اور اگر بہرے نے آیت سجدہ کی پڑھی اور خود اس کو نہ سنا تو اس پر سجدہ واجب ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر پیچھے کر کے آیت سجدہ کی پڑھی تو سجدہ واجب نہ ہوگا یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر امام سجدہ کی آیت پڑھے تو سجدہ کر لے اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں خواہ سنیں یا نہ سنیں خواہ جہر کی نماز میں ہو خواہ آہستہ کی نماز میں ہو مگر مستحب یہ ہے کہ آہستہ پڑھنے کی نماز میں سجدہ کی آیت نہ پڑھے اگر امام سے کسی اجنبی شخص نے آیت سجدہ سنی جو اس کے ساتھ نماز میں نہیں ہے اور بعد کو بھی نہیں داخل ہوا اس پر بھی سجدہ لازم ہوگا یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ یہاں لکھا ہے کسی شخص نے ایک امام سے آیت سجدہ سنی اور اس کے سجدہ کرنے سے پہلے اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا تو اس کے ساتھ سجدہ کرے اور اگر اس کے کرنے کے بعد نماز میں داخل ہوا تو سجدہ نہ کرے اور یہ حکم اس وقت ہے جب اسی رکعت کے آخر میں شامل ہو جائے لیکن اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کر لے یہ کافی میں لکھا ہے اور یہی نہیں ہے اگر کسی مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو امام پر اور مقتدیوں پر سجدہ واجب نہ ہوگا نہ نماز میں نہ بعد نماز کے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اگر نماز پڑھنے والے نے کسی غیر شخص سے آیت سجدہ کی سنی جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کر لے اور اگر نماز کے اندر سجدہ کیا تو کافی نہ ہوگا اور نماز اس کی فاسد نہ ہوگی یہ تہذیب میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ جب خود نماز پڑھنے والے نے جو آیت سجدہ غیر شخص سے سنی اور خود مقتدی نہ ہو اس آیت کو پہلے نہ پڑھ لیا ہو اور اگر پہلے خود بھی اس آیت کو

پڑھ چکا ہے پھر سنا پھر سجدہ کیا تو ظاہر روایت کے بموجب دوسرا سجدہ نہ کرے اور اگر اول سن چکا ہے پھر خود اس کی تلاوت کی تو اس میں دور روایتیں ہیں سراج الوہاج میں اس پر یقین کیا ہے کہ دوسرا سجدہ نہ کرے یہ نہر الفائق میں لکھا ہے اگر سجدہ کی آیت نماز کے اندر پڑھی تو اگر وہ سورۃ کے بیچ میں ہے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ کرے پھر کھڑا ہو اور سورہ ختم کرے اور رکوع کرے اور اگر سجدہ نہ کیا اور رکوع کیا اور اسی رکوع میں نیت سجدہ تلاوت کی کر لی تو از روئے قیاس جائز ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں اگر رکوع و سجدہ نہ کیا اور سورہ تمام کرنے کے بعد رکوع کیا اور نیت سجدہ کی تو کافی نہیں اور اس رکوع سے سجدہ تلاوت ساقط نہ ہوگا اور جب تک وہ نماز میں ہے اس سجدہ ادا کرنا اس پر واجب ہوگا شیخ امام خواہر زادہ نے کہا ہے کہ اگر آیت سجدہ کے بعد تین آیتیں پڑھ لیں تو فوراً سجدہ کرنے کا حکم جاتا رہا اور رکوع قائم مقام سجدہ کا نہیں ہو سکتا اور شمس الائمہ حلوائی نے کہا ہے کہ جب تک تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھے یہ حکم منقطع نہیں ہوتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر آیت سجدہ آخر سورۃ میں ہے تو افضل یہ ہے کہ اس کے عوض میں رکوع کر دے اور اگر سجدہ کیا اور رکوع نہ کیا تو ضرور ہے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد تھوڑی سورۃ اور پڑھے اور اگر سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ اور نہ پڑھا اور رکوع کر دیا تو جائز ہے اور اگر رکوع بھی نہ کیا اور سجدہ نہ کیا اور نماز میں آگے کو چل دیا تو پھر رکوع سے سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا اور جب تک نماز میں ہے سجدہ ادا کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر سجدہ آخر سورۃ میں ہو اور بعد اس کے دو یا تین آیتیں ہوں تو اس کو اختیار ہے اس کا رکوع کر لے اور چاہے سجدہ کرے اور اگر اس کا رکوع کر لے تو اگر سورہ ختم کر کے رکوع کرے تو جائز ہے اور اگر اس کا سجدہ کیا تو پھر کھڑا ہو کر سورۃ ختم کرے اور رکوع کر لے اور اگر اس کے ساتھ میں دوسری سورۃ بھی ملا دے تو افضل ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اگر فوراً اس کے واسطے علیحدہ رکوع یا سجدہ کیا تو پھر کھڑا ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی رکوع نہ کر دے بلکہ دو یا تین آیتیں پڑھ کر رکوع کرے یہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور اگر آیت سجدہ کی نماز میں پڑھی اور یہ ارادہ کیا کہ اس کا رکوع کرے تو رکوع کرتے وقت اس کی نیت ضروری ہے اور اگر رکوع کرتے وقت اس نیت کی نہ کی تو کافی نہیں اور اگر رکوع کے اندر نیت کی تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ کافی ہے بعضوں نے کہا ہے کافی نہیں یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اظہر یہ ہے کہ کافی نہیں یہ شرح ابولکارم میں لکھا ہے اور بدائع میں ہے کہ اگر رکوع سے سر اٹھانے کے بعد نیت کی تو بالافتاق کافی نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر امام نے رکوع کے اندر تلاوت کے بعد نیت کی اور مقتدی نے نیت نہ کی تو وہ اس کی طرف سے کافی نہ ہوگا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرے اور قعدہ کا اعادہ کرے اور اگر قعدہ چھوڑ دیا تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی یہ قدیہ میں لکھا ہے اس امر پر اجماع ہے کہ سجدہ تلاوت کا نماز کے سجدہ سے ادا ہو جاتا ہے اگرچہ نیت تلاوت کے سجدہ کی نہ کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے نماز پڑھنے والا اگر تلاوت کا سجدہ اس کے موقع پر بھول گیا پھر اس کو رکوع یا سجدہ یا قعدہ میں یاد آیا تو اس وقت سجدہ کر لے پھر جس رکن میں تھا اس رکن میں آجائے اور از روئے استحسان یہ حکم ہے کہ اس رکن کا اعادہ کرے اور اگر اعادہ نہ کیا تو نماز اس کی جائز ہوگی یہ ظہیر یہ کی سہو کی فصل میں لکھا ہے امام نے آیت سجدہ کی پڑھی اور جماعت کے کچھ لوگ مسجد کے صحن میں تھے امام نے سجدہ تلاوت میں جانے کے واسطے تکبیر کہی اور ان لوگوں نے جو صحن میں تھے یہ گمان کیا کہ رکوع کے واسطے تکبیر کہی ہے پس انہوں نے رکوع کیا اور جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ سے اٹھا تو ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ امام رکوع سے اٹھا پس انہوں نے بھی رکوع سے اٹھا پس انہوں نے بھی رکوع سے سر اٹھایا تو ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ امام رکوع سے اٹھا پس انہوں نے بھی رکوع سے اٹھا یا اگر پھر کچھ زیادتی نہیں کی تو نماز ان کی فاسد نہ ہوگی نماز پڑھنے والے نے اگر کسی غیر شخص سے آیت سجدہ کی سنی اور اس تلاوت کرنے والے کے ساتھ سجدہ کی اگر اس کی متابعت کا ارادہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی نماز سے باہر مستحب یہ ہے کہ سننے والا تلاوت کرنے والے کے ساتھ سجدہ کر لے

اور اس سے پہلے سر نہ اٹھائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا آگے بڑھ جائے اور باقی لوگ اس کے پیچھے صف باندھ کر سجدہ کریں اور ابو بکر نے ذکر کیا ہے کہ اس سجدہ میں عورت مرد کی امام ہو سکتی ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اس سجدہ کے لئے تداخل کا بھی حکم ہے پس تلاوت کرنے والا اگر پڑھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے تو دونوں کے عوض ایک ہی سجدہ کافی ہے کئی سجدوں کا ایک سجدہ ہونے کے واسطے شرط یہ ہے کہ ایک ہی آیت اور ایک ہی مجلس ہو پس اگر مجلس مختلف ہو اور آیت ایک ہو یا مجلس ایک ہو اور آیتیں مختلف ہوں تو کئی سجدوں کے بدلے ایک سجدہ کافی نہ ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اگر سننے والے کی مجلس بدلی پڑھنے والے کی نہ بدلی تو سننے والے پر مکرر اور اگر پڑھنے والے کی مجلس بدلی سننے والی کی نہ بدلی تو پڑھنے والے پر مکرر سجدہ واجب ہوگا سجدہ واجب ہوگا یا سننے والے پر اکثر مشائخ کے قول کے بموجب مکرر سجدہ واجب نہ ہوگا اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں یہ عتابیہ میں لکھا ہے اور بہت دیر تک ایک حالت میں رہنے یا ایک لقمہ کھالینے یا ایک مرتبہ پانی پی لینے یا کھڑا ہو جانے یا ایک دو قدم چلنے یا گھر مسجد کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں جانے سے مجلس ایک ہی رہتی ہے بدلتی نہیں لیکن اگر گھر بڑا ہے جیسے بادشاہ کا گھر تو مجلس بدل جائے گی اور اگر جامع مسجد میں ایک کونہ سے دوسرے کونہ میں چلا گیا تو مکرر سجدہ واجب نہ ہوگا اور اگر جامع مسجد میں ایک گھر سے دوسرے گھر میں گیا تو جہاں تک مسجد کے امام کے ساتھ اقتدا صحیح ہو سکتا ہے وہاں تک ایک ہی مکان سمجھا جائے گا۔ کشتی کے چلنے سے مجلس قطع نہیں ہوتی اور سواری کے جانور کے چلنے سے اگر اس کا سوار نماز میں نہ ہو تو مجلس قطع ہو جاتی ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر تسبیح یا تہلیل یا قرأت میں مشغول ہو تو مجلس نہیں بدلتی اور اگر آیت سجدہ کی پڑھی پھر جانور پر سوار ہوا پھر اس کے چلنے سے پہلے اتر آیا تو مجلس قطع نہ ہوگی اور اگر آیت سجدہ کی پڑھی پھر سجدہ کیا پھر اس کے بعد بہت سا قرآن پڑھا پھر وہی آیت دوبارہ پڑھی تو دوسرا سجدہ واجب نہ ہوگا اور اگر آیت سجدہ کی ایک جگہ پڑھی پھر کھڑا ہو کر جانور پر سوار ہوا پھر اس جانور کے چلنے سے پہلے اس آیت کو دوبارہ پڑھا تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اور وہ سجدہ زمین پر کر لے اور اگر جانور چل دیا پھر اس آیت کی تلاوت کی تو دو سجدے واجب ہوں گے اس طرح اگر جانور کے اوپر سوار ہو کر آیت سجدہ کی پڑھی اور اس کے چلنے سے پہلے اتر آیا پھر اس کو دوبارہ پڑھا تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اور وہ سجدہ زمین پر کرے یہ جوہرہ النیرہ میں لکھا ہے مجلس کے بدلنے کا اعتبار ہے اعراض کے بدلنے کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ اگر کسی نے کہا کہ دوبارہ نے پڑھونگا پھر اسی مجلس میں پڑھا تو ایک سجدہ کافی ہوگا اور کپڑے کا تانا کرنے میں اور کسی چیز کو کود کر پاؤں سے کوٹنے میں اور زمین کے جوتے میں سجدہ مکرر واجب ہوگا یہ کافی میں لکھا ہے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چلے جانے میں بھی اصح یہ ہے کہ سجدہ واجب ہوگا یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اگر چلنے میں آیت سجدہ کی پڑھی تو ہر مرتبہ کے پڑھنے میں سجدہ واجب ہوگا اور اس طرح اگر دریا یا بڑی نہر کے اندر پانی میں تیرتا ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کسی ایسے حوض یا چشمے میں تیرتا ہو جس کی حد معلوم ہے تو بھی صحیح یہ ہے کہ سجدہ مکرر ہوگا۔ اگر چکی کے گرد چکی گھر میں آیت سجدہ کی پڑھی تو بھی صحیح یہ ہے کہ سجدہ مکرر ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر عمل کثیر کیا مثلاً بہت سا کھایا یا لیٹ کر سویا یا کچھ بچایا کسی طرح کا کچھ اور کام کیا تو از روئے احتسان دوسرا سجدہ واجب ہوگا اس واسطے کہ ان کاموں سے مجلس کا نام بدل جاتا ہے پس عرف کے موافق سجدہ بھی اسی کی طرف مضاف ہوگا مجلس بھی بدل جائے گی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے جو سجدہ نماز میں واجب ہوا ہے وہ نماز سے باہر ادا نہ ہوگا یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور یہی کافی میں لکھا ہے اور اس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ سجدہ سے پہلے نماز کو فاسد نہ کرے اور اگر سجدہ سے پہلے نماز کو فاسد کر دے تو سجدہ کو نماز سے باہر ادا کر لے اور اگر سجدہ کے بعد نماز کو فاسد کیا تو دوبارہ سجدہ نہ کرے یہ قدیہ میں لکھا ہے اور اگر رکوع میں یا سجدہ میں قرآن پڑھا تو تلاوت کا سجدہ لازم نہ ہوگا اور امام رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک سجدہ واجب ہوگا لیکن رکوع یا سجدہ کے اندر

ادا ہو جائے گا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا پھر اسی جگہ نماز شروع کر دی اور اس میں بھی وہی آیت پڑھی تو اس پر دوسرا سجدہ واجب ہوگا اور اگر پہلا سجدہ نہیں کیا تھا تو ایک ہی سجدہ کافی ہے پہلا سجدہ ساقط ہو جائے گا اور اگر ایک رکعت میں آیت سجدہ کی پڑھی اور سجدہ کر لیا پھر اسی رکعت میں اس کا اعادہ کیا تو دوبارہ سجدہ واجب نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر نماز کی پہلی رکعت میں آیت سجدہ کی پڑھی اور اس کا سجدہ کر لیا اور پھر دوسری اور تیسری رکعت میں اس کا اعادہ کیا تو اس کا سجدہ واجب نہیں یہی اصح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر سجدہ کی آیت نماز میں پڑھی اور سجدہ کر لیا پھر سلام پھیرنے کے بعد اسی جگہ دوبارہ وہی آیت پڑھی تو دوسرا سجدہ ہو جب ظاہر روایت کے کر لے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب سلام کے بعد کلام کیا ہو اور اگر نماز میں آیت سجدہ کی پڑھی اور اس کا سجدہ نہ کیا یہاں تک کہ سلام پھیر دیا اس کے بعد پھر وہی سجدہ کی آیت پڑھی تو ایک سجدہ کرے اور پہلا سجدہ اس سے ساقط ہو گیا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے سجدہ کی آیت کسی رکعت میں پڑھی پھر حدث ہو گیا اور وضو کرنے کو چلا گیا پھر آیا اور کسی غیر سے اسی سجدہ کی آیت کو سنا تو اس پر دو سجدہ واجب ہو گئے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر آیت سجدہ کی نماز میں پڑھی یا دوسرے سے سنی اور اس کا سجدہ کر لیا پھر حدث ہوا اور وضو کر کے اس پر نماز بنا کی اور پھر اس کو کسی اور سے سنا تو اس پر دوسرا سجدہ واجب ہوگا اور نماز سے خارج ہونے کے بعد سجدہ کر لے بخلاف اس کے اگر سجدہ کی آیت نماز کے اندر پڑھی پھر حدث ہوا اور وضو کر کے اس پر نماز بنا کی اور پھر وہی آیت پڑھی تو دوسرا سجدہ واجب نہ ہوگا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر وقت مباح میں آیت سجدہ کی پڑھی اور وقت مکروہ میں سجدہ کیا تو جائز نہ ہوگا اور اگر وقت مکروہ میں آیت سجدہ کی پڑھی اور انھیں وقتوں میں سجدہ کیا تو جائز ہوگا اور اگر سواری سے اتر کر آیت سجدہ کی پڑھی پھر اس کو خوف پیدا ہوا کہ اس وجہ سے سوار ہو گیا اور اس طرح سجدہ کیا تو خوف کی حالت میں جائز ہے امن کی حالت میں جائز نہیں ہے یہ محیط میں سرخسی میں لکھا ہے اور تحریر کے سوا سجدہ تلاوت کی سب شرطیں وہی ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں اور فرض اس کا پیشانی زمین پر رکھنا ہے یا جو اس کے قائم مقام ہو مثلاً رکوع یا مریض کے واسطے اشارہ یا سفر میں جانور پر سوار ہونا جو سجدہ زمین پر واجب ہوگا وہ جانور پر سوار ہو کر ادا نہ ہوگا اور جو جانور پر سواری میں واجب ہوگا وہ زمین پر ادا ہو جائے گا اور جن چیزوں سے نماز فاسد ہوتی ہے انہیں چیزوں سے یہ سجدہ بھی فاسد ہو جاتا ہے۔

مثلاً عمدہ حدث کرنے سے اور کلام سے اور قہقہہ سے اور اگر یہ چیزیں سجدہ کے اندر واقع ہوں تو اعادہ سجدہ کا واجب ہوگا جیسے نماز کے سجدہ کا حکم ہے مگر اتنا فرق ہے کہ اس سجدہ میں قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹتا اور عورت کے برابر آجانے سے یہ سجدہ فاسد نہیں ہوتا اگر سجدہ تلاوت میں سو گیا تو صحیح قول کے بموجب وضو نہ ٹوٹے گا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور سنت اس میں اول و آخر تکبیر کہنا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے یہی ظاہر ہے یہ تمیین میں لکھا ہے اور جب سجدہ کا ارادہ کر لے تو اللہ اکبر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر اللہ اکبر کہے اور سر اٹھائے تشہد اور سلام واجب نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے تین بار سے کم نہ کرے جس طرح فرض میں اس سے کمی نہیں کی جاتی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر سجدہ میں کچھ نہ پڑھا تو بھی جائز ہے جیسے کہ فرض نماز کے سجدہ میں جائز ہوتا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اللہ اکبر بلند آواز سے کہے اور مستحب یہ ہے کہ جب سجدہ تلاوت کا ارادہ کرے تو کھڑا ہو جائے اور پھر سجدہ کرے اور سجدہ کرنے کے بعد پھر کھڑا ہو جائے پھر بیٹھے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے پھر جب سجدہ کا ارادہ کرے تو اس کی نیت دل سے کر لے اور زبان سے کہے کہ اللہ کے واسطے سجدہ تلاوت کرتا ہوں اللہ اکبر یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور غیاثیہ میں ہے کہ ادا کرنا اس کا فی الفور واجب نہیں پس اگر اس کو کسی وقت میں ادا کرے گا تو ادا ہے قضا نہیں یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے یہ حکم اس سجدہ کا ہے جو نماز میں واجب نہ ہو اور جو سجدہ نماز میں واجب ہو اس میں اگر تاخیر کی

یہاں تک کہ اگر اس کے بعد بہت دیر تک قرأت کی تو قضا ہو جائے گا اور گنہگار ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر قاری کے پاس ایسے لوگ ہوں کہ سجدہ کرنے کی ان کو عادت ہو اور وہ اپنے دل میں یہ سمجھے کہ ان پر سجدہ کرنا شاق نہ ہوگا تو اس کو چاہئے کہ جہر سے پڑھے اور اگر وہ لوگ بے وضو ہوں یا اگر اس کو یہ گمان ہو کہ وہ سنیں گے اور سجدہ نہ کریں گے یا ان پر سجدہ کرنا شاق ہوگا تو چاہئے کہ آہستہ پڑھ لے خواہ نماز میں ہو خواہ نماز سے خارج ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہ مکروہ ہے کہ سورۃ پڑھے اور سجدہ کی آیت چھوڑ دے اور اگر صرف سجدہ کی آیت نماز سے باہر پڑھے تو مکروہ نہیں اور مستحب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک یا دو آیتیں اور پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر اس کے ساتھ کچھ اور نہ پڑھا تو کچھ نقصان نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اسی سے ملتے ہوئے ہیں سجدہ شکر کے مسئلے سجدہ شکر کا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعتبار نہیں اور وہ ان کے نزدیک مکروہ ہے اس پر ثواب نہیں ملتا اور اس کا چھوڑنا اولیٰ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ وہ عبادت ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے اور طریقہ اس کا ان دونوں کے نزدیک یہ ہے کہ جس شخص پر کوئی نعمت ظاہر ہو یا اللہ اس کو فرزند دے یا بال دے یا کوئی گم شدہ چیز اس کو مل جائے یا کوئی مصیبت اس سے دور ہو یا اس کے مریض کو شفا ہو یا کوئی شخص جو غائب ہو گیا تھا آجائے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اللہ کے واسطے قبلہ کی طرف کو شکر کا سجدہ کرے اس میں اللہ کی حمد و تسبیح پڑھے پھر دوسری تکبیر کہہ کر سر اٹھائے جیسے سجدہ تلاوت کا قاعدہ ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے حجتہ میں ہے کہ لوگوں کو سجدہ شکر سے منع نہ کریں اسلئے کہ اس میں عاجزی اور عبادت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ نماز کے بعد ان وقتوں میں جن میں نقل پڑھنا مکروہ ہے سجدہ شکر بھی مکروہ ہے اور وقتوں میں مکروہ نہیں یہ قدیہ میں لکھا ہے بغیر سبب سجدہ کرنا عبادت نہیں اور مکروہ بھی نہیں نماز کے بعد جو سجدہ کیا کرتے ہیں وہ مکروہ ہے اسلئے کہ جہاں اسکو سنت یا واجب سمجھ لیتے ہیں اور جس مباح کا یہ حال ہو وہ مکروہ ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔

## حجرت و حجاب

### مریض کی نماز کے بیان میں

جو مریض قیام سے عاجز ہے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے عاجز کے معنی میں اصح قول یہ ہے کہ اس کھڑے ہونے سے ضرر ہوتا ہو اور اسی پر فتویٰ ہے یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے اور اس طرح جب کھڑے ہونے سے مرض کی زیادتی کا یا دیر میں صحت ہونے کا یا دوران سر کا خوف ہو تب بھی یہی حکم ہے یہ تبیین میں لکھا ہے یا کھڑے ہونے سے درد ہوتا ہو تب بھی یہی حکم ہے اور اگر کچھ تھوڑی تکلیف ہو تو قیام کا چھوڑنا جائز نہیں ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر تھوڑی دیر قیام پر قادر ہے اور ساری نماز میں قادر نہیں تو جس قدر کھڑا ہو سکتا ہے اتنی دیر کھڑا ہونے کا حکم کیا جائے گا پس اگر اس بات پر قادر ہے کہ کھڑے ہو کر تکبیر کہے اور قرأت کے واسطے قیام نہیں کر سکتا یا تھوڑی سی قرأت کے واسطے بھی قیام کر سکتا ہے پوری قرأت کے واسطے قیام نہیں کر سکتا تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ کھڑے ہو کر تکبیر کہے اور جس قدر کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے اتنی دیر کھڑا ہو کر قرأت کرے پھر عاجز ہو تو بیٹھ جائے شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ یہی مذہب صحیح ہے اور اگر اس کو چھوڑے گا تو مجھ کو یہ کو خوف ہے کہ اس کی نماز جائز نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر سہارا لگا کر کھڑے ہونے پر قادر ہے تو صحیح یہ ہے کہ سہارا لگا کر کھڑا ہو کر نماز پڑھے اس کے سوا اور کچھ جائز نہیں اس طرح اگر عصا پر یا اپنے خادم پر سہارا لگا کر کھڑا ہو سکتا ہے تو سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر مریض ایسا ہے کہ گھر

۱۔ اور اگر ایک شخص کھڑے ہو کر پوری قرأت نہیں کر سکتا لیکن تکبیر تحریر باندھ سکتا ہے تو اس کو بیٹھ کر تحریر باندھنا جائز نہیں ہے اس کو ابن البمام نے فتح

میں نماز پڑھے تو قیام کر سکتا ہے اور اگر نکلے تو قیام پر قادر نہیں ہوگا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ اپنے گھر میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے لے اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے پھر مریض بیٹھ کر نماز پڑھے تو کس طرح بیٹھے صبح یہ ہے کہ جس طرح اس پر آسان ہو اس طرح بیٹھے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر سیدھا بیٹھنے پر قادر نہیں اور کسی دیوار پر یا آدمی پر سہارا لگا کر بیٹھنے پر قادر ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس طرح سہارے سے بیٹھ کر نماز پڑھے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے لیٹ کر نماز پڑھنا اس کو قول مختار کے بموجب جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اگر قیام اور رکوع اور سجود سے عاجز ہے اور بیٹھنے پر قادر ہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور سجدہ کو رکوع سے زیادہ ترنچا کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے پس اگر رکوع اور سجدہ برابر کرے گا تو نماز صحیح نہ ہوگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر رکوع و سجود سے عاجز ہے اور قیام پر قادر ہے تو مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور اگر کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے تو ہمارے نزدیک جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنے والا سہو کا سجدہ بھی اشارہ سے کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنے والے کی طرف کوئی لکڑی یا تکیہ اٹھا دینا مکروہ ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو اگر اس کا سجدہ کے واسطے بہ نسبت رکوع کے زیادہ جھکتا ہے تو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے لیکن یہ فعل برا ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے اور اگر رکوع اور سجدہ میں سر اس کا نہ جھکتا اور لکڑی اس کی پیشانی پر لگادی جائے تو نماز جائز نہ ہوگی یہی صبح ہے اور اگر تکیہ زمین پر پڑا ہو اور اس پر سجدہ کرتا ہو تو نماز جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر پیشانی پر زخم ہو اور اس وجہ سے پیشانی پر سجدہ نہ کر سکے تو اس کو اشارہ سے نماز جائز نہ ہوگی ہے اور اس کو واجب کہ ناک پر سجدہ کرے اور اگر ناک پر سجدہ نہ کیا اور اشارہ سے نماز پڑھی تو جائز نہ ہوگی یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔

اور اگر بیٹھنے پر قادر نہیں ہے تو چپت لیٹے اور دونوں پاؤں اپنے قبلہ کی طرف کو پھیلائے اور اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرے اور چاہئے کہ اس کے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھ دیں تاکہ وہ بیٹھنے والے کے مشابہ ہو جائے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ اچھی طرح کر سکے اور اگر پہلو پر لیٹے اور منہ قبلہ کی طرف کو کر کے اشارہ سے نماز پڑھے تو جائز ہے اور پہلی صورت اولیٰ ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر دہنی کروٹ کے لیٹنے پر قادر نہ ہو تو بائیں کروٹ پر لیٹے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور منہ قبلہ کی طرف کو کرے یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ اگر تندرست آدمی نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی پھر اس کو کوئی مرض ایسا پیدا ہو گیا کہ قیام نہیں کر سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ کرے اور اگر رکوع اور سجود پر بھی قادر نہیں ہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور اگر بیٹھنے پر بھی قادر نہیں تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے یہ تبیین میں لکھا ہے جو شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ سے نماز پڑھتا تھا پھر نماز کے اندر تندرست ہو گیا اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک باقی نماز اپنی کھڑے ہو کر پڑھے اور اگر تھوڑی سی نماز اشاروں سے پڑھی ہے پھر رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو بالاتفاق یہ حکم ہے کہ از سر نو نماز پڑھے یہ ہدایہ میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ قدرت اس کو اشارہ سے رکوع یا سجدہ کر لینے کے بعد حاصل ہو لیکن اگر نماز شروع کرنے کے بعد اور رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے یہ قدرت حاصل ہوئی تو اسی نماز کو تمام کرے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ اور جب مریض سر سے اشارہ کرنے سے بھی عاجز ہو تو ظاہر الروایت کے بموجب نماز کا فرض اس سے ساقط ہو جاتا ہے آنکھوں سے اور بھوؤں سے اشارہ کرنے کا کچھ اعتبار نہیں ہے پھر جب اس کے مرض کو تخفیف ہو جائے تو اس پر ایسی نمازوں کی قضا لازم ہونے میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ اگر یہ حالت اس کی ایک دن رات سے زیادہ ہوگئی تو قضا لازم نہ ہوگی اور اگر اس سے کم ہو تو قضا لازم ہوگی جیسے کہ بیہوشی میں اور یہی صبح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ ظہیرہ میں لکھا ہے اور اگر اسی مرض میں مرجائے تو اس پر وہ نمازیں واجب نہیں اور ان کا فد یہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر چار

رکعتیں بیٹھ کر پڑھیں جب چوتھی رکعت کے قعدہ میں بیٹھا تو تشهد پڑھنے سے پہلے اس نے قرأت کی اور رکوع کیا تو بمنزلہ قیام کے ہو گیا اور اس طرح نماز پڑھتا رہے۔ یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور حاویٰ میں ہے کہ سہو کا سجدہ کرے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اگر دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھا کر قیام کی نیت کی اور قرأت نہ کی پھر یاد آ گیا تو قعدہ کی طرف کو عود کرے اور تشهد پڑھے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے مریض نے بیٹھ کر نماز پڑھی جب چوتھی رکعت کے اخیر سجدہ سے سر اٹھایا تو اس کو گمان ہوا کہ یہ تیسری رکعت ہے پھر اس نے قرأت کی اور اشارہ سے رکوع اور سجدہ کیا تو نماز اس کی فاسد ہو گئی اور اگر تیسری رکعت میں تھا اور اس کو دوسری رکعت سمجھا اور قرأت شروع کر دی پھر معلوم ہوا کہ وہ تیسری رکعت پڑھ رہا ہے تو تشهد کی طرف عود نہ کرے بلکہ اس طرح قرأت پڑھتا رہے اور نماز کے آخر میں سہو کا سجدہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے۔ تجرید میں ہے کہ مریض اپنی نماز میں قرأت اور تسبیح اور تشهد اس طرح پڑھے جیسے تندرست پڑھتا ہے اور اگر ان سب سے عاجز ہو تو چھوڑ دے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے تندرست اور مریض میں صرف ان چیزوں میں فرق ہے جن میں مریض عاجز ہے اور جن پر مریض قادر ہے ان کا حکم اس پر مثل تندرست کے ہے۔ اگر قبلہ کو پہچانتا ہو اور قبلہ کی طرف منہ کرنے پر قادر نہیں اور ایسا کوئی شخص نہیں ملتا جو اس کا منہ قبلہ کی طرف کو پھیر دے تو ظاہر الروایت کے ہو جب اس طرح نماز پڑھے اور اس نماز کا پھر اعادہ نہ کرے اور اگر اس کو کوئی ایسا شخص مل گیا جو اس کا منہ قبلہ کی طرف کو پھیر دے تو چاہیے کہ اس کو حکم کرے کہ میرا منہ پھیر دے اگر اس کو حکم نہ کیا اور قبلہ کے سوا کسی اور طرف کو نماز پڑھی تو جائز نہ ہوگی اور اگر مریض نجس بچھونے پر ہو تو اگر اس کو پاک بچھونا نہیں ملتا یا ملتا ہے لیکن کوئی ایسا شخص نہیں جو اس کا بچھونا بدل دے تو نجس بچھونا پر نماز پڑھ لے اور اگر کوئی شخص ایسا ملے کہ اس کا بچھونا پاک بدل دے تو چاہئے کہ اس کو یہ حکم کرے اور اگر حکم نہ کیا اور نجس بچھونے پر نماز پڑھی تو جائز نہ ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے کسی مریض کے نیچے نجس کپڑے ہیں تو اگر اس کا یہ حال ہے کہ جو بچھونا اس کے نیچے بچھایا جائے گا وہ فوراً نجس ہو جائے گا تو اسی حالت پر نماز پڑھے اور اگر دوسرا بچھونا نجس نہ ہوتا ہو لیکن بچھونا بدلنے میں اس کو بہت تکلیف ہوگی تو نہ بدلیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

اگر پانچ نمازوں کے وقت تک بیہوش رہا تو ان نمازوں کو قضا کر لے اور جو اس سے زیادہ ہو تو قضا نہ کرے اور جنوں کا حکم مثل بیہوشی کے ہے یہی صحیح ہے کثرت کا اعتبار امام محمد کے نزدیک اوقات سے کیا جاتا ہے اور یہی اصح ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ برابر بیہوشی رہے اور اس مدت میں کبھی افاقہ نہ ہو اگر افاقہ ہوتا ہو پس اس بات پر غور کرے کہ اگر اس کو ایک وقت مقرر میں افاقہ ہوتا ہے مثلاً صبح کے وقت مرض کو تخفیف ہو جاتی ہے اور تھوڑی دیر افاقہ ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد وہ مرض عود کرتا ہے اور وہ بیہوش ہو جاتا ہے تو اس افاقہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس سے پہلے بیہوشی اگر ایک دن رات سے کم تھی تو حکم باطل ہو جائے گا اور اگر افاقہ کا وقت مقرر نہ ہو لیکن کبھی یکا یک افاقہ ہو جاتا ہے اور تندرستوں کی سی باتیں کرتا ہے پھر بیہوش ہو جاتا ہے اس افاقہ کا اعتبار نہیں یہ تمییز میں لکھا ہے اور اگر کسی جانور یا آدمی کے خوف سے ایک دن رات سے زیادہ بیہوش رہا تو بالا جماع قضا اس سے ساقط ہو جائے گی اور اگر شراب پی اور ایک دن رات سے زیادہ بیہوش رہی تو نماز ساقط نہ ہوگی اور اگر جنگ یا اور کوئی دوا پی جس سے ایک دن رات سے زیادہ عقل درست نہ رہی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز ساقط نہ ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر دن رات سے زیادہ ہو گیا تو نماز قضا کرے کوئی شخص ایسا ہے کہ رمضان میں روزے رکھے تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور اگر روزے نہ رکھے تو کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو اس کو چاہئے کہ روزے رکھے اور بیٹھ کر نماز پڑھے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر مریض وقت سے پہلے جان کر یا خطا سے اس خیال سے نماز پڑھ لے کہ کہ پھر بیماری کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے گا تو وہ نماز کافی نہ ہوگی اور اس طرح بغیر قرأت یا بغیر وضو نماز پڑھی تو بھی جائز نہ

ہوگی اور اگر قرأت سے عاجز ہے تو بغیر قرأت کے اشارہ سے نماز پڑھ لے۔ کسی شخص کا غلام بیمار ہو جو وضو پر قادر نہیں تو مالک پر واجب ہے کہ اس کو وضو کرادے اگر کسی کی عورت بیمار ہو تو اس پر اس کا وضو کرانا واجب نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ کوئی شخص ایسا ہو کہ نماز کے کسی خاص رکن پر بغیر حدث قادر نہ ہو تو وہ رکن اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے پس اگر کسی شخص کے زخم ہو اور اس کی وجہ جب وہ سجدہ کرتا ہے تو وہ زخم بہنے لگتا ہے اور اس کے سوارکوع اور قیام اور قرأت پر قادر ہے تو اس کو چاہیے کہ بیٹھ کر نماز اشاروں سے پڑھے اور اگر رکوع سے نماز پڑھی اور بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کر لیا تو جائز ہے اور پہلی صورت افضل ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اس طرح اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو اس کو پیشاب جاری ہو جائے گا یا زخم بہنے لگے گا یا قرأت پر قادر نہ ہوگا اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو کوئی حرج نہ ہوگا تو اس کو چاہیے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے یہ سراجیہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص کو کھڑے ہونے میں دشمن کو کھڑے ہونے میں دشمن کا خوف ہو یا ایسے خیمہ میں ہو کہ وہاں کھڑا نہیں ہو سکتا اور وہ باہر نکلے تو کچھڑ اور مینہ کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتا تو چاہیے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے لے مریض کی نماز اگر فوت ہوگئی اور حالت صحت میں اس کی قضا کی تو ایسی نماز پڑھے جیسے تندرست پڑھتے ہیں اور اگر جس حالت کی نماز فوت ہوگئی تھی اسی حالت کی طرح پڑھی تو جائز نہ ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر مرض کی حالت میں ان نمازوں کو قضا کرے جو صحت میں فوت ہوئی تھیں تو اس طرح پڑھے جیسے قادر ہے بیٹھ کر یا اشارہ سے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اگر نماز پڑھنے والے نے کسی آدمی کو اپنے پاس اس واسطے بٹھالیا کہ اگر رکوع و سجدہ بھولے تو اسے خبر کر دے تو اگر بغیر اس کے وہ نماز صحیح نہیں پڑھ سکتا تو جائز ہے یہ قدیہ میں لکھا ہے اور مریض کے واسطے یہ مستحب ہے کہ نماز میں اتنی تاخیر کرے کہ جمعہ کی نماز سے امام فارغ ہو جائے اور اگر اتنی تاخیر نہ کرے تو مکروہ ہے یہی صحیح ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے۔

## بندر ہوا باب

### مسافر کی نماز کے بیان میں

کم سے کم مسافت جس سے احکام بدل جاتے ہیں وہ ہے جو تین دن کے چلنے میں تمام ہو یہ تبیین میں لکھا ہے یہی صحیح ہے یہ جو ہر اخلاطی میں لکھا ہے وہ احکام جو سفر سے بدل جاتے ہیں یہ ہیں نماز کا قصر روزہ نہ رکھنے کا مباح ہونا موزوں کے مسح کی مدت کا تین دن تک بڑھ جانا جمعہ اور عیدین اور قربانی کا وجوب ساقط ہو جانا آزاد عورت کو بغیر محرم کے باہر نکلنا حرام ہو جانا یہ عتابیہ میں لکھا ہے یہ مسافت اوسط چال کی معتبر ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور وہ اونٹوں اور پیادہ چلنے والوں کی چال ہے ان دنوں میں جو سال میں سب سے چھوٹے دن ہوتے ہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور سفر میں صبح سے شام تک کے چلنے کی شرط ہونے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شرط پس اگر ایک روز صبح سے زوال تک چلا اور منزل پر پہنچ گیا اور وہاں اترا اور رات کو رہا اور پھر اس طرح دوسرے اور تیسرے دن چلا تو مسافر ہو جائے گا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اس مسئلہ میں فرسخوں کے حساب کا اعتبار نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے زمین کی چال کا دریا کی چال میں اور دریا کی چال کا زمین کی چال میں اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ہر مقام میں اسی چال کا اعتبار ہوتا ہے جو اس کے حال کے لائق ہے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور مدت کا اعتبار اس راستہ سے ہوتا ہے جس راستہ سے وہ جاتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے پس اگر کسی شہر کا قصد کیا اور اس کے دور راستے ہیں ایک تین دن رات کا راستہ ہے اور دوسرا کم کا پس اگر دور کے راستے سے چلا تو ہمارے نزدیک مسافر ہو جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور قریب راستہ کی طرف سے چلے گا تو پوری نماز پڑھے گا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر کسی جگہ کے دور راستے ہیں ایک پانی کا راستہ ہو جو تین دن میں تمام ہوتا ہو اور دوسرا خشکی کا راستہ ہو جو دو دن میں تمام ہوتا ہو



اگر پانی کے راستے سے جائے گا تو نماز میں قصر کرے گا اور خشکی کے راستے میں قصر نہ کرے گا اور اگر خشکی کے راستے سے تین دن میں پہنچے اور دریا کے راستے سے دو دن میں تو خشکی کے راستے میں قصر کرے دریا کے راستے میں قصر نہ کرے اور دریا کے راستے میں تین دن ایسی حالت میں معتبر ہیں کہ ہوا اعتدال کے ساتھ ہونہ بہت تیز ہونہ ساکن ہو اس طرح پہاڑ میں بھی وہیں کی چال کے تین دن اعتبار کئے جاتے ہیں اگرچہ ہموار زمین میں وہ راستے تین دن سے کم میں طے ہو اور اگر مسافت عادت کے بموجب تین دن کی چال کی تھی اور کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر بہت گرم و تیز دو دن یا کم میں چل کر پہنچ گیا تو قصر کرے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ چار رکعتوں کی نماز میں مسافر پر دو رکعتیں فرض ہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ قصر ہمارے نزدیک واجب ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے پس اگر چار رکعتیں پڑھ لیں اور دوسری رکعت میں بقدر تشہد قعدہ کیا تو نماز جائز ہو جائے گی اور اخیر کی دو رکعتیں نفل ہوگی مگر اس نے برا کیا اس لئے کہ سلام میں تاخیر ہوئی اور اگر دوسری رکعت میں بقدر تشہد نہ بیٹھا تو نماز باطل ہوگئی یہ ہدایہ میں لکھا ہے اس طرح اگر پہلی دونوں رکعتوں میں یا ایک میں قرأت چھوڑ دی تو ہمارے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ سفر کا حکم ہر مسافر کے واسطے ہے طاعت کے واسطے سفر کرنا اور معصیت کے واسطے سفر کرنا برابر ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اس طرح سوار اور پیادہ کا حکم برابر ہے یہ تہذیب میں لکھا ہے سنتوں میں قصر نہیں ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے بعض فقہانے مسافر کے واسطے سنتوں کا چھوڑنا جائز لکھا ہے اور مختار یہ ہے کہ خوف کی حالت میں سنت نہ پڑھے اور قرار دامن کی حالت میں پڑھے یہ وجیز کروری میں لکھا ہے امام محمد نے کہا ہے کہ جب اپنے شہر سے باہر نکل جائے اور مکانات شہر کو پیچھے چھوڑ دے اس وقت سے قصر کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور غیاثیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ شہر کی آبادی سے نکل جانے کا اعتبار ہے اور آبادی کا اعتبار نہیں لیکن اگر ایک یا کئی گاؤں شہر پناہ سے ملے ہوئے ہوں تو ان سے نکل جانا بھی معتبر ہوگا اور فناء شہر سے جو گاؤں ملا ہوا ہے اس سے باہر نکلنے سے پہلے قصر کرے یہ محیط میں لکھا ہے اور اس طرح جب سفر سے اپنے شہر کی طرف لوٹے تو جب تک آبادی کے اندر داخل نہ ہو جائے تب تک پوری نماز نہ پڑھے اور جب تک شہر سے باہر نہ ہو صرف نیت کرنے سے مسافر نہیں ہوتا اور مقیم صرف نیت ہے ہو جاتا ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور جس طرف سے شہر سے نکلتا ہے اس طرف سے اس شہر کے نکلنے کا اعتبار ہے پس اگر ایک طرف سے شہر سے نکل گیا اور دوسری طرف کے شہر کے مکانات اس کے محاذی ہیں تو قصر کریں یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر جس طرف سے نکلتا ہے اس طرف کوئی ایسا محلہ ہو جو اب شہر سے جدا ہو گیا ہو اور پہلے ملا ہوا تھا تو جب تک اس محلہ سے باہر نہ ہو جائے نماز کا قصر نہ کرے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور مسافر کو رخصت کا حکم اس وقت حاصل ہوگا جب تین منزل کے سفر کا قصد کرے اور اگر اتنا قصد نہ کریگا تو اگرچہ تمام دنیا کے گرد پھر آئے گا رخصت سفر کا حکم حاصل نہ ہوگا مثلاً کسی بھاگے ہوئے یا قرضدار کا پیچھا کرے اور اس طرح کا سفر کرے جس میں قصد تین دن کے سفر کا نہ ہو تو رخصت سفر کی ثابت نہ ہوگی اور اس قصد میں صرف گمان کا غلبہ کافی ہے یقین شرط نہیں یعنی اگر گمان غالب ہو کہ تین دن کا سفر کرونگا تو قصر کرے یہ تبیین میں لکھا ہے اور یہ بھی معتبر ہے کہ وہ نیت کی اہلیت رکھتا ہو پس اگر ایک لڑکا اور ایک نصرانی دونوں سفر کریں اور دو دن تک چلیں پھر لڑکا بالغ ہو جائے اور نصرانی مسلمان ہو جائے تو لڑکا پوری نماز پڑے گا اور جو نصرانی مسلمان ہو گیا ہے وہ نماز قصر کرے گا یہ زاہدین میں لکھا ہے اور جب تک کسی گاؤں یا شہر میں پندرہ دن یا زیادہ کے ٹھہرنے کی نیت نہ کرے تب تک برابر حکم سفر کا رہے گا یہ ہدایہ میں لکھا ہے یہ حکم جب ہے کہ تین دن چل لے لیکن اگر تین دن نہ چلا اور لوٹنے کا ارادہ کیا یا اقامت کی نیت کی تو جنگل میں بھی مقیم ہو جائے گا اقامت کی نیت کا اثر پانچ شرطوں سے ہوتا ہے اول یہ کہ چلنا موقوف کرے پس اگر نیت اقامت کی کی اور اس طرح چلے جاتا ہے تو نیت صحیح نہیں دوسرے یہ کہ جہاں ٹھہرنے کی نیت کی وہ جگہ ٹھہرنے کے لائق ہو

یہاں تک کہ اگر جنگل میں یا دریا میں یا جزیرہ میں ٹھہرنے کی نیت کی تو صحیح نہیں تیسرے یہ کہ ایک ہی جگہ ٹھہرنے کی نیت کرے چوتھے یہ کہ برابر پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے پانچویں یہ کہ اس کی رائے مستقل ہو یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے شمس الائمہ حلوائی نے کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کا لشکر کسی جگہ قصد کرے اور ان کے ساتھ سامان اور چھوٹے اور بڑے ڈیرے ہوں اور راستہ میں کہیں جنگل میں اتر کر ڈیرے کھڑے کریں اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد کریں تو مقیم نہ ہوں گے اس لئے کہ وہ سب لے چلنے کا سامان ہے ممکن نہیں ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

جنگل کے لوگ جو ہمیشہ ڈیرہ وغیرہ میں جنگل میں رہتے ہیں ان کی نیت کرنے سے مقیم ہو جانے میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ سے اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں مقیم نہیں ہوتے اور دوسری میں مقیم ہو جاتے ہیں اسی پر فتویٰ ہے یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو قصر کرے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر کسی شہر میں برسوں اس ارادہ پر رہے کہ جب اس کا کام ہو جائے گا چلا جائے گا اور پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ کرے تو نماز قصر کی پڑھے یہ تہذیب میں لکھا ہے۔ حج کو جانے والے لوگ جب بغداد میں پہنچیں اور وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ کریں اور یہ ارادہ کریں کہ بغیر قافلہ کے نہ جائیں گے جب قافلہ جائے گا تو جائیں گے اور یہ بات معلوم ہو کہ قافلہ اب سے پندرہ روز میں یا زیادہ دنوں میں جائے گا تو پوری چار رکعتیں پڑھیں قصر نہ کریں اگر کوئی شخص دو مقاموں میں پندرہ روزہ یا ٹھہرنے کی نیت کرے تو اگر وہ دونوں مقام مستقل جدا جدا ہوں جیسے مکہ اور منا اور کوفہ اور حیرہ تو وہ مقام مقیم نہ ہوگا اور اگر ایک مقام دوسرے مقام کا تابع ہو یہاں تک کہ وہاں کے لوگوں پر جمعہ نہ واجب ہوتا ہو تو مقیم ہو جائے گا اور اگر دو قریوں میں پندرہ روز اس طرح ٹھہرنے کی نیت کرے کہ دن میں ایک قریہ میں رہوں گا اور رات کو ایک قریہ میں تو جب وہ رات کے رہنے کے قریہ میں داخل ہوگا تو مقیم ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور پہلے جو دن کے رہنے کے قریہ میں داخل ہوا تھا اس کے داخل ہونے سے مقیم نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے کتاب مناسک میں ہے کہ حج کو جانے والے لوگ اگر ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں مکہ میں داخل ہوں اور وہاں آدھا مہینہ ٹھہرنے کی نیت کریں تو صحیح نہیں اس واسطے کہ حج میں عرفات کو ضرور جانا پڑے گا تو شرط پوری نہ ہوگی کہا گیا ہے کہ عیسیٰ بن ابان کی فقہ سیکھنے کا سبب یہی مسئلہ ہوا اور اس کی حکایت یہ ہے کہ وہ حدیث کی طلب میں مشغول تھے انہوں نے کہا ہے کہ میں ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں اپنے ایک رفیق کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا اور وہاں میں نے ایک پورا مہینہ ٹھہرنے کا ارادہ کیا اور نماز پوری پڑھنا شروع کر دی بعض اصحاب ابو حنیفہؒ سے میری ملاقات ہوئی اور اس نے کہا کہ تم نے خطا کی ہے اس لئے کہ تم کو منا اور عرفات کو جانا پڑے گا پھر جب میں منا سے لوٹا تو میرے رفیق نے سفر کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس کی رفات کا قصد کیا اور نماز کا قصر شروع کر دیا پھر اس سے صاحب ابو حنیفہؒ سے میری ملاقات ہوئی اور اس نے کہا کہ تم نے پر خطا کی اس لئے کہ ابھی مکہ میں مقیم ہو جب تک وہاں سے باہر نہ نکلو گے مسافر نہ ہو گے تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے ایک مسئلہ دو جگہ خطا کی تب میں امام محمدؒ کی مجلس کی طرف کوچ کیا اور فقہ میں مشغول ہوا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر دار الحرب میں کسی شہر کا یا دارالاسلام میں باغیوں کا محاصرہ ایسی جگہ کریں جہاں شہر نہ ہو اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تو بھی نماز میں قصر کریں اس لئے کہ ایسے موقعوں میں فرار بھی ہوتا ہے پس اگر چہ گھروں میں ہوں تو بھی نیت کا اعتبار نہیں یہ ترمذی میں لکھا ہے اس واسطے ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر کوئی تاجر کسی شہر میں اپنی حاجت کے واسطے داخل ہو اور وہ اپنی حاجت پوری کرنے کے واسطے پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو مقیم نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا حال یہ ہے کہ جب اسکی حاجت پوری ہو جائے گی تو چلا جائے گا اور اگر حاجت

پوری نہ ہوگی تو ٹھہرے گا پس اس کی نیت مضبوط نہیں ہے اور یہی مسئلہ بڑی دلیل ہے اس شخص کے التزام کے لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی قریب جگہ جانے کا ارادہ کرے اور یہ چاہے کہ سفر کی رخصتیں حاصل ہو جائیں تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ کسی دور جگہ کے سفر کی نیت کرے اور یہ غلط ہے یہ معراج الدراہ میں سے بحر الرائق میں لکھا ہے جو شخص دارالحرب میں امن چاہ کر داخل ہو اور موضع اقامت میں اقامت کی نیت سے ٹھہرے تو اس کی نیت صحیح ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر حربیوں میں سے کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہو اور حربیوں کو اس کے اسلام کی خبر ہوئی اور اس کو قتل کرنے کے لئے تلاش کرنے لگے اور وہ انکے خوف سے تین دن کے سفر کا ارادہ کر کے بھاگا تو وہ مسافر ہو گیا اگرچہ کسی جگہ ایک مہینہ تک یا اس سے زیادہ چھپا رہا ہو اس لئے کہ اب وہ ان سے لڑنے والا ہو گیا اور یہی حکم ہے اس شخص کے واسطے جو امن مانگ کر دارالحرب میں داخل ہو اور پھر ان لوگوں نے اپنا عہد توڑ کر اس کے قتل کا ارادہ کیا اور اگر ان میں سے کوئی شخص دارالحرب کے کسی شہر میں مقیم تھا اور جب وہاں کے لوگوں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تو اسی شہر میں کہیں چھپ گیا تو نماز پوری پڑھے اس واسطے کہ وہ اس شہر میں مقیم تھا جب تک وہاں سے باہر نہ نکلے گا مسافر نہ ہوگا اور اس طرح اگر دارالحرب میں سے کسی ایک شہر کے لوگ مسلمان ہو گئے اور اہل حرب نے ان سے لڑائی شروع کی اور وہ جو مسلمان ہو گئے ہیں اپنے شہر میں ہوں تو نماز پوری پڑھیں اور اس طرح اگر اہل حرب ان کے شہر پر غالب ہو جائیں اور وہ مسلمان ایک منزل چلنے کا قصد کر کے وہاں سے نکلیں تب بھی وہ نماز پوری پڑھیں گے اور اگر تین دن کے سفر کا قصد کر کے نکلیں گے تو نماز میں قصر کریں گے اگر پھر اپنے شہر میں آئیں اور اب مشرکین اس شہر میں نہ ہوں تو نماز پوری کریں گے اور اگر مشرکین ان کے شہر پر غالب ہیں اور وہاں مقیم ہیں پھر اس شہر میں آئیں اور اس کو خالی کر دیں تو مسلمان اگر اس شہر میں اپنا گھر اور منزل بنالیں اور وہاں سے نکلنے کا قصد نہ کریں تو وہ دارالاسلام ہو گیا اس میں پوری نماز پڑھیں اور اگر وہاں گھر بنانے کا ارادہ نہ ہو اور وہاں ایک مہینہ ٹھہر کر دارالاسلام کی طرف آنے کا ارادہ ہو تو نماز کا قصر کریں یہ محیط میں لکھا ہے اگر دارالحرب میں کوئی مسلمان قیدی ہو پھر یکا یک ان سے چھوٹ جائے اور کسی غار وغیرہ میں چند روز ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو وہ مقیم<sup>۱</sup> نہ ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ تجنیس میں ہے کہ اگر مسلمانوں کا لشکر دارالحرب میں داخل ہو اور کسی شہر پر غالب ہو جائیں اور اس کو اپنا گھر بنالیں تو پوری نماز پڑھیں اور اگر اس کو اپنا گھر نہ بنائیں لیکن ایک مہینہ یا زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کریں تو نماز قصر کریں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جو شخص دوسرے کا تابع دار ہو اور اس کی تابعداری اس پر لازم ہو تو وہ اسی کی اقامت سے مقیم ہوگا اور اسی کے سفر کی نیت پر نکلنے سے مسافر ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے پس شہر میں امیر کی اقامت کی نیت کرنے سے فوج کا سپاہی جنگل میں مقیم ہوگا یہ کافی کے نواقص وضو کے بیان میں لکھا ہے اصل اس میں یہ ہے کہ جو شخص اقامت اپنے اختیار سے کر سکتا ہے وہ اپنی نیت سے مقیم ہو جاتا ہے اور جو شخص اقامت اپنے اختیار سے نہیں کرتا وہ اپنی نیت سے مقیم نہیں ہوتا یہاں تک کہ عورت اگر اپنے شوہر کے ساتھ اور غلام اپنے مالک کے ساتھ اور شاگرد اپنے استاد کے ساتھ اور نوکر اپنے آقا کے ساتھ اور سپاہی اپنے امیر کے ساتھ سفر کریں تو ظاہر روایت کے بموجب وہ اپنی نیت سے مقیم نہ ہوں گے یہ محیط میں لکھا ہے عورت اپنے شوہر کی تابعدار اس وقت ہوتی ہے جب وہ اس کا مہر معقل ادا کر دے اور اگر نہ ادا کرے تو دخول سے پہلے تابعدار نہ ہوگی اور سپاہی اپنے امیر کی تابعدار اس وقت ہوتا ہے کہ اس کا کھانا امیر کے پاس سے ہو یہ تبیین میں لکھا ہے لیکن اگر وہ اپنے مال سے کھانا کھاتا ہو تو اس کو اپنی نیت کا اعتبار ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ جو شخص قرض کے بدلے قید ہو اور اپنے قرض خواہ کی حوالات میں ہو تو اس میں صاحب قرض کی نیت کا اعتبار ہے یہ اس وقت ہے جب وہ قرضدار اس قرض کو ادا نہ کر سکتا ہو اور اگر ادا کر سکتا ہے تو قرضدار کی نیت کا اعتبار ہے اور اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ اس

کا قرض ادا نہ کرونگا تو وہ مفلس کے حکم میں یہ مضمرات میں لکھا ہے۔

اگر کسی غلام کے سفر میں دو مالک ہوں ایک نے اقامت کی نیت کی دوسرے نے نہ کی پس اگر ان دونوں نے ان کو نوبت بہ نوبت خدمت کے لئے مقرر کیا ہے تو غلام مقیم کی خدمت کے روز پوری نماز پڑھے اور مسافر کی خدمت کے روز قصر کر لے اور اگر نوبت خدمت کی مقرر نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ اصل کے اعتبار سے چار رکعتیں پڑھے اور دو رکعتوں کے بعد احتیاطاً ضرور قعدہ کر لے یہ غیاشیہ میں لکھا ہے۔ اگر تا بعد از کو اپنے اصل کی اقامت کی اقامت کا حال معلوم نہ ہو تو بعضوں نے کہا ہے کہ وہ مقیم ہو جاتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ مقیم نہیں ہوتا اور یہی اصح ہے اس لئے کہ معلوم ہونے سے پہلے حکم لازم ہو جانے میں حرج اور نقصان ہے اور وہ شریعت میں دفع کیا جاتا ہے غلام جب اپنے آقا کے ساتھ نکلے تو اس کو چاہئے کہ اس سے پوچھ لے اگر نہ بتا دے تو پوری نماز پڑھے اور اگر چند روز چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں قعدہ نہ کیا پھر اس کے مالک نے اس کو خبر دی کہ میں جب سے نکلا ہوں سفر کی نیت سے نکلا ہوں تو اصح یہ ہے کہ وہ اس کا عادہ نہ کرے اسی سبب سے جس کو ہم بیان کر چکے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر غلام اپنے مالک کی امامت کرے اور اس جماعت میں اور بھی مسافر ہوں اور ایک رکعت کے بعد مالک نے اقامت کی نیت کر لی تو اس کی نیت اس غلام کے حق میں صحیح ہے اور امام محمدؒ کے قول کے بموجب اور جماعت والوں پر اس کا حکم جاری نہ ہوگا پس غلام کو چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھے اور پھر مسافروں میں سے سلام پھیرنے کے واسطے کسی کو آگے بڑھا دے پھر غلام اور مالک کھڑے ہو کر اپنی نماز تمام کریں اور ہر ایک اس میں سے چار رکعتیں پڑھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مالک اپنی نیت غلام کو اس طرح بتا دے کہ غلام کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے پھر دو انگلیاں کھڑی کرے اور ان سے اشارہ کرے پھر چار انگلیاں کھڑی کرے اور ان چار انگلیوں سے اشارہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے اگر مسافر نماز میں وقت نماز کے اندر نیت اقامت کی کرے تو پوری نماز پڑھے خواہ منفرد ہو خواہ مقتدی خواہ مسبوق خواہ مدرک اور اگر لاحق ہو اور امام کے فارغ ہونے کے بعد اقامت کی نیت کی تو نماز پوری نہ پڑھے اور اگر امام کے فارغ ہونے سے پہلے اقامت کی نیت کی تو اگر لاحق نے اقامت کی نیت کے بعد کلام کر لیا ہے اور وقت نماز ابھی باقی ہے تو چار رکعتیں پڑھے اور اگر وقت نکل گیا ہے تو دو رکعتیں پڑھے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر وقت نکل گیا ہے اور وہ ابھی نماز میں ہے پھر اقامت کی نیت کی تو اس نماز میں فرض اس کے چار نہ ہوں گے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ مسافر نے اگر سلام کے بعد اقامت کی نیت کی اور اس پر سہو تھا تو اس نماز میں اس کی نیت صحیح نہ ہوگی اس واسطے کہ اس نے نماز سے نکلنے کے بعد اقامت کی نیت کی اور سجدہ سہو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے بموجب اس سے ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ اگر وہ سجدہ سہو کی طرف عود کرے گا تو فرض اس کے چار ہو جائیں گے اور سجدہ نماز کے اندر واقع ہوگا اس لئے نماز باطل ہو جائے گی اور اگر سہو کا سجدہ کر لیا اور پھر اقامت کی نیت اس کی صحیح ہے اور نماز اس کی چار رکعت ہو جائے گی خواہ ایک سجدہ کیا ہو یا دو سجدہ کئے ہوں اور اگر سجدہ کے اندر اقامت کی نیت کی تو بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ جب اس نے سجدہ کیا تو تحریمہ نماز پھر آ گیا اور وہ صورت ہو گئی کہ گویا اس نے اقامت کی نیت کے اندر کی ہے اگر کسی نماز کے اول وقت میں مسافر تھا اور وہ نماز اس نے قصر سے پڑھ لی پھر اسی وقت میں اقامت کی نیت کر لی تو اس نماز کا فرض نہ بدلے گا اور اگر نماز ابھی پڑھی نہیں یہاں تک کہ نماز کے آخر وقت میں اقامت کی نیت کی تو فرض اس کی چار رکعت ہو جائے گی اگر چہ وقت اس قدر باقی ہے جس میں پوری نماز نہیں پڑھ سکتا تھوڑی پڑھ سکتا ہے اور اگر وقت کے گزرنے کے بعد اقامت کی نیت کی تو سفر کی نماز کی قضا پڑھے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کسی شخص نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اسی وقت کے اندر سفر کیا پھر عصر کی نماز اپنے

وقت میں پڑھ پھر سفر کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے ترک کر دیا پھر یاد آیا کہ اس نے ظہر اور عصر کی نماز بے وضو پڑھی تھی تو ظہر کی دور کعتیں پڑھے اور عصر کی چار کعتیں پڑھے اور اگر ظہر و عصر کی نماز ایسے حال میں پڑھی کہ وہ مقیم تھا پھر آفتاب ڈوبنے سے پہلے سفر کیا پھر اس کو یاد آیا کہ اس نے ظہر اور عصر کو بے وضو پڑھا ہے تو ظہر کی چار رکعت اور عصر کی دو رکعت قضا کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے کسی مسافر نے اور مسافروں کی امامت کی اور امام کو حدث ہو گیا اور اس نے کسی مسافر کو خلیفہ کر دیا اور اس نے اقامت کی نیت کر لی تو مقتدی کا فرض نہ بدلے گا اور اگر پہلے امام نے اقامت کی نیت بعد حدث کے مسجد کے نکلنے سے پہلے کر لی تو اس کی اور تمام قوم کی فرض کی چار کعتیں ہو جائیں گی یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ کسی مسافر نے مسافر سے اقتدا کیا پھر امام کو حدث ہوا اور اس نے کسی مقیم کو خلیفہ کر دیا تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنا لازم نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر مسافر نے مقیم سے اقتدا کیا تو چار کعتیں پوری پڑھے اور اگر نماز کو فاسد کر دیا تو دو کعتیں پڑھے اور اگر یہ نیت نفل اقتدا کیا پھر اس نماز کو فاسد کر دیا تو چار کعتیں لازم آئیں گی یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر امام مسافر تھا اور مقتدی مقیم تھے تو امام دو کعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے اور مقتدی اپنی نماز پوری کریں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور وہ سب مسبوق کی طرح منفرد ہو گئے لیکن وہ اصح قول کے بموجب قرأت نہیں پڑھیں گے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ کہہ دے کہ اپنی نمازیں پوری کر لو میں مسافر ہوں یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ بادشاہ اگر سفر کرے تو قصر کی نماز پڑھے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ جمعہ کے روز زوال سے پہلے اور بعد سفر کے واسطے نکلنا مکروہ نہیں اور اگر وہ جانتا ہو کہ میں اپنے شہر سے جمعہ کا وقت گذر جانے کے بعد نکلوں گا تو جمعہ کو حاضر ہونا اس کو واجب ہے اور جمعہ کے ادا کرنے سے پہلے نکلنا مکروہ ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ عورت تین دن یا زیادہ کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے اور وہ لڑکا جو ابھی بالغ نہیں ہے اور ایسے ہی وہ شخص جو خفیف العقل ہو محرم نہیں ہوتا اور بہت بوڑھا جس کی عقل درست ہو محرم ہے یہ محیط کے کتاب الاستحسان و الکراہت میں لکھا ہے جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہو تو اگرچہ نیت اقامت کی نہ کرے مگر نماز پوری پڑھے خواہ وہاں اپنے اختیار سے آیا ہو خواہ کسی ضرورت سے آیا ہو یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے عامہ مشائخ کا قول ہے کہ وطن تین قسم ہے ایک وطن اصلی اور وہ اس کے پیدا ہونے کی جگہ ہے یا وہ شہر جہاں اس کے اہل و عیال ہوں دوسرا وطن سفر اور اس کا نام وطن اقامت ہے اور وہ وہ شہر ہے کہ جہاں مسافر چند دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے اور تیسرا وطن سکنا اور وہ وہ شہر ہے جہاں مسافر چند دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے اور ہمارے مشائخ میں سے محققین کا یہ قول ہے کہ وطن وہیں ایک وطن اصلی دوسرے اقامت وطن سکنا کا انھوں نے اعتبار نہیں کیا یہی صحیح ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے جب پہلے شہر سے مع اپنی زوجہ کے منتقل ہو جائے اور اگر مع اپنی زوجہ کے منتقل نہ ہو اور دوسرے شہر میں دوسرا نکاح کر لے تو پہلا وطن باطل نہ ہوگا اور دونوں میں پوری نماز پڑھے گا اور وطن اصلی سفر کرنے اور وطن اقامت سے باطل نہیں ہوتا وطن اقامت وطن اقامت سے اور سفر کرنے سے اور وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر وطن اصلی سے مع اپنے اہل و عیال اور سامان کے کسی شہر کو اٹھ گیا لیکن پہلے شہر میں اس کا گھر اور زمین باقی ہیں تو کہا گیا ہے کہ پہلا شہر اس کا وطن باقی رہے گا امام محمد نے اپنی کتاب میں اس طرف اشارہ کیا ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے وطن اصلی کے لئے اول سفر ہونا شرط نہیں ہے اس لئے کہ وہ بالا جماع وطن اصلی ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور وطن اقامت کے مقرر کرنے سے پہلے سفر کی شرط ہونے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وطن اقامت تین دن کے سفر کے بعد مقرر ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ تین دن کے سفر سے پہلے بھی ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے اور اس کے اہل و عیال کے درمیان میں تین دن کا فاصلہ نہ ہو یہی ظاہر روایت ہے یہ بحر الرائق میں و شرح منیہ امیر الحاج میں ہے مسافر کو اگر چوروں اور

ذکوٰؤں کا خوف ہو اور فیتوں کے آجانے کا بھی گمان نہ ہو تو اس کو نماز میں تاخیر کرنا جائز ہے اس لئے کہ وہ معذور ہے یہ فتاویٰ غرائب میں لکھا ہے اور اسی بیان سے ملتے ہوئے ہیں سواری پر اور کشتی میں نماز پڑھنے کے مسئلے شہر سے باہر جانور پر سوار ہو کر نفل پڑھنا جائز ہے اور جدھر کو جانور جاتا ہو ادھر ہی کو اشارہ کر لے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور جانور کا جس طرف کورخ ہے اگر اس کی دوسری طرف کو نماز پڑھی تو جائز نہ ہوگی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہر کے اندر جانور پر سوار ہو کر نماز پڑھنا جائز نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ شہر سے باہر نکلنے کے بعد مسافر اور غیر مسافر برابر ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی زمینوں کو جاتا ہو اور مسافر نہ ہو تو اس کو جانور پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ شہر سے باہر نکلنے کی حد کہا ہے اور اصح یہ ہے کہ جو مسافر کے واسطے قصر کے جواز کی حد ہے وہی حکم اس مسئلہ میں ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور سواری پر نماز پڑھنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اشاروں سے نماز پڑھے یہ نصاب میں لکھا ہے اور جتہ میں ہے کہ یہ یا پالان پر بیٹھ کر نماز پڑھے اور قرأت پڑھے اور رکوع اور سجدہ کرے اور تشهد پڑھے اور سلا۔ پھرے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے

اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے مگر کسی چیز پر اپنا سر نہ رکھے خواہ جانور چلتا ہو یا کھڑا ہو یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر کوئی چیز اس کے پاس رکھی ہو اس پر سجدہ کرے یا جانور کی زین پر سجدہ کرے یہ جائز نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جس جانور پر چاہے اشارہ سے نماز پڑھے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور قبلہ کی طرف نماز شروع کرے یا قبلہ سے پیٹھ پھیرے ہوئے نماز شروع کرے سب صورتوں میں ہمارے نزدیک ایک حکم ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اور جتہ میں ہے کہ یہی مختار ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور جدا جدا نماز پڑھیں اگر جماعت سے نماز پڑھیں گے تو امام کی نماز پوری ہوگی اور جماعت کی نماز فاسد ہوگی یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جب جانور پر شہر سے باہر نماز پڑھتا ہو تو کیا اس کو جانور کا ہانکنا جائز ہے شیخ الامام نے شرح السیر میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے اگر جانور اپنے آپ چلتا ہو تو اس کا ہانکنا جائز نہیں اور اگر اپنے آپ نہ چلتا اور اس کو کوڑے سے ڈر دے یا مارے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ نفل قلیل ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے سنت مؤکدہ نفل کے حکم میں ہے جانور پر جائز ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اگر نفل نماز جانور پر شہر سے باہر شروع کی پھر نماز سے فارغ ہونے سے پہلے شہر میں داخل ہو گیا تو اکثر کا مذہب یہ ہے کہ وہ سواری سے اتر کر نماز کو پوری کرے یہی اختیار کیا گیا یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اگر نفل نماز زمین پر شروع کی اور سواری میں اس کو تمام کیا تو جائز نہیں اور اگر سواری پر شروع کی اور اتر کر تمام کیا تو جائز ہے یہ متون میں لکھا ہے۔ دو شخص ایک محس میں سوار ہیں اور نفل میں ایک دوسرے کا اقتدا کر لے تو جائز ہے۔ اور اس طرح حالت ضرورت میں فرض میں بھی جائز ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے خواہ اس محل کے ایک ہی جانب دونوں ہوں خواہ دو جانبوں میں ہوں اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی ایسی چیز حائل نہیں جو اقتدا کی مانع ہو اور اگر ہر ایک جدا جدا جانور پر سوار ہو تو مقتدی کی نماز جائز نہ ہوگی اس واسطے کہ دونوں جانوروں کے درمیان میں راستہ چلتا ہوا ہے اور وہ صحت اقتدا کا مانع ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے فرض نماز جانور پر جائز نہیں مگر عذر سے جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اس طرح واجب نمازیں جن سے وتر و نذر کی نماز اور وہ نماز جو شروع کر کے فاسد کر دی اور جنازہ کی نماز اور جو آیتہ سجدہ زمین پر پڑھی تھی اس کا سجدہ تلاوت سواری پر جائز نہیں مگر عذر میں جائز ہے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور مجملہ عذروں کے یہ ہے کہ جانور سے اترنے میں اپنی جان پر یا کپڑوں پر یا

۱۔ نہیں اقوال یہ احوط ہے اور حدیث عمر سے شہر میں بھی جواز نکلتا ہے ۱۲

۲۔ اشاروں یعنی رکوع سے سجدہ کا اشارہ جھکا ہوا اور یہی صحیح ہے کمافی استخاصہ اور یہی طراد الحجہ ہے ۱۲

۳۔ اسی سے صاحبین نے کہا ہے کہ وتر سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضرت نے سواری پر ادا فرمائی ہے ۱۲

جانور پر یا چور یا درندہ یا دشمن کا خوف ہو یا جانور کہ ایسا شریہ ہو کہ اگر اس پر سے اترے تو بغیر دوسرے کی مدد سے چڑھ نہ سکے گا یا بہت بوڑھا ہو کہ ضعف کی وجہ سے خود نہیں چڑھ سکتا اور دوسرا کوئی چڑھانے والا نہیں یا تمام زمین میں کیچڑ ہو کہیں خشک جگہ نماز کے واسطے نہ ہو یہ محیط میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب کیچڑ اس قدر ہو کہ جس میں اس کا منہ دھس جائے اور اگر اس قدر نہ ہو لیکن زمین تر ہو تو زمین پر نماز پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جب ان عذروں کی وجہ سے فرض نماز سواری پر پڑھے تو پھر جب اترنا ممکن ہوگا تو نماز کا اعادہ لازم نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے معذور کو اگر جانور کا روکنا ممکن ہو تو جانور کو روک کر اشاروں سے نماز پڑھے اور اگر نہ روکے گا تو نماز جائز نہ ہوگی یہ مضمرات میں لکھا ہے۔ گاڑی اگر ایک طرف سے جانور کے اوپر ہو اور وہ چلتی ہو یا نہ چلتی ہو تو اس میں نماز کا وہی حکم ہے جو جانور پر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اگر کسی طرف سے جانور پر نہ ہو تو بمنزلہ تخت کے ہے اور اس طرح اگر اپنے محل کے نیچے ایک لکڑی گاڑھے جس سے وہ زمین پر ٹھہر جائے جانور پر نہ ہو تو وہ بمنزلہ زمین کے ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔

جانور پر اگر نجاست ہو تو کچھ حرج نہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر زمین پر یا رکابوں پر نجاست ہوگی تو مانع نماز ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر صرف رکابوں پر ہے تو مانع نماز نہیں اور اصح یہ ہے کہ نجاست خواہ زمین پر ہو یا رکابوں پر کہیں مانع نماز نہیں یہ عینی شرح کنز میں لکھا ہے۔ کشتی میں نماز پڑھی تو مستحب یہ ہے کہ اگر قادر ہو تو فرض نماز کے واسطے کشتی سے باہر نکلے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر کشتی چلتی ہو اور قیام پر قادر ہو اور پھر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں اور اگر کشتی بندھی ہوئی ہو چلتی نہ ہو تو اس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاجماع جائز نہیں یہ تہذیب میں لکھا ہے اور اگر کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور وہ بندھی ہوئی اور زمین پر ٹھہری ہوئی ہو تو جائز ہے اور اگر زمین پر ٹھہری ہوئی نہ ہو اور اس سے باہر نکلنا ممکن ہے تو نماز اس میں جائز نہ ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر دریا کے اندر ٹھہری ہوئی ہے اور وہ ہلتی ہے تو اصح یہ ہے کہ اگر ہو اس کو بہت ہلاتی ہو تو وہ چلتی ہوئی کے حکم میں ہے اور اگر تھوڑا ہلاتی ہے تو ٹھہری ہوئی کے حکم میں ہے یہ ترمذی میں لکھا ہے۔ اگر ایسی حالت ہو کہ اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو دوران سر پیدا ہوگا تو کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاجماع جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ کشتی میں نماز شروع کرتے وقت قبلہ کو منہ کرنا لازم ہے یہ کافی کے باب صلوة المریض میں لکھا ہے اور جب کشتی گھومے تو نماز پڑھنے والا منہ اپنا قبلہ کو پھیرے اور اگر باوجود قدرت کے منہ نہ پھیرے گا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اگر کشتی میں اشاروں سے نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ پر قادر ہے سب کے قول کے بموجب نماز جائز نہ ہوگی یہ مضمرات کے باب صلوة المسافر میں لکھا ہے۔ اگر کشتی کے اندر اقامت کی نیت کرے تو مقیم نہ ہوگا کشتی کے مالک اور ملاح کے لئے بھی یہی حکم ہے لیکن کشتی اگر اس کے شہر یا گاؤں سے قریب ہو تو اس وقت اصلی اقامت کی وجہ سے مقیم ہو جائے گا یہ محیط میں لکھا ہے ولوالجہ میں ہے کہ اگر مقیم نے حالت اقامت میں کشتی میں نماز پڑھی جو دریا کے کنارے پر لگی ہوئی تھی پھر وہ کشتی ہوا کی وجہ سے چل نکلی اور وہ کشتی کے اندر نماز پڑھتا ہے اور اس وقت اس نے سفر کی نیت کر لی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ مقیم کی طرح پوری نماز پڑھے گا اور حجۃ میں ہے کہ فتویٰ احتیاطاً امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے اور عتابیہ میں ہے کہ اگر مسافر نے کشتی کے اندر شہر سے باہر نماز شروع کی اور اسی حالت میں کشتی چلتے چلتے شہر کے اندر داخل ہو گئی تو وہ پوری چار رکعتیں پڑھے گا یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے جو شخص کشتی کے اندر ہو اس کو اس شخص سے جو دوسری کشتی میں نماز پڑھتا ہو اقتدا جائز نہیں لیکن اگر دونوں کشتیاں ملی ہوئی ہوں دوسری میں کود سکتا ہے تو دونوں کشتیاں ملی ہوئی کے حکم میں ہیں اور دونوں گروہوں کی نماز جائز ہو جائے گی یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور جو شخص زمین پر کھڑا ہو وہ کشتی کے امام کے پیچھے اقتدا کرے یا جو کشتی میں ہو وہ زمین والے امام کا اقتدا کرے تو اگر ان کے درمیان میں راستہ ہے یا کچھ نہر ہے تو اقتدا جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اور اگر کشتی کے

سائبان پر کھڑا ہو کر اس امام سے اقتدا کیا جو کشتی میں ہے تو اس کا اقتدا صحیح ہے لیکن اگر امام سے آگے ہو گیا تو صحیح نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اگر نماز کے اندر کشتی کو باندھے تو از سر نو نماز پڑھے اس لئے کہ وہ عمل کثیر ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

## سو لو باب

### جمعہ کی نماز کے بیان میں

جمعہ کی نماز فرض عین ہے یہ تہذیب میں لکھا ہے جمعہ کے واجب ہونے کے لئے نماز پڑھنے والے میں چند شرطیں ہونی چاہیں آزاد ہونا اور سرد ہونا اور تندرست ہونا یہ کافی میں لکھا ہے اور چلنے پر قادر ہونا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور بیٹا ہونا یہ تہذیب میں لکھا ہے پس غلام پر اور عورتوں پر اور مسافر پر اور مریض پر جمعہ واجب نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے لنگڑے پر بالا جماع جمعہ واجب نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر اس کو کوئی اٹھا کر لے جائے والا ہو تو بھی اس پر جمعہ واجب نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے اور اندھے کا اگر چہ کوئی ہاتھ پکڑ کر لے جائے والا ہو تو بھی اس پر جمعہ واجب نہیں یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور بہت بوڑھا جو ضعیف ہو گیا ہے وہ مریض کے حکم میں ہے اس پر بھی جمعہ واجب نہیں اور اگر مینہ بہت برستا ہو یا کوئی شخص بادشاہ ظالم کے خوف کی وجہ سے چھپا ہوا ہو تو جمعہ ساقط ہو جاتا ہے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے مالک کو اختیار ہے کہ غلام کو جمعہ اور جماعت عیدین میں جانے سے منع کرے اور مکاتب پر جمعہ واجب ہے اگر غلام تھوڑا آزاد ہو گیا ہو اور باقی کے واسطے کوشش کرتا ہو تو اس پر بھی جمعہ واجب ہے اور غلام زون اور اس غلام پر جو روزانہ کچھ ادا کرتا ہو جمعہ واجب نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اس غلام میں جو جامع مسجد کے دروازہ پر اپنے مالک کے جانور کی حفاظت کے واسطے ہو اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ اگر جانور کی حفاظت میں خلل نہ ہو تو جمعہ پڑھے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔ آقا کو اختیار ہے کہ اپنے نوکر کو جمعہ میں جانے سے منع کرے یہ قول امام ابو حفص کا ہے اور ابو علی و قاق نے کہا ہے کہ شہر کے اندر اس کو منع کرنا جائز نہیں لیکن اگر جامع مسجد دور ہوگی تو اس وقت اجرت ساقط ہو جائے گی جس قدر وہ جمعہ میں مشغول ہوا ہے اور اگر دور نہ ہوگی تو کچھ اجرت ساقط نہ ہوگی اور جو اجرت کم ہوگی اس کے مطالبہ کو اجیر کا اختیار نہ ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے اور ظاہر متون سے وقاق کا قول ثابت ہوتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے جس شخص پر جمعہ واجب نہیں ہے اگر وہ اس کو ادا کرے گا تو اس وقت کا فرض ادا ہو جائے گا یہ کنز میں لکھا ہے اور جمعہ کے ادا ہونے کی چند شرطیں ہیں جو نماز پڑھنے والے سے خارج ہیں منجملہ ان کے مصر ہے یہ کافی میں لکھا ہے مصر ظاہر روایت کے بموجب وہ جگہ ہے جہاں مفتی اور قاضی ہو جو حدود کو قائم کرے اور احکام جاری کرے اور کم سے کم اس کی آبادی منا کے برابر ہو۔ یہ ظہیر یہ میں اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ اسی پر اعتماد ہے یہ تاتار خانیہ میں لکھا ہے اور حدود کے قائم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان پر قدرت ہو یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اور جس طرح جمعہ کا ادا کرنا مصر میں جائز ہے اس طرح اس کا ادا کرنا فنائے مصر میں جائز ہے اور فنائے مصر وہ مقام ہے جو مصر کی مصلحتوں کے واسطے اس کے متصل مقرر کیا جائے اور جو شخص ایسی جگہ مقیم ہو کہ اس کے اسر شہر کے درمیان میں تھوڑا سا فاصلہ ہو جائے اور اس میں کھیت اور چراگاہ ہوں جیسے کہ بخارا کا قلعہ ہے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ واجب نہ ہوگا اگر چہ اذان کی آواز وہاں تک پہنچتی ہو ایک میل یا کئی میلوں کے فاصلہ کا کچھ اعتبار نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے فقیہ ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت کی ہے اور شمس الائمہ حلوانی نے اسی کو اختیار کیا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے گاؤں کا رہنے والا آدمی جب شہر میں داخل ہو اور جمعہ کے دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس پر جمعہ لازم ہو جائے گا کیونکہ اس دن کے واسطے وہ بھی اس شہر کے رہنے والوں کے حکم میں ہے اور اگر یہ نیت کرے کہ اسی دن جمعہ کا وقت داخل ہونے سے پہلے یا بعد



چلا جائے گا تو اس پر جمعہ واجب نہیں لیکن اگر جمعہ پڑھ لے گا تو اجر پائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان اور تجنیس اور محیط میں لکھا ہے اور گاؤں اور جنگلوں کے رہنے والے جن پر جمعہ واجب نہیں ہے ان کو جائز ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت اور اذان اور اقامت سے پڑھیں اور مسافر اگر جمعہ کے روز شہر میں نماز پڑھیں تو جدا جدا نماز پڑھیں اور یہی حکم ہے شہر والوں کے لئے اگر جمعہ ان سے فوت ہو جائے اور قیدیوں اور مریضوں کے لئے اور جماعت سے نماز پڑھنا ان کو مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منامیں موسم حج میں خلیفہ یا امیر حجاز کو جمعہ قائم کرنا جائز ہے امیر موسم کو جائز نہیں یہ وقایہ میں لکھا ہے خواہ امیر موسم مسافر ہو یا مقیم ہو لیکن اگر امیر عراق یا امریکہ کی طرف سے اس کو اذن ہو تو جائز ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر وہ مقیم ہو تو جائز ہے اور مسافر ہو تو جائز نہیں اور صحیح پہلا قول ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور اس موسم کے سوا اور دنوں میں وہاں جمعہ جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ عرفات میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں یہ کافی میں لکھا ہے ایک شہر میں جمعہ کئی مقاموں میں ادا ہو سکتا ہے اور یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا ہے اور یہی اصح ہے امام سرخسی نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب یہی ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر جمعہ کے روز بارش بہت ہو تو لوگ اگر جمعہ میں حاضر نہ ہوں تو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

جس مقام میں جمعہ کے جائز ہونے میں شک ہو اس وجہ سے کہ اس کے مصر ہونے میں شک ہو یا اور کوئی وجہ ہو اور وہاں کے لوگ جمعہ قائم کریں تو چاہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعتیں ظہر کی نیت سے پڑھ لیں تاکہ اگر جمعہ اپنے موقع پر واقع نہ ہو تو اس وقت کا فرض یقیناً ادا ہو جائے یہ کافی میں لکھا ہے اور یہ محیط میں لکھا ہے پھر اس کی نیت میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ یہ نیت کرے کہ آخر ظہر جو میرے ذمہ ہے پڑھتا ہوں اور یہ احسن ہے اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ یوں کہے کہ نیت کرتا ہوں آخر ظہر کی جس کا وقت میں نے پایا اور نماز ابھی تک نہیں پڑھی یہ قیہ میں لکھا ہے اور فتاویٰ آہو میں ہے کہ جمعہ کے بعد جو ہمارے ملک چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں ان چاروں میں الحمد اور سورۃ پڑھنا چاہئے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے سلطان ہے عادل ہو یا ظالم یہ تاتارخانیہ میں نصاب سے نقل کیا ہے یا وہ شخص جس کو سلطان نے حکم کیا ہے اور وہ امیر ہے یا قاضی یا خطیب یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے یہاں تک کہ جمعہ کا قائم کرنا بغیر حکم سلطان یا نائب سلطان کے جائز نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے کسی شخص نے جمعہ کے روز بغیر اذن امام کے خطبہ پڑھا اور امام حاضر ہے تو یہ جائز نہیں لیکن اگر امام نے حکم کیا ہو تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر امیر بیمار ہو اور اس کا کو تو ال نماز پڑھائے تو جائز نہیں لیکن اس کے اذن سے پڑھا دے تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں جامع الجوامع سے نقل کیا ہے غلام اگر کسی ضلع کا حاکم ہو جائے اور جمعہ پڑھا دے تو جائز ہے یہ خلاصہ لکھا ہے۔ جمعہ کی نماز ایسے شخص کے پیچھے جو بطور تغلب حاکم ہو گیا ہو اور خلیفہ کی طرف سے اس کے پاس فرمان نہ وہ اگر خصلت اس کی مثل امرا کے ہو اور اپنی پر احکام بطور ولایت جاری کرتا ہو تو جائز ہے۔ عورت اگر بادشاہ ہو تو جمعہ کے قائم کرنے کے واسطے اس کو حکم کرنا جائز ہے خود اس کو جمعہ پڑھانا جائز نہیں یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔ صحیح ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ صاحب شرط یعنی جو شہنہ اور والی اور قاضی کے نام سے مشہور ہوتا ہے جمعہ قائم نہ کرے کیونکہ اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا لیکن اگر یہ کام ان کے ذمہ ہے اور ان کے فرمان میں درج ہو تو جائز ہے یہ غیثیہ میں لکھا ہے کسی شہر کا والی مر گیا ہو اور اس مرے ہوئے کا خلیفہ یا صاحب شرط یا قاضی نماز پڑھائے تو جائز ہے اور اگر وہاں ان میں سے کوئی نہ ہو اور سب آدمی ایک شخص کو جمع ہو کر مقرر کریں اور وہ نماز پڑھائے تو جائز ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور اگر امام سے اذن نہ لے سکیں اور سب آدمی جمع ہو کر ایک شخص کو مقرر کر لیں اور وہ جمعہ پڑھا دے تو جائز ہے کہ تہذیب میں لکھا ہے۔ اگر خلیفہ مر گیا اور اس کی طرف سے والی اور امیر مسلمانوں کے انتظام کے واسطے مقرر تھے تو جب تک وہ معزول نہ کئے جائیں گے اس طرح ولایت پر باقی رہیں گے اور جمعہ قائم کریں گے یہ محیط

سرخسی میں لکھا ہے امیر کا خطبہ کے واسطے اذن دینا جمعہ کے واسطے دینا خطبہ کے واسطے اذن دینا ہے اگر امیر کسی کو یہ حکم دے کہ خطبہ پڑھ اور نماز نہ پڑھا تو اس کو نماز پڑھانا جائز ہے یہ زہدی میں لکھا ہے اور اگر کوئی لڑکا یا نصرانی کسی شہر کا حاکم ہو جائے پھر وہ نصرانی مسلمان ہو جائے یا لڑکا بالغ ہو جائے تو جب تک خلیفہ کی طرف سے نیا حکم نہ ملے تب تک وہ جمعہ قائم نہیں کر سکتے لیکن اگر پہلے ہی سے خلیفہ نے نصرانی کو بشرط اسلام اور لڑکے کو بعد بلوغ جمعہ پڑھانے کی اجازت دیدی ہو تو نئے حکم کی حاجت نہیں یہ تہذیب میں لکھا ہے۔ خلیفہ اگر سفر کرے اور گاؤں میں ہو تو وہاں اس کو جمعہ پڑھنا جائز نہیں اور اگر اپنی ولایت کے کسی شہر میں گزرے اور مسافر ہو تو جائز ہے اس لئے کہ غیروں کی نماز نہ اس کے اذن سے جائز ہوتی ہے پس اس کی نماز بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی اگر امام نے کسی جگہ کو مقرر کیا پھر وہاں سے دشمن کے خوف یا اور کسی وجہ سے لوگ بھاگ گئے پھر چند روز بعد وہاں آگئے تو جب تک نیا اذن امام کی طرف سے نہ ہوگا جمعہ قائم نہ کریں گے۔ اگر بادشاہ کسی شہر والوں کو جمعہ پڑھنے سے منع کرے تو وہ جمعہ نہ پڑھیں فقہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب بادشاہ کسی مصلحت کی وجہ سے یہ حکم کرے اور یہ ارادہ کرے کہ آئندہ کو وہ شہر مصر نہ رہے لیکن اگر دشمنی سے یا وہاں کے لوگوں کو ضرر پہنچانے کے واسطے یہ حکم کرے تو ان کو اختیار ہے کہ کسی شخص پر اتفاق کر کے جمعہ پڑھ لیں یہ ظہیر میں لکھا ہے۔ امام جب معزول ہو جائے تو جب تک کہ کتبہ اس کی معزولی کا نہ آجائے یا دوسرا امیر اس کے اوپر مقرر ہو کر نہ آئے اس کو جمعہ پڑھانا جائز ہے اور جب کتبہ اس کی معزولی کا آجائے یا دوسرا امیر کا آجانا معلوم ہو جائے تو جمعہ پڑھانا اس کا باطل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر امام نے جمعہ کی نماز شروع کر دی پھر دوسرا اولیٰ یا امام مقرر کر دیا تو وہ اس طرح نماز پڑھاتا رہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ جن شہروں کے والی کافر ہوں وہاں مسلمانوں کا جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر ہو سکتا ہے اور وہاں کے لوگوں پر واجب ہے کہ مسلمان والی مقرر کرنے کی جستجو کرتے رہیں یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے ظہر کا وقت ہے اگر جمعہ کی نماز کے اندر ظہر کا وقت خارج ہو جائے تو جمعہ فاسد ہو جائے گا اور اگر بقدر تشہد قعدہ کرنے کے بعد وقت خارج ہو تو بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ جمعہ پڑھنے والے کو جائز نہیں کہ اس پر ظہر کی نماز بنا کرے کیونکہ دونوں نمازیں مختلف ہیں تبیین میں لکھا ہے۔ مقتدی اگر جمعہ کی نماز میں سو جائے اور وقت کے خارج ہونے کے بعد ہوشیار ہو تو نماز اس کی فاسد ہوگئی اور اگر امام کے فارغ ہونے کے بعد ہوشیار ہو اور وقت ابھی باقی ہے تو جمعہ پورا کر لے محیط میں لکھا ہے۔

اور منجملہ ان کے قبل نماز کے خطبہ ہے اگر بلا خطبہ کے جمعہ پڑھیں یا وقت سے پہلے خطبہ پڑھ لیں تو جائز نہیں یہ کافی میں لکھا ہے۔ خطبہ میں فرض بھی ہیں اور سنتیں بھی ہیں۔ فرض خطبہ میں دو ہیں اول وقت اور وہ زوال کے بعد اور نماز سے پہلے ہی پس اگر زوال سے پہلے یا نماز کے بعد خطبہ پڑھا تو جائز نہیں یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے دوسرا فرض ذکر اللہ کا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور الحمد یا لا آله الا اللہ یا سبحان اللہ پڑھنا کافی ہے یہ متون میں لکھا ہے یہ اس وقت ہے کہ جب خطبہ کے قصد سے پڑھیں لیکن اگر چھینکا اور الحمد اللہ یا سبحان اللہ پڑھایا کسی چیز پر تعجب آنے کی وجہ سے لا الہ الا اللہ پڑھا تو بالا جماع خطبہ کا قائم مقام نہ ہوگا یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر تہا خطبہ پڑھایا عورتوں کے سامنے پڑھا تو صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے اور اگر ایک یا دو آدمیوں کے سامنے خطبہ پڑھے اور تین آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھے تو جائز ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر خطبہ پڑھے اور سب لوگ سوتے ہیں یا سب بہرے ہوں تو جائز ہے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور سنتیں خطبہ میں پندرہ ہیں اول طہارت محدث اور جب کو خطبہ پڑھنا مکروہ ہے دوسرے کھڑے ہونا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ پڑھے تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے

تیسرے قوم کی طرف متوجہ ہونا چوتھے خطبہ سے پہلے اپنے دل میں اعوذ باللہ پڑھ لینا یا نچویں قوم کو خطبہ سنانا اور اگر نہ سنا دے تو جائز ہے چھٹے الحمد للہ سے شروع کرنا ساتویں اللہ کی وہ تعریف کرنا جو اس کے لائق ہے آٹھویں الشہدان الا الہ الا اللہ والشہدان محمد الرسول اللہ پڑھنا نویں نبی علیہ السلام پر درود پڑھنا۔ دسویں وعظ اور نصیحت کا ذکر کرنا۔ گیارہویں قرآن پڑھنا اور اس کا چھوڑنا بری بات ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور خطبہ میں پڑھنے کی مقدار میں چھوٹی تین آیتیں ہیں یا بری ایک آیت یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ بارہویں اللہ کی حمد و ثنا اور نبی علیہ السلام کے درود کا دوسرے خطبہ میں اعادہ کرنا۔ تیرہویں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کی زیادتی کرنا چودھویں خطبہ میں تخفیف کرنا کہ طوالمفصل میں سے کسی سورۃ کے برابر ہے اس سے زیادتی مکروہ ہے پندرہویں دونوں خطبوں کے درمیان میں بیٹھنا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے دونوں خطبوں میں بیٹھنے کی مقدار ظاہر روایت میں بقدر تین آیت کے پڑھنا یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے فتاویٰ سے نقل کیا ہے شمس الائمہ سرخسی نے دونوں خطبوں میں بیٹھنے کی مقدار میں یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ میں اطمینان سے بیٹھ جائے اور اس کے سب اعضا اپنے مقام میں ٹھہر جائیں اس سے اور زیادہ نہ کرے اور کھڑا ہو جائے تا تاریخانیہ میں لکھا ہے مختار وہی ہے جو شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہ غیاشیہ میں لکھا ہے اور اصح یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ کا چھوڑنا برا ہے یہ قنویہ میں لکھا ہے۔

خطبہ سے پہلے بیٹھنا سنت ہے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے خطیب میں شرط یہ ہے کہ وہ جمعہ کی امامت کی لیاقت رکھتا ہو یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اور سنت ہے کہ خطیب باقتداء رسول اللہ ﷺ کے منبر پر خطبہ پڑھے اور مستحب ہے کہ خطیب اپنی آواز بلند کرے اور دوسرے خطبہ میں جبر بہ نسبت پہلے خطبہ کے کم ہو یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور چاہئے کہ دوسرا خطبہ اس طرح شروع ہو الحمد للہ الحمد و نستعینہ الخ اور خلفاء راشدین اور رسول اللہ ﷺ کے دونوں چچا کا ذکر مستحسن ہے اس طرح برابر معمول چلا آتا ہے یہ تجنیس میں لکھا ہے خطیب کے لئے خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے لیکن امر معروف کرے تو جائز ہے فتح القدر میں لکھا ہے۔ خطیب کے سوا اور شخص کو نماز پڑھانا نہ چاہئے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر امام کو خطبہ پڑھنے کے بعد حدث ہو گیا اور کسی اور شخص کو خلیفہ کیا تو اگر وہ شخص خطبہ میں حاضر تھا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور اگر نماز میں داخل ہونے کے بعد حدث ہو تو ہر شخص کو خلیفہ کرنا جائز ہے یہ تہذیب میں لکھا ہے جس وقت امام خطبہ پڑھنے کے واسطے نکلے تو نماز نہ پڑھیں نہ کلام کریں اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ امام کے نکلنے کے بعد اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور ایسے ہی خطبہ تمام کرنے کے بعد اور نماز سے پہلے مضائقہ نہیں یہ کافی میں لکھا ہے خواہ ایسا کلام ہو جیسے آدمی آپس میں باتیں کیا کرتے ہیں خواہ سبحان اللہ پڑھنا یا چھینک یا سلام کا جواب دینا ہو یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ لیکن فقہ کو سمجھنا اور فقہ کی کتابوں پر نظر کرنا ہر اس کو لکھنا ہمارے بعض اصحابوں کے نزدیک مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر زبان سے کلام نہ کرے اور ہاتھ یا سر یا آنکھوں سے اشارہ کرے مثلاً کسی کو برا کام کرتے دیکھا اور اس کو ہاتھ سے منع کیا یا کوئی خبر سنی اور سر سے اشارہ کر دیا تو صحیح یہ ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور اس وقت نبی علیہ السلام پر درود مکروہ ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور خطبہ سننے میں جو شخص امام سے دور ہو وہ مثل قریب کے ہے اور اس کے حق میں بھی خاموش رہنے کا حکم ہے اور یہی مختار ہے یہ جوہر اخلاطی میں لکھا ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ قرآن پڑھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ساکت رہے اور یہی اصح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے جو نماز میں حرام ہے وہ خطبہ میں بھی حرام ہے یہاں تک کہ جب امام خطبہ پڑھتا ہو تو کچھ کھانا یا پینا نہ چاہئے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ خطیب کی طرف منہ کرنا مستحب ہے یہ اس وقت ہے کہ جب اس کے سامنے ہو اور اگر اس کے قریب یا داہنی یا بائیں طرف ہو تو اس کی طرف پھر کر سننے کو مستعد ہو کر بیٹھ جائے یہ خلاصہ

میں لکھا ہے اور عامہ مشائخ کا یہی قول ہے کہ قوم پر اول سے آخر تک خطبہ سننا واجب ہے اور امام سے قریب ہونا بہ نسبت دور ہونے کے افضل ہے ہمارے مشائخ کا جواب صحیح یہی ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور امام سے قریب ہونے واسطے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے اور ہمارے اصحاب میں سے فقیہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا تب تک پھلانگنا جائز ہے اور جب شروع کر دیا تو مکروہ ہے اس واسطے کہ مسلمان کو چاہئے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا آگے بڑھے اور محراب سے قریب ہوتا کہ پیچھے سے آنے والوں کے لئے گنجائش ہو اور امام سے قریب ہونے کی فضیلت حاصل کرے اور جب اول شخص نے یہ نہ کیا تو اپنا مکان بلا عذر ضائع کیا پس جو شخص بعد کو آیا اس کو اس جگہ کے لینے کا اختیار ہے اور جو شخص امام کے خطبہ پڑھنے میں ادائے اس کو چاہئے کہ مسجد میں اپنی جگہ پر بیٹھ جائے اس واسطے کہ چلنا اور آگے بڑھنا حالت خطبہ میں عمل ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

لیکن لوگوں سے سوال کرنے کے واسطے پھلانگنا سب حالتوں میں بالاجماع مکروہ ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور مختار یہ ہے کہ سائل اگر نماز پڑھنے والوں کے سامنے نہ گذرتا ہو اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگتا ہو اور لوگوں سے گڑگڑا کر نہ مانگتا ہو اور وہ چیز کا مانگتا ہو جو ضرور ہے تو اس کے مانگنے اور دینے میں مضائقہ نہیں اور اگر اس طریقہ کے موافق نہ ہو تو مسجد کے مانگنے والے کو دینا جائز نہیں یہ وجیز کروری میں لکھا ہے جب کوئی شخص خطبہ کے وقت حاضر ہو تو خواہ گھٹنے اٹھا کر خواہ چار زانو جیسے چاہے بیٹھ جائے اس واسطے کہ خطبہ حقیقت اور عمل میں نماز نہیں ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور جس طرح نماز میں بیٹھتے ہیں اس طرح بیٹھنا مستحب ہے یہ معراج الدار یہ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص نفل پڑھتا ہو اور امام نے خطبہ شروع کر دیا تو اگر اس نے سجدہ نہیں کیا ہے تو نماز کو قطع کر دے اور اگر سجدہ کر لیا تو دو رکعتوں کے بعد نماز قطع کرے یہ قدیہ میں لکھا ہے قوس پر یا عصا پر سہارا لگا کر خطبہ پڑھنا مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور یہی محیط سرخس میں لکھا ہے اور جو شہر تلوار سے فتح ہوئے ہیں ان میں خطیب تلوار گردن میں ڈال لے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے جماعت ہے اور کم سے کم اس میں امام کے سواتین آدمی ہونے چاہئیں یہ تبیین میں لکھا ہے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ سب لوگ خطبہ میں حاضر ہوں یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔ اگر امام نے جمعہ کا خطبہ پڑھا اور لوگ بھاگ گئے اور پھر دوسرے لوگ آئے اور ان کے ساتھ جمعہ پڑھا تو جائز ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔

جماعت والوں کے واسطے شرط یہ ہے کہ وہ امام ہونے کی لیاقت رکھتے ہوں اور اگر امام بننے کے لیاقت نہ رکھتے ہوں مثلاً عورتیں ہوں یا لڑکے ہوں تو جمعہ جائز نہ ہوگا یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اگر وہ غلام ہوں یا مسافر ہوں یا مریض ہوں یا امی ہوں گونگے ہو تو جمعہ صحیح ہو جائے گا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر امام نے جمعہ کی تکبیر کہی اور جماعت کے لوگ حاضر تھے مگر انہوں نے امام کے ساتھ نماز شروع نہ کی تو اصل میں مذکور ہے کہ اگر انہوں نے امام کے رکوع کے سر اٹھانے سے پہلے تکبیر کہی تو جمعہ صحیح ہے ورنہ از سر نو شروع کرے اور اس میں کچھ خلاف مذکور نہیں یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اور اگر انہوں نے امام کے ساتھ تکبیر کہی پھر بھاگ گئے اور مسجد سے نکل گئے پھر امام کے رکوع کے سر اٹھانے سے پہلے آگئے اور تکبیر کہی تو جمعہ جائز ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے جب امام نے تکبیر کہی اور اس کے ساتھ کچھ لوگ با وضو تھے مگر انہوں نے امام کے ساتھ تکبیر نہ کہی یہاں تک کہ ان کو حدت ہو گیا پھر وہ لوگ چلے گئے اور دوسرے لوگ آگئے تو بطور استحسان جمعہ جائز ہے اور اگر وہ اول سے یہی بے وضو تھے اور امام نے تکبیر کہی دی اور پھر اور لوگ آئے تو امام از سر تکبیر کہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر جماعت کے لوگ نماز شروع کرنے کے بعد اور سجدہ کرنے سے

پہلے (۱) بھاگ گئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ صحیح نہ ہوگا صاحبین کا اس میں (۲) خلاف ہے یہ تشریح میں لکھا ہے اور اگر جمعہ کرنے کے بعد بھاگ گئے تو ہمارے تینوں عالموں کے نزدیک جمعہ ہو جائے گا یہ مضمومات میں لکھا ہے اور مجملہ ان کے اذن عام ہے اور وہ یہ ہے کہ مسجد کے دروازے کھول دیئے جائیں اور سب لوگوں کو آنے کی اجازت ہو اور اگر کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر مسجد کے دروازے بند کر لیں اور جمعہ پڑھیں تو جائز نہیں ہے اور علیٰ ہذا اگر بادشاہ اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے گھر میں جمعہ پڑھنا چاہے اور دروازہ کھول دے اور اذن عام دیدے تو نماز جائز ہوگی خواہ اور لوگ آئیں یا نہ آئیں یہ محیط میں لکھا ہے لیکن مکروہ<sup>۲</sup> ہوگی یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور اگر سلطان گھر کا دروازہ نہ کھولے اور دربان بٹھائے تو جمعہ جائز نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ مسافر اور غلام اور مریض کو جائز ہے کہ جمعہ کے امام بنیں یہ قدوری میں لکھا ہے جس شخص کو کوئی عذر نہیں ہے وہ اگر جمعہ سے پہلے ظہر پڑھ لے تو مکروہ ہے یہ کنز میں لکھا ہے اور مریض اور مسافر اور قیدیوں کو امام کے جمعہ سے فارغ ہونے تک ظہر میں تاخیر کرنا مستحب ہے اگر تاخیر نہ کریں تو صحیح قول کے بموجب مکروہ<sup>۳</sup> ہے یہ وجہ کروری میں لکھا ہے۔ اگر ظہر کی نماز پڑھ لی پھر جمعہ کی طلب میں چلا گیا اگر امام کے ساتھ جمعہ عمل گیا تو ظہر کی نماز کی باطل ہوگئی خواہ معذور ہو جیسے مسافر، مریض، غلام خواہ غیر معذور ہو اگر جمعہ نہ ملا تو دیکھا جائے کہ جس وقت یہ گھر سے نکلا تھا اگر اس وقت امام فارغ ہو گیا تو بالا جماع ظہر باطل نہ ہوگی اگر اسکے گھر سے نکلتے وقت امام نماز میں تھا اور اسکے پہنچنے سے پہلے فارغ ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسکی ظہر باطل ہوگئی صاحبین کا خلاف ہے اور اگر اپنے گھر سے جمعہ کے ارادہ سے نہیں نکلا تو بالا جماع ظہر باطل نہ ہوگی یہ کافی میں ہے۔ اور اگر جس وقت جمعہ کے ارادے سے چلا اسی وقت امام فارغ ہو تو ظہر باطل نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر ظہر اپنے گھر میں پڑھ لی پھر جمعہ کی طرف متوجہ ہو اور ابھی تک امام نے جمعہ نہیں پڑھا لیکن دور ہونے کی وجہ سے اس کو جمعہ کے ملنے کی توقع نہیں تو فقہان کبھی کے قول کے بموجب اس کی ظہر باطل<sup>۴</sup> ہو جائے گی اور اگر جمعہ کی طرف متوجہ ہو اور ابھی تک امام نے کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر نماز نہیں پڑھی تو اس کی ظہر کے باطل ہونے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ باطل نہیں ہوتی اگر جمعہ کی طرف متوجہ ہو اور لوگوں نے جمعہ شروع کر دیا تھا لیکن وہ جمعہ کے تمام ہونے سے پہلے کسی حادثہ کی وجہ سے نکل گئے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اگر ظہر اس کی باطل ہو جائے گی یہ کفایہ میں لکھا ہے جمعہ کے واسطے چلنے میں معتبر یہ ہے کہ اپنے گھر سے جدا ہو جائے اور اس سے پہلے مختار قول کے بموجب ظہر باطل نہیں ہوتی یہ فتح القدر میں لکھا ہے اگر ظہر پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھا ہو تو بالا اتفاق یہ حکم ہے کہ جب تک امام کے ساتھ جمعہ نہ شروع کرے ظہر باطل نہیں ہوتی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر مریض اپنے گھر ظہر پڑھنے کے بعد اپنے مرض میں تخفیف پائے اور جمعہ کے لئے جائے اور جمعہ پڑھے تو وہ ظہر اس کی نفل ہو جائے گی یہ نہایت میں لکھا ہے جو شخص جمعہ کے تشہد یا سجدہ ہو میں شریک ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا جمعہ میں حاضر نہیں ہوئے تھے ظہر کی جماعت مکروہ ہوگی نواں والوں کو اذان اور اقامت سے ظہر کی جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے اس کو قاضی خان وغیرہ نے ذکر کیا ہے یہ شرح مختصر الوقایہ میں لکھا ہے جو ابوالکارم کی تصنیف ہے جمعہ کی اول اذان کے ساتھ بیچ کو چھوڑنا اور جمعہ کے واسطے چلنا واجب ہے اور طحاوی نے کہا ہے کہ خطبہ کی اذان کے وقت جمعہ کے واسطے سعی کرنا واجب ہوتا ہے اور بیچ مکروہ ہوتی ہے حسن بن زیاد نے کہا ہے کہ معتبر وہ اذان ہو جو منارہ پر ہو اور اصح یہ ہے کہ جو اذان قبل زوال کے ہو اس کا اعتبار نہیں اور زوال کے بعد جو پہلے اذان ہو وہ معتبر ہے خواہ متبر کے سامنے ہو خواہ

۱ یعنی امام ابوحنیفہؒ و ابو داؤد و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ ۱۲ ۲ مکروہ یعنی بادشاہ کا اس طرح جمعہ ادا کرنا مکروہ ہے اگرچہ نماز جائز ہوگی ۱۳

۳ مکروہ سے مراد تنزیہی بقریہ تاخیر مستحب ۱۴ ۴ باطل نہ ہوگی پھر جہاں گیا تھا اگر وہاں جمعہ گیا تو ظہر باطل ہونا چاہیے ورنہ نہیں ۱۵

۵ باطل آٹھ بھی صحیح ہے الخ عین الہدایہ ۶ جدا: واضح ۱۲ (۱) اگرچہ اطفال رہ جائیں ۱۳ (۲) یعنی صحیح ہو گیا ۱۴

کہیں اور ہو یہ کافی میں لکھا ہے اور جمعہ کے واسطے جلد چلنا اور مسجد کی طرف کو دوڑنا ہمارے نزدیک اور عامہ فقہاء کے نزدیک واجب نہیں اور اس کا مستحب ہونے میں اختلاف ہے اس لیے کہ اطمینان اور وقار کے ساتھ چلے یہ قدیہ میں لکھا ہے اور جب خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان دی جائے اور خطبہ کے تمام ہونے کے بعد اقامت کہی جائے یہی طریقہ ہمیشہ سے معمول چلا آتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں ہر رکعت میں الحمد اور جو کسی سورت چاہے پڑھے اور دونوں میں قرأت کا جہر کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر تکبیر کہی اور لوگوں کے ازدحام کے سبب سے زمین پر سجدہ نہ کر سکا تو لوگوں کے کھرا ہونے کا منتظر رہے پھر اگر کچھ جگہ پائے تو سجدہ کرے اور اگر دوسرے شخص کی پیٹھ پر سجدہ کرے تو جائز ہے اور اگر سجدہ کی جگہ مل گئی تھی پھر دوسرے کی پیٹھ پر سجدہ کیا تو جائز نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے ہے اور اگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکا اس طرح کھڑا رہا یہاں تک کہ امام نے سلام پھیر دیا تو وہ لاحق کے حکم میں ہے اس طرح بغیر قرأت کے نماز پڑھتا رہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں مسبوق ہو پھر اپنی نماز قضا کرنے کے واسطے کھڑا ہو تو اس کو اختیار ہے کہ جہر سے قرأت پڑھے یا آہستہ پڑھے جیسے تنہا نماز پڑھنے والے کا فجر کی نماز میں حکم ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور جمعہ میں حاضر ہونے والے کیلئے مستحب ہے کہ تیل لگائے اور اگر موجود ہے تو خوشبو ملے اور اگر میسر ہوں تو اچھے کپڑے پہنے اور سفید کپڑے پہننا مستحب ہے اور پہلی صف میں بیٹھے یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے۔

## مسئلہ باب

### عیدین کی نماز کے بیان میں

عیدین کی نماز واجب ہے (۱) یہی اس (۲) ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے عید الفطر کے روز مردوں کے لئے مستحب ہے کہ نہائیں اور مسواک کریں اور اچھے کپڑے پہنیں یہ قدیہ میں لکھا ہے نئے ہوں یا دھوئے ہوئے ہوں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور انگوٹھی پہننا اور خوشبو لگانا اور صبح سے اٹھ کر عید گاہ کو چلنا اور صدقہ فطر کا نماز سے پہلے ادا کرنا اور صبح کی نماز اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھنا اور پیادہ یا عید گاہ کو جانا اور دوسرے راستہ سے لوٹنا مستحب ہے یہ قدیہ میں لکھا ہے اور جمعہ اور عیدین کو سوار ہو کر جانے میں مضائقہ نہیں ہے اور جس کو قدرت ہو پیادہ پا چلنا افضل ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور عید الفطر میں مستحب یہ ہے کہ عید گاہ کے جانے سے پہلے تین یا پانچ یا سات چھوڑے کھائے یا اس سے کم کھائے یا زیادہ مگر طاق ہوں ورنہ اور جو چاہے شیرینی کھائے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے بلکہ سنت ہے اور اگر نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے تو گنہگار نہ ہوگا اور اگر نماز سے بعد بھی عشاء تک کچھ نہ کھائے تو شاید کچھ خدا کا عتاب ہو اور عید الاضحیٰ کا حکم بھی مثل عید الفطر کے ہے مگر اس میں عید کی نماز تک کچھ نہ کھایا جائے یہ قدیہ میں لکھا ہے اور اور کبریٰ میں ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کھانے کے مکروہ ہونے میں دو روایتیں ہیں مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں لیکن مستحب یہ ہے کہ ایسا نہ کرے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ اس روز سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے جو اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور عید کی نماز کے واسطے عید گاہ کو جانا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں بھی گنجائش ہو یہی مذہب ہے عامہ مشائخ کا اور یہی صحیح ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے۔ عید کی نماز دو جگہ پڑھنا جائز ہے اور تین جگہ پڑھنا امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے عید گاہ کو عید کے روز منبر نہ لئے جائے اور عید گاہ میں منبر بنانے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ مکروہ نہیں اور بعضوں نے کہا کہ مکروہ ہے کہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

۱ پڑھتا رہے۔ یعنی تمام کرے ۲ مسبوق جو بعض رکعات پڑھی جانے کے بعد شامل ہو۔ ۳ فضائل جمعہ میں سے ایک ساعت قبولیت ہے اور یہ خطبہ سے فراغت تک ہے اور ہر روز ایک ساعت ہوتی ہے تو جمعہ میں دو ساعتیں ہو گئیں اور شاید دوسری ساعت جمعہ کے روز عصر سے غروب تک ہے اور تحقیق عین الہدایہ میں ہے۔ ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے یہی صحیح و مختار ہے۔ البحر اور کس قدر فاصلہ ہو اس کی بحث عین الہدایہ میں ہے۔ ۴ عیدین عید الفطر و عید الاضحیٰ اور اول نماز فطر آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے دوسرے سال پڑھی۔ قدیہ میں کہا کہ "دیہات میں جمعہ نہیں تو عید کی نماز قائم کرنا مہمل ہے۔"

صحیح یہ کہ مکروہ نہیں یہ فتاویٰ غرائب میں لکھا ہے اور چاہئے کہ عید گاہ کو اطمینان اور وقار کے ساتھ جائیں اور جن چیزوں کا دیکھنا جائز نہیں ان سے آنکھیں بند رکھیں یہ مضمورات میں لکھا ہے اور عید الاضحیٰ کے روز راستہ میں جہر سے تکبیر کہے اور مصلے میں پہنچ کر ختم کر دے یہی اختیار کیا گیا ہے اور عید الفطر کے روز مختار مذہب امام ابوحنیفہ کا یہ ہے کہ جہر سے تکبیر نہ کہے اور یہی اختیار کیا گیا ہے یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اور آہستہ تکبیر کہنا مستحب ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے جس پر جمعہ کی نماز واجب ہے اس پر عید کی نماز بھی واجب ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور خطبہ کے سوا جو جمعہ کی شرطیں ہیں عید کی شرطیں ہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے لیکن خطبہ عید کی نماز میں بعد نماز کے سنت ہے اور بغیر خطبہ کے عید کی نماز جائز ہے اور اگر نماز سے پہلے خطبہ پڑھیں تو جائز ہے اور مکروہ ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر خطبہ پہلے پڑھیں تو پھر نماز کا اعادہ نہ کریں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور عید کی نماز سے لوٹنے کے بعد گھر آ کر چار رکعت پڑھنا مستحب ہے یہ زاد میں لکھا ہے۔ اگر عید کی نماز سے پہلے فجر کی قضا پڑھے تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر فجر کی نماز نہ پڑھی ہو تو عید کی نماز جائز ہو جائے گی اور پرانی قضاؤں کا پڑھنا بھی عید سے پہلے جائز ہے لیکن بعد کو پڑھنا بہتر اور اولیٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں حجتہ سے نقل کیا ہے عیدین کی نماز کا قوت سورج کے سفید ہونے سے زوال تک ہے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور یہی تیمین میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ عید الاضحیٰ میں جلدی کی جائے اور عید الفطر میں تاخیر کی جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ امام دورکتیں پڑھے اور شروع کی تکبیر کہے پھر سبحانک اللهم پڑھے پھر تین تکبیر کہے پھر جہر سے قرأت کرے پھر رکوع کی تکبیر کہے پھر جب دوسری رکعت کو کھڑا ہو تو اول قرأت پڑھے پھر تین بار تکبیر کہے اور چوتھی تکبیر پر رکوع کرے زائد تکبیریں عید کی نماز میں چھ ہیں تین پہلی رکعت میں تین دوسری رکعت میں اور اصلی تکبیریں تین ہیں ایک شروع کی دورکوع کی پس دونوں رکعتوں میں نو تکبیریں ہوںگی اور دونوں قرأتوں کو ملا دے یہ روایت ابن مسعود کی ہے اور اس کو ہمارے اصحاب نے اخذ کیا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور زائد تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے اور ایک تکبیر سے دوسری تکبیر تک بقدر تین تسبیح کے خاموش رہے یہ تیمین میں لکھا ہے اسی پر ہمارے مشائخ نے فتویٰ دیا ہے یہ غیاثیہ میں لکھا ہے اور تکبیروں کے درمیان میں ہاتھ چھوڑ دے باندھے نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے

پھر نماز کے بعد دو خطبے پڑھے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور ان دونوں میں خفیف جلسہ کرے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جب منبر پر چڑھے تو ہمارے مذہب کے بموجب بیٹھے نہیں یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور عید الفطر کے روز خطبہ میں تکبیر اور تسبیح اور لا الہ الا اللہ اور الحمد للہ اور نبی علیہ السلام پر درود پڑھے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ میں پے در پے نو تکبیریں پڑھے اور دوسرے میں سات پڑھے یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اور خطبہ میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام تعلیم کرے اور وہ پانچ ہیں کس پر صدقہ واجب ہوتا ہے اور کس کے واسطے واجب ہوتا ہے اور کس قدر واجب ہوتا ہے اور کسی چیز سے واجب ہوتا ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور عید الاضحیٰ میں خطیب تکبیر کہے اور سبحان اللہ پڑھے اور وعظ کہے اور ذبح اور قربانی کے احکام سکھائے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور تکبیرات تشریح سکھائے یہ زاد میں لکھا ہے جب امام خطبہ میں تکبیر پڑھے تو قوم بھی اس کے ساتھ تکبیر پڑھے اور جب امام درود پڑھے تو سننے والے حکم کی تعمیل کے لئے اپنے دل میں درود پڑھے اور خاموش رہنا سنت ہے یہ تاتارخانیہ میں حجتہ سے نقل کیا ہے اگر ایسے شخص کے پیچھے عیدین کی نماز میں اقتدا کیا جس کے نزدیک تکبیروں میں رفع یدین نہیں ہے تو مقتدی رفع یدین کر لیں اس لئے کہ ایسی تھوڑی مخالفت سے متابعت میں خلل نہیں ہوتا یہ غیاثیہ میں لکھا ہے امام ابوحنیفہ نے جامع میں لکھا ہے کہ اگر کوئی

۱۔ چار رکعت ولیکن ابن ماجہ میں روایت مسنون دورکت ہے۔ الفتح ۲۔ فتویٰ دیا لیکن حنفی کو چاہیے کہ تکبیرات کی زیادتی میں امام کی اقتداء کرے اگرچہ وہ شافعی ہو اور اگر حاکم حکم دے تو حنفی امام بھی یونہی پڑھے اور تحقیق میں الہدایہ میں ہے۔

شخص عید کی نماز میں امام کے ساتھ شامل ہو اور اس شخص مقتدی کی مختار تکبیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے اور امام نے اس کے سوا اور طرح تکبیر کہی تو امام کا اتباع کرے لیکن اگر امام ایسی تکبیر کہے کہ وہ فقہاء میں سے کسی کا مذہب نہ ہو تو اس وقت متابعت نہ کرے یہ محیط میں لکھا ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے کہ امام کے قریب ہو اور تکبیریں اس سے سنتا ہو اور اگر دور ہو اور تکبیروں سے تکبیر سنتا ہو تو جس قدر سنے سب ادا کر لے اگرچہ صحابہ کے قول سے خارج ہو جائے اس لئے کہ شاید تکبیریں سے غلطی ہوئی ہو اور ممکن ہے کہ جو تکبیر اس نے چھوڑ دی امام کی تکبیر وہی ہو یہ بدائع میں لکھا ہے امام محمد نے تکبیر میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص عید کی نماز میں امام کے ساتھ پہلی رکعت میں اس وقت داخل ہوا کہ امام ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بموجب چھ تکبیریں کہہ چکا ہے اور قرأت پڑھ رہا ہے اور اس شخص کے نزدیک مختار تکبیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے تو اس رکعت میں امام کی قرأت کی حالت میں اپنے مذہب کے بموجب تکبیر کہے اور دوسری رکعت میں امام کا اتباع کرے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور اگر عید کی نماز میں مقتدی اس وقت پہنچا جب امام رکوع میں ہے تو کھڑے ہو کر نماز کی شروع کی تکبیر کہے پس اگر کھڑے ہو کر عید کی تکبیریں کہنے کے بعد رکوع مل سکتا ہے تو اس طرح عمل کرے اور اپنے مذہب کے بموجب تکبیریں کہے اور اگر رکوع نہیں مل سکتا تو رکوع کرے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مذہب کے بموجب تکبیرات میں مشغول ہو یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور جب عید کی تکبیریں رکوع میں کہے تو ان میں ہاتھ نہ اٹھائے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر یہ شخص پوری تکبیریں نہیں کہہ چکا اور امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو وہ بھی سر اٹھالے اور امام کی متابعت کرے اور باقی تکبیریں اس سے ساقط ہو جائے گی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور اگر امام کو قومہ میں پایا تو اس وقت تکبیریں نہ کہے اس واسطے کہ وہ پہلی رکعت کو مع تکبیروں کے آخر میں ادا کرے گا۔ اور لاحق امام کے مذہب کے بموجب تکبیر کہے مثلاً کسی شخص نے امام کے ساتھ نماز شروع کی اور سو گیا پھر بیدار ہوا تو امام کی رائے کے موافق تکبیریں کہے اس واسطے کہ وہ امام کے پیچھے ہے اور برخلاف اس کے مسبوق اپنی نماز میں امام کا مقتدی نہیں ہوتا یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر عید کی نماز میں اس وقت شریک ہوا کہ امام تشہد پڑھ چکا ہو ابھی سلام نہیں پھیرا یا سلام پھیر چکا ہے ابھی سہو کا سجدہ نہیں کیا یا سہو کا سجدہ کر چکا ہے ابھی سلام نہیں پھیرا تو وہ کھڑا ہو کر اپنی نماز پڑھے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ جو ذکر ہوا یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کو عید کی نماز نہیں ملتی جیسے کہ ان کے مذہب کے بموجب ایسی صورت میں جمعہ کی نماز نہیں ملتی اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس حکم میں خلاف نہیں یہی صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ انفع میں ہے کہ عیدین کی نماز میں رکوع کی تکبیر واجبات میں سے ہے اس لئے کہ وہ منجملہ عید کی تکبیروں کے ہے اور عید کی تکبیریں واجب ہیں اور منافع میں ہے کہ اس طرح شروع کی تکبیر میں لفظ اللہ اکبر کی رعایت واجب ہے یہاں تک کہ اگر عید کی نماز میں شروع کی تکبیر کے بدلے اللہ اجل یا اللہ اعظم کہا تو سجدہ سہو کا واجب ہوگا اور نمازوں میں یہ حکم نہیں۔

اگر امام عید کی تکبیریں بھول گیا اور قرأت شروع کر دی تو وہ قرأت کے بعد تکبیریں کہہ لے یا رکوع میں سر اٹھانے سے پہلے کہہ لے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر کسی وجہ سے عید الفطر کی نماز اس روز ادا نہ ہوئی مثلاً ابر کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور دوسرے روز امام کو زوال کے بعد خبر ہوئی یا زوال سے پہلے ایسے وقت خبر ہوئی کہ جس قدر وقت باقی ہے اس وقت میں لوگ جمع نہیں ہو سکتے یا عید کی نماز جس وقت پڑھی اس وقت ابر تھا اور پھر معلوم ہوا کہ زوال کے بعد نماز پڑھی گئی تو دوسرے دن نماز پڑھ لیں دوسرے دن کے بعد اگر امام نے جماعت سے نماز پڑھ لی اور بعض آدمیوں سے چھوٹ گئی تو اب وہ اس نماز کو نہ پڑھیں خواہ وقت نکل گیا ہو یا نہ نکلا ہو یہ تمیز میں لکھا ہے ہے اور عید اضحیٰ کی نماز میں عید کے روز کوئی عذر ہو گیا تو دوسرے اور تیسرے دن تک پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد نہیں



پڑھ سکتے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ پھر عید اضحیٰ میں کراہت کے دور کرنے کے لئے ہے یہاں تک کہ اگر بلا عذر اس کے تیسرے دن تاخیر کریں تو نماز جائز ہو جائے گی لیکن برا ہے اور عید الفطر میں دوسرے دن نماز صرف عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے اور اگر بغیر عذر دوسرے دن تک نماز میں تاخیر کرے تو نماز جائز نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اور دوسرے دن بھی نماز کا وقت وہی ہے جو پہلے روز تھا یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے اگر امام نے عید الفطر کی نماز پڑھا دی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد زوال سے پہلے یہ بات معلوم ہوئی کہ بے وضو نماز پڑھائی تھی تو نماز کا اعادہ کریں اور اگر زوال کے بعد معلوم ہوا تو دوسرے دن زوال کے بعد معلوم ہوا تو پھر وہ نماز پڑھیں اور اگر عید الاضحیٰ میں ایسا ہوا اور عید الاضحیٰ کے روز زوال کے بعد معلوم ہوا اور لوگوں نے قربانیاں کر لیں تو وہ قربانیاں جائز ہیں اور دوسرے روز لوگ نماز کے واسطے نکلیں اس طرح اگر دوسرے روز معلوم ہو تو زوال سے پہلے پہلے نماز کا اعادہ کریں اور اگر زوال ہو چکا تو اس کے دوسرے روز زوال سے پہلے پہلے پڑھ لیں اور اگر تیسرے دن زوال کے بعد معلوم ہوا تو پھر نہ پڑھیں اور اگر قربانی کے دن زوال سے پہلے پہلے بھی معلوم ہو گیا تو سب آدمیوں میں نماز کی مناوی کر دیں اور جس شخص نے معلوم ہونے سے پہلے قربانی ذبح کر لی ہے اس کی قربانی جائز ہے اور معلوم ہونے کے بعد زوال تک قربانی جائز نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان نے میں لکھا ہے اگر عید کی نماز کے وقت جنازہ بھی حاضر ہو تو عید کی نماز کو مقدم کریں اور عید کے خطبہ پر جنازہ کی نماز کو مقدم کریں گے یہ قدیہ<sup>۱</sup> میں لکھا ہے اور عرفہ کے روز جو بعض مقاموں میں عرفات میں وقوف کرنے والوں میں مشابہت کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں وہ کچھ چیز<sup>۲</sup> نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے۔

## اسی سے ملتے ہوئے ایام تشریق کی تکبروں کے مسئلے

تشریق کی تکبروں میں چار چیزوں کا بیان ضروری ہے اول یہ کہ عید کی تکبروں کا کیا حکم ہے دوسرے یہ کہ کے بار پڑھیں اور کیا پڑھیں تیسرے یہ کہ اس کی شرطیں کیا ہیں چوتھے یہ کہ اس کا وقت کیا ہے حکم ان کا یہ ہے کہ وہ واجب ہیں اور قاعدہ ان کے پڑھنے کا یہ ہے کہ ایک بار اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد پڑھیں اور شرطین اس کی یہ ہیں کہ مقیم ہو اور شہر میں اور فرض نماز جماعت مستحب سے پڑھے یہ تبیین میں لکھا ہے آزاد ہونا اور سلطان امام ابو حنیفہ<sup>۳</sup> کے نزدیک بموجب اصح قول کے شرط نہیں یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اول وقت ان کا عرفہ کے روز فجر کی نماز کے بعد سے ہے اور آخر وقت وہ امام ابو یوسف<sup>۴</sup> اور امام محمد<sup>۵</sup> کے قول کے بموجب ایام تشریق کے آخر روز عصر کی نماز کے بعد تک ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور فتویٰ اور عمل سب شہروں میں اور سب زمانوں میں انہیں دونوں کے قول پر ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور چاہے کہ سلام کے متصل ہے تکبیریں کہے یہاں تک کہ اگر کلام کیا یا عدا حدث کیا تو تکبیریں ساقط ہو جائیں گی یہ تہذیب میں لکھا ہے اور وتر کے بعد اور عید کی نماز کے بعد تکبیریں نہ کہے اور اگر کوئی شخص تشریق کے دنوں میں کسی وقت نماز بھول جائے اور اس کو اسی سال کی تشریق کے دنوں میں یاد آئے اور قضا پڑھے تو اس کے ساتھ بھی تکبیر کہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر تشریق کے دنوں سے پہلے کی نمازیں تشریق کے دنوں میں پڑھے تو ان کے بعد تکبیر نہ پڑھے اور اسی طرح اگر ایام تشریق میں کوئی نماز قضا ہو گئی اور اس کی تشریق کے سوا اور دنوں میں قضا پڑھی یا سال آئندہ کی تشریق کے دنوں میں قضا پڑھی تو اس کے بعد تکبیریں نہ کہے اور تشریق کی تکبیریں اقتدا کی وجہ سے عورت اور مسافر پر بھی واجب ہو جاتی ہیں عورت تکبیر آہستہ کہے مسبوق پر بھی تکبیریں واجب<sup>۶</sup> ہوتی ہیں اور وہ اپنی نماز پوری کرنے کے بعد تکبیریں کہے اگر امام نے تکبیریں چھوڑ دی ہیں تو بھی مقتدی تکبیریں

۱ قدیہ۔ اسی کو توبر میں لیا لیکن در مختار میں کہا کہ اصح اس کے برعکس ہے۔ عین الدر ایہ ۲ نہیں۔ پھر کہا گیا کہ جواز ہے اور امام سرحسی نے اس کو مکروہ تحریمی و شنیع بدعت ٹھہرایا ہے ابن الہمام کو پسند ہے اور یہی صحیح ہے۔ ۳ دنوں یعنی صاحبین کے قول پر عمل چل رہا ہے کذانی الخصاصہ و العتایہ و التحریمہ و الجتبی و الکامل کذانی العینی و عین الہدایہ پس یہ شبہ نہ ہو کہ خالی زاہدی کا قول ہے جو غیر معتبر کتاب ہے۔ ۴ واجب۔ ان مسائل میں وجوب کی تصریح ہے اور ابن الہمام نے دلیل سے سنت ہونے کو ترجیح دی و تمامہ فی عین الہدایہ

کہے اور مقتدی امام کا اس وقت تک انتظار کرے کہ امام سے کوئی ایسی حرکت واقع ہو کہ جس سے تکبیریں منقطع ہو جائیں اور وہ امور وہ ہیں کہ جن کے بعد نماز کی بنا جائز نہیں رہتی ہیں جیسے مسجد سے نکل جانا اور عداً حدث کرنا اور کلام کرنا یہ تبیین میں لکھا ہے اگر امام کو سلام کے بعد تکبیر سے پہلے حدث ہو جائے تو اس صحیح یہ ہے کہ وہ تکبیر کہے طہارت کے واسطے نہ جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## زہار ہوا باب

### سورج گہن کی نماز کے بیان میں

سورج گہن کی نماز سنت ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے بالا جماع یہ حکم ہے کہ وہ جماعت سے ادا کی جائے اور اس کے ادا کرنے کی صورت میں اختلاف ہے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ دو رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں ایک رکعت اور دو سجدے کرے جیسے نماز پڑھتا ہے اور جس قدر چاہے اس میں قرأت پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں میں قرأت طویل کرے یہ کافی میں لکھا ہے اور نماز کے بعد آفتاب کے کھل جانے تک دعا مانگتا رہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور قرأت میں تطویل کرنا دعا میں تخفیف کرنا دعا میں تطویل کرنا اور نماز میں تخفیف کرنا دونوں جائز ہیں اگر ایک میں تخفیف کرے تو دوسرے میں تطویل کرے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اس نماز کو جماعت سے وہی امام پڑھائے جو جمعہ پڑھاتا ہے شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ اگر جمعہ کا امام موجود نہ ہو تو لوگ جدا جدا اپنی اپنی مسجدوں میں نماز پڑھ لیں لیکن اگر بڑے امام نے جو جمعہ وعیدین پڑھاتا ہو ان کو جماعت کی اجازت دیدی ہو تو اس وقت جائز ہے کہ جماعت سے نماز پڑھیں اور محلہ کا امام امامت کرے سورج گہن کی نماز میں امام ابو حنیفہ کے قول کے بموجب قرأت جہر سے نہ کریں یہ محیط میں لکھا ہے اور صحیح یہی قول ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اس نماز میں خطبہ نہیں ہے اور ہمارا مذہب یہی ہے یہ محیط میں لکھا ہے یہ نماز عید گاہ یا جامع مسجد میں پڑھے اگر کہیں اور پڑھیں تو جائز ہے اور پہلے دونوں مقاموں میں پڑھنا افضل ہے اگر یہ نماز جدا جدا اپنے گھروں میں پڑھ لیں تو جائز ہے اور اگر سب جمع ہو کر نماز نہ پڑھیں صرف دعا مانگ لیں تو بھی جائز ہے یہ خزانة المفتیین میں لکھا ہے۔

امام دعا کے واسطے منبر پر نہ چڑھے یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے اس دعا میں امام کو اختیار ہے کہ چاہے قبلہ کی طرف کو بیٹھ کر دعا مانگے وہ کھڑا ہو کر دعا مانگنے خواہ قوم کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگے اور قوم کے لوگ آمین کہتے رہیں شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ یہی بہتر ہے اگر اپنے عصا یا مکان پر سہارا دیکر کھڑا ہو کر دعا مانگے تو یہ بھی بہتر ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر گہن کے وقت نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ آفتاب کھل گیا تو پھر نماز نہ پڑھیں اور اگر کچھ کھل گیا اور کچھ گہن میں ہے تو نماز شروع کرنا جائز ہے اور اگر گہن کی حالت میں آفتاب برابر آگیا تو بھی نماز پڑھیں اور کسوف کی حالت میں غروب ہو گیا تو دعا موقوف کریں اور مغرب کی نماز میں مشغول ہوں اور کسوف کے ساتھ جنازہ بھی جمع ہو جائے تو اول جنازہ کی نماز پڑھیں اور اگر ایسے وقت میں کسوف ہو کہ جن اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے تو نماز نہ پڑھیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اسی سے ملتے ہوئے چاند گہن کے مسئلے چاند گہن میں دو رکعتیں علیحدہ علیحدہ پڑھیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر ہولناک بادل پریشان کرنے والے امور حادث ہوں مثلاً آندھی بہت سخت ہو یا بارش یا برف گرنا موقوف نہ ہو یا آسمان سرخ ہو جائے یا دن میں تاریکی ہو جائے یا کوئی مرض عام ہو جائے کذا فی السراجیہ یا زلزلے یا صاعقہ پیدا

۱۔ جماعت اس میں سنت و افضل ہے الذخیرہ اور تنہا بھی جائز ہے محیط ۲۔ جوہرہ آالخ اذان نہیں لیکن الصلوٰۃ جلد ۲ وغیرہ پکار دیں تاکہ لوگ جمع ہو جائیں ۱۲  
۳۔ عین الہدایہ میں تحقیق کیا کہ جماعت سنت نہیں بقول ابو حنیفہ و مالک اور سنت ہے بقول شافعی و احمد اور یہ توفیق اجود ہے اور واضح ہو کہ کسوف کے واسطے خطبہ معمول نہیں ہے ۱۲

ہوں یا ستارے چھوٹے لگیں یا رات میں یکا یک ہولناک روشنی ہو جائے یا دشمن کا خوف غالب ہو یا اس قسم کے اور حوادث پیدا ہوں تو بھی اس طرح دو رکعت نماز پڑھیں یہ تمین میں لکھا ہے اور بدائع میں ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

## انسو (۱) باب

### استسقا کی نماز کے بیان میں

امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ استسقا کے ساتھ نماز سنت نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اس میں خطبہ بھی نہیں لیکن دعا اور استغفار ہے اور اگر جدا جدا نماز پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں چادر لوٹانا بھی نہیں یہ تمین میں لکھا ہے اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام نماز کے واسطے نکلے اور دو رکعت نماز پڑھے اور دونوں میں جہر سے قرأت کرے یہ مضمورات میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سج اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں رکعت میں ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور نماز کے بعد دو خطبے پڑھے اور زمین پر بیٹھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر منبر پر نہ بیٹھے اور دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ کرے اور اگر چاہے ایک ہی خطبہ پڑھے اور اللہ کو پکارے اور تسبیح پڑھے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے واسطے مغفرت کی دعائے مانگے اور اپنی کمان پر سہارا دیے رہے اور جب تھوڑا سا خطبہ پڑھ چکے تو اپنی چادر کو لوٹا دے یہ مضمورات میں لکھا ہے چادر لوٹانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ مربع ہو تو اوپر کی جانب نیچے اور نیچے کی جانب اوپر کرے اور اگر مدور ہو تو داہنی جانب بائیں طرف کر دے اور بائیں جانب داہنی طرف کر دے لیکن قوم کے لوگ اپنی چادروں کو نہ لوٹا دیں یہ کافی اور محیط اور سراج الوہاب میں لکھا ہے اور تحفہ میں ہے کہ جب امام خطبہ سے فارغ ہو تو جماعت والوں کو پشت کر کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو پھر اپنی چادر لوٹا دے پھر کھڑا ہو کر استسقا کی دعا میں مشغول ہو اور جماعت کے لوگ خطبہ اور دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ کئے بیٹھے رہیں پھر امام دعائے مانگے اور مسلمانوں کے واسطے مغفرت طلب کرے اور سب لوگ از سر نو توبہ کریں اور مغفرت طلب کریں پھر امام دعا کے وقت اگر دونوں ہاتھ اپنے آسمان کی طرف اٹھائے تو بہتر ہے اور اگر ہاتھ نہ اٹھائے انگشت شہادت سے اشارہ کرے تو بھی بہتر ہے اور اس طرح اور لوگ بھی اپنے ہاتھ اٹھائیں اس لئے کہ دعا میں ہاتھ پھیلا نا سنت ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے اور استسقا کے خطبہ کے وقت سب لوگ خاموش رہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ امام برابر تین دن تک استسقا کی نماز کو جائے یہ زاد میں لکھا ہے اس سے زیادہ منقول نہیں اور منبر نہ لے جائے اور پیادہ پا جائیں اور پرانے کپڑے پہنیں یا دھلے ہوئے یا پیوند لگے ہوئے اور اللہ کے سامنے انکسار اور عاجزی اور تواضع کرتے ہوئے اور سروں کو جھکائے ہوئے جائیں پھر ہر روز نکلنے سے پہلے صدقہ مقدم کریں پھر جائیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور تجرید میں ہے کہ اگر امام نے نکلے تو اور لوگوں کے نکلنے کا حکم کرے اور اگر اس کے بغیر اذن نکلیں تو جائز ہے مسلمانوں کے ساتھ ذمی نہ نکلیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ اور اگر وہ اپنے آپ پر خرید و فروخت کے لئے اپنے معبدوں کو یا جنگل کو جائیں تو ان کو منع نہ کریں یہ یعنی شرح میں لکھا ہے اور استسقا وہاں ہوتا ہے جہاں تالاب اور نہریں اور ایسے کنویں نہ ہوں جس سے پانی پیئیں اور جانوروں کو پلا دیں اور کھیتوں کو پانی دیں یا ہوں مگر کافی نہ ہوں اگر اس کے پاس تالاب اور کنویں اور نہریں ہوں تو استسقا کی نماز کے واسطے نہ نکلیں اس لئے کہ وہ شدت ضرورت اور حاجت کے وقت ہوتا ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

۱ سنت یعنی نے کہا کہ شاید مستحب یا جائز ہو بلکہ تحفہ میں ہے کہ اگر امام نے جماعت پڑھائی یا حکم دیا تو جماعت ہے ۱۲ مختار میں کہا کہ جماعت جائز ہے ۱۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## صلوة الخوف کے بیان میں

اس میں خلاف نہیں ہے کہ صلوة الخوف نبی ﷺ کے زمانہ میں مشروع تھی اور بعد ان کے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کے بموجب اس کی مشروعیت اس طرح ہوتی ہے یہی صحیح ہے یہ زاد میں لکھا ہے جب بہت خوف ہو تو امام جماعت کے دو گروہ کرے ایک گروہ دشمن کی طرف متوجہ رہے اور ایک گروہ امام کے پیچھے ہو یہ قدوری میں لکھا ہے اور بہت خوف ہونے کی صورت یہ ہے کہ دشمن ایسا سامنے ہو کہ اس کو دیکھتے ہوں اور یہ خوف ہو کہ اگر سب جماعت میں مشغول ہونگے تو دشمن حملہ کریگا یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور کچھ سپاہی نکلیں اور دشمن کا گمان کریں اور صلوة الخوف پڑھیں پھر اگر دشمن ظاہر ہو تو وہ نماز جائز ہوگی اور اگر اس کے خلاف ظاہر ہو تو جائز نہ ہوگی لیکن اگر غلطی گمان کی اس وقت معلوم ہوئی جب ایک گروہ اپنی جہت پر نماز پڑھ کر پھر لیکن ابھی صفوں سے باہر نہیں نکلے تو بحکم استحسان اسی پر بنا کرنا جائز ہے یہ فتح القدیر میں لکھا ہے اور یہ سارا حکم قوم کے واسطے ہے امام کی نماز ہر حالت میں جائز ہے اس لئے کہ اس کے حق میں کوئی چیز مفسد صلوة نہیں یہ بحر الرائق میں ہے صلوة الخوف کی کیفیت یہ ہے کہ اگر امام اور قوم کے لوگ سب مسافر ہوں پس اگر قوم اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں جھگڑا نہ کرے تو امام کے واسطے افضل یہ ہے کہ قوم کے دو گروہ کرے اور ایک گروہ کو یہ حکم کرے کہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہوں اور دوسرے گروہ کے ساتھ پوری نماز پڑھ لے پھر جو گروہ دشمن کے مقابلہ میں ہے اس میں کسی شخص کو حکم کرے کہ امامت کرے اس گروہ کو پوری نماز پڑھا دے اور اگر ہر فریق اسی امام کے ساتھ پڑھنا چاہے اور جھگڑا ہو تو قوم کے دو گروہ کرے ایک دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو اور ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے پھر یہ گروہ دشمن کے مقابلہ میں جائے اور دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلہ میں ہے آئے اور امام اتنی دیر تک بیٹھا ہو ان کا منتظر رہے پھر ان کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے جماعت کے لوگ جو اس کے پیچھے ہیں اس کے ساتھ سلام نہ پھیریں اور دشمن کے مقابلہ پر جائیں پھر پہلا گروہ اپنی نماز کی جگہ پر آئے اور ایک رکعت بغیر قرأت پڑھے اور جب ایک رکعت پڑھ چکے تو بقدر تشہد قعدہ کر کے سلام پھیرے اور دشمن کے مقابلہ پر جائے پھر دوسرا گروہ اپنی نماز کی جگہ پر آئے اور رکعت قرأت کے ساتھ پڑھے اور اگر امام اور قوم دونوں مقیم ہوں اور نماز چار رکعتوں کی ہو تو ایک گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھ کر بقدر تشہد قعدہ کرے پھر یہ گروہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے اور دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلہ پر وہ آئے اور امام بیٹھا ہو ان کے آنے کا منتظر رہے پھر ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے اور اس کے ساتھ دوسرا گروہ سلام نہ پھیرے اور دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے پھر پہلے گروہ کے لوگ آئیں اور بغیر قرأت کے ساتھ پڑھیں اور اگر مقیم ہو اور جماعت کے لوگ مسافر ہوں یا بعضے مقیم ہوں اور بعضے مسافر ہوں تو حکم وہی ہے جو سب کے مقیم ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اور اگر امام مسافر ہو اور قوم کے لوگ مقیم ہوں تو ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے پھر دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں پھر دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور سلام پھیرے پھر پہلا گروہ آئے اور تین رکعت بغیر قرأت پڑھیں اس لئے کہ وہ اول سے نماز میں شریک تھے پھر جب وہ اپنی نماز پوری کر چکیں تو دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں اور دوسرا گروہ اپنی نماز کی جگہ پر آئے اور وہ تین رکعتیں پڑھیں پہلی رکعت میں الحمد اور سورت پڑھیں اس لئے کہ وہ مسبوق ہیں اور اخیر کی دو رکعتوں میں صرف الحمد پڑھیں اور اگر امام مسافر ہو اور قوم کے لوگ بعضے مقیم ہوں و بعضے مسافر تو امام پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے پھر وہ دشمن کے مقابلہ پر چلے

جائیں اور دوسرا گروہ آئے اور امام ان کے ساتھ ایک رکعت پڑھے پس جو امام کے پیچھے مسافر تھا اس کی نماز میں صرف ایک رکعت باقی ہے اور جو مقیم تھا اس کی نماز میں تین رکعت باقی ہیں پھر وہ دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں اور پہلا گروہ امام کے پاس آئے اور جو مسافر ہے وہ ایک رکعت بغیر قرأت پڑھ لے اس لئے کہ اس کو اول سے نماز ملی تھی اور جو مقیم ہو وہ ظاہر روایت کے بموجب تین رکعتیں بغیر قرأت کے پڑھے اور جب پہلا گروہ اپنی نماز پوری کر چکے تو دشمن کے مقابلہ ہو جائے اور دوسرا گروہ اپنی نماز کی جگہ پر آئے اور جو ان میں سے مسافر ہو وہ ایک رکعت قرأت کے ساتھ پڑھے اس لئے کہ وہ مسبوق ہے اور جو مقیم ہو وہ تین رکعتیں پڑھے پہلی رکعت الحمد اور سورۃ کے ساتھ پڑھے اور اخیر کی دو رکعتیں سب روایتوں کے بموجب صرف الحمد پڑھے اور اس میں فرق نہیں ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف ہو یا اور طرف ہو یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور اگر پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر وہ چلے گئے پھر دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور وہ چلے گئے پھر پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور وہ چلے گئے تو سب کی نماز فاسد ہوگئی اور اصل اس میں یہ ہے کہ نماز سے ایسے وقت میں پھیرنا کہ جب پھرنے کا موقع نہ ہو مفسد صلوة ہے اور اس کے موقع پر اس کو چھوڑ دینا مفسد نہیں پس اس قاعدے کے بموجب اگر قوم کے چار گروہ کرے اور ہر گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے تو پہلے اور تیسرے گروہ کی نماز فاسد ہوگئی اور دوسرے اور چوتھے گروہ کی نماز صحیح ہوگی اور اگر دوسرا گروہ لوٹ کر تیسری اور چوتھی رکعت بغیر قرأت پڑھے پھر پہلی رکعت قرأت سے پڑھے پھر چوتھا گروہ آکر تین رکعتیں قرأت سے پڑھیں اور ایک رکعت الحمد اور سورۃ سے پڑھیں پھر قعدہ کریں پھر کھڑے ہوں اور دوسری رکعت الحمد اور سورۃ سے پڑھیں اور قعدہ نہ کریں پھر تیسری رکعت صرف الحمد سے پڑھیں اور کچھ نہ پڑھیں اور قعدہ کریں اور سلام پھر دیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور جو شخص دوسرے فریق میں داخل ہو جائے اس کا حکم دوسرے فریق کا ہو جائے گا لیکن جب وہ اپنے ذمہ کی نماز سے فارغ ہو لیا ہے اور اس کے بعد داخل ہوا تو دوسرے فریق کا حکم نہ ہوگا پس اگر امام نے ظہر کی دو رکعتیں پہلے گروہ کے ساتھ پڑھیں اور سب لوگ چلے گئے مگر ایک شخص اس وقت تک باقی رہا کہ امام نے دوسرے گروہ کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ شخص چلا گیا اس کی نماز پوری ہوگئی اس لئے کہ اگر چہ وہ دوسرے گروہ میں داخل ہوا لیکن ان میں سے نہیں ہو گیا کیونکہ اپنے ذمہ کی نماز سے فارغ ہو لیا تھا یہ محیط سرحی میں لکھا ہے اور مغرب کی نماز میں پہلے گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور اگر غلطی سے پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر وہ چلے گئے اور دوسرے گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر وہ چلے گئے پھر دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر وہ چلے گئے پھر پہلے گروہ کے ساتھ تیسری رکعت پڑھی تو پہلے گروہ کی نماز فاسد ہوگئی اور دوسرے گروہ کی نماز جائز ہوگئی اور وہ اپنی دو رکعتیں پڑھیں ایک بغیر قرأت کے پڑھیں اور دوسرے قرأت سے پڑھیں اور اگر مغرب میں ان کے تین گروہ بنائے اور ہر گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے تو پہلے گروہ کی نماز فاسد ہوگئی اور دوسرے و تیسرے گروہ کی نماز جائز ہوگی اور دوسرا گروہ دو رکعتیں قضا کرے اور دوسری رکعت بغیر قرأت کے پڑھے اور تیسرا گروہ دو رکعتیں قرأت کے ساتھ پڑھے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے پھر خوف دشمن و درندہ سے برابر ہے اور خوف کی وجہ سے نماز میں قصر نہیں ہوتا لیکن نماز میں چلنا جائز ہو جاتا ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور نماز کی حالت میں دشمن سے قتال نہ کریں اگر قتال کریں گے تو نماز باطل ہو جائے گی اس لئے کہ قتال اعمال صلوة سے نہیں ہے اور اس طرح اگر کوئی اپنے پھرنے کی حالت میں گھوڑے پر سوار ہوگا تو بھی فاسد ہو جائے گی یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے خواہ قبلہ کی طرف سے دشمن کی طرف کو پھرا ہو یا دشمن کی طرف سے قبلہ کی طرف کو پھرا ہو۔ دریا میں پیرتا ہو اور پیادہ پا چلتا ہو نماز نہ پڑھے یہ مضمرات میں لکھا ہے اگر دشمن کے خوف سے بھاگ کر پیادہ پا چل رہا ہو

اور نماز کا وقت آگیا اور نماز کے لئے ٹھہر نہیں سکتا تو ہمارے نزدیک چلتا ہوا نماز نہ پڑھے بلکہ نماز میں تاخیر کرے۔ اگر صلوٰۃ الخوف میں سہو ہو تو دو سجدہ سہو کے واجب ہونگے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر خوف اور زیادہ سخت ہو تو سواری کی حالت میں جدا جدا نماز پڑھ لیں اور رکوع اور سجدہ اشارہ سے کریں اور اگر قبلہ کی سمت کو رخ نہیں کر سکتے تو جدھر کو چاہیں نماز پڑھ لیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور خوف کا سخت ہونا یہ ہے کہ دشمن اترنے کے مہلت نہ دے اور لڑائی کے لئے ان پر ہجوم کرے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور سوار ہو کر جماعت سے نماز نہ پڑھیں لیکن اگر امام اور مقتدی دونوں جانوروں پر سوار ہوں تو اقتدا صحیح ہوگا اور اگر اشارہ سے نماز پڑھیں پھر اس وقت میں خواہ خارج وقت عذر زائل ہو جائے تو اس نماز کا اعادہ واجب نہ ہوگا اور پیادہ اگر رکوع و سجدہ پر قادر نہیں تو اشارہ سے نماز پڑھ لے اور سوار اگر دشمن کے پیچھے جاتا ہو تو جانور پر نماز نہ پڑھے اور اگر دشمن اس کے پیچھے آتا ہو تو جانور پر نماز پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے جو شخص اتر سکتا ہے وہ سواری پر نماز پڑھے گا تو ہمارے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگی یہ مضمرات میں لکھا ہے

اگر نماز کے اندر امن حاصل ہو گیا مثلاً دشمن چلا گیا تو صلوٰۃ الخوف کو پورا کرنا جائز نہیں اور جس قدر نماز باقی ہے اس کو امن کی نماز کی طرح پڑھیں اور دشمن کے چلے جانے کے بعد جس نے قبلہ کی طرف سے منہ پھیرا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر دشمن کے چلے جانے سے پہلے نماز کے واسطے منہ پھیرا پھر دشمن چلا گیا تو اسی پر نماز بنا کر لے یہ تا تاریخانیہ میں لکھا ہے امام محمدؒ نے زیادات میں کہا ہے کہ امام نے ظہر کی نماز صلوٰۃ الخوف پڑھی اور سب مقیم تھے جب اس نے ایک گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھ لیں تو سب لوگ چلے گئے مگر ایک شخص نہ گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی لیکن ایسا فعل اس کے لئے بہتر نہیں اور اگر امام تیسری رکعت پڑھ چکا پھر اس کو معلوم ہوا کہ یہ کام برا کیا اور تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت میں امام کے بقدر تشہد قعدہ کرنے سے چلا گیا اس کی نماز صحیح ہے اور اگر امام کے بقدر تشہد قعدہ کر لینے کے بعد اور سلام سے پہلے چلا گیا تو نماز اس کی پوری ہوگئی۔ اگر امام نے جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز شروع کی اور وہ سب مسافر تھے جب ایک رکعت پڑھ لی تو دشمن سامنے آیا اور نماز پڑھنے والوں میں سے ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایک گروہ نے امام کے ساتھ باقی رہ کر اپنی نماز پوری کی تو ان کی نماز فاسد ہوگئی جو گروہ امام کے ساتھ باقی تھا اس کی نماز کا ادا ہو جانا تو ظاہر ہے اور جو گروہ چلا گیا اس کی نماز اس واسطے ہوگئی کہ چلا جانا اپنے موقع پر اور ضرورت کی وجہ سے ہو اور اگر امام نے ظہر کی نماز جماعت سے شروع کی اور وہ سب مقیم تھے پھر دشمن سامنے آیا اور نماز پڑھنے والوں میں سے ایک گروہ دو رکعتیں پڑھ لینے کے بعد دشمن کے مقابلہ کو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ایک رکعت کے بعد نماز سے پھر گئے تو نماز ان کی فاسد ہو جائے گی اور اگر ظہر کی تین رکعتوں کے بعد دشمن سامنے آیا اور ایک گروہ دشمن کے مقابلہ کو نماز چھوڑ کر چلا گیا تو اس مسئلہ کا کتاب میں ذکر نہیں اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ نماز ان کی فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ نماز کے ایک جزو ادا ہو جانے کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک پہلے گروہ کے پھر جانے کا وقت ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ خوف کی نماز جمعہ اور عیدین میں بھی جائز ہے یہ سراجیہ<sup>۱</sup> میں لکھا ہے۔ اگر عید کے روز مصر میں امام دشمن کے مقابلہ میں ہو اور عید کی نماز صلوٰۃ الخوف پڑھنا چاہے تو قوم کے دو گروہ بنائے اور ہر گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے پس اگر امام کی رائے موافق قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہو تو پہلا گروہ پہلی رکعت میں متابعت کرے اور دوسرا گروہ دوسری رکعت میں اگر چہ دونوں گروہوں کا مذہب عید کی نماز میں امام کے خلاف ہو لیکن اگر امام کا مذہب عید کی نماز میں ایسا ہو کہ یقیناً خطا ہو اور صحابہ<sup>۲</sup> میں سے کسی کا وہ قول نہ ہو تو متابعت نہ کریں پس جب امام اپنی نماز سے

۱۔ اگر نماز خوف شروع کی پھر دشمن چلا گیا تو ہر فرقہ اپنی جگہ نماز پڑھے اور اگر نماز شروع کے وقت خوف نہ تھا پھر دشمن آ گیا پس ایک فرقہ اس کے مقابلہ کے لئے تو جائز ہے اور ظہیر یہ میں ہے کہ مسافر جو سفر میں عاصی ہو اس کو نماز خوف جائز نہیں ہے اسی سے نکلا کہ باقی کے واسطے نہیں ہے ۱۲۷

فارغ ہو اور دوسرا گروہ نماز سے پھر جائے اور پہلا گروہ آئے تو وہ اپنی دوسری رکعت بغیر قرأت پڑھیں اور بقدر قرأت امام کے یا اس سے کم یا زیادہ کھڑے ہوں پھر زائد تکبیریں کہیں اور رکوع کریں جیسے کہ امام نے کہا اور جب نماز تمام کر لیں تو وہ چلے جائیں اور دوسرا گروہ آئے اور وہ اپنی پہلی رکعت قرأت سے پڑھیں پھر تکبیر کہیں زیادات اور جامع اور سیر کبیر کی روایت یہی ہے اور نوادر کی دو روایتوں میں سے بھی ایک یہی ہے اور یہی استحسان ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

## الکبیر (۱۰) باب

### جنازہ کے بیان میں

اس میں سات فصلیں ہیں

## پہلی فصل

### جانکنی والے کے بیان میں جب کوئی جانکنی میں

ہو تو دہنی کروٹ پر اس کا منہ قبلہ کی طرف کر پھیر دیں اور یہی سنت ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس کو تکلیف نہ ہو اور اگر تکلیف ہو تو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے یہ زاہدی میں لکھا ہے جانکنی کی علامتیں یہ ہیں کہ دونوں پاؤں ست ہو جائیں اور کھڑے نہ ہو سکیں اور ناک ٹیڑھی ہو جائے اور دونوں کپٹی بیٹھ جائیں اور خضیہ کی کھال کھنچ جائے یہ تبیین میں لکھا ہے اور منع کی کھال تن جائے اور اس میں نرمی معلوم نہ ہو یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اس وقت اس کو کلمہ شہادتین تلقین کریں اور طریقہ تلقین کا یہ ہے کہ غرغره سے پہلے حالت نزع میں اس کے پاس جہر سے اس طرح کہ وہ سنتا ہو اشہدان لا الہ الا اللہ والشہد ان محمد رسول اللہ پڑھنا شروع کریں اور اس سے یہ نہ کہیں کہ تو پڑھ اور اس کے کہنے میں اس سے اصرار نہ کریں اس لئے یہ خوف یہ ہے کہ وہ شاید وہ جھڑک نہ جائے اور جب اس کو وہ ایک بار کہہ لے تو تلقین کرنے والا یہ پھر اس کے سامنے نہ کہے لیکن اس کے بعد اگر وہ کچھ اور کلام اور اس کے سوا کر لے تو پھر تلقین کریں یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور یہ تلقین بالا جماع مستحب ہے اور ہمارے نزدیک ظاہر روایت کے بموجب موت کے بعد تلقین نہیں یہ یعنی شرح ہدایہ اور معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور ہم دونوں تلقینوں پر عمل کرتے ہیں موت کے وقت بھی اور دفن کے وقت بھی یہ مضمورات میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ تلقین کرنے والا ایسا شخص ہو کہ جس پر یہ تہمت نہ ہو کہ اس کو اس کے مرنے کی خوشی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ نیک گمان رکھنے والا ہو یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے فقہانے کہا ہے کہ اگر شدت نزع میں کسی سے کفر کے کلمات سرزد ہوں تو اس کے کفر کا حکم نہ کیا جائے اور مسلمانوں کے مردوں کی طرح اس کے ساتھ عمل کیا جائے یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور نیک اور صالح لوگوں کا حاضر ہونا اس وقت پسندیدہ ہے اور اس کے پاس سورہ یسین پڑھنا مستحب ہے یہ شرح نیت المصلیٰ میں لکھا ہے جو امیر الحاج کی تصنیف ہے اور اس کے پاس خوشبو رکھنا چاہئے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ حیض والی عورت اور جب کا اس کے پاس موت کے وقت بیٹھنے میں کچھ مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جب وہ مرجائے تو اس کی داڑھی

۱۔ لکھا ہے اور چاہے چپٹ لٹا کر قبلہ کی طرف قدم کریں اور سر کسی قدر اونچا ہو اور متبقی میں کہا کہ صحیح یہ ہے کہ جس طرح بن پڑے قبلہ رخ کر دیں سوائے زنا کار مرحوم کے کمانی المعراج ۱۲ ۲۔ کریں تاکہ آخری کلمہ جس پر دنیا سے گیا ہے کلمہ شہادت ہو گیا ۱۲ ۳۔ دفن یعنی مٹی ڈال کر سر ہانے کھڑا ہو کر کہے کہ اے فلاں دنیاوی ایمان یاد کر آخر تک جس طرح عین الہدای میں مدلل ہے ابن الہمام نے زعم کیا کہ اس میں کچھ ضرر نہیں ہے ۱۲

۴۔ نہیں۔ لیکن ان کا وہاں سے نکل جانا بہتر ہے ۱۲

باندھ دیں اور آنکھیں بند کریں اور آنکھیں وہ شخص بند کرے جو اس کے عزیز میں سب سے زیادہ اس پر مہربان ہو اور جس قدر ہو سکے آسانی سے آنکھیں بند کریں اور داڑھی اس کی ایک چوڑی پٹی سے باندھیں اور گرہ اس کے سر کے اوپر لگا دیں۔ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور آنکھیں بند کرنے والا بسم اللہ و علیٰ لمتہ رسول اللہ اللہم یر علیہ امرہ و اہل علیہ مابعدہ و اسعد بقلانک و اجعل ما خرج الیہ خیراً مما خرج عنہ پڑھے یہ تبیین میں لکھا ہے اور اس کے جوڑ بند ڈھیلے کر دے اور اس کی دونوں بانہیں اس کے بازوؤں کی طرف کو لے جائے پھر ان دونوں کو پھیلائے پھر اس کے ہاتھوں کی انگلیاں ہتھلیوں کی طرف کو موڑ کر پھر سیدھی کر دے اور اس کی دونوں رانیں پیٹ کی طرف کو موڑ کر سیدھی کر دے اور دونوں پنڈلیاں رانوں کی طرف کو موڑ کر سیدھی کر دے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ جن کپڑوں میں مرا ہے وہ کپڑے اتار لیں اور تمام بدن ایک کپڑے سے ڈھک دیں اور ایک بلند جگہ تخت یا پلنگ پر رکھیں تاکہ زمین کی نمی اس کو پہنچ کر بوند بدل دے اور اس کے پیٹ پر کوئی لوہا یا ترمٹی رکھیں تاکہ نہ پھولے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور مستحب ہے کہ اس کے پڑوسیوں اور دوستوں کو خبر کر دیں تاکہ اس پر نماز پڑھ کر اس کے واسطے دعا کر کے اس کا حق ادا کریں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور بازاروں میں آواز دینے کو بعضوں نے مکروہ لکھا ہے اور اصح یہ ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں یہ محیط سرحی میں لکھا ہے اور مستحب ہے کہ اس قرض ادا کرنے میں جلدی کریں اس کو بری الذمہ کر دیں اور تجھیز و تکفین میں جلدی کریں تاخیر نہ کریں اور اگر کوئی یکا یک مر گیا تو اس کو اتنی دیر تک چھوڑ دیں کہ اس کی موت کا یقین ہو جائے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اس کے پاس غسل کے وقت قرآن پڑھنا مکروہ ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر کوئی عورت مری اور بچہ اس کے پیٹ میں تڑپتا ہو تو امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اس کا پیٹ چیر کر بچہ کو نکال لیں کیونکہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### غسل میت کے بیان میں

میت کا غسل زندوں پر سنت<sup>۱</sup> ہے اور اجماع امت کے نزدیک حق واجب ہے یہ نہایت میں لکھا ہے لیکن اگر بعضے اس کو ادا کریں تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے یہ کافی میں لکھا ہے واجب غسل ایک بار ہے اور تکرار اس کی سنت ہے یہاں تک کہ اگر ایک ہی بار کے غسل پر اکتفا کریں یا جاری پانی میں ایک غوطہ دیدیں تو جائز بدائع میں لکھا ہے جب غسل کا ارادہ کریں تو اس کو ننگا کر لیں یہی ہمارا مذہب ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور ایک تخت پر اس کو رکھیں جس کو میت کے رکھنے سے پہلے طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دے لی ہو اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ تخت کے گرد انگلیٹھی کو ایک بار یا تین بار یا پانچ بار پھرا جائے اس سے زیادتی نہ کریں یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور کیفیت اس کے رکھنے کی ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک یہ ہے کہ اس کو ایسا لمبا لٹا دیں جیسے حالت مرض میں اشارہ سے نماز پڑھنے کے لئے لٹاتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس طرح لٹا دیں جیسے قبر میں لٹاتے ہیں اور اصح یہ ہے کہ جس طرح آسان ہو اس طرح لٹا دیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور مستحب ہے کہ جہاں میت کو غسل دیں وہاں پردہ کر لیں سوائے غسل دینے والے اور اس کے مددگار کے اور کوئی اس کو نہ دیکھے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور اس کا ستر ناف سے گھٹنے تک کسی کپڑے سے ڈھانک لیں یہ محیط سرحی میں لکھا ہے اور یہی صحیح ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ ستر غلیظ کو ڈھانک لیں رانوں کو نہ ڈھکیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور

۱ حق کیونکہ مسلمان پر مسلمان بھائی کے حقوق میں سے نماز دفن بھی ہے ۱۲

۲ سنت اور فتح القدر میں قرض قرار دیا اور یہی اصح ہے کہ قرض کفایہ ہے ۱۳

۳ جب غسل آٹھ تا کہ جب ہی مرا اسی وقت کپڑے اتار لیں ۱۴



یہی صحیح ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک استنجا بھی کرایا جائے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور طریقہ استنجا کا یہ ہے کہ دھونے والا اپنے دونوں ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لے پھر نجاست کے مقام کو دھو دے اس کے جس طرح ستر کو دیکھنا حرام ہے اس طرح ستر کو چھونا بھی حرام ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور مرد غسل کے وقت مرد کی ران کو نہ دیکھے اس طرح عورت عورت کی ران کو نہ دیکھے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے پھر نماز کا سا<sup>(۱)</sup> وضو کرادیں لیکن اگر بچہ ہو جو نماز نہ پڑھتا ہو تو وضو نہ کرائیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منہ دھونے سے شروع کریں ہاتھوں سے نہ شروع کریں یہ محیط میں لکھا ہے اور دہنی طرف سے ابتداء کریں اسی لحاظ سے جیسے وہ اپنی زندگی میں دھوتا ہے اور کلی نہ کرائیں اور ناک میں پانی بھی نہ ڈالیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ غاسل اپنی انگلی پر باریک کپڑا لپیٹ کر اس کے منہ میں داخل کرے اور اس کے دانتوں اور لبوں اور مسوڑھوں اور تالو کو صاف کرے اور اس کے دونوں ہاتھوں میں بھی انگلی داخل کرے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے شمس الائتمہ حلوانی نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا اسی پر عمل ہے یہ محیط میں لکھا ہے سر کے مسح میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے سر پر مسح کیا جائے اور پاؤں کے دھونے میں تاخیر نہ کی جائے یہ تمبین میں لکھا ہے اور گرم پانی سے غسل دینا ہمارے نزدیک افضل ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور پانی کو پیری کی پتوں میں یا اشنان میں جوش دلوایں اور اگر وہ نہ ہو تو خالص پانی کافی ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور سر اور داڑھی حطمی سے دھویں اور جوہ نہ ہو تو صابن یا مثل اس کے اور کسی چیز سے دھویں کیونکہ صابون بھی وہی کام دیتا ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ اگر اس کے سر پر بال ہوں تو اس کی زندگی کی حالت کا لحاظ کیا جاتا ہے یہ تمبین میں لکھا ہے اور یہ چیزیں اگر نہ ہوں تو خالص پانی کافی ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے پھر اس کو پائیں کروٹ پر لٹادیں اور پیری کے پتوں میں جوش دیے ہوئے پانی سے نہلا دیں یہاں تک کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ پانی اس کے بدن پر وہاں تک پہنچ گیا جو تخت سے ملا ہوا ہے پھر اس کو دہنی کروٹ پر لٹادیں اور اس طرح نہلایں اس لئے کہ سنت یہ ہے کہ دہنی طرف سے نہلانا شروع کریں پھر اس کو بٹھادیں اور سہارا دیے رہیں اور نرمی کے ساتھ اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیریں اس لئے کہ کفن ملوث نہ ہو جائے اور اگر کچھ نکلے تو دھو ڈالیں اور اس کے غسل اور وضو کا اعادہ نہ کریں پھر اس کو کپڑے سے پوچھیں تاکہ اس کے کفن کے کپڑے نہ بھیک جائیں اور اس کے بالوں میں اور داڑھی میں کنگھی نہ کریں اور ناخن اور بال نہ تراشیں اور مونچھیں بھی نہ تراشیں اور بغلوں کے بال نہ اکھاڑیں اور ناف کے نیچے کے بال نہ مونڈیں اور جس حالت میں ہو اس طرح دُفن کر دیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر اس کا ناخن ٹوٹا ہوا ہو تو اس کو جدا کر لینے میں مضائقہ نہیں ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اس میں مضائقہ نہیں کہ اس کے چہرہ پر روئی رکھیں اور سوراخوں میں یعنی پیشاب اور پاخانہ کے مقام اور دونوں کانوں اور منہ میں روئی بھر دیں یہ تمبین میں لکھا ہے۔ مردہ اگر پانی میں ملے تو اس کو نہلانا ضروری ہے اس واسطے کہ نہلانا کا حکم آدمیوں پر ہے اور اس کے پانی میں پڑے ہونے سے آدمیوں سے یہ حکم ادا نہیں ہوا لیکن اگر اسی پانی سے نکالتے وقت غسل کی نیت سے ہلا لیں تو پھر دوبارہ نہلانا ضرور نہیں یہ تجنیس اور بدائع اور محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر مردہ سڑ گیا ہو کہ اس کو چھو نہیں سکتے تو اس پر پانی بہالینا کافی ہے یہ تاتار خانہ میں عتابیہ سے نقل کیا ہے۔

عورت کا حکم غسل میں وہی ہے جو مردہ کا ہے عورت کے بال پیٹھ پر نہ چھوڑیں یہ تاتار خانہ میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے جس سے پیدا ہوتے وقت کوئی آواز یا حرکت ایسی پائی جائے جس سے اس کی زندگی معلوم ہو تو اس کا نام رکھیں اور اس کو غسل دیں اور اس کی نماز پڑھیں اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کو ایک کپڑا میں لپیٹ دیں اور اس پر نماز نہ پڑھیں اور ایک روایت میں ہے کہ جو ظاہر روایت

۱۔ پھیریں تاکہ جو کچھ نکلتا ہو وہ نکل جائے اور اس سے وضو میں کچھ نقصان نہ ہوگا ۱۲ ۲۔ نہ چھوڑیں بلکہ کیسہ بنا کر سینہ پر ڈالیں ۱۲

(۱) سوائے کلی وغیرہ کے ۱۲

نہیں ہے کہ اس کو غسل دیں اور یہی مختار ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر جنازے والی دائی اور ماں اس کی زندگی کی نشانی کی گواہی دیں تو ان کا قول مقبول ہوگا اور اس پر نماز جائز ہوگی یہ مضممرات میں لکھا ہے۔ اگر حمل گر جائے اور بچہ کے سب اعضاء نہیں بنے تھے تو با اتفاق روایات یہ حکم ہے کہ اس پر نماز نہ پڑھیں اور مختار یہ ہے کہ اس کو نہلا دیں اور کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کر دیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر کسی مردہ کا نصف سے زیادہ بدن مع سر کے ملے تو اس کو غسل اور کفن دیں اور نماز پڑھیں یہ مضممرات میں لکھا ہے اور جب نصف سے زیادہ بدن پر نماز پڑھ لی تو اس کے بعد اگر باقی بدن بھی ملے تو اس پر نماز نہ پڑھیں۔ یہ ایضاً میں لکھا ہے اور اگر نصف بند ملے اور اس میں سر نہ ہو یا نصف بدن طول میں چرا ہوا ملے تو اس کو غسل نہ دیں اور نماز نہ پڑھیں اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں یہ مضممرات میں لکھا ہے اور جس شخص کا مسلمان یا کافر ہونا معلوم نہ ہو پس اگر کوئی مسلمان ہونے کی علامت ہو یا ایسے ملکوں میں ہو جو مسلمانوں کے ملک ہوں تو اس کو غسل دیں ورنہ نہ دیں یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اگر مسلمانوں اور کافروں کے مردے مل جائے یا مسلمانوں اور کافروں کے مقتول مل جائے تو اگر مسلمان کسی علامت سے پہچانے جاتے ہوں تو اس پر نماز پڑھیں اور مسلمانوں کی علامت ختنہ اور خضاب اور سیاہ کپڑے ہیں اور اگر کوئی علامت نہ ہو تو اگر اس میں مسلمان زیادہ ہیں تو سب پر نماز پڑھیں اور نماز اور دعا میں نیت مسلمانوں کی کریں اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں اور اگر زیادتی مشرکین کی ہو تو کسی پر نماز نہ پڑھیں اور غسل و کفن دیں لیکن مسلمانوں کے مردوں کی طرح غسل و کفن نہ دیں اور مشرکین کے قبرستان میں دفن کریں اور اگر دونوں برابر ہوں تو بھی ان پر نماز نہ پڑھیں دفن میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ مشرکین کے قبرستان میں دفن کریں اور بعض کا قول یہ ہے کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کے واسطے علیحدہ مقبرہ بنا دیں یہ مضممرات میں لکھا ہے اگر کافروں کا کوئی بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ یا اس کے بعد قید ہو کر آئے پھر مر جائے تو اس کو غسل نہ دیں لیکن اگر وہ سمجھ والا ہو اور اس نے اسلام کا اقرار کیا ہو یا اس کے ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو گیا تو غسل دیں اور داد ادا دی کے مسلمان ہونے کی صورت میں اختلاف ہے اور اگر صرف بچہ قید ہو کر آئے تو اس کو غسل دیں لیکن اور اس پر نماز پڑھیں یہ زہدیٰ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص کشتی میں مر جائے تو اس کو غسل دیں اور کفن دیں یہ مضممرات میں لکھا ہے اس پر نماز پڑھیں اور کچھ بوجھ باندھ کر دریا میں ڈال دیں<sup>(۱)</sup> یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور جو شخص بغاوت<sup>(۲)</sup> یا بٹ مار ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے تو اس کو غسل نہ دیں اور اس پر نماز نہ پڑھیں بعضوں نے کہا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ لڑائی کے تمام ہونے سے پہلے قتل ہو لیکن اگر ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے امام کے غالب ہونے کے بعد قتل ہو تو اس کو غسل دیں اور نماز پڑھیں اور یہ بہتر ہے بڑے بڑے مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور جو شخص گلا گھونٹ کر لوگوں کو مارا کرتا ہو اس کو غسل نہ دیں اور اس پر نماز نہ پڑھیں اور ہمارے مشائخ نے نافرمانی کی وجہ سے جو لوگ قتل ہوتے ہیں اس تفصیل کے بموجب ان پر باغوں کا حکم کیا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور جو لوگ شہر کے اندر رات کو ہتھیار باندھ کر غارتگری کریں وہ بٹ ماروں کے حکم میں ہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ مردے نہلانے والا چاہئے کہ باطہارت ہو یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

اگر نہلانے والا جب یا حیض والی عورت یا کافر ہو تو جائز ہے اور مکروہ ہے معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور اگر بے وضو ہو

۱۔ جائز ہے یعنی ممانعت مرتفع ہو کر نماز کا حکم عائد ہوگا ۱۲۔ ۲۔ مل جائیں یعنی ایک ہی جگہ میں غلط ملط ہو جائیں اور سب کی وضع و صورت یکساں ہو جیسے عرب میں تھا غرض کہ شناخت نہ ہو اور قول سیاہ کپڑے یہ زمانہ عباسیہ کے رسم کے موافق علامت بتلائی قول زیادہ مسلمان اس طرح کہ مثلاً سو کافر مارے گئے اور دو مسلمان مارے گئے تو اس قدر معلوم ہو گیا کہ ان تین سو میں سے دو حصہ مسلمان ہیں ۱۲۔

(۱) جب کہ دفن میسر نہ ہو ۱۲۔ (۲) سلطان سے باغی ۱۲۔

تو بالاتفاق مکروہ نہیں یہ قیہ میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ نہلانے والا میت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو اور اگر وہ نہلانے جانتا ہو تو امین اور متقی آدمی غسل دے یہ زہدی میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ نہلانے والا ثقہ آدمی ہو کہ غسل اچھی طرح ادا کرے اور اگر کوئی بری بات دیکھے تو اس کو چھپا دے اور اچھی بات دیکھے تو اس کو ظاہر کرے پس اگر کوئی ایسی بات دیکھے جو اس کو پسند ہو جیسے چہرہ کا نور یا خوشبو یا مثل اس کے اور چیزیں تو اس کو مستحب ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کو بیان کرے اور اگر کوئی ایسی بات دیکھے جو بری معلوم ہو مثلاً منہ کا سیاہ ہو جانا یا بد بو یا صورت بدل جانا یا اعضا کا متغیر ہو جانا یا اس قسم کی اور چیزیں تو ایک شخص کے سامنے بھی اس کا کہنا جائز نہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اگر میت مبتدع ہو اور علانیہ مظہر بدعت ہو اور نہلانے والا اس میں کوئی بری بات دیکھے تو اس کو لوگوں کو سامنے بیان کرنے میں مضائقہ نہیں تاکہ اور لوگ بدعت سے باز رہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ نہلانے والے کے پاس انگلیٹھی میں خوشبو سلگتی ہو تاکہ میت سے کسی بدبو کے ظاہر ہونے کی وجہ سے نہلانے والا اور اس کا مددگار ست نہ ہو جائے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ میت کو بلا اجرت غسل دے اور غاسل اجرت مانگے تو اگر وہاں سوائے اس کے اور کوئی بھی نہلانے والا ہے تو اجرت لینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور مرد مردوں کو اور عورت عورتوں کو نہلانے والے اور مرد عورتوں کو اور عورتوں کو نہلانے والے اور اگر بچہ ایسا چھوٹا ہو کہ اس کو خواہش نہ ہوتی ہو تو جائز ہے کہ اس کو عورتیں نہلا لیں اور اس طرح اگر لڑکی چھوٹی ہو جس پر خواہش نہ ہوتی ہو تو جائز ہے کہ مرد اس کو نہلا دیں اور جس کا عضو کٹا ہو یا حسی ہو وہ مرد کے حکم میں ہے اور عورت کے واسطے جائز ہے کہ اپنے شوہر کو غسل دے یہ حکم اس وقت ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی حرکت اس نے نہ کی ہو جس سے نکاح قطع ہو جاتا ہے جیسے اپنے شوہر کے بیٹے یا باپ کو بوسہ دینا اور اگر اس کے مرنے کے بعد ایسا امر واقع ہو تو غسل دینا جائز نہیں لیکن مرد کسی حالت میں اپنی عورت کو غسل نہ دے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور اگر عورت کو رجعی طلاق دی ہو اور وہ عدت میں ہو اور شوہر مر جائے تو عورت کو غسل دینا جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر عدت کے آخر میں اور وہ عدت میں اس کے تمام ہونے سے پہلے مر اور مرنے کے بعد عدت تمام ہو گئی تو بھی عورت کو غسل دینا جائز ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ جو شخص ایسا ہو کہ اس کو اس عورت کے ساتھ اگر وہ اس وقت زندہ ہو تو بسبب نکاح کے وطی جائز ہو تو جائز ہے کہ عورت اس کو غسل دے ورنہ جائز نہیں یہ تاتارخانیہ میں عتابیہ سے نقل کیا ہے اور یہود اور نصرانیہ عورت اپنے شوہر کو غسل دینے میں مثل مسلمان عورت کے ہے لیکن یہ بہت برا ہے یہ زہدی میں لکھا ہے۔ اگر مرد عورت کو غسل دے تو اگر وہ اس کا محرم ہے تو اس کے ہاتھ لگائے اور اگر غیر شخص ہے تو اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے اور اس کی بانہوں پر نظر پڑتے وقت اپنی آنکھیں بند کرے اور اگر مرد اپنی عورت کو نہلائے تو بھی یہی حکم ہے مگر آنکھیں بند کرنے کا حکم نہیں اور جوان اور بوڑھی عورت میں کچھ فرق نہیں اور کسی کی ام ولد یا مدبرہ یا مکاتبہ یا باندی مرے تو مالک اس کو غسل نہ دے اور اس طرح وہ بھی مالک کو غسل نہ دے اگر کوئی شخص عورتوں میں مر جائے تو اس کی محرم عورت یا زوجہ یا باندی اس کو ہاتھ سے بغیر کپڑا لپیٹے تیمم کرادے اور عورتیں کپڑا لپیٹ کر تیمم کرادیں۔ یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے۔

اگر کوئی شخص سفر میں مر اور اس کے ساتھ عورتیں اور کافر مرد تھا وہ عورتیں اس کا فر مرد کو طریقہ غسل کا تعلیم کریں اور میت کے پاس تنہائی میں اس کافر کو چھوڑ دیں تاکہ وہ غسل دے اور اگر ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں نہ ہو اور ایک چھوٹی لڑکی ہو جس کو خواہش نہیں

۱ تاکہ آخ اشارہ ہے کہ بدگوئی کا قصد نہ ہو بلکہ اس نیت سے کہ زندہ لوگ اس بدعت دین کو محفوظ رکھیں ۱۲

۲ نہ نہلانے والے اگر کوئی مرد نہ ہو تو مردہ مرد کو اس کی ذات رحم محرم عورت تیمم کرادے ورنہ اجنبیہ ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر تیمم کرادے اسی طرح مردہ عورت کی صورت میں جب وہاں کوئی عورت نہ ہو ۱۲



جائز ہے اس کا کفن دینا بھی جائز ہے اور زندگی میں جس کا پہننا جائز نہیں اس کا کفن بھی جائز نہیں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔

اگر مال بہت ہو اور وارث کم ہوں تو کفن سنت دینا اولیٰ ہے اور اگر اس کے برخلاف ہو تو کفایت اولیٰ ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر وارثوں میں کفن دینے میں اختلاف ہو بعضے کہیں دو کپڑوں کا کفن دیا جائے اور بعضے کہیں تین کپڑوں کا تو تین کپڑوں کا کفن دینا چاہئے اس لئے کہ وہ سنت ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور کفن پہنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ مرد کے واسطے اول اوپر لپٹنے کی چادر بچھائی جائے پھر اس پر تہ بند بچھایا جائے پھر اس پر مردہ رکھا جائے اور کفنی پہنائی جائے اور خوشبو اس کے سر اور داڑھی اور تمام بدن پر لگائی جائے یہ محیط میں لکھا ہے سب خوشبو میں لگائیں مگر مرد کے زعفران اور ورس نہ لگائیں یہ ایضاح میں لکھا ہے اور پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں اور دونوں ندموں پر کافور لگائیں پھر تہ بند کو بائیں طرف سے اس پر لپٹیں پھر دہنی جانب سے اور اوپر کی چادر بھی اس طرح لپٹیں یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر کفن کھل جانے کا خوف ہو تو کسی چیز سے باندھ دیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے عورت و کفن دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ اول اس کے واسطے اوپر کی چادر بچھائیں اور اس پر تہ بند بچھا دیں جیسے کہ ہم نے مرد کے واسطے بیان کیا پھر اس پر میت کو رکھیں پھر کفنی پہنا دیں اور اس کے بالوں کو لپٹیں جیسا ہم نے مرد کے واسطے بیان کیا پھر لفٹوں کے اوپر چھاتیوں پر سینہ بند باندھیں یہ محیط میں لکھا ہے اور مردے کو پہنانے سے پہلے کفن کو طاق مرتبہ خوشبو سے بہالیں خواہ ایک مرتبہ یا تین مرتبہ خواہ پانچ مرتبہ اور اس سے زیادہ نہ کریں یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور میت کو تین وقت خوشبو کی دھونی دیں روح نکلتے وقت تاکہ بد بودور ہو جائے اور نہلاتے اور کفن پہناتے وقت اور اس کے بعد خوشبو کی دھونی نہ دیں یہ تمیین میں لکھا ہے اور محرم<sup>۱</sup> اور غیر محرم اس میں برابر ہے۔

خوشبو لگائے اور اس کا منہ اور سر ڈھکے اور باندی کو بھی اس طرح خوشبو کی دھونی دی جائے اور کفن کو مقدار سنت تک قرض<sup>۲</sup> اور وصیت اور ارث پر مقدم کیا جائے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب اس کے مال سے غیر کا حق متعلق نہ ہو جیسے کہ رہن اور بیچی ہوئی چیز جس پر قبضہ نہ دیا ہو اور غلام جس نے کوئی جنایت یعنی خطا کی ہو یہ تمیین میں لکھا ہے اور جس شخص کے پاس کچھ مال نہ ہو اس کا کفن اس پر واجب ہے جس پر اس کا نفقہ واجب ہے مگر امام محمد<sup>۳</sup> کے قول کے بموجب شوہر پر کفن دینا واجب نہیں اور امام ابو یوسف<sup>۴</sup> کے قول کے بموجب شوہر پر کفن دینا واجب ہے اگرچہ جو مال بھی چھوڑے اور اسی پر فتویٰ<sup>۵</sup> ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر شوہر مر اور کچھ مال نہ چھوڑ اور بی بی اس کی مالدار ہے اس پر کفن دینا بالاجماع واجب نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس پر اس کا نفقہ واجب ہو تو کفن اس کو بیت المال سے دیا جائے اور اگر بیت المال نہ ہو تو مسلمانوں پر اس کا کفن دینا واجب ہے اور اگر عاجز ہوں تو اور لوگوں سے سوال<sup>۶</sup> کریں یہ زہدیٰ میں لکھا ہے اور عتابیہ میں ہے کہ اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کو نہلا کر گھاس میں لپیٹ کر دفن کر دیں اس کی قبر پر نماز پڑھیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اگر کوئی شخص کسی قوم کی مسجد میں مر جائے اور کوئی شخص اس کے کفن کا اہتمام کر کے درہم جمع کرے اور اس میں سے بچرے تو اگر وہ اس شخص کو پہچانتا ہو جس کے درہم بچرے تھے تو اس کو پھیر دے اور اگر نہ پہچانتا ہو تو کسی دوسرے محتاج کے کفن میں صرف کر دے اور یہ بھی نہ کر سکے تو فقیروں کو صدقہ کر دے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر کسی کو کفن دیکر دفن کیا اور اس کا کفن چوری ہو گیا تو اگر وہ تازہ دفن ہوا ہے تو اس کے مال میں سے اس کو دوبارہ کفن دیں اور اگر مال تقسیم ہو گیا ہے تو وارثوں پر کفن دینا واجب ہے قرض خواہوں اور وصیت والوں پر کفن دینا واجب نہیں اور اگر قرض سے کچھ ترک نہ بچا تو اگر قرض خواہوں نے ابھی قرضہ پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اول کفن دیا جائے اور اگر قبضہ کر لیا ہے تو اس نے کچھ نہ پھیرا جائے اور اگر

۱۔ محرم جو احرام کی حالت میں مراد ہے خواہ عمر و کا قصد ہو یا حج کا ۱۲

۲۔ قرض یعنی ترکہ میں سے کفن دینا سب سے مقدم ہے ۱۲

۳۔ فتویٰ اور بحر الرائق میں مطلقاً شوہر پر رکھا اور اسی کو مرجع ٹھہرایا ۱۳

۴۔ سوال ظاہرہ سوال بقدر کفایت ہوگا جیسا در مختار میں ہے ۱۲

اس کا بدن بگڑ چکا ہے تو ایک کپڑے میں لپیٹ دینا کافی ہے اور اگر اس کو کسی درندہ جانور نے کھالیا ہے اور کفن باقی رہ گیا تو تر کہ میں شامل ہو جائے گا اور اگر اس کو کسی غیر شخص یا اس کو کسی رشتہ دار نے اپنے مال سے کفن دیا تھا تو اس کفن دینے والے کی طرف عود کرے گا۔ یہ معراج الدراہیہ میں لکھا ہے۔

## رحمہ نہی فصل

### جنازہ اٹھانے کے بیان میں

سنت یہ کہ چار مرد جنازہ اٹھائیں یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ الکارم کی تصنیف ہے جس وقت پلنگ پر جنازہ اٹھائیں تو اس کے چاروں پایوں کو پکڑیں اس طرح سنت وارد ہوئی ہے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے پھر جنازہ اٹھانے میں دو چیزیں ہیں ایک اصل سنت ایک کمال سنت یہ ہے کہ اس کے چاروں پایوں کو باری باری پکڑے اس طور سے کہ ہر جانب سے دس قدم چلے اور یہ سنت سب شخص ادا کر سکتے ہیں اور کمال سنت یہ ہے کہ اٹھانے والا اول اسکے سرہانے کے داہنے پایہ کو پکڑے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور داہنے کاندھے پر اس کو اٹھائے پھر پائنتی کے داہنے پایہ کو کاندھے پر رکھے پھر سرہانے کے بائیں پایہ کو بائیں کاندھے پر رکھے پھر پائنتی کے بائیں کاندھے پر رکھے اور یہ سنت صرف ایک شخص سے ادا ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اور پلنگ کو دو لکڑیوں میں اس طرح اٹھانا کہ اس کو دو شخص اٹھائیں ایک سرہانے دوسرا پائنتی سے مکروہ ہے لیکن ضرورت ہو تو جائز ہے مثلاً جگہ تنگ ہو یا اس قسم کی کوئی ضرورت ہو اور پلنگ کو ہاتھ میں پکڑے یا کاندھے پر رکھے تو کچھ مضائقہ نہیں اور نصف کاندھے پر اور نصف گردن کی جڑ پر رکھنا مکروہ ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اسپجالی نے کہا ہے کہ دودھ پیتا بچہ یا وہ جس کا دودھ چھوٹ گیا ہے یا اس سے کچھ زیادہ عمر کا ہو تو اگر وہ مرجائے تو اگر ایک شخص اس کو ہاتھوں پر اٹھائے تو مضائقہ نہیں اور باری باری سے لوگ اس کو ہاتھوں پر اٹھائیں اور اگر سوار ہو کر اس کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے تو بھی مضائقہ نہیں اور اگر بڑا ہو تو اس کو جنازہ پر رکھیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور میت کو لے چلتے وقت جلد جلد چلیں مگر دوڑیں نہیں اور حد جلد چلنے کی یہ ہے کہ میت کو جنازہ پر حرکت نہ ہو یہ تبیین میں لکھا ہے اور جو لوگ میت کے ساتھ ہوں اور اس کے پیچھے چلیں یہ افضل ہے اور آگے چلنا بھی جائز ہے مگر اس سے دور ہو جائیں اور سب کا آگے ہونا مکروہ ہے اور میت کے داہنے پاؤں نہ چلیں یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور جنازہ کو لے چلیں تو سر ہانڈ آگے کریں یہ مضمیرات میں لکھا ہے۔ اگر جنازہ پڑوسی یا رشتہ دار کسی مشہور صالح شخص کا ہو تو اس کے ساتھ جانا نفل پڑھنے سے افضل ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے جنازہ کے ہمراہ سواری پر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں پیادہ چلنا افضل ہے اور سوار ہو کر جنازہ سے آگے بڑھنا مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جنازہ کے ساتھ اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا اور چیخنا اور گریہ بیان پھاڑنا مکروہ ہے اور بغیر آواز بلند کئے رونے میں کچھ مضائقہ نہیں اور صبر افضل ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور جنازہ کے ساتھ انگلیٹھی میں آگ اور شمع نہ ہو یہ بحر الرائق میں لکھا ہے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانا نہیں چاہئے اور اگر جنازہ کے ساتھ نوحہ کرنے والی یا چیخنے والی عورت ہو تو اس کو منع کریں اور اگر نہ مانے تو جنازہ کے ساتھ جانے میں کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ جنازہ کے ساتھ جانا سنت ہے پس غیر کی بدعت کی وجہ سے اس کو نہ چھوڑیں اور جنازہ کے واسطے کھڑا نہ ہو جائے لیکن اس وقت جب اس کے ساتھ جانے کا ارادہ ہو یہ ایضاح میں لکھا ہے اور اس طرح اگر عید گاہ میں ہو اور جنازہ آئے تو بعضوں نے کہا ہے کہ زمین پر جنازہ رکھ دینے سے پہلے اس کو دیکھ کر کھڑے نہ ہو جائیں یہی صحیح ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جو لوگ جنازہ

کے ساتھ جاتے ہیں ان کو خاموش رہنا چاہیے اور ذکر اور قرأت قرآن میں آواز بلند کرنا ان کو مکروہ ہے اور جب قبر کے پاس زمین پر جنازہ رکھ دیا جائے تو اس وقت بیٹھ جانے میں مضائقہ نہیں اور جنازہ گردنوں سے اتارنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ جب تک اس پر مٹی نہ ڈالیں تب تک نہ بیٹھیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور جب نماز کے واسطے جنازہ اتار دیں تو قبلہ کے عرض میں رکھیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے جنازہ اٹھانے کے لئے استنجا جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

## یا نحبوبہ فصل

### میت پر نماز پڑھنے کے بیان میں

جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے اگر بعض اس کو ادا کر لیں ایک شخص ہو یا جماعت مرد ہو یا عورت<sup>۱</sup> تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی نے نماز نہ پڑھی تو سب لوگ گنہگار ہونگے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ جنازہ کی نماز صرف امام کی نماز سے ادا ہو جاتی ہے اس لئے کہ جنازہ کی نماز میں جماعت شرط نہیں یہ نہایت میں لکھا ہے۔ شرط جنازہ کی نماز کی یہ ہے کہ میت مسلمان ہو اور اگر نہلا نا ممکن ہو تو اس کو نہلا لیا ہو نہلا نا ناممکن نہ ہو مثلاً غسل سے پہلے اس کو دفن کر دیا اور بغیر قبر کھودے اس کو نکالنا ممکن نہیں تو ضرورت کی وجہ سے اس کی قبر پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر بغیر غسل کے میت نماز پڑھی اور اس کو اس طرح دفن کر دیا تو قبر پر دوبارہ نماز پڑھیں کیونکہ پہلی نماز فاسد ہے یہ تبیین میں لکھا ہے میت کی جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں یہ مضمرات میں لکھا ہے اور جو مسلمان پیدا ہونے کے بعد مرا اس پر نماز پڑھیں بچہ ہو یا بڑا ہو مرد ہو یا عورت ہو آزاد ہو یا غلام ہو مگر باغیوں و راہزنیوں پر اور اس طرح<sup>۲</sup> کے اور لوگوں پر نماز نہ پڑھیں اگر کوئی بچہ پیدا ہوتے وقت مر گیا تو اگر نصف سے زیادہ خارج ہو گیا تھا تو اس پر نماز پڑھیں اور نصف سے کم خارج ہوا تھا تو اس پر نماز نہ پڑھیں اور اگر نصف خارج ہوا تھا تو کتاب میں اس کا حکم مذکور نہیں ہے اور نصف میت پر جو نماز پڑھنے کا حکم اول مذکور ہو چکا ہے اسی پر اس کا قیاس ہوگا یہ بدائع میں لکھا ہے اور اگر دار الحرب میں کوئی لڑکا کسی مسلمان سپاہی کے قبضہ میں آجائے اور وہیں مر جائے تو باعتبار اس کے قابض کے اس پر نماز پڑھیں گے یہ محیط میں لکھا ہے امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ جو شخص کسی کا مال لے لے اور اس کے عوض میں قتل کیا جائے تو اس پر نماز نہ پڑھیں یہ ایضاح میں لکھا ہے اور جو شخص اپنے ماں باپ میں سے کسی کو مار ڈالے تو اس کی اہانت کے لئے اس پر نماز نہ پڑھیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور جو شخص غلطی سے اپنے آپ کو مار ڈالے مثلاً کسی دشمن کو تلوار سے مارنے کے لئے پکڑا اور غلطی سے وہ تلوار سے لگ گئی اور مر گیا تو اس کو غسل دیں گے اور نماز پڑھیں گے یہ حکم بلا خلاف ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص عدا اپنے آپ کو مار ڈالے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر نماز پڑھیں گے یہی اصح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور جو شخص کسی حق میں ہتھیار سے یا اور طرح قتل کیا جائے۔ جیسے تو داوررجم میں تو اس کو غسل دیں گے اور اس پر نماز پڑھیں گے اور اس کے ساتھ وہی سب معاملہ کریں گے جو مسلمان مردوں کے ساتھ کرتے ہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور امام جس کو سولی دے اس کے حق میں امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں ہیں ابو سلیمان نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ اس پر نماز نہ پڑھیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے میت پر نماز پڑھانے میں اگر سلطان حاضر ہو تو اولیٰ ہے اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو قاضی اولیٰ ہے پھر امام الحنفی پھر ولی یہی اکثر متون میں لکھا ہے اور حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ سب میں بڑا امام یعنی خلیفہ حاضر ہو تو اولیٰ ہے اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو امام شہر کا اولیٰ ہے اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو قاضی اولیٰ ہے اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو صاحب شرط اولیٰ ہے اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو امام اولیٰ ہے

۱ عورت حتیٰ کہ ایک لونڈی کے پڑھنے سے اتر گئی ۱۲ ۲ اس طرح مثلاً گھونٹ کر مارنا ۱۳

اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو قرابت میں جو سب سے زیادہ قریب ہے وہ اولیٰ ہے اسی روایت کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے یہ کفایہ اور نہایہ اور معراج الدرایہ اور عتابیہ میں لکھا ہے۔ اولیا کی ترتیب موافق ترتیب عصبات کے ہے جو زیادہ قریب ہے وہ اولیٰ ہے لیکن باپ کا حکم اس کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ بیٹے پر مقدم ہے۔ خزانۃ المفتیین میں کہا گیا ہے کہ یہ قول امام محمدؒ کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیٹا اولیٰ ہے اور صحیح یہ ہے کہ سب کا قول یہی ہے یہ یمین میں لکھا ہے اور یہی غیاثیہ اور فتح القدر میں لکھا ہے۔ عورتوں اور بچوں کا میت کی نماز میں کوئی حق نہیں ہے اور اقرب کے واسطے اختیار ہے کہ کسی دور کے رشتہ دار کو مقدم کر دے اور اگر زیادہ رشتہ دار کہیں دور ہو اور اس کے آنے تک نماز فوت ہو جائے گی تو دور کا رشتہ دار اولیٰ ہے اور اگر قریب کا رشتہ دار حاضر نہ ہو مگر اپنے خط میں کسی غیر کے مقدم کرنے کا حکم دے تو دور کے رشتہ دار کو اختیار ہے کہ اس کو منع کرے اور شہر میں جو مریض ہو وہ مثل تندرست کے ہے اس کو اختیار ہے جس کو چاہے مقدم کر لے دور کے رشتہ دار کو منع کرنے کا اختیار نہیں اور اگر دو ولی درجہ میں برابر ہوں تو عمر میں جو بڑا وہ اولیٰ ہے اور ان دونوں میں سے یہ کسی کو اختیار نہیں کہ اپنے شریک کے سوا اور کسی کو مقدم کریں مگر اس کی اجازت سے غیر کو مقدم کرنا جائز ہے اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے جدا جدا شخص کو مقرر کیا تو بڑے نے جس کس مقدم کیا ہے وہ اولیٰ ہے جو ہرۃ النیرہ میں میں لکھا ہے کیرے میں ہے کہ میت نے اگر وصیت کی ہو کہا فلاں شخص میری نماز پڑھائے تو وہ وصیت باطل ہے اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے۔ کوئی غلام مرا اور اس کے مالک اور باپ اور بیٹے میں نماز کی بابت جھگڑا ہوا اور اس کے باپ اور بیٹے آزاد ہیں تو مالک اس کی نماز پڑھانے میں اولیٰ ہے یہ محیط میں لکھا ہے اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور ہمارے نزدیک شوہر کو ولایت نہیں ہے اس لئے کہ موت سے تعلق قطع ہو جاتا ہے یہ جامع صغیر میں لکھا ہے جو قاضی خان کی تصنیف ہے۔

اور اگر عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو شوہر اولیٰ ہے پھر ہمسایہ بہ نسبت اجنبی کے اولیٰ ہے یہ یمین میں لکھا ہے۔ اگر کوئی عورت مری اور اس کا شوہر ہے اور اسی شوہر سے بیٹا عاقل بالغ ہے تو ولایت بیٹے کے لئے ہے شوہر کے لئے نہیں لیکن بیٹے کے لئے یہ مکروہ ہے کہ اپنے باپ پر مقدم ہو اور چاہئے کہ اپنے باپ کو مقدم کر لے اور اگر وہ بیٹا اس شوہر سے نہیں ہے تو اس کے مقدم ہونے میں مضائقہ نہیں اس لئے کہ وہی ولی ہے اور ماں کے شوہر کی تعظیم اس پر واجب نہیں یہ بدائع میں لکھا ہے میت پر صرف ایک بار نماز پڑھی جائے اس لئے کہ جنازہ کی نماز میں نفل مشروع نہیں یہ ایضاً میں لکھا ہے اور اگر سب میں بڑے امام یا سلطان یا والی یا قاضی یا امام حلی نے نماز پڑھا دی تو ولی کو اعادہ کا اختیار نہیں اس لئے کہ وہ لوگ اس سے اولیٰ ہیں اور اگر ان کے سوا کسی اور نے نماز پڑھائی تو اس کو اعادہ کا اختیار ہے کہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر ولی نماز پڑھے تو اس کے بعد کسی کو نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر سلطان نماز پڑھانے کا ارادہ کر لے تو پڑھ سکتا ہے اس لئے کہ وہ اس پر مقدم ہے اگر میت پر ولی نے نماز پڑھی اور اسی مرتبہ کے میت کے اور بھی ولی ہیں تو ان کو نماز کے اعادہ کر سکتا ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے کسی شخص نے جنازہ کی نماز پڑھی اور ولی اس کے پیچھے ہے اور اس کی نماز پر وہ راضی نہیں تو اگر ولی نے اس کی متابعت کر کے نماز پڑھ لی تو نماز جائز ہے اور ولی اعادہ نہیں کر سکتا۔ اگر جنازہ کی نماز کا امام بے وضو تھا تو نماز کا اعادہ کریں اور اگر امام با وضو تھا اور مقتدی بے وضو تھے تو امام کی نماز صحیح ہوگی اور نماز کا اعادہ نہ کریں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر مریض بیٹھ کر جنازہ کی نماز پڑھائے اور وہی ولی ہو اور جماعت کے لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہوں تو جائز ہے کوئی شخص سفر میں مرا پھر اس کے رشتہ دار اس وطن لے گئے پس اگر سلطان یا قاضی کے حکم سے اس کی نماز پڑھ چکے تھے تو اس کا اعادہ نہ کریں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر مغرب کی نماز کے وقت جنازہ حاضر ہو تو جنازہ کی نماز مغرب کی سنت پر مقدم کریں گے یہ قدیہ میں لکھا ہے۔ سوار ہو کر جنازہ کی



نماز پڑھنا جائز نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ جو شرطیں اور نمازوں کی ہیں جیسے متقی و حکمی طہارت اور قبلہ<sup>۱</sup> کی طرف متوجہ ہونا اور ستر عورت اور نیت یہ سب جنازہ کی نماز کی بھی شرطیں ہیں یہ بدائع میں لکھا ہے پس امام اور قوم کو چاہئے کہ نیت کریں اور یوں کہیں کہ میں اللہ کی عبادت کے لئے اس فرض کے ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں اور کعبہ کی طرف متوجہ ہوں اور اس امام کے پیچھے ہوں اور اگر امام نے اپنے دل میں یہ نیت کر لے کہ جنازہ کی نماز ادا کرتا ہے تو صحیح ہے اور اگر مقتدی یوں کہے کہ اس امام کی اقتدا کرتا ہوں تو جائز ہے یہ مضممرات میں لکھا ہے اور جنازہ کی نماز کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ میت حاضر ہو اور رکھی ہوئی ہو اور نماز پڑھنے والے کے سامنے ہو پس اگر میت غائب ہو یا کسی جانور پر ہو یا نماز پڑھے والے کے پیچھے رکھی ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی یہ نہر الفائق میں لکھا ہے۔

جن چیزوں سے اور نمازیں فاسد ہوتی ہیں ان سے جنازہ کی نماز بھی فاسد ہوتی ہے مگر عورت کے برابر ہونے سے فاسد نہیں ہوتی یہ زاہدی میں لکھا ہے جب سات آدمی جماعت میں ہوں تو تین صفیں کر لیں ایک آگے بڑھے اور تین اس کے پیچھے ہوں اور دو ان کے پیچھے ہوں اور ایک ان کے پیچھے ہو یہ تارخانیہ میں لکھا ہے امام کو چاہئے کہ میت عورت ہو یا سینہ کے مقابلہ میں کھڑا ہو میت کی نماز میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ یہی بہتر ہے اور اگر اور جگہ کھڑا ہو تو جائز ہے اور جنازہ کی نماز میں چار<sup>۲</sup> تکبیریں ہوتی ہیں اگر ایک ان میں سے چھوڑ دی تو جائز نہ ہوگی یہ کافی میں لکھا ہے۔ اول شروع کی تکبیر کہے پھر سبحانک اللہم آخر تک پڑھے پھر دوسری تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر تکبیر اور میت اور سب مسلمانوں کی واسطے دعا پڑھے اور اس کے واسطے کوئی دعا مقرر نہیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللھم اغفر لحینا و میتنا و شاہدنا و غائبنا و صغیرنا و کبیرنا و ذکرنا و انثانا اللھم من احیتہ منا فاحیہ علی الاسلام و من توفیہ منا فتوفہ علی الایمان اور اگر میت بچہ ہو تو امام ابوحنیفہ<sup>۳</sup> سے منقول ہے کہ یوں پڑھے اللھم اجعلہ لنا فرطاً اللھم اجعلہ لنا ذخراً و اجرا اللھم اجعلہ لنا شافعاً و مشفعاً۔ یہ اس وقت ہے جب ان دعاؤں کو اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو جوئی دعا چاہے پڑھے پھر چوتھی تکبیر کہے اور دوسرا پھیرے چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں ہے یہ شرح جامع صغیر میں لکھا ہے جو قاضی خان کی تصنیف ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے یہ کافی میں لکھا ہے۔ تکبیر کے سوا اور سب چیزیں آہستہ پڑھیں<sup>۴</sup> یہ تبیین میں لکھا ہے اس نماز میں قرآن نہ پڑھے اور اگر الحمد کو دعا کی نیت سے پڑھے تو مضائقہ نہیں اور قرأت کی نیت سے پڑھے تو جائز نہیں اس واسطے کہ وہ محل دعا کا ہے قرأت کا نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے ظاہر روایت کے بموجب پہلی تکبیر کے سوا پھر ہاتھ نہ اٹھائے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور امام اور قوم اس حکم میں برابر ہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور دونوں سلاموں میں میت کی نیت نہ کرے بلکہ پہلے سلام میں اس شخص کی نیت کرے جو اس کے دائیں طرف اور دوسرے سلام میں اس شخص کی نیت کرے جو اس کے بائیں طرف ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور یہی فتاویٰ قاضی خان اور ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر امام پانچ تکبیریں کہے تو مقتدی متابعت نہ کرے اور امام ابوحنیفہ<sup>۵</sup> سے یہ منقول ہے کہ وہ ٹھہرا رہے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے یہی اصح ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر کوئی شخص آیا اور امام پہلی تکبیر کہہ چکا اور یہ اس وقت حاضر نہ تھا تو انتظار کرے جب امام دوسری تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہہ کر نماز میں شریک ہو اور جب امام فارغ ہو تو مسبوق جنازہ کے اٹھنے سے پہلے وہ تکبیر کہہ لے جو اس سے فوت ہوگئی ہے یہ قول امام ابوحنیفہ<sup>۶</sup> اور امام محمد<sup>۷</sup> کا ہے اور اس طرح اگر امام دو یا تین تکبیریں کہہ چکا ہے تب بھی یہی حکم ہے یہ

۱ قبلہ کی طرف اول اگر کعبہ کی طرف رکھنے میں بائیں طرف سر کیا تو برائی کے ساتھ صحیح ہے اور اگر قبلہ مشتبہ ہو تو تخری سے صحیح ہے ورنہ نہیں ۱۲

۲ چار اور اس سے زیادہ منسوخ ہیں حتیٰ کہ امام زائد کرے تو مقتدی اس کی اتباع نہ کرے ۱۲

۳ آہستہ لیکن سلام میں بھی جہر معمول ہو گیا ہے اور بعض نے فقط ایک سلام میں جہر جائز رکھا اور درمختار میں کہا کہ طفل و مجنون و معتوہ اصلی کے واسطے استغفار

نہ پڑھے اقول منع کرنا خلاف ہے لیکن سنت دوسری دعا ہے ۱۲

سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر کوئی شخص آیا اور امام چار تکبیریں کہہ چکا ہے اور ابھی سلام نہیں پھیرا ہے تو امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ امام کے ساتھ داخل نہ ہو اور اسح یہ ہے کہ داخل ہو اور اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے پھر جنازہ اٹھنے سے پہلے برابر تین تکبیریں کہہ لے دعائے پڑھے یہ خلاصہ اور فتاویٰ قاضی خان لکھا ہے اور اگر جنازہ ہاتھ پر اٹھ گیا اور ابھی گاندھوں پر نہیں رکھا گیا تو ظاہر روایت میں ہے کہ تکبیریں نہ کہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر امام کے ساتھ تھا اور غافل ہو گیا اور امام کے ساتھ تکبیر نہ کہی یا نیت کر رہا تھا اور اس وجہ سے تکبیر میں تاخیر ہو گئی تو وہ تکبیر کہہ لے اور فقہا کے قول کے بموجب امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے اس لئے کہ وہ نماز کے واسطے مستعد تھا پس بمنزلہ شریک نماز کے سمجھا جائے گا یہ شرح جامع صغیر میں لکھا ہے جو قاضی خان کی تصنیف ہے اور اگر امام کے ساتھ پہلی تکبیر کہہ لی اور دوسری اور تیسری نہ کہی تو وہ دونوں تکبیریں کہہ لے پھر امام کے ساتھ تکبیر کہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر امام نے تین تکبیروں کے بعد بھول کر سلام پھیر دیا تو چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرے یا تارخانہ میں لکھا ہے اور اگر بہت سے جنازہ جمع ہو جائیں تو امام کا اختیار ہے کہ اگر چاہے ہر ایک کے واسطے جدا نماز پڑھے اور اگر چاہے ایک نماز میں سب کی نیت کر لے یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے اور ان جنازوں کے رکھنے میں بھی اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو طول میں ان کی ایک صف بنالے اور جو افضل ہے اس کے پاس کھڑا ہو کر نماز پڑھائے اور اگر چاہے ایک کو بعد ایک کے قبلہ کی طرف رکھے اور ترتیب ان جنازوں کی بہ نسبت امام کے اس طرح ہوگی جس طرح زندگی میں امام کے پیچھے نماز میں ان کی ترتیب ہوتی ہے پس افضل افضل ہوگا۔

امام سے قریب مردوں کے جنازہ ہونگے پھر لڑکوں کے پھر خٹوں کے پھر عورتوں پھر قریب بلوغ لڑکیوں کے اور اگر سب مرد ہوں تو حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت کی ہے کہ جو افضل ہے اور عمر میں زیادہ ہے اس کا جنازہ امام کے قریب ہو اور اگر غلام اور آزاد جمع ہوں تو مشہور یہ ہے کہ ہر حال میں آزاد کو مقدم کریں یہ فتح القدیر میں لکھا ہے۔ اگر امام ایک جنازہ کی نماز کی تکبیر کہہ چکا پھر دوسرا جنازہ آیا تو اس طرح نماز پڑھتا رہے اور دوسرے جنازہ پر از سر نو نماز پڑھے اور اگر جنازہ رکھنے کے بعد امام نے دوسری تکبیر کہی اور دونوں جنازوں پر نیت کی تو پہلے جنازہ کی تکبیر ہوگی دوسرے کی تکبیر نہ ہوگی اور اگر دوسری تکبیر صرف دوسرے جنازے کے نیت کی تو وہ دوسرے جنازہ کی تکبیر ہوگی اور پہلے جنازہ کی نماز سے نکل گیا پس جب فارغ ہو تو پہلے جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اگر امام کو جنازہ کی نماز میں حدت ہو اور کسی غیر کو مقدم کر دیا تو جائز ہے اور یہی صحیح ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اگر میت کو نماز سے یا غسل سے پہلے دفن کر دیا تو تین دن تک اس کی قبر پر نماز پڑھیں اور صحیح یہ ہے کہ تین دن کی مقدار واجب نہیں ہے بلکہ جب تک سمجھے کہ مردے کا جسم ابھی نہیں پھنسا تب تک اس پر نماز پڑھے یہ سراج میں لکھا ہے اور جنازہ پر نماز عید گاہ میں اور مکانوں میں گھروں میں برابر ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور نماز جنازہ کی ایسی مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہو مکروہ<sup>۱</sup> ہے خواہ میت اور قوم مسجد میں ہو خواہ میت مسجد سے خارج ہو اور قوم مسجد میں ہو یا امام مع بعض قوم کے مسجد سے خارج ہو اور باقی قوم مسجد میں ہو یا میت مسجد میں ہو اور امام اور قوم خارج مسجد ہو یہی مختار ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور بارش وغیرہ کے عذر سے مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں یہ کافی میں لکھا ہے۔ راستہ میں اور غیر لوگوں کی زمین میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے لیکن جو مسجد کہ جنازہ کی نماز کی واسطے بنائی جائے اس میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور چاہئے کہ جب تک جنازہ پر نماز نہ پڑھ لیں تب تک نہ لوٹیں اور بعد نماز پڑھنے کے دفن سے پہلے بغیر اذان اہل جنازہ کے نہ لوٹیں اور بعد دفن بغیر اذان لوٹنے کا اختیار ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

## جرمینی فصل

## قبر اور دفن اور میت کے ایک مکان سے دوسرے مکان میں لے جانے کے بیان میں

میت کا دفن کرنا فرض کفایہ ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور سنت لحد ہے یہ نہ شق یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور لحد اس کو کہتے ہیں کہ قبر پوری کھودی جائے پھر اس کے اندر قبلہ کی طرف گڑھا کھودا جائے اور اس میں مردہ رکھ دیا جائے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور وہ مثل ایک متصف کمرہ کے بنا دیا جائے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر زمین نرم ہو تو شق میں مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور شق اس کو کہتے ہیں کہ مثل نہر کے ایک گڑھا وسط قبر میں کھودا جائے اور اس کے دونوں طرف کچی اینٹیں یا اور کچھ لگا دیں اور اس میں میت رکھ دی جائے اور چھت بنا دی جائے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور چاہئے کہ قبر کی گہرائی میانہ قد والے آدمی کے سینہ تک ہو اور جس قدر زیادہ ہو وہ افضل ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ طول قبر کا موافق آدمی کے قد کے چاہئے اور عرض اس کا بقدر نصف قد کے چاہئے مضممرات میں لکھا ہے اور شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل سے روایت ہے کہ ہمارے شہروں میں زمین کی نرمی کی وجہ سے صندوق میں میت کو رکھنا جائز ہے اگر لوہے کا صندوق ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں لیکن اس کے اندر مٹی بچھا دیں اور اوپر کی جانب جو میت سے ملی ہوئی ہو اس پر بھی مٹی لگا دیں اور ہلکی کچھی اینٹیں میت کے داہنی اور بائیں طرف رکھ دیں تاکہ بمنزلہ لحد کے ہو جائیں کچی اینٹیں لحد میں لگانا اگر میت سے متصل ہوں تو مکروہ ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے پانی کے بہاؤ کے مکانوں میں دفن کرنا مکروہ ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے۔

جو آدمی قبر کے اندر داخل ہو طاق ہوں یا جفت ہوں برابر ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ وہ لوگ قوی اور امین اور صالح ہوں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اس طرح رشتہ دار غیر محرم اجنبی سے اولیٰ ہے اور اگر وہ بھی نہ ہو تو اگر اجنبی لوگ اس کو قبر میں رکھیں تو مضائقہ نہیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ کوئی عورت قبر میں داخل نہ ہو یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے میت قبلہ کی طرف سے قبر میں اتاری جائے اور یہ اس طرح ہوگا کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی طرف رکھا جائے اور اس میت کو اٹھا کر لحد میں رکھ دیں تو اس کو لینے والے لیتے وقت قبلہ رو ہونگے یہ فتح القدر میں لکھا ہے قبر میں رکھنے والا بسم اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ کہے یہ متون میں لکھا ہے قبر میں داہنی کروٹ پر قبلہ رو لٹایا جائے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور کفن کی گرہ کھل دی جائے اور اس پر کچی اینٹیں اور نرکل بچھائے جائیں کچی اینٹیں اور لکڑی نہ بچھائی جائیں۔ عورت کی قبر پر پردہ کیا جائے مرد کی قبر پر نہ کیا جائے اور اس پر مٹی ڈال دی جائے یہ متون میں لکھا ہے اور اس میں مضائقہ نہیں کہ مٹی ہاتھوں سے ڈالیں یا اوزاروں سے ڈالیں یا اور جس طرح ممکن ہو یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے اور زیادہ بڑھانا مکروہ ہے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے جو لوگ میت کے دفن میں حاضر ہیں ان کے واسطے مستحب ہے کہ وہ سب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین تین لپ مٹی قبر پر ڈالیں اور میت کے سر کی طرف سے ڈالیں اور پہلی مرتبہ میں منہا خلقنا کم پرہیں اور دوسری مرتبہ میں و فیہا نعبدکم اور تیسری مرتبہ میں و منہا نخر حکم تارتہ اخریٰ پرہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے رات کو دفن کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن یہ کام دن میں آسانی سے ہوگا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور قبر کو ہان شتر کی صورت ایک بالشت اونچی بنائی جائے اور چورس نہ کی جائے اور نہ گچ کی جائے اور اس پر پانی چھڑک دینے سے مضائقہ نہیں اور قبر پر کوئی عمارت بنانا اور بیٹھنا اور سونا اور اس کو پھلانگنا اور اس پر بول و براز کرنا یا معلوم ہونے کی کوئی علامت مثل کتابت وغیرہ کے بنانا مکروہ ہے یہ تبیین میں

لکھا ہے اور جب قبر خراب ہو جائے تو اس وقت اس کو مٹی سے لیس دینے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور یہی اسح ہے اور اسی بر فتویٰ ہے یہ جو ہر اخلاقی میں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے لئے قبر کھود رکھے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اجر پائے گا یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے کسی شخص نے قبر کھودی تھی اور لوگوں نے اس میں دوسری میت کے دفن کرنے کا ارادہ کیا تو اگر قبرستان وسیع ہے تو مکروہ ہے اور اگر قبرستان تنگ ہے تو جائز ہے لیکن جو پہلے شخص نے خرچ کیا ہے وہ دینا پڑے گا یہ مضمورات میں لکھا ہے۔ صالحین کے قبرستان میں دفن کرنا افضل ہے اور مستحب یہ ہے کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر قبر کے پاس اس قدر بیٹھیں جتنی دیر میں ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کریں اور قرآن پڑھتے رہیں اور میت کے واسطے دعا کرتے رہے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے قبروں میں لکھا ہے قبروں کے پاس قرآن پڑھنا امام محمدؑ کے نزدیک مکروہ نہیں اور ہمارے مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور مختار یہ ہے کہ میت کو اس سے نفع ہوتا ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے قبر پر مسجد وغیرہ بنانا مکروہ ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے جو فعل کہ سنت سے ثابت نہیں ہوا ہے اس کو قبر کے پاس کرنا مکروہ ہے اور سنت سے قبر کی زیارت اور اس کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنے کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے دو یا تین شخص ایک قبر میں دفن نہ کئے جائیں لیکن حاجت کے وقت جائز ہے تو ایسی حالت میں مرد کو قبلہ کی طرف رکھیں اور اس کے پیچھے لڑکے کو اس کے پیچھے خلعے کو اس کے پیچھے عورت کو اور ایک دوسرے کے پیچ میں کچھ مٹی کی آڑ کر دیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر دونوں مرد ہوں تو لحد میں افضل کو مقدم کریں یہ محیط میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں عورتیں ہوں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور جب میت گل کر مٹی ہو جائے تو اس قبر میں اور شخص کو دفن کرنا یا اس پر کھیتی کرنا یا عمارت بنانا جائز ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور قتل اور میت کے لئے مستحب یہ ہے کہ جس جگہ مرا ہے اسی جگہ والوں کے قبرستان میں دفن کریں اگر دفن سے پہلے ایک میل یا دو میل اسے لے جائیں تو مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اس طرح اگر کوئی شخص اپنے وطن کے سوا دوسرے شہر میں مرے تو وہیں اس کو چھوڑ دینا مستحب ہے اور اگر دوسرے شہر کو لے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں دفن کے بعد مردے کو قبر سے نکالنا چاہئے لیکن اس صورت میں کہ زمین غصب کی ہو یا اور کوئی بطور شفعہ کے اس کو لے لے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے

اگر غیر کی زمین میں بغیر اجازت مالک کی کسی میت کو دفن کر دیں تو مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو میت کے نکالنے کا حکم کرے اور اگر چاہے تو زمین کو برابر کر کے اس پر پر کھیتی کر لے یہ تجنیس میں لکھا ہے اگر میت کو قبلہ کی طرف کو نہیں لٹایا یا بائیں طرف لٹایا یا جس طرف اس کے پاؤں ہوتے ادھر سر کر دیا اور مٹی ڈال چکے تو اب قبر کو نہ کھودیں اور اگر ابھی صرف کچھی اینٹیں بچھائی ہیں مٹی نہیں ڈالی ہے تو ان اینٹوں کا نکال کر سنت کے بموجب میت کو لٹادیں یہ تبیین میں لکھا ہے اگر قبر کے اندر کے کچھ مال رہ گیا اور مٹی ڈالنے کے بعد معلوم ہوا تو قبر کو کھودیں گے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے فقہانے کہا ہے کہ اگر مال ایک درہم کا ہو تو بھی یہی حکم ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے قبرستان سے لکڑی و گھاس کا ثنا مکروہ ہے اگر خشک ہو تو مضائقہ نہیں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے ہمارے نزدیک قبرستان میں جو تیاں پہن کر چلنا مکروہ نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔

اور اسی کے میل میں ہیں یہ مسئلے صاحب مصیبت کے لئے تعزیت کرنا مستحب ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور حسن بن زیاد نے روایت کی ہے کہ جب اہل میت کو ایک بار تعزیت کر دی تو دوبارہ اس کی تعزیت کرنا نہیں چاہئے یہ مضمورات میں لکھا ہے تعزیت کا

۱۔ امام محمدؑ آخ اشارہ ہے کہ ظاہر الروایۃ میں نہیں آیا بلکہ امام محمدؑ سے ظاہر الروایۃ سے منع کا اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ اعلم لیکن سوائے قبرستان کے گھر میں قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانے سے نفع ہوتا ہے ۱۲۔ ۲۔ میل آخ مجملہ اس کے یہ کہ اگر عورت کے پیٹ میں بچہ پھنس گیا اور ماں کے موت کا خوف ہو واپس اگر مر گیا تو گلڑے کر کے نکالنا جائز ہے ورنہ نہیں ۱۲

وقت موت کے وقت سے تین دن تک ہے اور اس کے بعد مکروہ ہے لیکن اگر تعزیت کرنے والا جس شخص کو تعزیت کرتے ہیں غائب ہو تو کچھ مضائقہ نہیں دفن کے پہلے تعزیت کرنے سے دفن کے بعد تعزیت کرنا اولیٰ ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اہل مصیبت اس صدمہ سے بے قرار نہ ہوں اور اگر ایسی حالت ہو تو دفن سے پہلے تعزیت کریں اور مستحب یہ ہے کہ میت کے سب اقارب کو تعزیت کرے بڑے ہوں یا چھوٹے مرد ہوں یا عورت لیکن اگر عورت جو ان ہو تو صرف محرم لوگ اس کی تعزیت کریں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور مستحب ہے کہ جس کو تعزیت کرے اس سے یوں کہے: غفر الله تعالى لميتك وتجاوز عنه و تغمدہ برحمة و رزقك الصبر علی مصیبتہ واجرك کلی موتہ یہ مضمورات میں نقل کیا ہے اور سب سے بہتر رسول اللہ ﷺ کی تعزیت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان الله ما اخذ وله ما اعطى و كل شئى عندہ باجل مسمى اور اگر کافر کی تعزیت مسلمان کو دیے تو یوں کہے: اعظم الله اجرک و احسن عزاک اور اگر مسلمان کی تعزیت کافر کو دے تو یوں کہے احسن اللہ عزاک و غفر لميتک اور یوں نہ کہے کہ اعظم اللہ اجرک اور اگر کافر کی تعزیت کافر کو دے تو یوں کہے اخلف اللہ علیک ولا تنقص عدوک۔ یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور مضائقہ نہیں ہے کہ اہل مصیبت کسی گھر میں یا مسجد میں تین دن تک بیٹھے رہیں اور لوگ ان کے پاس تعزیت کو آتے رہیں اور گھر کے دروازہ پر بیٹھنا مکروہ ہے عجم کے شہروں میں جو فرش بچھاتے ہیں راستے میں کھڑے رہتے ہیں وہ بہت بری بات ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور خزائنہ الفتاویٰ میں ہے کہ مصیبت میں تین روز تک بیٹھنا رخصت ہے اور چھوڑنا اس کا احسن یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے اور بلند آواز سے نوحہ کرنا جائز نہیں اور رقت قلب کے ساتھ رونے میں مضائقہ نہیں اور مردوں کے واسطے تعزیت کی وجہ سے سیاہ لباس پہننا اور کپڑے پھاڑنا مکروہ ہے عورتوں کو سیاہ کپڑے پہننے میں مضائقہ نہیں لیکن رخساروں اور ہاتھوں کو سیاہ کرنا اور گریبان پھاڑنا اور منہ کو نوچنا اور بال اکھاڑنا اور سر پر خاک ڈالنا اور رانیں اور سینہ پیٹنا اور قبروں آگ جلانا جاہلیت کی رسموں میں سے ہے اور باطل اور فسق ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے اور اہل میت کے واسطے کھانا تیار کرنے میں مضائقہ نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور اہل میت کو تیسرے دن ضیافت کرنا جائز نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔

## سائوین فصل

### شہید کے بیان میں

شرح میں شہید اس کو کہتے ہیں جس کو اہل حرب یا باغی یا راہزن قتل کریں یا معرکہ میں زخمی مردہ ملے یا اس کی آنکھ یا کان یا حلق سے خون جاری ہو یا اس میں جلانے کا اثر ہو یا دشمنوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر یا گھوڑوں کو ہانک کر اسے ٹاپوں سے روندنا ہو یا اس کو زخمی کیا ہو یا جانور کے ہاتھ یا پاؤں سے اس کو لوٹا ہو یا اس کے گھوڑے کو مار کر یا لاکار بھگایا ہو اور اس وجہ سے وہ قتل ہو گیا ہو یا نیزہ مار کر اسے پانی یا آگ میں ڈال دیا ہو یا دیوار سے گر دیا ہو یا اس پر دیوار کرادی ہو یا مسلمان کے لشکر پر آگ پھینکی ہو یا اس کو مسلمان کے لشکر کی طرف اڑالائی ہو یا دشمنوں نے کسی لکڑی میں آگ لگا دی ہو اور اس کا ایک سر مسلمانوں کی طرف ہو یا مسلمانوں کے لشکر کی طرف پانی بہایا اور کوئی جل گیا یا کوئی مسلمان ڈوب گیا یا کسی مسلمان نے اس کو بطور ظلم قتل کیا اور اس کی دیت واجب نہ ہوئی یہ کافی میں لکھا ہے اور اس طرح اگر اس کو ذمیوں نے یا مستانوں نے قتل کیا تو بھی یہی حکم ہے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر صلح کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ باپ نے بیٹے کو قتل کیا ہو دیت واجب ہو تو شہادت ساقط نہ ہوگی اس واسطے کہ واجب قصاص تھا لیکن وہ

۱ نوحہ اتول۔ ہذا عشرہ محرم وغیرہ میں گھر گھر دگلی کوچہ و بازاروں میں نوحہ و ماتم کرنا بقول ذہبی وغیرہ کے شنیع ہے اس سے بڑھ کر شنیع یہ کہ اہل بیت طاہرات اور زیات طیبات علیہم السلام کے نام سر بازار مختلف اقوام اہل کفر و شرک کے سامنے لینا حالانکہ اپنی ماں بہنوں کے نام لینے سے عار ہے اور اسی طرح انکی طرف سے ایسے چھوٹے بیانات کرنا جس سے جزع و قزع کا عیب بر ملا ظاہر ہوتا ہے اور اس پر غیر قومیں ہنستی ہیں یہ سب بدتر بدعات ہیں فافہم ۱۲ ع

صلح یا شبہ کی وجہ سے ساقط ہو گیا یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور اگر کوئی شخص اپنی جان یا مال یا مسلمانوں یا ذمیوں کی بچانے میں قتل ہو یا خواہ کسی آلہ سے قتل ہو یا لوہے یا پتھر یا لکڑی سے وہ شہید ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر مسلمان کشتی میں ہوں اور دشمن نے ان پر آگ پھینکی اور وہ جل گئی یا وہ آگ دوسری کشتی میں پہنچی اور اس کشتی میں بھی مسلمان تھے وہ بھی جل گئے تو کل شہید ہونگے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ شہید کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیں اور اس پر نماز پڑھیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اسی خون اور کپڑوں میں دفن کر دیا جائے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر شہید کے کپڑوں میں نجاست لگی ہو تو اس کو دھولیں یہ عتابیہ میں لکھا ہے اور جو چیزیں کہ جن سے کفن سے نہیں ہیں اس کے بدن سے نکال لیں جیسے ہتھیار اور پوستین اور زرہ اور روئی دار کپڑے اور موزے اور ٹوپی اور پانجامہ امام محمد سے سیر کے سوا اور کسی کتاب میں پانجامہ کا ذکر نہیں کیا اور شیخ ابو جعفر ہندوانی کا یہ قول ہے کہ بہتر یہ ہے کہ پانجامہ نہ نکالا جائے اور بہت سے مشائخ نے اسی قول سے موافقت کی ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر کپڑے کم ہوں تو بڑھا کر کفن پورا کر دیا جائے اور اگر کفن سنت سے زیادہ ہوں تو کم کر دیے جائیں یہ کافی میں لکھا ہے اور شہدی کے خوشبو اس طرح لگائی جائے جیسے اور مردہ کو لگائی جاتی ہے یہ بحرا لرائق میں لکھا ہے اور اگر وہ جب ہو یا لڑکا ہو یا مجنون ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو غسل بھی دیں یہ یمین میں لکھا ہے اور اس طرح اگر حیض یا نفاس والی عورت قتل ہو اور وہ طاہر ہو چکی ہو اور خون بند ہو چکا ہو تو بھی غسل دیں اور اگر خون بند نہ ہو تو بھی جو کچھ نظر آتا ہے اگر وہ حیض ہونے کے قابل ہے تو اسح یہ ہے کہ غسل دیں یہ کافی میں لکھا ہے لیکن اگر ایک یا دو دن خون دیکھا تھا پھر قتل ہو گئی تو بالا جماع غسل نہ دیں یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور مرثیہ کو یعنی جو شخص کہ کچھ زندہ رہنے کی وجہ سے شہادت کے حکم سے جدا ہو گیا غسل دیں مثلاً کچھ کھایا پیایا سو یا دوا کی یا معرکہ سے اس کو زندہ اٹھالائے لیکن اگر مقتل سے اس واسطے اٹھالائے کہ اس کو گھوڑے نہ روندیں تو یہ حکم نہیں ہے اور اگر کسی سائبان یا خیمہ میں جگہ ملی اتنی دیر تک زندہ رہا کہ ایک نماز کا وقت گذر گیا اور اس کے ہوش درست تھے تو وہ مرثیہ ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ وہ کچھ خرید و فروخت کرے یا بہت سی باتیں کرے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ امور لڑائی کے تمام ہونے کے بعد پائے جائیں اور اگر لڑائی کے تمام ہونے سے پہلے یہ باتیں پائی جائیں تر مرثیہ نہ ہوگا یہ یمین میں لکھا ہے اور اگر اس نے کسی دنیاوی امر کی وصیت کی یا شہر میں قتل ہو اور یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ دھاوا سے بطور ظلم کے قتل ہوا ہے تو اس کو غسل دیں یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور اس طرح اگر اپنی جگہ سے کھڑا ہو یا اپنی جگہ بدلی تو بھی یہی حکم ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر کسی مشرک کا جانور چھوٹا اور اس پر کوئی سوار نہیں ہے اور اس نے کسی مسلمان کو روند ڈالا یا مسلمان نے مشرکوں کی طرف تیر پھینکا اور وہ کسی مسلمان کو لگ گیا یا مسلمان کا گھوڑا مشرک کے گھوڑے کی وجہ سے بھاگا اور مسلمان کو گرا دیا یا مسلمان بھاگے اور کفار نے ان کو آگ یا خندق کی طرف جانے پر مجبور کر دیا یا مسلمانوں نے اپنے گرد کانٹے بچھائے تھے اور اس پر چلنے سے مر گئے تو ان سب صورتوں میں غسل دیا جائے گا امام ابو یوسف کا اس میں خلاف ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر مسلمان کے گھوڑے نے لڑائی کے وقت ٹھوکر کھا کر مسلمان کو گرا دیا اور قتل کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک غسل دیا جائے گا اور اگر مسلمانوں کے جانوروں نے مشرکین کے جھنڈے دیکھے اور اس وجہ سے کوئی جانور بھاگا اور مشرکین نے اس کو نہیں بھاگایا تھا اور اپنے سوار کو گرا دیا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غسل دیا جائے گا اور اس طرح اگر مشرکین کسی شہر میں محصور ہو گئے اور مسلمان اس شہر کی شہر چناہ کی دیوار پر چڑھ گئے اور کسی کا پاؤں پھسل گیا اور گرا کر مر گیا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غسل دیا جائے گا اور اس طرح اگر مسلمان بھاگے اور کسی مسلمان کے جانور نے کسی مسلمان کو روند ڈالا اور اس کا مالک اس پر سوار یا پیچھے ہانکتا تھا یا آگے سے کھینچتا تھا تو غسل دیں گے اور اس طرح اگر مسلمانوں نے کسی دیوار میں سوراخ کیا اور اس وجہ سے وہ دیوار ان پر گر گئی تو بھی غسل دیں گے الا بقول ابو یوسف یہ محیط میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ دشمن پر حملہ کیا اور اپنے گھوڑے سے گر گیا یہ بدائع میں لکھا ہے اور اگر دونوں فریق کا سامنا ہوا تھا اور لڑائی نہ ہوئی تھی تو اگر کوئی مردہ مل گیا تو اس کو غسل دیں گے لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ وہ لوہے سے بطور ظلم مارا گیا یہی تو غسل

نہ دینگے یہ تا تا خانہ میں لکھا ہے اور اگر معرکہ میں کوئی مرہو املا اور اس پر کوئی قتل کی نشانہ نہ تھی مثلاً زخم یا گلا گھونٹنے یا ضرب یا خون نکلنے کا نشان نہ تھا تو وہ شہید نہ ہوگا اور اس طرح اگر خون ایسی طرف سے نکلا کہ بدوں کسی اندورنی آفت بیماری کے اس طرف سے نکلتا ہے جیسے ناک اور ذکر اور دو بریا سر کی طرف سے خون اتر کر منہ سے بہا تو بھی یہی حکم ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ جو شخص اہل حرب<sup>۱</sup> یا باغیوں<sup>۲</sup> یا راہزنوں کی لڑائی میں اس طرح مقتول ہوا کہ دشمن نے اسکو قتل کیا یا سبب اسکے قتل کا فعل دشمن ہوا تو وہ شہید ہوگا اور جو شخص اس طرح مقتول ہوا کہ اسکے قتل کی دشمن کی طرف نسبت نہیں ہے تو وہ شہید نہ ہوگا یہ محیط میں لکھا ہے۔

## باب نمونہ

سجدوں میں یہ مسئلے ایسے ہیں کہ جو کلیہ قاعدوں کے بموجب مقرر ہوئے ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ سجدہ اگر اپنے محل میں ادا ہو تو بغیر نیت کے ادا ہو جاتا ہے اور جب اپنے محل سے فوت ہو جائے تو بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا اور سجدہ پر اپنے محل سے فوت ہو جانے کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب اس سجدہ میں اور اس کے محل میں ایک پوری رکعت کا فصل ہو جائے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر یہ شک ہو کہ رکعت چھوٹی یا سجدہ چھوٹا ہے تو دونوں کو ادا کرے تاکہ جو کچھ چھوٹا ہے بالیقین ادا ہو جائے اور سجدہ کو رکعت پر مقدم کرے اور اگر رکعت کو سجدہ پر مقدم کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں یہ شک ہو کہ وہ واجب ہے یا بدعت تو احتیاطاً اس کو ادا کرے اور اگر یہ شک ہو کہ وہ سنت ہے یا بدعت تو چھوڑ دے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس بات پر غور کرے کہ جس قدر سجدے چھوٹے ہیں اور جس قدر ادا ہوئے ہیں ان میں کم کون سے ہیں اور انہیں سے اعتبار کرے اس واسطے کہ کم سے اعتبار کرنے میں آسانی ہوتی ہے یہ محیط سرخسی اور ظہیر یہ میں لکھا ہے کسی شخص نے فجر کی نماز پڑھی اور آخر نماز میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد یا آیا کہ اس سے ایک سجدہ چھوٹ گیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس سجدہ کو کر لے پھر تشهد پڑھے اور سلام پھیرے اور سہو کا سجدہ کرے پس اگر معلوم ہو کہ پہلی رکعت کا سجدہ چھوٹا تھا اور غالب گمان یہی ہو تو قضا کی نیت کر لے اور اگر یہ نہ معلوم ہو کہ پہلی یا دوسری رکعت کا ہے اور غالب گمان سے کسی طرف کو ترجیح نہیں دے سکتا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر معلوم ہو کہ دوسری رکعت کا سجدہ ہے تو قضا کی نیت نہ کرے اور اگر یہ یاد آیا کہ اس سے دو سجدے چھوٹے ہیں تو اگر یہ جانتا ہے کہ وہ دو سجدے دو رکعتوں میں چھوٹے ہیں یا اخیر کی رکعت سے چھوٹے ہیں تو واجب ہے کہ دو سجدے کرے اور تشهد پڑھے اور سلام پھیرے پھر سہو کا سجدہ کرے اور اگر یہ جانتا ہے کہ دونوں سجدے پہلی رکعت سے چھوٹے ہیں تو اس پر واجب ہے کہ ایک رکعت پڑھے اور اگر یہ نہ معلوم ہو کہ کس طرح چھوٹے ہیں تو دو سجدے کر لے اور پہلی رکعت کے دو سجدے قضا کرنے کی نیت کرے پھر ایک رکعت پڑھے اور جو شخص دوسرے رکوع میں ملا تو اس کو یہ رکعت نہ ملی اس واسطے کہ دونوں سجدے پہلی رکعت سے ملنے والے ہیں یہ حکم ایک روایت کے بموجب ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ دونوں سجدے دوسرے رکوع سے ملتے ہیں پس اس روایت کے بموجب اس کو رکعت مل جائے گی اور اگر یہ معلوم نہیں ہے کہ دونوں رکعتوں میں سے کونسی رکعت کے سجدے چھوٹے ہیں تو اول دو سجدے کرے اور تشهد پڑھے اور سلام نہ پھیرے پھر کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پڑھے اور تشهد پڑھے اور سلام پھیرے اور سہو کا سجدہ کرے اور اگر یاد آ جائے کہ اس سے تین سجدے چھوٹے ہیں تو ایک سجدہ کرے اور ایک رکعت پڑھے پھر تشهد پڑھے اور قضا کی نیت سجدہ میں نہ کرنے اور اگر یہ یاد آئے کہ اس سے چار سجدے چھوٹے ہیں تو دو سجدے کرے اور وہ ایک روایت کے بموجب پہلے رکوع سے ملیں گے اور دوسری روایت کے بموجب دوسرے رکوع سے ملیں گے اور ایک رکعت اور پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر مغرب کی نماز پڑھی اور ایک سجدہ چھوٹ گیا تو سجدہ کر لے اور اپنے اوپر جو واجب ہے اس کی نیت کرے اور تشهد پڑھے اور سلام پھیر دے اور سہو کے دو سجدے کر لے اگر مغرب کی نماز سے دو سجدے چھوٹے اور یہ نہیں معلوم کہ دونوں رکعتوں سے چھوٹے ہیں یا ایک رکعت سے چھوٹے ہیں تو اپنی رائے لگائے۔

اگر کسی طرف اس کی رائے نہ لگے تو احتیاط پر عمل کرے اور دو سجدے کرے اور ان دونوں میں سے اپنے اوپر جو واجب ہے اسکی نیت کرے یا قضا کی نیت کرے اور اسکے بعد تشهد پڑھے پھر ایک رکعت اور پڑھے پھر تشهد پڑھے اور سلام پھیر دے پھر سہو کے دو سجدے کر لے پھر تشهد پڑھے اور سلام پھیر دے اور اگر تین سجدے چھوٹے ہیں تو بھی اس طرح جیسے ہم بیان کر چکے ہیں اپنی رائے لگا دے اور اگر کسی طرف اس کی رائے نہ لگے تو تین سجدے کر لے اور اس کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے یہ بیٹھنا واجب ہے اگر نہ بیٹھا تو نماز فاسد ہو جائے گی پھر کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پڑھے پھر تشهد پڑھے اور سلام پھیر دے اور سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کرے اور اگر چار سجدے چھوٹے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس طرح چھوٹے ہیں دو رکعتوں سے چھوٹے ہیں یا تین سے تو دو سجدے کرے اور اسکے بعد تھوڑی دیر بیٹھے یہ بیٹھنا واجب ہے پھر کھڑا ہو اور ایک رکعت پڑھے اور تشهد پڑھے پھر دوسری رکعت پڑھے اور تشهد پڑھے اور سلام پھیر دے اور سہو کے دو سجدے کرے اور اگر پانچ سجدے چھوٹے ہیں پس ایک سجدہ جو ادا ہوا ہے اسکے ساتھ ایک سجدہ اور ملا دے تو رکعت پوری ہو جائیگی پھر ایک رکعت پڑھے اور تشهد پڑھے پھر تیسری رکعت پڑھے اور تشهد پڑھے پھر سہو کے دو سجدے کرے شیخ الاسلام معروف بہ خواہر زادہ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس سجدہ میں یہ نیت کر لی کہ یہ ایک سجدہ اسی رکعت کا ہے جس میں سجدہ کرتا ہوں تاکہ اس رکوع سے مل نہ جائے جو اس رکعت کے بعد ادا کرے گا لیکن اگر مطلقاً سجدہ کر لیا اور نیت نہ کی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور چار رکعتوں کی نماز کا وہی حکم ہے جو ایک یا دو یا تین سجدے چھوڑنے کی صورت میں دو یا تین رکعت والی نماز کا حکم ہوتا ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر چار سجدے چھوڑے اور نہیں معلوم کہ کس طرح چھوڑے تو چار سجدے کرے اور تھوڑی دیر بیٹھے یہ بیٹھنا واجب ہے اگر نہ بیٹھا تو نماز فاسد ہو جائیگی پھر ایک رکعت پڑھے اور قعدہ کرے اور تشهد پڑھے پھر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت اور تشهد پڑھے اور سلام پھیر دے اور سہو کے دو سجدے کرے اور اگر پانچ سجدے چھوڑے تو تین سجدے کرے اور اسکے بعد نہ بیٹھے اور پھر دو رکعتیں پڑھے اور احتیاطاً ان دونوں کے درمیان میں قعدہ کرے اور اگر چھ سجدے چھوڑے تو دو سجدے کرے پھر قعدہ نہ کرے پھر دو رکعتیں پڑھے فقہانے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس ایک سجدے میں اسی رکعت کی نیت ہے جس میں وہ سجدہ کیا ہے اور اگر بغیر نیت کے بھول کر وہ سجدہ کر لیا ہے پھر یاد آیا تو دو سجدے کرے اور ان میں سے ایک میں اپنے اوپر سجدہ واجب کی نیت کرے تاکہ ایک سجدہ پہلی رکعت سے مل جائے اور دوسرا دوسری رکعت سے پس دونوں رکعتیں ادا ہو جائیں گی پھر جب تین رکعتیں پڑھ لے تو تین میں سے دوسری رکعت کے بعد قعدہ کرے پھر چوتھی رکعت پڑھ لے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی اور اگر آٹھ سجدے چھوڑے تو دو سجدے کرے اور تین رکعتیں پڑھے اور اگر فجر کی نماز میں تین رکعتیں پڑھ لیں اور دوسری رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا یا قعدہ کیا اور ایک سجدہ چھوڑ دیا اور یہ نہیں معلوم کہ کیونکر چھوڑا ہے تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی اور اگر دو سجدے چھوڑے تو اس میں دو قول ہیں اور اسح یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر تین سجدے چھوڑے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر چار سجدے چھوڑے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور دو سجدے کرے پھر قعدہ کرے پھر ایک رکعت پڑھے اور اگر ظہر کی نماز کی پانچ رکعتیں پڑھیں اور ایک سجدہ چھوڑ دیا تو نماز فاسد ہوگی اور اسح قول کے بموجب یہی حکم ہے کہ اگر دو سجدے چھوڑے یا تین یا چار یا پانچ سجدے چھوڑے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر چھ سجدے چھوڑے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور وہ صورت ہوگی جیسے کہ ظہر کی نماز میں چار رکعتیں پڑھیں اور چار سجدے چھوڑ دے جیسا کہ اول بیان ہو چکا ہے اور اگر سات سجدے چھوڑ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور تین سجدے کرے اور دو رکعتیں پڑھے اور اگر آٹھ سجدے چھوڑے تو دو سجدے کرے اور تین رکعتیں پڑھے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر نو سجدے چھوڑے تو ایک سجدہ کرے پھر ایک رکعت پڑھے پھر قعدہ کرے اور یہ قعدہ سنت ہے پھر دو رکعتیں پڑھے اور قعدہ کرے یہ قعدہ واجب ہے اور اگر دس سجدے چھوڑے تو دو سجدے کرے پھر تین رکعتیں پڑھے اور سہو کا سجدہ کرے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر مغرب کی چار رکعتیں پڑھیں تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر دو سجدے چھوڑ دیے تو اس میں دو قول ہیں اور اس طرح اگر تین یا چار سجدے چھوڑے تو بھی یہی صورت ہے اور اگر پانچ سجدے چھوڑے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور تین سجدے کر لے اور ایک رکعت پڑھے اور اگر چھ سجدے چھوڑے تو دو سجدے کرے اور دو رکعتیں پڑھے جیسے کہ مغرب کی تین رکعتیں پڑھنے کی صورت میں حکم تھا اور دو سجدے کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔



# کتاب الزکوٰۃ

اس میں آٹھ ابواب ہیں

پہلا باب

## زکوٰۃ کی تفسیر، اس کے حکم اور شرائط میں

اور اس میں آٹھ ابواب ہیں تفسیر زکوٰۃ کی یہ ہے کہ زکوٰۃ مالک کو دینا مال کا ہے کسی مسلمان فقیر کو جو ہاشمی<sup>۱</sup> اور اس کا غلام نہ ہو اس شرط پر کہ مالک کرنے والے سے اس مال کی منفعت بالکل منقطع ہو جائے شریعت میں زکوٰۃ کے یہی معنی ہیں یہ تمین میں لکھا ہے حکم زکوٰۃ کا یہ ہے کہ وہ فرض محکم ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور اس کا مانع قتل کیا جائے گا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور جب سال تمام ہو جائے فوراً ادا کرنا واجب ہے بغیر عذر تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا اور رازی<sup>۲</sup> کی روایت میں ادائے زکوٰۃ کا واجب ہونا بہ تاخیر ہے حتیٰ کہ اگر مگر مرتے وقت تک ادا نہ کی تو تو گنہگار ہوگا اور پہلا قول اسح ہے یہ تہذیب میں لکھا ہے اور اس کے ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ دینے کی نیت کرے یا جو کچھ اسکے ذمہ واجب ہے اس کے اتارنے کی نیت کرے یہ کنز میں لکھا ہے اگر یہ نیت کی کہ زکوٰۃ ادا کرتا ہوں اور اس وقت کچھ ادا نہ کیا اور اس کے بعد آخر سال تک تھوڑا تھوڑا دیتا رہا بدون اس کے کہ دل میں نیت حاضر ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی یہ تمین میں لکھا ہے اگر مال دیتے وقت ایسی حالت میں ہو کہ اگر اس سے پوچھا جاتا کہ کس طرح مال دیتا ہے تو بلا فکر زکوٰۃ بتلا دیتا تو یہ بھی نیت ہے اور اگر یوں کہہ لیا کہ آخر سال تک جو کچھ دوں گا وہ زکوٰۃ ہے تو یہ جائز نہیں اگر زکوٰۃ کے ادا کرنے کے واسطے کوئی وکیل مقرر کیا ہے تو وکیل مال دیتے وقت اگر نیت کر لے تو جائز ہے اور اگر اس وقت نیت نہ کی بلکہ جب وکیل نے مال دیا اس وقت نیت کی تو بھی جائز ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے زکوٰۃ میں موکل کی نیت کا اعتبار ہے وکیل کی نیت کا اعتبار نہیں یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے زکوٰۃ کسی شخص کو حوالہ کی اور اس کو حکم کیا کہ فقیروں کو دیدے اور فقیروں کو دیتے وقت نیت نہ کی تو جائز ہے اور اگر زکوٰۃ فقیروں کے دینے واسطے کسی ذمی کے حوالہ کی تو جائز ہے اس لئے کہ نیت حکم کرنے والے میں پائی گئی ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر وکیل نے ابھی مال فقیروں کو نہیں دیا اور موکل کی نیت بدل گئی جو نیت آخر میں قرار پائی اسی سے وہ مال ادا ہوگا

مثلاً زکوٰۃ میں دینے کے لئے کچھ درہم وکیل کو دے اور ابھی اس نے فقیروں کو نہیں دیئے تھے کہ حکم کرنے والے نے ان کو اپنی نذر میں دینے کی نیت کر لی تو وہ نذر سے ادا ہونگے یہ معراج الوہاج میں لکھا ہے اور اگر یوں کہا کہ اگر میں اس گھر میں داخل ہوا تو اللہ کے واسطے اپنے ذمہ یہ واجب کرتا<sup>۳</sup> ہوں کہ یہ سو درہم صدقہ دوں گا پھر اس مکان میں داخل ہوا اور داخل ہوتے وقت یہ نیت کی کہ وہ سو درہم زکوٰۃ میں دیتا ہوں تو زکوٰۃ سے نہ ہونگے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اگر کسی کے پاس کسی کی امانت رکھی تھی اور وہ تلف ہو گئی اور اس کا مالک فقیر تھا اور اس کے جھگڑے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس نے اس امانت کی قیمت اس کو زکوٰۃ کی نیت سے دی تو زکوٰۃ ادا نہ

۱ ہاشمی ہمارے زمانہ میں متاخرین نے فتویٰ دیا کہ ان کو بھی دینا جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور بہتر یہ کہ کوئی فقیر لے کر ان کو ہبہ کر دے ۱۲

۲ واجب قول ترجمہ میں ادائے یہ ہے کہ صریح واجب کا لفظ کہا جائے میرے اوپر ہے یا میرے ذمہ ہے اور مانند اس کے واللہ اعلم ۱۲

ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان کی فصل ادائے زکوٰۃ میں لکھا ہے اور اگر کچھ مال بغیر نیت کے فقیر کو دیدیا اس کے بعد اس کو زکوٰۃ میں دینے کی نیت کر لی تو اگر وہ مال فقیر کے ہاتھ میں قائم ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے یہ معراج الدر ایہ اور زاہدی اور بحر الرائق اور عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے ایک غیر شخص کے مال سے اسی شخص کی طرف سے زکوٰۃ دیدی اس کے بعد مالک نے اجازت دی تو اگر مال فقیر کے ہاتھ میں قائم تھا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں یہ سرجیہ میں لکھا ہے جس شخص نے اپنا کل مال صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو زکوٰۃ کا فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا اور یہ حکم بطور استحسان کے ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے خواہ وہ مال دیتے وقت اس نے صدقہ نفل کی نیت کی ہے یا کوئی نیت نہ کی ہو اور اگر سارا مال اپنا کسی فقیر کو دیدیا اور اس نے دینے میں نیت نذر یا کسی اور واجب کی تو جس جس سے نیت کی ہے اس سے ادا ہوگا اور زکوٰۃ اس کے ذمہ باقی رہے گی اور اگر تھوڑا سا مال فقیر کو دیدیا تو صرف اس قدر مال کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے امام محمدؒ کے نزدیک ساقط ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایسی ہی روایت ہے اور یہی شبہ ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اگر کسی فقیر پر قرض تھا اور وہ اس کو معاف کر دیا تو اس سے اتنے کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔

خواہ اس معاف کرنے میں زکوٰۃ کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اس لئے کہ وہ بمنزلہ ہلاک کے ہے اور اگر تھوڑا سا قرض معاف کیا تو صرف اس قدر کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور باقی کی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ اس کے دینے میں باقی کی زکوٰۃ دینے کی نیت کی ہو یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور اگر وہ شخص جس پر قرض ہے غنی ہو اور وہ قرض اس کو سال تمام ہونے کے بعد ہبہ کر دیا تو جامع کی روایت کے بموجب مقدار زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اور یہی اصح ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر کسی فقیر کو یہ حکم کیا کہ دوسرے شخص پر جو میرا قرضہ ہے وہ وصول کرے اور اس میں نیت اس مال کے زکوٰۃ کی کی جو اسکے پاس ہے تو جائز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر کسی فقیر کو اپنا قرض ہبہ کر دیا اور اس سے دوسرے قرض کے زکوٰۃ کی نیت کی جو اس کا کسی اور شخص پر ہے یا اس مال کے زکوٰۃ کی نیت کی جو اس کے پاس ہے تو جائز نہیں یہ کافی میں لکھا ہے اور نقد دینا نقد اور قرض کی زکوٰۃ سے جائز ہے اور قرض لگا دینا نقد کی زکوٰۃ سے اور ایسے قرض کی زکوٰۃ سے جو وصول ہو جائے گا جائز نہیں اور قرضہ کا لگا دینا اور ایسے قرض کی زکوٰۃ سے جو وصول نہ ہوگا جائز ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور کوئی شخص زکوٰۃ واجب دینے کا ارادہ کرے تو فقہانے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ اعلان و اظہار سے دے اور صدقہ نفل میں افضل یہ ہے کہ پوشیدہ دے یہ فتاویٰ قاضی خان۔ اگر کسی شخص نے کسی مسکین کو درہم ہبہ یا قرض کے نام سے دیئے اور زکوٰۃ کی نیت کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہی اصح ہے یہ بحر الرائق میں مبتعمی اور قدیہ سے نقل کیا ہے اور زکوٰۃ کے واجب ہونے کے چند شرطیں ہیں منجملہ ان کے آزاد ہونا ہے پس غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں اگرچہ اس کو تجارت کا اذن ہو اور یہی حکم مدبر<sup>۱</sup> اور ام<sup>۲</sup> ولد اور مکاتب<sup>۳</sup> کا ہے اور سعی کرنے والے کا حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مثل مکاتب کے ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور منجملہ اس ان کے اسلام ہے پس کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں یہ بدائع میں لکھا ہے اور اسلام جیسے کہ واجب ہونے کی شرط ہے ایسی ہی ہمارے نزدیک زکوٰۃ کے باقی رہنے کی شرط ہے پس اگر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی جیسا مرجانے میں حکم ہے پس اگر کئی برس تک اس طرح مرتد رہا تو اس کے اسلام کے بعد ان برسوں کے لئے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے۔ صیرنی نے کہا کہ دار الحرب میں کوئی مسلمان ہو جائے اور کئی برس تک وہیں رہے پھر دارالاسلام میں آئے تو امام کو ان دنوں کی زکوٰۃ اس سے لینے کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کی ولایت میں نہ تھا لیکن اگر وہ زکوٰۃ کا واجب ہونا اپنے اوپر جانتا تھا تو زکوٰۃ

۱۔ وہ نام جس کے مالک نے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے ۱۲ ۲۔ ام ولد وہ باندی جو اپنے مالک سے اولاد جنی ہو ۱۳

۳۔ مکاتب وہ نام جس کو اس کے مالک نے کہا ہو کہ تو اس قدر مال ادا کرے تو آزاد ہے ۱۴

اس پر واجب ہوگی اور اس کے ادا کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا اور اگر نہیں جانتا تھا تو زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی اور اس کے ادا کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا بخلاف اس کے اگر ذمی دار الاسلام میں مسلمان ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ وہ جوہ زکوٰۃ کا مسئلہ اس کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔

اور منجملہ ان کے عقل اور بلوغ ہے پس لڑکے پر اور مجنون پر اگر تمام سال وہ رہے زکوٰۃ واجب نہیں ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر نصاب کے مالک ہونے کے بعد سال کے کسی حصہ میں اول میں یا اخیر میں بہت دنوں یا تھوڑے دنوں کو افاقہ ہو گیا تو زکوٰۃ لازم ہوگی یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور یہی ظاہر روایت ہے یہ کافی میں لکھا ہے صدر الاسلام ابولبیر نے کہا ہے کہ یہی اصح ہے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے اور جو ابولکارم کی تصنیف ہے یہ حکم جنون عرضی کا ہے جو بعد بلوغ کے ہوا ہو لیکن اصلی جنون جو مجنون بالغ ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک افاقہ کے وقت سے ابتدائے سال کا اعتبار ہوگا یہ کافی میں لکھا ہے ایسی ہی لڑکا اگر بالغ ہو تو وقت بلوغ سے سال کے شروع ہونے کا اعتبار ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور جس شخص کو بہوشی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگرچہ کامل ایک سال تک بے ہوش رہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے مال کا نصاب ہونا ہے اور جو نصاب سے کم ہوگا اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے کسی شخص نے دو سو درہم پر ایک سال تمام ہونے کے بعد پانچ درہم زکوٰۃ کے ایک فقیر کو دیئے یا وکیل کو زکوٰۃ کے واسطے دیئے پھر اس کے درہموں میں کوئی درہم کھوٹا نکلا تو وہ پانچ درہم زکوٰۃ نہ ہونگے کیونکہ نصاب میں کمی ہوگئی اگر فقیر کو دے چکا ہے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر وکیل نے ابھی ان کو صرف نہیں کیا ہے تو واپس لے سکتا ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ پوری ملک ہو اور پوری ملک یہ ہے کہ ملک بھی ہو اور قبضہ بھی ہو اور اگر ملک ہو اور قبضہ نہ ہو جیسے کہ مہر قبضہ سے پہلے یا قبضہ ہو ملک نہ ہو جیسے کہ ملک مکاتب اور مقروض کی اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور مولیٰ ہوئی چیز قبضہ سے پہلے بعضوں نے کہا ہے نصاب نہیں ہوتی اور صحیح یہ ہے کہ وہ نصاب ہوتی ہے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے مالک پر اس غلام کی بابت زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو اس نے تجارت کے واسطے مقرر کیا تھا اور پھر وہ بھاگ گیا یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن مالک کی تصنیف ہے اور اگر شوہر نے اپنی زوجہ سے ہزار درہم پر خلع کیا اور کئی برس تک اس پر قبضہ نہ پایا زکوٰۃ واجب نہیں ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور اگر مال رہن ہے اور مرتہن کے قبضہ میں ہے تو رہن پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے کہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جس غلام کو تجارت کی اجازت ہے اگر اس پر اس قدر قرض ہے کہ اس کے کسب پر محیط ہے تو اس غلام کی بابت بالاتفاق کسی زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر اس پر دیں نہیں ہے تو کسب اس کا مالک کی ملک ہوگا اور جب سال تمام ہوگا تو مالک پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ چاہیے کہ اس کی کمائی لینے سے پہلے زکوٰۃ کا ادا کرنا لازم ہو اور صحیح یہ ہے کہ کمائی کے لینے سے پہلے زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے مسافر پر اپنے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس لئے کہ وہ بواسطہ نائب کے اپنے مال کے تصرف پر قادر ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ مال اس کا اصلی حاجتوں سے زائد ہو پس رہنے کے گھروں اور بدن کے کپڑوں پر اور گھر کے استعمال اسباب اور سواری کے جانوروں پر خدمت کے غلاموں اور استعمال کے ہتھیاروں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اس طرح اس غلہ پر جو اہل و عیال کے کھانے میں صرف ہوگا زکوٰۃ نہیں ہے اور جو آرش کے ظروف ہوں بشرطیکہ چاندی سونے نہ ہوں تو زکوٰۃ نہیں ہے

اس طرح جو اہرات اور موتی اور یاقوت اور ملخس اور مرد وغیرہ پر اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو زکوٰۃ نہیں ہے اور اس طرح اگر خرچ کرنے کے واسطے پیسے خریدے تو ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے یہ یعنی شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور علمی کتابوں پر اگر وہ اہل علم سے ہے

اور پیشہ والوں کے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ یہ حکم ان آلات میں ہے جو آلات سے کام لیا جاتا ہے اور ان کا اثر اس چیز میں باقی نہیں رہتا جس میں ان سے کام لیا جاتا ہے اور اگر ان چیزوں میں اثر باقی رہے مثلاً رنگریز نے کسم یا زعفران اس واسطے خریدی کہ اجرت لے کر لوگوں کے کپڑے رنگے اور ایک سال گذرے تو اگر وہ بقدر نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہی حکم ہے ان سب چیزوں میں جن کو ایسے کام کرنے کے واسطے خریدے جس کا اثر اس چیز میں باقی رہے جس میں اس سے کام لیا جاتا ہے جیسے کہ کس اور تیل چمڑے کی دباغت کی واسطے خریدے اور اس پر سال گذرے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر اس چیز کا معمول میں اثر باقی نہ رہے جیسے کہ صابون اور اشناں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے یہ کفایہ میں لکھا ہے اور مجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ مال دین سے خالی ہو ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس دین کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو وہ وجوب زکوٰۃ کا مانع ہے خواہ وہ دین بندوں کا ہو جیسے کہ قرض اور مولیٰ ہوئی چیز کی قیمت اور تلف کی ہوئی چیزیں یا زخمی کرنے کا عوض اور وہ قرض نقد کی قسم سے ہو یا کیلی<sup>۱</sup> یا وزنی<sup>۲</sup> چیزوں سے ہو یا کپڑے ہوں یا جانور ہو یا خلع کے عوض میں واجب ادا ہو یا عمد اقلل کرنے کے عوض میں صلح ہوئی ہو فی الحال دینا ہو یا کسی قدر مدت کے بعد دینا خواہ اللہ کا فرض ہو جیسے کہ دین زکوٰۃ پس اگر چہ نے والے جانوروں کی زکوٰۃ باقی ہو تو وہ ہمارے اصحاب کے قول کے بموجب بلا خلاف وجوب زکوٰۃ کی مانع ہے خواہ وہ زکوٰۃ مال میں ہو مثلاً مال قائم ہو یا زکوٰۃ اس کے ذمہ ہو اور نصاب ہلاک ہو چکا ہو۔ اور چاندی سونے اور تجارت کے مال کی زکوٰۃ اگر باقی ہو تو اس میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک وہی حکم ہے جو چہ نے والے جانوروں کا حکم ہے اور اگر قرض زمین کا خرچ ہو تو وہ بھی بقدر قرض وجوب زکوٰۃ کا مانع ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ جب خرچ موافق حق کے لیا جاتا ہو اور غلہ حاصل ہونے کے بعد سال تمام ہوتا ہے اور اگر غلہ حاصل ہونے سے پہلے سال تمام ہوتا ہے تو مانع زکوٰۃ نہیں اور جو بغیر حق لیا جاتا ہے تو بھی مانع زکوٰۃ نہیں جب تک کہ سال تمام ہونے سے پہلے نہ لیا جائے اگر عشری زمین میں غلہ پیدا ہو اور اس کے وہ ہلاک کر دے تو اس کے مثل قرض اس کے ذمہ واجب ہوگا اور یہ امر درہموں پر سال کے تمام ہونے سے پہلے واقع ہو پھر درہموں پر سال تمام ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ تارخانہ میں لکھا ہے اور اس طرح مہر موجدل یا معجل مانع زکوٰۃ ہے اس لئے کہ اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور ظاہر مذہب کے بموجب یہی صحیح ہے بزوری نے شرح جامع کبیر میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص پر مہر موجدل اپنی عورت کے ہوں اور ان کے ادا کرنے کا وہ ارادہ نہیں رکھتا تو وہ مانع زکوٰۃ نہیں اس لئے کہ عادت یوں ہے کہ اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا اور یہ قول بہتر ہے یہ جو اہر لفتاویٰ میں لکھا ہے۔

بیبیوں کے نفقے اگر قاضی کے مقرر کرنے یا آپس کی رضامندی سے دیں نہ ہو تو وجوب زکوٰۃ کے مانع نہیں اور اگر قاضی کا حکم یا آپس کی رضامندی نہ ہو تو ساقط ہو جاتے ہیں اور اس طرح رشتہ داروں کا نفقہ اگر قاضی ان کا ادا کرنا تھوڑی مدت میں مقرر کرے مثلاً مہینہ سے کم میں تو مانع وجوب زکوٰۃ ہے اور اگر مدت طویل ہو تو دین نہیں ہوتا بلکہ ساقط ہو جاتا ہے یہ بدائع میں لکھا ہے یہ سب حکم اس صورت میں ہے کہ دین اس کے ذمہ زکوٰۃ کے واجب ہونے سے پہلے ہو اور اگر دین زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد ہوا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور جو دین کہ سال کے اندر ہو تو عیوں میں لکھا ہے کہ امام محمد کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کا مانع ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مانع نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے کسی شخص کے پاس تجارت کے لئے غلام ہے اور غلام پر

۱ کیلی جنس غلہ ہے چونکہ پیمانہ سے ناپ کر فروخت کرنا اصل ہے تو وہ کیلی ہے کہلائے گا اگر چہ اس کا فروخت کرنا وزن سے عرب کے سوا دوسرے ملکوں میں مروی ہے ۱۲ ۲ سونا چاندی وزنی ہے کہ وزن سے اس کی خرید و فروخت کرنا اصل ہے ۱۳

قرض ہے تو بمقدار قرض غلام زکوٰۃ واجب نہیں کسی شخص کے دوسرے شخص پر ہزار درہم قرض ہیں اور تیسرا شخص مقروض کے حکم سے یا بغیر حکم اس کا ضامن ہوا ہے اور اصل مقروض اور ضامن کے پاس ہزار ہزار درہم ہیں اور ان دونوں کے مال پر ایک سال گذرا ہو ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر کسی شخص نے ہزار درہم کسی کے غصب کئے پھر دوسرے شخص نے ان کو غاصب سے غصب کر کے ہلاک کر دیا اور ان دونوں غاصبوں کے پاس ہزار ہزار درہم ہیں اور ان پر سال گذرا تو پہلے غاصب پر اس کے ہزار درہم کی زکوٰۃ واجب ہوگی دوسرے پر نہ ہوگی کہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ کسی شخص کے پاس ہزار درہم ہیں اور ہزار ہی درہم اس پر قرض بھی ہے اور اس کے پاس مکان ہے اور خادم ہیں جو تجارت کے لئے نہیں اور سب کی قیمت دس ہزار درہم ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں اس واسطے کہ قرض ان ہزار درہم کی طرف مصروف ہوگا جو اس کے قبضہ میں ہیں اور اس کی حاجت سے زائد ہیں اور قابل نقل اور تصرف کے ہیں اور گھر اور خادم اس کی حاجت کی چیزیں اس لئے قرض ان کی طرف مصروف نہ ہوگا جو شخص مکان اور خادموں کا مالک ہو اس پر صدقہ لینا حرام نہیں ہے اس لئے کہ یہ چیزیں اس کی حاجت کو دفع نہیں کرتیں بڑھا دیتی ہیں اور حسن بصریؒ کے قول کے یہی معنی ہیں جو انہوں نے کہا ہے کہ دس ہزار درہم کے مالک پر صدقہ لینا حلال ہوتا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ کسی شخص کے پاس گھر ہوں اور خادم ہوں اور ان کے بیچنے کی ممانت ہو اور یہیں سے ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی فقیہ اس قدر کتابوں کا مالک ہو جس کی قیمت مال عظیم ہو اور اس کو صدقہ لینا حلال ہے لیکن اگر حاجت سے زیادہ دو سو درہم کی مالیت کی چیزوں کا مالک ہو تو اس کو صدقہ لینا حلال نہیں یہ شرح مبسوط میں لکھا ہے جو امام سرحسی کی تصنیف ہے اور اگر کسی کتاب کے دو نسخے ہوں اور بعضوں نے کہا ہے کہ تین نسخے ہوں تو حاجت سے زیادہ ہیں اور مختار پہلا قول ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور جب دیں ساقط ہو گیا مثلاً قرض خواہ نے مقروض کو دین معاف کر دیا تو جس وقت سے دین ساقط ہوا ہے اسی وقت سے سال کے شروع ہونے کا حساب ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلے سال تمام ہونے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور یہی کافی میں لکھا ہے اور جن قرضوں کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی فرض نذروں اور کفاروں کے اور صدقہ فطر اور وجوب حج وہ مانع زکوٰۃ نہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور لفظ یعنی پڑی ہوئی چیز اٹھانے کی ضمانت مانع زکوٰۃ نہیں۔ کسی شخص کے قبضہ میں کسی چیز کے نہ نکلنے کی ضمانت اس پر حقدار پیدا ہونے سے پہلے مانع زکوٰۃ نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے فقہانے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص کبھی ہوئی چیز پر قبضہ باقی رہنے کا ضامن ہو اور پھر کوئی اس کا حقدار پیدا ہوا تو اگر سال کے اندر اس کو حق مل گیا تو مانع زکوٰۃ ہے اور اگر سال کے بعد ہوا تو مانع زکوٰۃ نہیں یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اگر کسی کی پاس بہت سے نصائیں مثلاً اس کے پاس درہم ہوں اور دینار ہوں اور تجارت کا مال ہو اور چرنے والے جانور ہوں اور اس پر قرض بھی ہو تو اول درہم دینار کی طرف کو قرض مصروف ہوگا اور اگر ان دونوں سے قرض فاضل ہو تو تجارت کے مال کی طرف مصروف ہوگا اور اگر اس سے بھی فاضل ہو تو چرنے والے جانوروں کی طرف مصروف ہوگا اور اگر چرنے والے جانور مختلف جنسوں کے ہوں تو اس جنس کی طرف مصروف ہوگا جس کی زکوٰۃ کم ہے اور اگر سب زکوٰۃ میں برابر ہوں تو جس طرف چاہے مصروف کرے یہ تمییز میں لکھا ہے حکم اس وقت ہے کہ اگر مصدق یعنی حاکم کی طرف سے صدقوں کا وصول کرنے والا حاضر ہو اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو مال کے مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو قرض کو چرنے والے جانوروں کی طرف مصروف کرے اور درہموں کی زکوٰۃ دے اس واسطے کہ مالک کے حق میں دونوں برابر ہیں مصدق کے حق میں برابر نہیں اس لئے کہ مصدق کو یہی اختیار ہے کہ چرنے والے جانوروں سے زکوٰۃ لے درہموں سے نہ لے اس واسطے وہ دیں درہموں کی طرف مصروف کرتا ہے اور چرنے والے جانوروں سے زکوٰۃ لیتا ہے یہ شرح مبسوط میں لکھا ہے جو امام سرحسی کی تصنیف ہے۔

کسی شخص کے پاس دو سو درہم ہوں اور خدمت کا غلام ہو اور وہ اس غلام کے مثل مہر پر نکاح کرے اور کچھ گہیوں اپنی حاجت کے واسطے قرض لے اور وہ سب چیزیں اس کے پاس ایک سال تک باقی رہیں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس لئے کہ دین نقد اور مال فارغ کی طرف معروف ہوگا اور زکوٰۃ نے کہا ہے کہ زکوٰۃ واجب ہوگی اس لئے کہ دین جنس کی طرف معروف ہوگا یہ کافی میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے یہ ہے کہ نصاب بڑھنے والا ہو خواہ حقیقتہً بڑھنے والا ہو مثلاً والد و تناسل سے یا تجارت سے یا حقیقتہً بڑھنے والا نہ ہو لیکن بڑھنے والے حکم میں ہے اس طرح کہ اس کے بڑھانے پر قادر ہے بایں طور کہ مال اس کے یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہے اور ہر ایک ان میں سے دو قسم ہے ایک خلقی دوسری فعلی یہ تبیین میں لکھا ہے خلقی سونا اور چاندی ہے اس لئے کہ ان کی ذات فائدہ پہنچانے اور اصلی حاجتوں کے دفع کرنے کے لائق نہیں ہے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے یا خرچ کی نیت کرے اور ان دونوں کے سوا جو ہیں وہ فعلی ہیں اور ان میں تجارت کی یا جانوروں کے چرانے کی نیت سے بڑھنا معتبر ہے اور نیت تجارت و چرائی کی جب تک فعل تجارت و چرائی سے متصل نہ ہو معتبر نہیں ہے اور نیت تجارت کی کبھی تو صریح ہوتی ہے اور کبھی دلالت ہوتی ہے صریح یہ ہے کہ تجارت کے معاملہ کی نیت کرے اور مال تجارت کے واسطے ہو خواہ معاملہ خرید و فروخت کا ہو یا اجارہ کا ہو اور برابر ہے کہ اس کے دام نقد ٹھہرے یا کچھ اسباب ٹھہرے اور دلالت یہ ہے کہ تجارت کے اسباب سے کوئی مال عین مول لے یا جو گھر تجارت کے واسطے ہے اس کو کسی اسباب کے عوض میں کرایہ پر دیدیے پس یہ مال عین و اسباب مذکور تجارت کے واسطے ہو جائے گا اگرچہ وہ نیت نہ کرے لیکن بدائع میں مذکور ہے کہ تجارتی مال کے منافع کے بدلے میں جو مال لیتے ہیں اس میں اختلاف ہے اصل کی کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے کہ اگر تجارت کی نیت نہ کرے تو بھی وہ تجارت کے لئے ہے اور جامع سے پایا جاتا ہے کہ نیت پر موقوف ہے پس اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں مشائخ بلخ جامع کی روایت کی تصحیح کرتے تھے اور کسی چیز کا ایسے عقد سے مالک ہوا جس میں مبادلہ نہیں ہے جیسے کہ ہبہ اور وصیت اور صدقہ یا ایسے عقد سے مالک ہوا کہ جس میں مبادلہ ہے مگر مال کا مبادلہ نہیں جیسے کہ مہر<sup>۱</sup> اور خلو کا عوض اور قتل عمد سے صلح اور آزاد کرنے کا عوض اس میں تجارت کی نیت صحیح نہیں ہے یہی اصح ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر کسی چیز کا وارث ہو اور اس میں تجارت کی نیت کر لی تو وہ تجارت کے واسطے عوض نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر مورث کے مرنے کے بعد چرنے والے جانوروں یا تجارت کے مال کا وارث ہو اور وارثوں نے تجارت کی یا جانوروں کو چرانے کی نیت کر لی تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور بعض نے کہا کہ واجب نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص نے تجارت کے واسطے ایک باندی لی پھر اس کو خدمت میں رکھنے کی نیت کر لی تو زکوٰۃ اس سے جاتی رہے گی یہ زاہدی میں لکھا ہے اور مال کے بڑھنے والے ہونے میں شرط یہ ہے کہ اس کے یا اس کے نائب کے قبضہ میں ہو اور اگر اس کے بڑھانے پر قادر نہیں ہے مثلاً قبضہ میں نہیں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جیسے ضمار کا مال یہ تبیین میں لکھا ہے اور ضمار اس مال کو کہتے ہیں کہ اصل اس کی ملک ہیں باقی ہو لیکن اس کے قبضہ سے ایسا نکل گیا ہو کہ غالباً اس کے لوٹنے کی امید نہ ہو یہ محیط میں لکھا ہے اور منجملہ مال ضمار کے وہ قرض ہے جس کا مقروض نے انکار کر دیا ہے۔

نیز غصب کا مال ہے بشرطیکہ ان دونوں پر گواہ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن چرنے والے جانوروں کو اگر کوئی غصب کرے تو اگرچہ غاصب غصب کا اقرار کرتا ہو تو بھی انکے مالک پر زکوٰۃ واجب نہ لگی اور منجملہ مال ضمار کے وہ مال ہے جو گم ہو گیا ہو یا بھاگ گیا ہو یا ڈانڈ میں لے لیا ہو یا دریا میں گر گیا ہو یا جنگل میں دفن ہو اور اس کا موقع بھول گیا ہو اور اگر کسی محفوظ جگہ میں دفن ہو اگرچہ

۱ بڑھنے والا یعنی وہ بڑھانے کے مقابل ہو مثلاً سونا چاندی قبضہ میں موجود ہے تو اس کو تجارت سے بڑھا سکتا ہے اگرچہ حرص سے زمین میں دفن کرے ۱۲

۲ مہر کیونکہ وہ وضع کا عوض ہے نہ مال کا اسی طرح دوسروں کو بھجوا ۱۳ ۳ بھاگ گیا یعنی جیسے غلام بھاگ گیا ۱۴

کسی غیر ہی کے گھر ہو تو اگر اس کو بھول گیا تو منجملہ مال شمار کے نہیں ہے یہ بخر الرائق میں لکھا ہے اور اگر اپنی زمین یا باغ انور میں دفن ہے تو بعضوں نے کہا ہے کہ یہ زکوٰۃ واجب ہوگی اس لئے کہ اپنی ساری زمین کھود سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ واجب نہ ہوگی اس لئے کہ ساری زمین کھودنا مشکل ہے برخلاف گھر اور احاطہ کے یہاں تک کہ اگر چہ احاطہ بہت بڑا ہو تو وہ مال نصاب نہ بنے گا اور اگر کسی پر قرض ہو اور وہ منکر ہو اور اس کے گواہ بھی ہوں اور جس قرض کا مقروض نے انکار کر دیا اور اس پر گواہ بھی نہ تھے پھر چند سال کے بعد وہ قرض ثابت ہو گیا مثلاً مقروض نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر قاضی قرض سے واقف تھا تو گذشتہ ایام کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور جس قرض کا اقرار ہے اس پر ہر صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ دولت مند پر ہو خواہ تنگ دست پر ہو خواہ مفلس پر یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر مفلس پر تھا کہ جس کو قاضی نے مفلس ٹھہرا دیا ہو پھر چند سال کے بعد وہ قرض وصول ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس شخص پر گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی یہ جامع صغیر میں لکھا ہے جو قاضی خان کی تصنیف ہے۔ اگر مقروض پوشیدہ اقرار کرتا ہو اور لوگوں کے سامنے انکار کرتا ہو تو مال نصاب نہ ہوگا اور اگر مقروض مقرر تھا لیکن جب اس کو قاضی کے سامنے لایا گیا تب اس نے انکار کیا پھر مدعی کی طرف سے گواہ قائم ہوئے اور اور کچھ زمانہ گواہوں کی تعدی میں گذرا پھر گواہ عادل ثابت ہوئے تو جس روز سے قاضی کے سامنے جھگڑا پیش کیا ہے گواہوں کی تعدیل میں ثابت ہونے تک کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر قرض دار بھاگ گیا اور مالک خود اس کی تلاش کرنے یا اس کام کے لئے وکیل کرنے پر قادر ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر قادر نہیں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے جن قرضوں کا مقروضوں کو اقرار ہو اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کے تین مرتبہ ہیں اول ضعیف اور وہ دین وہ ہے کہ جس کا بغیر اپنے فعل کے اور بغیر عوض کسی شے کے مالک ہو گیا جیسے میراث یا اپنے فعل سے بغیر عوض کسی شے کے مالک ہو جائے وصیت یا اپنے فعل سے بغیر عوض ایسی چیز کے مالک ہو جو مال نہیں ہے جیسے مہر اور عوض خلع اور وہ مال جو قتل و عمد کی صلح میں حاصل ہو اور دیت<sup>۱</sup> اور عوض کتابت ان میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے لیکن جب اس پر قبضہ کر لے اور بقدر نصاب ہو اور سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی دوسرا درمیانی قرض ہے اور وہ قرض وہ ہے کہ ایسے مال کے عوض میں واجب ہو جو تجارت کے واسطے نہ تھا جیسے کہ خدمت کے غلام اور خرچ کے کپڑے جب اس کے دو سو درہم پر قادر ہو جائے گا تو اصل کی روایت کے بموجب گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے گا تیسرے قوی اور وہ قرض وہ ہے کہ تجارت کے مال کے عوض میں واجب ہو جب اسکے چالیس درہم پر قابض ہو تو گذشتہ ایام کی زکوٰۃ دے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے مال پر سال کا گذر چانا ہے زکوٰۃ میں قمری<sup>۲</sup> سال کا اعتبار ہے یہ قدیہ میں لکھا ہے اگر نصاب سال کے دونوں طرفوں میں پوری ہو اور درمیان میں کم ہو گئی تھی تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر تجارت کے مال کو چاندی سونے کو اس جنس یا غیر جنس سے بدلا تو سال کا حکم منقطع نہ ہوگا اور اگر چرنے والے جانوروں کو ان کی جنس یا غیر جنس سے بدلا تو سال کا حکم منقطع ہو جائے گا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اگر کسی کے پاس مال بقدر نصاب تھا اور درمیان سال میں اسی جنس کا مال اور حاصل ہو تو اس کے اپنے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دے خواہ وہ مال اس پہلے مال کے بڑھنے سے حاصل ہو یا اور طرح اور اگر ہر طرح غیر جنس ہو جیسے پہلے اونٹ تھے اور اب بکریاں حاصل ہوئیں تو نہ ملائے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اگر سال کے گذر جانے کے بعد مال حاصل ہو تو اس کو نہ ملائے اور بالاتفاق اس کے لئے از سر نو سال شروع ہوگا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور ہمارے نزدیک جو مال بعد کو حاصل ہوا

۱ دیت یعنی خون کا عوض اور کتابت جو غلام کو نوشتہ دینے سے ملا ہے ۱۲ ۲ قمری سال جو چاند سے پورا ہوا اور یہی صحیح شرعی ہے اگر چہ بعض نے

ہے وہ ہی اصل مال کے ساتھ اس وقت ملایا جاتا ہے کہ اصل مال پہلے سے بقدر نصاب ہو اور اگر اس سے کم ہو اور اگر چہ ایسی صورت ہو کہ جو مال بعد کو حاصل ہوا ہے اس کو اصل مال کے ساتھ ملانے سے نصاب پورا ہو جائے گا تو بھی نہ ملائیں مگر اب پورے نصاب کا سال چلنا شروع ہو جائے گا یہ بدائع میں لکھا ہے

اگر اس کے پاس چرنے والے جانور بقدر نصاب تھے اور ان پر سال گذر گیا اور زکوٰۃ دیدی پھر ان کو درہموں کے عوض بیچا اور اس کے پاس درہم بھی بقدر نصاب تھے اور ان پر آدھا سال گذر ا تھا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان چرنے والے جانوروں کی قیمت ان درہموں کے ساتھ نہ ملائے بلکہ ان کے لئے نیا سال شروع کرے اور صاحبینؒ کے نزدیک سب کو ملا کر زکوٰۃ دے اور یہ حکم اس وقت ہے جب چرنے والے جانوروں کی قیمت علیحدہ بقدر نصاب ہو اور اگر تنہا نصاب نہ ہو تو بالا جماع ملادے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ جانانج کا عشر دے چکا ہے اس کی قیمت کو جس غلام کا صدقہ فطر دے چکا ہے اس کی قیمت کے ساتھ بالا جماع ملادے اگر سال کے گذر جانے سے پہلے جانوروں کو درہموں کے عوض یا جانوروں کے عوض بیچے تو اس کی قیمت کو بالا جماع اس کی جنس کے ساتھ ملادے اس طرح سے کہ درہموں کو درہموں کے ساتھ ملادے اور جانوروں کو جانوروں کے ساتھ اور اگر چرنے والے جانوروں کو زکوٰۃ دینے کے بعد اپنے پاس سے چارہ کھلانا شروع کیا پھر ان کو بیچا تو بالا جماع ان کی قیمت ملادے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر کسی کے پاس زمین ہو اور اس کا خرارج ادا کیا پھر اس کو بیچا تو اس کی قیمت کو اصل نصاب کے ساتھ ملادے یہ بدائع میں لکھا ہے امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اگر درہموں کی زکوٰۃ دی پھر ان سے چرنے والا جانور خرید اور اس کے پاس اس جنس کے چرنے والے جانور اور بھی ہیں تو ان کو ملائے اس لئے کہ وہ ایسے مال کے عوض حاصل ہوا ہو جس زکوٰۃ ہو چکی۔ اگر اس کو ہزار درہم کسی نے ہبہ کئے اور ان کے ذریعے سے اس نے سال کے تمام ہونے سے پہلے ہزار درہم اور کمائے اور پھر ہبہ کرنے والے نے اپنی ہبہ سے رجوع کیا اور قاضی کے حکم بموجب وہ ہبہ پھر گیا تو اس فائدہ کے ہزار درہم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جب تک ان کی ملکیت پر سال تمام نہ ہوگا اس لئے کہ اصل جو ہزار درہم ہبہ ہوئے تھے ان کا سال باطل ہو گیا تو فائدے کے ہزار درہم ان کے تابع تھے ان کا سال بھی باطل ہو گیا کسی شخص کے پاس دو سو درہم تھے اور ان پر ایک دن کم تین سال گذرے پھر اس کو پانچ درہم اور حاصل ہوئے تو پہلے سال کے پانچ درہم ادا کرے گا اور کچھ ادا نہیں کریگا اس لئے کہ دوسرے اور تیسرے سال میں زکوٰۃ کے فرض سے نصاب میں کمی ہو گئی تھی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ کسی شخص کے پاس تجارت کی بکریاں دو سو درہم کی قیمت کی تھیں اور سال کے تمام ہونے سے پہلے مر گئیں اور اس نے ان کی کھال نکالی اور چمڑوں کی دباغت کی اور ان چمڑوں کی قیمت بھی بقدر نصاب ہو گئی پھر اول بکریوں کا سال تمام ہوا تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر کسی کے پاس انگور کا شیرہ تجارت کے واسطے تھا اور وہ سال کے ختم ہونے سے پہلے خمیر بن گیا پھر سرکہ ہو گیا جس کی قیمت بقدر نصاب تھی پھر انگور کے شیرہ کا سال تمام ہوا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی فقہانے کہا ہے کہ پہلے مسئلہ میں اون جو بکریوں کی پیٹھ پر باقی تھی وہ قیمت کی چیز تھی پس اس کے باقی رہنے سے سال باقی رہا اور دوسرے مسئلہ میں کل مال ہلاک ہو گیا اس لئے سال کا حکم باطل ہو گیا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ نصاب کے مالک ہو جانے کے بعد وقت سے پہلے زکوٰۃ دیدینا جائز ہے اور نصاب کے مالک ہونے سے پہلے زکوٰۃ دیدینا جائز نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ وقت سے پہلے زکوٰۃ دیدینا تین شرطوں سے جائز ہے اول یہ کہ زکوٰۃ دیتے وقت سال چل رہا ہو دوسرے یہ کہ جس نصاب کی زکوٰۃ سال سے پہلے دیدی وہ آخر سال میں کامل نصاب باقی رہے تیسرے یہ کہ اس درمیان میں اصل نصاب فوت نہ ہو جائے۔ پس اگر کسی کے پاس سونا یا چاندی یا تجارت کا مال دو سو درہم سے کم کا تھا اور اس نے اول سے زکوٰۃ دیدی اس کے بعد نصاب پوری ہوئی یا کسی کے پاس دو سو درہم تھے یا تجارت کا مال دو سو درہم کی قیمت کا تھا اور پانچ درہم



زکوٰۃ کے اس نے وقت سے پہلے دیدیے اور نصاب کم ہو گیا یہاں تک کہ اس نصاب کمی میں ہی سال گذرایا اول زکوٰۃ دیتے وقت نصاب کامل تھی پھر سب مال ہلاک گیا تو ان سب صورتوں میں جو کچھ دیا ہے وہ صدقہ نفل ہوگا زکوٰۃ نہ ہوگی یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور جس طرح ایک نصاب کے مالک ہوتے کے بعد وقت سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے اس طرح بہت سی نصابوں میں بھی جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ پس اگر کسی کے پاس دو سو درہم تھے اور اس نے ہزار کی زکوٰۃ دیدی اسکے بعد کچھ اور مال مل گیا یا نفع ہوا اور ہزار پورے ہو گئے اور جب سال تمام ہوا تو اس کے پاس ہزار درہم تھے تو اول زکوٰۃ دیدینا جائز ہے اور ہزار درہم کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہوگئی اور اگر اس سال میں کچھ اور حاصل نہ ہوا اور سال کے تمام ہونے کے بعد اور مال ملا تو جو اول دے چکا ہو وہ اس کی زکوٰۃ نہ ہوگی اور جو اس کے مال کے ملنے کے وقت سے تمام ہو اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہوگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

ایک سال سے زیادہ کی زکوٰۃ دیدینا بھی اول جائز ہے اس لئے کہ سبب موجود ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر دو ہزار درہم کی زکوٰۃ اول دیدی اور اس کے پاس صرف ہزار درہم تھے اور یوں کہا کہ اس سال کے تمام ہونے سے اول مجھے اور ہزار درہم حاصل ہو گئے تو یہ ان دونوں ہزاروں کی زکوٰۃ ہے اور اگر حاصل نہ ہوئے تو یہ اسی ہزار کی دوسرے سال کی زکوٰۃ ہے تو جائز ہوگا کسی شخص کے پاس چار سو درہم تھے اور اس کو یہ گمان ہوا کہ اس کے پاس پانچ سو درہم ہیں اور پانچ سو کی زکوٰۃ ادا کی اس کے بعد معلوم ہوا تو اس کو جائز ہے کہ اس زیادتی کو دوسرے سال کی زکوٰۃ میں محسوب کرے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ کسی شخص کے پاس دو نصاب ہیں ایک چاندی کی دوسری سونے کی اور ان میں سے ایک کی زکوٰۃ وقت سے پہلے دی تو وہ دونوں سے ادا ہوگئی اس لئے کہ جنس کے ایک ہونے کے سبب سے تعین کا اعتبار نہیں ہے اور جنس کے ایک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حساب میں ان دونوں کو ملا لیا جاتا ہے۔ اور اگر ان دونوں نصابوں میں سے ایک نصاب ہلاک ہوگئی تو اس صورت میں دوسری نصاب معین ہو جائے گی اور وہ اسی کی زکوٰۃ ہوگی یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر کوئی شخص مختلف جنس کے حیوانوں کی بہت سے نصابوں کا مالک ہو اور ان میں سے بعض کی زکوٰۃ اس نے وقت سے پہلے دیدی پھر جس کی زکوٰۃ دی تھی وہ مال ہلاک ہو گیا تو اور جو باقی ہیں ان کی طرف سے وہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اور اگر وقت سے پہلے کسی فقیر کو زکوٰۃ دی تھی اور سال تمام ہونے سے پہلے وہ فقیر مالدار ہو گیا یا مر گیا یا مرتد ہو گیا تو جو کچھ اس کو زکوٰۃ دی ہے وہ جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ ہے جب وہ مر جائے تو زکوٰۃ اس کی موت سے ساقط ہو جاتی ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔

## دوسرا باب

### چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ میں

اور اس میں پانچ فصلیں ہیں:

#### پہلی فصل

#### مقدمہ میں

چرنے والے جانور نہ ہوں یا مادہ یا دونوں ملے ہوئے ہوں سب پر زکوٰۃ واجب ہے اور چرنے والے جانوروں سے وہ

۱۔ اول یعنی پہلے سے زکوٰۃ ادا کر دینا جائز ہے چنانچہ اس میں حدیث عباس بنص موجود ہے ۲۔ چرنے والے یعنی جنگل میں مباح گھاس سے چرتے اور

بڑھتے ہوں اور ہر قسم کے جانوروں کا نصاب علیحدہ علیحدہ ہے ۱۲

جانور مراد ہیں جو دودھ کی غرض سے یا بچے لینے کے لئے یا فرہ ہو کر بیش قیمت ہو جانے کے لئے جنگلوں میں چرائے جائیں اگر ان کو لادنے یا سواری کے لئے چرائیں یا دودھ کے لئے اور نسل بڑھانے کے لئے نہ چرائیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اس طرح اگر گوشت کی غرض سے چرائیں تو ان پر بھی زکوٰۃ نہیں اور اگر تجارت کے واسطے چرائیں تو اس میں تجارت کے مال کی زکوٰۃ ہوگی چرنے والے جانوروں کے حساب سے نہ ہوگی یہ بدائع میں لکھا ہے اور اگر سال میں کچھ دنوں چرایا اور کچھ دنوں اپنے پاس سے چارہ کھلایا تو نصف سے زیادہ سال میں چرایا ہے تو چرنے والوں کا حکم ہوگا ورنہ نہ ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر نصف سال چرایا تو بھی وہ جانور چرنے والوں کے حکم میں نہ ہونگے ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ تبیین میں لکھا ہے اور اگر وہ جانور تجارت کے واسطے تھے اور ان کو چھ مہینے یا زیادہ دنوں چرایا تو وہ چرنے والے کے حکم میں نہ ہونگے لیکن اگر تجارت کی نیت موقوف کر کے ان کو چرنے والے میں شامل کر دے تو چرنے والے ہو جائیں گے جس طرح تجارت کے غلام کو اگر یہ ارادہ کیا کہ کئی برس تک خدمت میں رکھے پس اس سے خدمت لینے کے زمانہ میں بھی وہ مال تجارتی ہے لیکن جب یہ نیت کرے کہ اس کو تجارت کے مال سے نکال کر خدمت کے واسطے مقرر کر لے تو تجارتی مال نہ رہے گا یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر چرنے والے جانوروں کے مالک نے یہ ارادہ کیا کہ ان جانوروں سے کام لے یا ان کو چارہ کھلا دے لیکن ایسا کیا نہیں اور سال گذر گیا تو ان پر چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اگر جانور تجارت کے واسطے مول لئے پھر ان کے چرنے کو چھوڑ دیا تو جس وقت سے انہیں چرنے کو چھوڑا ہے اس وقت سے سال کا اعتبار ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے

## دوسری فصل

### اونٹوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور پچیس سے کم میں ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہوگی یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور بکری ایسی ہوتی چاہے جس کا ایک سال پورا ہو گیا اور دوسرا سال شروع ہوا ہو یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور جب پچیس پورے ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو دوسرا سال شروع ہوا ہو پینتالیس تک یہی حکم ہے اور جب چھتیس پورے ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو تیسرا سال شروع ہو پینتالیس تک یہی حکم ہے اور جب چھیالیس پورے ہو جائیں تو ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو چوتھا سال شروع ہوا ہو ساٹھ تک یہی حکم ہے اور جب اکٹھ ہو جائیں تو ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کو پانچواں سال شروع پچھتر تک یہی حکم ہے اور جب چھیتر ہو جائیں تو ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوگی جن کو تیسرا سال شروع ہوا ورنوے تک یہی حکم ہے اور جب اکیانوے ہو جائیں تو ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوگی جن کو چوتھا سال شروع ہو ایک سو بیس تک یہی حکم ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اس کے بعد ایک سو بیس پر جو زیادتی ہوگی ان میں پانچ اونٹنیوں میں ایک ایک بکری ہوتی ایک سو پینتالیس تک یہ حکم ہے اور ایک سو پینتالیس میں دو ایسی اونٹنیاں جن کو چوتھا سال شروع ہوا ہو اور ایک اونٹنی ایسی دے گا جس کو دوسرا سال شروع ہوا ہو اور جب ایک سو چھیالیس پوری ہو جائیں تو تین اونٹنیاں ایسے دے جن کو چوتھا سال شروع ہوا ہو اور ایک اونٹنی ایسی دے جس کو تیسرا سال شروع ہوا ہو اور جب ایک سو چھیانوے ہو جائیں تو چار اونٹنیاں ایسی دے جن کو چوتھا سال شروع ہوا ہو دو سو تک یہ حکم ہے یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور دو سو میں اختیار ہے کہ چاہے ایسی چار اونٹنیاں دے جن کو چوتھا سال شروع ہوا ہو ہر پچاس سے چوتھے سال کی ایک اونٹنی ہوگی اور چاہے پانچ اونٹنیاں ایسے دے جن کو تیسرا سال شروع ہوا ہو تو ہر چالیس چوتھے سال کی ایک اونٹنی ہوگی اور چاہے

پانچ اونٹیاں ایسی دے جن کو تیسرا سال شروع ہوا ہو تو ہر چالیس سے ایک تیسرے سال کی اونٹنی ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ پھر زکوٰۃ کا حساب ہمیشہ کے لئے از سر نو اس طرح شروع ہوگا جس طرح ڈیڑھ سو کے بعد شروع ہوتا ہے ہمارا یہی مذہب ہے اور سختی اور عربی اونٹوں کا حکم برابر ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور کم سے کم عمر جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کے موافق چرنے والے اونٹوں میں یہ ہے کہ دوسرا سال شروع ہوا ہو یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اور چھوٹا اور اندھا اونٹ کنتی کے حساب میں آئے گا لیکن زکوٰۃ میں نہ لیا جائے گا اور اس اونٹنی کو جو اپنے بچہ کو پالتی ہے اور جو کھانے کے واسطے تیار کی جائے اور حاملہ اونٹنی کو اور نر اونٹ کو اور چرنے والوں میں سے عمدہ اونٹوں کو زکوٰۃ میں نہ لیں گے درمیانی کو لیں گے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر ایسا ہو کہ جس عمر کی اونٹنی زکوٰۃ میں واجب ہے وہ کسی موجود نہ ہو تو اس سے اعلیٰ دے اور زیادتی کو پھیر لے یا اس سے کم مرتبہ کی دے اور باقی کو ادا کرے یا اس کی قیمت دے لیکن پہلی صورت میں جو شخص کہ صدقہ لینے کے لئے مقرر ہے اس کو اختیار ہے کہ واجب سے زیادہ مرتبہ کی اونٹنی نہ لیوے بلکہ جس قسم کی اونٹنی واجب ہے اس قسم کی طلب کرے یا قیمت مانگے اس لئے کہ وہ بیع ہے اور بیع میں جبر نہیں اور دوسری صورت میں جبر کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر مالک نے مصدق و جانور کے درمیان روک ٹوک دور کر دی تو مصدق اس پر قابض شمار ہوگا اس لئے کہ وہ بیع نہیں بلکہ زکوٰۃ کو بطور قیمت ادا کرنا ہے یہ کافی میں لکھا ہے۔

## بیسری فصل

### گائے بیل کی زکوٰۃ کے بیان میں

گائے بیلوں میں سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور جب تیس گائے بیل چرنے والے ہوں تو اس میں ایک گائے بیل دے جس کو دوسرا سال شروع ہو یہ ہدایہ میں لکھا ہے پھر اس سے زیادتی پر چالیس تک کچھ نہیں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور جب چالیس پوری ہو جائیں تو ایک ایسا بیل یا گائے دے جس کو تیسرا سال شروع ہو اور جب چالیس سے زیادتی ہو تو اس زیادتی میں اسی کے حساب سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہوتا ہے گا ساٹھ تک یہی حکم ہے پس اگر ایک زیادہ ہوگا تو اس پر تیسرے سال کی گائے یا بیل کا چالیسواں حصہ واجب ہوگا اور اگر دو زیادہ ہوں تو بیسواں حصہ واجب ہوگا اصل کی روایت یہی ہے اور جب ساٹھ ہو جائیں گے تو دو گائیں یا دو بیل دوسرے برس کے واجب ہونگے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور ساٹھ کے بعد چالیس چالیس اور تیس میں کا حساب کیا جائے گا اور ہر چالیس میں ایک گائے یا بیل تیسرے برس کی واجب ہوگی اور ہر تیس میں ایک گائے یا بیل دوسرے سال کا واجب ہوگا تو ستر میں ایک گائے یا بیل تیسرے سال کا اور ایک دوسرے سال کا اور اسی میں دو گائے یا بیل تیسرے سال کے اور نوے میں تین گائے یا بیل دوسرے سال کے اور سو میں ایک گائے یا بیل تیسرے سال کا اور دو گائے یا بیل دوسرے سال کے واجب ہونگے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اور اگر ایسا حساب ہو کہ تیسرے سال کے اور دوسرے سال کے گائے بیل دونوں سے حساب صحیح ہو تو اس کو دونوں کا اختیار ہے مثلاً ایک سو بیس ہوں تو اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو تین گائے یا بیل تیسرے سال کے دے یہ تمین میں لکھا ہے۔ بھینس و بھینسے کا حکم مثل گائے و بیل کے ہے اور جب دونوں ملے ہوئے ہوں تو نصاب ہوں تو نصاب پورا کرنے کے لئے دونوں کو شامل کرنا واجب ہے پھر جو زیادہ نہ ہوں تو اعلیٰ میں سے ادنیٰ اور ادنیٰ میں سے اعلیٰ لے لیں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور منافع میں ہے کہ نہ موادہ اس حکم میں برابر ہیں اور فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ گائے و بیل میں نر میں دوسرے سال کا نر اور مادہ میں دوسرے سال کی مادہ

افضل ہے یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور گائے بیل میں سے کم سے کم عمر جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کے بموجب یہ ہے کہ دوسرا سال شروع ہو شرح طحاوی میں لکھا ہے۔

### بحونہی فصل

## بھیڑ و بکری کی زکوٰۃ میں

بھیڑیں اور بکریاں جو چرنے والی ہوں تو چالیس سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور جب چالیس چرنے والی ہوں اور ایک سال گزر جائے تو ایک بکری واجب ہوگی ایک سو بیس تک یہی حکم ہے اور جب اس پر ایک زیادہ ہو جائے تو دو بکریاں واجب ہیں دو سو تک یہی حکم ہے اور جب اس پر زیادتی ہو تو تین بکریاں واجب ہیں اور جب چار سو پوری ہو جائیں تو چار بکریاں واجب ہوں گی اس کے بعد ہر سیکڑہ میں ایک ایک بکری ہوگی مکتوب رسول اللہ ﷺ اور مکتوب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں یہی بیان وارد ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہوا ہے اور بکریوں میں کم سے کم عمر جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے پورا ایک سال ہے اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور جو بکری اور ہرن سے ملا کر پیدا ہوا اس میں ماں کا اعتبار ہے اگر ماں بکری ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور نصاب کے پورا کرنے میں اس کا حساب ہوگا ورنہ ہو اور اس طرح جو جنگلی اور پالو گائے یا بیل کے ملانے سے پیدا ہوا اس کا بھی یہی حکم ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے

### بانیحویں فصل

## ان جانوروں کے بیان میں جن میں زکوٰۃ واجب نہیں

گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ قول صاحبینؒ کا ہے اور فتویٰ کے لئے یہی مختار ہے لیکن اگر تجارت کے لئے ہوں تو واجب ہے یہ کافی میں لکھا ہے پس جب گھوڑے تجارت کے لئے ہوں تو حکم ان کا تجارت کے مال کا ہے اگر ان کی قیمت بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ وہ چرتے ہوں یا ان کو چارہ کھلایا جاتا ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے۔ اور گدھے اور خچر اور چیتے اور تعلیم یافتہ کتوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب تجارت کے واسطے ہونگے یہ سراجیہ میں لکھا ہے اور بکری اور اونٹ اور گائے کے بچوں پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے اور آخر قول ان کا یہی ہے اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے اور اگر ان میں ایک بھی پوری عمر کا ہو تو سب ان کے نصاب کے پورا ہونے میں اس کے تابع ہو جائیں گے مگر زکوٰۃ میں وہ نہ دیئے جائیں گے یہ ہدایہ میں لکھا ہے پس اگر انتالیس بچے اور ایک پوری بکری ہو تو ایک درمیانی بکری واجب ہوگی پس اگر وہی درمیانی بکری ہے یا اس سے کم ہے تو لے جائے گی اور اگر سال کے بعد وہ ہلاک ہو جائے تو صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس طرح اگر انچاس اونٹ کے بچے اور ایک درمیانی اونٹنی ہو تو زکوٰۃ میں وہی اونٹنی واجب ہوگی پھر اگر آدھے بچے ہلاک ہو جائیں تو آدھی اونٹنی ساقط ہو جائے گی اور آدھی باقی رہے گی یہ کافی میں لکھا ہے کسی بچے کو زکوٰۃ میں لینا جائز نہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ جو جانور کام کرتے ہیں یا ان پر بوجھ لاداجاتا ہے یا چارہ کھلایا جاتا ہے ان پر زکوٰۃ نہیں یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

## نمبر ۱۰

## سونے اور چاندی اور اسباب کی زکوٰۃ میں

اس باب میں دو فصلیں ہیں

## پہلی فصل

## سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے بیان میں

دو سو درہم پر پانچ درہم واجب ہوتے ہیں اور بیس مثقال سونے پر آدھا مثقال واجب ہوتا ہے سکہ دار ہو یا بے سکہ بنا ہوا ہو یا بے پناہ خواہ زیور ہو مردوں یا عورتوں کا گداختہ ہو یا ناگداختہ یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ چاندی سونے کی زکوٰۃ میں معتبر یہ ہے کہ جو زکوٰۃ میں دیا جائے وہ وزن میں قدر واجب کے برابر ہو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک قیمت کا اعتبار نہیں پس اگر پانچ کھرے درہموں کے عوض پانچ کھوٹے درہم دیئے جن کی قیمت چار کھرے درہموں کے برابر تھی تو ان دونوں کے نزدیک جائز نہیں ہے اگر کسی کے پاس چاندی کی ابریق ہو جس کا وزن دو سو درہم کے برابر ہو اور اس کی بنوائی کی اجرت لگا کر تین سو درہم کی ہے تو اگر اس کی زکوٰۃ میں چاندی دے تو اس کا چالیسواں حصہ دے اور اس کا چالیسواں حصہ ایسی پانچ درہم چاندی ہوگی جس کی قیمت ساڑھے سات درہم کے برابر ہو اور اگر ایسی پانچ درہم چاندی دے جس کی قیمت پانچ درہم ہے تو جائز ہے اگر زکوٰۃ میں دوسری جنس دے تو بالا جماع قیمت کا اعتبار ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے اور زکوٰۃ کے واجب ہونے میں بھی اعتبار کیا جاتا ہے کہ چاندی سونے کا وزن بقدر نصاب کے ہو یا بالا جماع قیمت کا اعتبار نہیں پس اگر کسی کے پاس چاندی کی ابریق ایسی ہو جس کا وزن ڈیڑھ سو درہم اور قیمت دو سو درہم تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں یہ یعنی شرح کنز میں لکھا ہے اور بیانیج میں ہے کہ اگر گنتی میں دو سو درہم ہوں اور وزن اور وزن میں کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں اگرچہ کمی تھوڑی ہو یا تار خانہ میں لکھا ہے۔ سونے میں مثقالوں کی وزن کا اعتبار ہوگا اور درہموں میں وزن سبب کا اور وزن سبب اس کو کہتے ہیں کہ دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے مثقال دینار کے برابر ہوتا ہے جس کے بیس قیراط ہوتے ہیں اور درہم کے چودہ قیراط ہوتے ہیں اور ایک قیراط پانچ جو بھر ہوتا ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر درہموں میں ملاوٹ ہو تو اگر چاندی غالب ہو تو خالص درہموں کا حکم ہوگا اگر ملوٹی غالب ہو تو چاندی کا حکم نہ ہوگا جیسے کھوٹے درہم ہوتے ہیں تو اگر ان کا رواج ہو اور تجارت کی نیت کی ہو تو ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا اگر انکی قیمت کم مرتبہ کے درہموں کی ایسی نصاب کو پہنچے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور کم مرتبہ کے درہم وہ ہوتے ہیں جن میں ملاوٹ ہو اور چاندی غالب ہو اور ان کی قیمت ایسے نصاب کو نہ پہنچے تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر ان کا رواج نہ ہو اور تجارت کی نیت بھی نہ کی ہو تو ان میں زکوٰۃ نہیں لیکن اگر وہ بہت ہوں اور ان میں جس قدر چاندی ہو وہ دو سو درہم کی ہو اور ملوٹی سے جدا ہو سکتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر جدا نہ ہو سکتی ہو تو زکوٰۃ نہیں یہ بہت سی کتابوں میں لکھا ہے۔ ملاوٹ کے سونے کا بھی وہی حکم ہے جو ملاوٹ کی چاندی کا حکم ہے اور اگر ملاوٹ چاندی یا سونے کے برابر ہو تو اس میں اختلاف ہے خانیہ اور خلاصہ میں یہ اختیار کیا ہے کہ

۱۔ دو سو درہم کی ساڑھے باون تولہ چاندی ہوتی ہے اور اس زمانہ کے چلن میں جو چہرہ دار روپیہ ہیں وہ ساڑھے گیارہ ماشا ایک رتی کے ہوتے ہیں تو دو سو

درہم کے مقابلہ میں قریباً چوں روپیہ دو آٹھ پائی ہوتے ہیں ۱۲ ۱۳۔ بیس مثقال کے ساڑھے سات تولہ ہوتے ہیں ۱۲

احتیاطاً زکوٰۃ واجب ہوگی یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور اگر چاندی یا سونا ملے ہوئے ہوں تو اگر سونا بقدر نصاب ہے تو سونے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر چاندی بقدر نصاب ہے تو چاندی کی زکوٰۃ واجب ہوگی یہ حکم اس وقت جب چاندی غالب ہو اور اگر چاندی تھوڑی ہو تو کل سونے کے حکم میں ہوگا اس لئے کہ اس کی قیمت اعلیٰ ہے یہ تمبین میں لکھا ہے پیسے اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں اور اگر تجارت کے لئے ہوں تو جب دو سو درہم کے ہونگے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی یہ محیط میں لکھا ہے۔ چاندی دو سو درہم اور سونے میں بیس مثقال سے زیادہ پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے بموجب اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک چاندی کی زیادتی چالیس درہم اور سونے کی زیادتی چار مثقال نہ ہو۔ پھر ہر چالیس درہم چاندی میں ایک درہم ہوگا

ہر مثقال سونے میں دو قیراط واجب ہونگے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور مال کی قیمت چاندی سونے کے ساتھ اور سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے حساب سے ملا دیں گے یہ کنز میں لکھا ہے۔ پس اگر کوئی سو درہم اور ایسے پانچ دینار کا مالک ہو جن کی قیمت سو درہم ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی صاحبینؒ کا اس میں خلاف ہے اور اگر سو درہم اور دس دینار ڈیڑھ سو درہم اور پانچ دینار یا پچاس درہم اور پندرہ دینار کا مالک ہو تو بالا جماع ملا دیں گے یہ کافی میں لکھا ہے اور اگر اس کے پاس سو درہم اور دس دینار ہوں جن کی قیمت سو درہم سے کم ہے تو صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ واجب ہوگی یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور اگر چاندی اور سونا دونوں کی نصاب اور سونا نصاب سے چار مثقال سے کچھ کم زیادہ ہو اور چاندی نصاب سے چالیس درہم سے کچھ کم زیادہ ہو تو ان دونوں کی نصاب ہو تو ان دونوں زیادتیوں کو ملا دیں گے تاکہ چالیس درہم چاندی یا چار مثقال سونا ہو جائے یہ مضمورات میں لکھا ہے۔ اور اگر سونے اور چاندی کے نصاب کو اس واسطے ملا لے تاکہ کل زکوٰۃ ایک جنس کی دے تو مضائقہ نہیں ہے لیکن واجب یہ ہے کہ قیمت اس طرح لگائی جائے جس میں از روے قدر و رواج کے فقیروں کا فائدہ زیادہ ہو ورنہ ہر ایک میں سے چالیسواں حصہ دے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔

## دوسری فصل

### مال تجارت کی زکوٰۃ کے بیان میں

تجارتی مال کسی قسم کا ہو جب اس کی قیمت چاندی سونے کے نصاب کے برابر ہوگی تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور چاندی یا سونے کے سکون کے حساب سے لگایا جائے یہ تمبین میں لکھا ہے۔ اگر ابتدائے سال میں اس کی قیمت ایسے دو سو درہموں کے برابر ہو جن میں چاندی غالب ہو تو زکوٰۃ کا نصاب کی قیمت کا حساب سال کے گزرنے کے بعد لگایا جائے گا یہ مضمورات میں لکھا ہے تجارتی مال میں اختیار یہی کہ چاہے قیمت اس کی درہموں سے لگا دے چاہے دیناروں سے لگا دے لیکن اگر ان میں سے ایک نصاب پوری نہ ہوتی ہو تو ضرور ہے کہ اس سے حساب کیا جائے گا جس سے نصاب پوری ہوتی ہو یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر کسی کے پاس دو سو فقیر گیہوں تجارت کے واسطے ہیں جن کی قیمت دو سو درہم ہم پھر سال تمام ہو اور قیمت ان کی زیادہ ہوگئی یا کم ہوگئی تو اگر زکوٰۃ میں گیہوں دینا منظور ہے تو پانچ فقیر دے اور اگر قیمت دینا منظور ہے تو اس قیمت کا اب حساب ہوگا جو زکوٰۃ کے واجب ہونے کے وقت تھا اس لئے کہ واجب ہے کہ یا اصل شے زکوٰۃ میں دی جائے یا اس کی قیمت دی جائے اور اس واسطے صدقہ وصول کرنے والے پر اس کے قبول کرنے میں جبر کیا جائے گا اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ جس روز زکوٰۃ ادا کرتا ہو اس روز کی قیمت کا اعتبار ہے اور یہی حکم ہے ان سب چیزوں کی زکوٰۃ کا جن کا حساب پیمانہ یا وزن یا گنتی سے ہوتا ہو اور اگر قیمت کی زیادتی ان کی

ذات میں ہوگئی مثلاً رطوبت خشک ہوگئی تو بالا جماع قیمت کا اعتبار اس زمانہ سے کیا جائے گا جب زکوٰۃ واجب ہوئی اس لئے کہ سال کے بعد جو زیادتی ہو اس کے ملانے کا حکم نہیں ہے اور اگر ذات میں نقصان ہو گیا مثلاً بھیگ گیا تو زکوٰۃ ادا کرتے وقت جو قیمت ہی اس کا اعتبار ہوگا یہ کافی میں لکھا ہے اور اسباب کا مالک قیمت ایسے شہر کے نرخ کے بموجب کر لے جہاں وہ مال موجود ہو اگر غلام تجارت کے لئے دوسرے شہر کو بھیجا اور سال گذرے تو اب اس کی قیمت کا حساب اسی شہر کے بموجب ہوگا اور اگر جنگل میں ہو تو اس شہر کی قیمت کا حساب لگایا جائے جو وہاں سے سب سے زیادہ قریب ہے یہ فتح القدیر سے نقل کیا ہے۔

اگر تجارت کے مال مختلف جنس کے ہوں تو بعض کو بعض سے ملائیں گے یا قوت ہیں اور موتیوں میں اور جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے اگر چہ اس کا زیور بنا ہوا ہو لیکن وہ تجارت کے واسطے ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر کا سے کی دیکچیاں خریدوں اور ان کو کرایہ پر چلاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جس طرح کرایہ پر چلانے کے گھروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور اگر کسی کی زمین میں سے گھیوں حاصل ہوں جن کی قیمت بقدر نصاب ہو اور اس نے یہ نیت کی کہ ان کو روکے یا بیچے پھر ایک سال تک روکے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اگر جانوروں کا سوداگر جانوروں کی خرید و فروخت کرتا ہے اور اس نے ان کے گلے میں ڈالنے کے گھونگر و یا باگ ڈوریں اور منہ پر ڈالنے کے برقعے خریدے پس اگر یہ چیزیں ان جانوروں کے ساتھ بیچنے کی ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی اگر جانوروں کی حفاظت کے واسطے ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور اگر عطار شیشے خریدے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کسی نے غلہ بھرنے کی گونیں اس واسطے خریدیں کہ انہیں کرایہ پر چلائے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس لئے کہ وہ بیچنے کے لئے نہیں خریدی ہیں یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے نان پر اگر لکڑی یا نمک روٹی پکانے کے واسطے خریدے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر روٹیوں پر لگانے کے واسطے تل خریدے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یہ ذخیرہ میں لکھا ہے مضارب نے اگر غلام خرید اور اس کے لئے کپڑے یا بوجھ اٹھانے کا پلہ خرید کیا تو سال کی زکوٰۃ دے گا لیکن اگر سال کا مالک خرید کرتا تو کپڑے اور پلہ کی زکوٰۃ نہ دیتا اس لئے کہ اس کو یہی اختیار یہ ہے کہ تجارت کے سوا اور کام کے لئے خریدے یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر مضارب نے تجارت کے غلاموں کے کھانے کے واسطے اناج خرید کیا اور اس پر سال گذر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر مالک نے تجارت کے غلاموں کے کھانے کے واسطے خرید تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اگر زکوٰۃ اس کی اور جنس کی سے دے تا بالا جماع یہ حکم ہے کہ قدر واجب کی قیمت لگائے اور اگر کسی کی جنس سے زکوٰۃ اس کی اور جنس سے دے تو بالا جماع یہ حکم ہے کہ قدر واجب ہوگی اور اگر اس کی جنس سے زکوٰۃ دے اور وہ ان چیزوں میں سے ہو جس میں ربوا جاری ہیں تو بھی یہی حکم ہے لیکن اگر وہ جنس ایسی ہو جس میں ربوا جاری ہوتا ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ مقدار کا اعتبار ہوگا میت کا نہ ہوگا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔

## متفرق مسائل

اگر کسی کو زکوٰۃ کے ادا کرنے میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ زکوٰۃ دی ہے یا نہیں تو احتیاطاً دوبارہ زکوٰۃ دے یہ محیط اور سراجیہ اور بحر الرائق میں واقعات سے نقل کیا ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زکوٰۃ نصاب میں ہوتی ہے اور اس زیادتی میں نہیں ہوتی جو معاف ہوتی ہو اگر وہ زیادتی جو معاف ہے ہلاک ہو جائے اور نصاب باقی رہے تو کل کی زکوٰۃ واجب رہے گی

۱۔ قولہ کرایہ پر چلانے الخ یعنی وہ مکانات سکونت کے واسطے نہیں رکھے بلکہ غرض یہ کہ ان کو کرایہ پر دیا کرے ۱۲ ۲۔ عطار جو عطر بناتا اور فروخت کرتا

۱۲ ہے نان پر یعنی نان بانی جو معروف ہیں ۱۲

اس واسطے کہ وہ معلفی نصاب کی تابع تھی اور اس واسطے امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اگر کچھ مال ہلاک ہو تو وہ ہلاکی اس زیادتی میں سمجھی جائے گی جو معاف تھی اس کے بعد اخیر کی نصاب میں پھر اس کے بعد کی نصاب میں اور اس طرح آخر تک حساب ہوگا اور اگر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور تھوڑا سا مال ہلاک ہو گیا تو اس قدر کی زکوٰۃ ساقط ہوگی یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اگر نصاب کو خود ہلاک کر دیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی یہ سراجیہ لکھا ہے اور تجارت کے ایک مال کو دوسرے مال سے بدلنا ہلاک کرنا نہیں ہے یہ حکم بلا خلاف ہے خواہ اس جنس کے مال سے بدلے یا دوسری جنس کے مال سے بدلے لیکن اگر اس بدلنے میں اس قدر مال چھوڑ دیا کہ جس قدر میں لوگ دھوکا نہیں کھا جاتے ہیں تو جس قدر چھوڑا ہے اس کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا سال کے تمام ہونے کے بعد نصاب کا قرض دینا ہلاک کرنا نہیں ہے اگرچہ قرضدار کے پاس مال ڈوب جائے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر چرنے والے جانور کو کھانا پانی نہ دیا اور اگر وہ ہلاک ہو گیا تو بعضوں نے کہا ہے کہ وہ ہلاک کرتا ہے زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ضامن نہ ہوگا اور اس سال کے تمام ہونے کے بعد نصاب کو اپنے ملک سے بغیر عوض نکال دے یہ مثلاً ہبہ کر دیا یا ایسے عوض میں نکال دیا جو مال نہیں ہے مثلاً مہر میں دیدیا اور ایسے عوض میں دیا جو زکوٰۃ کا مال نہیں ہے جیسے خدمت کے غلام تو وہ ہلاک کرنے والے کے حکم میں ہے اور قدر زکوٰۃ کا ضامن ہوگا خواہ عوض اس کے ہاتھ میں باقی رہے یا نہ رہے اور اگر ہبہ میں قاضی کے حکم سے رجوع ہو گیا اور اس پر قبضہ کر لیا تو ضمانت جاتی رہے گی اور اصح قول کے بموجب یہی حکم صورت میں ہے جب رجوع بغیر حکم قاضی کے ہو یہ زہدی میں لکھا ہے۔ قوم بنی تغلب کے چرنے والے جانوروں پر مسلمانوں کے جانوروں سے دو چند زکوٰۃ لی جائے گی اور ان کے فقیروں اور غلاموں کے چرنے والے جانوروں پر مسلمانوں کے جانوروں سے دو چند زکوٰۃ لی جائے گی اور ان کے فقیروں اور غلاموں سے نہ لی جائے گی مگر جز یہ لیا جائے گا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے بنی تغلب کے لڑکوں پر چرنے والوں کی زکوٰۃ نہیں ہے اور ان کی عورتوں پر اس قدر زکوٰۃ ہے جس قدر مردوں پر ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ کتاب مذکور میں ہے کہ جو چیزیں مجتمع ہوتی ہوں اور ان کے زکوٰۃ میں جدا جدا نہ کریں اور جو جدا جدا ہوں ان کو جمع نہ کریں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ پس اگر کسی کے پاس اتنی بکریاں ہوں تو ان میں ایک بکری واجب ہوگی اور ان کو جدا جدا کر کے یوں حساب نہ کریں گے کہ اگر وہ دو آدمیوں کے پاس ہو تو بکریاں واجب ہوتیں اور اگر دو شخصوں کے پاس اسی بکریاں ہوں تو دو بکریاں واجب ہونگی اور ان کو جمع کر کے یوں حساب نہ کریں گے کہ اگر ایک شخص کے پاس ہوتیں تو تو ایک بکری واجب ہوتی یہ محیط سرحسی میں ہے۔ اگر جانوروں میں دو شخص شریک ہوں تو ان سے زکوٰۃ اس طرح لی جائے گی جیسے شریک نہ ہونے کی صورت میں لے جاتی پس اگر ان میں سے ہر ایک حصہ کا بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ واجب نہ ہوگی خواہ شرکت ان دونوں کی اس طرح ہو کہ ہر ایک شخص دوسرے کا وکیل ہو کفیل نہ ہو یا اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو اور کفیل بھی ہو اس طرح کی شرکت ہو کہ دونوں کو وہ مال ارث میں ملا ہے یا اور کسی طرح وہ دونوں اس کے مالک ہو گئے ہیں خواہ وہ سب ایک چراگاہ میں ہوں یا مختلف چراگاہوں میں ہوں پس اگر ان میں سے ایک کا حصہ بقدر نصاب کے ہو اور دوسرے کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی جس کا حصہ بقدر نصاب ہے دوسرے پر واجب نہ ہوگی اور اگر دو شریکوں میں سے ایک ایسا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور دوسرا ایسا ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو سکتی تو جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہو جب اس کا حصہ بقدر نصاب ہو جائے گا تو اسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر کسی شخص کے ساتھ اتنی بکریاں ہیں اسی آدمی اس طرح شریک ہیں کہ ہر بکری آدمی اس کی ہے اور آدمی کسی اور شخص کی اور اس طرح اس کی کل چالیس بکریاں ہو گئیں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر کچھ



زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ اس طرح کوئی شخص ساتھ آدمیوں کے ساتھ ساتھ گائے بیلوں میں شریک ہو یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور مال شرکت کی زکوٰۃ جو دونوں شریکوں سے لے جائے اس میں ہر شریک دوسرے شریک سے اپنے حصہ کے موافق پھیر لے گا پس اگر دو شخصوں کی شرکت میں اکٹھا اونٹ تھے ایک کے چھتیس اونٹ تھے اور دوسرے کے پچیس اور صدقہ لینے والے نے ان دونوں سے ایک دوسرے سال کی زکوٰۃ اور ایک تیسرے سال کی اونٹنی لے لی ہر شخص اپنے دوسرے شریک سے جس قدر اس کے حصہ میں سے اس کے شریک کی زکوٰۃ لی گئی ہے وہ پھیر لے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ کسی شخص کے پاس چرنے والے جانور تھے اور صدقہ وصول کرنے والے نے جس اس سے صدقہ وصول کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ اونٹ میرے نہیں ہیں تو قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کیا جائے گا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اگر امام نے زکوٰۃ طلب کی اور اس نے نہ دی یہاں تک کہ مال ہو گیا تو وہ زکوٰۃ کا ضامن نہ ہوگا یہی صحیح ہے اور عامہ فقہاء کا یہی مذہب ہے یہ تمیین میں لکھا ہے۔ اگر خوارج خراج اور چرنے والے جانوروں کا صدقہ لے لیں تو دوبارہ نہ لیا جائے گا یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ تحفہ میں ہے کہ اونٹوں کی زکوٰۃ میں مادہ کا دینا واجب ہے نہ کہ دینا جائز نہیں لیکن بطریق قیمت اگر تردے تو جائز ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ بکریوں کی زکوٰۃ میں نہ اور مادہ دونوں لیے جائیں گے اس لئے کہ شاة دینے کا حکم ہے اور شاة کا لفظ دونوں کو شامل ہے اور اونٹوں کی زکوٰۃ میں خاص خاص نام ہیں مثلاً بنت مخاض یعنی دوسرے سال کی اونٹنی اور بنت لبون یعنی تیسرے سال کی اونٹنی یہ لفظ نہ پر صادق نہیں آتے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک قیمت کا دینا زکوٰۃ اور کفاروں میں اور صدقہ فطر اور عشر اور نذر میں جائز ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے پس اگر کوئی چار درمیانی بکریوں کی قیمت میں تین موٹی بکریاں دیدے یا دوسرے سال کی اونٹنی کی قیمت میں تیسرے سال کی اونٹنی کا کچھ حصہ دیدیں تو جائز ہے فتح القدر میں لکھا ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس دو فقیر گھبوں ہوں جن کی قیمت دو سو درہم ہوتی ہے تو اس کے مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے انھیں میں سے پانچ فقیر گھبوں ادا کرے اور اگر چاہے ان کی قیمت ادا کرے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اگر چرنے والے جانوروں کو بیچے پس اگر اس وقت صدقہ وصول کرنے والا حاضر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے بائع سے زکوٰۃ واجب کی قیمت لے لے تو کل کی بیع جائز ہوگی اور اگر چاہے تو اول بکے ہوئے جانوروں میں سے زکوٰۃ کے جانور نکال لے تو ان کے جانوروں کی بیع باطل ہو جائے گی جو اس نے زکوٰۃ میں لے لئے اور اگر صدقہ وصول کرنے والا بیع کے وقت حاضر نہ تھا اور اس وقت حاضر ہو واجب بیع کی مجلس متفرق ہو گئی تو اب وہ مشتری سے نہ لے گا اور بائع سے زکوٰۃ واجب کی قیمت لے لے گا اور اگر کسی نے اناج بیچا جس میں عشر واجب ہے تو صدقہ لینے والے کو اختیار ہے کہ چاہے بائع سے لے چاہے مشتری سے لے خواہ بیع کی مجلس متفرق ہونے سے پہلے حاضر ہوا ہو خواہ بعد کو حاضر ہوا ہو یہ بحر الرائق اور شرح طحاوی میں لکھا ہے اگر کوئی شخص تین برس تک اپنی زمین اجارہ پر دے اور ہر برس کا اجارہ تین سو درہم ہوں اور جب آٹھ مہینے گذر چکیں تو وہ دو سو درہم کا مالک ہو جائے تو اس پر سال چلنا شروع ہو جائے گا اور اس کے بعد جو سال تمام ہوگا تو اس پر پان سو درہم کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کے بعد جب پھر دوسرا سال آئے گا تو آٹھ سو درہم کی زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن جس قدر زکوٰۃ وہ پان سو درہم کی واجب ہوئی تھی وہ کم ہو جائے گی کسی شخص کے پاس ہزار درہم تھے اور ان کے سوا اور کچھ مال اس کے پاس نہ تھا اور ان ہزار درہم میں ایک گھر دس برس کے لئے کرایہ پر لیا اور ہر سال کے دو درہم ٹھہرے اور ہزار درہم دیدے مگر اس گھر میں سکونت نہ کی یہاں تک کہ سب سال گذر گئے اور گھر مالک کے قبضہ میں رہا تو مکان کا مالک پہلے سال میں نو سو درہم کی زکوٰۃ دے گا اور

دوسرے سال میں آٹھ سو درہم کی مگر اس میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ کم ہو جائے گی پھر ہر سال میں ایک سو درہم اور جس قدر زکوٰۃ پچھلے سالوں کی ہے وہ کم ہوتی رہے گی مستاجر پہلے اور دوسرے سال میں کچھ زکوٰۃ نہ ہوگی اس لئے کہ پہلے سال میں اس کی نصاب میں کمی تھی اور دوسرے سال میں بھی نصاب پوری نہ ہوئی تھی تیسرے سال میں تین سو درہم کی زکوٰۃ دے گا پھر ہر سال میں سو درہم بڑھتے جائیں گے مگر پچھلے سالوں کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے اٹھ جائے گی اگر کسی شخص نے اپنے گھر کو تجارت کی باندی کے عوض کرایہ کو دیا اور باندی کی قیمت ہزار درہم تھی اور مسئلہ کی سب صورتیں وہی واقع ہوئیں جو پہلے مذکور ہو چکیں تو اس مکان کے مالک پر زکوٰۃ نہ ہوگی اس لئے کہ باندی میں مستاجر کا حق قائم ہو گیا اور دوسرے کا حق قائم ہو جانا ہے بمنزلہ مال کے ہلاک ہو جانے کے ہے اور مستاجر پر اس طرح زکوٰۃ واجب ہوگی جیسے کہ اول مذکور ہو چکا اور اگر اجرت میں کوئی کیلی یا وزنی غیر معین چیز ٹھہری تھی اور اس کی قیمت میں کوئی دوسری چیز دی گئی تو وہ درہموں کے حکم میں ہے اور اگر وہی چیز دیدی گئی تو باندی کے حکم میں ہے اور اگر مستاجر کے قبضہ میں دیدیا اور اجرت پر قبضہ نہ کیا تو حکم بدل جائے گا اور مستاجر کا حکم وہ ہوگا جو گھر کے مالک کا تھا اور گھر کے مالک کا حکم وہ ہوگا جو مستاجر کا تھا یہ محیط سرحی میں لکھا ہے۔ کسی شخص نے دو سو درہم کا قیمتی تجارت کا غلام دو سو درہم کو خرید اور قیمت دیدی اور غلام پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ سال گذر گیا اور غلام بائع کے پاس مر گیا تو بائع کو دو سو درہم کی زکوٰۃ دینا پڑے گی اور اس قدر زکوٰۃ مشتری پر واجب ہوگی اور اگر غلام سو درہم کی مالیت تھا تو بائع پر دو سو درہم کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور مشتری پر زکوٰۃ نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ خدمت کا غلام ہزار درہم کو بیچا اور اس کی قیمت پر ایک سال گذر گیا پھر کسی عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم یا آپس کی رضامندی سے غلام پھر گیا

تو قیمت کی زکوٰۃ دے گا۔ اور اگر غلام تجارت کے مال کے عوض میں بیچا تھا اور ایک سال کے گذرنے کے بعد عیب کی وجہ سے بحکم قاضی پھر گیا تو بائع اس مال کی اور غلام کی زکوٰۃ نہ دے گا اور مشتری بھی مال کی زکوٰۃ نہ دے گا اور اگر بغیر حکم قاضی کے پھر ہے تو بائع مال کی زکوٰۃ دے گا اس لئے کہ اب وہ نئی بیع ہوئی اور اگر اس غلام سے خدمت لینے کے نیت کر لی تو مال کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اس لئے کہ اس نے اس کو ہلاک کیا یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص نے مال کی زکوٰۃ نہ دی یہاں تک کہ بیمار ہو گیا تو وارثوں سے پوشیدہ زکوٰۃ دے اور اگر اس کے پاس کچھ مال نہیں ہے اور زکوٰۃ دینے کے لئے قرض لینے کا ارادہ کرے تو اگر غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ قرض لے کر زکوٰۃ ادا کرے گا اور پھر اس قرض کے ادا کرنے میں کوشش کرے گا تو ادا کر سکے گا تو افضل یہ ہے کہ قرض لے لے پھر اگر قرض لے کر زکوٰۃ ادا کی اور قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو یہاں تک کہ مر گیا تو امید ہے کہ اللہ آخرت میں اس کا قرض ادا کرے گا اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اس قرض کو ادا نہ کر سکے گا تو افضل یہ ہے کہ قرض نہ لے اس لئے کہ صاحب قرض کی خصومت اور زیادہ سخت ہوگی یہ محیط سرحی میں لکھا ہے کسی شخص نے ایک عورت سے ہزار درہم مہر پر نکاح کیا اور وہ اس کو ادا کر دیئے اور یہ بات اس کو معلوم نہ تھی کہ وہ باندی ہے اور اس طرح ایک سال گذر گیا پھر معلوم ہوا کہ وہ باندی تھی اور بے اجازت مالک کے اس نے نکاح کر لیا تھا اور اس نے ہزار درہم شوہر کو واپس کر دیئے تو امام ابو یوسفؒ سے یہ روایت ہے کہ ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اس طرح اگر کسی شخص نے دوسرے کی ڈاڑھی مونڈ ڈالی اور قاضی نے اس پر دیت کا حکم کیا اور دیت اس نے ادا کی اور ایک سال گذر گیا پھر اس کی ڈاڑھی جمی اور دیت واپس ہو گئی تو ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ دوسرے شخص کے ہزار درہم میرے اوپر قرض ہیں اور وہ ہزار درہم دیدے پھر ایک سال گذرنے کے بعد ان دونوں میں یوں قرار پا گیا کہ وہ قرض واقعی نہ تھا تو ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر کسی نے ہزار درہم دوسرے شخص کو ہبہ کئے اور اس کو ادا کر دیئے پھر سال گذرنے کے بعد قاضی کے حکم سے یا بغیر حکم قاضی کے اس ہبہ میں رجوع کیا اور ہزار درہم پھیر لئے تو ان دونوں میں سے کسی پر زکوٰۃ

واجب نہیں ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ کسی شخص پر دوسو درہم کی زکوٰۃ واجب تھی اور اس نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے پانچ درہم جدا کر لئے پھر اس کے پاس سے وہ پانچ درہم ضائع ہو گئے تو اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اور اگر مال کے مالک نے پانچ درہم زکوٰۃ کے جدا کئے تھے پھر وہ مر گیا تو وہ پانچ درہم اس سے میراث میں رہیں گے یہ تاتار خانہ میں ظہیر یہ سے نقل کیا ہے اگر کسی عورت سے چالیس چرنے والی بکریوں کے مہر پر نکاح کیا اور اس عورت نے ان بکریوں پر قبضہ کر لیا اور ایک سال گذر گیا پھر دخول سے پہلے طلاق دیدی تو جو نصف اس کے پاس رہ جائیں گی ان کی زکوٰۃ دینا پڑے گی یہ فتاویٰ قاضی خان کی فصل مال و تجارت میں لکھا ہے اگر کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرتا ہو تو فقیر کو یہ حلال نہیں ہے کہ بغیر اس کے خبر کئے ہوئے اس کے مال سے لے لے اور اگر اس طرح فقیر نے لے لیا اور تو اگر وہ مال قائم ہے تو مالک کو پھیر لینے کا اختیار ہے اور اگر ہلاک ہو گیا تو فقیر ضامن ہوگا یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ سلطان اگر خرانج یا کچھ مال بطور مصادرہ کے لے اور صاحب مال اس کے دینے میں زکوٰۃ کے ادا کرنے کی نیت کر لے تو اس کے ادا ہونے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی امام سرحسی نے کہا ہے یہ مضمورات میں لکھا ہے کہ کسی چیز کے عوض جو چیز لی جائے اس کا وہی حکم ہوگا جو اصل چیز کا تھا مثلاً ایک غلام کو ایک غلام سے بدلا اور ان دونوں نے کچھ نیت نہ کی پس اگر اصل دونوں غلام ان کی تجارت کے واسطے تھے تو اب بھی ہر شخص کا غلام تجارت کے واسطے ہوگا اور اگر پہلے دونوں غلام خدمت کے واسطے تھے تو اب بھی خدمت کے واسطے ہونگے اور اگر ایک کا غلام تجارت کے واسطے تھا اور ایک غلام خدمت کے واسطے تھا تو تجارت کے بدلے کا غلام تجارت کے واسطے ہوگا اور خدمت کے بدلے کا غلام خدمت کے واسطے ہوگا اور اگر نصف سال گذرنے کے بعد ایک غلام کا دوسرے غلام سے بدلا گیا اور وہ دونوں تجارت کے واسطے تھے اور ان میں سے ایک کی ملک ہزار درہم تھی اور دوسرے کی دوسو درہم اور ان دونوں کا سال تمام ہو گیا پھر کم قیمت کے غلام میں کوئی عیب ظاہر ہوا جس سے اس کی قیمت سو درہم اور کم ہو گئی تو دونوں شخصوں میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس لئے کہ سال کے دونوں جانبوں میں نصاب پوری نہیں ہے اور جب خریدنے کے بعد سال تمام ہوگا تو زیادہ قیمت کے غلام کا مالک زکوٰۃ دے گا اس لئے کہ ہزار درہم کی قیمت کا مال اس کے قبضہ میں سال بھر رہا اور دوسرا شخص زکوٰۃ نہ دے گا اس لئے کہ اس کے پاس نصاب نہیں ہے اور اگر عیب والا غلام بغیر حکم قاضی کے رد ہو گیا تو رد کرنے والا زکوٰۃ نہ دے گا اگرچہ خریدنے کے بعد ایک سال گذر گیا ہو اور جس کے پاس رد کیا ہو وہ ہزار درہم کی زکوٰۃ دے گا اس لئے کہ اب نئی بیعہ پس اس نے اپنے مال کو ہلاک کیا اور اگر قاضی کی قضا سے رد ہوا تو جس کو رد کیا ہے اس کی زکوٰۃ دے گا اور اگر زیادہ قیمت کے غلام میں عیب ظاہر ہو جس سے اس کی قیمت خریدنے کے وقت سے آدھا سال گذرنے کے بعد بقدر دوسو درہم کے کم ہو جائے اور دوسرے میں کچھ عیب نہ ہو پھر قاضی کے حکم سے یا آپس کی رضامندی سے وہ رد کیا جائے تو رد کرنے والا جس کو رد کرتا ہے اس کی زکوٰۃ دے گا اور جس کے پاس رد کرتا ہے وہ جس کو لیتا ہے اس کی زکوٰۃ دے گا یہ کافی میں لکھا ہے۔

دو شخصوں نے اپنے مال کی زکوٰۃ کسی تیسرے شخص کو اس واسطے دی کہ اس کی طرف سے ادا کر دے اور اس نے ان دونوں کے مال کو ملا دیا پھر فقیروں پر صدقہ کر دیا تو وکیل ان زکوٰۃ کے دینے والوں کے مال کا ضامن ہوگا اور وہ صدقہ اس وکیل کی طرف سے ادا ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر مالک نے زکوٰۃ کا مال اپنے ہاتھ پر رکھا اور فقیروں نے اس کو لوٹ لیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر زکوٰۃ کا مال مالک کے ہاتھ سے گر گیا اور کسی فقیر نے اٹھا لیا اور پھر مالک اس پر راضی ہو گیا تو اگر مالک اس مال کو پہچانتا ہے اور مال قائم ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔

## حونہا باب

## اُس شخص کے بیان میں جو عاشر یعنی وہیکی وصول کرنے والے پر گذرے

حاشیہ شخص ہے کہ امام نے اس کو صدقات کے وصول کرنے کے لئے راستہ پر مقرر کیا ہوا اور وہ اس کے عوض میں تاجروں کو چوروں سے امن دیتا ہو عاشر جس طرح ان مالوں کا صدقہ لے گا جو تاجر کے پاس چھپے ہوئے ہیں یہ کافی میں لکھا ہے۔ جو شخص عاشر مقرر ہوا اس میں شرط یہ ہے کہ وہ آزاد ہو اور مسلمان ہو اور ہاشمی نہ ہو یہ بحر الرائق میں غایۃ سے نقل کیا ہے جب عاشر کے پاس کوئی مسلمان تجارت کا مال لے کر گذرے تو اس سے زکوٰۃ کی شرطوں کے ساتھ چالیسواں حصہ لے یعنی نصاب پوری ہو اور سال گذر گیا ہو اور اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں صرف کرے اور اگر ذمی اس کے پاس سے گذرے تو اس سے چالیسواں حصہ لے اور اس کو جزئیہ اور خراج کا مال سمجھے اور ذمی سے اس کے ذات کا جزئیہ اس سال ساقط نہ ہوگا اور ذمی سے ایک سال میں ایک بار سے زیادہ نہ لے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ اور جو شخص عاشر کے پاس گذرے اور اس کے پاس مال دو سو درہم سے کم کا تھا تو اس سے کچھ نہ لے گا خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو یا حربی ہو خواہ یہ معلوم ہو کہ اس کے گھر اور بھی مال ہے خواہ نہ معلوم ہو یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر عاشر کے پاس مال لے کر گذرے اور یوں کہا کہ اس پر سال نہیں گذرا ہے اور اس کے پاس اس جنس کا اور مال ایسا نہ تھا جس پر سال گذرے ہو یا یوں کہا کہ مجھ پر قرض کا بندوں کی طرف سے مطالبہ ہے یا اس نے یوں کہا کہ میں نے سفر کو نکلنے سے پہلے صدقہ فقیروں دیدیا یا اس نے یوں کہا کہ میں نے دوسرے عاشر کو دیدیا اور قسم کھائی تو اگر اس سال میں دوسرا عاشر ہے تو تصدیق کی جائے گی جامع صغیر میں یہ شرط نہیں کی کہ وہ دوسرے کی سند دکھائے یہی اصح ہے پس اگر اس سال میں دوسرا عاشر نہ تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور یہی حکم ہے اس صورت میں اگر اس نے دعویٰ کیا کہ میں نے سفر کے نکلنے بعد فقیروں کو دیدیا یہ کافی میں لکھا ہے اگر عاشر کے نام کے خلاف سند دکھائی تو ظاہر روایت کے بموجب اس کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا اس لئے کہ سند شرط نہیں یہ بدائع میں لکھا ہے اگر اس نے قسم کھائی کہ دوسرے عاشر کو دیدیا ہے اور چند سال کے بعد اس کا کذب ظاہر ہوا تو اس سے لیا جائے گا یہ تا تاریخانیہ میں جامع الجوامع سے نقل کیا ہے جس قول میں مسلمان کی تصدیق کی جاتی ہے اس میں ذمی کی بھی تصدیق کی جاتی ہے یہ کنز میں لکھا ہے لیکن کہیں اس کے خلاف بھی ہوتا ہے اس لئے کہ ذمی دے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ جزئیہ ہے اور جزئیہ کے دینے میں اگر وہ یوں کہے کہ میں نے فقیروں کو دیدیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اس لئے کہ ذمہ فقیروں میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں اور مسلمانوں کی مصلحتوں میں جو اس کا موقع ہے اس کو صرف کرنے کا اختیار نہیں اور چرنے والے جانوروں کے صدقہ میں اگر یوں کہا کہ میں نے شہر میں فقیروں کو دیدیا ہے تو تصدیق نہ کی جائے بلکہ وہ دوبارہ لیا جائے گا اگرچہ پہلے اس کا ادا کرنا امام کو بھی معلوم ہو اور زکوٰۃ وہی ہوگی جو دوسری بار دیا اور اول صدقہ نقل ہو جائے گا یہی صحیح ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور جامع ابوالیسیر میں یہ لکھا ہے کہ اگر انکے دینے کو امام نے جائز رکھا تو مضائقہ نہیں اس لئے کہ اگر امام اول سے یہ اجازت دیدیے کہ فقیروں کو اپنے آپ صدقہ دیدیا کرو تو جائز ہوتا ہے اس طرح اگر دینے کے بعد اس نے اجازت دی تو جائز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر چرنے والے جانور یا نقد مال لیکر عاشر کے پاس گذرے اور یوں کہا کہ یہ میرے نہیں ہیں تو اس کی تصدیق کی جائے گی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر کچھ مال لے کر عاشر کے پاس گذرے اور یوں کہا کہ یہ مال تجارت کا نہیں ہے تو اس کا قول مانا جائے گا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اگر دو سو درہم شراکت کے لیکر گذرے تو عشر نہ لیا جائے گا اور اس طرح اگر مضارب کا مال لے کر گذرے تو بھی نہ لیا جائے گا لیکن اگر اس مال میں اتنا فائدہ ہو کہ اس کا حصہ بقدر نصاب ہو جائے تو اس سے لیا

۱۔ بندوں کی طرف سے اس واسطے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حق مانند کفار وغیرہ کے ہو تو مانع نہیں ہے ۱۲۔ ۲۔ دوبارہ اس واسطے لیا جائے کہ اس کا صرف

کرنا امام کی رائے ہے تو اس نے بیجا صرف کیا ۱۲۔

جائے گا اس لئے کہ وہ اس کا مالک ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اس طرح اگر ایسا غلام کہ اس کو تجارت کی اجازت ہے کچھ مال لیکر عاشر کے پاس گذرے تو اگر وہ مال مالک کا ہے تو عشر نہ لیا جائے گا اور اگر اس کی کمائی ہے تو بھی یہی حکم ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر اس کا مالک اس کے ساتھ ہے تو عشر لے لیں گے لیکن اگر غلام پر اس قدر قرض ہوا کہ اس کے مال پر محیط ہے تو نہ لیں گے یہ کافی میں لکھا ہے اگر ذمی خمر اور خنزیر لے کر عاشر کے پاس گذرے اور وہ مال تجارت کا ہو اور دونوں کی قیمت دو سو درہم یا اس سے زیادہ ہو تو خمر کی قیمت کا عشر لیں گے اور ظاہر روایت کے بموجب خنزیر کا عشر نہ لیں گے یہ قول ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر مردار کے چمڑے عاشر کے پاس لے کر گذرے تو امام محمدؒ نے کچھ اس کا ذکر نہیں کیا فقہانے کہا ہے کہ عاشر کو چاہئے کہ اس میں سے عشر لے یہ محیط میں لکھا ہے حربی سے بھی دسواں حصہ لے لیکن اگر وہ ہمارے تاجروں سے اس سے زیادہ یا کم لیتے ہوں تو ان سے بھی اس قدر لے اور اگر وہ ہم سے کچھ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی اس کے عوض میں ان سے کچھ نہ لیں گے اور اگر وہ مسلمانوں کا سارا مال لیتے ہوں تو ان کا بھی سارا مال لے لے لیکن اس قدر چھوڑ دے کہ وہ اپنے ملک میں پہنچ جائے حربیوں کے مکاتب سے اور لڑکوں سے کچھ نہ لے لیکن اگر وہ ہمارے لڑکوں اور مکاتبوں سے لیتے ہوں تو ان سے بھی لے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے حربی کے کسی قول کی تصدیق نہ کی جائے گی لیکن اگر وہ باندیوں کو اپنی ام ولد اور غلاموں کو اپنی اولاد بتا دے تو اس کی تصدیق کریں گے اس لئے کہ نسب ام ولد ہونے میں اس کا اقرار صحیح ہے تو اس صورت میں وہ باندی اور غلام مال نہ دیں گے اگر اس نے ان کو مدبر بتایا تو تصدیق نہ کریں گے اس لئے کہ حربی کا مدبر کرنا صحیح نہیں ہوتا اگر حربی پچاس درہم لیکر گذرے تو اس سے کچھ نہ لیں گے لیکن اگر وہ ہمارے تاجروں اس قدر میں لیتے ہوں تو ہم بھی لیں گے پھر عشر میں اگر یہ بات معلوم نہ ہو کہ وہ ہم سے لیتے ہیں یا نہیں لیتے یا لینا معلوم ہو مگر یہ نہ معلوم ہو کہ کس قدر لیتے ہیں تو ہم ان سے عشر لیں گے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اگر حربی عاشر کے پاس گذرے اور وہ اس سے عشر لے پھر دوبارہ گذرے تو اس سال میں دوبارہ عشر نہ لے اور اگر اس سے عشر لے لیا اور اس کے بعد وہ دارالحرب میں چلا گیا اور اسی روز وہاں سے پھر چل دیا تو اس سے عشر لیں گے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اگر حربی عاشر کے پاس گذرے اور عاشر کو اس کی خبر نہ ہو یہاں تک کہ وہ نکل جائے اور دارالحرب میں داخل ہو جائے پھر وہاں سے آنے دے تو اس سے پہلا عشر نہیں لیں گے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر مسلمان اور ذمی عاشر کے پاس گذریں اور عشر کو معلوم نہ ہو پھر دوسرے سال میں معلوم ہو تو ان سے عشر لے لے یہ محیط سرحسی اور سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر عاشر کے پاس کوئی چالیس بکریاں لے کر گذرے جن پر دو سال گذر چکے ہوں تو اول سال کی زکوٰۃ لے گا دوسرے سال کی زکوٰۃ نہ لے گا یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ بنی تغلب کی قوم سے نصف عشر لیں گے

اور جو کچھ ان سے لیا جاتا ہے وہ جز یہ کے عوض میں ہے اور اگر بنی تغلب کا لڑکا یا عورت مال لے کر گذرے تو لڑکے سے کچھ نہ لیں گے اور عورت سے اس قدر لیں گے جو مرد سے لیتے ہیں یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ اگر کوئی خوراج لے کر عاشر کے پاس گذرے اور اس نے عشر لے لیا پھر وہ اہل العدل کے عاشر کے پاس گذرے تو اس سے دوبارہ عشر لیں گے لیکن اگر خوراج ہے کسی شہر پر غالب ہو جائے اور وہاں کے لوگوں سے چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ لے لیں تو پھر ان پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر عاشر کے پاس ایسی چیز لیکر گزرا کہ بہت جلد خراب ہو جاتی ہے جیسے کہ تازہ میوے اور تر کھجوریں اور تر کاریاں اور دووہ اور قیمت اس کی بقدر نصاب ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے عشر نہ لیں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک عشر لیں گے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور یہی

خوراج وہ لوگ ہیں جو امام سلطان پر کوئی شرفی ازام لگا کر اس سے باغی ہو گئے اور اپنی جماعت کر کے لڑائی پر آمادہ ہوئے اور ان کے مقابلہ میں اہل

محیط و کافی میں ہے۔ اگر چرنے والے جانور قدر نصاب سے کم لے کر عاشر کے پاس گذرے اور اس کے گھر اور جانور ہوں جن کے ملانے سے نصاب پوری ہو جاتی ہے تو اس سے بقدر واجب صدقہ لے لے اس واسطے کہ کل مال تحت حمایت ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔

## باب ۱۰۰

### کانوں اور دینوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

کان میں جو چیزیں نکلتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں ایک وہ چیزیں جو آگ میں پگھل جاتی ہیں اور دوسری بہتی ہوئی چیزیں تیسری وہ چیزیں جو نہ پگھلتی ہیں نہ بہتی ہیں جو چیزیں پگھلنے والی ہوتی ہیں جیسے سونا اور چاندی اور لوہا اور رانگ اور تانبا اور کانسی ان میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے یہ تہذیب میں لکھا ہے خواہ اس کو کوئی آزاد مرد نکالے خواہ غلام ذمی لڑکا خواہ عورت اور جو کچھ باقی رہے وہ نکالنے والے کا حق ہے اور حربی اور مستامن اگر بغیر اجازت امام کے نکالیں تو ان کو کچھ نہ ملے گا اور اگر امام کی اجازت سے نکالیں تو جو شرط ٹھہر جائے گی وہ ملے گا خواہ عشری زمین میں نکلے خواہ خراجی زمین میں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اگر کسی دینہ کی تلاش میں دو شخص محنت کریں اور ایک کومل جائے تو جس کومل گیا اس کا حق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کان کھودنے کا اجارہ لے تو جو کچھ اس کو ملے وہ اسی کا حق ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور بہتی ہوئی چیزیں جیسے کہ قیراط اور تقط اور نمک اور جو چیزیں پگھلتی نہیں ہیں اور بہتی ہوئی ہیں جیسے چونہ اور گج اور جوہر اور یا قوت ان میں کچھ زکوٰۃ واجب نہیں یہ تہذیب میں لکھا ہے۔ پارہ میں پانچواں حصہ واجب ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے کسی کے گھر میں یا اس کی زمین میں اگر کان نکال آئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کچھ زکوٰۃ واجب نہیں ہے صاحبین کے نزدیک واجب ہے یہ بمین میں لکھا ہے۔ اگر دارالاسلام میں کسی کو دینہ ایسی زمین میں ملے جو کسی کی ملکیت نہیں ہے جیسے جنگلوں کے میدان پس اگر ان میں اہل اسلام کا سکھ ہے مثلاً کلمہ شہادت لکھا ہوا ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو پڑی ہوئی چیز کے پانے کا حکم ہے اور اگر اس میں جاہلیت کے سکھ ہے مثلاً درہموں پر صلیب یا بت کی تصویر بنی ہوئی ہے تو اس میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہوگی اور باقی چار حصے پانے والے کے ہوں گے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر سکھ میں شبہ پڑ گیا مثلاً اس پر کوئی علامت نہ ہو تو ظاہر مذہب کے بموجب وہ جاہلیت کے زمانہ کا سمجھا جائے گا یہ کافی میں لکھا ہے خواہ پانے والا لڑکا ہو یا بڑا آدمی ہو آزاد ہو یا غلام ہو یا مسلمان ہو یا ذمی اور اگر حربی امن پا کر آیا ہے تو اسے کچھ نہیں ملے گا لیکن اگر حربی نے امام کی اجازت سے عمل کیا ہے اور شرط کر لی ہے اور کچھ ٹھہر لیا ہے تو اس کو وہ شرط پوری کرنا پڑے گی یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر مملوکہ زمین میں ملے تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس میں پانچواں حصہ زکوٰۃ میں دینا واجب ہوگا چار حصہ جو باقی رہے ان میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا یہ قول ہے کہ اس سے ملک کے فتح ہونے کے وقت سے پہلے وہ زمین جس شخص کو امام کی طرف سے ملی تھی اس کا حق ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور فتاویٰ عتابیہ میں لکھا ہے اگر سب سے پہلے وہ زمین ذمی کو ملی تھی تو اس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر سب سے پہلا ملک اس کا معلوم نہ ہو اور نہ وارث معلوم ہوں تو مسلمانوں میں جو ملک اس کے معلوم ہوے ہیں ان میں جو پہلا ملک ہے اس کو ملے گا یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے یا اس کے وارثوں کو ملے گا یہ بحر الرائق میں بدائع اور شرح طحاوی سے نقل کیا ہے ورنہ بیت المال کا حق ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر کسی مسلمان کو دینہ یا کان دار الحرب کی کسی ایسی زمین میں ملی جو کسی کی ملک نہیں ہے تو وہ پانے والے کا حق ہے اور اس میں خمس واجب نہیں ہے اور اگر ایسی زمین میں ملا جو ان میں سے کسی کی ملکیت تھی تو اگر امن پا کر ان میں گیا تھا تو ان کو واپس کر دے اور اگر واپس نہ کرے اور دارالاسلام کو

لے آئے تو اس کی ملک ہو جائے گا لیکن حلال نہ ہوگا اور اگر بیچے تو بیع جائز ہوگی لیکن مشتری کے واسطے بھی حلال نہ ہوگا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ تصدیق کر دے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اگر بغیر امن کے گیا تھا تو وہ اس کا حق ہے اس میں خمس بھی واجب نہ ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور اگر دینہ میں اسباب مثل ہتھیار اور آلات اور خانہ داری کا سامان اور گننے اور کپڑے کی قسم ملے تو وہ بھی خزانہ کے حکم میں ہے اور اس میں سے بھی خمس دیا جائے گا یہ تبیین میں لکھا ہے۔ دریا میں سے جو چیزیں نکلیں جیسے تمبر اور موتی اور مچھلی اس میں کچھ زکوٰۃ نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں اور خلاصہ میں لکھا ہے اگر دریا میں سے چاندی سونا ملے تو اس میں بھی کچھ زکوٰۃ نہیں ہے یہ تہذیب میں لکھا ہے پہاڑوں میں جو فیروزہ ملے اس میں بھی خمس نہیں ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

## چہناب

### کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ میں

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ فرض ہے اور سبب اس کی فرضیت کا ایسی زمین ہوتی ہے جس کی پیداوار سے حقیقت میں فائدہ حاصل ہو خراج کا حکم اس کے خلاف ہے اس لئے کہ سبب اس کی فرضیت کا وہ زمین ہے کہ جس میں حقیقتاً فائدہ حاصل ہو یا نقدی یا فائدہ حاصل ہو مثلاً اس طرح کا فائدہ حاصل کرنے پر قادر ہو پس اگر قادر تھا اور کھیتی نہ کی تو خراج واجب ہوگا عشر واجب نہ ہوگا اگر کھیتی پر کوئی آفت آگئی تو کچھ زکوٰۃ اس میں واجب نہ ہوگی رکن اس کا مالک کو دینا ہے اور شرط اس کے ادا کرنے کی وہی ہے جو زکوٰۃ میں مذکور ہوئی ہے اور اس کے واجب ہونے کی شرط دو قسم ہے پہلی یہ کہ اس کی اہلیت ہو اور وہ مسلمان ہوتا ہے یہ شرط اس کے شروع ہونے کی ہے اور بلا خلاف یہ حکم ہے کہ عشر سوا مسلمان کے اور کسی پر شروع نہیں ہوتا اور اس کے فرض ہونے کا علم شرط ہے اور عقل اور بلوغ و جوب عشر کے شرائط میں سے نہیں ہے یہاں تک کہ عشر لڑکے اور مجنوں کی زمین میں بھی واجب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ حقیقت میں زمین کی اجرت ہے اور اس واسطے امام کو اختیار ہے کہ اس کو جبراً لے لے اور اس صورت میں زمین کے مالک کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا لیکن اس کو ثواب نہ ملے گا اور جس پر عشر واجب ہے اگر وہ مر جائے اور اناج موجود ہو تو اس میں سے عشر لے لے زکوٰۃ کا یہ حکم نہیں زمین کی ملکیت بھی عشر لے لے زکوٰۃ کا یہ حکم نہیں زمین کی ملکیت بھی عشر کے واجب ہونے میں شرط نہیں ہے اس لئے کہ وقف کی زمین بھی عشر واجب ہوتا ہے اور غلام ماذون اور مکاتب کی زمین میں بھی واجب ہوتا ہے دوسری قسم و جوب کی شرط یہ ہے کہ عشر کے واجب ہونے کا محل پایا جائے اور وہ یہ ہے کہ عشری زمین ہو خراج کی زمین جو پیداوار ظاہر ہوگی اس میں عشر واجب نہ ہوگا اور نیز شرط یہ ہے کہ اس میں پیداوار ہو اور پیداوار اس قسم کی ہو جس کی زراعت سے زمین کا فائدہ مقصود ہوتا ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ پس لکڑی اور گھاس اور نرکل اور جھاؤ اور کھجور کے پھوں میں عشر واجب نہ ہوگا اس واسطے کہ ان چیزوں سے زمین میں فائدہ نہیں ہوتا بلکہ زمین خراب ہو جاتی ہے اور اگر بید کے درختوں اور گھاس اور نرکل کے پھوں سے فائدہ حاصل کرتا ہو یا اس میں چنار یا صنوبر یا اس قسم کے اور درخت ہوں اور ان کو کاٹ کر بیچتا ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو چیزیں زمین سے پیداوار میں حاصل ہوتی ہیں جیسے گہوں اور جو اور چنا اور چاول اور ہر طرح کے دانے اور ترکاریاں اور سبزیاں اور پھول اور خرما اور گنے اور زبرہ اور خرپڑے اور لکڑی اور کھیرے اور بیٹنگن اور اس قسم کی چیزوں میں خواہ ان کے پھل باقی رہیں یا نہ رہیں تھوڑے ہوں یا بہت ہوں عشر واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے خواہ ان کو بارش کا پانی ملے یا نہر سے دیا جائے ایک اونٹ کا بوجھ یعنی بقدر ساٹھ صاع کے ہوں یا نہ ہوں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اسی کے پیڑوں اور بیجوں میں عشر واجب ہوتا ہے اس لئے

کہ ان دونوں سے فائدہ مقصود ہوتا ہے یہ شرح مجمع میں لکھا ہے اور اخروٹ اور بادام اور زیرہ اور دھنیا کا عشر واجب ہوتا ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے شہد جو عشری زمین میں پیدا ہو اس میں بھی عشر واجب ہوتا ہے اگر کسی کی زمین میں جو اس کے درخت پر ترنجبین وغیرہ جسے اس پر بھی عشر واجب ہوگا یہ خزانہ اُمّنتین میں لکھا ہے جو پھل ایسے درختوں کے جمع کئے جاتے ہیں جو کس کی ملکیت نہیں ہیں جیسے پہاڑوں کے درخت ان میں عشر واجب ہوتا ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے جو چیزیں کہ زمین کی تابع ہوتی ہیں جیسے کہ خرما کا درخت اور دوسرے درخت اور جو چیزیں درخت سے نکلتی ہیں جیسے گوند و رال والا کھ وغیرہ ان میں عشر واجب نہیں ہوتا اس لئے کہ ان چیزوں سے زمین کا محاصل مقصود نہیں ہوتا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جو بیج کی زراعت یا دوا کے سوا کسی کام میں نہیں آتے جیسے کہ خرپڑہ کے بیج اور اجوائن اور کونجی ان میں بھی عشر واجب نہیں یہ مضمرات میں لکھا ہے اور بنگ اور صنوبر اور کپاس اور بیگن اور کند اور کیلا اور انجیر میں عشر واجب نہیں یہ خزانہ اُمّنتین میں لکھا ہے اگر کسی کے گھر میں پھلدار درخت ہوں تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا یہ شرح مجمع میں لکھا ہے جو ابن ملک کی تصنیف ہے اور جس زمین کو چرس اور رہٹ سے پانی دیا جائے اس میں نصف عشر واجب ہوگا اور اگر نہر سے بھی پانی دیا جائے اور رہٹ سے بھی دیا جائے تو اکثر سال یعنی اس میں نصف سال سے زیادہ سال میں جس طرح پانی دیا جائے گا اس کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں طرح برابر پانی دیا جائے تو نصف عشر واجب ہوگا یہ خزانہ اُمّنتین میں لکھا ہے اور وقت عشر کے واجب ہونے کا امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ ہے کہ جب کھیتی نکلے اور پھل ظاہر ہوں یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر زراعت سے پہلے زمین کا عشر ادا کر دیا تو جائز نہیں اور اگر بونے اور جمنے کے بعد ادا کیا تو جائز ہے اور اگر بونے کے بعد اور جمنے سے پہلے ادا کیا تو ظہر یہ ہے کہ جائز نہیں۔ اگر پھولوں کا عشر اول دے دیدیا تو اگر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد دیا ہے تو جائز ہے اور اس سے پہلے دیا ہے تو ظاہر روایت کے بموجب جائز نہیں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔ اگر پیداوار بغیر فعل مالک کے ہلاک ہو جائے تو عشر ساقط ہو جائے گا اور اگر تھوڑی سی ہلاک ہو تو اس قدر کا عشر ساقط ہوگا اور اگر مالک کے سوا کوئی اور شخص ہلاک کر دے تو مالک اس سے ضمان لے اور اس میں عشر ادا کرے اور اگر مالک خود اس کو ہلاک کر دے تو عشر کا ضامن ہوگا اور وہ اس کے ذمہ قرض ہو جائے گا اور یہ قرض مرتد ہونے سے اور بغیر وصیت کے مرجانے سے ساقط ہو جائے گا اگر تلف کر دیا ہو یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اگر تغلّی کے پاس عشری زمین ہو تو اس سے دو چند عشر لیا جائے گا اور اگر تغلّی سے کوئی ذمی مول لے لے تو اس زمین کا حکم وہی باقی رہے گا اور اگر تغلّی سے مسلمان مول لے لے یا تغلّی مسلمان ہو جائے تو بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس زمین پر وہی حکم رہے گا خواہ اصل میں ہے اس زمین پر عشر دو چند مقرر ہوا ہو یا بعد کو دو چند ہو گیا ہو اور اگر زمین مسلمان کی تھی اور اس نے تغلّی کے سوا کسی اور ذمی کے ہاتھ بیچی اور اس نے اس زمین پر قبضہ کر لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر خراج واجب ہوگا اگر پھر اس سے کوئی مسلمان شفعہ لے لے یا بیع کے فاسد ہو جانے سے پھر جائے تو وہ زمین عشری ہو جائے گی جیسے اول تھی اور تغلّی کے لڑکے اور عورت کی زمین پر وہی واجب ہوگا جو اس کے مرد پر ہوتا ہے۔

مجوسی کے گھر پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ ہدایہ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے گھر کو باغ بنائے تو اس کی اجرت کا حکم اس کے پانی کے ساتھ ہوگا یعنی اگر اس کو عشر کا پانی دیے گا تو وہ زمین عشری ہوگی اور اگر خراج کا پانی دے گا تو خراجی ہوگی اور اگر ذمی اپنے گھر کو باغ بنا دے تو کس طرح پانی دے اس پر خراج واجب ہوگا اور اس کے گھر پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ تمیین میں لکھا ہے اور اس طرح قبرستان پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر مسلمان یا ذمی ایک بار عشر کا پانی اور ایک بار خراج کا پانی دے تو مسلمان سے نہ لیا جائے گا اور ذمی اور خراج لیا جائے گا یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے عشر کا پانی ان کنوؤں کا پانی ہے جو عشری زمین میں کھودے جائیں یا ان چشموں کا پانی ہے جو عشری زمین میں ظاہر ہوں اور اس طرح بارش کا پانی اور بڑے دریاؤں کا پانی بھی عشری ہے یہ محیط میں لکھا ہے



اور نہروں کا پانی جو اہل عجم نے کھودی ہیں اور خراجی زمین کے کنوؤں کا پانی خراجی ہے اور دریا کے سبوں اور دریا اور فرات کا پانی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک خراجی ہے۔ اگر عشری زمین اجارہ پر دے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر مالک پر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مستاجر پر واجب ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر پیداوار کٹنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو مالک پر عشر واجب نہ ہوگا اور اگر کٹنے کے بعد ہلاک ہو تو مالک سے ساقط نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک کٹنے سے پہلے خواہ بعد کو ہلاک ہو اس کے ساتھ میں عشری بھی ساقط ہو جائے گا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اگر کسی مسلمان سے زمین مانگ کر زراعت کی تو مانگنے والے پر عشر واجب ہوگا اور اگر کافر کو مانگے دے امام ابوحنیفہ کے نزدیک دینے والے پر عشر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک کافر پر واجب ہوگا لیکن امام محمد کے نزدیک ایک عشر ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو عشر ہونگے یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اور اگر کسی کی زمین میں پیداوار کی شراکت پر کوئی کھیتی کرے تو صاحبین کے قول کے بموجب ان دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے موافق عشر واجب ہوگا اور امام کے قول پر مالک زمین پر ہوگا لیکن مالک کے حصہ کا عین پیداوار میں ہوگا اور کاشتکار کے حصہ کا مالک کے ذمہ قرضہ ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور اگر وہ پیداوار ہلاک ہوگئی تو صاحبین کے نزدیک ان دونوں سے عشر ساقط ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کٹنے سے پہلے ہلاک ہوگئی تو یہی حکم ہے اور اگر کٹنے کے بعد ہلاک ہوئی تو کاشتکار کے حصہ کا عشر مالک زمین کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور خود مالک کے حصہ کا عشر ساقط ہو جائے گا اور اگر پیداوار کے تیار ہونے کے بعد اور کٹنے سے پہلے کوئی شخص اس کو ہلاک کر دے یا چرا لے تو عشر واجب نہ ہوگا لیکن جب ہلاک کرنے والے سے ضمان لیں گے زمین کے مالک پر اس بدل میں سے عشر واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دونوں پر عشر واجب ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اگر عشری زمین کو کوئی غصب کر کے اس میں کھیتی کرے تو اگر زراعت سے اس میں کچھ نقصان نہ ہو تو زمین کے مالک پر عشر واجب نہ ہوگا اور اگر زراعت سے اس میں نقصان ہو تو زمین کے مالک پر عشر واجب ہوگا یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر عشری زمین جس میں زراعت تھی جو تیار ہوگئی تھی اس کو مالک نے مع زراعت کے فروخت کیا یا لفظ زراعت نیچے تو بائع پر عشر ہوگا مشتری پر نہ ہوگا اور اگر زمین نیچی اور زراعت ابھی صرف سبزی تھی تو اگر مشتری نے اسی وقت اس کو جدا کر دیا تو بائع پر عشر واجب ہوگا اور اگر اس کو باقی رکھا اور اس پر قبضہ کیا تو مشتری پر عشر واجب ہوگا یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے۔

اگر عشری اناج کو بیچا تو صدقہ لینے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو عشر اس کا مشتری سے لے لے اگر چہ بیع کی مجلس متفرق ہو چکی ہو اور چاہے بائع سے لے لے اور اگر عشر کا اناج قیمت سے زیادہ کو بیچا اور ابھی مشتری نے اس پر قبضہ نہیں کیا ہے تو صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے اس اناج میں سے لے لے اور چاہے داموں کا عشر لے اور اگر بائع نے اس کے بیچنے میں اس قدر دام کر دے کہ جس قدر میں لوگ دھوکا نہیں کھا جاتے تو اس وقت صدقہ وصول کرنے والا اس اناج میں سے دسواں حصہ لے گا اور اگر اس اناج کو ہلاک کر دیا ہے تو اس بائع سے اس اناج کے مثل دوسرے اناج سے عشر لے لے گا لیکن اگر وہ اس کی قیمت میں سے بقدر قیمت عشر کے دیدے تو اناج میں سے نہ لے گا اور اگر مشتری نے اس کو ہلاک کر دیا تو صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے بائع سے ضمانت لے اور چاہے مشتری سے اس کے غلہ کی مثل ضمانت لے اس لئے کہ ان دونوں نے اپنے حق کو تلف کیا ہے اور اگر انگور بیچے تو اس کی قیمت میں سے عشر لے گا اور اس طرح اگر انگوروں کا شیرہ نکالا اور اس کو بیچا تو شیرہ کی قیمت کا عشر واجب ہوگا یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے اور کام کرنے والوں کی اجرت اور بیلوں کا خرچ اور نہر کھودنے کا صرف اور محافظ کی تنخواہ اور سوا اس کے اور خرچ محسوب نہ ہونگے اور جس قدر پیداوار حاصل ہوئی ہو اس سب میں سے عشر واجب ہوگا یہ بحر الرائق میں لکھا ہے جب تک عشر نہ ادا کرے تب تک اس اناج کو نہ کھائے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے اور اگر عشر کو جدا کر لے تو باقی کا کھانا اس کو حلال ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ جس

قدر پھلوں کو کھادے گا یا اور دن کو کھلا دے گا اس کے عشرہ کا ضامن ہوگا یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔

## سانچہ باب

### مصرفوں کے بیان میں

مجملہ ان کے فقیر ہے اور فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس تھوڑا سا مال قدر نصاب سے کم ہو یا بقدر نصاب ہو لیکن بڑھنے والا نہ ہو یا اس کی حاجت سے زیادہ نہ ہو پس اگر کوئی شخص بہت سی نصابوں کا مالک ہو اور وہ بڑھنے والی نہ ہوں تو اگر وہ اس کی حاجت سے زیادہ نہیں ہے تو فقیروں کے حکم میں ہے یہ فتح القدر میں لکھا ہے فقیر جاہل کو صدقہ دینے سے فقیر عالم کو صدقہ دینا افضل ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے مسکین ہیں اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ اور اپنے کھانے کے لئے یا بدن ڈھکنے کے لئے سوال کا محتاج اور سوال اس کو حلال ہو اور فقیر جو اول مذکور ہو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ اس کو سوال حلال نہیں اس لئے کہ سوال اس شخص کو حلال نہیں ہے جو اپنا بدن ڈھک لے اور ایک دن کی خوراک کا مالک ہو یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے حامل ہے جس کو امام نے صدقہ اور عشر کے وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو یہ کافی میں لکھا ہے اور اس کو اس قدر دے کہ اس کے اور اس کے مددگاروں کے اوسط خرچ کو آنے اور جانے کی مدت تک جب تک مال باقی ہے کافی ہو لیکن اگر اس قدر میں ساری زکوٰۃ کا مال صرف ہوا جاتا ہو تو نصف سے زیادہ نہ دے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ خود چاکر امام کو دیدے تو اس میں کچھ عامل کا حق نہیں ہے یہ نیا بیع میں لکھا ہے اور یہی محیط سرخسی میں لکھا ہے اور اگر عامل ہاشمی ہو تو قرابت نبی ﷺ کو لوگوں کے میل کچیل کے شبہ سے بچانے کے لئے اس مال میں سے لینا حلال نہیں ہے اور عامل غنی ہو تو لینا حلال ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور عامل ہاشمی یہ کام کر لے اور اس کو اجرت اور مال میں دے دی جائے تو مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر عامل کے پاس ہلاک ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا اور زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے۔ صدقہ وصول کرنے والا اگر اپنے کام کا حق واجب ہونے سے پہلے لے لے تو جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ نہ لے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے غلاموں کی گردنیں آزاد کرنا ہے اور غلام مکاتب میں ان کے آزاد ہونے میں مدد کریں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے مکاتب اگر غنی ہو تو اس کو دینا جائز ہے خواہ اس کا غنی ہونا معلوم ہو یا نہ ہو یہ خلاصہ اور محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ ہاشمی کے مکاتب غلام کو دینا جائز نہیں اس لئے کہ وہ ایک طرح سے ملک اس کے مالک کی ہوگی اور شبہ کو حقیقت کا حکم ہوتا ہے محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور منجملہ ان کے قرضدار ہے اور وہ شخص ہے کہ جس پر قرض لازم ہو اور اپنے قرض سے زیادہ کسی نصاب کا مالک نہ ہو یا اور لوگوں کے پاس اس کا مال ہو لیکن وہ لے لے سکے یہ تبیین میں لکھا ہے فقیر کے دینے سے قرضدار کو دینا اولیٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے اور منجملہ ان کے فی سبیل دینا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ ان لوگوں کو دینا ہے جو فقیری کی وجہ سے غازیوں کے لشکر سے جدا ہیں اور امام محمد کے نزدیک ان لوگوں کو دینا ہے جو فقیری کی وجہ سے حاجیوں کے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے صحیح قول امام ابو یوسف کا ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے

مجملہ ان کے مسافر ہیں یعنی وہ مسافر جو اپنے مال سے جدا ہیں یہ بدائع میں لکھا ہے بقدر حاجت ان کو زکوٰۃ کے مال سے لینا جائز ہے حاجت سے زیادہ لینا حلال نہیں اسی حکم میں شامل ہے وہ شخص جو اپنے شہر میں اپنے مال سے جدا ہو اس واسطے کہ اعتبار حاجت کا ہے پھر اگر حاجت سے زیادہ ان کے پاس کچھ بچ رہے تو مال پر قادر ہونے کے بعد اس کو صدقہ کر دینا واجب نہیں جیسے کہ فقیر پر غنی ہونے کے بعد واجب نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے کہ مسافروں کو صدقہ قبول کرنے سے قرض لینا اولیٰ ہے یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ زکوٰۃ کے صرف کرنے کی یہ ساری صورتیں ہیں اور مالک کو اختیار ہے کہ ان میں سے ہر قسم کے آدمی کو تھوڑا تھوڑا دے یا ایک ہی قسم کے آدمیوں کو دے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ ایک ہی شخص کو دے یہ فتح القدر میں لکھا ہے اور جو کچھ دیتا ہے اگر وہ بقدر نصاب

نہیں تو ایک شخص کو دینا افضل ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے اور ایک شخص کو دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دیدے تو جائز ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب فقیر قرضدار نہ ہو اور اگر قرضدار ہو تو اگر اس کو اس قدر دے کہ اس کے قرض کے ادا ہونے کے بعد اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے یا دو سو درہم سے کم باقی رہے تو جائز ہے اور اگر اس کے اہل و عیال بہت ہوں تو اس قدر دینا جائز ہے کہ اگر وہ سب اہل و عیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو دو سو درہم سے کم پہنچے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اس قدر دیدینا مستحب ہے کہ اس دن سوال کی حاجت نہ ہو یہ تمیمین میں لکھا ہے زکوٰۃ کا مال ذمیوں میں صرف کرنا بالاتفاق جائز نہیں صدقہ نفل میں سے ان کو دینا بالاتفاق جائز ہے۔ صدقہ فطر اور نذر اور کفارہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن مسلمانوں کے فقیروں کو دینا مسلمانوں کے واسطے بہتر ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے حربی مستامن کو زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ دینا بالاجماع جائز نہیں صدقہ نفل میں سے دینا جائز ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے زکوٰۃ کے مال میں سے مسجد بنانا اور پل بنانا اور سقاہ بنانا اور رستے درست کرنا اور نہر میں کھودنا اور حج و جہاد کے واسطے دینا اور وہ سب صورتیں جن میں مالک نہیں کیا جاتا جائز نہیں اور اس میں سے میت کو کفن دینا اور اس کا قرض ادا کرنا بھی جائز نہیں یہ تمیمین میں لکھا ہے اور آزاد کرنے کے واسطے غلام خریدنا بھی جائز نہیں اور اپنی اصل کو یعنی ماں اور باپ یا اور ان سے اوپر کے لوگ ہوں اور فرغ کو یعنی بیٹا بیٹی یا اور ان سے نیچے کے لوگ ہوں زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ کافی میں لکھا ہے۔ جس بیٹے کے نسب سے انکار کیا یا اس کے نطفے سے زنا سے پیدا ہوا ہے اس کو بھی دینا جائز نہیں یہ ترمذی میں لکھا ہے۔ اپنی بی بی کو بھی دینا جائز نہیں اس لئے کہ بموجب عادت کے عورتیں منافع میں شریک ہوتی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کو بھی جائز نہیں کہ اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اپنے غلام اور مکاتب اور مدبر اپنی ام ولد کو بھی زکوٰۃ نہ دے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اپنے معتق امبض کو بھی زکوٰۃ نہ دے یعنی وہ غلام جس کے کل کا وہ مالک تھا پھر اس میں سے ایک جزو شائع آزاد نہیں کیا ہے اس نے اپنے حصہ کی قیمت کے لئے غلام سے کمائی کر لیا اختیار کیا تو وہ اس شریک کا مکاتب ہو اور اگر اس نے آزاد کرنے والے شریک سے اپنے حصہ کا ڈانڈ لینا اختیار کیا یا زکوٰۃ دینے والا کوئی شخص اجنبی ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اس لئے کہ وہ غیر کے مکاتب کے مثل ہو گیا یہ تمیمین میں لکھا ہے اور جو شخص کسی مال کی ایک نصاب کا مالک ہو مثلاً دیناروں یا درہموں یا چرنے والے جانوروں یا تجارت یا غیر تجارت کے مال کا جو تمام سال میں اس کی حاجت سے زائد ہو زکوٰۃ کا مال اس کو دینا جائز نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے اور شرط ہے کہ اس کی اصلی حاجت سے زائد ہو اور اصلی حاجت سے مراد رہنے کا گھر اور گھر کا اثاثہ اور کپڑے اور خادم اور سواری اور ہتھیار ہیں اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ بڑھنے والا مال ہو اس لئے کہ وہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط ہے زکوٰۃ سے محروم ہونے کی شرط نہیں ہے یہ کافی میں لکھا ہے۔

اور جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو اگرچہ تندرست اور کمانے والا ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ غنی کے غلام کو اگر مکاتب نہ ہو تو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ تمیمین میں لکھا ہے اور اگر بڑا ہو اور فقیر ہو تو جائز ہے غنی کی عورت غنی کے کس بیٹے کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ تمیمین میں لکھا ہے اور اگر بڑا ہو اور فقیر ہو تو جائز ہے غنی کی عورت اگر فقیر ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اور اس طرح بڑی بیٹی اگر باپ اس کا غنی ہے تو اس کو بھی زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اس لئے کہ مقدار نفقہ سے وہ غنی نہیں ہوتی اور باپ اور خاوند کے غنی ہونے سے بیٹی اور بی بی غنی نہیں ہوتی یہ کافی میں لکھا ہے۔ اگر کسی دولت مند شخص کا باپ مفلس ہو اور اس کو زکوٰۃ کا مال دیں تو جائز ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور زکوٰۃ کا مال اس شخص کو دینا جائز ہے جس کو سوال حلال نہیں ہے بشرطیکہ وہ پوری نصاب کا مالک نہ ہو اور اگر اس کے پاس اس قدر کتابیں ہوں کہ جن کی قیمت بقدر دو سو درہم کے ہے مگر درس دینے یا حفظ یا تصحیح کے لئے ان کی حاجت ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے خواہ وہ کتابیں فقہ کی ہوں یا حدیث کی یا ادب کی یہ محیط سرحسی میں لکھا ہے۔ اور اس طرح اگر اس کے پاس بہت سے قرآن ہوں اور ان کی حاجت ہو تو بھی یہی حکم ہے کہ اور اگر حاجت نہ ہو اور دو

سو درہم کا مال ہو تو اوروں کو زکوٰۃ کا مال اسے دینا اور اس کو لینا جائز نہیں اور اس طرح اگر کسی کے پاس دکانیں ہوں یا ایک گھر کرایہ پر چلنے کا ہو جس کی قیمت تین ہزار درہم ہے لیکن ان کی آمدنی اس کے اور اسکے عیال کے خرچ کو کافی نہیں تو امام محمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ کا مال اس کو دینا جائز ہے اور اگر اس کے پاس زمین ہو جس کی قیمت تین ہزار درہم ہے لیکن اس کی پیداوار اس کو اور اسکے عیال کے خرچ کافی نہیں تو اس میں اختلاف ہے محمد بن مقاتل نے کہا ہے کہ اس کو زکوٰۃ کا مال لینا جائز ہے اور اگر کسی کے پاس باغ دو سو درہم کا ہو تو فقہانے کہا ہے کہ اگر اس باغ میں گھر کی ضروریات مثل مطبخ اور غسل خانہ وغیرہ کے نہ ہوں تو اس شخص کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں اس لئے کہ وہ بمنزلہ اس شخص کے ہے جس کے پاس اسباب و جواہر ہیں اور جس شخص کا میعاد قرض لوگوں کے اوپر ہو اور اس کو اپنے خرچ کی ضرورت ہو تو اس کو زکوٰۃ کے مال میں سے اس قدر لینا جائز ہے جو میعاد کے پورے ہونے تک اس کے خرچ کو کافی ہے اور اگر قرض کی میعاد نہ ہو تو اگر قرضدار محتاج ہے تو اس قول کے بموجب اس کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اس لئے کہ وہ بمنزلہ ابن سبیل کے ہے اور اگر اس کا قرضدار مالدار ہو اور قرض کے گواہ عادل ہوں تو بھی یہی حکم ہے اور اگر قرض کے گواہ عادل نہ ہوں تو اس کو اس وقت تک زکوٰۃ لینا جائز نہیں جب تک وہ قاضی کے سامنے جھگڑا پیش نہ کرے اور قاضی قرضدار سے قسم نہ لے اور جب اس قرضدار سے قسم لے لے تو اس کے بعد اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کسی شخص کے پاس رہنے کا گھر ہو اگر چہ کل مکان میں نہ رہتا ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یہی صحیح ہے یہ زاہدی میں لکھا ہے۔ زکوٰۃ کا مال بنی ہاشم کو نہ دے اور ان سے مراد حضرت علی اور عباس اور جعفر عقیل اور حارث رضی اللہ عنہم بن عبدالمطلب کی اولاد ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور ان کے سوا جو بنی ہاشم ہیں جیسے ابولہب کی اولاد ان کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اس لئے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی مدد نہیں کی یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے حکم واجب صدقوں کا ہے جیسے زکوٰۃ اور نذر اور عشر اور کفارہ اور جو نفل صدقہ ہیں ان کا بنی ہاشم کو دینا جائز ہے یہ کافی میں لکھا ہے اور اس طرح زکوٰۃ بنی ہاشم کے غاموں کو بھی نہ دے یہ عینی شرح کنز میں لکھا ہے اور بنی ہاشم کے لوگ اگر فقیر ہوں تو ان کو دینہ اور کان کے مال کا خمس دینا جائز ہے یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اگر وکیل زکوٰۃ کا مال اپنے بیٹے کو دے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا یا اپنی بی بی کو دے بشرطیکہ یہ سب محتاج ہوں تو جائز ہے اور وکیل خود کچھ نہ رکھ لے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی شخص کے صدقہ لینے کے لائق ہونے میں شک ہو یا غالب گمان اس کا یہ ہو کہ وہ صدقہ لینے کے لائق ہے اور اس کو صدقہ دیدے یا اس سے پوچھا اور پھر اس کو دیا یا اس کو فقیروں کی صف میں دیکھا اور صدقہ دیدیا اور پر ظاہر ہوا کہ وہ صدقہ لینے کے لائق تھا تو بالا جماع جائز ہے اور اس طرح اگر اس کا کچھ حال معلوم نہ ہو تو بھی جائز ہے لیکن اگر ظاہر ہوا کہ وہ غنی یا ہاشمی یا کافر ہاشمی کا غلام یا اس کا باپ یا ماں یا بیٹا یا بیٹی یا بی بی یا شوہر تھا تو جائز ہے اور زکوٰۃ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ساقط ہو جائے گی اور اگر ظاہر ہوا کہ اس کا غلام یا مدبر یا ام ولد یا مکاتب تھا تو جائز نہیں اور بالا جماع اس کا اعادہ کرے اور اگر وہ اس کا ایسا غلام ہو کہ کچھ آزاد ہو گیا اور باقی قیمت ادا کرنے کے واسطے کمائی کر رہا ہے تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اگر کسی کو زکوٰۃ کا مال دیا اور یہ اس کو خیال نہ ہوا کہ وہ مصرف زکوٰۃ کا ہے یا نہیں تو زکوٰۃ اس کی ادا ہو گئی لیکن اگر ظاہر ہوا کہ وہ مصرف زکوٰۃ کا نہیں ہے تو جائز نہیں اور اگر زکوٰۃ دیتے وقت اس کو شک تھا اور اس نے اپنی رائے سے گمان غالب نہیں کیا اور یا اس نے اپنی رائے سے غور کیا اور یہ نہ ظاہر ہوا کہ وہ مصرف زکوٰۃ ہے یا گمان غالب ہوا کہ وہ مصرف زکوٰۃ نہیں تو زکوٰۃ جائز نہ ہوگی لیکن جب ظاہر ہو جائے گا کہ وہ مصرف زکوٰۃ تھا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یہ تمییز میں لکھا ہے۔ زکوٰۃ کے مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں نقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر دوسرے شہر میں زکوٰۃ دینے والے کی قرابت کے لوگ ہوں یا دوسرے شہر کے لوگ اس شہر والوں سے زیادہ محتاج ہیں تو مکروہ نہیں اور یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور پھر نقل کرے تو اگر چہ مکروہ ہوگا لیکن زکوٰۃ ادا

ہو جائے گی اور زکوٰۃ کے مال کا نقل کرنا اس وقت میں مکروہ ہے کہ جب زکوٰۃ کا وقت آ گیا ہو اور سال تمام ہو گیا ہو لیکن اگر وقت سے پہلے نقل کر لے تو مضائقہ نہیں زکوٰۃ اور صدقہ فطر اور نذر میں اولیٰ یہ ہے کہ اول اپنے بھائی اور بہنوں کو دے پھر ان کی اولاد کو پھر چچاؤں اور پھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ماموں اور خالاؤں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ذی الام کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے خدمتی پیشہ والوں کو پھر اپنے شہر یا گاؤں والوں کو دے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے زکوٰۃ میں جہاں مال ہو وہ جگہ معتبر ہے یہاں تک کہ اگر مالک اور شہر میں ہو اور مال اور شہر میں تو جہاں مال ہے وہاں زکوٰۃ دے اور صدقہ فطر میں صدقہ دینے والے کے مکان کا اعتبار ہے اور صحیح قول کے بموجب اس کی چھوٹی اولاد اور غلاموں کے مکان کا اعتبار نہیں یہ تمییز میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ مضمرات میں لکھا ہے ہمارے زمانہ میں جو ظالم حاکم صدقہ اور عشر اور خراج اور محصول اور مصا درہ لے لیتے ہیں اس صحیح یہ ہے کہ یہ سب مال والوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اس صورت میں کہ وہ دیتے وقت ان کو صدقہ دینے کی نیت کر لیں یہ تاتار خانہ میں زکوٰۃ کی آٹھویں فصل میں لکھا ہے۔ اگر کسی فقیر کا قرض اپنے مال کی زکوٰۃ سے ادا کیا تو اگر اس کے حکم سے ادا کیا تو جائز ہے اور اگر بغیر حکم کے ادا کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور قرض ساقط ہو جائے گا اگر زکوٰۃ کے بدلے کسی کو رہنے کے واسطے گھر دیدیا تو جائز نہیں یہ زاہدی میں لکھا ہے اپنے قرابت کے لڑکوں کو یا خوشخبری لانے والے کو یا نیا پھل لانے والے کو جو دیتا ہے اگر اس میں زکوٰۃ دینے کی نیت کر لے تو جائز ہے معلوم جو اپنے خلیفہ یعنی نائب کو دیتا ہے اور اس کی اجرت مقرر نہیں کہ ہے تو اگر اس میں زکوٰۃ دینے کی نیت کر لے اور خلیفہ ایسا ہو کہ اگر اس کو نہ دے گا تو بھی لڑکوں کو پڑھا دے گا تو جائز ہے اور اگر ایسا نہیں تو جائز نہیں اور یہی حکم ہے اس کا جو اپنے خادموں کو خواہ وہ عورتیں ہوں اور یا مرد ہوں عید وغیرہ میں زکوٰۃ کی نیت سے دے یہ معراج الدر ایہ میں لکھا ہے۔ زکوٰۃ کا مال جب فقیر کو دے تو ادا کرنا اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک وہ فقیر یا فقیر کی طرف سے کوئی ولی اس پر قبضہ نہ کر لے جیسے باپ اور وصی کے لڑکے اور مجنون کے مال پر قبضہ کرتے ہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے یا اس کے عیال اور اقارب یا اجنبی آدمیوں میں سے جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں وہ قبضہ کر لیں اور جو لڑکا کسی کو پڑا ہو املا ہو اس کی طرف سے اس کا پانے والا قبضہ کر لے اور اگر مجنون یا لڑکے بے سمجھ کو زکوٰۃ دی اور اس نے اپنے ماں باپ یا وصی کو دیدی تو فقہانے کہا ہے کہ جائز نہیں اور اگر کسی دکان پر زکوٰۃ کا مال رکھ دیا اور فقیر نے اس پر قبضہ کر لیا تو جائز نہیں۔

اگر زکوٰۃ کا مال چھوٹے لڑکے کے قبضہ میں دیدیا جو قریب بلوغ ہو تو جائز ہے اور اس طرح اگر ایسے لڑکے کو دیدیا جو قبضہ کر سکتا ہو مثلاً پھینک نہ دے گا اور کوئی اس کو دھوکا دے کر نہ لے لے گا تو بھی جائز ہے اگر کم عقل فقیر کو دیدیا تو جائز ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

## ☆ فصل

بیت المال کا مال چار قسم کا ہوتا ہے اول چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ اور عشر اور جو کچھ عاشر مسلمان تاجروں سے لیتا ہے جو اس کے پاس ہو کر گذرتے ہیں ان سب کا مصرف وہی ہے جو ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں دوسرے غنیمت اور کانوں اور گڑے ہوئے مال کا پانچواں حصہ اور اس کے مصرف اس زمانہ میں تین قسم کے لوگ ہیں یتیم اور مسکین اور ابن السبیل تیسرے خراج اور جزیہ اور وہ کپڑے حلہ بن پر بنو نجران سے صلح ہوئی ہے اور وہ چند صدقہ جو بنو تغلب سے لیا جاتا ہے اور جو کچھ مال کہ عاشر حریوں سے جو امن پا کر ہمارے ملک میں آئیں اور ذمی تاجروں سے لینا ہے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ یہ سب لڑنے والوں کے لئے عطیہ ہے اور حد و ملک کی محافظت میں اور وہیں قلعوں کے بنانے میں مراصد الطریق یعنی دارالاسلام کے راستوں پر محافظت کی چوکیاں اس لئے

بنادیں کہ راہزنوں سے امن ہو اور پلوں وغیرہ کی درستی میں صرف کریں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ اور بڑی نہروں کے کھودنے میں جو کسی کی ملک نہیں ہوتی صرف کریں جیسے جنجوں اور فرات اور دجلہ یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے اور اس سے مسافر خانے اور مسجدیں بنادیں اور پانی کو روکیں اور جہاں پانی کے روکنے سے نقصان پہنچنے کا خوف ہو اس کی محافظت کریں اور حکام اور ان کے مددگار اور قاضیوں اور مفتیوں اور محتسب کا روزینہ بھی اس میں سے ہو یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور معلموں اور طالب علموں کو بھی اس میں سے دیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اور جو شخص کہ امور مسلمین میں سے یا ان امور میں سے جن میں مومنین کی بہتری ہو کوئی خدمت کرتا ہو اس پر صرف کریں یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے چوتھے وہ مال جو پڑا ہوا ملے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ یا ایسی میت کے ترکہ کا مال جس کا کوئی وارث نہ ہو صرف شوہر یا بی بی وارث ہو اور اس قسم کا مال مریضوں کے خرچ اور ان کی دواؤں میں بشرطیکہ وہ فقیر ہوں اور ان مردوں کے کفن میں جن کے پاس کچھ مال نہ ہو اور ان بچوں میں جو کہیں پڑے ہوئے ملیں اور ان کی خطا کے جرماء میں اور اس شخص کے نفقہ میں جو کسب سے عاجز ہو اور کوئی ایسا شخص نہ ہو جس پر اس کا نفقہ واجب ہو اور اس قسم کے اور کاموں میں صرف کریں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے پس امام پر واجب ہے کہ چار بیت المال بنادے اور ہر قسم کے مال کے واسطے جدا جدا گھر بنادے اس لئے کہ ہر قسم کے مال کا جدا جدا حکم ہے جو اس سے مختص ہے اور دوسرا مال اس میں شریک نہیں پس اگر کسی قسم کا مال بالکل نہ ہو تو امام کو جائز ہے کہ دوسری قسم کے مال میں سے اس کے مصارف کے واسطے قرض لے لے پس اگر صدقے کے بیت المال میں سے خرچ کے بیت المال کے واسطے قرض لے لے تو جب خرچ وصول کرے وہ قرض ادا کرے لیکن اگر وہ مال لڑنے والوں کو دیا ہو جو فقیر ہوں تو وہ قرض ادا نہ کرے اس لئے کہ ان کا بیت المال کے صدقہ میں بھی حصہ ہے پس وہ قرض نہ ہوگا اور اگر بیت المال کے خرچ میں سے بیت المال کے صدقہ کے واسطے قرض لے اور اس کو فقیروں میں صرف کرے تو بھی وہ قرض نہ ہوگا اس لئے کہ ان کو نہیں دیا جاتا کہ صدقات کا مال ان کو کافی ہو جاتا ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے اور امام پر واجب ہے کہ حقداروں کے حقوق ان کو ادا کرے اور مال کو ان سے روک نہ رکھے اور امام کو اور اس کے مددگاروں کو ان مالوں میں سے صرف اس قدر حلال ہو جو ان کے عیال کے خرچ کو کافی ہو اور اس مال کے دینے نہ بنادیں اور ان مالوں میں سے جو بیچ رہے اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دے اگر امام اس میں قصور کریں گے تو وبال اس کا ان کی گردنوں پر ہوگا اور امام کو اور صدقہ وصول کرنے والے کو افضل یہ ہے کہ اپنا روزینہ آئندہ مہینے کا اول سے نہ لے لے بلکہ جو مہینہ شروع ہوتا ہے اس کا لے لے یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے ذمیوں کا بیت المال میں کچھ حق نہیں لیکن اگر امام کسی ذمی کو دیکھے کہ بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا تو اس کو بیت المال میں سے کچھ دیدے اس لئے کہ وہ داؤلا سلام کے لوگوں میں سے ہے اس کا زندہ رکھنا امام کے ذمہ ہے یہ محیط سرخسی میں لکھا ہے۔ جس شخص کا بیت المال میں کچھ حق ہو اس کو اگر ایسا مال ملے جو بیت المال میں پہنچنا چاہے تو اس کو جائز ہے کہ ایمانداری کے ساتھ لے لے اور امام کو اپنے حکم میں اختیار ہے کہ اس کو منع کر لے یا دیدے یہ قیہ میں لکھا ہے۔

رہو (۶) باب

## صدقہ فطر کے بیان میں

صدقہ فطر اس شخص پر واجب ہے جو آزاد اور مسلمان اور ایسے نصاب کا مالک ہو جو اس کی اصلی حاجتوں سے زائد ہو یہ اختیار شرح مختار میں لکھا ہے اور اس کی نصاب میں یہ شرط نہیں ہے کہ مال بڑھنے والا ہو اور اسی قسم کے نصاب سے قربانی اور اقارب کا نفقہ واجب ہوتا ہے جو فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے صدقہ فطر چار قسم کی چیزوں میں دینا واجب ہے گیہوں اور جو اور خرما اور کشمش یہ خزانہ ائمہ مفتین اور شرح طحاوی میں لکھا ہے اور وہ گیہوں میں سے نصف صاع ہے اور جو اور خرما میں سے ایک صاع اور جو میں اور خرما میں سے ایک صاع

اور گہیوں اور جو کے آٹے اور ان کے ستوں کو انہیں کا حکم ہے روٹی صدقہ میں دینا جائز نہیں لیکن قیمت کے اعتبار سے روٹی دینا جائز ہے یہی اسح ہے اور کشمش کے واسطے جامع صغیر میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صاع دے اس واسطے کہ اس کے تمام اجزا کھائے جاتے ہیں اور ایک روایت میں امام ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ ایک صاع دے صاحبین کا قول بھی یہی ہے پھر بعضوں کا قول یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے میں عین اس چیز کا اعتبار کرے اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ قیمت کی رعایت کرے یہ محیط سرحی میں لکھا ہے گہیوں کے دینے سے اس کا آنا دینا اولیٰ ہے اور آٹے سے نقد و ہم دینا اولیٰ ہے کیونکہ اس میں حاجتیں دفع ہوتی ہیں ان کے سوا اور اناجوں کو صدقہ میں دینا جائز نہیں مگر اس کی قیمت کا دینا افضل ہے اسی پر فتاویٰ میں مذکور ہے کہ عین اس چیز کا دینے کا حکم نص سے ثابت ہے اس کے دینے سے اس کی قیمت کا دینا افضل ہے اسی پر فتویٰ ہے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اگر عمدہ گہیوں کا چہارم صاع دے جس کی قیمت اور قسم کے گہیوں کے نصف صاع کے برابر ہو یا ایک صاع جو کے بدلے نصف صاع جو عمدہ قسم کے دے تو کل صدقہ ادا نہ ہوگا بلکہ اسی قدر ادا ہوگا اور باقی کی تکمیل واجب ہے اور ایک صاع جو کے بدلے چہارم صاع گہیوں دینا جائز نہیں یہ محیط سرحی میں لکھا ہے اور اگر نصف صاع جو اور نصف صاع خرما دے یا نصف صاع خرما اور ایک من گہیوں دے یا نصف صاع جو اور چہارم گہیوں دے تو ہمارے نزدیک جائز ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے ایک صاع آٹھ رطل بغدادی کا ہوتا اور رطل بغدادی بیس استار کا ہوتا ہے یہ تبیین میں لکھا ہے اور استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے یہ شرح وقایہ میں لکھا ہے اور اگر گہیوں نصف صاع اور دوسری چیزیں ایک صاع اس قول کے بموجب جو امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے بحساب وزن کے معتبر ہے اس لئے کہ علماء کا جو یہ اختلاف ہے کہ ایک صاع کے کس قدر رطل ہوتے ہیں یہی اختلاف اس بات پر اجماع ہے کہ اس میں وزن کا اعتبار ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ فطر کا صدقہ عید الفطر کے روز صبح صادق کے طلوع کے بعد واجب ہوتا ہے جو شخص اس سے پہلے مر جائے اس پر صدقہ واجب نہ ہوگا اور جو اس سے پہلے پیدا ہوا یا مسلمان ہو اس پر واجب ہوگا اور جو شخص اس کے بعد پیدا ہوا یا مسلمان ہو اس پر واجب نہ ہوگا اور اگر فقیر اس سے پہلے مالدار ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا اور اگر غنی اس سے پہلے فقیر ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب نہ ہوگا یہ محیط سرحی میں لکھا ہے جو شخص طلوع فجر کے بعد مرے اس پر صدقہ واجب ہے اور اس طرح جو شخص روز عید کے بعد فقیر ہو جائے اس پر صدقہ واجب ہے یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اگر عید الفطر کے روز سے پہلے صدقہ دیدیں تو جائز ہے اور کچھ مدت کی مقدار کی تفصیل نہیں ہے یہی صحیح ہے اور اگر عید الفطر کا دن گزر گیا اور صدقہ نہ دیا تو صدقہ ساقط نہ ہوگا اور اس کا دینا واجب رہے گا یہ ہدایہ میں لکھا ہے اگر نصاب کے مالک ہونے سے پہلے صدقہ فطر دیدیا یا پھر نصاب کا مالک ہو تو صحیح ہے یہ بحر الرائق میں لکھا ہے اور جنینس الملتقط میں ہے کہ جس شخص سے مہینہ بھر کے روزے بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے ساقط ہو جائیں اس سے صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا یہ مضمورات میں لکھا ہے اور مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے روز طلوع فجر کے بعد عید گاہ کو جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کریں یہ جو ہرۃ النیرہ میں لکھا ہے اور اس کے ادا کرنے کا وقت عامہ مشائخ کے نزدیک تمام عمر ہے یہ بدائع میں لکھا ہے۔

صدقہ فطر اپنی طرف سے اور اپنے بچے کی طرف سے جو صغیر ہو واجب ہوتا ہے۔ یہ کافی میں لکھا ہے۔

خفیف العقل اور مجنون بمنزلہ چھوٹے بچے کے ہے جنون اصلی ہو یا عارضی ہو یہی ظاہر مذہب ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور اگر چھوٹے بچے یا مجنون کے پاس مال ہو تو اس کا باپ یا اس کا وصی یا ان کا دادا یا اس کا وصی صدقہ فطر ان کی طرف سے اور ان کے غاموں کی طرف سے ان کے مال میں سے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ادا کرے اور جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہو اس کی طرف سے ادا نہ کرے اس لئے کہ اس کی حیات معلوم نہیں ہے یہ سراج الوہاب میں لکھا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف

یہ کہہ مشقال ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے تو اس حساب سے ایک استار کے ایک تولہ آٹھ ماشہ ورتی اور ایک رطل کے تینتیس تولہ نو ماشہ اور ایک صاع کے

جو آٹھ رطل کے برابر ہوتا ہے دوسرے تولہ ہوتے ہیں ۱۲

کے نزدیک باپ پر واجب نہیں ہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے یا خفیف العقل بیٹے کے غلاموں کی طرف سے اپنے مال میں سے صدقہ ادا کرے اور دادا پر یہ واجب نہیں ہے کہ اس کا مفلس بیٹا زندہ ہو تو اس کی اولاد کی طرف سے صدقہ ادا کرے اور ظاہر روایت کے بموجب اس صورت میں بھی کہ جب اس کا مفلس بیٹا مر چکا ہو یہی حکم ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جو بچہ دو باپوں کے درمیان میں ہو تو ان میں سے ہر ایک پر اس کا پورا صدقہ واجب ہوگا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک مالدار اور ایک مفلس ہو یا ایک مرچکا ہو تو دوسرے پر پورا صدقہ واجب ہے اور ان دونوں میں سے کسی پر اس بچہ کی طرف سے صدقہ واجب نہیں ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر کسی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا کسی کے ساتھ نکاح کر دیا اور اس کے حوالہ کر دی پھر عید الفطر کا دن آیا تو باپ پر اس کی طرف سے صدقہ واجب نہیں یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اپنے غلاموں کی طرف سے جو خدمت کے لئے ہوں صدقہ دینا واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اور اپنے مدبرہ اور ام ولد کی طرف سے ہمارے نزدیک صدقہ واجب ہے اور جو غلام اجارہ پر دیا ہو اور جس غلام کو تجارت کا اذن دیا ہو ان کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہے اگرچہ غلام قرضہ میں مستغرق ہو اور اگر میت نے اپنے غلام کی خدمت کی کسی شخص کے لئے وصیت کی ہو تو اس کا صدقہ فطر اس کے مالک کے ذمہ ہے اور اس طرح وہ غلام جو بطور عاریت یا بطور وویعت ہو اور وہ غلام جس نے عمد یا خطا کسی کا جرم کیا ہو اس کی طرف سے بھی صدقہ دینا واجب ہوگا اس واسطے کہ مالک کی ملک اس سے اس وقت زائل ہوگئی جس وقت وہ غلام کو اس شخص کے حوالہ کر دے جس کا وہ مجرم ہے اس سے قبل زائل نہ ہوگی یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے غلام مرہوں کی قیمت اگر قرض کے بعد بقدر نصاب فاضل ہو تو اس کی طرف سے بھی صدقہ واجب ہوگا اور اس کے سبب سے اپنی طرف سے بھی صدقہ واجب ہوگا یہ تبیین میں لکھا ہے تجارت کے غلاموں کی طرف سے ہمارے نزدیک صدقہ واجب نہیں ماؤن غلام کے غلاموں کی طرف سے بھی صدقہ واجب نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے مکاتب کی طرف سے صدقہ نہ دے کیونکہ اس کی ملکیت پوری نہیں اور مکاتب خود بھی اپنی طرف سے صدقہ نہ دے کیونکہ وہ فقیر ہے مالک اپنے مکاتب کے غلام کی طرف سے بھی صدقہ نہ دے اور مکاتب بھی اس کی طرف سے صدقہ نہ دے اور جو غلام تھوڑا سا آزاد ہو گیا ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مثل مکاتب کے ہے مالک پر اس کی طرف سے صدقہ لازم نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک وہ مثل آزاد قرضدار کے ہے اگر مٹی ہوگا تو اس پر صدقہ واجب ہوگا ورنہ واجب نہ ہوگا یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے۔ جب مکاتب عاجز ہو جائے اور پھر اصلی غلام بن جائے تو مالک پر پچھلے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور اگر وہ خدمت کے واسطے تھا تو صدقہ فطر نہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور جو ایک غلام یا بہت سے غلام دو آدمیوں میں مشترک ہوں ان کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں اور اگر کسی کا غلام بھاگ گیا ہو یا کافر قید کر لے گئے ہوں یا کسی نے اس کو غصب کر لیا ہو اور انکار کرنا ہو تو مالک پر اس کی طرف سے صدقہ واجب نہیں اور ان غلاموں میں سے خود بھی کسی پر اپنا صدقہ واجب نہیں ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اگر بھاگا ہو غلام لوٹ آئے یا غصب کیا ہو غلام پھر مل جائے اور عید الفطر کا دن گذر چکا ہو تو اس کی طرف سے صدقہ فطر اس گزرے ہوئے کا واجب ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اگر کوئی غلام اس شرط پر خریدا کہ بائع کو یا مشتری کو یا دونوں کا اختیار ہے یا کسی غیر شخص کے واسطے اختیار شرط کیا اور فطر کا دن مدت اختیار میں گذر تو اس کا صدقہ فطر اس بات پر موقوف ہوگا کہ اگر بیع تمام ہوگئی تو مشتری پر واجب ہوگا اور اگر بیع فسخ ہوگئی تو بائع پر واجب ہوگا اور اگر مشتری نے اختیار ویت یا عیب کی وجہ سے بائع کو پھیر دیا تو اگر قبضہ سے پہلے پھیرا تو صدقہ فطر اس غلام کی طرف سے بائع پر واجب ہوگا اور اگر قبضہ کے بعد پھیرا تو مشتری پر صدقہ واجب ہوگا یہ خزانہ امتین میں لکھا ہے اور اگر اس کو بطور بیع قطعی خریدا اور اس پر قبضہ کرنے سے پہلے عید الفطر کا دن گذر تو اگر مشتری نے قبضہ کیا تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا اگر غلام قبضہ کرنے سے پہلے مر گیا تو ان دونوں میں سے

۱۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک باندی دوسروں میں مشترک ہے اس کے بچہ پیدا ہو اور دونوں نے معاً اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو دونوں سے اس کا نسب

ثابت ہوگا اور دونوں اس کے باپ قرار دیئے جائیں گے ۱۲ ۲۔ موقوف یعنی جس کے واسطے آخر میں وہ غلام ٹھہرے ۱۲



کسی پر صدقہ واجب نہیں یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے اگر غلام بطور بیع فاسد بکا اور مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے فطر کا دن گذر چکا پھر مشتری نے اس پر قبضہ کر کے اس کو آزاد کیا تو اس کی طرف سے بائع پر صدقہ واجب ہوگا اور اگر فطر کے دن وہ مشتری کے قبضہ میں تھا پھر بائع نے اس کو واپس کر لیا یا بائع نے واپس نہ کیا اور مشتری نے آزاد کر دیا تو صدقہ فطر مشتری کے ذمہ ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

جس غلام کو تصدیق کرنے کی نذر کی ہو اس کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہوگا یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے۔ جس غلام کو مہر میں لگا دیا ہو اگر خاص اس غلام کو مہر میں دیا ہو تو عورت پر اس کی طرف سے صدقہ واجب ہوگا خواہ عورت نے اس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اس لئے کہ وہ عقد نکاح کے ساتھ اس کی مالک ہوگئی اور اگر دخول سے پہلے اس عورت کو طلاق دیدی پھر فطر کا دن گذر گیا تو اگر اس غلام پر قبضہ نہیں کیا تھا تو کسی پر صدقہ واجب نہ ہوگا اور اگر قبضہ کر لیا تھا تو بھی اس قول کے بموجب یہی حکم ہے یہ خزانۃ المفتیین میں لکھا ہے۔ اور اگر مہر میں وہ غلام معین نہیں ہوا تھا تو بھی کسی پر صدقہ واجب نہ ہوگا یہ تاتار خانہ میں لکھا ہے اور اگر کسی نے اپنے غلام سے یہ کہہ دیا تھا کہ جب فطر کا دن آئے تو آزاد ہے پھر فطر کا دن آیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور مالک پر اس کی طرف سے صدقہ فطر اس کے آزاد ہونے سے پہلے بلا فصل واجب ہوگا یہ جوہرۃ النیرہ اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔ اپنی بی بی کی طرف سے اور اس اولاد کی طرف سے کئی عمر بڑی ہو صدقہ فطر نہ دے اگر چہ وہ اس کی عیال میں ہوں اور اگر ان کی طرف سے یا اپنی بی بی کی طرف سے بغیر ان کے حکم کے صدقہ فطر ادا کیا تو بطور استحسان کے ان کی طرف سے ادا ہو جائے گا یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اسی پر فتویٰ یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے جو لوگ اس کی عیال میں نہ ہوں ان کی طرف سے صدقہ فطر دینا جائز نہیں لیکن اگر وہ حکم کریں تو دینا جائز ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ اور اپنے دادا اور دادیوں اور ان لوگوں کی طرف سے جن کو بطور احسان کے نفقہ دیتا ہے صدقہ فطر واجب نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور باپ اور ماں کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب نہیں اگر چہ وہ اسکی عیال میں شامل ہوں اسلئے کہ اسکو ان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی جس طرح بڑی اولاد کی طرف سے صدقہ واجب نہیں یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ چھوٹے بھائیوں کی طرف سے اور دوسرے قرابت والوں کی طرف سے بھی صدقہ واجب نہیں اگر چہ وہ اس کی عیال میں شامل ہوں یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ صدقہ فطر ولایت سے اور ذمہ داری سے متعلق ہے پس جو شخص کی ولایت اور ذمہ داری اور نفقہ اسکے ذمہ واجب ہے اسکی طرف سے صدقہ فطر بھی اسکے ذمہ واجب ہے ورنہ واجب نہیں یہ شرح طحاوی میں لکھا ہے ہر شخص کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دینا واجب ہے اگر دو بارہ یا زیادہ کو تقسیم کرے تو جائز نہیں اور ایک جماعت کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دینا جائز ہے یہ تبیین میں لکھا ہے۔

اگر کوئی شخص مر جائے اور زکوٰۃ یا صدقہ فطر یا کفارہ یا نذر اس کے ذمہ ہو تو ہمارے نزدیک اس کے ترکہ سے نہ لیں گے لیکن اگر اسکے وارث بطور تبرع ادا کریں تو جائز ہے اور اگر نہ کریں ان پر جہر نہ کیا جائے گا اور اگر اس شخص نے اس کی وصیت کر دی ہو تو جائز ہے اور اس کی وصیت تہائی مال میں سے جاری ہوگی یہ جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے۔ اگر عورت کو اس کے شوہر نے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم کیا اور اس نے شوہر کے صدقہ فطر کے گیسوں کو اپنے صدقہ کے گیسوں میں بغیر اذن شوہر کے ملا کر کسی فقیر کو دیدیا تو اس عورت کی طرف سے جائز ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے شوہر کی طرف سے جائز نہ ہوگا یہ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔ کسی شخص کی اولاد اور بی بی ہو اور اس نے سب کی طرف سے صدقہ ادا کرنے کے لئے پیمانہ سے گیسوں ناپے تاکہ صدقہ فطر ادا کر لے پھر ان کو جمع کر کے سب کی نیت سے فقیر کو دیدیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا مصرف اس صدقہ کا یہی ہے جو مصرف زکوٰۃ کا ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔